1
قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
المصباح فی زجاجۃ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ وشرح
تفسیر جلالین
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالیہ
شبیر برادرز
اردو بازار ، لاہور
سورۃ الفاتحہ
سورۃ البقرہ
سورۃ آل عمران

قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے

تفسیرِ مصباحین

ترجمہ و شرح

تفسیرِ جلالین

نمبر 1

سُوْرَةُ الفَاتِحَہ | سُوْرَةُ البَقَرَہ | سُوْرَةُ آلِ عِمْرَان

تصنیف

امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالی

شبیر برادرز®

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ــــــ (نمبر 1) ــــــ تفسیر مصباحین فی تفسیر جلالین

تصنیف ــــــ امام جلال الدین محلی شافعی / امام جلال الدین سیوطی شافعی

مترجم ــــــ علامہ محمد لیاقت علی رضوی

کمپوزنگ ــــــ ورڈز میکر

باہتمام ــــــ ملک شبیر حسین

سن اشاعت ــــــ مارچ 2014ء

سرورق ــــــ اے ایف ایس ایڈورٹائزر

طباعت ــــــ اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ہدیہ ــــــ روپے

شبیر برادرز®

زبیدہ سنٹر، ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

shabbirborther786@gmail.com

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

السورۃ البقرۃ

﴿سورت آل عمران﴾

مقدمہ تفسیر مصباحین

الحمد لله الذی وفقنا لأداء أفضل الطاعات ووفقنا علی کیفیة اکتساب أکمل السعادات وهدانا إلی قولنا : أعوذ بالله من الشیطان الرجیم من کل المعاصی والمنکرات " (بسم الله الرحمن الرحیم) " نشرع فی أداء کل الخیرات والمأمورات " (الحمد لله) " الذی له ما فی السموات " (رب العالمین) " بحسب کل الذوات والصفات " (الرحمن الرحیم) " علی أصحاب الحاجات وأرباب الضرورات " (مالك یوم الدین) " فی إیصال الأبرار إلی الدرجات وإدخال الفجار فی الدرکات " (إیاك نعبد وإیاك نستعین) " فی القیام بأداء جملة التکلیفات " (اهدنا الصراط المستقیم) " بحسب کل أنواع الهدایات " (صراط الذین أنعمت علیهم) " فی کل الحالات والمقامات " (غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) " من أهل الجهالات والضلالات والصلاة علی محمد المؤید بأفضل المعجزات والآیات وعلی آله وصحبه بحسب تعاقب الآیات وسلم تسلیما, اما بعد فیقول العبد الضعیف الی حرم ربه الباری، محمد لیاقت علی الحنفی الرضوی البریلوی غفرله والوالدیه، الساکن قریة سنتیکا من مضافات بهاولنپر احرر "مصباحین بشرح التفسیر الجلالین "بتوفق الله تعالی و بوسیلة النبی الکریم ﷺ۔ ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعین وائمة المفسرین فی الامة المسلمة،(رضی الله عنهم) ۔

لفظ قرآن کے لغوی معانی کا بیان

قرآن کو قرآن کیوں کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ لفظ یا تو نکلا ہے قرء یقرء سے جس کا معنی ہے پڑھنا اور قرآن مصدر کا صیغہ ہے مقروء کے معنی پر یعنی وہ کتاب جس کو پڑھا گیا ہے یا جن کو پڑھا جاتا ہے یا یہ لفظ نکلا ہے قرن یقرن سے جن کا معنی ہے ملانا۔ ملنا، جڑنا، تو قرآن بمعنی مقرون یعنی وہ کتاب جس کی آیات باہم ملی ہوئی ہیں۔

مصدر "قرأ" (قرأت) بمعنی "تلا" (تلاوت) یا پھر بمعنی "جمع" (جمع) ۔آپ کہتے ہیں "قرأ قرءاً وقرآناً" جیسا کہ کہتے ہیں: "غفر غفراً وغفرانا"۔ پس پہلے معنی کے اعتبار سے "تلا" مصدر ہوگا بمعنی اسم مفعول کے یعنی "متلو" (جس کی تلاوت کی جاتی ہے)۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے "جَمَعَ" مصدر ہوگا بمعنی اسم فاعل یعنی "جامع" (جمع کرنے والا) کیونکہ قرآن مجید اخبار واحکام کو جمع کرتا ہے۔

لفظی تعریف :لفظ قرآن، قرآن مجید میں ساٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اصل نام ہی قرآن ہے۔ صحیح لفظ قُرْآن اور صحیح تلفظ بھی قُرْآن ہے۔ بقول ابن کثیر، صرف ابو عمرو بن العلاء ہی اسے بغیر

ہمزہ کے پڑھا کرتے تھے۔ یہ نہ حرف ہے نہ فعل بلکہ اسم ہے اس پر اتفاق کرتے ہوئے اسے جامد یا مشتق مانا گیا ہے۔ کچھ علماء نے اسے اسم جامد کہا اور غیر مہموز بھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اسماعیل بن قسطنطین سے علم حاصل کیا وہ القران کہا کرتے یعنی بغیر ہمزہ کے اسے پڑھا کرتے تھے۔

قرآن: قَرَأْتُ سے ماخوذ بھی نہیں۔ ورنہ ہر چیز جو پڑھی جاتی اسے قرآن ہی کہا جاتا۔ بلکہ یہ قرآن کا اسم ہے جیسے توراۃ اور انجیل ہے۔ قرأت ہمزہ سے ہے اور القران ہمزہ کے بغیر۔ جیسے: (وإذا قرأتَ القرآنَ) قرأت ہمزہ سے آیا ہے اور القران، ہمزہ کے بغیر۔ ابن کثیر کی قراءت یہی ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ قرآن اسم مشتق ہے۔ پھر اس کے بعد دو آراء بن گئیں: اس میں نون اصلی ہے جو مادہ ق ر ن سے مشتق ہے۔ پھر اختلاف اس پر ہوا کہ: قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ سے مشتق ہے۔ جب کوئی شے کسی شے سے ملا دی جائے۔ اسی سے عربوں کا قول ہے: قَرَنَ بَيْنَ الْبَعِيْرَيْنِ۔ جب وہ ان دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ ایک ہی احرام میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے حج قران نام پڑا ہے۔

مگر فراء کا یہ کہنا ہے یہ قرائن سے مشتق ہے جو قرینہ کی جمع ہے۔ کیونکہ اس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا ہمزہ اصلی ہے۔ پھر ان کی بھی آگے دو آراء ہو گئیں: پہلی رائے: فُعلان کے وزن پر قرآن ہے یہ قرأ سے مشتق ہے جو بمعنی تلا ہے۔ یہ مصدر ہے قرأ کا۔ جیسی غَفَرَ يَغْفِرُ سے غُفران ہے اسی وزن پر شکران، رُجحان، خسران، کفران، وغیرہ بھی ہیں۔ یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہوگا۔ یعنی بکثرت تلاوت کیا گیا۔ کیونکہ دیگر صحیفوں کو اس طرح کی تلاوت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے جس میں قرآن بار بار پڑھنے اور پڑھوانے کے معنی میں ہے۔

(اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَه وَقُرْاٰنَه فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَه ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه) (القیامۃ: ۔)

قرآن کا جمع کرنا اور اسے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر آپ اسے پڑھئے۔ اسے بیان کرنے کی ذمہ داری بھی ہماری ہے۔ یہاں (قرآنہ) بمعنی قرائت کے ہے۔ (الاتقان)

دوسری رائے: یہ فُعلان کے وزن پر بطور وصف کے ہے۔ اور قرْءٌ سے جو بمعنی جمع کرنے کے ہے مشتق ہے۔ جیسے: قَرَأَ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ جب حوض پانی کو جمع کر لے تو یہ کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں قُرآن کا مطلب: جمع کرنا بھی ہے۔ جو ظاہر ہے ایک مصدری معنی ہے۔ اگر یہ مصدر بمعنی اسم فاعل لیں تو معنی: اخبار و احکام کا جامع ہوگا۔ اگر مصدر بمعنی مفعول لیں تو پھر قرآن کا معنی مصاحف اور سینوں میں جمع شدہ۔

ابن الاثیر کا کہنا ہے: کہ قرآن سورتوں کو باہم جمع کرتا اور ملاتا ہے یا وہ قصص، امر و نہی، وعدہ و وعید سب کا جامع ہے۔ اور یہ غفران کی طرح پھر مصدر ہے۔ (النہایۃ)

مگر اس کی معقول معنوی توجیہہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے کہ قرآن نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ سابقہ ساوی

کتب کا جامع ہے۔اس اعتبار سے قرآن کریم پچھلی تمام الہامی کتابوں کا جامع اور نچوڑ ہے۔تورات تو صرف احکام وقانون کی کتاب تھی۔زبور حمد وثناء اور مناجات کا مجموعہ اور انجیل اخلاق کی کتاب تھی۔مگر قرآن مجید ان سب کا جامع ہے۔اس میں قانون بھی ہے اور اخلاق بھی، حمد وثنا بھی اس میں ہے اور مناجات بھی۔

بہر حال دوسری رائے جولحیانی اور زجاج کی ہے وہی راجح ہے کہ اس میں ہمزہ اصلی ہے اور لفظ قرآن مہموز ہے وصف ہے یا مصدر ہے۔رہا اس کا غیر مہموز ہونا تو یہ بعض قراءات میں از باب تخفیف ہے اور اس کی حرکت اپنے ماقبل کی طرف منتقل کی گئی ہے جو عام بات ہے۔پھر اسے مصدریت یا وصفیت سے نکال کر علم بنادیا گیا ہے جیسا کہ محققین کا کہنا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے اور جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح بھی دی ہے کہ لفظ قرآن ایسا عَلَم ہے جو کسی سے مشتق نہیں یہ اللہ کی کتاب کا نام ہے جیسے دوسری کتب سماویہ کا اپنا اپنا نام تھا۔

لفظ قرآن کے مشتقات ووجوہ تسمیہ کا بیان

فقہاء اور علمائے اصول کی اصطلاح میں الکتاب کا قرآن کریم پر اطلاق بطور علم کے ہوتا ہے۔پھر لفظ قرآن کے مشتق ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ بیہقی، خطیب اور ایک جماعت کی روایت کے مطابق امام شافعی علیہ الرحمہ کے ہاں مختار بات یہ ہے کہ لفظ قرآن علم شخصی غیر مشتق ہے اور اس کتاب کے ساتھ خاص ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، نیز لفظ القرآن معرفہ غیر مہموز ہے، یعنی لام کلمہ حرف ہمزہ نہیں بلکہ الف ہے اور قراء سبعہ میں سے ابن کثیر مکی نے بھی اسے یوں ہی پڑھا ہے، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک لفظ قرآن القرأۃ سے ماخوذ نہیں ہے۔امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ اور دیگر بعض حضرات کے نزدیک لفظ قرآن دراصل مشتق ہی تھا، لیکن بعد میں علمیت کا غلبہ ہوگیا، پھر ان حضرات کا آپس میں لفظ قرآن کے مشتق منہ کی تعیین میں اختلاف واقع ہوا۔

امام اشعری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لفظ قرآن قرنت الشیء بالشیء یعنی اذا ضممته سے ماخوذ ہے، اس میں حرف نون اصلی ہے، اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن کی سورتوں، آیات اور حروف کا آپس میں ربط اور تعلق ہے گویا ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اسی بناء پر اسے قرآن کہا جاتا ہے، لیکن اس قدر وجہ تسمیہ کافی نہ ہوگی اس لیے کہ اس سبب میں کوئی ایسی زائد خاص فضیلت ثابت نہیں ہورہی، ہاں! یوں کہا جائے کہ کلمات قرآنی کا آپس میں ربط وتعلق ایسے بلیغ اسلوب اور عجیب ترتیب وتناسق کے ساتھ ہے کہ قرآن صرف وہی ہے۔

مشہور لغوی امام فراء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن قرائن سے مشتق ہے، اسکی وجہ تسمیہ وہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ اس کی آیات آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، مذکورہ بالا دونوں اقوال کی روشنی میں لفظ قرآن کا نون حرف اصلی ہوگا اور یہ مشتق منہ غیر مہموز ہے، اور ان صورتوں میں قرآن کا وزن فعآل ہوگا نہ کہ فعلان۔

امام زجاج نحوی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ قرآن مہموز ہے اور ہمزہ کو تخفیفا ترک کردیا گیا ہے اور ہمزہ کی

حرکت ماقبل ساکن حرف راء کو دے دی گئی ہے، ائمہ لغت کی ایک جماعت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے جن میں ابو عبیدۃ، معمر بن المثنی، لحیانی اور قطرب وغیرہ حضرات سرفہرست ہیں۔ پھر ان علماء لغت کے درمیان ایک اور اختلاف واقع ہوا۔

امام لحیانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن لفظ غفران کی طرح مصدر ہے اور قرآن کو شیء مقروء کا نام دینا مفعول کو مصدر کا نام دینے کے قبیل سے ہے، اس سے ثابت ہوا کہ قرآن قرأت سے مشتق ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک قرآن قرء سے ہے جو بمعنی جمع کرنے کے مستعمل ہے، چونکہ قرآن کریم میں سورتوں کو آپس میں جمع کر دیا گیا ہے اس لیے قرآن کہلاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم گذشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتب کے ثمرات وفوائد کو جمع کرتا ہے اس لیے قرآن کہلاتا ہے۔

قرآن کو درست پڑھنے اور سیکھنے کا بیان

یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جو مستند نسخے لکھوا کر مملکت کے مختلف مراکز میں رکھوائے تھے ان کے ساتھ ایک ایک ماہر قراءت کو بھی مقرر کیا تھا تا کہ وہ ان نسخوں کو ٹھیک طریقے سے پڑھنا لوگوں کو سکھائے۔ مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس خدمت پر مقرر تھے۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ شام میں مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ، کوفہ میں ابوعبدالرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ اور بصرہ میں عامر بن عبدالقیس رضی اللہ عنہ اس منصب پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ جہاں جو صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یا آپ کے بعد قراء صحابہ سے قرآن کی پوری قراءت سیکھے ہوئے تھے، ان کی طرف ہزار ہا آدمی اس مقصد کے لیے رجوع کرتے تھے کہ قرآن کا صحیح تلفظ اور صحیح اعراب لفظ بلفظ ان سے سیکھیں۔

قرآن کو سات قرأتوں پر پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم سات طرح پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت ظاہر ہے اور باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے۔

(شرح السنۃ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 227)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص وہاں آیا اور نماز پڑھنے لگا اس نے نماز ہی میں یا نماز کے بعد ایسی قرأت پڑھی (یعنی ایسے لہجے میں قرآن شریف پڑھا) کہ میں نے اسے درست نہیں سمجھا پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے قرأت پڑھی جب ہم سب نماز سے فارغ ہو چکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مسجد ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ یا آپ کے حجرہ مبارک میں) حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس شخص نے ایسی قرأت پڑھی جسے میں نے درست نہیں سمجھا اس کے بعد یہ دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے

قرأت پڑھی! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دونوں کو اپنے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم دیا ان دونوں نے پڑھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی قرأت کی تحسین وتوثیق کی یہ دیکھ کر میرے دل میں اس بات کی تکذیب کا وسوسہ پیدا ہوگیا ایسا وسوسہ اور شبہ جو ایام جاہلیت میں پیدا نہیں ہوا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کیفیت دیکھی جو مجھ پر طاری تھی یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ میرے دل میں تردد وشبہ پیدا ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا تاکہ اس کی برکت سے وسوسہ ختم ہو جائے چنانچہ میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور خوف کی وجہ سے میری ایسی حالت ہوگئی کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ابی! جب قرآن نازل ہوا تو میرے پاس حضرت جبرائیل کے ذریعہ سے یہ حکم بھیجا گیا کہ میں ایک طریقہ یعنی ایک قرأت پر یا ایک لغت پر قرآن پڑھوں میں نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ میری امت پر آسانی عطا فرمائی جائے تاکہ آسانی ہو بایں طور کہ ایک ہی قرأت میں قرآن پڑھنا مشکل ہے اس لیے کئی قرأتوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ آسانی ہو چنانچہ دوسری مرتبہ مجھے حکم یہ دیا گیا کہ میں دو قرأتوں پر قرآن پڑھوں! میں نے پھر درخواست پیش کی کہ میری امت کو مزید آسانی عطا فرمائی جائے چنانچہ تیسری مرتبہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں قرآن کریم کو سات طریقوں سے یعنی سات لغات یا سات قرأت کے مطابق پڑھوں اور یہ بھی فرمایا کہ جتنی مرتبہ ہم نے آپ کو حکم دیا ہے اتنی ہی مرتبہ آپ ہم سے دعا مانگئے ہم اسے قبول کریں گے چنانچہ میں نے بارگاہ الوہیت میں دو مرتبہ یہ دعا کی کہ اے اللہ میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے اے اللہ میری امت میں سے صغیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے رکھ چھوڑی ہے جس دن مخلوق مجھ سے سفارش وشفاعت کی خواہش کرے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ سے شفاعت کی خواہش کریں گے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 731)

دنیا کی ہر زبان میں فصاحت و بلاغت اور لب ولہجہ کے اعتبار سے مختلف اسلوب اور مختلف لغات ہوتی ہیں۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی سات لغات عرب میں مشہور تھیں، اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم سات طرح یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے۔

معروف سات لغات عرب کا بیان

ان سات لغات کی تفصیل اس طرح ہے۔ لغت قریش، لغت طی، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہذیل اور لغت بنی تمیم۔

قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھنا جانا اس لیے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب ولہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخشی جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر آدمی قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنی کے رضی اللہ عنہ کے زمانہ

تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔

لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کرا کر اسلامی سلطنت کے ہر ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انھوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغت قریش تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اس ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کے لیے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی جڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلافات کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے اور نوبت بایں جا رسد کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کر دی گئیں اور اگر کوئی لغت باقی بھی رہی تو وہی رہی جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق رہا اور جو سند متصل اور تواتر کے ساتھ آخر میں قراء سبعہ تک پہنچی اس کے علاوہ لغت میں مکرر یعنی امالہ وادغام وغیرہ کا اختلاف بھی باقی رہا جو آج تک قراء سبعہ میں موجود ہے۔

اختلاف اور قرأتوں کی سات میں تحدید کا بیان

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ قرآن سات طرح پر نازل ہوا ہے تو سات طرح سے مراد وہ سات قرأتیں ہیں جو قراء سبعہ پڑھتے ہیں، پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگرچہ قرأتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن یہاں سات کی تحدید اس لیے کی گئی ہے کہ اختلاف کی بھی سات ہی قسمیں ہیں جن کی طرف یہ سات قرأتیں راجع ہیں۔

(۱) کلمہ کی ذات میں اختلاف یعنی کلمہ میں کمی وزیادتی ہیں۔ (۲) جمع اور مفرد کا اختلاف (۳) مذکر اور مونث کا اختلاف (۴) صرفی اختلاف یعنی تخفیف وتشدید اور فتح وکسرہ وغیرہ کا اختلاف جیسے مَیِّتٌ اور مَیْتٌ یَقْنَط اور یَقْنِط (۵) اعراب کا اختلاف (۶) حروف کا اختلاف جیسے لکن الشیطین میں نون کی تشدید اور تخفیف (۷) ادائیگی لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ

چنانچہ ظاہر کا مطلع یعنی وہ مقام جس پر پہنچ کر حد اور نہایت معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کے اصول وقواعد سیکھے جائیں، علم صرف ونحو حاصل کیا جائے کہ قرآن کے ظاہری معنی انہیں سے متعلق ہیں، نیز ہر آیت کا شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کا علم حاصل کرے، یا اسی طرح وہ دوسری چیزیں ہیں جن پر قرآن کے ظاہری معنی کے سمجھنے کا انحصار ہے۔

قرأت قرآن کے معروف ائمہ سبعہ کا بیان

عام طور پر قرآن کو سیکھنے والوں کے علاوہ تابعین وتبع تابعین کے عہد میں ایک گروہ ایسے بزرگوں کا بھی پیدا ہو گیا جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ قراءت قرآن میں اختصاص پیدا کیا۔ یہ لوگ ایک ایک لفظ کے تلفظ، طریق ادا اور اعراب کو معلوم کرنے کے لیے سفر کر کے ایسے اَساتذہ کے پاس پہنچے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر نسبت تلمذ رکھتے تھے اور ہر ہر لفظ کی قراءت کے

متعلق یہ نوٹ کیا کہ اسے انہوں نے کس سے سیکھا ہے اور اس کے استاد نے کس سے سیکھا تھا۔اسی مرحلے میں یہ بات تحقیق ہوئی کہ مختلف صحابیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے شاگردوں کی قراءت میں کہاں کہاں اور کیا اختلافات ہیں۔ان میں سے کون سے اختلافات شاذ ہیں،کون سے مشہور ہیں،کون سے متواتر ہیں اور ہر ایک کی سند کیا ہے۔

پہلی صدی کے دورِ آخر سے لے کر دوسری صدی تک اس طرح کے ماہرین قراءت کا ایک گروہ کثیر دنیائے اسلام میں موجود تھا۔مگر ان میں خاص طور پر جن لوگوں کا کمال علم تمام اُمت میں تسلیم کیا گیا وہ حسب ذیل سات اَصحاب ہیں جو قراء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

1۔نافع بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ متوفی ۱۲۹ھ یہ اپنے وقت میں مدینہ کے رئیس القراء مانے جاتے تھے ان کا سب سے زیادہ معتبر سلسلہ تلمذ یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پورا قرآن پڑھا۔انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

2۔عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ یہ مکہ کے امام قراءت تھے۔۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ان کے خاص استاد عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تھے جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے سرکاری نسخے کے ساتھ تعلیم دینے کے لیے مکہ بھیجا تھا اور عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پورا قرآن پڑھا تھا۔

3۔ابوعمرو بن العلاء البصری رحمہ اللہ ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔حرمین اور کوفہ و بصرہ کے کثیر التعداد ائمہ قراءت سے علم حاصل کیا۔ان کے سب سے زیادہ معتبر سلسلہ تلمذ دو تھے۔ایک مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا سلسلہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا تھا۔دوسرا حسن بصری رحمہ اللہ کا سلسلہ جن کے اساتذہ ابوالعالیہ تھے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

4۔عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ۔یہ اہل شام میں قراءت کے امام مانے گئے۔۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸ میں وفات پائی۔بڑے بڑے صحابہ سے قراءت سیکھی تھی۔ان کے خاص استاذ مغیرہ بن شہاب مخزومی رحمہ اللہ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قراءت کا علم حاصل کیا تھا۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کا جو سرکاری نسخہ شام بھیجا گیا تھا اس کے ساتھ یہی مغیرہ بن شہاب رحمہ اللہ تعلیم قراءت پر مامور کر کے بھیجے گئے تھے۔

5۔حمزہ بن حبیب الکوفی رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ان کا خاص سلسلۂ سند عن الاعمش،عن یحییٰ بن وثاب،عن زر بن حبیش،عن علی وعثمان وابن مسعود رضی اللہ عنہم ہے۔اپنے وقت میں یہ کوفہ کے امام اہل قراءت مانے جاتے تھے۔

6۔علی الکسائی رحمہ اللہ۔یہ حمزہ کے بعد کوفہ کے امام قراءت مانے گئے۔یہ بیک وقت نحو کے امام بھی تھے اور قراءت کے امام

بھی۔ان کی مجلس میں سینکڑوں آدمی اپنے اپنے مصاحف لے کر بیٹھ جاتے اور یہ قرآن کے ایک ایک لفظ کا صحیح تلفظ، طریق اَداء اور اعراب بتاتے جاتے تھے۔۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

7۔عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ۔کوفہ کے شیخ القراء، ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ان کے معتبر ترین ذریعہ علم قراءت دو تھے۔ایک زر بن حبیش رحمہ اللہ جنہوں نے حضرات علی وعثمان وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے قراءت کا علم حاصل کیا تھا۔دوسرے عبداللہ بن حبیب السلمی رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا معلم قراءت مقرر کیا تھا۔آج قرآن کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ انہی عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ کے مشہور ترین شاگرد حفص رحمہ اللہ (۹۰ھ، ۱۸۰ھ) کی روایت کے مطابق ہے۔

تفسیر کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ لفظ تفسیر کا مادہ فسر، ف،س،ر ہے اور یہ باب تفعیل سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں ظاہر کرنا، کشف کرنا، بند چیز کو کھولنا، بے حجاب کرنا، تشریح کرنا، توضیح وتفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا۔

(لسان العرب، ج2،ص136)

قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۔(الفرقان،25:33)

وہ جو بھی مثال آپ کی خدمت میں لائیں گے ہم اس (مثال) کے عوض آپ کے پاس حق اور بہترین تفصیل لائیں گے۔

امام ابن جریر طبری نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں تفسیر سے مراد تفصیل اور حضرت مجاہد کی روایت میں تفسیر سے مراد بیان لیا ہے۔(جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، ج19،ص11)

قاضی محمد زاہد الحسینی نے لغوی اعتبار سے تفسیر کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ تفسیر کا لفظی معنی وہ طریق کار ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت تلاش کی جائے جیسا کہ طبیب مریض کا حال معلوم کرنے کے لئے پورے غور وفکر سے کام لیتا ہے۔

تفسیر کے معنی اپنے عام ترین لغت کے مفہوم میں کسی دشوار عبارت یا تحریر یا کلام کو وضاحت وصراحت سے بیان کرنے کے ہوتے ہیں۔علم المعانی میں تفسیر کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ؛تفسیر کسی رمی زبان میں موجود علامات کو معنی پہنانے اور اس کے جملوں کو بچی اقدار تفویض کرنے کو کہا جاتا ہے۔اردو میں تفسیر کا لفظ، قرآن کی آیات کو تفصیل یا تشریح کے ساتھ بیان کرنے یا سمجھانے کے لیئے بکثرت استعمال ہوتا ہے؛اس لفظ تفسیر کا ماخذ ایک عربی لفظ، فسر، ہے جس کے معنی توضیح، صراحت اور تشریح کے ہوتے ہیں (1)۔اسی عربی لفظ فسر سے، اردو زبان میں، تفسیر کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ الفاظ بھی بنائے جاتے ہیں جیسے؛مُفَسَّر، مُفَسِّر اور مُفَسَّر وغیرہ (2)۔تفسیر کی جمع تفاسیر کی جاتی ہے اور مفسر کی جمع مفسرون آتی ہے۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف کا بیان

علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے اس کی مختصر تعریف یوں نقل کی ہے۔

"هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ فَهْمُ كِتَابِ اللهِ الْمُنَزَّلِ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيَانُ مَعَانِيْهِ وَاسْتِخْرَاجِ أَحْكَامِهٖ وَحِكَمِهٖ" ۔ (البرهان في علوم القرآن)

وہ ایسا علم ہے جس سے قرآن کریم کی سمجھ حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کو نکالا جا سکے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تعریف میں مزید عموم پیدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ، وَمَدْلُوْلَاتِهَا، وَأَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيْبِيَّةِ، وَمَعَانِيْهَا الَّتِيْ تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيْبِ، وَتَتِمَّاتٌ لِذٰلِكَ ۔(تفسير روح المعاني)

وہ علم ہے کہ جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے اور ان کے مفہوم اور ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہو جو کہ ان الفاظ سے جوڑنے کی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں اور ان معانی کا تکملہ جو ناسخ و منسوخ اور شان نزول اور غیر واضح مضمون کی وضاحت میں بیان کیا جائے۔

علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق و تلفظ، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

(بحر محیط، بیروت، لبنان، دار الفکر، ج 1، ص 26)

اس تعریف کی روشنی میں علمِ تفسیر مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) "الفاظِ قرآن کی ادائیگی کے طریقے" یعنی الفاظ قرآن کو کس کس طرح پڑھا جا سکتا ہے؟ اس کی توضیح کے لیے قدیم عربی مفسرین اپنی تفسیروں میں ہر آیت کے ساتھ اس کی قرأتیں بھی تفصیل سے واضح کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے ایک مستقل علم "علم قرأت" کے نام سے بھی موجود ہے۔

(۲) "الفاظ قرآنی کے مفہوم" یعنی ان کی لغوی معنی، اس کام کے لیے علم لغت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے اور اسی بناء پر تفسیر کی کتابوں میں علماء لغت کے حوالے عربی ادب کے شواہد بکثرت ملتے ہیں۔

(۳) "الفاظ کے انفرادی احکام" یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ اس کا مادہ کیا ہے، یہ موجودہ صورت میں کس طرح آیا ہے، اس کا وزن کیا ہے، اور اس وزن کے معانی و خواص کیا ہیں؟ ان باتوں کے لیے علم صرف کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۴) "الفاظ کے ترکیبی احکام" یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر کیا معنی دے رہا ہے؟ اس کی نحوی ترکیب کیا ہیں؟ اس پر موجودہ حرکات کیوں آئی ہیں اور کن معانی پر دلالت کر رہی ہیں؟ اس کام کے لیے علم نحو اور علم معانی سے مدد لی جاتی ہے۔

(۵) "ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی" یعنی پوری آیت اپنے سیاق وسباق میں کیا معنی دے رہی ہے؟ اس مقصد کے لیے آیت کے مضامین کے لحاظ سے مختلف علوم سے مدد لی جاتی ہے، مذکورہ علوم کے علاوہ بعض اوقات علم ادب اور علم بلاغت سے کام لیا جاتا ہے، بعض اوقات علم حدیث اور بعض اوقات علم اصول فقہ سے۔

(۶) "معانی کے تکملے" یعنی آیات قرآنی کا پس منظر اور جو بات قرآن کریم میں مجمل ہے اس کی تفصیل، اس غرض کے لیے زیادہ تر علم حدیث سے کام لیا جاتا ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی یہ میدان اتنا وسیع ہے کہ اس دنیا کے ہر علم وفن کی معلومات کھپ سکتی ہیں کیونکہ بسا اوقات قرآن کریم ایک مختصر سا جملہ فرماتا ہے مگر اس کی میں حقائق واسرار کی ایک غیر متناہی کائنات پوشیدہ ہوتی ہے مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات) اور تم اپنی جانوں میں غور کرو کیا تم نہیں دیکھتے۔

غور فرمایئے اس مختصر سے جملے کی تشریح وتفصیل میں پورا علم الابدان اور پورا علمِ نفسیات سما جاتا ہے اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی تخلیقی حکمت بالغہ کے جن اسرار کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ سب پورے ہوگئے ہیں؛ چنانچہ تفسیر کے اس ذیلی جز میں عقل وتدبر، تجربات ومشاہدات کے ذریعے انتہائی متنوع مضامین شامل ہیں۔ (علوم القرآن)

تفسیر وتاویل کے مفہوم کا بیان

تفسیر کے معنی ہیں کسی چیز کا کھولنا ظاہر کرنا بیان کرنا۔ اور اہلِ علم کی اصطلاح میں تفسیرِ قرآن کے معنی ہیں: قرآنِ کریم کے معانی کو بیان کرنا اور مرادِ خداوندی کی تعیین کرنا۔

تاویل کے معنی ہیں: پھیرنا لوٹانا۔ اور اہلِ علم کی اصطلاح میں تاویل سے مراد ہے: قرآنِ کریم کے الفاظ اور جملوں کو ان کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔

تفسیر وتاویل کے الفاظ عموماً ہم معنی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور بعض اہلِ علم ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ تفسیر کا لفظ زیادہ تر مفرد الفاظ کی تشریح کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تاویل کا لفظ جملوں کا مفہوم بیان کرنے کے لئے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس فقرے کا مفہوم قطعی طور پر متعین ہو اور اس میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش نہ ہو ایسے مفہوم کو بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔ اور جہاں متعدد معانی کا احتمال ہو وہاں غور فکر کے بعد ایک پہلو کو متعین کرنے کا نام تاویل ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو مفہوم منقول ہو اس کا نام تفسیر ہے اور جو اجتہاد واستنباط سے تعلق رکھتا ہو اسے تاویل کہا جائے گا۔ علمِ تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ کریم کے معنی بیان کئے جائیں اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے۔

تفسیر کے مأخذ استدلالیہ کا بیان

یعنی وہ ذرائع جن سے قرآن کریم کی تفسیر معلوم ہوسکتی ہے، یہ تقریباً چھ قسم کی بتلائی گئی ہیں۔

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن۔ (قرآن کریم کی کسی آیت یا لفظ کی تشریح قرآن ہی کی کسی دوسری آیت یا لفظ سے کی جائے) (۲) تفسیر القرآن بالاحادیث النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (قرآن مجید کے کسی آیت کی وضاحت نبی کریم ﷺ کے کسی قول یا

فعل سے کی جائے)

(۳) تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔(قرآن پاک کے کسی آیت کی تشریح حضرات صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کے قول سے کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ)

(۴) تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمہم اللہ۔(قرآن مجید کے کسی آیت کی وضاحت حضرات تابعین میں سے کسی تابعی کے قول سے کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ)

(۵) تفسیر القرآن بلغۃ العرب۔(قرآن مجید کے کسی آیت یا کسی لفظ کی تشریح اہل عرب کے اشعار اور عربی محاورات کے مطابق کی جائے، تفسیری شرائط کے ساتھ)

(۶) تفسیر القرآن بعقل السلیم۔(قرآن مجید کی تشریح وتوضیح اپنی صحیح سمجھ بوجھ اور منشائے خداوندی کو ملحوظ رکھ کر علوم اسلامیہ کی روشنی میں، حالات وواقعات، مواقع ومسائل پر اس کا صحیح انطباق کرنا اور اس کے اسرار ورموز کو کھولنا اور بیان کرنا تفسیر القرآن بعقل سلیم کہلاتا ہے) ہر ایک کی تھوڑی سی تفصیل ضروری مثالوں سے ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنے کا بیان

اختصار کی غرض سے اس کی صرف تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں: پہلی مثال سورۃ الفاتحہ کو ہی لیجئے، اس کی دونوں آیتیں اس طرح ہیں:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" ۔

(الفاتحہ)

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ جن پر انعام کیا گیا ہے اس کی تفسیر "سورۃ النساء" کی درج ذیل آیت میں کی گئی ہے: "وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا" ۔ (النساء)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ دوسری مثال

"فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" ۔ (البقرۃ)

پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لیے (جن کے ذریعہ انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں کلمات کا تذکرہ ہے مگر وہ کلمات کیا تھے؟ دوسری آیت میں اس کی تفسیر موجود ہے۔

"قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ" ۔ (الاعراف)

دونوں بول اٹھے کہ: اے ہمارے پروردگار ! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامرادلوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ تیسری مثال "سورۃ الانعام" کی آیت نازل ہوئی

"اَلَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" ۔ (الانعام)

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہ دیا، امن وچین تو بس ان ہی کا حق ہے اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے کہ جس سے (کسی نہ کسی طرح کا) ظلم صادر نہ ہوا ہو، تو اللہ نے ظلم کی تفسیر ومراد کو واضح کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی

"اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" ۔ (لقمان)

کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ یعنی آیت بالا میں ایمان کے ساتھ جس ظلم کا تذکرہ آیا ہے وہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ (بخاری)

حدیث وسیرت کے ساتھ قرآن کی تفسیر کرنے کا بیان

قرآن پاک کی تفسیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی روشنی میں کرنا تفسیر القرآن بالحدیث والسیرۃ کہلاتا ہے، خود قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال وافعال اور عملی زندگی سے آیات قرآنیہ کی تفسیر وتشریح فرمائیں۔ (النحل)

تو جس طرح اللہ تعالی نے انسانی زندگی کو بندگی بنانے کیلیے اپنے احکامات کو قرآن حکیم کی شکل میں نازل فرمایا، اسی طرح ان احکامات پر عمل آوری کے لیے آپ ؟ کے پوری عملی زندگی کو درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر بنا کر مبعوث فرمایا، جو کچھ احکامات قرآن کریم کی شکل میں نازل کیے گئے ان پر سب سے پہلے آپ ہی نے عمل کر کے دکھلایا اور ان احکامات خداوندی کو عملی جامہ پہنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا یہ آپ کی خصوصیات میں سے ایک نمایا خصوصیت ہے، خواہ وہ حکم ایمان، توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، صدقہ وخیرات، جنگ وجدال، ایثار وقربانی، عزم واستقلال، صبر وشکر سے تعلق رکھتا ہو یا حسن معاشرت وحسن اخلاق سے، ان سب میں قرآن مجید کی سب سے پہلی وعمدہ عملی تفسیر نمونہ وآئیڈیل کے طور پر آنحضرت ﷺ ہی کی ذات اقدس میں ملے گی، اس میں بھی دو قسم کی تفسیر ہے ایک تفسیر تو وہ قرآن پاک کے مجمل الفاظ وآیات کی تفسیر وتوضیح ہے جن کی مراد خداوندی واضح نہیں تو ان کی مراد واجمال کی تفصیل کو زبان رسالت مآب ﷺ نے واضح فرمادیا اور دوسری قسم عملی تفسیر کی ہے، یعنی قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں واضح احکامات دیئے گئے ہیں جن کا تعلق عملی زندگی کے پورے شعبۂ حیات سے ہے، خواہ وہ عقائد، عبادات، معاملات کی رو سے ہوں یا حسن معاشرت وحسن اخلاق کی رو سے اس میں بھی آپ نہ وہ کمال درجہ کی عبدیت اور اطاعت وفرمانبرداری کی ایسی بے مثال وبے نظیر عملی تفسیر وتصویر امت کے سامنے پیش فرمائی کہ جس طرح کلام اللہ تمام انسانی کلاموں پر اعجاز وفوقیت رکھتا ہے اسی طرح آپ کی عملی زندگی کا ہر قول وفعل بھی تمام انسانی زندگیوں پر اعجاز وفوقیت رکھتا ہے، دوسری قسم کی مثالیں کتب سیر، کتب مغازی، کتب تاریخ، کتب دلائل اور کتب شمائل میں بکثرت ملیں گے؛ بلکہ یہ کتابیں تو آپ ہی کی عملی تفسیر پیش کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں

جن کی مثالوں کو یہاں ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔

پہلی مثال سورۂ بقرہ کی آیت شریفہ:

"وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" ۔ (البقرہ)

اوراس وقت تک کھاؤپیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکرتم پرواضح (نہ) ہوجائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیط ابیض اور خیط اسود کی مراد کو اپنے ارشاد مبارک سے واضح فرمایا:

"إِنَّمَا ذٰلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ" ۔ (بخاری، بَاب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا)

کہ خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے۔

دوسری مثال سورہ نور کی آیت:

"اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ، وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" ۔ (النور)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے اور یہ بھی چاہیے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔

ظاہر ہے کہ اس آیت سے زانیہ اور زانی کی سزا میں سو کوڑے مارنے کا ذکر ہے، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا؛ اس کی تفسیر احادیث پاک سے واضح ہوتی ہے کہ غیر شادی شدہ کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی جیسا کے بخاری شریف میں ہے۔

"عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصَنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيبِ عَامٍ" ۔ (بخاری، بَاب شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ)

زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر شادی شدہ زنا کرنے والوں کو سو کوڑے مارنے کا اور ایک سال کے لیے وطن سے نکالنے کا حکم دیا۔اور شادی شدہ مرد و عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔

"اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا أَلْبَتَّةَ، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ" ۔ (ابن ماجہ، باب الرجم)

شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو رجم کرو، یعنی سنگسار کردو، راوی کہتے ہیں کہ خود حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ایسی سزا دی ہے اور بعد میں ہم نے بھی ایسی سزا دی ہے۔

اس کی تیسری مثال یہ ہے جس میں قرآن کی تفسیر حدیث سے کرنے کی مثال میں یہ آیت پیش کی جاسکتی ہے۔

"غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ" ۔ (الفاتحة)

نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے پر جو بھٹکے ہوئے ہیں۔قرآن پاک میں المغضوب اور الضال کا مصداق متعین نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن ان دونوں کا مصداق متعین کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اَلْيَهُوْدُ وَإِنَّ الضَّالِّيْنَ النَّصَارَىٰ" ۔ (مسند احمد بن حنبل، حدیث ابن حاتم)

جن پر غضب نازل ہوا اس سے مراد یہود ہیں اور جو راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اس سے مراد نصاری ہیں۔اس طرح کی بے شمار مثالیں کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں اور اس نقطۂ نظر سے بھی کئی تفاسیر لکھی گئی ہیں، اُن میں سے چند تفاسیر یہ ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی انوار التنزیل والتاویل۔علامہ خازن کی لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ علامہ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر ہے۔

اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرآن کی تفسیر کا بیان

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ بجا طور پر خیر امت کہلانے کے مستحق ہیں جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کریم کی تعلیم وتربیت حاصل کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کردیں کہ قرآن کریم اور اس کی تفسیر وتاویل کو بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کریں، اہل زبان ہونے کے باوجود ان کو صرف زبان دانی پر بھروسہ نہ تھا؛ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور سبق قرآن کریم کو پڑھا، مشہور تابعی ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں۔

"حَدَّثَنَا الَّذِيْنَ كَانُوْا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ كَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرِهِمَا أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا تَعَلَّمُوْا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشَرَ آيَاتٍ لَمْ يَتَجَاوَزُوْهَا حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَافِيْهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ" ۔

(الاتقان فی علوم القرآن، الفصل فی شرف التفاسیر، النوع الثامن والسبعون، عبدالرحمٰن بن الکمال جلال الدین السیوطی)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو قرآن کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا کرتے تھے، مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ انہوں نے ہمیں یہ بتایا کہ وہ لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تو ان آیتوں سے آگے نہ بڑھتے جب تک ان آیتوں کی تمام علمی وعملی باتوں کو نہ جان لیتے۔

یہ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم وتربیت کا سیکھنا کہ جتنا سیکھتے اتنا عمل کا بھی اہتمام فرماتے شاید اسی وجہ سے مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر منقول ہے۔

"كَانَ الرَّجُلُ إِذَا قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ جَدَّ فِيْنَا" ۔ (مسند احمد، مسند انس بن مالک)

یعنی جب کوئی شخص سورۃ بقرہ وآل عمران کو پڑھ لیتا تو وہ ہماری نظروں میں بہت ہی عزت والا سمجھا جاتا اور موطا مالک کی روایت میں ہے۔

"أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَكَثَ عَلَى سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ يَتَعَلَّمُهَا" ۔

(موطا مالك، كِتَابُ النِّدَاءِ لِلصَّلاةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ)

حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو سورۂ بقرہ یاد کرنے میں آٹھ سال لگے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اتنے کمزور ذہن والے تھے کہ سورۂ بقرہ یاد کرنے میں آٹھ سال لگے، جبکہ موجودہ دور میں کمزور سے کمزور طالب علم اتنے عرصہ سے کم میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیتا ہے، دراصل بات یہ تھی کہ آٹھ سال کی مدت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سورۂ بقرہ کے الفاظ اور اسکی تفسیر و تاویل اور اس کے متعلقات کے ساتھ حاصل کرنے میں لگی، اسکی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ہوتی ہے جسکو ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

"والذى لا إله غيره، ما نزلت آية من، كتاب الله إلا و أنا أعلم فيمن نزلت؟ وأين نزلت؟ ولو أعلم أحد اأعلم بكتاب الله منى تناله المطايا لاتيته" ۔ (ابن كثير)

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس بارے میں اور کہاں نازل ہوئی اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص ایسی معلومات مجھ سے زیادہ رکھتا ہے اور سواریاں اس شخص تک پہنچا سکتی ہیں تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔

یہ چند نمونے ہیں حضرات صحابہ کی جانفشانی اور ان کی محنت کے جو تفسیر قرآن کے سلسلہ میں پیش کئے گئے، یوں تو بہت سی آیات کی تفسیر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے ثابت ہیں ان میں سے کچھ برائے نمونہ پیش ہیں۔

پہلی مثال: ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور درج ذیل آیت کی تفسیر دریافت کی۔

"أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا" ۔ (الانبياء)

کیا کفار نے دیکھا نہیں کہ آسمان و زمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ تم ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے اس کی تفسیر معلوم کرو اور وہ جو تفسیر بتائیں وہ مجھے بھی بتاتے جانا، وہ شخص ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور درج بالا آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آسمان خشک تھے ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بانجھ تھی اس سے کچھ اُگتا نہیں تھا، بارش کے طفیل یہ پودے اگانے لگی؛ گویا آسمان کا فتق (پھٹنا) بارش کے ساتھ ہے اور زمین کا پھل پودے اگانے سے۔ اس شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ تفسیر بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی جانب سے ان کو خصوصی علم عطا ہوا ہے۔ (روح المعانی)

دوسری مثال "وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ، وَاَحْسِنُوْا، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" ۔ (البقرة)

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو، بیشک اللہ تعالی دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

اس آیت کی تشریح میں مفسرین نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"التھلکۃ الاقامۃ فی الاھل والمال وترک الجھاد" ۔ (تفسیر بن کثیر، تحت قولہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)

"التھلکۃ " سے مراد گھر اور مال کی مصروفیات میں لگا رہنا اور جہاد کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔ عام مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس تفسیر کو خاص طور سے نقل کیا ہے۔

تیسری مثال علامہ طبری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل آیت کے متعلق دریافت کیا

"أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ" ۔ (البقرۃ)

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اس کو اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے پھل حاصل ہوں اور بڑھاپے نے اسے آ پکڑا ہو اور اس کے بچے ابھی کمزور ہوں، اتنے میں ایک آگ سے بھرا بگولا آ کر اس کو اپنی زد میں لے لے اور پورا باغ جل کر رہ جائے۔

کوئی بھی اس کا شافی جواب نہ دے سکے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے دل میں ایک بات آ رہی ہے، حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ بلا جھجک برملا بیان کیجیے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک مثال بیان کی ہے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ عمر بھر نیکی کا کام کرتا رہے اور جب اس کا آخری وقت آئے جب کے نیکیوں کی اسے زیادہ ضرورت ہو تو بُرا کام کر کے سب نیکیوں کو برباد کر دے"۔ (تفسیر طبری، مکتبہ شاملہ)

ایک اہم بات اس بارے میں اہل اصول نے بتلائی ہے کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں تو ان اقوال کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کئے جانے سے پہلے اصول حدیث کے اعتبار سے انکی جانچ ضروری ہے۔۔ نیز دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیر اسی وقت حجت، دلیل سمجھے جائیں گے جبکہ آپ ﷺ سے آیت شریفہ کی کوئی صریح تفسیر مستند طور پر ثابت نہ ہو؛ چنانچہ اگر آپ ﷺ سے تفسیر منقول ہو تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اقوال محض اس تفسیر کی تائید شمار کئے جائیں گے اور اگر آپ ﷺ کے معارض کوئی قول صحابی رضی اللہ عنہ ہو تو اس کو قبول نہ کیا جائے گا۔۔ تیسرے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیر میں اگر تعارض اور ٹکراؤ ہو تو جہاں تک ہو سکے انکے اقوال میں مطابقت پیدا کی جائے گی اگر مطابقت نہ ہو سکے تو پھر مجتہد کو اس بات کا اختیار ہو گا کہ دلائل کی روشنی میں جس صحابی رضی اللہ عنہ کا قول مضبوط ہے اس کو اختیار کر لے۔ (ابن کثیر)

اس موضوع پر مستقل کتاب، تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس " ہے اور اس کے علاوہ دیگر کتب تفاسیر میں صحابہ کی

تفسیری روایات مذکور ہیں۔

اقوال تابعین سے قرآن کی تفسیر کرنے کا بیان

واضح ہونا چاہیے کہ تابعین سے مراد تمام ہی تابعین نہیں ہیں؛ بلکہ وہ حضرات تابعین جنہوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت اٹھائی ہو اور انکی صحبت سے علمی استفادہ کیا ہو، اہل علم میں اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں اقوال تابعین حجت ہیں یا نہیں، اس معاملہ میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بہت ہی معتدل بات لکھی ہے کہ اگر کوئی تابعی کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے تفسیر نقل کر رہے ہوں تو اس کا حکم صحابی کی تفسیر جیسا ہوگا اور اگر خود تابعی اپنا قول بیان کریں تو دیکھا جائے گا کہ دوسرے کسی تابعی کا قول ان کے خلاف تو نہیں اگر خلاف میں کوئی قول ہو تو پھر اس تابعی کے قول کو حجت نہیں قرار دیا جائے گا؛ بلکہ ایسی آیات کی تفسیر کے لیے قرآن کی دوسری آیتیں احادیث نبویہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور لغت عرب جیسے دوسرے دلائل پر غور کر کے فیصلہ کیا جائے گا، ہاں اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو ان کے تفسیری اقوال کو بلا شبہ حجت اور واجب الاتباع قرار دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ المکتبہ التجاریۃ الکبری)

جب تابعین کے اقوال پر تفسیر کی جاسکتی ہے تو اس کے کچھ نمونے بھی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلی مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ، رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"۔ (التوبہ)

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور اللہ نے تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے ایسے باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں رہا کریں ان میں وہ ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اس آیت شریفہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف درجاتِ فضیلت بیان کئے گئے ہیں ایک سابقین اولین کا، دوسرے انکے بعد والوں کا، اب سابقین اولین کون ہیں، اس میں مفسرین کے مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں، کبار تابعین حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، ابن سیرین رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور عطاء بن ابی رباح کا یہ قول ہے کہ سابقین اولین سے مراد بدر میں شریک ہونے والے صحابہ ہیں اور شعبی نے فرمایا کہ وہ جو کہ حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شامل رہے۔ (تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۂ توبہ)

اس آیت میں تابعین رحمہ اللہ کے مختلف اقوال سامنے آئے، مفسرین نے کسی قول کو رد نہیں کیا اور ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

دوسری مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" ۔ (التوبه)

توبہ کرنے والے، اللہ کی بندگی کرنے والے، اس کی حمد کرنے والے، روزے رکھنے والے، رکوع میں جھکنے والے، سجدہ گزارنے والے، نیکی کی تلقین کرنے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے (اے پیغمبر) ایسے مؤمنوں کو خوشخبری دیدو۔

آیت میں ایک لفظ "اَلسَّآئِحُوْنَ" آیا ہے، جس کا مطلب جمہور مفسرین کے ہاں "صَآئِمُوْنَ" یعنی روزہ دار مراد ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی سائحین کا لفظ آیا ہے وہاں صائمین مراد ہیں، حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین میں سے ہیں انہوں نے کہا سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو علم کی طلب میں ملکوں میں پھرتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۂ توبہ)

اس تفسیر کو مفسرین نے رد نہیں کیا ہے اگرچہ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ اس تفسیر میں منفرد ہیں۔ تیسری مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (التوبه)

صدقات تو صرف غریبوں کے لیے ہیں۔۔الخ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے غنی اور فقیر کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے، غنی سے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غنی وہ شخص ہے جس کے پاس اصلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب زکوۃ مال باقی رہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورۂ توبہ)

عام مفسرین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ تعریف غنی کو اپنی تفاسیر میں بلاکسی نکیر کے ذکر فرمایا ہے۔

اس موضوع پر بھی بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں؛ چنانچہ علامہ نیشاپوری کی تفسیر "غرائب القرآن اور رغائب الفرقان" قابل ذکر ہے اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی مدارک التنزیل بھی قابل ذکر ہے اور علامہ آلوسی کی روح المعانی بھی ایک وقیع تفسیر ہے۔

عربی لغت سے قرآن کی تفسیر کرنے کا بیان

لغت عرب کو تفسیر کا ماخذ ماننے میں اگرچہ کہ اہل علم کے یہاں اختلاف ہے، جیسے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے لغۃ عرب سے قرآن کی تفسیر کو مکروہ قرار دیا ہے (حوالہ البرھان)

کیونکہ؛ عربی زبان ایک وسیع زبان ہے اور بعض اوقات ایک لفظ کئی معانی پر مشتمل ہوتا ہے اور ایک جملے کے بھی متعدد اور کئی مفہوم ہو سکتے ہیں تو ایسے مواقع پر صرف لغت عرب کو بنیاد بنا کر ان میں سے کوئی ایک مفہوم متعین کرنا تفسیر میں مغالطہ کا سبب بن سکتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو مکروہ بھی کہا گیا ہے مگر محققین کا کہنا ہے کہ مغالطہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ لغت کے کثیر الاستعمال معانی کو چھوڑ کر انتہائی قلیل الاستعمال معنی مراد لیے جائیں اس لیے ایسی جگہ جہاں قرآن وسنت وآثار صحابہ وتابعین میں سے کوئی صراحت نہ

ملے تو آیت کی تفسیر لغت عرب کے عام محاورات (جن کا چل چلاؤ ہو) کے مطابق کی جائے گی۔

پہلی مثال، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درج ذیل آیت کے معنی دریافت کیے۔

"أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ" . (النحل)

یا انہیں اس طرح گرفت میں لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں۔ یہ سن کر قبیلہ بنو ھذیل کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہماری زبان میں "تخوف" کمی اور نقصان کو کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا عربی اشعار میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں اور فوراً یہ شعر پڑھ دیا:

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ منها تامِكاً قَرِداً * كما تَخَوَّفَ عُودَ النبعةِ السَّفِنُ،

کجاوہ کی رسی اونٹنی کے کوہان کے بال کو کم کرتی رہتی ہے، جیسا کہ لوہا کشتی کی لکڑی کو کم کرتا رہتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اپنے دیوان کو تھامے رکھو، صحابہ نے عرض کیا دیوان سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا جاہلی شاعری، اس میں قرآن کی تفسیر اور تمہاری زبان کے معانی موجود ہیں۔ (روح المعانی)

دوسری مثال، علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے سوال کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ سے تفسیر قرآن کے متعلق کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا دل کھول کر پوچھئے، انہوں نے پوچھا کہ آپ اس آیت باری تعالی کی تفسیر بتائیے۔

"عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ" . (المعارج)

دائیں بائیں حلقے باندھے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عزین کے معنی ہیں ساتھیوں کے حلقے، انہوں نے پھر سوال کیا کہ کیا اہل عرب اس معنی سے واقف ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں پھر آپ نے عبید بن الابرص کا شعر پڑھا:

فَجَاؤُا يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ حَتَّ يَكُونُوا حَوْلَ مِنْبَرِهِ عِزِيْنًا . وہ لوگ اس کی طرف بھاگتے ہوئے آتے ہیں اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ لیتے ہیں (الاتقان)

دیکھیے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت بالا کی تفسیر لغت عرب کی مدد سے کی ہے۔ تیسری مثال اُسی صاحب نے آپ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل آیت کی تفسیر دریافت کی۔

"وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" ۔(المائدۃ) اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وسیلہ حاجت اور ضرورت کو کہتے ہیں اس نے پوچھا کہ اہل عرب اس معنی سے واقف ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آپ نے عنترۃ نامی شاعر کا شعر نہیں سنا ہے؟ پھر شعر پڑھا۔

إِنَّ الرِّجَالَ لَهُمْ إِلَيْكِ وَسِيلَةٌ إِنْ يَأْخُذُوكِ، تَكَحَّلِي وَتَخَضَّبِي (الاتقان)

اس شعر میں وسیلہ کا لفظ حاجت وضرورت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت بالا کی تفسیر لغت عرب سے کی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں، ان میں تفسیر خازن جس کا اصل نام "لباب التاویل فی معانی التنزیل() السراج المنیر فی الاعانة علی معرفة بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر، للخطیب شربینی" قابل ذکر ہیں۔

عقل سلیم سے قرآن کی تفسیر کرنے کا بیان

عقل سلیم جس کی اہمیت وضرورت سے کسی کو انکار نہیں، دنیا کے ہر کام میں اسکی اہمیت ہوتی ہے اور پچھلے مآخذ سے فائدہ اٹھانا بغیر عقل سلیم کے معتبر نہیں اس ماخذ کو علاحدہ لکھنے کی ضرورت محض اس لیے پڑتی ہے کہ قرآن کریم کے معارف ومسائل، اسرار ورموز یقیناً ایک بحر بیکراں ہیں اور پچھلے مآخذ سے ان کو ایک حد تک سمجھا جاسکتا ہے؛ لیکن کسی نے بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کریم کے اسرار ومعارف کی انتہاء ہوگئی اور مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی، یہ بات خود قرآن کریم کی صریح آیتوں کے خلاف ہوگی، فرمان خداوندی ہے۔

"قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ، الخ" ۔ (الکهف)

فرمادو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک سمندر کیوں نہ لے آئیں۔

گویا اس آیت میں وضاحت ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں سارا سامان تسوید ختم ہو جائے گا اور لامتناہی کسی طرح بھی متناہیوں کی گرفت میں نہ آسکے گا، متناہی صفات والے لامتناہی صفات والی ہستی کو کیونکر اپنی گرفت میں لاسکتے ہیں اور یقیناً قرآن کریم بھی صفات باری میں سے ایک ہے لہٰذا عقل سلیم کے ذریعہ ان حقائق اور اسرار پر غور وفکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا رہیگا اور جس شخص کو بھی اللہ تعالی نے علم وعقل اور خشیت وتقویٰ اور رجوع الی اللہ کی صفات سے مالا مال کیا وہ تدبیر کے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے؛ چنانچہ ہر دور کے مفسرین کی تفسیریں اس بات کی واضح دلیل ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی دعا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے تھی۔

"اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" ۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، علی بن حسام الدین المتقی الهندی ۔ بخاری، كِتَابُ الْوُضُوءِ بَاب وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ)

اے اللہ ان کو تاویل یعنی تفسیر قرآن اور دین کی سمجھ عطا فرما۔ یہ دعا بھی اشارہ کرتی ہے کہ اس باب میں راہیں کھلی ہیں البتہ اہل علم نے اس معاملہ میں یہ اصول ضرور بتلایا ہے کہ عقل سلیم کے ذریعہ مستنبط ہونے والے وہی مسائل اور معارف معتبر ہوں گے جو سابق مآخذ سے متصادم نہ ہوں، یعنی ان سے نہ ٹکراتے ہوں، اصول شرعیہ کے خلاف کوئی نکتہ آفرینی کی جائے تو اسکی کوئی قدر

وقیمت نہ ہوگی۔ ہم کو ایمان رکھنا چاہئے کہ کل کائنات اللہ کی بنائی ہوئی اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، لہٰذا قرآن کریم کی بعض آیتوں سے اگر کوئی ڈاکٹر یا سائنس داں معلومات کو اخذ کرتا ہے اور وہ معلومات مذکورہ اصولوں سے متصادم نہ ہوں تو ایسی تفسیر بھی قابل اعتبار ہوگی۔

پہلی مثال

"لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُوْرَ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ"○ ۔ (الشوریٰ)

سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے یا پھر ان کو ملا کر لڑکے بھی دیتا ہے اور لڑکیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، یقیناً وہ علم کا بھی مالک ہے قدرت کا بھی مالک۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت میں خنثیٰ (ایسا شخص جو نہ مرد ہو نہ عورت) کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

لیکن ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ایسا کہنا عقل کے خلاف بات ہے اس لیے کہ اللہ نے آیت کے ابتداء ہی میں فرمادیا "يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ" وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، لہٰذا اس میں خنثیٰ بھی شامل ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

دوسری مثال

حضرت موسیٰ جب کوہ طور پر تیس دن کے لیے تشریف لے گئے تھے اور انہیں چالیس یوم تک وہاں رہنا پڑا تھا تو ان کے غائبانہ ان کی قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی تھی اس واقعہ سے متعلق ایک حصہ کو قرآن پاک نے یوں بیان کیا ہے۔

"وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا" ۔ (الاعراف)

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے بعد زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ تستری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بچھڑے سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی محبت میں گرفتار ہو کر انسان اللہ سے منہ موڑ لے؛ مثلاً اہل و اولاد اور مال وغیرہ انسان تمام خواہشات کو ختم کردے جس طرح بچھڑے کے پجاری اس سے اسی حالت میں چھٹکارا پاسکتے ہیں جب وہ اپنی جانوں کو تلف کردیں۔

یہ تفسیر بھی عقل سلیم کی روشنی میں کی جانے والی تفسیر کے قبیل سے ہے اور یہ اصول شرعیہ کے مخالف بھی نہیں ہے۔

تفسیر وترجمہ قرآن کے لئے شرائط کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (م 911ھ/1505ء) مفسر قرآن کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مفسر قرآن کم از کم درج ذیل علوم پر ضروری دسترس رکھتا ہو۔

علم اللغة، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرأت،

علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم اسباب نزول، علم قصص القرآن، علم الحدیث، علم ناسخ و منسوخ، علم محاورات عرب، علم التاریخ اور علم اللدنی

(الاتقان فی علوم القرآن جلد 2 ص: 180 سہیل اکیڈمی 1980ء)

مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ ساتھ مفسر کو بہت زیادہ وسیع النظر، صاحب بصیرت ہونا چاہیے کیونکہ ذرا سی کوتاہی تفسیر کو تفسیر بالرائے بنادے گی جس کا ٹھکانہ پھر جہنم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(ومن قال فی القران برایئہ فلیتبوأ مقعدہ من النار) جامع ترمذی جلد 2 حدیث (861)

اور جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ قارئین حضرات! علامہ سیوطی کی قائم کردہ شرائط کی روشنی میں مترجم قرآن کی ذمہ داری مفسر قرآن سے بھی زیادہ سخت نظر آتی ہیں کیونکہ تفسیر میں مفسر ایک لفظ کی شرح میں ایک صفحہ بھی لکھ سکتا ہے مگر ترجمہ قرآن کرتے وقت عربی لفظ کا ترجمہ ایک ہی لفظ سے کرنا ہوتا ہے اس لئے مترجم قرآن کا کسی بھی زبان میں ترجمہ منشا الٰہی کے مطابق یا منشائے الٰہی کے قریب قریب کرنا مشکل ترین کام ہے۔ البتہ تمام شرائط کے ساتھ ترجمہ قرآن اس وقت ممکن ہے کہ جب مترجم قرآن تمام عربی تفاسیر، کتب احادیث، تاریخ، فقہ اور دیگر علوم وفنون پر دسترس کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب پر مکمل عبور رکھتا ہو اور وہ ایک عبقری شخصیت کا حامل ہو ساتھ ہی مترجم قرآن کتاب اللہ کو عربی زبان میں سمجھنے کی حد درجہ صلاحیت رکھتا ہو تب ہی ترجمہ قرآن منشائے الٰہی اور فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہوگا۔

تفسیر کی اقسام کا بیان

بنیادی طور پر تفسیر کی تین اقسام ہیں۔ تفسیر بالماثور، تفسیر بالرائے اور تفسیر اشاری۔ جن کی وضاحت درج ذیل ہے۔

۱۔ تفسیر بالماثور، ۲۔ تفسیر بہ رائے

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب (رجحان) تفسیر بالماثور کے نام سے مشہور ہے اسے ہی عربی میں تفسیر بالروایۃ یا تفسیر بالنقل کہتے ہیں اور اردو میں ماثوری یا اثری یا روایتی یا نقلی اسلوب کہتے ہیں۔ پہلی چیز جو تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ مبنی بروایت تھی جسے تفسیر ماثور یا تفسیر اثری کہتے ہیں۔ اس لئے علماء حدیث وروایت ہی وہ پہلے حضرات ہیں جو تفسیر کے میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ (امین الخولی، مقالہ تفسیر، اردو دائرہ معارف الاسلامیہ)

یعنی اس اسلوب کے بانی وموسس محدثین اور راوی حضرات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1174ھ/1762ء) اسی اسلوب کے متعلق فرماتے ہیں کہ مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت (تفسیر میں) آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار روایت کرتی ہے۔ خواہ وہ مرفوع حدیث یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت۔ یہ محدثین کا مسلک ہے۔

(محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، لاہور)

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے نزدیک قرآن مجید کی اثری تفسیر چار امور پر مشتمل ہے: قرآنی آیات، احادیث رسول، آثار صحابہ

رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین رحمہم اللہ (ذہبی، داکٹر محمد حسین، التفسیر والمفسر ون، قاہرہ، مصر، دار الکتب الحدیثہ)

اس سے قبل کہ تفسیر بالماثور اور اس کے متعلقات کو بیان کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس اسلوب کے تاریخی ارتقاء کو بیان کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تفسیر بالماثور کی اقسام کیسے وجود میں آئیں اور ان پر اس اسلوب کا اطلاق کیسے ہوا؟ تفسیر بالماثور کے ارتقاء کو درج ذیل مراحل کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

لفظ رائے کے لغوی مفہوم کا بیان

لفظ لرائے کا اطلاق اعتقاد، اجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔ اسی قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن علم تفسیر کی اصطلاح میں تفسیر بالرائے سے مراد قرآن مجید کی وہ تفسیر ہے جو صرف نقلی روایات کی مدد ہی سے نہیں بلکہ نئے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی مدد سے کی جائے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب تفسیر کرنے والا عربوں کے اسلوب کلام، عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالت سے بخوبی آگاہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ زمانہ جاہلیت کے اشعار، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور ان امور سے نابلد نہ ہو جو مفسر کے لئے بہت ضروری ہیں۔

(۱) دوسرے الفاظ میں تفسیر بالرائے جسے تفسیر بالدرایت، یا تفسیر بالعقل، یا تفسیر بالاجتہاد بھی کہتے ہیں، کا اطلاق قرآن مجید کی اس تفسیر پر ہوتا ہے جس میں مفسر کے ذاتی اجتہاد کا عمل دخل ہو۔ تفسیر کے اس رجحان کو اجتہادی یا عقلی یا درایتی رجحان بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بہ رائے کی اقسام

تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں: تفسیر بالرائے المحمود اور تفسیر بالرائے المذموم۔

تفسیر بہ رائے محمود کا بیان

تفسیر میں قرآن، حدیث، اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ وغیرہ سے استفادہ کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل اور نئے انداز فکر کے مطابق نصوص دینیہ کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے، رائے کو کام میں لایا جائے۔ تو ایسی تفسیر کو تفسیر بالرائے المحمود کہا جاتا ہے۔ تفسیر بالرائے المحمود کے لئے ضروری ہے کہ رائے کو محض جدید مسائل کے حل کے لئے اور اسلامی احکام کو منطبق کرنے کے لئے ہی کام میں لایا جائے۔ دینی نصوص کی اہمیت اور بالادستی قائم رہے اور تفسیر کرنے والا قرآن و حدیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عربی شاعری، عربی زبان، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور قرآن مجید کی زبان کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہو۔ تفسیر بالرائے المحمود کو ممدوح، جائز، صحیح اور مقبول بھی کہتے ہیں۔ اس کے لئے علماء نے کچھ شروط متعین کی ہیں۔ (ذہبی، داکٹر محمد حسین، التفسیر والمفسر ون، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ، مصر، ج1، ص(255)

تفسیر بہ رائے مذموم کا بیان

تفسیر میں رائے کو استعمال کرنے کا ایک دوسرا انداز یہ ہے کہ رائے استعمال کرتے ہوئے نصوص دینیہ کی بالادستی اور کتاب و

سنت کی حقیقی روح کا لحاظ کیے بغیر تفسیر کی جائے۔ نصوص کی بجائے عربی لغت وشاعری وغیرہ پر زیادہ دارومدار ہو اور اس تفسیر کو نصوص دینیہ کی تائید حاصل نہ ہو۔ اس تفسیر کو تفسیر بالرائے المذموم کہا جاتا ہے۔ تفسیر بالرائے المحمود کی اجازت ہے اور رائے المذموم کی بنیاد پر کی گئی تفسیر کو معتبر و پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

تفسیر کی اس قسم کو غیر ممدوح، غیر محمود، ناجائز، غیر صحیح اور غیر مقبول کہتے ہیں کیونکہ اس میں تفسیر کے لئے علماء کی متعین کردہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

مختصر یہ کہ ایک طرز تفسیر کا نام تفسیر بالرائے ہے۔ اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس کی ایک قسم ممدوح اور دوسری مذموم ہے۔ اگر یہ تفسیر قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو ممدوح اور اگر بعید ہو تو مذموم ہے۔

(صالح، علوم القرآن (اردو ترجمہ غلام احمد حریری)، ص514 تا(614)

3۔ تفسیر اشاری کا بیان

تفسیر اشاری کو تفسیر فیضی یا تفسیر رمزی بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوشیدہ اشارات جو اصحاب تصوف ہی کو معلوم ہوتے ہیں کی بنیاد پر قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کی جائے جو اس کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہو۔ البتہ ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع وتطبیق کا امکان ہو۔ بنا بریں نظری صوفیوں کی تفسیر اور تفسیر اشاری میں دو طرح سے فرق کیا جا سکے گا۔

نظری صوفیوں کی تفسیر چند علمی مقدمات پر مبنی ہوتی ہے جو پہلے صوفی کے ذہن میں آتے ہیں اور اس کے بعد وہ قرآن کو ان پر محمول کرتا ہے۔ بخلاف ازیں تفسیر اشاری کی اساس علمی مقدمات پر نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ یہ روحانی ریاضت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر عبادت کے پردہ میں کچھ اشارات قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس طرح آیات میں جو معارف وحقائق ہوتے ہیں۔ وہ ابر غیب سے اس پر برس پڑتے ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ نظری صوفی کسی آیت کی جو تفسیر کرتا ہے اس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت کے ماسوا مفہوم کسی دوسرے کے متحمل ہی نہیں۔ اس کے برعکس تفسیر اشاری میں صوفی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ آیات میں دوسرے معنی کی گنجائش ہے بلکہ وہ ظاہری معنی ہیں اور انسانی ذہن سب سے پہلے اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

یہاں طبعًا قاری کے ذہن میں یہ سوال اُبھر سکتا ہے کہ آیا تفسیر اشاری کے لئے کوئی شرعی اصل واساس بھی ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اس کا وجود اسلام کے عصر اول میں ہی تھا یا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب تصوف کا چرچا ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز کے معانی ومطالب کے اظہار وبیان میں تفسیر اشاری کا انداز نیا نہیں بلکہ یہ اس وقت سے جانا پہچانا طریق ہے جب آنحضور پر قرآن نازل ہوا کرتا تھا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آگاہ کیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس سے آگاہ وآشنا تھے۔

تفسیر قرآن کے عہد اول کا بیان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں قرآنی آیات کے فہم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب مشکلات پیش آئیں تو آپ اان کی توضیح فرمادیا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی توضیحات وتشریحات کو ایک دوسرے تک منتقل کردیتے تھے۔

تفسیر قرآن کے عہد ثانی کا بیان

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیائے فانی سے ااہجری میں رحلت فرماگئے تو خالص صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور شروع ہوگیا۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے معانی ومطالب میں دشواریوں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ لیا کرتے تھے۔اس طرح تفسیر سے متعلقہ اقوال رسول اایک صحابی سے دوسرے تک منتقل ہوتے جاتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف زبانی طور پر تفسیری روایات ایک دوسرے تک منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ بلکہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ عہد نبوت وعہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں احادیث کے متعدد مجموعے کتابی صورت میں تیار کیے جاچکے تھے۔

(داکٹر مصطفیٰ، دراسات فی الحدیث النبویۃ وتاریخ تدوینہ،:(84)۔

ظاہر ہے کہ ان مجموعوں میں قرآنی آیات کی تفسیر کے بارے میں بھی احادیث ضبط تحریر میں آچکی ہوں گی۔ یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کے پہلے مفسر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پہلی تفسیر آپ اکی احادیث مبارکہ ہے۔ محققین حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ہر حدیث کی بنیاد قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ہر قرآنی لفظ ایک باب ہے اور احادیث رسول اللہ ااس کی مختلف مباحث ہیں۔ جیسے لفظ زکوٰۃ، صلوٰۃ، صدقہ، حج، عمرہ، ہجرت، قتال فی سبیل اللہ اور شہادت (گواہی) وغیرہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے صاحب علم حضرات بھی موجود تھے جو احادیث رسول اکی روشنی میں تفسیر قرآن کرتے، جسے بعد میں تفسیر القرآن بالاحادیث کہہ کر تفسیر بالماثور کی دوسری قسم قرار دیا گیا۔اور یہی حضرات اپنی آراء سے بھی تفسیر کرتے۔ان ہی آراء کو بعد میں تفسیر القرآن باقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم کہہ کر تفسیر بالماثور کی تیسری قسم متعین کرلیا گیا۔

تفسیر قرآن کے عہد ثالث کا بیان

تابعین حضرات کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں ایسے علماء کرام پائے گئے جنہوں نے تفسیر قرآن کا خاص اہتمام کیا اور احادیث رسول اللہ اوآثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر کے متعلق جس قدر مواد ملا اسے اکٹھا کرلیا اور اس مواد پر اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کردیا۔(ذہبی، داکٹر محمد حسین، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ، مصر، ج1، ص(53)

یہی اضافہ بعد میں تفسیر بالماثور کی ایک مستقل قسم کا سبب بنا جسے تفسیر القرآن باقوال التابعین رحمہم اللہ کا نام دیا گیا۔

تابعین حضرات نے اسی حد تک اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کیا۔جس قدر قرآن مجید میں ابہام پیدا ہوچکا تھا۔جس کا سبب عہد رسول اللہ ﷺ اوعہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوری تھا۔

تفسیر قرآن کے عہد رابع کا بیان

اور جہاں تک تبع تابعین کا تعلق ہے تو انہوں نے تابعین کے (تفسیری) فرمودات کو روایت (بیان) کیا اور قرآن کے مطالب و مفاہیم میں جس قدر ابہام زیادہ ہو گیا تھا اسی کے مطابق انہوں نے زائل کرنے کی کوشش کی۔ پس اسی اسلوب پر یہ کام چلتا رہا اور ہر آنے والا طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ سے تفسیری اقوال روایت کرتا رہا۔

تبع تابعین رحمہم اللہ نے تابعین کے اقوال پر جو اضافہ کیا یہی اضافہ اصل میں تاریخ تفسیر کے مصادر میں تفسیر القرآن باقوال تبع التابعین رحمہم اللہ کے نام سے موسوم ہے اور تفسیر بالروایت یا بالماثور کی ایک قسم یا ایک اسلوب کے نام سے معروف ہے۔

یہ ہے عہد نبوت سے عہد تبع تابعین تک تفسیر بالماثور کا مختصر سا ارتقائی جائزہ۔ ان چار ادوار (مراحل، طبقات) میں جو بھی تفسیری کام ہوا ہے اسی کام کو بعد میں تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول یا بالروایت کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ جو کام عہد نبوت میں احادیث رسول اکی صورت میں سامنے آیا اسے تفسیر القرآن بالاحادیث النبویۃ جو آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی صورت میں ہوا۔ اسے تفسیر القرآن باقوال الصحابہ جو تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے کام کی صورت میں وجود میں آیا اسے تفسیر القرآن باقوال التابعین اور باقوال تبع تابعین کہا گیا۔ اور تفسیر میں اہل کتاب سے جو مواد نقل کیا گیا۔ اسے تفسیر القرآن بالروایات الاسرائیلیۃ کا نام دے دیا گیا۔ تبع تابعین کے عہد والوں نے اپنے سے پہلے والے تفسیری مواد کو حاصل کر کے بڑی بڑی تفاسیر میں یکجا کر دیا جیسے تفسیر طبری وغیرہ۔

چند مشہور تفاسیر کے مختصر تعارف کا بیان

کسی بھی فن پر کام کرنے کیلئے خواہ وہ علمی ہو یا دنیاوی کاموں سے متعلق ہو ضروری ہے کہ اس فن پر پہلے جس قدر کام ہو چکا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ دور جدید میں کسی عالم کیلئے جو تفسیر لکھنا چاہے تو اس کیلئے لازم ہوگا کہ سابقہ تمام تفاسیر یا کم از کم کثیر کتب تفاسیر کا نہ صرف مطالعہ کرے بلکہ پوری تحقیق کے ساتھ ان پر آگاہی حاصل کرے۔ یاد رہے ہم اس وقت کوئی اپنے نام سے منسوب تفسیر نہیں لکھ رہے بلکہ تفسیر جلالین کا دامن تھام کر کچھ توضیحات پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دعا کے ساتھ کہ وہ مجھے میں لغزشوں سے محفوظ فرمائے۔

تنویر مقباس فی تفسیر ابن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جنہیں ترجمان القرآن اور حبر اُمت کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، علم تفسیر میں بلند مقام رکھتے تھے، حضور اکرم ﷺ نے آپ کے لئے خصوصی دُعا فرمائی، اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل (طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۶۳) اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بجا طور پر رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن ہیں، آپ کے شاگردوں نے آپ سے

علم تفسیر حاصل کر کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا، ہر دور میں آپ کے تفسیری اقوال کی اہمیت مسلم رہی ہے، مشکل آیات کی تفسیر کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد جیسی شخصیات آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بکثرت تفسیری طرق مروی ہیں۔

تفسیر ابن جریر کا تعارف

اس تفسیر کا اصل نام جامع البیان ہے، اور یہ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے، علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے مفسر، محدث اور مؤرخ ہیں، منقول ہے کہ وہ چالیس (۴۰) سال تک مسلسل لکھنے میں مشغول رہے، اور ہر روز چالیس (۴۰) ورق لکھنے کا معمول تھا (البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۵ ج ۱۱)

بعض حضرات نے ان پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کیا ہے، لیکن محققین نے اس الزام کی تردید کیے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اہل سنت کے جلیل القدر عالم ہیں، بلکہ ان کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔

ان کی تفسیر تیس (۳۰) جلدوں میں ہے، اور بعد کی تفاسیر کے لیے بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے، وہ آیات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، اور پھر جو قول اُن کے نزدیک راجح ہوتا ہے اسے دلائل کے ذریعہ ثابت کرتے ہی، البتہ ان کی تفسیر میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات جمع ہوگئی ہیں، اس لیے اُن کی بیان کی ہوئی ہر روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دراصل اس تفسیر سے ان کا مقصد یہ تھا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں جس قدر روایات انہیں دستیاب ہوسکیں اُن سب کو جمع کر دیا جائے، تا کہ اس جمع شدہ مواد سے کام لیا جاسکے، البتہ انہوں نے ہر روایت کے ساتھ اس کی سند بھی ذکر کی ہے، تا کہ جو شخص چاہے راویوں کی تحقیق کر کے روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

تفسیر ابن کثیر کا مختصر تعارف

یہ حافظ عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی شافعی (متوفی ۷۷۴ھ) کی تصنیف ہے، جو آٹھویں صدی کے ممتاز اور محقق علماء میں سے ہیں، اُن کی تفسیر چار جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، اس میں زیادہ زور تفسیری روایات پر دیا گیا ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ مصنف روایتوں پر محدثانہ تنقید بھی کرتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ کتاب تمام کتب تفسیر میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے

تفسیر القرطبی کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت وجماعت کی ہے۔ اس کا پورا نام الجامع الاحکام القرآن ہے، اندلس کے مشہور اور محقق عالم علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے، جو فقہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیرو تھے، اور عبادت وزہد کے اعتبار سے شہرۂ آفاق تھے، اصل میں اس کتاب کا بنیادی موضوع تو قرآن کریم سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط تھا لیکن اس ضمن میں انہوں نے آیتوں کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، اعراب وبلاغت اور متعلقہ روایات کو بھی تفسیر

میں خوب جمع کیا ہے، یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، اور بار بار شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر کبیر کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۰۶ھ) کی تصنیف ہے، اور اس کا اصلی نام مفاتیح الغیب ہے، لیکن تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ متکلمین اسلام کے امام ہیں، اس لیے ان کی تفسیر میں عقلی اور کلامی مباحث اور باطل فرقوں کی تردید پر بہت زور دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حل قرآن کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر اپنی نظیر آپ ہے، اور اس میں جس دلنشین انداز میں قرآن کریم کے معانی کی توضیح اور آیات قرآنی کے باہمی ربط کی تشریح کی گئی ہے، وہ بڑا قابل قدر ہے، اغلب یہ ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ فتح تک کی تفسیر خود لکھی ہے، اس کے بعد وہ اسے پورا نہ کر سکے، چنانچہ سورہ فتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۹ھ) یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۷۷ھ) نے مکمل فرمایا۔

(کشف الظنون ۲/۴۷۷)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق چونکہ کلامی بحث اور باطل فرقوں کی تردید پر خاص زور دیا ہے، اور اس ضمن میں ان کی بحثیں بہت سے مقامات پر انتہائی طویل ہو گئی ہیں، اس لیے بعض حضرات نے اُن کی تفسیر پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ: فِیْهِ کُلُّ شَیءٍ اِلَّا التَّفْسِیْر (اس کتاب میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن یہ تبصرہ تفسیر کبیر پر بڑا ظلم ہے، اور حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، کہ حل قرآن کے لحاظ سے بھی اس تفسیر کا پایہ بہت بلند ہے، البتہ چند ایک مقامات پر انہوں نے جمہور امت کی راہ سے ہٹ کر آیات قرآنی کی تفسیر کی ہے، لیکن ایسے مقامات آٹھ ضخیم جلدوں کی اس کتاب میں خال خال ہیں۔

تفسیر بحر محیط کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ یہ علامہ ابو حیان غرناطی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۵۴ھ) کی تصنیف ہے، جو اسلامی علوم کے علاوہ علم نحو و بلاغت میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تفسیر میں نحو و بلاغت کا رنگ نمایاں ہے، وہ ہر آیت کے الفاظ کی تحقیق، تراکیب کے اختلاف اور بلاغت کے نکات بیان کرنے پر خاص زور دیتے ہیں۔

احکام القرآن کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ یہ امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۰ھ) کی تصنیف ہے، جو فقہائے حنفیہ میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں، ان کی اس کتاب کا موضوع قرآن کریم سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط ہے، اور انہوں نے مسلسل آیتوں کی تفسیر کے بجائے صرف اُن آیتوں کی فقہی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جو فقہی احکام پر مشتمل ہیں، اس موضوع پر اور بھی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس کتاب کو ان سب میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

تفسیر بغوی کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ معالم التنزیل علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اس کو ہندوستانی علماء اپنے عرف میں تفسیرِ بغوی کہتے ہیں، علامہ بغوی مصر کے رہنے والے ہیں اور مسلک کے اعتبار سے شافعی ہیں، ان کی کنیت ابومحمد اور نام حسین بن مسعود ہے، ھ میں ان کی وفات ہوئی، علمِ لغت، علمِ قرأت کے علاوہ فقہ میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں، انھوں نے اپنی تفسیر میں عہد رسالت سے لے کر پانچویں صدی تک کے اکابرِ امت کے ارشادات سے استفادہ کیا ہے، احادیث، آثار صحابہ و تابعین سے یہ تفسیر بھری پڑی ہے، شانِ نزول بھی روایات کے حوالوں سے بیان فرماتے ہیں، اس تفسیر میں تفسیرِ خازن اور تفسیرِ ابن کثیر کے حوالے بھی خوب ملتے ہیں؛ البتہ روایات کے ضمن میں اسرائیلیات بھی در آئی ہیں، علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ تحقیقِ لغات میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، اس تفسیر میں اس کے مظاہر ملتے ہیں، اسی طرح فقہی مسالک اور مسائل کو بھی بیان کیا ہے؛ چوں کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے تفسیر کے معانی و مفاہیم میں وسعت پیدا ہوتی ہے؛ اس لیے موصوف نے قراءت کی تفصیلات بھی خوب بیان فرمائی ہیں؛ لیکن یہ سب عربی زبان میں ہے۔

تفسیر مدارک کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی کی تفسیر ہے، یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے، جامعیت اور پیرایہ بیان کی دلکشی میں منفرد ہے، اس میں گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ کی بھی بھرپور تردید کی گئی ہے، حافظ ابن کثیر کی تفسیر کی طرح اسرائیلی روایات سے بالکل پاک ہے، اہلِ علم نے ہمیشہ اسے پذیرائی بخشی ہے، پہلے ہندوپاک کے مدارس میں داخلِ نصاب تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس میں فقہی مسائل و دلائل حنفی نقطۂ نظر سے بیان ہوئے ہیں، تفسیر اور علمِ تفسیر سے بے اعتنائی کے دور میں جس طرح دوسری تفسیریں بے توجہی کا شکار ہوئی ہیں، اسی طرح یہ تفسیر بھی ہوئی۔ فالی اللہ المشتکی

تفسیر درمنثور کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۰ھ) کی تصنیف ہے، اور اس کا پورا نام الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ہے، اس میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جو قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق ان کو ملی ہیں، ان سے پہلے بہت سے محدثین مثلاً حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ، ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اپنے اپنے طور پر یہ کام کر چکے تھے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کی بیان کردہ روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، البتہ انھوں نے روایات کے ساتھ ان کی پوری سند ذکر کرنے کے بجائے صرف اس مصنف کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے جس نے اس روایت کو اپنی سند سے بیان کیا ہے، تاکہ بوقتِ ضرورت اس کی مراجعت کر کے سند کی تحقیق کی جا سکے، چونکہ ان کا مقصد روایات کے ذخیرہ کو یکجا کرنا تھا، اس لیے اس کتاب میں بھی ہر طرح کی روایات جمع ہو گئی ہیں۔

تفسیر روح المعانی کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ اس کا پورا نام روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ہے، اور یہ بغداد کے آخری دور کے مشہور دور کے مشہور عالم علاّمہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کی تصنیف ہے، اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے، انہوں نے اپنی اس تفسیر کو بڑی حد تک جامع بنانے کی کوشش کی ہے لغت، نحو، ادب اور بلاغت کے علاوہ فقہ، عائد، کلام، فلسفہ اور ہیئت، تصوّف اور متعلقہ رویات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں، اور کوشش یہ کی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے، روایات حدیث کے معاملے میں بھی اس کے مصنف دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط رہے ہیں، اس لحاظ سے یہ بڑی جامع تفسیر ہے، اور اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

تفسیر ضیاء القرآن کا مختصر تعارف

یہ تفسیر اہل سنت و جماعت کی ہے۔ یہ پیر محمد کرم شاہ ازہری کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جو ۱۹۷۰ء میں دوسری بار کلاسیکل پرنٹرس دہلی سے شائع ہوئی ہے، یہ تفسیر قدرے مفصل اور معانی قرآن کے بیان میں بہت ہی واضح ہے، مصنف موصوف کی تفہیم کا انداز بڑا اچھوتا ہے، ہر سورت سے پہلے اس کا اجمالی تعارف ہے خصوصاً سورۃ کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض ومقاصد، اس کے مضامین کا خلاصہ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر، ترجمہ میں پیراگراف کے ذریعہ لکیریں کھینچ کر اس کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، نحوی وصرفی اور لغوی مشکلات کو مستند لغات اور تفسیروں سے حل کیا گیا ہے۔

تفسیر تبیان القرآن کا مختصر تعارف

اہل سنت وجماعت کے معروف عالم دین علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی یہ تفسیر تمام اردو تفاسیر پر فائق ہے۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ جس طرح فقہی مسائل اور تفسیر کے دلائل میں آیات واحادیث سے استدلال اس تفسیر میں ہوا ہے کسی اور تفسیر میں اتنی تحقیق نہیں ہوئی۔ اس تفسیر میں مسائل کلامیہ اور اسی طرح کئی دیگر مسائل پر سیر حاصل تحقیق کی گئی ہے۔ لہٰذا اردو تفاسیر میں اس جیسی کوئی تفسیر نہیں ہے۔

تفسیر نعیمی کا مختصر تعارف

اہل سنت وجماعت کے معروف حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ یہ بڑی مبسوط تفسیر ہے۔ اس کی گیارہ جلدیں گیارہ پاروں پر مشتمل مفتی صاحب نے لکھی ہیں۔ جبکہ اس کے بعد بقیہ تفسیر ان کے صاحبزادے نے لکھی ہے۔ قبلہ مفتی صاحب کی یہ تفسیر بھی دیگر اردو تفاسیر میں ممتاز ہے۔ اس میں عقائد اہل سنت کی خوب ترجمانی کی گئی ہے۔ اور بدمذہبوں کے رد میں اس کے اندر کثیر دلائل موجود ہیں۔

تفسیر جلالین کا مختصر تعارف

علامہ سیوطی اور محلی دونوں شافعی ہیں، آیات سے اپنے مسلک کے مطابق تفسیر اخذ کرتے ہیں، ان تمام مقامات پر سب سے پہلے شافعی مسلک کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور اگر شوافع کی فقہی کتابیں میسر ہوں تو براہ راست ان میں مسائل دیکھنے چاہئیں، پھر اپنے مسلک کی کتاب سے مسائل دیکھ کر بیان کیے جائیں، شوافع کے استدلال کا جواب دینا بھی ضروری ہے، ورنہ حنفی طلبہ کے ذہن میں اشکال باقی رہ جائے گا اور یہ بہتر نہیں۔

جلالین کا حاشیہ بہت عمدہ ہے، اس کی عمدگی کا اعتراف بہت سے علماء نے کیا ہے؛ مگر حاشیہ لکھنے والے کون بزرگ ہیں؟ اس کا علم نہیں، انھوں نے محض اخلاص کی بنیاد پر اپنا نام تک نہیں لکھا؛ لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ مسلک کے اعتبار سے حنفی ہیں۔ تفسیر کے بہت سے اشکالات اچھی طرح حل کر دیتے ہیں؛ لیکن واقعات میں اسرائیلیات بھی خوب لیتے ہیں، اساتذہ کو ایسے مقامات پر بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے، ان کی رو میں خود کو بہانا نہیں چاہیے۔

جلالین میں قراءات بھی ہیں، قراءت مشہورہ کے ساتھ شاذہ کو بھی ذکر کرتے ہیں، اساتذہ کو ذکر کردہ قراءت کو اچھی طرح تحقیق کر کے طلبہ کو بتانا چاہیے، اس کے لیے حاشیۃ الجمل کافی ہے، اس کے علاوہ روح المعانی، مظہری، وغیرہ کا دیکھنا بھی مفید ہے، ہر قراءت کے لحاظ سے آیت کی مختصر تفسیر ضرور کر دینی چاہیے؛ بلکہ لکھوا دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

جلالین میں ایک مشکل یہ ہے کہ وہ قراءت میں ترتیب کا لحاظ نہیں کرتے ہیں، قرآنِ پاک کے رائج نسخہ میں جو آیت ہے، اس کی قراءت کبھی بعد میں اور دوسری قراءت پہلے لکھ دیتے ہیں، ایسی جگہوں پر طالب علم تشویش کا شکار ہوتا ہے؛ اس لیے اساتذہ کو وضاحت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

امام جلال الدین السیوطی علیہ الرحمہ کے حالات زندگی

السیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر حضرمی، 911-841ھ بمطابق 1505-1445 ماہ رجب 841ھ بعد مغرب آپکی پیدائش ہوئی۔ 5 سال اور 7 ماہ کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ قاہرہ (مصر) میں پروان چڑھے۔ 8 سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ جلال الدین محلی، شمس سیرامی شمس مرزبانی الحنفی اور علامہ شہاب الشار مساحی وغیرہ آپکے خاص اساتذہ میں سے تھے۔ آپکے والد آپکو حافظ ابن حجر شارح بخاری کی مجلس میں بھی لیکر گئے تھے، لیکن ان سے تلمذ ثابت نہیں ہے، کم سنی میں ہی تمام علوم عقلی و نقلی میں ممتاز اور کامل استاذ کے درجے پر فائز ہوئے۔ داؤدی نے علامہ سیوطی کے اساتذہ کی تعداد 51 ذکر کی ہے اور آپکی تصانیف کی تعداد 5 سو سے زائد ہے۔

بعد کی تحقیقات اور انکشافات کی بنیاد پر سیوطی کی تصانیف پر ایک مستقل کتاب کویت میں "دلیل مخطوطات السیوطی و اماکن وجودھا" کے نام سے منسوب کی گئی جس میں انکی تالیفات کی تعداد 981 ہے۔ احمد خازندار اور محمد ابراہیم الشیبانی نے اسے مرتب کیا ہے۔ آپکی اکثر تصانیف آپکی زندگی ہی میں عرب و عجم میں پھیل گئی تھیں، اور شہرت و قبول عام حاصل کر چکی تھیں۔ علامہ سیوطی کثرت اور سرعت

تصنیف میں ابن جریر طبری اور ابن تیمیہ کے بعد امت اسلامیہ کے تیسرے بزرگ مصنف ہیں۔

عربی ادب لغت، لسانیات، شعر اور نقد شعر پر استادانہ گرفت کے ساتھ ہی علم حدیث و تفسیر میں امام وقت تھے اور اس فن شریف کے تمام جملہ اقسام مثلاً اسماء الرجال غریب الحدیث، نقد متن، اسناد کا درجہ، استنباط مسائل وغیرہ میں انکا ہمسر کوئی نہ تھا۔

چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو دنیا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی اور عبادات و مجاہدات میں یکسر منہمک ہو گئے۔ تصنیف و تالیف کا اکثر کام اسی وقت کی یادگار ہے، دریائے نیل کے کنارے روضہ المقیاس میں قیام پزیر ہوئے۔ آپکا انتقال یہیں ہوا۔ شہرت کا عالم یہ تھا کہ اعیان سلطنت، امراء اغنیا خدمت میں حاضر ہوتے، بیش بہا ہدیے نذر کرتے لیکن کسی سے کوئی ہدیہ کبھی قبول نہ کیا۔ بادشاہ وقت نے بارہا تشریف آوری کی دعوت دی، لیکن نہ خود گئے نہ ملے، تذکرہ نویسوں نے علامہ سیوطی کے تبحر علمی اور مناقب میں صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے ہیں، اس کے ساتھ ہی علامہ سیوطی صاحب اسلوب شاعر بھی تھے، 17 جمادی الاول 911ھ بروز جمعہ بوقت سحر معمولی سے مرض میں انتقال کیا۔

زرکلی نے الاعلام میں سیوطی کی تصانیف کی تعداد 600 ذکر کی ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیق کے مطابق 981 ہیں۔

1: الاتقان فی علوم القرآن، کتاب کے مقدمے میں 80 علوم قرآنی کا ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ اجمالی ہے، تفصیل میں جایئے تو یہ 300 سے زائد ہیں۔ اپنے موضوع پر سب سے زیادہ محیط اور نادر تصنیف ہے۔ دو جلدوں میں باریک فل سائز پر طبع ہوئی ہے۔

مؤلفات

2: اتمام الدرایۃ لقراء النقایۃ۔ یہ بھی علوم متنوعہ پر مشتمل ضخیم کتاب ہے، الاحادیث المنیفۃ الارج فی الفرج 5 الازد کار فیما عقدہ الشعراء من الاثار۔ تاریخی اماکن و اثار جنکا عربی شاعری میں ذکر آیا ہے اسکی تحقیق ہے۔ اسعاف المبطافی رجال الموطا علم حدیث سے متعلق ہے۔ الاشباہ والنظائر العربیۃ۔ الاشباہ و النظائر فی فروع الشافیعۃ، دونوں کتابیں اسماء الرجال سے متعلق ہیں۔: الاقتراح فی اصول النحو۔ اصول نحو میں: الا کلیل فی استنباط التنزیل، یہ کتاب الاکلیل کے نام سے مشہور ہے، اور علم تفسیر سے متعلق نہایت اہم تصنیف ہے۔: الالفاظ المعربۃ الافیۃ فی المصلطح الحدیث، علم حدیث میں استعمال کی جانے والی اصطلاحات کا ذکر و شرح الالفیۃ فی النحو، نحوی اصطلاحات کو الفیۃ ابن مالک کی طرز پر جمع کیا ہے اور اسکا نام الفریدہ رکھا ساتھ ہی اسکی شرح بھی خود کی ہے بغیۃ الدعاۃ فی الطبقات اللغوین و النحاۃ: عرب ماہرین نحو کی مستند تاریخ اور انکا مبصرانہ جائزہ ہے۔

15: تاریخ الخلفاء، تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کی نہایت معتبر تاریخ ہے اور بطور ماخذ اسکا استعمال عام ہے۔

16: تفسیر جلالین، اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکا نصف اول جلال الدین محلی نے لکھا ہے جو سیوطی کے استاذ تھے اور نصف آخر انکے انتقال کے بعد سیوطی نے مکمل کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس تفسیر میں قرآنی کلمات اور تفسیری الفاظ کم بیش برابر ہیں۔ عربی مدارس کے ثانوی درجات میں بالعموم یہی تفسیر عالم اسلام میں پڑھائی جاتی ہے۔

17: الجامع الصغیر فی الحدیث

18: جمع الجوامع، سیوطی نے نہایت احتیاط و تدبر سے حدیث کی مستند صحاح و مسانید کی احادیث یکجا کر دی ہیں، یہ کتاب الجامع الکبیر

کے نام سے مشہور ہے، ہندوستان کے مشہور محدث علی متقی (م۔1567) نے اسے مختصر کر کے مفید عام بنادیا۔اصل میں یہی کتاب کتاب جمع الجوامع کے نام سے موسوم ہے۔یہ عالم عرب میں مشہور اور زبان زد عام خاص ہوگیا کہ سیوطی کا احسان سارے عالم پر ہے،اور خود سیوطی متقی کے مرہون منت ہیں،

19:طبقات الحفاظ

20:طبقات المفسرین:سیوطی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہیں،محدثین اور مفسرین کے مراتب،تاریخ اور انکی درجہ بندی میں ممتاز اور متداول ہیں۔

21:عقود الجمان فی المعانی والبیان۔فن بلاغت میں بےمثال تصنیف ہے اور نہایت معلومات افزا ہے۔آخر الذکر کے علاوہ مذکور تمام کتابیں متعدد ضخیم جلدوں میں ہیں۔عربی ادب کے ہر فن پر آپکی گرانقدر تصنیف موجود ہے،اکثر کتابیں کئی کئی ضخیم جلدوں میں ہیں،اور اپنی سہل نگاری کی وجہ سے ہر خاص وعام کیلئے یکساں نافع ہیں،گوشہ نشینی سے قبل سیوطی نے بلاد اسلامیہ کا سفر بھی کیا تھا۔"المنجد"میں ہندوستان کے سفر کا ذکر ہے لیکن دوسرے تذکرہ نگار یا مؤرخ نے اسکا ذکر نہیں کیا ہے۔

امام جلال الدین محلی شافعی علیہ الرحمہ کی حالات زندگی

آپ کا اسم گرامی امام جلال الدین محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم ہے۔آپ مصر کے ایک شہر محلہ کبریٰ میں پیدا ہوئے ہیں اسی وجہ سے آپ علمائے کرام کے ہاں امام جلال الدین محلی کے لقب سے معروف ہیں۔

سن میلاد کا بیان

امام جلال الدین محلی شافعی علیہ الرحمہ شوال کے ماہ مبارک میں ۷۹۱ھ میں مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں پیدا ہوئے ہیں۔اور یہی وہ مقام ہے جو اسلامی علوم وثقافت کا محور ومرکز رہا ہے۔کیونکہ مصر اور کے گرد ونواح کے ممالک اور مشہور شہروں میں اسلامی علوم کا چرچا پوری دنیا میں معروف رہا ہے۔

دینی علوم کے حصول کا بیان

آپ نے قرآن مجید کو حفظ کیا ہے اور اس کے بعد ابتدائی علوم وہاں کے مقامی علمائے کرام اور معروف اساتذہ سے حاصل کیے تھے۔اس کے بعد فقہی علوم کے حصول کیلئے آپ علامہ بیجوری اور علامہ جلال بلقینی اور ولی الدین عراقی کے حاصل کیے۔

اور علم نحو کا حصول علامہ شہاب الدین عجیمی اور شمس شطعونی اور اسی طرح کے دیگر معروف علمائے نحات سے علم نحو میں خوب مہارت حاصل کی۔

آپ نے علم فرائض اور حساب کے علوم اس وقت کے عظیم محقق علامہ ناصر الدین بن انس حنفی سے حاصل کیا۔جن کی شہرت شرق وغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔

اور اسی طرح منطق، فلسفہ، جدل معانی اور بیان وغیرہ جیسے علوم آپ نے بدر محمود اقصرائی سے حاصل کیے۔ اور اسی طرح اصول دین کا علم حاصل کرنے کیلئے علامہ شمس بساطی کے ہاں زانوئے تلمذ ہوئے۔ اور انہی سے علوم تفسیر کو بھی حاصل کیا۔ اور علم تفسیر کے مزید حصول کیلئے وقت عظیم علمائے و مفسرین کے حلقہ درس میں حاضر ہوکر استفادہ کیا۔

معاشی حالات زندگی کا بیان

امام جلال الدین محلی شافعی علیہ الرحمہ نے ابتداء میں تجارت اختیار کی۔ اور آپ ایک عرصے تک کپڑے کا کاروبار کرتے رہے اور اس کے کچھ عرصہ بعد اسی کپڑے کے کاروبار میں کسی شخص کو اپنا نائب بنا کر خود درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ اور لوگوں کی بڑی تعداد نے آپ تفسیر کا علم حاصل کیا۔ اور آپ کو چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے ازروئے تقویٰ اس سے انکار کر دیا اور اسی طرح درس و تدریس میں رہنا پسند کیا۔ اور تمام عمر اسی طرح آپ نے بسر کر دی۔

امام جلال الدین محلی شافعی کی تفسیر جلالین

آپ نے کئی کتب تصانیت کی ہیں۔ جن میں سے ایک جمع الجوامع ہے۔ اور اسی طرح جو آپ کا معروف تفسیری کام ہے وہ جلالین شریف کا نصف ثانی ہے۔ آپ نے تفسیر کو سورہ کہف سے شروع کیا اور سورہ ناس تک مکمل کر کے اس کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر کو شروع کیا تو آپ کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اسی وجہ سے بقیہ تفسیر آپ کے ارشد تلامذہ میں سے علامہ، امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ نے آپ ہی کے اسلوب کے مطابق مکمل کی ہے۔ جو آج دنیا میں تفسیر جلالین کے نام سے معروف ہے۔

امام جلال الدین محلی شافعی علیہ الرحمہ کا سن وصال

دنیائے اسلام میں ایک عظیم محقق، مفسر اور دیگر علوم اسلامیہ کا وارث و جانشین اسلاف امت مسلمہ آخر کار اس دنیائے فانی کو خیر باد کہہ گیا۔ اور آپ نے ۷۳ سال کی عمر مبارک پا کر ۱۵ رمضان المبارک ۸۶۴ھ میں وصال کیا۔ اور آپ اپنے آباؤ اجداد کے قرب میں باب نصر میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین،

تفسیر جلالین و مصباحین کی وجہ تسمیہ کا بیان

تفسیر جلالین کو جلالین اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے دو مصنف ہیں اور ان دونوں کا نام لقب اتفاق جو علمائے امت مسلمہ میں معروف ہے وہ جلال الدین ہے۔ لہٰذا اس میں دو جلال رکھنے والے مصنفین کا علم شامل ہے۔ لہٰذا اس کو جلالین کہا جاتا ہے۔

ہم نے اس کی شرح کرتے ہوئے اپنی تفسیر کا نام مصباحین رکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ہمارے مدنظر دو طرح سے ہے۔ ایک وجہ یہ ہے۔ کہ ہدایت کے چراغ دو ہیں اور وہ قرآن و حدیث ہیں اور ہم نے کوشش کی ہے کہ تفسیر قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تفسیر جلالین کے دو مصنف ہیں۔ لہٰذا ان دونوں ہستیوں کو چراغ سے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے

علم وفضل سے بھی ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ جو آج تک دنیائے اسلام میں موجود ہے۔

دور جدید کے بعض مفسرین کے کارناموں کا بیان

تفسیر اور علم تفسیر کے مطالعہ کیلئے ہم نے مختلف کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کا تجزیہ قارئین تک پہنچانا مناسب ہوگا۔ کئی مفسرین جنہوں نے تفسیر مکہ وتفسیر مدنی کے نام سے مختلف تفاسیر لکھ دیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس میں کثیر مقامات پر انہوں نے اپنی تفاسیر کا رخ اپنے مسلک بلکہ بعض مقامات پر اس طرح کی گری ہوئی گفتگو کردی جس طرح کوئی ذاتی مقاصد کیلئے مفہوم کو تبدیل کردے۔ یعنی اس طرح کے مسلکی رنگ بھرے جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھ کر کوشش کی ہے۔ قرآنی مضامین کو صحافتی زبان میں ڈھال دیا جائے۔ ہمارے تجزیہ کے مطابق انہوں نے ایک ناول بنانے کی ملعون کوشش کی ہے۔ اسی طرح کے کئی ماڈرن نام نہاد سکالر قرآنی آیات کی تفاسیر کو اپنے مسلک کے رنگ میں یا تنظیم کے گمراہ کن نظریات میں رنگنے کیلئے شب وروز کوششوں میں رہتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ کن لوگوں کی تفاسیر سے امت مسلمہ کی آنے والی نسلوں کو بھی محفوظ فرمائے۔

﴿محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق﴾

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

چک سنتیکا بہاولنگر

سُورَةُ الفَاتِحَة

یہ قرآن مجید کی سورت فاتحہ ہے

سورت فاتحہ کا معنی ومفہوم کا بیان

اس سورۃ کا سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے جس کے معنی ہیں کھولنے والی ہے۔اس کا نام الفاتحہ اس کے مضمون کی مناسبت سے ہے۔فاتحہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی مضمون یا کتاب یا کسی شے کا افتتاح ہو۔دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ یہ نام دیباچہ اور آغازِ کلام کے ہم معنی ہے۔

سورت فاتحہ کے دوسرے اسماء کا بیان

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے اسماء، اس سورۃ کے متعدد نام ہیں فاتحہ، فاتحة الکتاب، اُمُّ القرآن، سورة الکنز، کافیة، وافیة، شافیة، شفا، سبع مثانی، نور، رقیة، سورة الحمد، سورة الدعا، تعلیم المسئلہ، سورة المناجاة، سورة التفویض، سورة السوال، اُمُّ الکتاب، فاتحة القرآن، سورة الصلوۃ اس سورۃ میں سات آیتیں ستائیس کلمے ایک سو چالیس حرف ہیں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ فاتحہ تفسیر مظہری، فاتحہ)

سورت فاتحہ کی فضیلت کا بیان

امام مسلم علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر ایک زوردار آواز سنی انہوں نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر فرمایا، یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا، پھر فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ پھر اس فرشتے نے آپ کو سلام کیا اور دو نوروں کی خوشخبری دی اور کہا یہ دو نور آپ ہی کو دیے جا رہے ہیں۔آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات۔آپ جب کبھی ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کو طلب کردہ چیز ضرور عطا کی جائے گی۔(صحیح مسلم۔کتاب فضائل القرآن۔باب فضل الفاتحہ)

امام بخاری علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں حضرت سیدنا ابوسعید بن معلّی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے فرمایا: "میں تجھے قرآن کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو قرآن کی سب سورتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ ہے آیت (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)

وھی (سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ) اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا۔ (بخاری، کتاب تفسیر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔

سورت فاتحہ کی آیات کی تعداد کا بیان

"سُورَۃ الْفَاتِحَۃ "مَکِّیَّۃ سَبع آیَات بِالْبَسْمَلَۃِ اِنْ کَانَتْ مِنْھَا وَالسَّابِعَۃ صِرَاط الَّذِیْنَ اِلٰی آخِرِھَا وَاِنْ لَمْ تَکُنْ مِنْھَا فَالسَّابِعَۃ غَیْر الْمَغْضُوب اِلٰی آخِرِھَا وَیُقَدَّر فِی اَوَّلِھَا قُوْلُوا لِیَکُونَ مَا قَبْل اِیَّاکَ نَعْبُد مُنَاسِبًا لَہٗ بِکَوْنِھَا مِنْ مَقُول الْعِبَاد .

ترجمہ

سورت فاتحہ مکی ہے اس کی سات آیات ہیں اگر بسم اللہ اس میں شامل ہو تو ساتویں آیت صراط الذین سے لیکر آخر تک ہے اور اگر اس میں بسم اللہ شامل نہ ہو تو ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہے، اور بسم اللہ کے شروع میں قُولُوا مقدر ہوگا تا کہ اِیَّاکَ نَعْبُد کا ماقبل لوگوں کے قول کے مناسب ہو جائے۔ کیونکہ وہ بندوں کا مقولہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی ترکیب نحوی

حرف با: اس میں ''با'' حرف جار، بسبب عدم اسم وفعل، محتاج معنی غیر، از حروف عاملہ جارہ، مبنی الاصل مع جملہ حروف، مجرور علی الاصل، عامل لفظی، عامل قوی بسبب عامل ظاہر علی المعمول، برائے الصاق واستعانت یا قرائن مختلفہ معانی کثیرہ، معانی ثبوتیہ، بسبب وجود کلام انشاء جو ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہے اصل فی الحروف الجارہ بسبب فروع دیگر،

لفظ ''اسم'':

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں "حرف باء" جار ہے، "اسم" مجرور اور مضاف "لفظ اللہ" مضاف الیہ اور موصوف ہے لفظ "الرحمٰن الرحیم"، صیغہ صفت مشبہ، ھو ضمیر اس کا فاعل، صیغہ صفت مشبہ اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، دونوں یکے بعد دیگرے موصوف یعنی اللہ کی صفات ہیں۔ موصوف (اللہ) اپنی دونوں صفات (الرحمٰن الرحیم) کے ساتھ مل کر اسم کا مضاف الیہ بن گیا اور مضاف (اسم) اپنے مضاف الیہ (اللہ الرحمٰن الرحیم) سے مل کر جار یعنی "حرف باء" کا مجرور ہو گیا۔ اب اس حرف باء (جار) کا ایک متعلق ہے جو فعل محذوف ہے۔ وہ یہاں اشرع ابدا یا اقراء وغیرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جار و "مجرور" اور "فعل محذوف" جس میں فاعل بھی ہے۔ سب مل کر "جملہ فعلیہ خبریہ" پر منتج ہو گئے۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یہاں فعل محذوف صیغہ امر ابدا یا اقراء کو مانا جائے۔ اس طرح تسمیہ "جملہ فعلیہ انشائیہ" قرار پائے گا۔

یہاں ایک لطف نکتہ قابل غور ہے کہ تسمیہ کا "جملہ فعلیہ خبریہ یا جملہ فعلیہ انشائیہ" ہونا فعل محذوف کی نوعیت پر مبنی تھا۔ اگر فعل

محذوف کی بجائے زیادہ توجہ حرف باء کے مفہوم اور اس کی نوعیت کے تعین پر کی جائے جیسے کہ بعد میں بیان کیا جائے گا تو تسمیہ کا کلام ہر صورت میں "دعائیہ" قرار پا جاتا ہے کیونکہ یہاں حرف باء تین حالتوں میں سے یقیناً کسی نہ کسی ایک حالت کا حامل ہے اور وہ ہیں۔"الصادق و مصاحبت"استمداد و استعانت اور تبرک و تیمن لہٰذا باء مذکورہ بالا میں سے جس حالت پر بھی دلالت کرے۔کلام تسمیہ ایک دعا بن جاتی ہے اور یہی مقصود الٰہی ہے۔

لفظِ اللہ اور خُدا میں فرق کا بیان

حضرت پیر نصیر الدین نصیر گیلانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں پاک و ہند میں اکثر پڑھا لکھا طبقہ بھی اللہ کی جگہ خُدا کا لفظ زیادہ استعمال کرتا ہے شعر و شاعری میں ہم نے بھی خُدا کا لفظ بہت استعمال کیا، ایسا کرنا درست ہے کہ نہیں اسی سلسلے میں اپنی تحقیق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

خدا فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنٰی بہ اعتبارِ لغت مالک، صاحب اور سربراہ کے ہیں۔ جیسے کہ کد خدا، دِہ خدا، نا خدا وغیرہ۔ فارسی والے اگرچہ یہ لفظ اللہ کے معنٰی میں استعمال کرتے ہیں اور آج تک بھی کر رہے ہیں اور اردو والوں نے یہی لفظ اسی معنٰی میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کے طور پر لکھنا اور بولنا شروع کر دیا، فارسی اور اردو کے ہزاروں شعراء کی نظم و نثر اس پر شاہد ہے۔ میں نے شاعر ہونے کے حوالے سے اپنے کلام میں یہی لفظ اللہ کے معنٰی میں خود بھی استعمال کیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اکابر کی تحقیق کی روشنی میں حقیقتِ حال کیا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ لفظ اللہ لغت و اصطلاح کے اعتبار سے کن کن معانی کا حامل ہے۔ چونکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے، اس لیے اس کے لغوی و اصطلاحی معانی اور پھر ان کا محل استعمال ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

لفظِ اللہ کی اصطلاحی تعریف

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: ھو اسم للذات الواجب الوجود المستحق لجمیع المحامد وہ (اللہ) اُس ذات کے لئے اِسم ہے جو واجب الوجود ہے، تمام محامد و کمالات کا مستحق ہے۔ (مختصر معانی، صفحہ 5 مطبع لاہور)

لفظِ اللہ کی لُغوی تعریف

لفظِ اللہ کی تحقیق کرتے ہوئے مفسرینِ عظام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ لفظ سُریانی ہے اصل میں لاہا تھا، الف کو آخر سے حذف کر کے اول میں الف لام داخل کیا گیا اور معرب بنایا گیا۔

دوسرا قول ہے کہ یہ لفظ عربی کا ہے، ذاتِ باری سے مختص ہے، کسی ماخذ سے مشتق نہیں اور کسی اصل پر متفرع نہیں۔ مشہور نحوی امام سیبویہ، خلیل اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ کہ لفظِ اللہ غیر مشتق، جامد اور ذاتِ باری تعالیٰ کا نام ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ مشتق ہے اور اس کا ماخذ الـه یا له اُلوهة اِلهة اُلوهية بمعنی عبد ہے۔ اسی سے تالہ، استالہ ہے اسی صورت میں الہ بروزنِ فعال " بمعنی مفعول " یعنی مالُوہ بمعنی معبود ہے۔ ہمزہ کو حذف کر کے عوض میں الف لام لائے۔

لام کو دوسرے میں ادغام کر کے اللہ پڑھنے میں اشتقاقی اقوال

چوتھا قول ہے کہ الـه فی الشی ء اذاتحیر و لم یهتد سے ماخوذ ہے۔ یعنی کوئی شخص جب کسی کام میں حیرت زدہ ہو اور اُسے کوئی راہ نہ ملے۔ لان العقول تتحیر فی معرفته، کیوں کہ عقل انسانی معرفتِ الٰہی میں حیران رہ جاتی ہے۔

پانچویں قول کی مطابق یہ لفظ وله یوله اذاتحیر و تخبط عقله سے ماخوذ ہے اس صورت میں الہ اصل میں ولاہ ہوگا، واو کو ہمزہ سے تبدیل کیا گیا۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں وقیـل اصله ولاه فابدل من الواو همزة و تسمیته بذلك لـكـون كـل مـخـلـوق والهـا نـحوه اما بالتسخير فقط كالجهماداتِ والحیواناتِ واُمابالتسخیر والارادةِ معـا كـبـعـضِ الناس ومن هذا الوجه قال بعض الحكماء :الله محبوب الاشياء كلها دل قوله تعالى (وان من شی ء الا یسبح بـحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم) یعنی ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ کا اصل ولاہ تھا پس واو کو ہمزہ سے بدل دیا گیا اور اُس ذاتِ باری کا نام ہوا کیونکہ ساری مخلوق اُسی کی طرف شیدا و مشتاق ہے یا تو تسخیر کے اعتبار سے جیسے کہ جمادات (پتھر وغیرہ) اور حیوانات یا تسخیر اور ارادہ دونوں اعتبار سے جیسے کہ مطیع انسان۔ اسی وجہ سے حکماء نے فرمایا اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا محبوبِ (حقیقی) ہے، جس پر یہ ارشاد قرآن دلالت کرتا ہے ,ان من شی ء الا یسبح بحمده

چھٹے قول کی مطابق یہ لفظ الهت الـی فلان سكنت الیه سے ماخوذ ہے اور وجہ مناسبت یہ ہوگی لان الـقـلـوب تطمئن بذكره والا رواح تسكن اليه یعنی دلوں کو اس کے ذکر سے اطمینان اور رُوحوں کو اُس سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

ساتویں قول کے مطابق اللہ اذا فـزع مـن امر نزل علیه سے ماخوذ ہے اور اسی سے ہے تو اُس ذات کا نام بھی ایسا ہونا چاہئے جو کسی سے متولد و مشتق نہ ہو تا کہ اسم اور مسمی کے درمیان مناسبت رہے۔

اسی سے ہے اَلَهَـه غَیـرُہ اَجارَہ اذا العائذ یفزَع الیهِ و هو یجیرُہ حقیقة او بزعمِهٖ یعنی اس کے غیر نے اسے پناہ دی، چونکہ پناہ مانگنے والا اس کی طرف پناہ لینے کے لیے بڑھتا ہے اور وہ اسے حقیقت پناہ دیتا ہے، یا اس کے خیال کے مطابق الهه میں ہمزہ بابِ افعال سلبِ ماخذ کے لیے ہے۔

آٹھواں قول یہ ہے کہ یہ لفظ اَلَـهَ الـفـصـیـلُ اذا ولِعَ بِامه سے ماخوذ ہے، یعنی اونٹنی کا بچہ ماں کی طرف لپکا۔ اذا العباد مولعون بالتضرع الیه فی الشدائد، کیوں کہ مصائب و آلام میں بندے عاجزی سے اس کی طرف ملتجی ہوتے ہیں۔

نواں قول ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یـلیه لیها و لاها اذاحتجب و ارتفع سے ماخوذ ہے۔ لانـه تعالى محتجِب عن ادراك الابصار و مرتفع عما لا یلیق به،

کیونکہ اللہ تعالیٰ ابصار کے ادراک سے حجاب انوار میں ہے اور ہر اس شے سے بلند و بالا ہے، جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ (تفسیر بیضاوی صفحہ 4، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، تفسیر کبیر از امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جلد اول صفحہ 83، مطبوعہ بیروت 1978ء)

لفظ اللہ کے مشتق یا علم ہونے کا بیان

اگر لفظِ اللہ کو مشتق مانا جائے تو پھر یہ ایک مفہومِ کلی بن جائے گا، یعنی اس کا مفہوم ہوگا" کسی کی بھی عبادت کی جائے اُسے اللہ کہتے ہیں" یہ مفہوم شرکتِ کثیرین سے مانع نہیں تو پھر لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ الہ، اللہ کے سوا کوئی نہیں اور اللہ ہر معبود کو کہا جاسکتا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق توحید خداوندی اسی کلمہ طیبہ سے ثابت ہے لہٰذا لفظِ اللہ علم ہے مشتق نہیں۔

ہمیشہ علم ذاتی کو پہلے ذکر کیا جاتا ہے پھر اس کے دیگر اوصاف کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً زید الفقیہ النحوی الاصولی بلاتشبیہ و بلاتمثیل جب کوئی اللہ کا ذکر مع اس کے اوصاف کے کرتا ہے تو پہلے لفظِ اللہ کو لایا جاتا ہے۔ پھر دیگر صفات کو جیسے اللہ، العالم، القادر، الحکیم یوں نہیں کہا جاتا کہ العالم، القادر، اللہ لہٰذا یہ استعمال دلالت کرتا ہے کہ لفظِ "اللہ" اللہ تعالیٰ کا علمِ ذاتی ہے مشتق نہیں ہے۔

مناطقہ اسلام نے لفظِ اللہ کی تعریف یوں کی ہے۔ واللہ علم علی الاصح للذات الواجب الوجود المستجمع لجمیع صفاتِ الکمال۔ یعنی واجب الوجود جو تمام صفات کمال کا مستجمع ہے اس کا علم ذاتی اصح مذہب کے مطابق لفظِ اللہ ہے۔ مناطقہ (منطقی علماء) کی نزدیک واجب الوجود ایک ایسی کلی ہے۔ جس کا خارج میں تحقق محض فردِ واحد میں ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہے یعنی اس کلی میں صرف ایک ہی فرد ہے۔

اسم کا مسمّیٰ یا غیر ہونے کا بیان

اسم یعنی نام ہی مسمّیٰ یعنی نام والا ہے یا کچھ اور اس میں اہل علم کے تین قول ہیں ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمّیٰ ہے۔ ابوعبیدہ کا اور سیبویہ کا بھی یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن نورک کی رائے بھی یہی ہے۔

ابن خطیب رازی اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں۔ حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں اسم نفس مسمّیٰ ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّیٰ کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے۔ ہمارے نزدیک اسم مسمّیٰ کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی غیر ہے۔

لفظ اللہ کا ہم معنی ولفظ نہ ہونے کا بیان

اللہ ہی وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے اس کا باب کیا ہے بلکہ ایک بہت بڑی نحویوں کی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔

قرطبی نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے جن میں حضرت امام شافعی امام خطابی امام الحرمین امام غزالی بھی شامل ہیں۔خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔

امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ یااللہ اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ یا داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ہذا کا الف لام والے اسم پر داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا لفظ لام والے اسم میں داخل ہونا جائز نہیں۔بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ بن لجاج کا ایک شعر دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر تالّہ، کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع الَہَ یألَہ، الھۃ اور تالھا ہے جیسے کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ ویذرک الھتک پڑھتے تھے مراد اس سے عبادت ہے۔یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔)

وغیرہ کہتے ہیں۔بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ آیت (وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ) 6۔الانعام:3)اور آیت میں ہے(وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ) 43 . الزخرف: 84)یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔

اہل نحات کے نزدیک لفظ اللہ کے اشتقاق کا بیان

سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں یہ الہ تھا جیسے فعال پھر ہمزہ کے بدلے الف ولام لایا گیا جیسے "الناس: کہ اس کی اصل "اناس" ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل الاہ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔

کسائی اور فرا کہتے ہیں کہ اس کی اصل الالہ تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا جیسے کہ آیت (لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا)18 . الکہف:38) میں لکن انا کا لکنا ہوا ہے۔چنانچہ حسن کی قرأت میں لکن انا ہی ہے اور اس کا اشتقاق ولہ سے ہے اور اس کے معنی تحیر ہیں ولہ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہوجاتی ہے اس لئے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔اس بنا پر اصل میں یہ لفظ ولاہ تھا۔واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ وشاح اور وسادۃ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔

رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ الھت الی فلان سے مشتق ہے جو کہ معنی میں "سکنت" کے ہے۔یعنی میں نے فلاں سے سکون اور راحت حاصل کی۔چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور روح کی حقیقی خوشی اس کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے،اس کے سوا اور کوئی نہیں اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔قرآن مجید میں ہے آیت (اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَـطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ) 13 . الرعد: 28)یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لاہ یلوہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الہ الفصیل سے ہے چونکہ بندے اسی کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں،اس لئے اسے

اللہ کہا گیا ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب اله الرجل یا لہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، اس لئے اس کو اللہ کہتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم میں ہے آیت (وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ) 23۔ المومنون:88) یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا (وھو منعم) حقیقی منعم وہی فرماتا ہے تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، وہی مطعم ہے فرمایا ہے وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے فرماتا ہے ہر چیز کا وجود اللہ کی طرف سے ہے۔

رازی کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل، سیبویہ اکثر اصولیوں اور فقہا کا یہی قول ہے، اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور بہت سی اس کی صفتیں آتی ہیں جیسے رحمٰن، رحیم، مالک، قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں۔

بسم اللہ کا فاتحہ کا حصہ ہونے یا نہ ہونے میں اسلاف فقہاء کے اختلاف کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کی کتاب کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۃ نمل کی ایک آیت ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں خود مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ اور ہر سورت کی آیت کا جزو ہے؟ یا صرف سورۃ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے؟ اور خود آیت نہیں ہے؟

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک آپ پر (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے ایک مرسل حدیث میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی روایت ہے۔

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مکحول اور حضرت زہری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے جبکہ سورت برأت میں نہیں ہے

بسم اللہ کا جز فاتحہ نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق بن راہو یہ اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب

ہے۔ کہ بسم اللہ سورت فاتحہ کا جز ہے۔ البتہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اوران کے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ بسم اللہ نہ تو سورۃ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی آیت ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن کسی اور سورۃ کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر سورت کے اول کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے سورت میں داخل نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی یہی روایت ہے ابوبکر رازی نے ابوحسن کرخی کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے جو امام ابوحنیفہ کے بڑے پایہ کے ساتھی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے میں اختلاف اسلاف و مذاہب اربعہ

اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے با آواز بلند پڑھنا چاہیے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۃ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں وہ بھی اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے۔ ان میں اختلاف ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہیے۔

صحابہ، تابعین اور مسلمانوں کے مقدم و موخر اماموں کی جماعتوں کا یہی مذہب ہے صحابہ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، ابن عباس، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بیہقی، ابن عبدالبر نے حضرت عمر اور حضرت علی سے بھی روایت کیا اور امام خطیب بغدادی نے چاروں خلیفوں سے بھی روایت کیا لیکن سند غریب بیان کیا ہے۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ حضرت ابوقلابہ، حضرت زہری، حضرت علی بن حسن ان کے لڑکے محمد، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، مجاہد بن جبر مخزومی تابعی، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل ابن سیرین کے مولیٰ زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ارزق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابوشعثاء، مکحول، عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمہم اللہ سب کے سب ان نمازوں میں جن میں قرأت اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۃ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہیے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اس حدیث کو دارقطنی خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے

تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کس طرح تھی۔ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ لمبا کر کے پڑھتے تھے پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی بسم اللہ پر مد کیا الرحمٰن پر مد کیا الرحیم پر مد کیا۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر کر الحمد للہ رب العالمین پھر ٹھہر کر الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر کر ملک یوم الدین دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعی، امام حاکم نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر اصحاب وہاں موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اتنی ہی احادیث وآثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھنا چاہیے۔ خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن مغفل، تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہی ثابت ہے۔ ابوحنیفہ، ثوری، احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک کا مذہب ہے کہ سرے سے بسم اللہ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند کیا۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ تو قرأت کے شروع میں نہ اس قرأت کے آخر میں۔

سنن میں حضرت مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔ یہ ہے دلیل ان ائمہ کے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ سنن دارمی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جہری قرأت کا آغاز الحمد للہ سے فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ دونوں قرأتوں میں (جہرا) بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (1۔ صحیح لمسلم، 1: 172، کتاب الصلاۃ، رقم: 52، 2۔ مسند احمد بن حنبل، 3: 101، 114، 3۔ سنن الدارمی، 1: 300 مطبوعہ، دار القلم دمشق، 4۔ سنن النسائی، 2: 97، رقم: 902)

رحمٰن اور رحیم کے اشتقاق ومعانی میں اقوال اسلاف کا بیان

آیت (الرحمٰن الرحیم) کا بیان آئے گا یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے الرحمٰن میں رحیم سے زیادہ

مبالغہ ہے۔

علامہ ابن جریر کے قول سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی ان معنوں سے متفق ہیں گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ان معنوں پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا۔ حالانکہ قرآن میں بالمومنین رحیما آیا ہے۔

مبرد کہتے ہیں رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابو اسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمٰن عبرانی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابو اسحٰق فرماتے ہیں۔ اس قول کو دل نہیں مانتا۔

"قرطبی فرماتے ہیں "اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو کاٹ دوں گا۔ اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی گوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ "رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں اور جیسے ندمان اور ندیم۔

"ابوعبید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فعلان فعیل کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں۔ جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل صرف فاعل اور صرف مفعول کے لئے بھی آتا ہے۔ جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔

ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ "رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے فرمایا ہے آیت (وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا) 33۔ الاحزاب: 43) مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔

"ابن عباس فرماتے ہیں "یہ دونوں رحمت و رحم والے ہیں، ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے۔" حضرت ابن عباس کی اس روایت میں لفظ ارق ہے اس کے معنی خطابی وغیرہ ارفق کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ رفیق یعنی شفیق اور مہربانی والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ دوسروں پر نرمی اور آسانی کرنے والے پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی کرنے والے پر عطا نہیں فرماتا۔ "ابن المبارک فرماتے ہیں "رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ غضبناک ہو۔ "ترمذی کی حدیث میں ہے "جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔" بعض شاعروں کا قول ہے۔

الله يغضب ان تركت سواله وبنی ادم حين يسال يغضب

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزرمی فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیتوں آیت (ثم استوی علی العرش اور الرحمٰن علی العرش استوی) میں استویٰ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تا کہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا آیت (وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا) (33۔الاحزاب:43) پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس سے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رقیق ہے جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسن فرماتے ہیں رحمٰن کا نام دوسروں کے لئے منع ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے لوگ اس نام پر کوئی حق نہیں رکھتے۔

ام سلمہ والی حدیث جس میں کہ ہر آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرا کرتے تھے۔ پہلے گزر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ کو آیت قرار دے کر آیت الحمد کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔

جمہور کا بھی یہی قول ہے کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم کے زیر سے پڑھتے ہیں، ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں۔ جیسے آیت (الم الله لا اله الا هو) ابن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں روایت نہیں۔ (تفسیر ابن جریر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝
سب خوبیاں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی تعریف کا اوصاف کے ساتھ بیان

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمَضْمُوْنِهَا عَلٰى اَنَّهُ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ يَّحْمَدُوْهُ وَاللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى الْمَعْبُوْدِ بِحَقٍّ ۔ "رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" اَىْ مَالِكِ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالدَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ وَكُلٌّ مِنْهَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْاِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَغَلَبَ فِىْ جَمْعِهِ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُولِى الْعِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِهِ ۔

ترجمہ

تمام خوبیاں اللہ کیلئے ہیں یہ جملہ خبریہ ہے جس کے ساتھ اللہ کی تعریف کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اس مضمون کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تمام محامد کا مالک ہے یا وہی حق رکھتا ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ اور لفظ اللہ یہ معبود برحق کا علم ہے۔ یعنی تمام عالمین کا رب

ہے۔یعنی تمام مخلوق کا مالک جو انسان، جن فرشتے، جانور وغیرہ ہیں۔اور ان میں ہر ایک پر عالم کا اطلاق ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے عالم انس، عالم جن وغیرہ۔اور اس کی جمع میں یاء اور نون کے ساتھ لائی گئی ہے تا کہ علم والوں کو غیر علم والوں غلبہ حاصل ہو۔اور وہ علامت ہے جو اپنے موجد کیلئے نشانی ہوتی ہے۔

عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے۔

الحمد کے مبتداء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کا بیان

ائمہ قرأت سبعہ الحمد کو دال پر پیش سے پڑھتے ہیں اور الحمد للہ کو مبتدا خبر مانتے ہیں۔سفیان بن عینیہ اور روبہ بن عجاج کا قول ہے کہ دال پر زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے۔

امام ابن ابی عبلہ الحمد کی دال کو اور اللہ کے پہلے لام دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں اگر چہ اس کی شہادت عربی زبان میں ملتی ہے مگر اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے شاذ ہے۔حسن اور زید بن علی ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں "الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں، خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو اس وجہ سے کہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے، اس مالک کے سوا اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے تمام جسمانی نعمتیں ہمیں بخشیں۔

اَلْـحَـمْـدُ میں 'ال' تخصیص کے لئے ہے یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں یا اس کے لئے خاص ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لئے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے اس کا استعمال کسی اور کے لئے جائز نہیں لَا اِلٰـهَ افـضـل الذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو افضل دعا کہا گیا ہے۔(ترمذی، نسائی وغیرہ)

حمد اور شکر میں لغوی فرق ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ الحمد للہ ہے۔قرطبی نے ابن جریر کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی الحمد للہ شکرا کہے تو جائز ہے۔دراصل علامہ ابن جریر کے اس دعویٰ میں اختلاف ہے، پچھلے علماء میں مشہور ہے کہ حمد کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازم صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔

عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو وہ عام طور پر شکر کے معنوں میں آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے شہ سواری اور کرم دونوں پر حمدتہ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے وہ صرف زبان سے ادا ہوسکتا ہے یہ لفظ خاص اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل اور نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ شہ سواری کے حصول پر شکرتہ نہیں کہہ سکتے البتہ شکرتہ علی کرمہ واحسانہ الی کہہ سکتے ہیں۔

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری کہتے ہیں "حمد" مقابل ہے "ذم" کے۔ لہٰذا یوں کہتے ہیں کہ **حمدت الرجل احمدہ حمداو و محمدۃ فھو حمید و محمود تحمید** میں حمد سے زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو شکر کہتے ہیں۔

عربی زبان میں شکرتہ اور شکرت لہ دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لئے کہ زندہ مردہ بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں۔ کھانے اور مکان کی اور ایسی اور چیزوں کی بھی مدح کی جاتی ہے احسان سے پہلے، احسان کے بعد، لازم صفتوں پر، متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا حمد کا معنی تعریف بھی ہوسکتا ہے اور شکر بھی۔ تعریف (حمد) عام ہے اور شکر خاص۔ حمد کا تعلق قابل تعریف کارناموں سے ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان، شمس وقمر اور ستاروں کی حرکت غرض تمام کائنات کا اس قدر مربوط اور منظم نظام بنادیا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس پر اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اور شکر کا تعلق ان خاص انعامات سے ہوتا ہے جو کسی خاص ذات سے متعلق ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا انسان کو احسن تقویم پر پیدا کرنا۔ کسی کو صحت اور رزق کی فراوانیوں سے مالا مال کرنا۔ ایسی نعمتوں کے اعتراف کو شکر کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح کی حمد اور شکر کا مستحق ہوا۔ علاوہ ازیں اگر مخلوق میں سے کوئی شخص کوئی قابل تعریف کارنامہ سرانجام دے اور اس پر اس کی تعریف کی جائے تو وہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی۔ کیونکہ قابل تعریف کام کرنے کی صلاحیت اور توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ گویا ہر طرح کی تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی قرار پاتا ہے۔

لفظ رب کے معنی ومدلول کے مصداق کا بیان

یہ لفظ تربیت کے معنی میں اصلاً مصدر ہے مگر اس کا اطلاق وصفاً فائل کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے عادل کے لیے مبالغۃ عدل کا اور صائم کے لیے صوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ فی الحقیقت رب صرف مربی کو نہیں بلکہ نہایت ہی کامل مربی کو کہا جاسکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو خود ہر جہت سے کامل ہو وہی دوسرے کی کامل تربیت کرنے کا اہل ہوسکتا ہے۔ اس لیے تربیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ا... ۃ ھ تبلیغ الشئ الی کمالہ شیا فشیا۔

تربیت سے مراد کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس کے کمال تک پہنچانا ہے۔(تفسیر أبی السعود، 1:13)

بعض اہل علم کے نزدیک لفظ رب، مربی کے معنی میں خود نعت ہے۔(جیسے نعمّ ۔ ینمّ ۔ فھو نمٌّ، ربّ، یربّ، فھو ربّ) لیکن دونوں صورتوں میں اصل مفہوم اور اس کی دلالت ایک ہی رہتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل میں یہ لفظ راب تھا جس کی درمیانی الف حذف کردی گئی اور رجل بار سے رجل بر کی طرح راب سے لفظ رب رہ گیا۔ جیسا کہ ابوحیان کا قول ہے۔ بعض نے اسے مبالغہ پر اسم فاعل بھی قرار دیا ہے اور بعض نے صفت مشبہ کیونکہ وہ بسا اوقات فاعل کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً الخالق، المنعم اور الصاحب وغیرہ ہیں۔

ائمہ تفسیر نے بالعموم رب کے معنی میں دو صفات کو شامل کیا ہے۔ ان دونوں کی اپنی اپنی جگہ معنوی حکمت وافادیت معلوم ہونی چاہیے۔ تربیت: اس کی تعریف سے واضح ہے کہ یہ دو شرائط کا تقاضا کرتی ہے: i۔ تکمیل ii۔ تدریج

تربیت کی مختصر تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ھو التبلیغ الی الکمال تدریجاً ۔

یہ کسی شے کو تدریجاً کمال تک پہنچانے کا نام ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو نہایت بلیغ انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

الرب فی الاصل التربیہ و ھو انشاء الشیء حالا فحالًا الیٰ حد التمام ۔

لفظ رب اصلاً تربیت کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کسی چیز کو درجہ بدرجہ مختلف احوال میں سے گزارتے ہوئے آخری کمال کی حد تک پہنچا دینا ہے۔(المفردات، ص۱۸۴)

کمال سے یہاں مراد ہے ما یتم بہ الشیء فی صفاتہ یعنی یہ کسی چیز کی وہ حالت ہوتی ہے جہاں وہ اپنی جملہ صفات کے اعتبار سے انتہا کو پہنچ جائے۔ ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ اگر تربیت پانے والا اپنے کمال یعنی صفاتی انتہا کو نہ پہنچے، تب بھی تربیت نامکمل رہی، اور اگر اس نے جملہ تدریجی اور ارتقائی مراحل طے نہ کیے ہوں تب بھی تربیت کامل نہ ہوئی۔ لہٰذا نظام تربیت کا کمال یہ ہے کہ مربوب (تربیت پانے والا) تدریجی اور ارتقائی منزلوں میں سے گزرتا ہوا اپنی صفات کی آخری حد کو پالے۔

اللہ کے سوا لفظ رب کا اضافت کے ساتھ استعمال ہونے کا بیان

لفظ رب اس الوہیت شان کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کامل مربی و مالک ہے۔ وہی قادر اور جمیع امور میں حقیقی متصرف ہے۔ اس کی شان ربوبیت میں کوئی شریک ہے نہ دخیل۔ اس لیے اس کا رب ہونا علی الاطلاق ہے جبکہ اس عالم اسباب میں کئی افراد جو ایک دوسرے کے مربی ہوتے ہیں، انہیں جب مجازاً رب کہا جاتا ہے تو ہمیشہ اضافت کی شرط کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ مثلاً گھر اور گھوڑے کے مالک کو مجازاً رب الدار اور رب الفرس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں ایک شخص سے بادشاہ مصر کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ ۔

اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاہد اسے یاد آ جائے) کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا۔ (یوسف،12:(42) اسی طرح آپ ایلچی کو فرماتے ہیں۔

ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۔

اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور اس سے (یہ) پوچھ (کہ) ان عورتوں کا (اب) کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ (یوسف،12:(50) اسی طرح والدین کی نسبت بارگاہ ایزدی میں اس دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا،

اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔ (بنی اسرائیل،17:(24)

یہاں بھی رَبَّیٰنِی کا فعل رب مصدر سے والدین کے حق میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ الغرض جہاں بھی رب بطور مصدر یا کسی فرد کے لیے مجازاً استعمال ہوگا کسی نہ کسی اضافت کے ساتھ ہوگا۔ مطلقاً اس کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ حقیقی مربی اور مالک مطلق وہی ذات ہے اور اسی کی ملکیت و پرورش ساری کائنات کے لیے علی الاطلاق ہے۔

بعض لوگ ایک جیسے الفاظ کے استعمال کی وجہ سے شرک کے وہم میں ڈوب جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو رب کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ ان کو اضافت یا عدم اضافت کو علم ہی نہیں ہوتا اور اسی طرح ان کو مجاز وحقیقت کا علم ہی نہیں ہوتا لہٰذا وہ لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

عالمین کو جمع لا کر تمام عالم مراد ہونے کا بیان

عَالَم (جہان) جہان کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعہ کو عالم کہا جاتا ہے، اس لئے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لئے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوق کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش وطیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب کی ضروریات، ان کے احوال وظروف اور طبائع واجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

مگر آیت میں عالم سے مراد ہر ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ وغیرہ) ہیں۔ اس لیے جمع لائے تا کہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔

عالمین جمع ہے عالم کی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانے، ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔

لغوی لحاظ سے عالم ہر وہ چیز ہے جس کا علم حواس خمسہ سے ہو سکتا ہو۔ اس لحاظ سے تمام مخلوقات ایک عالم ہے مگر اس آیت میں

عالم سے مراد جنس ہے (عالم غیب، عالم شہادۃ، عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ وغیرہ) بے شمار عالم ہیں۔ پھر زمانہ کے لحاظ سے ہر دور کے لوگ ایک عالم ہیں۔ دور بدلنے پر عالم بھی بدل جاتا ہے۔ اس طرح عالم کی سینکڑوں اور ہزاروں اقسام بن جاتی ہیں۔

عالَم کی تفسیر میں اقوال اسلاف کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ اس سے مراد کل مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی، خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر مجاہد بن جبر مخزومی تابعی اور ابن جریج سے بھی یہ روایت ہے۔ حضرت علی سے بھی غیر معتبر سند سے یہی منقول ہے اس قول کی دلیل قرآن کی آیت لیکون للعالمین نذیرا بھی جاتی ہے یعنی تا کہ وہ عالمین یعنی جن اور انس کے لئے ڈرانے والا ہو جائے۔

فرا اور ابوعبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان، جنات، فرشتے، شیاطین کو عالم کہا جائے گا۔ جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلم، ابومحیص فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں۔ ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں ابن مروان بن حکم عرف جعد جن کا لقب حمار تھا جو بنوامیہ میں سے اپنے زمانے کے خلیفہ تھے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم، زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کو ان کا علم نہیں۔

حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں انسان کل ایک عالم ہیں، سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں، ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جمیری کہتے ہیں ایک ہزار امتیں ہیں، چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں۔

حضرت سعید بن میتب سے یہ بھی روایت ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ تلاش کرنے کے باوجود پتہ نہ چلا۔ آپ غمگین ہو گئے یمن، شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المومنین کے سامنے پیش کیں آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں ان میں سے سب سے پہلے جوامت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہوں گی بس ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے اور سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت سعید بن میتب رحمہ اللہ سے بھی یہ قول روایت ہے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں، دنیا کی ساری کی ساری مخلوق ان میں سے ایک عالم ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاج کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ یہ تمام عالمین پر مشتمل لفظ ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں زمینوں اور دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے۔ (تفسیر قرطبی ودیگر کتب تفاسیر)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

رحمت الٰہی کے عام وخاص ہونے کا بیان

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" اَیْ ذِی الرَّحْمَةِ وَهِیَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِهٖ ۔

رحمٰن اور رحیم سے مراد رحمت والا ہونا ہے اور وہ رحمت کی اہلیت والے کیلئے بھلائی کا ارادہ ہے۔ رحمٰن بروز فعلان اور رحیم بروزن فعیل ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے اسی لیے رحمٰن الدنیا والآخرہ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت جس میں بلاتخصیص کافر ومومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا۔ یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لئے خاص ہوگی۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
روز جزاء کا مالک ہے۔

روز جزا کا مالک:

"مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" اَیْ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لَا مُلْكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؟ لِلّٰهِ" وَمَنْ قَرَاَ مَالِكِ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ فِیْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا "كَغَافِرِ الذَّنْبِ" فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِمَعْرِفَةٍ ۔

قیامت کے دن کا مالک یعنی جزاء کے دن کا مالک ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اور اس کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ ظاہر ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے۔ "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؟ لِلّٰهِ" اس پر دلیل موجود ہے۔ اور جنہوں نے مالک پڑھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام معاملات کا مالک ہوگا اور وہ صفت ملک کے ساتھ ہمیشہ متصف

رہنے والا ہے۔جس طرح غافر الذنب کا لفظ ہے۔پس اس کا معرفہ کی صفت واقع ہونا درست ہے۔

یوم دین کے مفعول یا ظرف ہونے کا بیان

مــالك يـوم الـدين "میں ملکیت حقیقی ہے یعنی وجودی وابستگی جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے مالک ملکیت پر کامل اور ہر طرح کا تسلط رکھتا ہے۔یوم الدین" ممکن ہے مالک کے لئے مفعول ہو اور ممکن ہے ظرف ہو،اگر ظرف ہو تو اس صورت میں مفعول ممکن ہے لفظ "الامور" یا اسکی مثل کوئی اور لفظ ہو اس صورت میں جملے کی ترکیب یوں ہوگی "مـالك الامور فی يوم الدين" بہر حال یہ مفہوم اس آیہ مبارکہ سے نکل سکتا ہے۔

مالک اور ملک کی قرأت تفسیری معانی کا بیان

بعض قاریوں نے ملک پڑھا ہے اور باقی سب نے مالک اور دونوں قرأتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قرأتوں میں سے ہیں اور مالک نے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ۔اور ملیک اور ملکی بھی پڑھا گیا ہے پہلی کی دونوں قرأتیں معانی کی رو ترجیح ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی بھی ہے۔

علامہ زمخشری نے ملک کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ حرمین والوں کی یہ قرأت ہے۔اور قرآن میں بھی آیت (لِـمَـنِ الْـمُلْكُ الْيَوْمَ)40 ۔غافر:16)اور (قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ)6 ۔ الانعام:73)ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے بھی حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے ملک پڑھا اس بنا پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے لیکن یہ شاذ اور بیحد غریب ہے۔ابوبکر بن داؤد نے اس بارے میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تینوں خلفاء اور حضرت معاویہ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔

حضرت ابن شہاب کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے ملک پڑھا۔میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرأت کی صحت کا علم تھا۔راوی حدیث ابن شہاب کو علم نہ تھا واللہ اعلم۔ابن مردویہ نے کئی سندوں سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک پڑھتے تھے۔مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے کہ قرآن میں ہے آیت (اِنَّـا نَـحْـنُ نَـرِثُ الْاَرْضَ وَمَـنْ عَـلَيْهَـا وَاِلَيْنَـا يُـرْجَعُوْنَ) 19 ۔مریم:40) یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹا کر لائے جائیں گے۔اور فرمایا آیت (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ)114 ۔ النا س:1-2) یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا آیت (لمن الملک الیوم) الخ یعنی آج ملک کس کا ہے صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔اور فرمایا آیت (قَـوْلُـهُ الْـحَقُّ وَلَـهُ الْـمُلْكُ يَـوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَـادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ)6 ۔ الانعام: 73) اسی کا فرمان ہے اور اسی کا سب ملک ہے۔اور فرمایا آج ملک رحمٰن ہی کا ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے۔
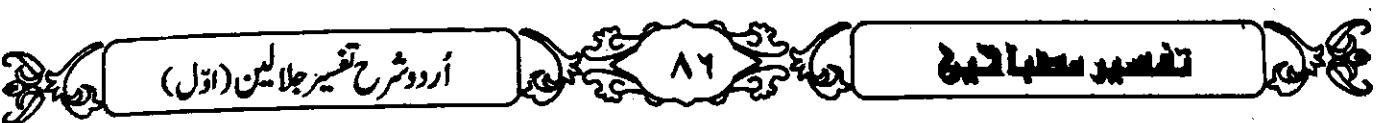
اس فرمان میں قیامت کے دن ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ پہلے اپنا وصف رب العالمین ہونا بیان کر چکا ہے دنیا اور آخرت دونوں شامل ہیں۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے زبان تک نہ ہلا سکے گا۔ جیسے فرمایا جس دن روح القدس اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی اور گنگناہٹ کے سوا کچھ نہ سنائی دے گا اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے کوئی شخص نہ بول سکے گا۔ بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض سعادت مند ہوں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی بادشاہ نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ آیت (یوم الدین سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام بھلے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کرلے یا اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہ تابعین اور سلف صالحین سے بھی یہی روایت ہے۔ بعض سعادت مند۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی بادشاہ نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ آیت (یوم الدین) سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا ہے جس دن تمام بھلے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کرلے یہ اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین سے بھی یہی روایت ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو خود وزن کرلو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں جیسے خود رب عالم نے فرمادیا جس دن تم پیش کئے جاؤ گے کوئی چھپی ڈھکی بات چھپے گی نہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ٥
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت کی تخصیص کے بعد مدد مانگنے کا بیان

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" اَیْ نَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ وَغَيْرِهٖ وَنَطْلُبُ الْمَعُوْنَةَ عَلَى الْعِبَادِ وَغَيْرِهَا۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تجھے عبادت کیلئے خاص کرتے ہیں جو توحید وغیرہ سے ہے۔ اور عبادت وغیر عبادت کے کاموں میں تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت کے معنی کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ وَ معنی العبادۃ فی اللغۃ الطاعۃ مع الخضوع (لسان العرب، ج۳، ص۲۸۳) خضوع کے ساتھ طاعت کا نام عبادت ہے۔عبادت کی روح انتہائی خشوع وخضوع اور عاجزی وفروتنی کا اظہار تسبیح ہے۔قرآن میں عبادت کا لفظ ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے یہاں اس لفظ کا جامع مفہوم ہی مراد ہے۔عبادت اللہ کے لیے خاص ہے کیونکہ لائق عبادت اسی کی ذات ہے۔

محل عبادت کے بعد مدد حقیقی کے اظہار کا بیان

ایک نمازی اس موقع پر اللہ تعالی کی عبادت جو خاص اللہ کیلئے کی گئی ہے اس کے بعد اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! جس طرح میں تیری عبادت کرتا ہوں اسی طرح حقیقی مددگار بھی تجھ کو ہی مانتا ہوں۔اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اسی طرح اللہ کے سوا کوئی حقیقی مددگار نہیں ہے۔لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کو جو ایمان نصیب ہوا ہے یہ تمام انبیاء کرام اوران کو ماننے والے سچے مسلمانوں کی مدد سے نصیب ہوا ہے جو حقیقت میں اللہ تعالی کی مدد ہے۔جو مومنوں کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے۔لہٰذا اظہار مدد خواہ کسی بھی طرح ہو وہ حقیقت میں اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔

مدد حقیقی ومجازی میں فرق نہ کرنے والے گمراہ لوگوں کا بیان

مدد کی دو اقسام ہیں (۱) حقیقی مدد (۲) مجازی مدد۔جو مدد اللہ تعالی سے براہ راست یعنی بغیر وسیلے آئے وہ مدد حقیقی ہے۔جس طرح اللہ تعالی کی مدد سے بنی اسرائیل کیلئے سمندر سے بارہ راستے بن گئے تھے۔اور مدد مجازی وہ ہے جو اللہ تعالی کی مخلوق کے ذریعے انسان کیلئے ہوتی ہے۔جس مدد کا محتاج انسان پیدا ہونے سے لیکر کفن ودفن تک رہتا ہے۔اس مدد میں والدین، اساتذہ اور دیگر لوگ شامل ہوتے ہیں۔یہ مدد بھی اللہ تعالی طرف ہے لیکن مجاز اس لئے ہے کہ اس کا اظہار مخلوق سے ہوتا ہے۔بعض نام نہاد علماء نے گمراہی اور جہالت کی وجہ سے اس مسئلہ میں لوگوں کو اختلاف میں ڈال رکھا ہے۔جس کے سبب لوگ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کو مدد الٰہی کے ذرائع ہیں ان کی شان میں گستاخیاں کر کے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ایسے بیوقوف واعظین کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ پہلے علم حاصل کریں اس کے بعد لوگوں میں مسائل بیان کریں۔ہم مدد حقیقی اور مجازی کی دلیل حسب ذیل آیت مبارکہ سے بیان کر رہے ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ، (المائدہ،55)

تمہارا دوست تو اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو ولی فرمایا گیا ہے حالانکہ ولی کا معنی مددگار بھی ہے۔ کیا یہاں قرآن نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی مدد کو بیان کر کے کسی شرکیہ عقیدے کی دعوت دی ہے۔ (نعوذ باللہ) نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی مدد حقیقی اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان و اولیاء اللہ کی مدد مجازی ہے۔ لہٰذا قرآن کی دونوں آیات میں کسی قسم کا تعارض نہ ہوگا۔ ایاک نستعین میں مدد حقیقی کی تخصیص ہے۔ اور یہاں رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی مجازی مدد کا بیان ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝
ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

سیدھے راستے پر چلانے کی دعا کا بیان

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" اَیْ اَرْشِدْنَا اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْهُ

ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ یعنی ہم کو اس راہ کی جانب ہدایت عطا فرما۔ صراط الذین یہ صراط مستقیم سے بدل ہے۔

اگر "اهدنا الصراط المستقیم" کے "الحمدللہ رب العالمین" کے ساتھ ربط کو ملاحظہ کیا جائے تو یہ پیغام ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد انسان کا ہدف صراط مستقیم پر گامزن رہنا ہے یعنی وہ راستہ جسکا منتہائے مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔

صراط مستقیم کے مفہوم کا تفسیری بیان

امام ابوجعفر ابن جریر فرماتے ہیں مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بیشمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھا پن کے ساتھ بھی آتا ہے۔ سلف اور متاخرین مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تابعداری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بھی روایت کی ہے فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی، حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مسند احمد ترمذی حضرت علی کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے۔

حضرت عبداللہ سے بھی یہی روایت ہے ابن عباس کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیت (اهدنا الصراط مستقیم) کہئے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین قیم کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپ

سے یہ قول بھی روایت ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔

ابن حنفیہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ صراط مستقیم کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں، صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے، جو کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ، ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں کو نہ دیکھو نہ ان پر جاؤ۔ اور اس راستے سے گزرنے والا کوئی شخص جب ان دروازوں میں سے کسی ایک کو کھولنا چاہتا ہے تو ایک پکارنے والا کہتا ہے خبردار اسے نہ کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جاؤ گے اور صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا زندہ ضمیر ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے۔

مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں اس سے مراد حق ہے۔ ان کا قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور مذکورہ اقوال کا کوئی مخالف نہیں۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے آپ کے دونوں خلیفہ ہیں۔ ابوالعالیہ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء صدیق و فاروق کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اسلام کا تابع ہے اور اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ لہٰذا صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔

امام ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اولیٰ یہ ہے کہ ہم کو توفیق دی جائے اس کی جو اللہ کی مرضی کی ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو، صراط مستقیم یہی ہے۔ اس لئے کہ جس شخص کو اس کی توفیق مل جائے جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ تھے انہوں نے اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی، کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لائے۔ اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق مل جائے گی تو یہی صراط مستقیم ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے۔

پھر نماز اور غیر نماز میں ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کی طلب ہے اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محتاج ہے وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ دن رات اپنے اللہ کا محتاج ہے اسی لئے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ بھلا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنا لے وہ اللہ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ٥
راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔ (کنزالایمان)

نیک لوگوں کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے

"صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" بِالْهِدَايَةِ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ لِصِلَتِهٖ بِهٖ۔ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" وَهُمُ الْيَهُوْدُ "وَلَا" وَغَيْرِ "الضَّآلِّيْنَ" وَهُمُ النَّصَارٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّ الْمُهْتَدِيْنَ لَيْسُوْا يَهُوْدَ وَلَا نَصَارٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا،

راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ یعنی ہدایت کے ساتھ، اور "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" یہ الذین کے صلہ کے ساتھ بدل ہے اور وہ یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں اور یہاں بدل ہونے کا راز اس فائدے کو ظاہر کرنا ہے کہ ہدایت یافتہ نہ تو یہودی ہیں اور نہ نصرانی ہیں۔ اور سب سے زیادہ حق کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ اور اسی کی جانب لوٹ کر جانا ہے۔ وہیں ٹھکانہ ہے۔ اور رحمت کاملہ ہو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر کثیر سلام ہو۔

معیت انبیاء والے خوش نصیب لوگوں کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ ایک انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے دیکھا کہ سخت مغموم ہیں سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں آ بیٹھے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے ہم تو آپ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا اس پر حضور جبرائیل یہ آیت لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنا دی۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے پس جب کہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے

دیکھیں گے اور کیسے ملیں گے؟ پس یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور پر بہار باغوں میں سب جمع ہوں گے اور اللہ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔

امام ابن مردویہ میں ہے ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں آپ کو اپنی جان سے اپنے اہل عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بیقرار کر دیتا ہے صبر نہیں ہوسکتا دوڑتا بھاگتا آتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں نبیوں کے سب سے بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا، آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں،

صحیح مسلم شریف میں ہے ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لے میں نے کہا جنت میں میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں فرمایا اس کے سوا اور کچھ؟ میں نے کہا وہ بھی یہی فرمایا میری رفاقت کے لئے میری مدد کر بکثرت سجدے کیا کر، مسند احمد میں ہے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں اللہ کے لاشریک ہونے کی اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا وہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہوگا پھر آپ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتایا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ انشاء اللہ قیامت کے دن نبیوں کے صدیقوں شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا، ترمذی میں ہے سچا امانت دار، تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صاحبہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت ہے بہ تواتر روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے ملا نہیں تو آپ نے فرمایا (حدیث المرء مع من احب) ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئی،

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں واللہ میری محبت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ستارے کو مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی؟ کیوں اور وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کو سچا جانا اور مانا۔(بخاری مسلم، تفسیر ابن جریر)

مغضوب وضالین سے مراد یہود ونصاریٰ ہونے کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آیت (غیر المغضوب علیهم وغیر الضالین) پڑھنا صحیح سند سے روایت ہے اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب سے بھی روایت ہے اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تا کہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لئے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غضب کا سبب ہے اور نصرانی گو ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے آیت (مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ) 5۔المائدہ:60) اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔ آیت (قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ) 5۔ المائدہ: 77) یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے اس نے کہا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگتا پھرتا ہے؟

پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علی تھے آپ نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلا یا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔

آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی آیت (لا الہ الا اللہ) کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ آیت (اللہ اکبر) کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی کا ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے آیت (مغضوب علیھم) سے مراد یہود ہیں اور آیت (الضالین) سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ فاتحہ)

سورہ فاتحہ ایک عظیم سورت ہے

حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر (نماز سے فارغ ہو کر) جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ (اس وقت) میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے میں نے آپ کا جواب نہیں دیا تھا) آپ نے فرمایا کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ اور رسول کا جواب دو جب کہ رسول اللہ تمہیں بلائے اور ان کے حکم کی اطاعت کرو؟ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبل اس کے ہم اس مسجد سے نکلیں کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی یعنی افضل سورت نہ سکھلاؤں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔

اور جب ہم مسجد سے نکلنے کو ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی سورت نہ سکھلاؤں؟ آپ نے فرمایا وہ سورت الحمدللہ رب العالمین ہے وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 630)

ارشاد گرامی جواب دو سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی جیسا کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنے سے نماز فاسد نہ ہوئی۔

سورت فاتحہ کو ایک بہت بڑی سورت اس لئے فرمایا کہ وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بڑی قدر رکھتی ہے اور الفاظ کے اختصار کے باوجود اس کے فوائد و معانی بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سورت فاتحہ کے صرف ایک جزء کے تحت دین و دنیا کے تمام مقاصد آجاتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے تو یہ کہا ہے کہ جو کچھ سابق آسمانی کتابوں میں ہے وہ سب قرآن مجید میں ہے اور جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب سورت فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورت فاتحہ میں ہے وہ سب بسم اللہ میں ہے۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَہ

یہ قرآن مجید کی سورت بقرہ ہے

سورت بقرہ کے نام اور وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کا نام "بقرہ" اس لیے ہے کہ اس میں ایک جگہ گائے کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورت میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لئے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کئے جاسکتے۔ عربی زبان اگرچہ لغت کے اعتبار سے نہایت مالدار ہے مگر بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی۔ انسان جو زبانیں بولتا ہے وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کرسکتیں جو ان وسیع مضامین کے لئے جامع عنوان بن سکتے ہوں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی بیشتر سورتوں کے لیے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے جو محض علامت کا کام دیتے ہیں۔ اس سورت کو بقرہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ "وہ سورت جس میں گائے کا ذکر آیا ہے۔

قرآن کی سورتوں کے نام رکھنے کے حکم کا بیان

پہلے قرآن پاک میں سورتوں کے نام نہ لکھے جاتے تھے، یہ طریقہ حجاج نے نکالا۔ ابن عربی کا قول ہے کہ سورۃ بقر میں ہزار امر، ہزار نہی، ہزار حکم، ہزار خبریں ہیں، اس کے اخذ میں برکت، ترک میں حسرت ہے، اہل باطل جادوگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے، جس گھر میں یہ سورت پڑھی جائے تین دن تک سرکش شیطان اس میں داخل نہیں ہوتا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں یہ سورت پڑھی جائے۔ (تفسیر جمل، بقرہ)

سورت بقرہ کے فضائل میں احادیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورت بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 631)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کریم پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا اور (خاص طور پر) جگمگاتی ہوئی دو سورتیں کہ وہ سورت بقرہ اور سورت آل عمران ہیں پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح ظاہر ہوں گی گویا کہ وہ ابر کی دو ٹکڑیاں ہیں یا دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں

یا پرندوں کی صف باندھے ہوئے دو ٹکڑیاں ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف جھگڑیں گے اور سورت بقرہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے پر مداومت اس کے مفہوم ومعانی میں غور وفکر اور اس کے حکم پر عمل کرنا برکت (نفع عظیم ہے اور اس کو ترک کرنا قیامت کے دن حسرت یعنی ندامت کا باعث ہوگا اور یاد رکھو کہ سورت بقرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے پڑھنے کی طاقت وہی لوگ نہیں رکھتے جو اہل باطل اور سست ہوتے ہیں۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 632)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے (یعنی جبرائیل نے) اوپر کی طرف دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی چنانچہ انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھالیا اور کہا کہ یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا آج کے علاوہ اور کبھی یہ نہیں کھولا گیا۔ جب ہی اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ فرشتہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا ہے۔ پھر اس فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا کہ خوشخبری ہو کہ آپ کو وہ دو نور عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دیئے گئے اور وہ سورت فاتحہ اور سورت بقرہ کا آخری حصہ ہیں ان میں سے آپ کی طرف پڑھے گئے ایک ایک حرف کے عوض آپ کو ثواب ملے گا یا آپ کی دعا قبول کی جائے گی۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 636)

حروف مقطعات کی مراد اللہ جاننے والا ہے

(1) الٓمّٓ، "سُوْرَةُ الْبَقَرَة" مَدَنِيَّةٌ مِائَتَانِ وَسِتٌّ أَوْ سَبْعٌ وَثَمَانُوْنَ آيَةً "الم" اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ ۔

سورت بقرہ مدنی ہے اس میں دو سو چھیاسی آیات ہیں۔ الم سے کیا مراد اللہ ہی جاننے والا ہے۔

الف لام میم انہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے (وَاللّٰه العالِمُ بمرادہ) البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور فرمایا ہے میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، میم ایک حرف اور لام ایک حرف ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔

سورت بقرہ کے مقام نزول وتعداد کلمات کا بیان

سورہ بقرہ یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی سوائے آیت (وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ (۲۸۱، البقرة: 281) کے کہ حج وداع میں بمقام مکہ مکرمہ نازل ہوئی اس سورت میں دو سو چھیاسی آیتیں چالیس رکوع چھ ہزار ایک سو اکیس کلمے اور پچیس ہزار پانچ سو حرف ہیں۔ (خازن)

حروف مقطعات کے معانی اسلاف امت مسلمہ کے اقوال کا بیان

الم اور اسی طرح کے دوسرے حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آئے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔

قرطبی نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت [illegible] علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہی نقل کیا ہے۔ عامر، شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خیثم رحمہم اللہ بھی [illegible]۔

ابو حاتم بن حبان کو بھی اسی سے اتفاق ہے [illegible] ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم السجدہ اور ہل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں الم اور حم اور المص اور ص یہ سب سورتوں کی ابتداء ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الم قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہ اور حضرت زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے کہ اور شاید اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن زید اسلم فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ سارے قرآن کا نام المص ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۃ المص پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۃ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعب سالم بن عبداللہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ الم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حم، طس اور الم یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔

حضرت علی اور حضرت ابن عباس دونوں سے یہ روایت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں یہ قسم ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ اس کے معنی انا اللہ اعلم ہیں یعنی میں ہی ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔

ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ تین حرف الف اور لام اور میم انتیس حرفوں میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعجب کرنے پر کہا گیا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد آلا یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے لام سے تیس سال اور میم سے چالیس سال ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، بقرہ)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہ وہ بلند شان کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

قرآن مجید کے بلند مرتبہ کتاب ہونے کی جانب اشارے کا بیان

"ذٰلِكَ" اَیْ ھٰذَا "الْکِتَاب" الَّذِیْ یَقْرَؤُہٗ مُحَمَّدٌ . "لَا رَیْبَ" لَا شَكَّ "فِیْهِ" اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَجُمْلَةُ النَّفْیِ خَبَرُ مُبْتَدَؤُہٗ ذٰلِكَ وَالْاِشَارَةُ بِهٖ لِلتَّعْظِیْمِ "هُدًى" خَبَرٌ ثَانٍ اَیْ هَادٍ "لِلْمُتَّقِیْنَ" الصَّائِرِیْنَ اِلَی التَّقْوٰی بِامْتِثَالِ الْاَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِیْ لِاتِّقَائِهِمْ بِذٰلِكَ النَّارَ .

ذلک یعنی یہ کتاب جو نبی کریم ﷺ پڑھتے ہیں اس میں کوئی ریب یعنی شک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جملہ منفیہ خبر ہے اور ذلک اس کا مبتداء ہے اور یہاں اشارہ بعید کا یہ تعظیم کیلئے ہے۔ اور اس کی دوسری خبر ھدی ہے جو ھاد کے معنی میں ہے۔ متقین کیلئے ہدایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام بجالانے اور نواہی سے بچ کر تقویٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ جہنم سے بچنے کی وجہ سے ان کو متقی کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کا سراپا ہدایت ہونے کا بیان

ذلک "مبتداء اور "الکتاب" خبر ہے۔ اس اعتبار سے "ال" صفات کے استغراق کے لئے آیا ہے اور کمال پر دلالت کرتا ہے۔ ہدی "مصدر ہے اور یہاں اسم فاعل "ہادی" کا معنی دے رہا ہے۔ اسم فاعل کی جگہ مصدر کا استعمال اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن ہدایت محض ہے یعنی قرآن میں موجود راہنمائی میں کسی طرح کی بھی بے راہ روی، حیرانگی، پریشانی یا گمراہی نہیں پائی جاتی۔

سورہ بقرہ آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک ایسی کتاب نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا جو نہ پانی سے دھو کر مٹائی جاسکے نہ پرانی ہو، جب قرآن پاک نازل ہوا تو فرمایا 'ذٰلِكَ الْكِتٰبُ' کہ وہ کتاب موعود یہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ایک کتاب نازل فرمانے اور بنی اسمٰعیل میں سے ایک رسول بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی جہاں یہود بکثرت تھے تو 'الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ "نازل فرما کر اس وعدے کے پورے ہونے کی خبر دی۔ (تفسیر خازن، سورہ بقرہ آیت ۲، بیروت)

قرآن میں کسی قسم کا شک نہ ہونے کا بیان

وہ یعنی یہ کتاب جس کو حضرت محمد ﷺ نے پڑھا ہے، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ

جملہ ثانیہ ذلک مبتداء کی خبر ہے جس کے ساتھ اس کی تعظیم کی جانب اشارہ ہے ہدی یہ دوسری خبر ہے یعنی ہدایت دینے والی پرہیزگاروں کے لئے یعنی نیک کاموں کو بجالانے اور منع کردہ کاموں سے بچ کر اپنے آپ کو جہنم سے بچانے والے ہیں

ذلک کا بہ معنی ھذا ہونے میں تابعین کے اقوال کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں ذالک معنی میں "ھذا" کے ہیں۔ مجاہد بن جبر مخزومی تابعی، عکرمہ، سعید، حبیہ سدی، مقاتل بن حباب، زید بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبیدہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذالک اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں "وہ" لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں "یہ" یہاں بھی اس معنی میں ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں اس سے اشارہ الم کی طرف ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے آیت (قَالَ اِنَّـہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ) 2۔البقرۃ:68) یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا آیت (ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ) 60۔الممتحنہ:10) یہ ہی ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا آیت (ذالکھم اللہ) یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا۔ بعض نے توراۃ کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس قول ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ آیت (ذلك الكتاب) کا اشارہ توراۃ اور انجیل کی طرف ہے انہوں نے انتہائی بھول بھلیوں کا راستہ اختیار کیا، بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلا وجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔

ریب کا لغوی مفہوم

ریب دراصل ایسے شک کو کہتے ہیں جس میں اضطراب اور خلجان کا عنصر بھی شامل ہو۔ کفار مکہ کے قرآن کے نزول پر دو طرح کے اعتراض تھے۔ ایک یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود ہی اس کو تصنیف کر کے ہمیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کلام منزل من اللہ ہے اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ قرآن دوسرے عالموں سے سیکھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منزل من اللہ ہے۔ اگر بات اتنی ہی ہوتی تو خلجان اور اضطراب کا کوئی عنصر اس میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ قرآن جو دعوت پیش کر رہا تھا اس میں سب سے زیادہ زور ہی عقیدہ آخرت اور اخروی باز پرس پر دیا جا رہا تھا جب کہ کفار مکہ بعث بعد الموت کے کلی طور پر منکر تھے اور انہیں اضطراب

اور بے چینی اس بات پر تھی کہ اگر بالفرض قرآن کی دعوت سچی ہے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ ان کے اسی اضطراب اور خلجان کو دور کرنے کے لیے اس سورۃ کے تمہیدی الفاظ میں ہی یہ واضح کر دیا گیا کہ اس کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول اور اس کے مضامین سب کچھ قطعی اور یقینی ہیں اور اس پر ایمان لانے والوں کو کسی قسم کا شک اضطراب اور خلجان باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا تمہارے اضطراب اور خلجان کا بھی یہی علاج ہے۔ کہ تم اسے تسلیم کر کے اس پر ایمان لے آؤ۔

تقویٰ کے مختلف معانی کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ تقویٰ کے کئی معنی آتے ہیں، نفس کو خوف کی چیز سے بچانا اور عرف شرع میں ممنوعات چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا متقی وہ ہے جو شرک و کبائر و فواحش سے بچے۔ بعضوں نے کہا متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے۔ بعض کا قول ہے تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت پر اصرار اور طاعت پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مولیٰ تجھے وہاں نہ پائے جہاں اس نے منع فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کا نام ہے۔
(تفسیر، خازن، بقرہ)

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ٥
جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

غیب پر ایمان لانے اور قیام صلوٰۃ وانفاق کا بیان

"الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ" يُصَدِّقُوْنَ "بِالْغَيْبِ" بِمَا غَابَ عَنْهُمْ مِنَ الْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّار "وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ" اَیْ يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" اَعْطَيْنَاهُمْ "يُنفِقُوْنَ" فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ ۔

جو لوگ غیب یعنی جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے جس طرح دوبارہ زندہ ہونا اور جنت و دوزخ ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور قیام صلوٰۃ یعنی نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ اور جو ہم نے اس کو رزق عطا کیا ہے وہ اللہ کی اطاعت میں اس کو خرچ کرتے ہیں۔

'مما رزقناهم" میں "من" تبعیض کیلئے ہے یعنی اپنے مال کا ایک حصہ خرچ کرتے ہیں یہاں پر اس کا استعمال کہ جہاں سچے مؤمنین کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے نصیحت ہے کہ مبادا انفاق میں حد اعتدال سے تجاوز کرو اور اپنے آپ اور اپنے زیر کفالت افراد کو زحمت میں ڈال دو۔

سورہ بقرہ آیت ۳ سے ۱۳ تک مضمون نزول کا بیان

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ' یہاں سے مُفْلِحُوْنَ ' تک آیتیں مومنین با اخلاص کے حق میں ہیں جو ظاہراً و باطناً ایماندار ہیں اس کے بعد دو آیتیں کھلے کافروں کے حق میں ہیں جو ظاہراً و باطناً کافر ہیں۔ اس کے بعد' وَمِنَ النَّاسِ ' سے تیرہ آیتیں منافقین

کے حق میں ہیں جو باطن میں کافر ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ (تفسیر جمل، بقرہ، بیروت)

غیب کو ایمان کا صلہ قرار نہ دینے کا بیان

علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں کہ یہ بھی درست ہے کہ بالغیب ایمان کا صلہ (مفعول) نہ ہو اور یہ کہ یہ حال کی جگہ پر ہو۔ یعنی جس پر ان کا ایمان ہے، اگرچہ یہ اس سے غائب ہیں، اس کے باوجود اسے مان رہے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پردہ غیاب میں ہوتے ہوئے ایمان لانے والے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں بھی 'بالغیب' اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ 'الذین یخشون '، "وہ جو اپنے رب سے غیب میں رہتے ہوئے ڈرتے ہیں" اور 'لیعلم '، "تا کہ وہ آزمالے کہ میں نے غیاب میں ہوتے اس سے خیانت نہیں کی۔ (الکشاف، ج۱، ص۱۲۷)

ایمان کے مفہوم کا بیان

ایمان کے معنی ہیں، یقین کرنا، تصدیق کرنا، مان لینا۔ اصطلاح شریعت میں "ایمان" کا مطلب ہوتا ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا اور ماننا کہ اللہ ایک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود اور پروردگار نہیں، اس کے تمام ذاتی وصفاتی کمالات برحق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے آخری رسول اور نبی ہیں، ان کی ذات صادق ومصدوق ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب وسنت کی صورت میں اللہ کا جو آخری دین وشریعت لے کر اس دنیا میں آئے اس کی حقانیت وصداقت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

تکمیل ایمان ایمان کے اجزاء کا بیان

محدثین کے نزدیک "ایمان" کے تین اجزاء ہیں: "تصدیق بالقلب" یعنی اللہ کی وحدانیت، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین کی حقانیت پر دل سے یقین رکھنا اور اس یقین واعتقاد پر دل ودماغ کا مطمئن رہنا۔ "اقرار باللسان" یعنی اس دلی یقین و اعتقاد کا زبان سے اظہار، اعتراف اور اقرار کرنا۔ "اعمال بالجوارح" یعنی دین وشریعت کے احکام وہدایات کی جسمانی بجا آوری کے ذریعہ اس دلی یقین واعتقاد کا عملی مظاہرہ کرنا۔ ان تینوں اجزاء سے مل کر "ایمان" کی تکمیل ہوتی ہے اور جو آدمی اس ایمان کا حامل ہوتا ہے اس کو "مومن ومسلمان" کہا جاتا ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق کا بیان

کیا ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ اس سوال کا تفصیلی جواب، تفصیلی بحث کا متقاضی ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ خلاصہ کے طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ظاہری مفہوم ومصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریباً ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ "ایمان" سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ "اسلام" سے اکثر وبیشتر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ "وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے" کا جو باطنی تعلق دل ودماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو

"ایمان" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو "اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں، ایک محقق کا قول ہے تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح "اعضاء" پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام "اسلام" ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو "ایمان" کے نام موسوم ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حقیقت ایک ہے مواطن کے اعتبار سے اس کو کبھی "ایمان" کہا جاتا ہے اور کبھی "اسلام" اسی لیے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں، نہ تو ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہوگا اور نہ اسلام کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً کوئی آدمی پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے، ہر سال زکوۃ بھی ادا کرے، استطاعت ہو تو حج بھی کر ڈالے اور اسی طرح دوسرے نیک کام کر کے اپنی ظاہری زندگی کو "اسلام" کا مظہر بنائے ہوئے ہو مگر اس کا باطن " قلبی تصدیق وانقیاد " سے بالکل خالی ہو اور کفر وانکار سے بھرا ہوا ہو تو اس کے یہ سارے اعمال بیکار محض قرار پائیں گے اسی طرح اگر کوئی آدمی ایمان یعنی قلبی تصدیق وانقیاد تو رکھتا ہے مگر عملی زندگی میں اسلام کا مظہر ہونے کے بجائے سرکشی ونافرمانی کا پیکر اور کافرانہ ومشرکانہ اعمال کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو اس کا ایمان فائدہ مند نہیں ہوگا۔

بعض اہل نظر نے "ایمان اور اسلام" کی مثال "شہادتین" سے دی ہے یعنی جیسے کلمہ شہادت میں دیکھا جائے تو شہادت وحدانیت الگ ہے اور شہادت رسالت الگ ہے۔ لیکن ان دونوں کا ارتباط واتحاد اس درجہ کا ہے کہ شہادت رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کار آمد نہیں، اور شہادت وحدانیت کے بغیر شہادت رسالت کا اعتبار نہیں۔ ٹھیک اسی طرح "ایمان" اور "اسلام" کے درمیان دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا ارتباط واتحاد اس درجہ کا ہے کہ اعتقاد باطنی (یعنی ایمان) کے بغیر صرف اعمال ظاہرہ (اسلام) کھلا ہوا نفاق ہیں اور اعمال ظاہرہ کے بغیر اعتقاد باطن کفر کی ایک صورت ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کے مجموعہ کا نام "دین" ہے۔

ایمان کا دار و مدار ماننے پر ہونے کا بیان

ایمان کا مدار " جاننے " پر نہیں " ماننے " پر ہے: ایمان کے بارے میں اس اہم حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے نہ کہ محض علم یا معرفت یعنی جاننے کا۔ مطلب یہ کہ ایک آدمی جانتا ہے کہ "اللہ" ہے اور اکیلا ہے وہی پروردگار اور معبود ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین وشریعت اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت وصداقت ہے۔ مگر وہ آدمی دل سے ان باتوں کو نہیں مانتا، ان پر اعتقاد نہیں رکھتا، اس کا قلب ان باتوں کے اذعان وقبول سے خالی ہے تو اس آدمی میں "ایمان" کا وجود نہیں مانا جائے گا اس کو مومن نہیں کہا جائے گا۔ مومن تو وہی آدمی ہو سکتا ہے جو ان باتوں کو سچ اور حق بھی جانے اور دل سے مانے اور تسلیم بھی کرے۔ جب داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی تو تمام اہل عرب بالخصوص اہل کتاب (یہود ونصاری) الوہیت کے بھی قائل تھے اور یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور جو دین وشریعت پیش کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مگر ان میں سے جو لوگ حسد وعناد رکھنے کے سبب ان حقائق کو مانتے اور تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل ودماغ میں ایمان کا نور

داخل نہیں ہوسکا اور وہ کافر کے کافر ہی رہے، ان حقائق کا "جاننا" ان کے کسی کام نہ آیا۔

ایمان میں زبانی اقرار ہونے کا بیان

بعض صورتوں میں "اقرار باللسان" کی قید ضروری ہے: جن حقائق کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا زبان سے اقرار کرنا گو وجودِ ایمان کے لیے ضروری ہے لیکن بعض حالتوں میں یہ زبانی اقرار (اقرار باللسان) ضروری نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی آدمی گونگا ہے اور اس کے قلب میں تصدیق تو موجود ہے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ایمان زبانی اقرار کے بغیر بھی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح کوئی آدمی جانی خوف یا کسی واقعی مجبوری کی بنا پر زبان سے اپنے ایمان کا اقرار نہیں کرسکتا تو اس کا ایمان بھی زبانی اقرار کے بغیر معتبر ہوگا۔

"اعمال" کی حیثیت: وجودِ ایمان کی تکمیل کے لیے "اعمال" بھی لازمی شرط ہیں کیونکہ تصدیق قلب اور زبانی اقرار کی واقعیت وصداقت کا ثبوت "اعمال" ہی ہیں۔ یہی عملی ثبوت ظاہری زندگی میں اس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے کہ اس کو مومن ومسلمان کہا جائے اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی آدمی دعوائے ایمان واسلام کے باوجود ایسے اعمال کرتا ہے جو خالصتاً کفر کی علامت اور ایمان و اسلام کے منافی ہیں، یا جن کو اختیار کرنے والے پر کافر ہونے کا یقین ہوتا ہے تو وہ آدمی کافر ہی شمار ہوگا اس کے اور ایمان واسلام کا دعویٰ غیر معتبر مانا جائے گا۔

ایمان کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ا۔م۔ن ہے جو امن سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہوجانے، دل کے مطمئن ہوجانے اور انسان کے خیر وعافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔

ایمان کا لفظ بطور فعل لازم استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے امن پانا، اور جب یہ فعل متعدی کے طور پر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے امن دینا۔ (ابن منظور، لسان العرب، 23:13، زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، 18:23، 24)

کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

ایمان کے اصطلاحی معنی ومفہوم کا بیان

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ کے پاس سے آئے ہوئے احکام کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

حقیقت ایمان کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو

سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 14)

ایمان قلب و باطن کی یقینی حالت کا نام ہے جس میں قلب و باطن دنیا کی محبت سے خالی اور اللہ کی محبت سے معمور ہوں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے حارث! سناؤ تم نے صبح کیسے کی؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ میں نے ایمان کی حقیقت پاتے ہوئے صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حارث! غور کر کے بتاؤ تم کیا کہہ رہے ہو؟ بے شک ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنے نفس کو دنیا کی محبت سے جدا کر لیا ہے اور راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں اور دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں گویا میں اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور مجھے ایسے لگتا ہے جیسے جنتی ایک دوسرے کی زیارت کرتے جا رہے ہیں اور دوزخیوں کو اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے پر گر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حارث تم عارف ہو گئے، پس اس کیفیت و حال کو تھامے رکھو اور یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: (ابن ابی شیبہ، المصنف، 6:170، رقم: 30325)

ایمان کے مفہوم میں تفسیری اقوال کا بیان

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہری فرماتے ہیں "ایمان کہتے ہیں عمل کو" ربیع بن انس کہتے ہیں۔ یہاں ایمان لانے سے مراد ڈرنا ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے، دل سے، عمل سے، غیب پر ایمان لانا اور اللہ سے ڈرنا۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے اصولوں پر، ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ (تفسیر طبری، بقرہ)

لغت میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو، قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا حدیث (یومن باللہ ویومن للمومنین) یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ آیت (وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ) 12۔ یوسف: 17) یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا آیت (اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) 26۔ الشعراء: 227) ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے

بلکہ امام شافعی امام احمد اور امام ابوعبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ)

غیب کی تعریف واقسام کا بیان

غیب مصدر یا اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، اس تقدیر پر غیب وہ ہے جو حواس وعقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو یہ علم غیب ذاتی ہے اور یہی مراد ہے آیہ (وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ 59)-6الانعام:59) میں اور ان تمام آیات میں جن میں علمِ غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے، اس قسم کا علمِ غیب یعنی ذاتی جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل ہو جیسے صانعِ عالم اور اس کی صفات اور نبوات اور ان کے متعلقات احکام وشرائع وروز آخر اور اس کے احوال، بعث، نشر، حساب، جزا وغیرہ کا علم جس پر دلیلیں قائم ہیں اور جو تعلیم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے، اس دوسرے قسم کے غیوب جو ایمان سے علاقہ رکھتے ہیں ان کا علم ویقین ہر مومن کو حاصل ہے اگر نہ ہو آدمی مومن نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں انبیاء واولیاء پر جو غیوب کے دروازے کھولتا ہے وہ اسی قسم کا غیب ہے یا غیب معنی مصدری میں رکھا جائے اور غیب کا صلہ مومن بہ قرار دیا جائے یا باء کو متلبسین محذوف کے متعلق کر کے حال قرار دیا جائے، پہلی صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے جو بغیر دیکھے ایمان لائیں،

دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے جو مؤمنین کے پسِ غیب ایمان لائیں یعنی ان کا ایمان منافقوں کی طرح مومنین کے دکھانے کے لئے نہ ہو بلکہ وہ مخلص ہوں، غائب حاضر ہر حال میں مؤمن رہیں۔ غیب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب سے قلب یعنی دل مراد ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ دل سے ایمان لائیں۔ (تفسیر جمل، سورہ بقرہ، بیروت)

بن دیکھے ایمان لانے کی فضیلت کا بیان

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا، تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے، انہوں نے کہا، فرشتے۔ فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں، لوگوں نے پھر کہا انبیاء، فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم۔ فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے۔ (معجم کبیر، ج ۱۲، حدیث، ۱۲۵۶۰)

اقامت صلوٰۃ وانفاق مال کا صفت تقویٰ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں فرائض نماز بجالانا۔ رکوع سجدہ تلاوت خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا، وضو اچھی طرح کرنا، رکوع سجدہ پوری طرح کرنا، اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتل کہتے ہیں وقت کی

نگہبانی کرنا۔ مکمل طہارت کرنا، رکوع، سجدہ پورا کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا۔ التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں آیت (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ) (الانفال:3) کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ خرچ میں قربانی دینا جو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورۃ برات میں ہیں ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے زکوٰۃ میں اہل و عیال کا خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دنیا بھی شامل ہے اس لئے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے۔ لہٰذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثناء اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں، پھر دور والے اجنبی۔ لہٰذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔ (تفسیر ابن جریر، بقرہ)

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (4)
اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

قرآن، تورات وانجیل اور آخرت پر ایمان لانے کا بیان

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ" اَیِ الْقُرْاٰن "وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ" اَیِ التَّوْرَاة وَالْاِنْجِیْل وَغَیْرهمَا "وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ" یَعْلَمُوْنَ ۔

اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا یعنی قرآن اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا یعنی تورات وانجیل اور ان دونوں کے علاوہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت کو جان کر اس پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

سابقہ شرائع کے حق ہونے پر یقین رکھنے کا بیان

اس آیت میں اہل کتاب سے وہ مومنین مراد ہیں جو اپنی کتاب اور تمام پچھلی آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی وحیوں پر بھی ایمان لائے اور قرآن پاک پر بھی اور 'مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ' سے تمام قرآن پاک اور پوری شریعت مراد ہے۔ (جمل)

جس طرح قرآن پاک پر ایمان لانا ہر مکلف پر فرض ہے اسی طرح کتب سابقہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں البتہ ان کے جو احکام ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئے ان پر عمل درست نہیں مگر ایمان ضروری ہے مثلاً پچھلی شریعتوں میں بیت المقدس قبلہ تھا، اس پر ایمان لانا تو ہمارے لئے ضروری ہے مگر عمل یعنی نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنا جائز نہیں، منسوخ ہو چکا۔

قرآن کریم سے پہلے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے انبیاء پر نازل ہوا ان سب پر اجمالاً ایمان لانا فرضِ عین ہے اور قرآن شریف پر تفصیلاً فرض کفایہ ہے لہٰذا عوام پر اس کی تفصیلات کے علم کی تحصیل فرض نہیں جب کہ علماء موجود ہوں جنہوں نے اس کی تحصیلِ علم میں پوری جہد صرف کی ہو۔

یعنی دارِ آخرت اور جو کچھ اس میں ہے جزا و حساب وغیرہ سب پر ایسا یقین و اطمینان رکھتے ہیں کہ ذرا شک و شبہ نہیں، اس میں اہل کتاب وغیرہ کفار پر تعریض ہے جن کے اعتقادِ آخرت کے متعلق فاسد ہیں۔ (خزائن العرفان، بقرہ)

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور وہی حقیقی کامیابی پانے والے ہیں۔

کامیاب لوگوں کے اوصاف کا بیان

"اُولٰئِكَ" الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ "عَلٰى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" الْفَائِزُوْنَ بِالْجَنَّةِ النَّاجُوْنَ مِنَ النَّارِ،

یہی وہ لوگ جو مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف ہیں یہی اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور کامیابی پانے والے بھی یہی ہیں۔ یعنی جنت کے کامیاب اور دوزخ سے نجات پائیں گے۔

اولئک " کا مشار الیہ ممکن ہے اجمالی طور پر "المتقین" ہو یا پھر ممکن ہے اسکا تفصیلی پہلو مراد ہو یعنی "اولئک" سے متقین کی صفات کی طرف اشارہ ہو جن کا بیان ہو چکا ہے۔

ہدایت اور فلاح کی تفسیر کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہدایت کی تفسیر "نور" اور "استقامت" سے کی ہے اور "فلاح" کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانے کی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور، دلیل، ثابت قدمی، سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات، ثواب اور دائمی جنت پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔

امام ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے اولئک کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی

ہے جیسے پہلے گزر چکا۔اس اعتبار سے آیت والذین یومنون بما انزل الیک الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر آیت اولئک ھم المفلحون ہو گی لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور بعض صحابہ سے روایت ہے کہ آیت یومنون بالغیب سے مراد عرب ایمان دار ہیں اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایماندار ہیں۔ پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ کی پہچان کا بیان

مجاہد بن جبر مخزومی تابعی، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، اور قتادہ سے یہی روایت ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ حضور قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس بندھا دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتا دوں۔ پھر آپ نے الم سے مفلحون تک پڑھ کر فرمایا یہ تو جنتی ہیں صحابہ نے خوش ہو کر فرمایا "الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں" پھر آیت (ان الذین کفروا) سے عظیم تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ (ابن جریر)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لئے برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ابوجہل وابولہب کے کفر کی طرح دوسرے کافروں کی حالت کا بیان

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " كَاَبِىْ جَهْل وَاَبِىْ لَهَب وَنَحْوِهِمَا "سَوَاء عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتهمْ " بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَال الثَّانِيَة اَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَاِدْخَال اَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْاُخْرَى وَتَرْكه "اَمْ لَمْ تُنْذِرهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" لِعِلْمِ اللّٰه مِنْهُمْ ذٰلِك فَلَا تَطْمَع فِيْ اِيمَانهمْ وَالْاِنْذَار اِعْلَام مَعَ تَخْوِيف .

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ہے جس طرح ابوجہل اور ابولہب اور ان دونوں کی طرح ہیں۔ آپ ﷺ کا ان کو ڈرسنانا برابر ہے۔ (ءانذرتہم) میں دونوں ہمزے محقق ہیں۔ دوسرے ہمزے کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے جو کہ اس کی سہولت کیلئے ہے۔ اور مسہلہ اور محققہ کے درمیان الف کو داخل کیا گیا ہے۔ اور اس کا ترک بھی، کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ تعالی کے علم میں ہے پس آپ ان کے ایمان کا طمع نہ کریں، اور انذار وہ ڈرنے کی علامت ہے جو خوف کے سبب سے ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ابوجہل، ابولہب وغیرہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں اسی لئے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرانا، نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، انہیں نفع نہ ہوگا مگر حضور کی سعی بیکار نہیں کیونکہ منصب رسالت عامہ کا فرض رہنمائی واقامت حجت وتبلیغ علی وجہ الکمال ہے۔

اہل قریش کو عذاب الٰہی سے ڈرسنانے کا بیان

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورۂ شعراء کی آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ٥ نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب! آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو اللہ سے ڈرایئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر یامعشر قریش کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا۔ جب سب قریش جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کرلو گے؟ تو سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہاں! ہاں! ہم یقیناً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کا یقین کرلیں گے کیونکہ ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بھی تھا، سخت ناراض ہوکر سب کے سب چلے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اول فول بکنے لگے۔ (بخاری، عامہ تفاسیر)

آپ ﷺ کی دعوت اسلام کا تیسرا مرحلہ

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورہ حجر کی آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل فرمائی اور حضرت حق جل شانہ نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمایئے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے۔ اور شرک وبت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے۔ اور تمام قریش بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذارسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہوگیا۔

رحمت عالم ﷺ پر کفار مکہ کا ظلم وستم

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل تو نہیں کرسکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذارسانیوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے کاہن، ساحر، شاعر، مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زور دار پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا جو راستوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے اور یہ دیوانہ ہے، یہ دیوانہ ہے، کا شور مچا مچا کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر پتھر پھینکتے۔ کبھی کفار مکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دھکا دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگدل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دفع کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس دھکم دھکا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔ (زرقانی و بخاری)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کا بیان

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" طَبَعَ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثَقَ فَلَا يَدْخُلُهَا خَيْرٌ "وَعَلٰى سَمْعِهِمْ" اَیْ مَوَاضِعِهٖ فَلَا يَنْتَفِعُوْنَ بِمَا يَسْمَعُوْنَهٗ مِنَ الْحَقِّ "وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" غِطَاءٌ فَلَا يُبْصِرُوْنَ الْحَقَّ "وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" قَوِیٌّ دَائِمٌ

اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی یعنی ان کو بند کر دیا اور مضبوط کر دیا ہے پس اب ان میں بھلائی داخل نہ ہو سکے گی۔ اور ان کی سماعتوں یعنی سماعت کی جگہوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ حق سن کو اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اور ان کو آنکھوں پر پردہ ہے۔ یعنی ایسا پردہ جس کے سبب وہ حق کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب یعنی ہمیشہ مضبوط رہنے والا عذاب ہے۔

ختم اور غشاوہ کے معانی کا بیان

ختم" کا معنی گیلی مٹی یا اسی طرح کی کسی چیز سے دروازے کو بند کر دینا ہے اور اصطلاح میں کسی چیز کو لاک لگا کر بند کرنا ہے قلب کا بند ہونا درک نہ کرنے اور نہ سمجھنے کا کنایہ ہے "علی سمعهم" ممکن ہے "علی قلوبهم" پر عطف ہو یا پھر "غشاوة" کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ مذکورہ بالا مطلب میں پہلے احتمال کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن کریم کے منکروں کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جن کے باعث وہ دین کے حقائق سننے اور دیکھنے

کی صلاحیت نہیں رکھتے "غشاوہ" کا معنی پردہ اوراس طرح کی چیز ہے۔ مذکورہ مطلب میں "علی سمعھم"، "غشاوۃ" کی خبر کے طور پر ہے۔

و علی سمعھم ' یہ جملہ حالیہ ہے اور قلوب کے مسدود ہونے کی علت بیان کر رہا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ادراک کی صلاحیت سے اس لیے محروم کر دیا کیونکہ انہوں نے حقائق کو "ان سنا" کر دیا اور ان پر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

کفار کے دلوں پر مہر لگانے میں تفسیری اقوال کا بیان

حضرت سدی فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دی حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر لگا دی حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔

حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے طبع کا لفظ ہے اور اقفال کا لفظ ہے۔ ران طبع سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتا ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے زین بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان کیا جا رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ مطلب ٹھیک نہیں اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

علامہ زمخشری کی تاویلات کو رد کرنے کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی علامہ زمخشری کی تاویلات کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمخشری نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بے معنی اور فضول ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر اللہ قدوس مہر لگا دے لیکن افسوس اس نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے آیت (فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ) 61 . الصف:5) یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا آیت (وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ) 6۔الانعام:110) ہم ان کے دلوں کواوران کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں۔جو صاف بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ہدایت کوان سے دور کر دیا ہے۔حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے جو یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔امت اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔فرمایا ہے آیت (بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا) 4 ۔ النسآء :155) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگادی۔حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔دعا میں ہے حدیث (یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك) یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے،اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔

امام ابن جریر کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آچکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر وہ باز آجائے توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے،یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے آیت (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) 83 ۔ المطففین: 14) یعنی یقیناً ان کے دلوں پر ران ہے،ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی۔نسائی۔ابن جریر)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الٰہی لگ جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے۔اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت آیت (ختم اللہ) الخ میں ہے،وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت آئے،نہ کفر جائے۔سمعھم پر پورا وقف

ہے اور آیت (علی ابصارھم غشاوۃ) الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ قرآن میں ہے آیت (فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ) 42۔ الشوریٰ:24) اور جگہ ہے آیت وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصرہ غشاوۃ ان آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا بعض نے یہاں غشاوۃ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل جعل مقصود ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے "آیت (وحور عین) میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۝
اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

منافقین کے جھوٹ کو کھول دینے کا بیان

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" وَنَزَلَ فِی الْمُنَافِقِیْنَ اَیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْاَیَّامِ "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ" رُوْعِیَ فِیْهِ مَعْنٰی مَنْ وَفِیْ ضَمِیْرِ یَقُوْلُ لَفْظُهَا،

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان لائے اور یہ منافقوں کے بارے میں نزال ہوئی یعنی یوم قیامت کیونکہ وہی آخری ایام ہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ اور من کی معنوی رعایت کرتے ہوئے جمع کی ضمیر ھم لائی گئی ہے اور من کی لفظی رعایت کرتے ہوئے یقول میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں "منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف، اس کا باطن ظاہر کے خلاف اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی بہ ظاہر کافروں کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔

منافق کی علامات کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیتوں میں بیان ہے۔" ابو العالیہ، حضرت حسن، قتادہ، سدی نے یہی بیان کیا

ہے۔ پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بدخصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تا کہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں۔ جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں جس کسی میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار کی ایک بات ہو اس میں ایک بات نفاق کی ہے، تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب لڑے تو بے ہودگی کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 33)

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝
وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

اس مقام پر مضاف محذوف ہے جو کہ رسول ہے یعنی يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کہہ کر مراد يُخٰدِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لیا گیا ہے۔ اکثر ائمہ مفسرین نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر بیضاوی)

ایمان والوں کو دھوکہ دینے کے زعم میں خود فریبی کے شکار منافقین

"يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا" بِاِظْهَارِ خِلَاف مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوا عَنْهُمْ اَحْكَامه الدُّنْيَوِيَّة "وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفسهمْ" لِاَنَّ وَبَال خِدَاعهمْ رَاجِع اِلَيْهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِي الدُّنْيَا بِاِطْلَاعِ اللّٰه نَبِيّه عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِي الْاٰخِرَة "وَمَا يَشْعُرُوْنَ" يَعْلَمُوْنَ اَنَّ خِدَاعهمْ لِاَنْفُسِهِمْ وَالْمُخَادَعَة هُنَا مِنْ وَاحِد كَعَاقَبْتُ اللِّصّ وَذِكْر اللّٰه فِيْهَا تَحْسِين وَفِيْ قِرَاءَة وَمَا يَخْدَعُوْنَ ۔

وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یعنی جو ان کے باطن میں ہے اس کے خلاف ظاہر کرتے ہوئے تا کہ وہ دنیاوی معاملات میں اپنا دفاع کر سکیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ ان کے دھوکے کا نقصان ان کی جانب لوٹ رہا ہے۔ پس وہ دنیا میں رسوا ہو رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی کفر کو اپنے نبی مکرم ﷺ پر مطلع کر دیتا ہے اور آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی۔ اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ یعنی وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ وہ دھوکہ انہی کیلئے ہے۔ اور مخادعہ واحد سے ہے جس طرح قاقبت اللص ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر حسن کیلئے ہے۔ اور ایک قرأت میں وَمَا يَخْدَعُوْنَ بھی ہے۔

یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا آیت (اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ) 4۔ النسآء ، 142) یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۹ سے تیرہ آیات کے شان نزول کا بیان

یہاں سے تیرہ آیتیں منافقین کی شان میں نازل ہوئیں جو باطن میں کافر تھے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اللہ

تعالیٰ نے فرمایا مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ' وہ ایمان والے نہیں یعنی کلمہ پڑھنا، اسلام کا مدعی ہونا، نماز روزہ ادا کرنا، مومن ہونے کے لیے کافی نہیں جب تک دل میں تصدیق نہ ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، لاہور)

ظاہر و باطن میں فساد کے مرتکب منافقین کا بیان

بعض قرأت کے ائمہ نے یخدعون پڑھا ہے اور بعض یخادعون مگر دونوں قرأتوں کے معنی کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔
ابن جریر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف اظہار کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لیے ہوتا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خطرہ سے بچنا چاہتا ہے۔

عربی زبان میں مخادع کہا جاتا ہے چونکہ منافق بھی قتل، قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور اپنے باطن کے خلاف اظہار کرتے تھے اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔ ان کا یہ فعل چاہے کسی کو دنیا میں دھوکا دے بھی دے لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی میں اپنی بھلائی اور کامیابی جانتے ہیں اور دراصل یہ سب ان کے لئے انتہائی برا عذاب اور غضب الٰہی ہوگا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہوگی پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا۔ وہ جس کام کے انجام کو اچھا جانتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر، شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان سے ناراض ہوگا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔

امام ابن جریر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آیت (لا الہ الا اللہ) کا اظہار کر کے وہ اپنی جان اور مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں، یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ، دل میں کچھ، عمل کچھ، عقیدہ کچھ، صبح کچھ اور شام کچھ کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے کبھی ادھر۔ (تفسیر ابن جریر طبری، بقرہ)

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○
ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

منافقین کے دلوں کی بیماری کو زیادہ کر دینے کا بیان

"فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَض" شَكٌّ وَنِفَاق فَهُوَ يُمْرِض قُلُوبهمْ اَیْ يُضْعِفهَا "فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا" بِمَا اَنْزَلَهُ مِنَ الْقُرْاٰن لِكُفْرِهِمْ بِهِ "وَلَهُمْ عَذَاب اَلِيْم" مُؤْلِم "بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ" بِالتَّشْدِيْدِ اَیْ : نَبِیَّ اللّٰه وَبِالتَّخْفِيفِ اَیْ قَوْلِهِمْ اٰمَنَّا،

ان کے دلوں میں بیماری ہے، یعنی شک اور نفاق پس یہ مرض ان دلوں میں بڑھنے والی یعنی ان کو کمزور کرنے والی ہے۔ پس

اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اس وجہ سے کہ ان قرآن میں ان کے کفر کو بیان کر دیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب یعنی تکلیف والا ہے۔اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ یُکَذِّبُوْنَ شد کے ساتھ ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور یُکَذِبُوْنَ خفت کے ساتھ بھی یعنی ان کے قول ''امنا'' میں جھوٹے ہیں۔

مرض منافقت خود منافقین کی چال ہے

مذکورہ بالا مطلب ان دو جملوں "فی قلوبھم مرض، منافقین کے دلوں میں مرض ہے""فزادھم اللہ مرضاً "پس اللہ نے ان کی بیماری میں اضافہ کر دیا ہے کے تقابل سے نکلتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے جملے میں ہے کہ اللہ تعالی بیماری کو بڑھانے والا ہے جبکہ پہلے جملے میں منافقین کے دلوں کے بیمار ہونے کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہیں دی گئی یعنی اس بیماری کے پیدا ہونے کا موجب خود منافقین ہیں۔دل اور فکر وذہن کی بیماری انسان کے سارے وجود میں سرایت کر جاتی ہے۔

پہلا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منافقین کے دل اور ذہن بیمار ہیں اور بعد کا جملہ دلالت کرتا ہے کہ بیماری نے ان کے سارے وجود کو گھیر لیا ہے کیونکہ یوں نہیں فرمایا"فزادھا اللہ مرضاً"یہاں پر تعبیر کا اختلاف یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی تمام تر حقیقت اس کا دل اور فکر ہے یا یہ حکایت کرتا ہے کہ دل کی بیماری سارے وجود میں سرایت کر جاتی ہے اور پھر انسان کی تمام حرکات وسکنات متاثر ہوتی ہیں۔

منافقین کی بیماری سے مراد شک وشبہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور چند صحابہ سے روایت ہے۔حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی عکرمہ، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، کا بھی یہی قول ہے۔بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے۔

حضرت عکرمہ اور طاؤس نے اس کی تفسیر سے ریا اور ابن عباس سے اس کی تفسیر نفاق بھی روایت ہے۔زید بن اسلم فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا۔ جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ہے۔آیت (فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِيْمَانًا وَّھُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۱۲۴ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَھُمْ كٰفِرُوْنَ ۱۲۵) 9 . التوبہ: 124-125)یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی اس کی ابدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے، یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مطابق ہے۔

ابتدائے اسلام میں منافقین کے عدم قتل کی توجیہات کا بیان

بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس

ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے ان کی نظریں تو صرف ظاہرداری پر ہوں گی جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام مالک بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں جیسے محمد بن جہم، قاضی اسماعیل اور ابہری نے نقل کیا ہے۔ حضرت امام مالک سے بقول ابن ماجشون ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں گو علماء کا تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو قتل کرنے سے رکنے کا سبب ان کا اپنی زبان سے اسلام کو ظاہر کرنا تھا گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے الٹ ہے لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا۔ (تفسیر قرطبی، بقرہ، بیروت)

منافق کی اقسام کا بیان

نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہنے لگے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

منافقین کو زمین میں فساد کرنے سے منع کرنے کا بیان

"وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ" اَيْ لِهٰؤُلَاءِ "لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ" بِالْكُفْرِ وَالتَّعْوِيقِ عَنِ الْاِيمَان "قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" وَلَيْسَ مَا نَحْنُ فِيهِ بِفَسَادٍ قَالَ اللّٰه تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ،

اور جب ان سے کہا جاتا ہے یعنی ان سب کیلئے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو یعنی کفر کی وجہ سے اور ایمان میں رکاوٹ ڈال کر، تو کہنے لگے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ اور اس میں ہم کوئی فساد ڈالنے والے نہیں ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو رد کیا ہے۔

''انما'' حصر پر دلالت کرتا ہے۔ اس جملے میں موصوف کا صفت میں حصر پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس جملے "انما نحن مصلحون" کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم فقط صحیح امور انجام دیتے ہیں۔ ہمارے تمام تر افعال معاشرے کی بہتری کے لئے ہیں۔

منافقین کے فساد کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ

بیان بھی منافقوں سے ہی متعلق ہے ان کا فساد، کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین وآسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت واصلاح پر ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا، اسے کرتے تھے۔ فرائض ربانی ضائع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک وشبہ کرتے تھے۔ اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں مارتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے موقع پا کر اللہ کے دشمنوں کی امداد واعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چلن کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح کل کے حامی جانتے تھے۔ قرن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے آیت (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ)8۔ الانفال: 73) یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے یعنی آپس میں دوستی نہ کرو گے تو اس زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دے اور جگہ فرمایا اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر کھلی حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے۔ (تفسیر ابن جریر طبری، الانفال)

منافق کی علامات کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ منافق کی تین پہچانیں ہیں جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث 32)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں جس کسی میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار کی ایک بات ہو اس میں ایک بات نفاق کی ہے، تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب لڑے تو بے ہودگی کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 33)

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں ان کا سلام لعنت ہے ان کی خوراک لوٹ مار ہے ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں وہ نمازوں کے

لئے آخری وقت آتے ہیں تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیوں کی طرح پڑ رہنے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ٥
خبردار بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

بے عقل منافقین کیلئے تنبیہ کا بیان

"اَلَا" لِلتَّنْبِیهِ "اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَا یَشْعُرُوْنَ" بِذٰلِكَ ۔

الا یہ انتباہ کیلئے ہے کہ خبردار بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے۔ اس آیت میں لفظ "الا" تنبیہ کیلئے آیا ہے۔ بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن ان کو اس بات کا بھی شعور نہیں۔

سو یہاں پر الا کے حرف تنبیہ وتخصیص اور اَدَوات حَصر وقَصر کے ساتھ تاکیدی انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ احمق اور بیوقوف دراصل یہی لوگ ہیں مگر یہ جانتے نہیں۔

منافقین کو فساد کو صلح سمجھتے تھے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے "ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ "لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی نری جہالت ہے جسے یہ صلح سمجھتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّھُمْ
ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ٥
اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں
خبردار وہی بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثل ایمان لانے کے حکم کا بیان

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاس " اَصْحَاب النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَھَاء " الْجُھَّال اَیْ لَا نَفْعَل كَفِعْلِھِمْ قَالَ تَعَالٰی رَدًّا عَلَیْھِمْ : "اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَاء وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ" ذٰلِك،

اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لے آئیں احمقوں یعنی ان جاہلوں کی طرح ہم نہیں کریں گے جس طرح وہ اعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا کہ خبردار بے وقوف وہی لوگ ہیں لیکن وہ اپنی بے وقوفی کو جانتے نہیں۔

اس جملے "الا انھم "میں خبر پر موجود "ال" اور ضمیر فصل حصر پر دلالت کرتے ہیں اصطلاح میں اسے حصر اضافی کہتے ہیں پس جملے کا معنی یہ بنتا ہے، منافقین ہی احمق ہیں نہ کہ ایمان والے۔

منافقین کا ایمان صحابہ کی توہین کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ، ربیع، انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہ تفسیر بیان کی ہے مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے، موت کے بعد جی اٹھنے، جنت دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجالانے اور برائیوں سے رکے رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ فرقہ ایسے ایمان والوں کو بیوقوف قرار دیتا ہے۔۔ سفہاء سفیہ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی۔ جاہل، کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں۔

قرآن میں اور جگہ ہے آیت (وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا(4 . النسآء : 5) بیوقوفوں کو اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔

عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ ان منافقین کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکیداً حصر کے ساتھ فرمایا کہ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت وضلالت کو سمجھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھاپن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

ایمان صحابہ کی مثل ایمان لانے کا بیان

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ .(البقرہ ۱۳۷)

پس اگر یہ لوگ اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا تم لائے ہو، تو یقیناً یہ ہدایت پا گئے، اور اگر یہ (اس کے بعد بھی) پھرے ہی رہے، تو یقیناً یہ ضد (اور ہٹ دھرمی کی دلدل) میں پڑے ہوئے ہیں، سو اللہ کافی ہے آپ کو ان سب کے مقابلے میں، اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا، (کنزالایمان)

صحابہ کرام کی مثال دیتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح سے صحابہ کرام اتم ایمان لائے ہوتو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○
اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہتے کہ ہم تمہارے
ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق کرنے والے ہیں۔

منافقین کا اہل ایمان سے مذاق کرنے کا بیان

"وَاِذَا لَقُوا" اَصْلُه لَقِيُوا حُذِفَتِ الضَّمَّةُ لِلِاسْتِثْقَالِ ثُمَّ الْيَاءُ لِالْتِقَائِهَا سَاكِنَةً مَعَ الْوَاوِ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا" مِنْهُمْ وَرَجَعُوا "اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ" رُؤَسَائِهِمْ "قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ" فِي الدِّيْنِ "اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ" بِهِمْ بِاِظْهَارِ الْاِيْمَانِ،

اور جب وہ ملیں، لقو کی اصل لقیوا، ثقل کے سبب ضمہ کو حذف کر دیا گیا اس کے بعد واؤ کے ساتھ التقائے ساکنین کے اس یاء کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ وہ جو ایمان لائے انہوں نے کہا ہم نے ایمان لائے اور جب الگ ہوئے ان میں سے اور اپنے شیطانوں یعنی سرداروں کی جانب لوٹے تو انہوں نے کہا کہ دین میں ہمارے تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان کے سامنے ایمان ظاہر کر کے ان سے مذاق کرنے والے ہیں۔

لفظ خلا کا الی کے ساتھ متعدی ہونے کا بیان

خلا به و اليه "اسکا معنی یہ ہے کہ اس نے اس کے ساتھ خلوت (میں ملاقات) کی، بعض کا کہنا ہے کہ "خلا" جب "الی" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس میں "جانے" کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے بنابرایں "و اذا خلوا ۔ کا معنی یہ ہوا" و اذا ذهبوا الی شياطينهم خالين بهم "یعنی جب وہ اپنے سرداروں کی طرف جاتے تو ان کے ساتھ خلوت نشین ہوتے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت عبداللہ بن اُبَی وغیرہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی ایک روز انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو آتے دیکھا تو ابن اُبی نے اپنے یاروں سے کہا دیکھو تو میں انہیں کیسا بناتا ہوں جب وہ حضرات قریب پہنچے تو ابنِ اُبی نے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر آپ کی تعریف کی پھر اسی طرح حضرت عمر اور حضرت علی کی تعریف کی (رضی اللہ عنہم) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن اُبی اللہ سے ڈر، نفاق سے باز آ کیونکہ منافقین بدترین خلق ہیں، اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ باتیں نفاق سے نہیں کی گئیں بخدا ہم آپ کی طرح مومنِ صادق ہیں،

جب یہ حضرات تشریف لے گئے تو آپ اپنے یاروں میں اپنی چالبازی پر فخر کرنے لگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ منافقین مؤمنین سے ملتے وقت اظہار ایمان واخلاص کرتے ہیں اور ان سے علیحدہ ہو کر اپنی خاص مجلسوں میں ان کی ہنسی اڑاتے اور استہزاء کرتے ہیں۔ (اخرجه الثعلبی و الواحدی و ضعفه ابن حجر و السیوطی فی لباب النقول)

شیطان کے معنی کا بیان

امام ابن جریر فرماتے ہیں "ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○
اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

کفار کو مہلت دینے کا بیان

"اللّٰه يَسْتَهْزِىءُ بِهِمْ" يُجَازِيهِمْ بِاسْتِهْزَائِهِمْ "وَيَمُدُّهُمْ" يُمْهِلهُمْ "فِي طُغْيَانهمْ" بِتَجَاوُزِهِمْ الْحَدّ فِي الْكُفْر "يَعْمَهُونَ" يَتَرَدَّدُونَ تَحَيُّرًا حَال

اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ان سے استہزا بنتا ہے۔ اور انہیں ڈھیل یعنی مہلت دیتا ہے کہ اپنی سرکشی یعنی کفر میں حد سے بڑھنے میں بھٹکتے رہیں۔ حیرت، یہ "یَعْمَهُون کی ضمیر سے حال ہے۔

منافقین کی حیرت وسرگرانی کا بیان

یعمھون " کا مصدر "عَمَہ" ہے جس کا معنی حیرت وسرگردانی ہے "یمدھم" میں "ھم" کے لئے یعمھون حال واقع ہوا ہے اور "فی طغیانھم "یمدھم سے متعلق ہونے کے علاوہ یعمھون سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔ پس جملے کا معنی یوں ہوگا منافقین درآں حال کہ گمراہی وسرکشی میں سرگرداں ہیں اللہ تعالی انکی سرکشی میں اضافہ کرتا ہے۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رضوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ استہزاء اور تمام نقائص وعیوب سے منزّہ و پاک ہے۔ یہاں جزاءِ استہزاء کو استہزاء فرمایا گیا تا کہ خوب دلنشین ہو جائے کہ یہ سزا اس ناکردنی فعل کی ہے، ایسے موقع پر جزاء کو اسی فعل سے تعبیر کرنا آئین فصاحت ہے جیسے جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ میں کمال حسن بیان یہ ہے کہ اس جملہ کو جملہ سابقہ پر معطوف نہ فرمایا کیونکہ وہاں استہزاء حقیقی معنی میں تھا۔

قیامت کے منافقین کا نور کو تلاش کرنے کا بیان

قیامت کے روز منافق مرد وعورت ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ اس کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس طرف تو رحمت ہوگی اور دوسری طرف عذاب ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں۔ اس تاخیر میں

وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں پس قرآن میں جہاں استہزاء مسخریت یعنی مذاق، مکر، خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں ان کی بدکرداریوں اور کفروشرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے۔

اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے کہ آیت (وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ) 3 ۔آلِ عمران: 54)اور آیت (اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ) 2 ۔البقرة:15)ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب انہی کو برباد کرتا ہے۔ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی، دھوکہ، تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دیگا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے دونوں لفظوں کے دونوں جگہ معنی جدا جدا ہیں۔دیکھئے قرآن کریم میں ہے آیت (جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا) 10-یونس:27)یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے آیت (فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه) جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں۔لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی برائی اور زیادتی "ظلم" ہے اور دوسری برائی اور زیادتی "عدل" ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے۔ایک اور مطلب بھی سنئے دنیا میں یہ منافق اپنی اس ناپاک پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن وامان مل گیا اور یہ مست ہو گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے، قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں ملے گا گو یہاں ان کے مال اور جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذاب کا شکار بنیں گے۔

امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت تائید کی ہے اس لئے کہ مکر، دھوکہ اور مذاق جو بلا وجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے ہاں انتقام، مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا بدلہ اور سزا ہے۔(تفسیر ابن جریر طبری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝
یہ لوگ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔

ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے کا بیان

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى" اَىْ اسْتَبْدَلُوْهَا بِهِ "فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ" اَىْ مَا رَبِحُوْا فِيْهَا بَلْ خَسِرُوْا لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ "وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ" فِيْمَا فَعَلُوْا،

یہ لوگ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی یعنی اس کے ساتھ تبدیل کیا۔ تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا یعنی انہوں نے اس میں فائدہ حاصل نہ کیا بلکہ انہوں نے نقصان اٹھایا کیونکہ وہ ہمیشہ کیلئے جہنم ٹھکانہ بنا بیٹھے ہیں۔ اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ جو سودا انہوں نے کر ڈالا ہے۔

نقصان نہ جاننے والی بیوپاریوں کا بیان

ما کانوا مھتدین" کا جملہ "اشتروا الضلالۃ بالھدی "پر عطف ہے گویا اسکی دلیل کے طور پر ہے۔ یعنی یوں ہے: چونکہ اپنے حقیقی سود و زیاں سے آگاہ نہیں ہیں اس لئے انہوں نے ایسی تجارت کی ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۶ کے شان نزول کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت یا ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے یا یہود کے حق میں جو پہلے سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے مگر جب حضور کی تشریف آوری ہوئی تو منکر ہو گئے یا تمام کفار کے حق میں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت سلیمہ عطا فرمائی، حق کے دلائل واضح کئے، ہدایت کی راہیں کھولیں لیکن انہوں نے عقل و انصاف سے کام نہ لیا اور گمراہی اختیار کی۔

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہ فرماتے ہیں "ہدایت پر گمراہی کو پسند کرتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، ۱۵، لاہور)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ
وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○
اِن کی مثال ایسے شخص کی مانند ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس نے گرد و نواح کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور
انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا اب وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

آگ روشن کرنے والوں کا تاریکی میں ہونے کا بیان

"مَثَلُهُمْ" صِفَتُهُمْ فِىْ نِفَاقِهِمْ "كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ" اَوْقَدَ "نَارًا" فِىْ ظُلْمَة "فَلَمَّا اَضَاءَتْ" اَنَارَتْ "مَا حَوْلَه" فَاَبْصَرَ وَاسْتَدْفَاَ وَاَمِنَ مِمَّنْ يَّخَافُهُ "ذَهَبَ اللّٰه بِنُوْرِهِمْ" اَطْفَاَهُ وَجُمِعَ الضَّمِير مُرَاعَاة لِمَعْنَى الَّذِىْ "وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمَات لَا يُبْصِرُوْنَ" مَا حَوْلهمْ مُتَحَيِّرِيْنَ عَنْ الطَّرِيْق خَائِفِيْنَ فَكَذٰلِكَ هٰؤُلَاءِ اٰمَنُوْا بِاِظْهَارِ كَلِمَة الْاِيْمَان فَاِذَا مَاتُوْا جَاءَهُمْ الْخَوْف وَالْعَذَاب،

ان کی مثال یعنی ان کی منافقت کی صفت ایسے شخص کی مانند ہے جس نے آگ یعنی اندھیرے میں جلائی یعنی اس کو روشن کیا اور جب اس نے گردونواح کو روشن کر دیا پس اس نے دیکھا اور سردی کم ہوگئی اور وہ خوف سے امن میں آگیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور الذی کے معنی کی رعایت کیلئے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ اور انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا اب وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یعنی اس کے گردونواح میں وہ پریشان حال راستے سے بھٹکے ہوئے خوف کھاتے پھرتے ہیں۔ پس یہ ایسے ہی ہے کہ انہوں نے کلمہ ایمان کا اظہار کیا پس جب وہ مریں گے تو ان کے پاس خوف اور عذاب آجائے گا۔

لما حرف شرط کے استعمال کا بیان

"استوقد" کا مصدر استیقاد ہے جسکا معنی آتش روشن کرنا ہے "لما" حرف شرط ہے جبکہ اسکا جواب محذوف ہے اور یہ جملہ "ذھب اللہ" اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے گویا مطلب یوں ہوا: جیسے ہی آگ نے اس کے اطراف میں روشنی پھیلائی تو بجھ گئی اور وہ تاریکی میں رہ گیا۔

دین گم ہو جانے پر حیرت کرنے والوں کا بیان

اس آیت شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں، اس کی پریشانی دور ہوگئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعتہً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا نہ تو نگاہ کام کر سکے، نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو۔ کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو۔ گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو، اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ راہ کیسے پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ کر راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ یہ صراحت موجود ہے۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سدی سے یہی نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے، اس لئے کہ اولاً تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ چھن گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین گم ہو جانے کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی؟

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان الٰہی گزر چکا ہے کہ آیت (وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ) یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں۔ درحقیقت اس آیۂ مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں، پھر اس سے ہٹ گئے ہوں اور اب دلوں میں مہریں لگ گئی ہوں۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے آیت (ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ) 63۔ المنافقون: 3) یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا، کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔ ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر دی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جلدی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی اور حسب سابق تاریکیوں میں گھر گئے۔ یہ حال منافقین کا تھا پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال وحرام کو پہچان گئے پھر وہ دوبارہ کفر ونفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (تفسیر کبیر، ابن جریر، ابن کثیر)

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۝
بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کسی طرح بھی سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

کفار ومشرکین کا حق سننے سے بہرہ ہونے کا بیان

هُمْ "صُمٌّ" عَنِ الْحَقِّ فَلَا يَسْمَعُوْنَهٗ سَمَاعَ قَبُوْلٍ "بُكْمٌ" خُرْسٌ عَنِ الْخَيْرِ فَلَا يَقُوْلُوْنَهٗ "عُمْيٌ" عَنْ طَرِيْقِ الْهُدٰى فَلَا يَرَوْنَهٗ "فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ" عَنِ الضَّلَالَةِ .

وہ حق سے بہرے ہیں، پس وہ اس کو قبول کرنے کیلئے نہیں سن سکتے، گونگے ہیں یعنی بھلائی بولنے سے گونگے ہیں، اندھے ہیں یعنی سیدھے راستے کو وہ نہیں دیکھ سکتے، پس وہ کسی طرح بھی سیدھے رستے کی طرف لوٹ ہی نہیں سکتے۔ یعنی گمراہی کو چھوڑ کر، عمی (اندھا) کی جمع ہے۔ یہ کلمات مبتدائے محذوف کی خبریں ہیں جو "ھم" ہے اور ماقبل آیت میں ان لوگوں (ظلمتوں میں گھرے ہوئے منافقین) کا ذکر ہوا ہے۔

معجزہ دیکھنے والی اور نہ دیکھنے والی آنکھوں کا بیان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب انسانیت کو دعوت حق دی اور عقیدۂ توحید ورسالت کی نعمت سے مالا مال فرمانے لگے تو اہل مکہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کو روکنا چاہتے تھے چنانچہ ابوجہل نے اسی سلسلہ میں اپنے ایک دوست حبیب یمنی کو بلا بھیجا تا کہ وہ اہل مکہ کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے روکے، حبیب یمنی جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ابوجہل سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق بہت شکایتیں کرنے لگا یہ سن کر حبیب یمنی نے کہا کہ میں پہلے ان سے مل کر تو دیکھوں کہ وہ کون ہیں۔

اپنے ایک قاصد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس روانہ کیا کہ حبیب یمنی فلاں مقام پر رؤساء قریش کے ہمراہ آپ

سے ملنا چاہتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لے گئے اور وہ چودھویں شب تھی حبیب یمنی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی۔ حبیب یمنی نے کہا: اگر آپ نبی ہیں تو نبوت کی صداقت پر بطور دلیل معجزہ کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو معجزہ تم چاہتے ہو میں وہ بتلانے تیار ہوں۔ حبیب نے کہا: میں دو معجزے دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۱) پہلا یہ کہ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں اور (۲) دوسرا آپ خود بتا دیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام سرداران قریش کے ساتھ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اپنی انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا فوراً چاند دو ٹکڑے ہو گیا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے بچشم خود دیکھ لیا پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اشارہ فرمایا تو چاند کے دو ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جن پر اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے احوال قلوب عیاں کر دیا ہے، ارشاد فرمایا: اے حبیب یمنی! تمہاری ایک لڑکی اندھی، بہری اور لنگڑی ہے، تم چاہتے ہو کہ وہ شفایاب ہو جائے۔

جاؤ! تمہاری لڑکی صحت یاب ہو گئی ہے یہ سننا ہی تھا کہ حبیب یمنی کلمۂ شہادت پڑھ کر دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ پھر جب وہ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا وہی لڑکی جو اپاہج تھی دروازہ کھول رہی ہے، دریافت کیا، بیٹی! ماجرا کیا ہے؟ کہنے لگی: ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا، ایک حسین وجمیل نورانی بزرگ تشریف لائے، مجھے کلمۂ شہادت پڑھا کر مسلمان کئے اور اپنا دست مبارک میرے بدن پر پھیرا تو میں اسی وقت شفایاب ہو گئی۔ (شرح قصیدہ بردہ از علامہ خرپوتی علیہ الرحمہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار نے بہ ظاہر تو معجزہ دیکھا اور نبی کریم ﷺ سے کلام حق سنا بھی لیکن حقیقت میں وہ بہرے اور نابینا رہے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○
یا پھر ان کی مثال اس بارش کی سی ہے جو آسمان سے برس رہی ہے جس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک (بھی) ہے تو وہ
کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

کڑک کے خوف سے منافقین کا کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کا بیان

"اَوْ" مَثَلهمْ "كَصَيِّبٍ" اَیْ كَاَصْحَابِ مَطَر وَاَصْله صَيْوِب مِنْ صَابَ يَصُوْب اَیْ يَنْزِل "مِنَ السَّمَاء" السَّحَاب "فِيْهِ" اَیْ السَّحَاب "ظُلُمَات" مُتَكَاثِفَة "وَرَعْد" هُوَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّل بِهِ وَقِيلَ صَوْته "وَبَرْق" لَمَعَان صَوْته الَّذِیْ يَزْجُرهُ بِهِ "يَجْعَلُوْنَ" اَیْ اَصْحَاب الصَّيِّب "اَصَابِعهمْ" اَیْ اَنَامِلهَا "فِیْ

اٰذَانِهِمْ مِنْ "اَجْلِ "الصَّوَاعِقِ" شِدَّةِ صَوْتِ الرَّعْدِ لِئَلَّا يَسْمَعُوهَا "حَذَرَ" خَوْفَ "الْمَوْتِ" مِنْ سَمَاعِهَا ۔ كَذٰلِكَ هٰؤُلَاءِ : اِذَا نَزَلَ الْقُرْاٰنُ وَفِيْهِ ذِكْرُ الْكُفْرِ الْمُشَبَّهِ بِالظُّلُمَاتِ وَالْوَعِيْدِ عَلَيْهِ الْمُشَبَّهِ بِالرَّعْدِ وَالْحُجَجِ الْبَيِّنَةِ الْمُشَبَّهَةِ بِالْبَرْقِ يَسُدُّوْنَ اٰذَانَهُمْ لِئَلَّا يَسْمَعُوْهُ فَيَمِيْلُوْا اِلَى الْاِيْمَانِ وَتَرْكِ دِيْنِهِمْ وَهُوَ عِنْدَهُمْ مَوْتٌ "وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ" عِلْمًا وَّقُدْرَةً فَلَا يَفُوْتُوْنَهُ۔

ترجمہ

یا پھران کی مثال اس بارش کی سی ہے یعنی بارش والوں کی طرح اور صیب اصل صیوب ہے جو صاب یصوب سے ہے یعنی جو ینزل کے معنی میں ہے جو آسمان سے برس رہی ہے۔جس میں اندھیریاں یعنی سخت اندھیرے ہیں اور گرج یعنی وہ فرشتہ جو اس کام پر متعین کیا ہے یا بھی کہا گیا ہے کہ اس کی فرشتے کی آواز ہے۔اور بجلی وہ آواز جس سے وہ بادلوں کو زجر و تو بیخ کرتا ہے تو وہ بناتے ہیں یعنی بارش والے اپنی انگلیاں یعنی ان کے پوروں کو اپنے کانوں میں کڑک کے باعث جس کی آواز بہت سخت ہے کہ اس کو سنن بھی سن سکیں،اسی طرح ان لوگوں کا حال ہے جب قرآن کو نازل کیا گیا اور اس میں کفر کو تاریکیوں کے مشابہ ذکر کیا گیا اور وعید مشبہ بہ رعد پر ہے۔اور مشبہ بہ برق کے دلائل ہیں۔وہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں کہ وہ کچھ نہ سن سکیں۔کہ کہیں وہ ایمان کی جانب مائل نہ ہو جائیں۔اور انہوں نے دین کو چھوڑ دیا یعنی ان کی موت کے وقت اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔یعنی علم اور قدرت سے احاطہ کیے ہوئے ہے جس سے یہ بچ نہیں سکیں گے۔

منافقین کی حالت اور سورہ بقرہ آیت ۱۹ کے شان نزول کا بیان

امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ منافقوں میں سے دو آدمی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے مشرکین کی طرف بھاگے، راہ میں یہی بارش آئی جس کا آیت میں ذکر ہے اس میں شدت کی گرج کڑک اور چمک تھی، جب گرج ہوتی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ کہیں یہ کانوں کو پھاڑ کر مار نہ ڈالے، جب چمک ہوتی چلنے لگتے، جب اندھیری ہوتی اندھے رہ جاتے، آپس میں کہنے لگے اللہ خیر سے صبح کرے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ان کے حال کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے مثل (کہاوت) بنایا جو مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ کہیں حضور کا کلام ان میں اثر نہ کر جائے جس سے مر ہی جائیں اور جب ان کے مال و اولاد زیادہ ہوتے اور فتوح و غنیمت ملتی تو بجلی کی چمک والوں کی طرح چلتے اور کہتے کہ اب تو دین محمدی سچا ہے اور جب مال و اولاد ہلاک ہوتے اور کوئی بلا آتی تو بارش کی اندھیریوں میں ٹھٹک رہنے والوں کی طرح کہتے کہ یہ مصیبتیں اسی دین کی وجہ سے ہیں اور اسلام سے پلٹ جاتے۔(لباب نقول، از امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جیسے اندھیری رات میں کالی گھٹا چھائی ہو اور بجلی کی گرج و چمک جنگل میں مسافر کو حیران کرتی ہو اور وہ کڑک کی وحشت ناک آواز سے باندیشہ ہلاک کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہو، ایسے ہی

کفار قرآن پاک کے سننے سے کان بند کرتے ہیں اور انہیں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس کے دلنشین مضامین اسلام وایمان کی طرف مائل کر کے باپ دادا کا کفری دین ترک نہ کرادیں جوان کے نزدیک موت کے برابر ہے۔ (خزائن العرفان)

یَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝
بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی نگاہیں اچک لے جائے گی جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا
ہوا کھڑے رہ گئے اور اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا بیشک اللہ ہر چاہت پر قادر ہے۔

منافقین کا حق کے ساتھ چلنے یا نہ چلنے کا بیان

"يَكَادُ" يَقْرُبُ "الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ" يَأْخُذُهَا بِسُرْعَةٍ "كُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ" اَيْ فِي ضَوْئِهِ "وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا" وَقَفُوا تَمْثِيلٌ لِاِزْعَاجِ مَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُجَجِ قُلُوبَهُمْ وَتَصْدِيقِهِمْ لِمَا سَمِعُوا فِيهِ مِمَّا يُحِبُّونَ وَوُقُوفِهِمْ عَمَّا يَكْرَهُونَ . "وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ" بِمَعْنَى اَسْمَاعِهِمْ "وَاَبْصَارِهِمْ" الظَّاهِرَةِ كَمَا ذَهَبَ بِالْبَاطِنَةِ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ" شَاءَهُ "قَدِيرٌ" وَمِنْهُ اِذْهَابُ مَا ذُكِرَ،

یکاد یعنی قریب ہے کہ بجلی ابھی ان کی آنکھوں کو اچک لے جائے گی وہ جلدی کے ساتھ اس کو سلب کر لے گی۔ جب کچھ چمک ہوئی اس میں یعنی اس کی روشنی میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے یعنی رک گئے یہ قرآن میں بیان کردہ دلائل کی وجہ ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تصدیق ہے اس چیز کی جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور ان کو رکنا جس چیز کو وہ ناپسند کرتے ہیں اور اللہ چاہتا تو ان کے کان یعنی جو کچھ ان سے سنتے ہیں اور آنکھیں یعنی جس طرح باطن ہیں، ان کو لے جاتا بیشک اللہ ہر شئی یعنی جس کو چاہے، قادر یعنی مذکورہ چیزوں کو لے جانے پر قدرت رکھتا ہے۔

دلائل شرعیہ منافق کیلئے کس طرح ہوتے ہیں

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جیسے بجلی کی چمک، معلوم ہوتا ہے کہ بینائی کو زائل کر دے گی ایسے ہی دلائل باہرہ کے انوار ان کی بصر وبصیرت کو خیرہ کرتے ہیں جس طرح اندھیری رات اور ابر وبارش کی تاریکیوں میں مسافر متحیر ہوتا ہے، جب بجلی چمکتی ہے تو کچھ چل لیتا ہے جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑا رہ جاتا ہے اسی طرح اسلام کے غلبہ اور معجزات کی روشنی اور آرام کے وقت منافق اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں اور جب کوئی مشقت پیش آتی ہے تو کفر کی تاریکی میں کھڑے رہ جاتے ہیں اور اسلام سے ہٹنے لگتے ہیں، اسی مضمون کو دوسری آیت میں اس طرح ارشاد فرمایا (وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ 48)۔24النور:48)۔(خازن صاوی وغیرہ)

یہ بھی معلوم ہوا کہ مشیت اسباب کی محتاج نہیں، وہ بے سبب جو چاہے کر سکتا ہے۔ شئی اسی کو کہتے ہیں جسے اللہ چاہے اور جو تحتِ مشیت آسکے، تمام ممکنات شئی میں داخل ہیں اس لئے وہ تحتِ قدرت ہیں اور جو ممکن نہیں واجب یا ممتنع ہے اس سے قدرت و ارادہ متعلق نہیں ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات واجب ہیں اس لئے مقدور نہیں۔ باری تعالیٰ کے لئے جھوٹ اور تمام عیوب محال ہیں اسی لئے قدرت کو ان سے کچھ واسطہ نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان بقرہ)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ٥
اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

عبادت کا مقصد پرہیزگاری ہونے کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا النَّاس" اَيْ اَهْل مَكَّة "اُعْبُدُوا" وَحِّدُوْا "رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ" اَنْشَاكُمْ وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا "وَ" خَلَقَ "الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" بِعِبَادَتِهِ عِقَابه وَلَعَلَّ : فِي الْاَصْل لِلتَّرَجِّي وَفِيْ كَلَامه تَعَالٰى لِلتَّحْقِيْقِ .

اے لوگو! یعنی اہل مکہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید بیان کرو جس نے تم کو یعنی پہلی مرتبہ جب کوئی چیز نہ تھی پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ یعنی اس کی عبادت کے سبب اس کے عذاب سے بچو، لعل اصل میں ترجی کیلئے آتا ہے لیکن اس کلام باری میں یہ تحقیق کیلئے ہے۔

عبادت کے مفہوم کا بیان

عبادت وہ غایت تعظیم ہے جو بندہ اپنی عبدیت اور معبود کی اُلوہیت کے اعتقاد و اعتراف کے ساتھ بجالائے۔ یہاں عبادت عام ہے اپنے تمام انواع واقسام واصول وفروع کو شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت واحکام پر عمل برحق ہونے کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو، قریب تھا کہ وہ اس میں غفلت کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر خود کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ لہٰذا یا تو آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت لے گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ دیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں پس یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا، جب مسجد بھر گئی تو آپ اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ

تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود بھی عمل کریں تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔ ایک یہ کہ اللہ ایک کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے اور غلام کام کاج کرے لیکن جو کچھ حاصل ہوا ہے اسے کسی اور کو دے دے کیا۔ تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا، تمہیں روزی دینے والا، تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسری یہ کہ نماز کو ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نگاہ بندے کی طرف ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر منہ پھیرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ساتھ باندھ دیئے گردن مارنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے کر اپنی جان چھڑا لی۔

پانچواں اس کا حکم یہ ہے کہ بہ کثرت اس کے نام کا ذکر کیا کرو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن و امان پالیتا ہے اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں، جن کا حکم جناب باری نے مجھے دیا ہے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا۔ اور جاننا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل جائے گویا وہ اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کرلے جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔

مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے رکھے ہیں مسلمین مومنین اور عباد اللہ یہ حدیث حسن ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، بیروت)

اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں روزی دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہیے کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے ہر ایک عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○
وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے
تمہارے کھانے کیلئے۔لہٰذا اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

زمین وآسمان کی تخلیق سے دلیل توحید کا بیان

"اَلَّذِیْ جَعَلَ " خَلَقَ "لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا " حَالٌ بِسَاطًا یُفْتَرَش لَا غَایَةَ فِی الصَّلَابَةِ اَوْ اللُّیُوْنَةِ فَلَا یُمْکِن الِاسْتِقْرَار عَلَیْهَا "وَالسَّمَاء بِنَاء " سَقْفًا "وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنْ " اَنْوَاع "الثَّمَرَات رِزْقًا لَکُمْ " "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا " شُرَکَاء فِی الْعِبَادَة "وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ " اَنَّهُ الْخَالِق وَلَا تَخْلُقُوْنَ وَلَا یَکُوْن اِلٰهًا اِلَّا مَنْ یَخْلُق .

وہ ذات جس نے بنایا یعنی پیدا کیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا یعنی فراشا بچھونا یہ یفترش سے حال ہے۔کہ ایسا بچھونا جو نہ زیادہ سخت اور نہ ہی زیادہ نرم کہ جس پر بیٹھنا ممکن نہ ہو۔اور آسمان کو عمارت بنایا یعنی چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل مختلف اقسام کے نکالے تمہارے کھانے کیلئے۔لہٰذا اللہ کے لئے برابر والے یعنی عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔اور تم جانتے ہو کہ وہ خالق ہے جبکہ دوسرے شرکاء کوئی تخلیق نہیں کر سکتے اور معبود وہی ہوتا ہے جو خالق ہو۔

من کے بیانیہ یا تبعیضیہ ہونے کا بیان

بعض اہل لغت کے نزدیک جعل" کا معنی "صیر تبدیل کیا ہو سکتا ہے اور" خلق،خلق کیا بھی ہو سکتا ہے۔فراشاً" کا معنی وسیع بستر ہے اسکا زمین پر اطلاق تشبیہ کے طور پر ہے یعنی مراد یہ ہے۔جعل الارض کالفراش .

بناء" کا لفظ عرب لغت میں عمارت،خیمہ وغیرہ کا معنی رکھتا ہے۔آسمان کو بناء کہنا تشبیہ کے طور پر ہے یعنی مفہوم یہ ہوگا۔جعل لکم السماء کالبناء .

ثمرات کا مفرد "ثمرۃ" ہے جو درختوں کے پھلوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔من الثمرات "میں "من" کا معنی بعض ہو سکتا ہے۔اس صورت میں "من الثمرات '،"اخرج" کے لئے مفعول ہوگا یعنی "فاخرج بہ بعض الثمرات لیکون رزقا لکم"،"من" بیانیہ بھی ہو سکتا ہے پس اس صورت میں "اخرج" کا مفعول "رزقاً" ہوگا یعنی:اخرج بہ رزقاً لکم وھی الثمرات .

پانی کے اصل ہونے کا لطیفہ

یہاں پر ایک لطیفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موتی پیدا کیا پھر اس پر نگاہ ڈالی تو پانی بن گیا۔پھر اسے کثیف کیا تو مٹی بن گئی۔پھر

اسے ہلکا کیا تو ہوا بن گئی۔ پھر اور ہلکا کیا تو آگ بن گئی۔ لہٰذا پانی اصل ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ا،ص ۱۹۵، بیروت)

وجود باری تعالیٰ پر دلائل ائمہ اربعہ کا بیان

اللہ کے وجود کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ چھوڑو میں کسی اور سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے نہ اس کا کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو آپ نے فرمایا افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکا بکا ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جداگانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا، ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے اور چرتے چگتے ہیں اسی کو کھا کر ریشم کا کیڑا ریشم تیار کرتا ہے مکھی شہد بناتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائیں بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ مانتے ہیں وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چاروں طرف سے بند ہے پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔
یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ)

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ
كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (اس خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا، اپنے سب حمایت کرنے والوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن میں شک کرنے والوں کیلئے چیلنج کا بیان

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ" شَكٍّ "مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا" مُحَمَّدٍ مِنَ الْقُرْاٰن اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰه "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه" اَیْ الْمُنَزَّل وَمِنْ لِلْبَیَانِ اَیْ هِیَ مِثْله فِی الْبَلَاغَة وَحُسْن النَّظْم وَالْاِخْبَار عَنْ الْغَیْب . وَالسُّوْرَة قِطْعَة لَهَا اَوَّل وَاٰخِر اَقَلّهَا ثَلَاث اٰیَات "وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ" اٰلِهَتكُمْ الَّتِیْ تَعْبُدُوْنَهَا "مِنْ دُوْنِ اللّٰه" اَیْ غَیْرِهٖ لِتُعِیْنكُمْ "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا قَالَهٗ مِنْ عِنْد نَفْسه فَافْعَلُوْا ذٰلِك فَاِنَّكُمْ عَرَبِیُّوْنَ فُصَحَاء مِثْله وَلَمَّا عَجَزُوْا عَنْ ذٰلِك قَالَ تَعَالٰی :

اور اگر تمہیں کچھ ریب یعنی شک میں ہو ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا یعنی محمد ﷺ پر جو قرآن اتارا بے شک وہ اللہ کی جانب سے ہے تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ یعنی جو منزل کی طرح ہو اور یہاں من بیانیہ ہے یعنی اخبار غیب، حسن نظم اور بلاغت میں اس کی مثل ہو، اور سورت وہ ہوتی ہے جس کا اول و آخر ہو کم از کم تین آیات ہوں۔ اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو یعنی وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو، اللہ کے سوا یعنی اس کے سوا جو تمہاری مدد کر سکیں، اگر تم سچے ہو۔ اس بات میں کہ جو نبی کریم ﷺ نے کہا وہ ان کی اپنی طرف سے ہے۔ تو تم بھی اسی طرح کر کے دیکھاؤ پس تم فصحاء عرب ہو لہٰذا اس کی مثل لاؤ پس جب وہ اس سے عاجز آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

شک کرنے والوں سے طلب دلیل کا بیان

شھید کی جمع شھداء ہے جسکا معنی "گواہ" ہے البتہ مطلع اور آگاہ افراد کے لئے بھی بولا جاتا ہے "ادعوا" کا مصدر "دعا" ہے اسکا معنی ہے بلانا اور دعوت دینا۔ اس جملہ "وادعوا شھداء کم" کا معنی یہ ہو سکتا ہے۔ شاہدوں کو دعوت دو تا کہ جو چیز تم لائے ہو اور اس کو قرآن کی مثال قرار دیتے ہو اس پر گواہی اور اپنی رائے دیں۔ اس مفہوم کی بناپر "شہداء" سے مراد گواہ ہیں جبکہ یہ معنی بھی مراد ہو سکتا ہے: اپنے شاہدوں کو دعوت دو تا کہ قرآن کی مثل لانے میں تمہاری مدد کریں اس صورت میں "شہداء" کا معنی مطلع اور آگاہ افراد ہوگا۔

کہا گیا ہے کہ "من دون اللہ" (اللہ کے علاوہ) "شھداء کم" کے عموم اور اطلاق کی تاکید کے لئے بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ جس کسی کو بھی جو بھی علم، فن یا دانش رکھتا ہو اس سے مدد لو تو پھر بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ہو۔ قرآن کی مثل لانا فقط اللہ تعالیٰ کے

لئے ممکن ہے۔

"ان کنتم فی ریب" کے قرینے سے "صادقین" کا متعلق مشرکوں کا قرآن کریم کے آسمانی ہونے کے بارے میں شک و تردید ہے۔ گویا مفہوم یوں ہے: ان کنتم صادقین فی انکم مرتابون، اگر اپنے شک وتردید کے اظہار میں سچے ہو تو یوں کرو۔ یہ معنی اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ وہ لوگ اپنے شک وتردید کے اظہار میں جھوٹے ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳ کے شان نزول کا بیان

کفار و مشرکین اور اسی طرح دیگر قبائل میں یہ خبر پھیلانے کی کوشش کی گئی اور کفار نے ہر خاص و عام کیلئے زبان زد کرنے کیلئے مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ کو کلام فرماتے ہیں یہ جادو کا کلام ہے یا وحی نہیں بلکہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو ان کے جواب میں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کسی مخلوق کا کلام ہے تو تم ایسا کلام بنا کر لاؤ۔

فصحاء عرب کا مثل قرآن لانے سے عجز کا بیان

اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ انبیاء کو ایسی چیز بطور معجزہ دی جاتی ہے۔ جس کی اس زمانہ میں دھوم مچی ہوئی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ساحری اپنی انتہائی بلندی پر پہنچی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ایسے معجزات عطا کئے جن کے آگے فرعون کے بڑے بڑے جادوگروں کو سر بسجود ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ بقراط، ارسطالیس، لقمان اور جالینوس جیسے حکماء کا ڈنکا بجتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کئے جو ان حکماء کی دسترس سے ماوراء تھے۔ بھلا کون سا حکیم مردوں کو زندہ کر سکتا تھا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شعراء میں باہمی مقابلے ہوتے تھے اور مقابلہ میں بہترین قرار دیئے جانے والے شعراء کا کلام کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ سبع معلقات اسی دور کی یادگار ہے۔ جو آج بھی متداول ہے۔ ایسے ہی شعراء ادباء اور خطباء کو اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا اور فرمایا کہ اپنے سب مددگاروں، جنوں یا انسانوں اور اپنے دیوتاؤں اور معبودوں سب کی مدد لے کر اس قرآن جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ لیکن یہ سب لوگ ایسا کلام پیش کرنے میں عاجز ثابت ہوئے۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سبب اعجاز کا بیان

لغت ونحو اور عربی ادب کے امام عبد الملک بن قریب بن عبد الملک اصمعی (متوفی 216ھ) کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی بچی کو یہ فصیح و بلیغ اشعار کہتے سنا۔ استغفر اللہ لذنبی کلہ قبلت انسانا بغیر حلہ

مثل الغزال ناعما فی د لہ فانتصف اللیل ولم اصلہ

میں نے کہا: اللہ تجھے مارے! تو کس قدر فصیح ہے۔ اس نے جواب دیا: اویعد ھذا فصاحۃ مع قولہ تعالی یعنی کیا اس

فرمانِ باری تعالیٰ کے سامنے میری اس بات کو فصیح کہا جاسکتا ہے؟=)وَاَوحَینَآ اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَن اَرضِعِیهِ فَاِذَا خِفتِ عَلَیهِ فَاَلقِیهِ فِی الیَمِّ وَ لَا تَخَافِی وَلَا تَحزَنِی اِنَّا رَآدُّوهُ اِلَیكِ وَ جَاعِلُوهُ مِنَ المُرسَلِینَ O(پ20،القصص:)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر بیشک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔(= میری یہ بات اس کے سامنے ہرگز فصیح نہیں کیونکہ اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں۔(النکت والعیون، ج،ص265،تفسیر قرطبی)

فصحاءِ عرب کی عقلیں سمندرِ حیرت میں گم ہوئیں

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے سب سے اعلیٰ اور سب پر مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے دورِ جاہلیت میں اہل عرب کو فصاحت و بلاغت میں جو مقام حاصل تھا وہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا اہم مواقع پر وہ اپنے اس فن کے عجائبات بدیہی طور ظاہر کیا کرتے تھے مجالس میں فی البدیہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے کھڑے کھڑے تین تین سو اشعار سنا دیا کرتے تھے میدانِ جنگ میں جب گھمسان کا رن پڑتا تو سیف وسنان کی ضربوں کے درمیان رجز پڑھا کرتے تھے اس فن سے وہ بزدل کو دلیر، بخیل کو سخی، ناقص کو کامل، گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے جسے چاہتے تعریف کر کے شریف اور ہجو کر کے گھٹیا بنا دیتے بغض و کینہ دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے انہیں یقین تھا کہ اقلیم سخن کے مالک اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں اور انہیں گھمنڈ تھا کہ کوئی کلام ہمارے کلام پر سبقت نہیں لے جاسکتا کلام کے اس کمال کے باوجود ان کی ذاتی و معاشرتی حالت نہایت ہی دگرگوں سی ہوئی تھی عقائد و اعمال دونوں میں افراط و تفریط کا شکار تھے۔ کفر و شرک اور بدعملی و بداطواری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی الغرض دن رات بدکاری، شراب خوری، جوئے بازی اور قتل و غارتگری میں مشغول رہتے تھے۔

ایسے حالات میں ضرورت تھی کہ زمین کے اس مرکز میں خدائے وحدہ لاشریک کی طرف سے کوئی کامل و روحانی طبیب مبعوث ہو چنانچہ، رب العالمین جل جلالہ نے ان کی طرف ایک کامل و اکمل ہستی کو بھیج دیا جو ایک کامل کتاب ساتھ لے کر آئی جس میں قیامت تک ہر زمانے اور ہر قوم کے سارے امراض کا نسخہ کیمیاء درج تھا امی لقب پانے والی اس کامل ہستی نے اپنی نبوت کے ثبوت میں جو کتاب اہل مکہ کے سامنے پیش کی وہ انہی کی زبان میں تھی اور اسی فن (فصاحت و بلاغت) میں ان سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ پوری دنیا کو چیلنج کرتے تھے اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ان لوگوں میں انتہائی فصیح و بلیغ خطباء اور ذہین و فطین شعرا موجود تھے مگر جب بطورِ معارضہ ان کے سامنے قرآن کریم پیش کیا گیا تو ان کی عقلیں حیرت کے سمندر میں غرق ہو گئیں قرآن کریم نے واشگاف لفظوں میں فرمایا۔

قُل لَّئِنِ اجتَمَعَتِ الاِنسُ وَالجِنُّ عَلٰٓی اَن یَّاتُوا بِمِثلِ هٰذَا القُراٰنِ لَا یَاتُونَ بِمِثلِهٖ وَلَو کَانَ بَعضُهُم لِبَعضٍ ظَهِیرًا O(پ15،بنی اسرائیل:(88)

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا

مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

پھر لگام کو تھوڑا ڈھیلا کر کے فرمایا: قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O(پ12،ھود:13)

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکیں سب کو بلالو اگر سچے ہو۔ پھر حجت کو پورا کرنے کے لئے دس کے بجائے ایک ہی سورت بنا کر لانے کا چیلنج کیا: ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بُلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اور یوں وہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مسلسل دس برس کفار ومشرکین کو چیلنج کرتے رہے پھر جب مدینے میں رونق افروز ہوئے تو وہاں بھی دس سال: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (پ،البقرۃ:23) سے تحدی ومعارضہ کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (پ،البقرۃ:24) سے انہیں چونکاتے، برانگیختہ کرتے اور ڈراتے رہے غور فرمایئے! جس وقت عرب میں فصاحت وبلاغت اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی اس زمانے میں فصحاء وبلغاء چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے عاجز آ گئے تو بعد والوں اور غیر عرب کا عاجز و بے بس ہونا خود ہی ثابت ہو گیا اور یہ رسالت مصطفیٰ کی ایسی ساطع وقاطع دلیل ہے کہ آج 14 سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا مگر کوئی اس چیلنج کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور نہ ہی قیامت تک کوئی اس پر قادر ہوگا۔

اگر ہم کسی انسان کے فصیح وبلیغ کلام کا مطالعہ کریں تو اختلاف مضامین، اختلاف احوال اور اختلاف اغراض سے ان کی فصاحت وبلاغت میں فرق ضرور نظر آئے گا جیسے اہل عرب کے جن شعراء اور خطباء کی فصاحت وبلاغت میں مثالیں دی جاتی ہیں ان میں سے کوئی تعریف ومدح بہت بڑھ چڑھ کر ہے تو ہجو میں معمول سے زیادہ گرا ہوا اور کوئی اس کے برعکس ہے کوئی مرثیہ گوئی میں فوقیت رکھتا ہے تو غزل میں بھدا ہے اور کوئی اس کے برعکس ہے اور یوں ہی کوئی رجز میں اچھا ہے تو قصیدے میں خراب اور کوئی اس کے برعکس اس تمام کے برعکس قرآن کریم پر غور فرمایئے! اس میں وجوہ خطاب بھی مختلف ہیں: کہیں قصص ومواعظ ہیں کہیں حلال وحرام کا ذکر کہیں اعذار وانذار تو کہیں وعدہ ووعید کہیں تخویف وتبشیر تو کہیں اخلاق حسنہ کا بیان ہے مگر یہ کتاب ہر فن میں فصاحت وبلاغت کے اس اعلیٰ درجے پر فائز ہے جو بشری طاقت سے باہر ہے یوں تو قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کے سلسلے میں بے شمار واقعات وروایات ہیں، سردست صرف دو کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں۔

درسِ نظامی کے نصاب میں داخل مشہور کتاب سبع معلقات کے فصیح وبلیغ شعراء میں سے ایک حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے بعد 60 سال زندہ رہے نیز اسلام لانے کے بعد انہوں نے صرف یہی ایک شعر کہا:

ماعاتب المرء الكريم كنفسه والمرء يصلحه القرين الصالح

ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اپنے اشعار میں سے مجھے بھی کچھ سناؤ۔ تو انہوں عرض کی: ماکنت لاقول شعرا بعدان علمی اللہ تعالی البقرۃ وال عمران یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرۃ اور سورہ ال عمران سکھادی ہے میں کوئی شعر نہیں کہتا۔ (اسد الغابۃ، ج، ص540)

دور تابعین سے تعلق رکھنے والے فصاحت وبلاغت میں یگانہ روز ابن المقفع کے متعلق منقول ہے کہ اس نے قرآن کریم کا معارضہ کرنا چاہا تو ایک کلام نظم کیا، اسے مفصل بنایا اور اس کا نام سورتیں رکھا۔ ایک دن وہ کسی مدرسے کے پاس گزرا تو اس نے کسی بچے کو قرآن کریم کی یہ آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا:

وَ قِيلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِي وَ غِيضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَ قِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ 0(پ 12،ھود)

ترجمہ کنزالایمان: اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔

یہ سن کر وہ واپس لوٹا اور گھر آ کر جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈیا اور کہا کہ اشھدان ہذا لا یعارض ابدا وماھو من کلام البشر یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کتاب کا معارضہ کبھی نہیں ہوسکتا اور یہ انسان کا کلام نہیں۔ (تفسیر الماوردی، ج، ص31، المواہب اللدنیۃ مع شرحہ الزرقانی، ج، ص) یا اس نے یہ کہا: ھذا کلام لایستطیع احد من البشر ان یاتی بمثلہ یعنی یہ ایسا کلام ہے کہ کوئی بشر اس جیسا کلام نہیں کرسکتا۔ (تفسیر البحر المحیط، ج، ص229)

اپنی گفتگو تفسیر مظہری کے مقدمہ سے اس اقتباس پر ختم کرتا ہوں: بھلا وہ کلام جو اپنے الفاظ ومعانی فصاحت وبلاغت عذوبت وحلاوت، جامعیت وآفاقیت اور اثر انگیزی وسحر طرازی میں اس عظمت وشان کا حامل ہو کہ ہر دور کے منکرین کو یہ چیلنج دے رہا ہو: تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلالو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

تو پھر کون ہے؟ جو اس کے حقیقی کمالات واوصاف بیان کرسکے۔۔ ذرا غور تو کیجئے کون ہے؟ جو اس عظیم کلام سے وابستہ ہو اور دو جہاں میں سرخرو نہ ہو کون ہے؟ جو عامل قرآن تو ہو مگر خالق کائنات نے اسے اپنے خصوصی انعامات سے نہ نواز ہو کون ہے؟ جس نے اس بحر ذخار میں غواصی کی ہو مگر اس کا دامن لعل وگوہر سے نہ بھرا ہو کون ہے؟ جس کا سینہ مسکن آیات قرآنیہ ہو دل ان کی ضیاء سے ضوفشاں ہو اور ذہن ان میں تدبر کناں ہو مگر وہ تجلیات ربانی کا مرکز نہ ہو اور کتاب الٰہی کے اسرار ورموز اس پر ظاہر نہ ہوں کون ہے؟ جس کا مسیحا قرآن ہو مگر وہ شفایاب نہ ہو کون ہے؟ جس کا ہادی ورہبر قرآن ہو مگر وہ صراط مستقیم پر گامزن نہ ہو کون ہے؟ جس کا شفیع قرآن ہو مگر وہ جنت کی بہاروں کا مستحق نہ بنے کون سا وہ گھر ہے؟ جس میں تلاوت قرآن تو ہو مگر وہ ملائکہ رحمت کی آماجگاہ نہ بنے اور کون سا وہ معاشرہ ہے؟ جس میں دستور قرآن رائج تو ہو مگر وہ امن وآشتی اور سکون وراحت کا گہوارہ نہ ہو بلکہ جس کا تعلق قرآن سے مستحکم ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں وہ جملہ اوصاف وکمالات اور فضائل ومحاسن موجود ہیں کہ اسے گوہر مقصود حاصل

ہوجاتا ہے۔(تفسیر مظہری، التقدیم، ج،ص(21)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝
پس جب تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے
تیار کی گئی ہے۔

دلیل سے عاجز آنے والے کافروں کیلئے وعید جہنم کا بیان

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا " مَا ذُكِرَ لِعَجْزِكُمْ "وَلَنْ تَفْعَلُوا " ذٰلِكَ اَبَدًا لِظُهُوْرِ اِعْجَازِه - اِعْتِرَاض - "فَاتَّقُوا" بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ "النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ " الْكُفَّار "وَالْحِجَارَةُ" كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِیْ اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَتَقَيَّدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَّقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِه "اُعِدَّتْ" هُيِّئَتْ "لِلْكَافِرِيْنَ" يُعَذَّبُوْنَ بِهَا جُمْلَةٌ مُسْتَاْنَفَةٌ اَوْ حَالٌ لَازِمَةٌ ،

پس جب تم ایسا نہ کرسکو یعنی جو تمہارا عجز ذکر کیا گیا ہے۔ اور ہرگز نہ کرسکو گے یعنی ہمیشہ کیلئے اس اظہار سے عاجز آکر (جملہ معترضہ) تو اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے پس اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی یعنی کفار اور پتھر جیسے ان کے بت یعنی سخت حرارت کے ساتھ بھڑکائی جائے گی جس کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دنیاوی آگ کو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے اس کی مثل نہ ہو گی، جو تیار یعنی بھڑکائی گئی ہے کافروں کیلئے یعنی اس سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔ جملہ مستأنفہ ہے یا حال لازمہ ہے۔

جملہ "فان لم تفعلوا " کا جواب شرط محذوف ہے اور اسکی جگہ جملہ "فاتقوا، اسکا قائم مقام ہے۔ پس اگر تقدیری مفہوم کو نظر میں رکھیں تو معنی یہ ہوگا: فان لم تفعلوا تمت علیکم الحجة و ثبت لدیکم ان القرآن منزل من عند الله فاتقوا ۔

جہنم کی آگ کے سیاہ ہوجانے کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ آیت "وقودها الناس والحجارة " کی تلاوت فرمائی اور فرمایا آتش جہنم کو ہزار سال روشن رکھا گیا یہاں تک کہ سرخ ہوگئی۔

اور ہزار سال شعلہ ور رکھا گیا یہاں تک کہ سفید ہوگئی اور پھر ہزار سال اس کے شعلے بھڑکتے رہے یہاں تک کہ یہ آگ سیاہ ہو گئی اب یہ آگ سیاہ و تاریک ہے اور اس کے شعلے کبھی نہیں بجھیں گے۔ (درمنثور، ج۱،ص۹۰، بیروت)

وقود کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے۔ جیسے لکڑیاں وغیرہ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے آیت (وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا) 72۔الجن:15) ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں اور جگہ فرمایا تم اور تمہارے معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے دراصل یہ سب کے سب اس میں

ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور حجارہ کہتے ہیں پتھر کو یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں ان پتھروں کو زمین وآسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے۔(ابن جریر ابن ابی حاتم مستدرک حاکم)

ابن عباس ابن مسعود اور چند اور صحابہ سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں ان پتھروں کی بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے محمد بن علی اور ابن جریج بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔بعض نے کہا ہے مراد وہ پتھر جن کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی جیسے اور جگہ ہے آیت (اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ) 21 ۔ الانبیاء : 98) تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں قرطبی اور رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر جو کسی شکل میں بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں۔(تفسیر قرطبی، کبیر وغیرہ)

دنیاوی آگ کا جہنم کی آگ سے ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری یہ آگ جس کو ابن آدم جلاتا ہے جہنم کی گرمی کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہی (دنیا کی آگ) کافی نہیں تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے انہتر حصے گرمی کے جہنم میں گرمی زیادہ ہے ہر حصے میں اتنی ہی گرمی ہے۔(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2665)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
اور آپ ان کو خوشخبری دیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، کہ ان کے لئے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا، (صورت دیکھ کر) کہیں گے، یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور وہ (صورت میں) ملتا جلتا انہیں دیا گیا اور ان کے لئے ان باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایمان اور نیک اعمال والوں کیلئے جنت کی خوشخبری کا بیان

"وَبَشِّرْ" اَخْبِرْ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" صَدَّقُوْا بِاللّٰهِ "وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" مِنَ الْفُرُوض وَالنَّوَافِل "اَنَّ" اَیْ

بِاَنَّ "لَهُمْ جَنّٰت" حَدَائِق ذَات اَشْجَار وَمَسَاكِن "تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا" اَیْ تَحْت اَشْجَارِهَا وَقُصُوْرِهَا "الْاَنْهَار" اَیْ الْمِيَاه فِيْهَا وَالنَّهْر الْمَوْضِع الَّذِیْ يَجْرِیْ فِيْهِ الْمَاء لِاَنَّ الْمَاء يَنْهَرُهُ اَیْ يَحْفِرُهُ وَاِسْنَاد الْجَرْیِ اِلَيْهِ مَجَاز "كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا" اُطْعِمُوْا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّات . "مِنْ ثَمَرَة رِزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ" اَیْ مِثْل مَا "رُزِقْنَا مِنْ قَبْل" اَیْ قَبْله فِی الْجَنَّة لِتَشَابُهِ ثِمَارِهَا بِقَرِيْنَةِ "وَاُتُوْا بِهٖ" اَیْ جِيْئُوْا بِالرِّزْقِ "مُتَشَابِهًا" يُشْبِه بَعْضه بَعْضًا لَوْنًا وَيَخْتَلِف طَعْمًا "وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاج" مِنَ الْحُوْر وَغَيْرِهَا "مُطَهَّرَة" مِنَ الْحَيْض وَكُلّ قَذَر "وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ" مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَا يَفْنَوْنَ وَلَا يَخْرُجُوْنَ . وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْيَهُوْد لَمَّا ضَرَبَ اللّٰه الْمَثَل بِالذُّبَابِ فِیْ قَوْله : (وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَاب شَيْئًا وَّالْعَنْكَبُوْت فِیْ قَوْله : (كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْت مَا اَرَادَ اللّٰه بِذِكْرِ هٰذِهِ الْاَشْيَاء ؟ الْخَسِيْسَة فَاَنْزَلَ اللّٰه،

اورآپ ﷺ ان کوخوشخبری یعنی خبردیں جوایمان لائے یعنی اللہ کی تصدیق کی اوراچھے کام یعنی فرائض ونوافل ادا کیے یعنی کہ ان کے لئے باغات یعنی ایسے باغات جن میں درخت اور سکون کی جگہیں ہیں، جن کے نیچے یعنی ان درختوں اورمحلات کے نیچے نہریں جن میں پانی ہے جاری ہیں۔اورنہراس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جاری ہوتا ہے کیونکہ پانی نہرکھودتا ہے۔اور یہاں اسناد جاری یہ مجازی ہے۔جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا، (صورت دیکھ کر) کہیں گے، یہ تو وہی رزق ہے جوہمیں پہلے ملا تھا یعنی جنت کا پھل مشابہ ہوگا اس قرینے کی وجہ سے ''وَاُتُوْا بِهٖ' یعنی جب لایا جائے گا رزق، متشابہا اوروہ (صورت میں) ملتا جلتا انہیں دیا گیا یعنی ایک دوسرے سے رنگ ملتے ہوں گے اورذائقہ مختلف ہوگا۔اوران کے لئے ان باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں یعنی حوروغیرہ سے پاک یعنی حیض اور ہرنجاست سے پاک ہوں گی اوروہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔یعنی ہمیشہ ٹھہریں گے وہ فنا نہ ہوں گے اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔اوراللہ تعالیٰ نے یہود کے قول لَمَّا ضَرَبَ اللّٰه الْمَثَل بِالذُّبَاب کواس قول ’وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَاب شَيْئًا وَّالْعَنْكَبُوْت '' کواس قول ’كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْت مَا اَرَادَ اللّٰه بِذِكْرِ هٰذِهِ الْاَشْيَاء'' کے ساتھ رد فرمایا پس اس نے یہ آیت نازل فرمائی، (جوآیت نمبر۲۶آرہی ہے)

بہ " کی ضمیر "رزقا" کی طرف لوٹتی ہے اور "متشابہا" کا مطلب ایک جیسا ہونا ہے اور یہ اس ضمیر کے لئے حال واقع ہوا ہے تو مطلب یہ ہوا: بہشت کا رزق مومنین کے پاس لایا جائے گا در آن حالانکہ یہ رزق ایک دوسرے کے مشابہ ہوگا البتہ یہ مفہوم اس بنا پر ہے اگر جملہ ''اتوا بہ''مستانفہ بیانیہ ہو۔

خلود کے مفہوم کا بیان

خُلُوْد کے معنی ہمیشگی کے ہیں۔اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے اورخوش رہیں گے اوراہل دوزخ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے اورمبتلائے عذاب رہیں گے۔

حدیث میں ہے جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اے جنتیو اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔ (صحیح مسلم)

جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے (ایسی ایسی چیزیں) تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ) 32۔السجدہ:17) سو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ جو نعمتیں ان کے لئے چھپا رکھی ہیں ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2632)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے سائے میں چلنے والا سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2636)

جنت میں اللہ کی خوشی و رضا کے ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جنت والوں سے فرمائے گا اے جنت والو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور نیک بختی اور بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے پھر اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے ہو جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ہم کیوں راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے جو نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں وہ نعمتیں تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں پھر اللہ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان نعمتوں سے بھی بڑھ کر اور نعمت عطا نہ کروں جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی پھر اللہ فرمائے گا میں تم سے اپنی رضا اور خوشی کا اعلان کرتا ہوں اب اس کے بعد سے میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2640)

جنت میں چلنے والی ہوا سے اہل جنت کے حسن میں اضافے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک ایسا بازار ہے کہ جس میں جنتی لوگ ہر جمعہ کو آیا کریں گے پھر شمالی ہوا چلائی جائے گی جو کہ وہاں کا گرد و غبار (جو کہ مشک و زعفران کی صورت میں ہوگا) جنتیوں کے چہروں اور ان کے کپڑوں پر اڑا کر ڈال دے گی جس سے جنتیوں کے حسن و جمال میں اور اضافہ ہو جائے گا پھر جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے اس حال میں کہ ان کے حسن و جمال میں اور اضافہ ہو چکا ہوگا تو وہ کہیں گے کہ ہمارے بعد تو تمہارے حسن و جمال میں اور اضافہ ہو گیا ہے وہ کہیں گے اللہ کی قسم ہمارے بعد تمہارے حسن و جمال میں بھی تو اور اضافہ ہو گیا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2646)

چاند کی طرح چمکتے چہروں والے اہل جنت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں جو گروہ سب سے پہلے داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی اور اس گروہ کے بعد جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان کی صورتیں انتہائی چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح ہوں گی وہ نہ پیشاب کریں گے اور نہ پاخانہ اور نہ تھوکیں گے اور نہ ناک صاف کریں گے اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا پسینہ مشک ہوگا اور ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگ رہا ہوگا اور ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی ہوں گی اور ان سب کے اخلاق ایک جیسے ہوں گے اور وہ سب اپنے باپ آدم کی صورت پر ہوں گے اور ان کا قد آسمان میں ساٹھ ہاتھ کا ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2649)

جنت میں بیماریاں نہ ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آواز دینے والا آواز دے گا (اے جنت والو) کہ تمہارے لئے (یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ) تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔

اور تم آرام میں رہو گے تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے اعمال کے بدلہ میں اس جنت کے وارث ہوئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2657)

اہل جنت کے کھانے پینے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اہل جنت جنت میں کھائیں پییں گے۔ اور نہ تھوکیں گے اور نہ بول و براز کریں گے۔ اور بلغم سے پاک ہوں گے۔ "صحابہ کرام نے کہا: ان کا کھانا کہاں جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا کھانا محض ایک ڈکار ہوگا اور پسینہ ہوگا جس سے کستوری کی خوشبو آئیگی۔ انہیں تسبیح و تحمید کا الہام کیا جائے گا جیسا کہ تمھیں سانس کا الہام کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، بے شک اہل جنت میں سے ایک شخص جنت کے مشروبات میں سے کچھ پینا چاہیگا تو ایک جگ خود بخود اس کے ہاتھ میں آجائے گا۔ جب وہ پی لیگا تو پھر وہ خود اپنی جگہ پر واپس لوٹ جائے گا۔ (رواہ ابن أبی الدنیا)

اسی طرح وہ کہتے ہیں: "بیشک اہل جنت میں سے ایک آدمی جنت کے پرندوں میں سے کسی پرندے کی خواہش کریگا تو وہ خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھونا ہوا اس کے سامنے آجائے گا۔ (رواہ ابن أبی الدنیا)

اہل جنت کیلئے پاکیزہ بیویاں ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔ اور ہم نے انہیں کنواریاں بنا دیا ہے، محبت والی اور ہم

عمر ہیں۔ دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں فرمان الٰہی (فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا) ہم نے انہیں کنواریاں بنادیا ہے، کے متعلق ذکر کیا ہے کہ دنیا میں بوڑھی خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ از سرِ نو پیدا کریگا اور جب بھی ان کے خاوندان کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں ہر مرتبہ کنواریاں ہی پائیں گے۔

جبکہ حافظ ابن کثیر فرمان الٰہی: (إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً) کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے انہیں جب دوسری مرتبہ پیدا کیا تو وہ بڑھاپے سے جوانی کو لوٹ آئیں، پھر وہ کنواری بن گئیں۔ اور وہ اپنے خاوندوں کو نہایت محبوب ہوں گی، ان کی فرمانبردار اور خوبصورت گفتگو کرنے والی ہوں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور اگر اہل جنت کی ایک عورت اہل زمیں پر جھانک لے تو وہ زمین وآسمان کے درمیان پورے خلا کو روشنی اور خوشبو سے بھر دے۔ اور اس کے سر کا دوپٹہ پوری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، ۲۷۹۶)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اہل جنت میں سے ہر ایک کے لیے موٹی آنکھوں والی حوروں سے دو بیویاں ہوں گی۔ ہر بیوی پر ستر زیورات ہوں گے۔ اور اس کی پنڈلیوں کا گودا اس کے گوشت اور زیورات کے پیچھے سے نظر آرہا ہوگا جیسا کہ سرخ رنگ کا مشروب سفید شیشے میں نظر آتا ہے۔ (أخرجہ الطبرانی)

اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کے لیے سب سے بڑا انعام ہوگا

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں گے تو اعلان کرنے والا اعلان کریگا: اے اہل جنت! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا جسے وہ اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہیں گے: وہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے ترازو بھاری نہیں کیے؟ اور کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ اور کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور کیا اس نے ہمیں جہنم سے نجات نہیں دے دی؟ یعنی ان نعمتوں کے بعد اب اور کون سا وعدہ باقی رہ گیا ہے؟ پھر اچانک پردہ ہٹایا جائے گا۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی ایسی چیز نہیں دی ہوگی جو انہیں اس کے دیدار سے زیادہ محبوب ہوگی اور جس سے ان کی آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ "یعنی جنت میں دیدار الٰہی انہیں جنت کی دیگر تمام نعمتوں کی نسبت زیادہ محبوب ہوگا اور اس سے ان کی آنکھوں کو سب سے زیادہ ٹھنڈک نصیب ہوگی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ "جو لوگ نیک عمل کریں انہیں جنت ملے گی اور اس کے علاوہ اللہ کا دیدار بھی نصیب ہوگا۔ (رواہ مسلم والترمذی والنسائی، واللفظ لأحمد وابن ماجہ، صحیح الجامع ۵۲۱)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ
يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ
بیشک اللہ اس بات سے استحیاء نہیں فرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس
سے بھی بڑھ کر ہو، تو جو لوگ ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق (کی نشاندہی) ہے، اور
جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ (اسے سن کر یہ) کہتے ہیں کہ ایسی تمثیل سے اللہ کو کیا سروکار؟ (اس طرح) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے
بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو نافرمان ہیں۔

کسی طرح کی بھی مثال کو بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کے بے نیاز ہونے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ" يَجْعَل "مَثَلًا" مَفْعُول اَوَّل "مَا" نَكِرَة مَوْصُوْفَة بِمَا بَعْدَهَا مَفْعُول ثَانٍ اَيّ مَثَل كَانَ اَوْ زَائِدَة لِتَاْكِيدِ الْخِسَّة فَمَا بَعْدَهَا الْمَفْعُول الثَّانِيْ "بَعُوْضَة" مُفْرَد الْبَعُوض وَهُوَ صِغَار الْبَق "فَمَا فَوْقَهَا" اَيْ اَكْبَر مِنْهَا اَيْ لَا يَتْرُك بَيَانه لِمَا فِيْهِ مِنَ الْحِكَم "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ" اَيْ الْمَثَل "الْحَقّ" الثَّابِت الْوَاقِع مَوْقِعه "مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰه بِهٰذَا مَثَلًا" تَمْيِيز اَيْ بِهٰذَا الْمَثَل وَمَا اسْتِفْهَام اِنْكَار مُبْتَدَاٌ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِيْ بِصِلَتِهِ خَبَره اَيْ : اَيّ فَائِدَة فِيْهِ قَالَ تَعَالٰى فِيْ جَوَابهمْ "يُضِلّ بِهٖ" اَيْ بِهٰذَا الْمَثَل "كَثِيْرًا" عَنِ الْحَقّ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ "وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا" مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهٖ "وَمَا يُضِلّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ" الْخَارِجِيْنَ عَنْ طَاعَته،

بیشک اللہ اس بات سے استحیاء نہیں فرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے یعنی یجعل کے معنی میں ضرب کا مفعول اول ہے جبکہ ما نکرہ مابعد کی طرف موصوف ہو کر ضرب کا مفعول ثانی ہے۔ یعنی مثل کان کے معنی میں ہے یا پھر ما زائدہ ہے و تاکید حقارت کیلئے ہے۔ جو مابعد کی جانب مفعول ثانی ہے۔ بعوضہ یہ بعوض کا مفرد ہے اور وہ چھوٹا مچھر ہے یا اس سے او پر یعنی اس سے بڑا یعنی اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا جو اس میں حکم بیان ہوا ہے' تو جو لوگ ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں یعنی اس مثال کے حق ہونے کو جو حق کے ساتھ اپنے موقع پر واقع ہے۔ کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق (کی نشاندہی) ہے، اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ (اسے سن کر یہ) کہتے ہیں کہ ایسی تمثیل سے اللہ کو کیا ارادہ؟ مثلا اس میں تمیز ہے یعنی بهذا المثل اور ما یہ استفہام انکاری مبتداء ہے اور ذا یہ الذی کے معنی میں ہے جو اپنے صلہ کے ساتھ مبتداء کی خبر ہے یعنی اس مثال میں کیا فائدہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا اس طرح اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ یعنی حق سے دور ان کے کفر کے سبب ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو

ہدایت دیتا ہے یعنی اہل ایمان کی تصدیق کی وجہ سے اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو نافرمان ہیں۔یعنی جو اطاعت سے خارج ہیں۔

مچھر کی مثال کو بیان کرنے والی آیت کے سبب نزول کا بیان

ابن عباس ابن مسعود اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیتوں میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں یعنی آگ اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی ایسی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قرآن پاک میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت تو جواباً یہ آیتیں اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ استحیاء نہیں فرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں اتری حالانکہ ایسا نہیں۔

اور بزرگوں سے بھی اس طرح کا شان نزول مروی ہے۔ربیع بن انس فرماتے ہیں یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی۔مچھر جب تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آجاتی ہے

شرع میں فاسق اس نافرمان کو کہتے ہیں جو کبیرہ کا مرتکب ہو۔فسق کے تین درجے ہیں ایک تغابی وہ یہ کہ آدمی اتفاقیہ کسی کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اس کو براہی جانتا رہا،دوسرا انہماک کہ کبیرہ کا عادی ہو گیا اور اس سے بچنے کی پرواہ نہ رہی،تیسرا جحود کہ حرام کو اچھا جان کر ارتکاب کرے اس درجہ والا ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔پہلے دو درجوں میں جب تک اکبر کبائر (شرک وکفر) کا ارتکاب نہ کرے اس پر مومن کا اطلاق ہوتا ہے۔یہاں فاسقین سے وہی نافرمان مراد ہیں جو ایمان سے خارج ہو گئے قرآن کریم میں کفار پر بھی فاسق کا اطلاق ہوا ہے۔(اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ 67)-9التوبہ:67)بعض مفسرین نے یہاں فاسق سے کافر مراد لئے بعض نے منافق بعض نے یہود۔(خزائن العرفان،بقرہ)

الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ
وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝
وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد،اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور
زمین میں فساد پھیلاتے ہیں وہی نقصان میں ہیں۔

اللہ کا عہد توڑنے والوں کے فساد کا بیان

"الَّذِیْنَ" نَعْت "یَنْقُضُونَ عَهْد اللّٰه" مَا عَهِدَهُ اِلَیْهِمْ فِی الْکُتُب مِنْ الْاِیْمَان بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "مِنْ بَعْد مِیْثَاقه" تَوْکِیده عَلَیْهِمْ "وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰه بِهٖ اَنْ یُوْصَل" مِنْ الْاِیْمَان بِالنَّبِیّ

وَالرَّحِمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاَنْ بَدَلٌ مِنْ ضَمِيْرٍ بِهٖ "وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ" بِالْمَعَاصِى وَالتَّعْوِيْقِ عَنِ الْاِيْمَانِ "اُولٰٓئِكَ" الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ "هُمُ الْخَاسِرُوْنَ" لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ،

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں جو کتابوں میں ان سے محمد ﷺ پر ایمان کا عہد لیا گیا پکا ہونے کے بعد، یعنی اس کی تاکید کے بعد اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی نبی کریم ﷺ پر ایمان اور رحم کرنے کے بارے میں وغیرہ اور 'اَنْ يُّوْصَلَ' بہ کی ضمیر سے بدل ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یعنی گناہوں اور ایمان میں رکاوٹ ڈالنے کے سبب سے، وہی یعنی جن کا ذکر ہوا ہے نقصان میں ہیں۔ کیونکہ انہوں دائمی آگ میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہے۔

اس سے وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے کتب سابقہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی نسبت فرمایا ایک قول یہ ہے کہ عہد تین ہیں۔ پہلا عہد وہ جو اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم سے لیا کہ اس کی ربوبیت کا اقرار کریں اس کا بیان اس آیت میں ہے۔

(وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ)-7الاعراف:172)

دوسرا عہد انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے کہ رسالت کی تبلیغ فرمائیں اور دین کی اقامت کریں اس کا بیان آیہ۔

(وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

(۱۷۲-7الاعراف:172) میں ہے۔

تیسرا عہد علماء کے ساتھ خاص ہے کہ حق کو نہ چھپائیں اس کا بیان،

(وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۱۸۷) -3آل عمران:187) میں ہے۔

رشتہ و قرابت کے تعلقات مسلمانوں کی دوستی و محبت تمام انبیاء کا ماننا کتب الٰہی کی تصدیق حق پر جمع ہونا یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ملانے کا حکم فرمایا گیا ان میں قطع کرنا بعض کو بعض سے ناحق جدا کرنا تفرقوں کی بناڈالنا ممنوع فرمایا گیا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا
اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وجود تخلیق کا وجود خالق پر دلیل ہونے کا بیان

"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ" يَا اَهْلَ مَكَّةَ "بِاللّٰهِ" وَقَدْ "كُنْتُمْ اَمْوَاتًا" نُطَفًا فِى الْاَصْلَابِ "فَاَحْيَاكُمْ" فِى

الْاَرْحَامِ وَالدُّنْيَا بِنَفْخِ الرُّوحِ فِيكُمْ وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّعَجُّبِ مِنْ كُفْرِهِمْ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ اَوْ لِلتَّوْبِيخِ "ثُمَّ يُمِيتُكُمْ" عِنْدَ انْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ "ثُمَّ يُحْيِيكُمْ" بِالْبَعْثِ "ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" تُرَدُّونَ بَعْدَ الْبَعْثِ فَيُجَازِيكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَالَ دَلِيلًا عَلَى الْبَعْثِ لِمَا اَنْكَرُوهُ،

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو یعنی اے اہل مکہ اور حالانکہ تم بے جان تھے یعنی اصلاب میں نطفہ تھے۔اس نے تمہیں زندگی بخشی، یعنی رحموں میں اور دنیا میں روح پھونک کر تم میں، اور یہاں استفہام ان کے کفر کے سبب تعجب کیلئے ہے کیونکہ دلیل کے ہونے یا توبیخ کے ہونے کے سبب، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا یعنی تمہاری مدت ختم ہونے کے وقت اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، یعنی دوبارہ اٹھائے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔یعنی بعثت کے بعد لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزاء دے گا۔اور بعث کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کیونکہ انہوں نے اسی کا انکار کیا۔

انسان کی زندگی وموت کے مناظر کا بیان

دلائل توحید ونبوت اور جزائے کفر وایمان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عام وخاص نعمتوں کا اور آثار قدرت وعجائب وحکمت کا ذکر فرمایا اور قباحت کفر دلنشین کرنے کے لئے کفار کو خطاب فرمایا کہ تم کس طرح اللہ کے منکر ہوتے ہو باوجود یہ کہ تمہارا اپنا حال اس پر ایمان لانے کا مقتضی ہے کہ تم مردہ تھے مردہ سے جسم بیجان مراد ہے ہمارے عرف میں بھی بولتے ہیں زمین مردہ ہوگئی عربی میں بھی موت اس معنی میں آئی خود قرآن پاک میں ارشاد ہوا (اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا 17)-57 الحدید:17) تو مطلب یہ ہے کہ تم بے جان جسم تھے عنصر کی صورت میں پھر غذا کی شکل میں پھر اخلاط کی شان میں پھر نطفہ کی حالت میں اس نے تم کو جان دی زندہ فرمایا پھر عمر کی معیار پوری ہونے پر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا اس سے یا قبر کی زندگی مراد ہے جو سوال کے لئے ہوگی یا حشر کی پھر تم حساب وجزا کے لئے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اپنے اس حال کو جان کر تمہارا کفر کرنا نہایت عجیب ہے۔

ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے کہ "كَيْفَ تَكْفُرُونَ " کا خطاب مؤمنین سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم کس طرح کافر ہو سکتے ہو در حالانکہ تم جہل کی موت سے مردہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم وایمان کی زندگی عطا فرمائی اس کے بعد تمہارے لئے وہی موت ہے جو عمر گزرنے کے بعد سب کو آیا کرتی ہے اس کے بعد وہ تمہیں حقیقی دائمی حیات عطا فرمائے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں ایسا ثواب دے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گزرا۔

دو مرتبہ موت ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے آیت (رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ) 40 .غافر:11) اے اللہ دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت (وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا

فَاَحْيَاكُمْ 2۔ البقرة:28) میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا یعنی پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا یعنی موت ایک روز ضرور آئے گی پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے اور قبروں کی طرف جانے کی پھر قیامت کے روز اٹھ کھڑے ہونے کی۔ دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں۔

ابوصالح فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا پھر دنیوی موت ان پر آئی پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝
وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا تو ٹھیک
سات آسمان بنائے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

زمین کے خزانوں اور سات آسمانوں کی تخلیق کا بیان

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ" اَیْ الْاَرْضَ وَمَا فِیْهَا "جَمِیْعًا" لِتَنْتَفِعُوْا بِهٖ وَتَعْتَبِرُوْا "ثُمَّ اسْتَوٰی" بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ اَیْ قَصَدَ "اِلَی السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ" اَلضَّمِیْرُ یَرْجِعُ اِلَی السَّمَاءِ لِاَنَّهَا فِیْ مَعْنَی الْجُمْلَةِ الْاٰیِلَةِ اِلَیْهِ : اَیْ صَیَّرَهَا كَمَا فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی (فَقَضَاهُنَّ "سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" مُجْمَلًا وَّمُفَصَّلًا اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰی خَلْقِ ذٰلِكَ ابْتِدَاءً وَهُوَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ قَادِرٌ عَلٰی اِعَادَتِكُمْ،

وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ یعنی زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب تاکہ تم اس سے فائدہ حاصل کرو اور تم عبرت پاؤ، پھر برابر کیا یعنی زمین کی تخلیق کے بعد یعنی ارادہ کیا تو ٹھیک سات آسمان بنائے، اور ھن کی ضمیر السماء کی جانب لوٹ رہی ہے کیونکہ وہ مایؤل کے اعتبار سے جملہ کے معنی میں ہے۔ یعنی اس کو بنا دیا جس طرح دوسری آیت میں ہے۔ "فَقَضَاهُنَّ "سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ' وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اجمالی طور پر اور تفصیلی طور کیا تم عبرت حاصل نہ کرو گے کہ جس طرح وہ ابتدائی طور پر تم کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تم سے بہت زیادہ عظیم ہے کہ وہ تم کو دوبارہ لوٹائے۔ (یعنی دوبارہ پیدا کرنا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے، دلیل بیان ہوئی ہے)

استواء کے معانی و محل کا بیان

"استوا" یہاں قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ "الی" ہے "سواھن" کے معنی درست کرنے

اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں۔ اسم جنس ہے۔

سوی" کا مصدر تسویہ ہے جسکا معنی ہے اعتدال کو وجود میں لانا۔ آیہ کریمہ میں یہ فعل دو مفعول کے ساتھ آیا ہے ایک "ھن" اور دوسرا" سبع سماوات" اس اعتبار سے اسکا معنی تصیر (ہونا) بنتا ہے جس میں تبدیل کا مفہوم بھی موجود ہے تو پس معنی یہ بنا : اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اعتدال میں قرار دیا اور (پھر) اس کو سات آسمانوں میں تبدیل کر دیا۔

ثم کے عطف کا عطف خبر ہونے کا بیان

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں "ثم" صرف عطف خبر کے لئے ہے عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے اشعار میں یہ موجود ہے کہ کہیں "ثم" صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت "ء انتم" میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔

زمین و آسمان اور پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اس کے خلا کو بلند کر کے اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کئے پھر اس کے بعد زمین پھیلائی اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔

تو ٹھیک یہ ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا اس طرح دونوں آیتیں ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں گی۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اس کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں اتوار اور پیر کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے آیت، ن والقلم،، مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتے پتھر پر زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور وہ ٹھہر گئی۔

مخلوقات کی پیدائش کے ایام کا بیان

صحیح مسلم اور نسائی کی حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، برائیوں کو منگل کے دن نور کو، بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن، آدم کو جمعہ کے دن اور عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک

ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ
فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○
اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا: کیا تُو
زمین میں کسی ایسے شخص کو (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی کرے گا اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد
کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں، فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرشتوں کے سامنے اعلانِ خلافت آدم علیہ السلام کا بیان

وَاذْكُرْ یَا مُحَمَّدُ اِذْ "قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" یَخْلُفُنِیْ فِیْ تَنْفِیْذِ اَحْكَامِیْ فِیْهَا وَهُوَ اٰدَمُ "قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا" بِالْمَعَاصِیْ "وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ" یُرِیْقُهَا بِالْقَتْلِ كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِّ وَكَانُوْا فِیْهَا فَلَمَّا اَفْسَدُوْا اَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَطَرَدُوْهُمْ اِلَی الْجَزَائِرِ وَالْجِبَالِ "وَنَحْنُ نُسَبِّحُ" مُتَلَبِّسِیْنَ "بِحَمْدِكَ" اَیْ نَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ "وَنُقَدِّسُ لَكَ" نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِكَ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ اَیْ فَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْاِسْتِخْلَافِ قَالَ تَعَالٰی "اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِیْ اسْتِخْلَافِ اٰدَمَ وَاَنَّ ذُرِّیَّتَهُ فِیْهِمُ الْمُطِیْعُ وَالْعَاصِیْ فَیَظْهَرُ الْعَدْلُ بَیْنَهُمْ فَقَالُوْا لَنْ یَّخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَیْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ لِسَبْقِنَا لَهُ وَرُؤْیَتِنَا مَا لَمْ یَرَهُ فَخَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی اٰدَمَ مِنْ اَدِیْمِ الْاَرْضِ اَیْ وَجْهِهَا بِاَنْ قَبَضَ مِنْهَا قَبْضَةً مِنْ جَمِیْعِ اَلْوَانِهَا وَعُجِنَتْ بِالْمِیَاهِ الْمُخْتَلِفَةِ وَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِیْهِ الرُّوْحَ فَصَارَ حَیَوَانًا حَسَّاسًا بَعْدَ اَنْ كَانَ جَمَادًا،

اور یاد کیجئے یا محمد ﷺ جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، یعنی وہ میرے احکام میں میرا نائب ہوگا۔ اور وہ آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا تُو زمین میں کسی ایسے شخص کو (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی کرے گا یعنی معصیت کے ساتھ اور قتل کے ذریعے خونریزی کرے گا؟ جس طرح جنوں کی اولاد نے کیا جب وہ یہاں دنیا میں تھے۔ پس جب انہوں نے فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا پس انہوں نے ان کو جزائر اور پہاڑوں کی جانب نکال بھیجا۔ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں، یعنی وہ پاکی جو تیری شان کے لائق ہے۔ لک میں لام زائدہ ہے اور یہ جملہ حالیہ ہے یعنی ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی خلافت کو اور ان کی اولاد میں اطاعت و معصیت کو جانتا ہے۔ پس ان کے درمیان عدل کا ظہور ہوگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے مکرم مخلوق ہرگز پیدا نہ کرے کیونکہ اس سے پہلے جو ہم نے دیکھا وہ اور کسی نے نہیں دیکھا۔ پس اللہ

تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا یعنی اس طرح کہ زمین میں سے ہر رنگ کی ایک مٹھی مٹی لی اور اس کو مختلف پانیوں سے گوندھا اور اس کو برابر کیا اور اس میں روح کر پھونک دیا تو وہ بے جان جماد ہونے کے بعد ایک حساس چیز بن گئی

تسبیح کو خاص کرنے کا بیان

یسفك " کا مصدر "سفک " ہے جسکا معنی گرانا ہے یہ جملہ "من یسفك الدمآء "وہ جو خون گرائے گا" اس طرف کنایہ ہے کہ بہت زیادہ قتل وغارت گری ہوگی۔

" لک "نقدس کے علاوہ نسبح سے بھی متعلق ہے" لک " کے لام سے خلوص کا معنی نکلتا ہے یعنی: نقدس لك لا لغيرك، بحمدک "میں باء کا معنی مصاحبت ہے اور استعانت بھی ہوسکتا ہے۔ مذکورہ بالا معنی پہلے احتمال کی بنا پر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا بیان

خلیفہ احکام واوامر کے اجراء ودیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے یہاں خلیفہ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اگرچہ اور تمام انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔

(یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ)-38ص:26)

فرشتوں کو خلافت آدم کی خبر اس لئے دی گئی کہ وہ ان کے خلیفہ بنائے جانے کی حکمت دریافت کرکے معلوم کرلیں اور ان پر خلیفہ کی عظمت وشان ظاہر ہو کہ ان کو پیدائش سے قبل ہی خلیفہ کا لقب عطا ہوا اور آسمان والوں کو ان کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ٥
اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کرکے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ

حضرت آدم علیہ السلام کیلئے علم کلی ہونے کا بیان

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ " اَیْ اَسمَاء الْمُسَمَّیَات "كُلَّهَا" بِاَنْ اَلْقَی فِیْ قَلْبه عِلْمهَا "ثُمَّ عَرَضَهُمْ" اَیْ الْمُسَمَّیَات وَفِیْهِ تَغْلِیب الْعُقَلَاء "عَلَى الْمَلَائِكَة فَقَالَ" لَهُمْ تَبْكِیتًا "اَنْبِئُوْنِی" اَخْبِرُوْنِی "بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ" الْمُسَمَّیَات "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" فِیْ اَنِّی لَا اَخْلُق اَعْلَم مِنْكُمْ اَوْ اَنَّكُمْ اَحَقّ بِالْخِلَافَةِ وَجَوَاب الشَّرْط دَلَّ عَلَیْهِ مَا قَبْله،

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے یعنی ان کا علم آپ کے مبارک دل میں ڈال دیا۔ پھر سب اشیاء یعنی جن کے نام بتائے گئے اور اس میں ھم ضمیر جمع کی اس لئے لائے ہیں کہ اہل عقل کو غلبہ دینا ہے۔ تو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم مجھے بتاؤ ان سب چیزوں کے نام، اگر تم سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ یعنی میں تم سے زیادہ جاننے والے کو پیدا نہ کروں گا یا تم خلافت کے زیادہ حقدار ہو؟ اور یہاں جواب شرط کی دلیل اس کے ماقبل پر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی صفت علم کے سبب اظہار فضلیت کا بیان

یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن اللہ کی جو حکمت آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گزرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے واقعہ ہوا تھا بعد میں بیان کر دیا تا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم کو اس لئے ملی کہ انہیں وہ علم حاصل ہے جس سے فرشتے خالی ہیں، فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانوروں، زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، برتن، چرند، فرشتے، تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام بتائے گئے۔

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد عرضھم آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے ہی لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے آیت (وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ) 24۔ النور: 45) اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔ علاوہ ازیں عرضھن بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں عرضھا بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی، جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔ (تفسیر ابن جریر طبری، بقرہ)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝
وہ بولے کہ پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

فرشتوں کا علم سے عجز اختیار کرنے کا بیان

"قَالُوْا سُبْحَانَكَ" تَنْزِيهًا لَّكَ عَنِ الِاعْتِرَاضِ عَلَيْكَ "لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" اِيَّاهُ "اِنَّكَ اَنْتَ" تَاكِيد

لِلْکَافِ "اَلْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ" اَلَّذِیْ لَا یَخْرُجُ شَیْءٌ عَنْ عِلْمِہٖ وَحِکْمَتِہٖ،

وہ بولے کہ پاکی ہے تجھے یعنی تو اعتراض سے پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، انک انت میں انت کاف کی تاکید کیلئے ہے' تو ہی علم وحکمت والا ہے۔ یعنی وہ ذات جس کے علم وحکمت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرما دیا اور یہ علم ان کے دل میں بلاواسطہ کلام القاء کر دیا کیونکہ بدون اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مزکورہ کا سوال کیا گیا اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام واحوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز وقصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ سے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم وحکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ
غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝
اللہ نے فرمایا، اے آدم، (اب تم) انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو، پس جب آدم (علیہ السلام) نے انہیں
ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا تو (اللہ نے) فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی
(سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

آدم علیہ السلام کا فرشتوں کے سامنے ظاہری اور غیب کے علوم بتانے کا بیان

قَالَ "تَعَالٰی "یَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ" اَیِ الْمَلَائِکَةَ "بِاَسْمَائِهِمْ" اَلْمُسَمَّیَاتِ فَسَمّٰی کُلَّ شَیْءٍ بِاسْمِهٖ وَذَکَرَ حِکْمَتَهُ الَّتِیْ خُلِقَ لَهَا "فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ قَالَ" تَعَالٰی لَهُمْ مُوَبِّخًا "اَلَمْ اَقُلْ لَکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ" مَا غَابَ فِیْهِمَا "وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ" مَا تُظْهِرُوْنَ مِنْ قَوْلِکُمْ اَتَجْعَلُ فِیْهَا اِلَخْ "وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ" تُسِرُّوْنَ مِنْ قَوْلِکُمْ لَنْ یَّخْلُقَ اَکْرَمَ عَلَیْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ،

اللہ نے فرمایا، اے آدم! اب تم انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو، یعنی جو نام ان چیزوں کے رکھے گئے ہیں۔ اوران کی حکمتوں کو بیان کردو جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ پس جب آدم (علیہ السلام) نے انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا تو اللہ نے بہ طور توبیخ فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یعنی تمہارے اس قول اَتجعل فیھا سے ظاہر ہے اور جو تم چھپاتے ہو۔ یعنی وہ قول جو تم چھپاتے ہو، جیسے لَنْ یَّخْلُقَ اَکْرَمَ عَلَیْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ،

زمین وآسمان کے غیب کے مصداق کا بیان

"الم اقل کیا میں نے تمھیں نہ کہا تھا کہ زمین واسمانوں کے غیب سے میں واقف ہوں" ظاہراً یہ جملہ اس جملے "إنّی أعلم " کی تفصیل ہے جو آیت 30 کے ذیل میں ایا ہے پس "مالا تعلمون " سے مراد آسمانوں اور زمین کا غیب ہے اور "إنّی أعلم مالا تعلمون " کے بعد "وعلّم ادم ' کا آنا اس طرف اشارہ ہے کہ جو نام حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دیئے گئے وہ "مالاتعلمون " کا مصداق ہیں اس گفتگو کی روشنی میں "الاسماء" سے مراد آسمانوں اور زمین کا غیب ہے۔

کلام عرب میں واحد یا جمع کیلئے بعض اوقات ایک صیغہ لانے کا بیان

امام ابن جریر فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباس کا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر وباطن کا علم مجھے ہے ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب وغرور کو بھی جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے وہ کہتے ہیں کہ لشکر مارڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔

بنوتمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حجرے کے آگے سے پکارا تھا لیکن قرآن میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ) 49۔ الحجرات:4) جولوگ تمہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجروں کے آگے سے پکارتے ہیں تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔

اسی طرح آیت (وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ) 2 . البقرۃ:72) میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔ (تفسیر ابن جریر، طبری)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ○
اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ نہ کرنے کی وجہ شیطان کے کفر کا بیان

وَ " اُذْكُرْ " اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اُسْجُدُوْا لِ اٰدَم " سُجُود تَحِيَّة بِالِانْحِنَاءِ "فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْس " هُوَ اَبُو الْجِنّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَة "اَبٰى" اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُود "وَاسْتَكْبَرَ" تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ : اَنَا خَيْر مِنْهُ "وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" فِيْ عِلْم اللّٰه،

اور یاد کریں جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو یعنی تعظیم کے ساتھ جھک جاؤ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس جو ابوالجن فرشتوں کے درمیان ہے وہ منکر ہوا یعنی وہ سجدہ کرنے رک گیا اور غرور کیا یعنی سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور کہنے لگا کہ میں ان

سے بہتر ہوں اور کافر ہو گیا۔ یعنی اللہ کے علم میں وہ کافر ہے۔

تعظیم نبوت نہ کرنے کے سبب شیطان بننے کا بیان

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا زمین اور آسمان دونوں کا سلطان تھا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں۔ ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم کی اصل انس سے ہے اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور شہر بن حوشب کا بھی یہی قول ہے۔ سعد بن مسعود کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے پھر دوسری مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے۔

ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر وضلالت پر تھی کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت واکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھالیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔ اگلی امتوں میں سجدہ تعظیم جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔ امام رازی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ)

جنوں کی اقسام اور صفات کا بیان

جنوں کا قصہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش نور کے بجائے نار یا آگ سے ہوئی ہے۔ جو نور سے بہر حال کم تر لطیف چیز ہے۔ پھر لطافت اور صفات کے لحاظ سے ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ کچھ ایسے جن ہیں جو آدمیوں کی بستیوں میں رہتے ہیں۔ انہیں عامر کہتے

ہیں۔ انہیں میں سے ایک قسم ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگی رہتی اور اسے برے کاموں پر اکساتی اور وسوسے ڈالتی رہتی ہے۔ اسے ہماری زبان میں ہمزاد کہتے ہیں۔ اس قسم کو شیطان کہتے ہیں۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ پھر کچھ ایسے جن ہیں جو لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں۔

ان کو اہل عرب ارواح کہتے ہیں اور ہم بھوت پریت یا آسیب کہتے ہیں اور جو جنگل میں آواز دیتے اور چیختے چلاتے ہیں ان کو ہاتف کہتے ہیں اور جو مسافروں کو بھولی ہوئی راہ بتا دیتے ہیں ان کو رجال الغیب کہتے ہیں اور کبھی جنگل میں مشعل سی دکھائی دیتی ہے ان کو شہابہ کہتے ہیں۔

جن بھی انسان کی طرح مکلف مخلوق ہے یعنی ان کی فطرت میں خیر وشر دونوں چیزیں موجود ہیں۔ ان میں کچھ جن صالح اور ایماندار ہیں اور اکثر شریر اور بدکردار ہیں۔ ان کو شیطان کہتے ہیں اور جو بہت زیادہ سرکش ہوں ان کو مارد کہتے ہیں اور جسامت کے لحاظ سے جو بہت عظیم الجثہ اور طاقتور ہوں انہیں عفریت کہتے ہیں۔

جنوں میں لطیف تر وہ جن ہیں جن کی رسائی آسمانی دنیا تک بھی ہو سکتی ہے اور کثیف وہ ہیں جو زمین پر ہی رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ابلیس ایک صالح اور عبادت گزار جن تھا جو ملائکہ ارضیہ کے ساتھ گھلا ملا رہتا تھا۔ جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو آدم علیہ السلام سے رقابت کی بنا پر اس کے شر کی رگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس کی انا نے گوارا نہ کیا۔ کہ ایک ارضی مخلوق کی برتری تسلیم کرے، اور یہی انا اور تکبر اسے لے ڈوبا، اور چونکہ جنوں میں بھی توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ لہٰذا ابلیس کی اور پھر اس کی اولاد کی پہلے دن سے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد سے ٹھن گئی، اور چونکہ اس سجدہ آدم کے مقابلہ میں ابلیس نے ایک صالح جن کا کردار ادا نہیں کیا تھا بلکہ شیطان جن کا کیا تھا۔ لہٰذا قرآن میں ابلیس کو ہی کئی مقامات پر شیطان کہا گیا ہے۔

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○
اور ہم نے حکم دیا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہائش رکھو اور تم دونوں اس میں سے جو چاہو، جہاں سے
چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں (شامل) ہو جاؤ گے۔

آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے منع کرنے کا بیان

"وَقُلْنَا یَا اٰدَمُ اُسْكُنْ اَنْتَ" تَاْكِیْد لِلضَّمِیْرِ الْمُسْتَتِرِ لِیَعْطِف عَلَیْهِ "وَزَوْجُكَ" حَوَّاء بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعه الْاَیْسَر "الْجَنَّة وَكُلَا مِنْهَا" اَكْلًا "رَغَدًا" وَاسِعًا لَا حَجْر فِیْهِ "حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَة" بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَة اَوْ الْكَرْم اَوْ غَیْرهمَا "فَتَكُوْنَا" فَتَصِیْرَا "مِنَ الظَّالِمِیْنَ" الْعَاصِیْنَ

اور ہم نے حکم دیا: اے آدم، تم "انت ضمیر مستتر برائے تاکید ہے جس پر زوجک کا عطف ڈالا گیا ہے، اور تمہاری بیوی یعنی حواء، مد کے ساتھ پڑھائے، اور جن کو بائیں پسلی دے پیدا کیا گیا۔ اس جنت میں رہائش رکھو اور تم دونوں اس میں سے جو چاہو، جہاں سے چاہو کھانا کھاؤ، یعنی اس وسعت کے ساتھ کھاؤ کہ جس میں کوئی ممانعت نہیں ہے مگر اس درخت کے قریب نہ جانا یعنی اس سے نہ کھانا اور وہ گندم یا انگور وغیرہ ہے۔ ورنہ حد سے بڑھنے والوں یعنی عاصین میں شامل ہو جاؤ گے۔

"رغد" کا معنی ہے خیر و برکت سے پُر، پاک اور جس میں آرام و آسائش ہو۔ یہ لفظ "رغداً" ضمیر "منھا" کے لئے حال واقع ہوا ہے یعنی بہشت سے استفادہ کرو دراں حالانکہ یہ بہشت خیر و برکت، آرام و آسائش سے مالا مال ہے۔

انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں

عصمت کا مطلب ہے گناہوں سے معصوم ہونا، اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے، وہ ظاہر و باطن قلب و قالب روح و جسد ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے وہ ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضاء و مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتی ہیں ردائے عصمت اس کے زیب تن ہوتی ہے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر دم اس کی نگرانی کرتی ہے اس کی ہر حرکت و سکون پر حفاظتِ خداوندی کا پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ نفس و شیطان کے تسلط و استیلاء سے بالاتر ہوتا ہے ایسی شخصیت سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن اور منطقی اصطلاح میں محال و ممتنع ہے اسی کا نام عصمت ہے اور ایسی ہستی کو معصوم کہا جاتا ہے عصمت لازمہء نبوت ہے۔

چونکہ نبوت کے لئے حق تعالیٰ جل ذکرہ خود ایک ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے، ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم محیط نبوت و رسالت کے لئے کسی شخصیت کو منتخب کرے گا تو اس میں کسی نقص کے احتمال کی گنجائش نہیں رہ جاتی اس منصب کے لئے جس مقدس ہستی پر حق تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑے گی اور جسے تمام انسانوں سے چھانٹ کر اس عہدہ کے لئے چنا جائے گا وہ اپنے دور کی کامل ترین جامع ترین اعلیٰ ترین اور موزوں ترین شخصیت ہوگی۔

مزید نبوت و رسالت محض عطیہء الٰہی ہے کسب و اکتساب سے اس کا تعلق نہیں کہ محنت و مجاہدہ اور ریاضت و مشقت سے حاصل ہو جائے دنیا کا ہر کمال محنت و مجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن نبوت و رسالت حق تعالیٰ کا اجتبائی عطیہ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ تصریحات موجود ہیں۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً و من الناس (الحج) یعنی اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغامبر اور انسانوں سے

اگر ہم ایک منٹ کے لیے نبوت سے عصمت کو جدا کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ عین اس وقت نبی کی حیثیت ایک ایسی شخصیت کی نہیں ہوتی جو امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہو اور جسے امین و مامون قرار دیا گیا ہو اس وقت اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی ہو گی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہئے کہ: عین اس حالت میں جبکہ نبی سے عصمت اٹھالی جاتی ہے وہ نبوت اور لوازم نبوت سے

موصوف نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ اگر یہ غلط منطق تسلیم کرلی جائے تو سارا دین ختم ہو جاتا ہے۔ نبی اور رسول کی ہر بات معاذ اللہ مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قول وعمل اور تلقین وتعلیم قابل اعتماد نہیں رہتی۔

ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو بے محل وضع کرنا یہ ممنوع ہے اور انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا یہاں ظلم خلاف اولی کے معنی میں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ظالم کہنا اہانت وکفر ہے جو کہے وہ کافر ہو جائے گا اللہ تعالیٰ مالک ومولیٰ ہے جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کلمہ زبان پر لائے اور خطاب حضرت حق کو اپنی جرأت کے لئے سند بنائے ،ہمیں تعظیم و توقیر اور ادب وطاعت کا حکم فرمایا ہم پر یہی لازم ہے۔ (خزائن العرفان، بقرہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کفر، شرک اور عمداً گناہ کبیرہ سے اور صغائر پر اِصرار کرنے سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو تین طریقوں سے ان نقائص سے بچاتا اور معصوم رکھتا ہے۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدائشی طور پر ہی سلیم الفطرت اور اخلاق کے کامل اعتدال پر پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ معاصی میں رغبت نہیں کرتے بلکہ ان سے متنفر ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی نازل کرتا ہے کہ معاصی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہوگی اور طاعات اور نیکیوں پر اچھا بدلہ دیا جائے گا اور یہ وحی ان کیلئے گناہوں اور معاصی سے روکنے کا باعث ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کے درمیان اور معاصی کے درمیان اللہ تعالیٰ کسی لطیفہ غیبیہ کے ذریعے حائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کو دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے ظاہر کیا گیا۔ (العقیدۃ الحسنۃ، جامع البیان الازہر)

حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق کا بیان مجاہد بن جبر مخزومی تابعی

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ حضرت ابن عباس ابن مسعود وغیرہ صحابہ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی۔ لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے، انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہو تو فوراً فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا "حوا" انہوں نے کہا اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی، اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں با آرام واطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ہند میں نازل ہونے کا بیان

حضرت سدی کا قول ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے، آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے جو ہند میں پھیلا

دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ہند کے شہر "دھنا" میں اترے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے۔حسن بصری فرماتے ہیں حضرت آدم ہند میں اور مائی حواہ جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دست میساں میں پھینکا گیا اور سانپ اصفہان میں اترا۔

حضرت ابن عمر کا قول ہے کہ حضرت آدم صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا۔حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صنعتیں سکھادیں اور پھلوں کا توشہ دیا۔ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے،اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے،اسی میں جنت میں داخل کئے گئے۔اور اسی دن نکالے گئے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○
پس شیطان نے اس سے (یعنی جنت سے) انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کردیا اور ہم نے
فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔

لغزش میں آنے والے انسانوں کا ایک دوسرے کا دشمن ہونے کا بیان

"فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَان" اِبْلِيس اَذْهَبَهُمَا وَفِيْ قِرَاءَة فَاَزَالَهُمَا نَحَّاهُمَا "عَنْهَا" اَيْ الْجَنَّة بِاَنْ قَالَ لَهُمَا : هَلْ اَدُلُّكُمَا عَلٰى شَجَرَة الْخُلْد وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَهُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ فَاَكَلَا مِنْهَا "فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ" مِنَ النَّعِيم "وَقُلْنَا اهْبِطُوا" اِلَى الْاَرْض اَيْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتكُمَا "بَعْضكُمْ" بَعْض الذُّرِّيَّة "لِبَعْضٍ عَدُوّ" مِنْ ظُلْم بَعْضكُمْ بَعْضًا "وَلَكُمْ فِي الْاَرْض مُسْتَقَرّ" مَوْضِع قَرَار "وَمَتَاع" مَا تَتَمَتَّعُوْنَ بِهِ مِنْ نَبَاتهَا "اِلٰى حِيْن" وَقْت انْقِضَاء آجَالكُمْ.

پس شیطان یعنی ابلیس نے ان دونوں کو اس سے یعنی جنت سے انہیں لغزش دی یعنی ان دونوں کو لے گیا اور ایک قرأت میں 'فَـازَالَهُمَـا' ہے یعنی جنت سے معزول کروادیا اور ان دونوں سے کہا کہ کیا میں تمہیں خلد کے درخت کی نشاندہی نہ کروں،پس اس نے ان دونوں کیلئے قسم اٹھائی کہ میں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں پس ان دونوں نے کھایا پس دونوں کو نکلوادیا جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کردیا یعنی نعمتوں سے،اور ہم نے فرمایا نیچے اترو یعنی زمین کی طرف یعنی تم دونوں اپنی اولاد کے سمیت جو تمہارے اندر ہے جہاں تمہارا آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے یعنی ظلم کی وجہ سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا یعنی قرار پکڑنا ہے اور برتنا ہے۔یعنی اس کے نباتات سے نفع حاصل کرنا ہے الی حین یعنی تمہاری مدت کے ختم ہونے کے وقت تک وہ

نفع ہے۔

ازلال وھبوط کے معانی کا بیان

"ازل" کا مصدر "ازلال" ہے جس کا معنی لغزش، تزلزل پیدا کرنا اور گناہ کی ترغیب دلانا ہے۔عنہا کی ضمیر ممکن ہے "الجنۃ" کی طرف لوٹتی ہو یعنی شیطان نے آدم وحوا کو گناہ کی طرف ترغیب دلا کر جنت سے دور کر دیا یہ بھی ممکن ہے کہ "عنہا" کی ضمیر "الشجرۃ" کی گناہ طرف لوٹتی ہو پس مفہوم یہ ہوگا کہ شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام کو ایسے گناہ کی طرف ترغیب دلائی جس کا منبع شجرہ ممنوعہ تھا مذکورہ بالا مطلب دوسرے احتمال کی بنا پر ہے۔

"اھبطوا" کا مصدر "ھبوط" ہے جس کا معنی ہے نیچے آنا ہے مابعد کے جملے کی روشنی میں "اھبطوا" کا مفعول "الارض" بنتا ہے۔لغت میں "ھبوط" کا معنی کسی بلند جگہ سے پست جگہ کی طرف سقوط کرنا ہے اور "صعود" اوپر چڑھنا اس کا مقابل ہے۔(لسان العرب)

شیطان کا آدم وحوا علیہما السلام کو لغزش دلانے کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شیطان نے کسی طرح حضرت آدم وحوا (علیہما السلام) کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں تمہیں شجر خلد بتا دوں، حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمایا اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، انہیں خیال ہوا کہ اللہ پاک کی جھوٹی قسم کون کھا سکتا ہے بایں خیال حضرت حوا نے اس میں سے کچھ کھایا۔

پھر حضرت آدم کو دیا انہوں نے بھی تناول کیا حضرت آدم کو خیال ہوا کہ "لاتقربا" کی نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں کیونکہ اگر وہ تحریمی سمجھتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی۔(تفسیر خزائن العرفان، بقرہ)

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝
پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بیشک وہی بہت توبہ
قبول کرنے والا مہربان ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کلمات توبہ کے الہام کا بیان

"فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّه كَلِمَات" اَلْهَمَهٗ اِيَّاهَا وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ بِنَصْبِ اٰدَمَ وَرَفْعِ كَلِمَاتٍ اَیْ جَاءَ هٗ وَهِیَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الْاٰيَةَ فَدَعَا بِهَا "فَتَابَ عَلَيْهِ" قَبِلَ تَوْبَتَه "اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّاب" عَلٰى عِبَادِه "الرَّحِيْم" بِهِمْ،

پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے یعنی ان کو الہام کر دیئے اور ایک قرأت میں لفظ آدم کو

منصوب پڑھا گیا ہے اور کلمات کو مرفوع یعنی جب وہ کلمات آ گئے۔اور یہ ہیں ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' یعنی ان کلمات سے آدم علیہ السلام نے دعا کی تو پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

کلمات کو نکرہ ذکر کرنے کے سبب اظہار عظمت کا بیان

"تلقی "کا مصدر "تلقی "ہے جس کا معنی ہے لے لینا۔لہذا اس جملے "فتلقی کا معنی یوں بنتا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالی کی جانب سے کلمات لے لیئے۔کلمات کو نکرہ لانا ان کی عظمت و بلندی پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے۔

روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کئے جائیں، تو اتنے نہیں ہوں گے، جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوف الٰہی سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے، تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو ان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔(تفسیر صاوی، البقرۃ)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی کہ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّه لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔(تفسیر جمل علی الجلالین، بقرہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا کی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر تو ہمیں رحم فرما کر نہ بخشے گا، تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔(تفسیر جلالین، الاعراف)

لیکن حاکم وطبرانی وابونعیم وبیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب الٰہی ہوا، تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے۔ناگہاں اس پریشانی کی عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا

کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کے ساتھ یہ عرض کیا کہ اسئلك بحق محمد ان تغفر لی اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ خَطِيْئَتِیْ

یعنی اے اللہ! تیرے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے، میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور توبہ مقبول ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، پ، البقرۃ)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (پ1، البقرۃ:37)

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی، بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ اور وسیلہ مصطفیٰ ﷺ

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

مستدرك على الصحيحين، كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، حديث نمبر :-4194☆ معجم اوسط طبرانی حدیث نمبر :-6690☆ معجم صغير طبرانى، باب الميم، من اسمه محمد، حديث نمبر :989☆ دلائل النبوة للبيهقى، جماع أبواب غزوة تبوك،اب ما جاء فى تحدث رسول الله صلى الله عليه وسلم بنعمة ربه عز وجل، حديث نمبر :-2243☆ مجمع الزوائد، ج،8ص،198،حديث نمبر :-13917☆ جامع الاحاديث والمراسيل ،مسند على بن ابى طالب، حديث نمبر:-33457☆ كنز العمال، كتاب الفضائل من قسم الأفعال،الفصل الثالث فى فضائل متفرقة تنبىء عن التحدث بالنعم، حديث نمبر :--32138☆ تفسير در منثور ،سورة البقرة: - - 37☆ تفسير الكشف والبيان للثعلبى، سورة البقرة : - - 37☆ تفسير روح البيان،ج، 2،ص: 376،سورة المائدة: - - 16☆ الشريعة لابى بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّیُّ البغدادى (متوفى360هـ)كتاب الإيمان والتصديق بأن الجنة والنار مخلوقتان، حديث نمبر :-938☆ المواهب اللدنية ,ج,1,ص-82,☆ شرح المواهب للزرقانى، ج,1,ص--119,☆ خصائص كبرى،باب خصوصيته صلى الله عليه وسلم بكتابة اسمه الشريف مع اسم الله تعالى على العرش وسائر ما فى الملكوت--☆ سبل الهدى والرشاد، فى سيرة خير العباد,جماع أبواب بعض الفضائل والآيات الواقعة قبل مولده صلى الله عليه وسلم,الباب الخامس فى كتابة أسمه الشريف مع اسم الله تعالى على العرش،ج1ص-85☆ السيرة النبوية لابن كثير، ج،1ص،--320☆ خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى صلى الله عليه واله وسلم ,الفصل الثانى "فى توسل الزائر به صلى الله عليه وسلم إلى ربه تعالى--☆ البداية والنهاية لابن كثير باب خلق آدم عليه السلام -☆حجة الله على العلمين فى معجزات سيد المرسلين صلى الله علية واله وسلم،-23☆ الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمى،مطلب فى حماعة يصلون على النبى، النبى صلى الله عليه وسلم-☆ تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف الألف،

فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے اللہ کے حضور معروضہ کیا: اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں تو مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانتے ہوا بھی تو وہ دنیا میں تشریف نہیں لائے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے جب مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح خاص مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ قوائم عرش پر لا إلـه إلا الله محمد رسول الله لکھا ہوا پایا، تو میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام مبارک کے ساتھ انہیں کا نام پاک ملایا ہے جو ساری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے پسندیدہ ومحبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا، بیشک وہ ساری مخلوق میں میرے پاس سب سے زیادہ محبوب ترین ہیں، تم ان کے وسیلہ سے دعا کرو میں ضرور تم کو مغفرت عطا کروں گا، اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے وسیلہ سے بحق فلاں و بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ
عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○
"ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو
کار ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم ہے۔

ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے خوف وغم نہ ہونے کا بیان

"قُلۡنَا اهۡبِطُوا مِنۡهَا" مِنَ الۡجَنَّة "جَمِيۡعًا" كَرَّرَهُ لِيَعۡطِف عَلَيۡهِ "فَاِمَّا" فِيۡهِ اِدۡغَام نُون اِنۡ الشَّرۡطِيَّة فِيۡ مَا الزَّائِدَة "يَاۡتِيَنكُمۡ مِنِّى هُدًى" كِتَاب وَرَسُول "فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ" فَاٰمَنَ بِى وَعَمِلَ بِطَاعَتِىۡ "فَلَا خَوۡف عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ" فِى الۡاٰخِرَة بِاَنۡ يَّدۡخُلُوۡا الۡجَنَّة.

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ اس کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا تا کہ عطف کیا جائے اور فاما میں ان شرطیہ ہے اور ما زائدہ ہے اور ما زائدہ کا ان شرطیہ میں ادغام کیا گیا ہے۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے یعنی کتاب اور رسول (علیہ السلام) تو جو میری ہدایت کا پیرو کار ہوا یعنی جو مجھ پر ایمان لایا اور عمل سے میری اطاعت کی اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم ہے۔ یعنی آخرت میں اس لئے خوف وغم نہ ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

ہدایت کے یقین اور خوف کے عموم کا بیان

لفظ "اما" ان شرطیہ اور ما زائدہ سے ترکیب پایا ہے۔ جملے میں ایک طرف انْ شرطیہ اور دوسری طرف ما زائدہ اور یاتینّ میں

نون تاکید سے اس کی تاکید کرنا اس امر کا مقتضی ہے کہ جملے کا معنی یہ ہو "اگر میری طرف سے ہدایت ملے کہ جو یقیناً آئے گی۔

خوف" نکرہ استعمال ہوا ہے اور حرف نفی کے بعد واقع ہوا ہے جو معنی میں عمومیت پر دلالت کرتا ہے گویا مطلب یوں ہے کسی قسم کا کوئی بھی خوف نہ ہوگا اسی طرح جب فعل منفی ہو تو تمام تر مصادیق کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے پس "ولا ھم یحزنون" سے مراد یہ ہے کہ کسی طرح کا بھی غم واندوہ نہ ہوگا۔

یہاں سے اولاد آدم علیہ السلام سے حکم فرمایا جارہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے، معجزات ظاہر کئے جائیں گے، دلائل بیان فرمائے جائیں گے، راہ حقوق واضح کردی جائے گی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئیں گے، آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا، جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی دنیا کے کھو جانے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۃ طٰہ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے، نہ بدبخت و بے نصیب۔ مگر میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھاپن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی جہنمی لوگ ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

آیات الٰہی کو جھٹلانے والوں کے جہنمی ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوا بِ اٰيَاتِنَا " كُتُبنَا "اُولٰٓئِكَ اَصْحَاب النَّار هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ " مَاكِثُونَ اَبَدًا لَّا يَفْنَوْنَ وَلَا يَخْرُجُونَ،

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں یعنی کتابوں کو جھٹلایا، وہی جہنمی لوگ ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یعنی اس میں اس طرح ہمیشہ رہیں گے کہ وہ کبھی فنا نہ ہوں گے اور نہ اس سے نکلیں گے۔

کذبوا " کا مصدر تکذیب ہے جسکا معنی ہے جھوٹی نسبت دینا ہے "بایاتنا" "کذبوا کے علاوہ کفروا سے بھی متعلق ہے۔ جبکہ "الذین کفروا، جملہ "من تبع، پر عطف ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت وراہنمائی کو قبول کرنے والے نہیں۔

امام ابن جریر طبری کی تفسیر میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی، نہ ہی خوشگوار زندگی ملے گی، ہاں جن موحد، متبع، سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلے ہو ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت کی وجہ سے نکال لئے جائیں گے۔ (جامع البیان، تفسیر ابن جریر طبری، بقرہ)

يَا بَنِىٓ اِسۡرَآئِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ
بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ٥
اے یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا
اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو احسان یاد کرنے کا حکم دینے کا بیان

يَا بَنِىٓ اِسۡرَائِيل " اَوۡلَاد يَعۡقُوب "اُذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِى اَنۡعَمۡت عَلَيۡكُمۡ " اَىۡ عَلٰى اٰبَائِكُمۡ مِنَ الۡاِنۡجَاء مِنۡ فِرۡعَوۡن وَفَلۡق الۡبَحۡر وَتَظۡلِيۡل الۡغَمَام وَغَيۡر ذٰلِكَ بِاَنۡ تَشۡكُرُوۡهَا بِطَاعَتِي "وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِى" الَّذِىۡ عَهِدۡته اِلَيۡكُمۡ مِنَ الۡاِيۡمَان بِمُحَمَّدٍ "اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ" الَّذِىۡ عَهِدۡت اِلَيۡكُمۡ مِنَ الثَّوَاب عَلَيۡهِ بِدُخُوۡلِ الۡجَنَّة "وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِى" خَافُوۡنِ فِىۡ تَرۡك الۡوَفَاء بِهٖ دُوۡن غَيۡرِى،

اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا یعنی تمہارے اباواجداد پر کہ ان کو فرعون سے نجات دلائی اور سمندر کو پھاڑ دیا اور بادلوں کا سایہ کیا وغیرہ ذلک کہ تم میری اطاعت کے ساتھ شکر ادا کرو اور میرا عہد پورا کرو، جو میں نے تم سے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا کیا ہے میں تمہارا عہد پورا کروں گا یعنی جو میں نے تم سے اس کے ثواب یعنی دخول جنت کا وعدہ کیا ہے اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔ یعنی وعدہ کو پورا کرنے میں صرف مجھ سے ڈرو جبکہ میرے سوا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

بنی اسرائیل کو دعوت ایمان دینے کا بیان

اسرائیل بمعنی عبداللہ عبری زبان کا لفظ ہے یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ (مدارک)

کلبی مفسر نے کہا اللہ تعالیٰ نے (يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ 21)۔2 البقرۃ:21) فرما کر پہلے تمام انسانوں کو عموماً دعوت دی پھر "اِذۡ قَالَ رَبُّكَ" فرما کر انکے مبدء کا ذکر کیا اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کو دعوت دی یہ لوگ یہودی ہیں اور یہاں سے سیقول تک ان سے کلام جاری ہے کبھی بملاطفت انعام یاد دلا کر دعوت کی جاتی ہے کبھی خوف دلایا جاتا ہے کبھی حجت قائم کی جاتی ہے۔ کبھی ان کی بدعملی پر توبیخ ہوتی ہے کبھی گزشتہ عقوبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، بقرہ)

بنی اسرائیل کو نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دینے کا بیان

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا نام تھا کا وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے اللہ تو گواہ رہ۔ اسرائیل کے

لفظی معنی عبداللہ کے ہیں ان نعمتوں کو یاد دلایا جاتا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں۔ مثلاً پتھر سے نہروں کو جاری کرنا۔ من وسلوی اتارنا۔ فرعونیوں سے آزاد کرنا۔ انہیں میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا۔ ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ ان کو ہدایت دی جاتی ہے میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی میں نے جو عہد تم سے لیا تھا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم اس پر اور آپ کی ذات پر ایمان لانا۔ وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکام کے متبادل آسان دین دوں گا۔

دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے آیت (وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا) 5 ۔ المائدہ: 12) یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے زکوۃ دیتے رہو گے میرے رسولوں کی ہدایت مانتے رہو گے مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اتنا بڑا عظیم الشان پیغمبر پیدا کر دوں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض ہوگی ان کے تابعداروں کو بخشوں گا انہیں جنت میں داخل کروں گا اور دوہرا اجر دوں گا۔ حضرت امام رازی نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی بابت پیش گوئی نقل کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ)

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ
ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۝
اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری
آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو اور مجھ سے خوف رکھو۔

آیات کو بدلنے کی ممانعت کا بیان

"وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْت" مِنَ الْقُرْاٰن "مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ" مِنَ التَّوْرَاة بِمُوَافَقَتِهِ لَهُ فِي التَّوْحِيد وَالنُّبُوَّة "وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّل كَافِر بِهِ" مِنْ اَهْل الْكِتَاب لِاَنَّ خَلْفكُمْ تَبَع لَكُمْ فَاِثْمهمْ عَلَيْكُمْ "وَلَا تَشْتَرُوْا" تَسْتَبْدِلُوْا "بِاٰيَاتِي" الَّتِي فِي كِتَابكُمْ مِنْ نَعْت مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ثَمَنًا قَلِيْلًا" عَرَضًا يَسِيْرًا مِنَ الدُّنْيَا اَيْ لَا تَكْتُمُوْهَا خَوْف فَوَات مَا تَاْخُذُوْنَهُ مِنْ سَفَلَتكُمْ "وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ" خَافُوْنِ فِي ذٰلِكَ دُوْن غَيْرِي

اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا یعنی قرآن سے جو اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے یعنی جو تورات میں اسی کے موافق توحید و نبوت کا بیان ہے۔اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو یعنی اہل کتاب میں سے جو بعد والے تمہاری اتباع کریں ان کے گناہ بھی تم پر ہوں گے اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو یعنی ان کو نہ بدلو میری آیات جو نبی کریم ﷺ کی تعریف میں تمہاری کتابوں میں ہیں، تھوڑی قیمت یعنی جو دنیا میں بھی معمولی ہیں یعنی معمولی چیزوں کے نہ ملنے کے خوف جو تم کمزوں سے وصول کرتے ہو، اور مجھ سے ڈرو۔ان احکام میں صرف مجھ سے ڈرو۔

یہود کا نعت رسول ﷺ کو تورات سے چھپانے کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور دوسرے رؤساء وعلماء یہود کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی قوم کے جاہلوں اور کمینوں سے ٹکے وصول کر لیتے اور ان پر سالانے مقرر کرتے تھے اور انہوں نے پھلوں اور نقد مالوں میں اپنے حق معین کر لئے تھے انہیں اندیشہ ہوا کہ توریت میں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت ہے اگر اس کو ظاہر کریں تو قوم حضور ﷺ پر ایمان لے آئے گی اور ان کی کچھ پرسش نہ رہے گی۔ یہ تمام منافع جاتے رہیں گے اس لئے انہوں نے اپنی کتابوں میں تغییر کی اور حضور ﷺ کی نعت کو بدل ڈالا جب ان سے لوگ دریافت کرتے کہ توریت میں حضور ﷺ کے کیا اوصاف مذکور ہیں تو وہ چھپا لیتے۔اور ہرگز نہ بتاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، بقرہ، بیروت)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○
اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ

حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَلْبِسُوا" تَخْلِطُوا "الْحَقَّ" الَّذِیْ اَنْزَلْتُ عَلَیْکُمْ "بِالْبَاطِلِ" الَّذِیْ تَفْتَرُوْنَهُ "وَ" لَا "تَکْتُمُوا الْحَقَّ" نَعْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُ الْحَقُّ .

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، یعنی مکس نہ کرو وہ حق جو تم پر نازل کیا گیا اس باطل کے ساتھ تم افتراء باندھتے ہو اور اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، یعنی نبی کریم ﷺ کی نعت مبارکہ کو حالانکہ تم اس کے برحق ہونے کو جانتے ہو۔

نبی کریم ﷺ کی شان کو چھپانا باطل پرستوں کا طریقہ ہے

خصوصیت کے ساتھ اہل مدینہ یہود سے بے حد مرعوب تھے، کیانکہ ان کے آس پاس بڑے بڑے یہودی قبائل آباد تھے، رات دن کا ان سے میل جول تھا، اور اس میل جول میں وہ ان سے اُسی طرح شدت کے ساتھ متاثر تھے جس طرح ایک اَن پڑھ آبادی زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ متمدّن اور زیادہ نمایاں مذہبی تشخص رکھنے والے ہمسایوں سے متاثر ہوا کرتی ہے۔ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی، تو قدرتی بات

تھی کہ اَن پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں سے جا کر پُوچھتے کہ آپ لوگ بھی ایک نبی کے پیرو ہیں اور ایک کتاب کو مانتے ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ یہ صاحب جو ہمارے اندر نبوّت کا دعویٰ لے کر اُٹھے ہیں، اِن کے متعلق اور ان کی تعلیم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ چنانچہ یہ سوال مکّے کے لوگوں نے بھی یہودیوں سے بار ہا کیا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے، تو یہاں بھی بکثرت لوگ یہودی علما کے پاس جا جا کر یہی بات پُوچھتے تھے۔ مگر ان علماء نے کبھی لوگوں کو صحیح بات نہ بتائی۔ ان کے لیے یہ کہنا تو مشکل تھا کہ وہ توحید، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں غلط ہے، یا انبیاء اور کتب آسمانی اور ملائکہ اور آخرت کے بارے میں جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں، اس میں کوئی غلطی ہے، یا وہ اخلاقی اُصول، جن کی آپ تعلیم دے رہے ہیں، ان میں سے کوئی چیز غلط ہے۔ لیکن وہ صاف صاف اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ جو کچھ آپ ﷺ پیش کر رہے ہیں، وہ صحیح ہے۔ وہ نہ سچائی کی کھُلی کھُلی تردید کر سکتے تھے، نہ سیدھی طرح اس کو سچائی مان لینے پر آمادہ تھے۔ ان دونوں راستوں کے درمیان انہوں نے طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ہر سائل کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، آپ ﷺ کی جماعت کے خلاف، اور آپ ﷺ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے، کوئی الزام آپ ﷺ چسپاں کر دیتے تھے، کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے تھے جس سے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جائیں، اور طرح طرح کے اُلجھن میں ڈالنے والے سوالات چھیڑ دیتے تھے تا کہ لوگ ان میں خود بھی اُلجھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے پیروؤں کو بھی اُلجھانے کی کوشش کریں۔ ان کا یہی رویّہ تھا، جس کی بنا پر ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ حق پر باطل کے پردے نہ ڈالو، اپنے جھوٹے پروپیگنڈے اور شریرانہ شبہات واعتراضات سے حق کو دبانے اور چھپانے کی کوشش نہ کرو، اور حق وباطل کو خلط ملط کر کے دنیا کو دھوکا نہ دو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○
اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

دینِ محمدی ﷺ پر ثابت قدم رہنے کا بیان

"وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَ اٰتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ" صَلُّوا مَعَ الْمُصَلِّيْنَ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ وَنَزَلَ فِيْ عُلَمَائِهِمْ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاَقْرِبَائِهِمُ الْمُسْلِمِيْنَ اُثْبُتُوْا عَلٰى دِيْنِ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَقٌّ،

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی تم حضرت محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھو، اور یہ ان کے علماء کے بارے میں حکم نازل ہوا اور وہ اپنے قریبی مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم دینِ محمدی ﷺ پر ثابت قدم رہو کیونکہ وہی حق ہے۔

نماز باجماعت کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر

ستائیس درجہ ثواب زیادہ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 617)

حضرت ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 618)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستہ میں چلا جارہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو ہٹا دیا پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ لوگ ہیں جو طاعون میں مرے جو پیٹ کے مرض میں مرے اور جو ڈوب کر مرے اور جو دب کر مرے اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں شامل ہونے میں کیا ثواب ہے اور پھر یہ نیک کام قرعہ ڈالے بغیر نصیب نہ ہو تو یقیناً وہ اس پر قرعہ ڈالیں اور معلوم ہو جائے کہ سویرے نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے تو بے شک اس کی طرف سبقت سے پڑھنے میں کس قدر ثواب ہے تو یقیناً ان میں آ کر شریک ہوں اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 623)

ترک جماعت پر وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ اولا لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اس کے بعد حکم دوں کہ عشاء کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے اور میں خود کچھ لوگوں کو ہمراہ لے کر ایسے لوگوں کے گھروں تک پہنچوں جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ فربہ ہڈی یا وہ عمدہ گوشت میں ہڈیاں پائے گا تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 616)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

دوسروں کو نیکی دعوت جبکہ خود کو بھول جانے کا بیان

"اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ" بِالْاِيْمَانِ . بِمُحَمَّدٍ "وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" تَتْرُكُوْنَهَا فَلَا تَاْمُرُوْنَهَا بِهٖ "وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ" التَّوْرَاةَ وَفِيْهَا الْوَعِيْدُ عَلٰى مُخَالَفَةِ الْقَوْلِ الْعَمَلَ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" سُوْءَ فِعْلِكُمْ فَتَرْجِعُوْنَ فَجُمْلَةُ النِّسْيَانِ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ،

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو یعنی خود کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب یعنی تورات بھی پڑھتے ہو، اور اس میں قول وعمل کی مخالفت پر وعید ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ یعنی تمہارا عمل برا ہے۔ یہاں "وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" یہ جملہ نسیان ہے جو محل استفہام انکاری میں ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۴۴ کے شان نزول کا بیان

علماء یہود سے ان کے مسلمان رشتہ داروں نے دین اسلام کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے کہا تم اس دین پر قائم رہو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حق اور کلام سچا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ایک قول یہ ہے کہ آیت ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے مشرکین عرب کو حضور کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی اور حضور کے اتباع کرنے کی ہدایت کی تھی پھر جب حضور مبعوث ہوئے تو یہ ہدایت کرنے والے حسد سے خود کافر ہو گئے اس پر انہیں توبیخ کی گئی۔ (تفسیر مدارک تنزیل، سورہ بقرہ، بیروت)

خود عمل نہ کرنے والوں کیلئے وعید کا بیان

طبرانی کی معجم کبیر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اسی کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن وہ خود جل رہا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے علم کے باوجود سمجھتے نہیں تھے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جارہے تھے یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان ابن ابی حاتم ابن مردویہ وغیرہ میں موجود ہے۔

ابووائل فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت اسامہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہتے آپ نے جواب دیا کہ تمہیں سنا کر ہی کہوں تو ہی کہنا ہوگا میں تو انہیں پوشیدہ طور پر ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی بات کو پھیلانا نہیں چاہتا اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا (مسند احمد)

بخاری مسلم میں بھی یہ روایت ہے مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عام آدمی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝
اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔

صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا بیان

"وَاسْتَعِيْنُوْا" اُطْلُبُوا الْمَعُوْنَةَ عَلٰى اُمُوْرِكُمْ "بِالصَّبْرِ" الْحَبْس لِلنَّفْسِ عَلٰى مَا تَكْرَه "وَالصَّلَاة"

اَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيْمًا لِشَأْنِهَا وَفِي الْحَدِيْث (كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ اَمْر بَادَرَ إِلَى الصَّلَاة وَقِيلَ الْخِطَاب لِلْيَهُوْدِ لَمَّا عَاقَهُمْ عَنْ الْإِيْمَان الشَّرَه وَحُبّ الرِّيَاسَة فَأُمِرُوْا بِالصَّبْرِ وَهُوَ الصَّوْم لِأَنَّهُ يَكْسِر الشَّهْوَة وَالصَّلَاة لِأَنَّهَا تُورِث الْخُشُوع وَتَنْفِي الْكِبْر "وَإِنَّهَا" أَيْ الصَّلَاة "لَكَبِيْرَة" ثَقِيلَة "إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ" السَّاكِنِيْنَ إِلَى الطَّاعَة،

اور مدد چاہو یعنی اپنے معاملات میں مدد طلب کرو صبر سے اور وہ نفس کو روکنا ہے جس کو وہ پسند نہ کرے، اور نماز کو اس کی عظمت کے پیش نظر ذکر کیا ہے اور حدیث میں ہے آپ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ نماز کی طرف سبقت لے جاتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب یہود کو ہے۔ کیونکہ ان کو برائی نے ایمان سے روک رکھا تھا۔ اور نفسانی خواہشات نے روک رکھا تھا تو ان کو صبر کا حکم دیا گیا اور وہ روزہ ہے جو شہوات کو توڑنے والا ہے اور نماز کا حکم دیا کیونکہ وہ خشوع بخشنے والی ہے اور تکبر کی نفی کرتی ہے۔ اور بیشک نماز ضرور بھاری یعنی ثقیل ہے مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔ یعنی جو اطاعت میں رہنے والے ہیں۔

انھا " کی ضمیر ممکن ہے "الصلاۃ" کی طرف لوٹتی ہو اور ممکن ہے "استعانت" کی طرف جو "استعینوا" سے سمجھی جاتی ہے۔ مذکورہ مفہوم پہلے احتمال کی بنا پر ہے۔ قابل ذکر ہے کہ نماز کا مشکل ہونا اس معنی میں ہے کہ اسکا قیام دشوار ہے۔

صبر کرنے پر دنیا و آخرت میں اجر کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا بیمار پڑا اور مر گیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ باہر تھے جب ان کی بیوی نے دیکھا کہ لڑکا مر چکا ہے تو کچھ سامان کیا اور کفن پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اس کو رکھ دیا، جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو پوچھا لڑکا کیسا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کی طبیعت کو سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام میں ہے۔ ابوطلحہ نے سمجھا کہ وہ سچی ہے، چنانچہ انہوں نے رات گزاری جب صبح ہوئی اور غسل کر کے باہر جانے کا ارادہ کیا تو بیوی نے انہیں بتایا کہ کہ لڑکا مر چکا ہے، پھر ابوطلحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کا بیان کیا جو ان دونوں کے ساتھ ہوا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو تمہاری ذات میں برکت عطا فرمائے گا سفیان کا بیان ہے کہ ایک انصاری شخص نے کہا میں نے ان دونوں کے لڑکے دیکھے سب کے سب قاری تھے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1231)

نماز سے مدد مانگنے کا بیان

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں آپ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اٹھو نماز شروع کر دو اس میں شفا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سفر میں اپنے

بھائی حضرت قثم کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ آیت (اناللہ) الخ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوٰت سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔ (تفسیر ابن جریر، طبری، بقرہ)

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝
وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ظن کا یقین کے معنی میں ہونے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ" يُوْقِنُوْنَ "اَنَّهُمْ مُلٰقُوْ رَبِّهِمْ" بِالْبَعْثِ "وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيهِمْ،

وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی آخرت میں ان کو جزاء دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے برحق ہونے کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے" (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ مراد) نہیں بلکہ (مراد یہ ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز (یعنی دنیا اور دنیا کی چمک دمک) کو محبوب نہیں رکھتا، اس لیے بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) اللہ کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی عذاب و سزا) سے زیادہ کسی اور چیز کو ناپسند نہیں کرتا اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے) اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں منقول ہے کہ "موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 80)

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دوں جو اللہ قیامت کے دن سب سے پہلے مؤمنین سے فرمائے گا اور وہ بات بھی

بتا دوں جو سب سے پہلے مؤمنین اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے؟ ہم نے عرض کیا کہ "ہاں یارسول اللہ ﷺ! ہمیں ضرور بتا دیجئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرمائے گا کہ کیا تم میری ملاقات کو پسند کرتے تھے مؤمنین عرض کریں گے کہ ہاں! اے ہمارے رب (ہم تیری ملاقات کو پسند کرتے تھے)۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "تم میری ملاقات کو کیوں پسند کرتے تھے؟ مؤمنین عرض کریں گے "اس لیے کہ ہم تجھ سے معافی و درگزر اور تیری بخشش و مغفرت کی امید رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے لیے میری بخشش واجب ہوگئی۔ یہ روایت شرح السنۃ میں ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 84)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
اے اولادِ یعقوب یاد کرو! میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی۔

بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاد دلانے کا بیان

"يَا بَنِي اِسْرَائِيل اُذْكُرُوْا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْت عَلَيْكُمْ" بِالشُّكْرِ عَلَيْهَا بِطَاعَتِي "وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ" اَيْ اٰبَاءَكُمْ "عَلَى الْعَالَمِينَ" عَالِمِي زَمَانهمْ،

اے اولادِ یعقوب یاد کرو! میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا یعنی تم میری اطاعت کے ساتھ شکر ادا کرو اور میں نے تم کو فضیلت دی یعنی تمہارے آباء کو سارے زمانے پر یعنی دنیا کے زمانوں پر فضیلت دی ہے۔

فرمایا! لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا۔ "حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا، پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی، آپ اسماعیل کے واسطہ سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے، جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود و سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دیئے، بیویاں دیں، گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے، ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے؟ کہا ہاں، کہا پھر تو تو غنی ہے، اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے، آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں "سواری اور خادم ملک ہے"۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ○

اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ (جسے اجازت حاصل نہ ہو) اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان کی اِمداد کی جائے گی۔

قیامت کے دن سے ڈرنے کا حکم دینے کا بیان

"وَاتَّقُوْا" خَافُوْا "يَوْمًا" وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَة "لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا" "لَا تَجْزِى" فِيْهِ "نَفْس عَنْ نَفْس شَيْئًا" "وَلَا يُقْبَل" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "مِنْهَا شَفَاعَة" اَىْ لَيْسَ لَهَا شَفَاعَة فَتُقْبَل "فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ" "عَدْل" فِدَاء "وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ" يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَاب اللّٰه،

اور اُس دن سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے سکے گی یعنی کسی جان کو کسی جان کی طرف سے کوئی جزاء نہ ہوگی۔ ولا یقبل یہ تاء اور یاء دونوں سے ہے۔ اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ جسے اجازت حاصل نہ ہو اور یعنی ہمارے لئے نہیں ہوگا کوئی شفاعت کرنے والا۔ عدل کا معنی فدیہ ہے۔ نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان کی اِمداد کی جائے گی۔ یعنی جو اللہ کے عذاب سے بچائے۔

آیت منہا شفاعۃ کی ضمیر کے مرجع کا بیان

منھا" کی ضمیر ممکن ہے دوسرے "نفس" کی طرف لوٹتی ہو یعنی مورد مؤاخذہ شخص اگر شفیع لائے تو اس کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہوسکتا ہے یہ ضمیر پہلے "نفس" کی طرف لوٹتی ہو اور اس سے مراد دوست، عزیز، رشتہ دار وغیرہ ہیں یعنی یہ کہ دوست اپنے دوستوں کا عذاب اپنے ذمہ نہ لیں گے اگر شفاعت بھی کریں تو قبول نہیں کی جائے گی۔ قیامت کے دن کسی سے کوئی عوض جس سے وہ فرد خود کو اسیری و عذاب سے نجات دلا سکے قبول نہیں کیا جائے گا۔

لفظ "عدل" کا معنی فدیہ اور عوض ہے جسکو کوئی اپنی یا کسی اور کی آزادی کے لئے ادا کرے تا کہ اس سے آزاد ہو جائے۔

کفار کیلئے کی سفارش نہ ہونے کا بیان

کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہو اور فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔ یہ بھی ارشاد ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہوسکتا اور جگہ ہے

کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں • اور اس کے مثال اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے اور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں دوسری جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کرلو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت مزید فرمایا آیت (یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ) 14۔ ابراہیم: 31) اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔

عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے حضرت علی والی حدیث میں صرف کے معنی نفل اور دل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدل کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہیں ہوگا، قرابتیں کٹ جائیں گی جاہ و حشم جاتا رہے گا کسی کے دل میں ان کے لئے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ
وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۝
اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں قوم فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو
ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

بنی اسرائیل کی نجات کا واقعہ یاد دلانے کا بیان

"وَ" اُذْکُرُوْا "اِذْ نَجَّیْنَاکُمْ" اَیْ اٰبَاءَکُمْ وَالْخِطَاب بِهٖ وَبِمَا بَعْده لِلْمَوْجُوْدِیْنَ فِیْ زَمَن نَبِیّنَا بِمَا اَنْعَمَ اللّٰه عَلٰی اٰبَائِهِمْ تَذْکِیْرًا لَّهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰه تَعَالٰی لِیُؤْمِنُوْا "مِنْ اٰل فِرْعَوْن یَسُوْمُوْنَکُمْ" یُذِیْقُوْنَکُمْ "سُوْء الْعَذَاب" اَشَدّه وَالْجُمْلَة حَال مِنْ ضَمِیْر نَجَّیْنَاکُمْ "یُذَبِّحُوْنَ" بَیَان لِمَا قَبْله "اَبْنَاءَکُمْ" الْمَوْلُوْدِیْنَ "وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ" یَسْتَبْقُوْنَ "نِسَاءَکُمْ" لِقَوْلِ بَعْض الْکَهَنَة لَهٗ اِنَّ مَوْلُوْدًا یُوْلَد فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیل یَکُوْن سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْکک "وَفِیْ ذٰلِکُمْ" الْعَذَاب اَوْ الْاِنْجَاء "بَلَاء" اِبْتِلَاء اَوْ اِنْعَام "مِنْ رَّبّکُمْ عَظِیْم"

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تمہیں یعنی آباء کو اور خطاب ان کو اور ان کے بعد یہود کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے ان کو وہ انعامات یاد کرائے جا رہے ہیں جو ان کے باپ دادا کو اللہ نے دیے تھے۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔ قوم فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے، یہ جملہ "نَجَّیْنَاکُمْ" کی ضمیر سے حال ہے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے یہ ماقبل کا بیان ہے۔ کہ تمہارے بیٹے یعنی پیدا ہونے والے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے،

یعنی تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے محض کاہنوں کے کہنے کی وجہ سے تیرے ملک میں بنی اسرائیل سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری بادشاہت کے زوال کا سبب ہوگا۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب نجات یا بڑی آزمائش تھی۔ یا انعام ہے جو تمہارے رب کی جانب سے عظیم ہے۔

ذبح اور استحیاء کے معانی ومحل کا بیان

ذبح" کا معنی سر کاٹنا ہے اور "یــذبـحــون" کا مصدر تــذبیــح ہے جو سر کاٹنے کے معاملے میں کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یستحیون" کا مصدر "استحیاء" ہے جسکا معنی ہے زندگی پر باقی رکھنا۔

بنی اسرائیل کے بیٹوں کا وسیع سطح پر کشت وکشتار اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا فرعونیوں کی طرف سے شدید ترین شکنجے تھے۔

جملہ "یذبحون ممکن ہے ماقبل جملے کی تفسیر ہو یعنی "سوء العذاب " سے مراد بنی اسرائیل کے فرزندوں کے سر کاٹنا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ اسکا واضح مصداق ہو گویا فرعونی بنی اسرائیل پر جو ظلم وستم روا رکھتے تھے ان میں سے ایک ان کے فرزندوں کے سر کاٹنا تھا۔ بنابریں یہ جو مخصوص عذاب کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے یہ غالباً شدت کی خاطر ہے فرعونی کے تسلط اور زمانہ حکمرانی میں بنی اسرائیل کی خواتین بھی انتہائی سختیوں، شکنجوں اور موت کے منہ میں مبتلا تھیں۔

فرعون کے خواب میں آگ کے آنے کا بیان

فرعون نے خواب دیکھا کہ بَیْتُ الْمَقْدِس کی طرف سے آگ آئی اس نے مصر کو گھیر کر تمام قبطیوں کو جلا ڈالا بنی اسرائیل کو کچھ ضرر نہ پہنچایا اس سے اس کو بہت وحشت ہوئی کاہنوں نے تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ہلاک اور زوال سلطنت کا باعث ہوگا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے دائیاں تفتیش کے لئے مقرر ہوئیں بارہ ہزار جبکہ ایک روایت کے مطابق ستر ہزار لڑکے قتل کر ڈالے گئے اور نوّے ہزار حمل گرا دیئے گئے اور مشیتِ الٰہی سے اس قوم کے بوڑھے جلد جلد مرنے لگے قوم قبط کے رؤسا نے گھبرا کر فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل میں موت کی گرم بازاری ہے اس پر ان کے بچے بھی قتل کیے جاتے ہیں تو ہمیں خدمت گار کہاں سے میسر آئیں گے فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال چھوڑے جائیں تو جو سال چھوڑنے کا تھا اس میں حضرت ہارون پیدا ہوئے اور قتل کے سال حضرت موسٰی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

بلاء کے معنی اشتراکی کے مفہوم کا بیان

یہاں پر حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی، ابو العالیہ، ابو مالک سدی وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں، امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلوتہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور ابلیہ ابلا وبلاء کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لئے آتا ہے یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے

میں تھی۔

علامہ قرطبی اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور بلاء کے معنی برائی کے ہوں گے۔ بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلکُم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ٥
اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔

بنی اسرائیل کیلئے دریا کو پھاڑ دینے کا بیان

"وَ" "اُذْكُرُوْا" "إِذْ فَرَقْنَا" "فَلَقْنَا" "بِكُمْ" "بِسَبَبِكُمْ" "الْبَحْرَ" "حَتّٰى دَخَلْتُمُوْهُ هَارِبِيْنَ مِنْ عَدُوِّكُمْ "فَاَنْجَيْنَاكُمْ" مِنَ الْغَرَقِ "وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ" "قَوْمَهُ مَعَهُ" "وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ" اِلٰى انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ،

اور تم یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے جدا کیا یعنی دریا پھاڑ دیا یعنی تمہارے لئے حتیٰ کہ تم دشمن سے بھاگتے ہوئے اس میں داخل ہوئے تو تمہیں ڈوبنے سے بچالیا اور فرعونیوں کو فرعون کے ساتھ غرق کیا اور تم ان پر دریا کا مل جانا دیکھ رہے تھے۔

"البحر" میں الف لام عہد ذکری ہے جو دریائے مذکور کی طرف اشارہ ہے بہت سے مفسرین کے مطابق یہ دریائے نیل ہے بنی اسرائیل کی نجات اور دریا کے پھٹ جانے کے باعث فرعونیوں کے غرق ہونے کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرعونی لشکر دریا کے کنارے بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے درپے تھا۔

آج صبح تک کوئی مرغ نہ بول سکا

عمرو بن میمون اودی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلو اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا۔ مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہوں اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا۔

اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ آ گئی پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نون نے کہا کہ اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا حکم الٰہی ہمارا راہنما ہے، یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا

گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب کو تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔

اب حضرت موسیٰ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دریا پر مارو عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کہ طرح کھڑا ہو گیا حضرت موسیٰ اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گزر گئے انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونی افواج نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام میں داخل ہو گئے پانی کو مل جانے کا حکم ہوا پانے کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا آپ نے فرمایا تم سے زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ابن جریر، عزیزی وغیرہ)

یہ دوسری نعمت کا بیان ہے جو بنی اسرائیل پر فرمائی کہ انہیں فرعونیوں کے ظلم وستم سے نجات دی اور فرعون کو مع اس کی قوم کے ان کے سامنے غرق کیا یہاں آل فرعون سے فرعون مع اپنی قوم کے مراد ہے جیسے کہ "کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" میں حضرت آدم واولاد آدم دونوں داخل ہیں۔ (جمل)

دریائی دیواروں کے روشندانوں کا واقعہ

مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والسلام بحکم الٰہی شب میں بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے صبح کو فرعون ان کی جستجو میں لشکر گراں لے کر چلا اور انہیں دریا کے کنارے جا پایا بنی اسرائیل نے لشکر فرعون دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ نے بحکم الٰہی دریا میں اپنا عصا (لاٹھی) مارا اس کی برکت سے عین دریا میں بارہ خشک رستے پیدا ہو گئے پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا ان آبی دیواروں میں جالی کی مثل روشندان بن گئے بنی اسرائیل کی ہر جماعت ان راستوں میں ایک دوسری کو دیکھتی اور باہم باتیں کرتی گزر گئی فرعون دریائی رستے دیکھ کر ان میں چل پڑا جب اس کا تمام لشکر دریا کے اندر آ گیا تو دریا حالت اصلی پر آیا اور تمام فرعونی اس میں غرق ہو گئے دریا کا عرض چار فرسنگ تھا یہ واقعہ بحرِ قُلزم کا ہے جو بحر فارس کے کنارہ پر ہے یا بحر ماورائے مصر کا جس کو اساف کہتے ہیں بنی اسرائیل لب دریا فرعونیوں کے غرق کا منظر دیکھ رہے تھے یہ غرق محرم کی دسویں تاریخ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک بھی یہود اس دن کا روزہ رکھتے تھے

حضور نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کی خوشی منانے اور اس کی شکر گزاری کرنے کے ہم یہود سے زیادہ حق دار ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ عاشورہ کا روزہ سنّت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام پر جو انعامِ الٰہی ہو اس کی یادگار قائم کرنا اور شکر بجالانا مسنون ہے اگر کفار بھی قائم کرتے ہوں جب بھی اس کو چھوڑا نہ جائے گا۔ (خزائن العرفان)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝
اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی اور تم ظالم تھے۔

انتظار تورات والوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی

"وَاِذْ وَاعَدْنَا" بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا "مُوسَى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً" نُعْطِيهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرَاةَ لِتَعْمَلُوْا بِهَا "ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ" الَّذِيْ صَاغَهُ لَكُمُ السَّامِرِيُّ اِلٰهًا "مِنْ بَعْدِه" اَيْ بَعْدَ ذَهَابِهِ اِلٰى مِيْعَادِنَا "وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ" بِاتِّخَاذِهِ، لِوَضْعِكُمُ الْعِبَادَةَ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهَا،

وَاعَدْنَا، کو الف کے ساتھ اور بغیر الف کے دونوں طرح کی قرأت کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا یعنی مدت پوری کے وقت ہم تورات دیں گے تاکہ وہ تم کو سکھائیں پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی جو تمہارے لئے صامری نے بہ طور معبود بنا دیا اس کے بعد یعنی ہماری میعاد کی جانب جانے کے بعد اور تم ظالم تھے۔ کیونکہ معبود بنالیا۔ کیونکہ تم نے عبادت کو غیر کے محل میں رکھ دیا۔

سامری کے بنائے ہوئے معبود باطل کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بغدادی لکھتے ہیں کہ فرعون اور فرعونیوں کے ہلاک کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی طرف لوٹے اور ان کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے عطائے توریت کا وعدہ فرمایا اور اس کے لئے میقات معین کیا جس کی مدت معہ اضافہ ایک ماہ دس روز تھی مہینہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ و جانشین بنا کر توریت حاصل کرنے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے چالیس شب وہاں ٹھہرے اس عرصہ میں کسی سے بات نہ کی اللہ تعالیٰ نے زبرجدی الواح میں توریت آپ پر نازل فرمائی یہاں سامری نے سونے کا جواہرات سے مرصع بچھڑا بنا کر قوم سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے وہ لوگ ایک ماہ حضرت کا انتظار کر کے سامری کے بہکانے سے بچھڑا پوجنے لگے سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور آپ کے بارہ ہزار ہمراہیوں کے تمام بنی اسرائیل نے گوسالہ کو پوجا۔ (تفسیر خازن، بقرہ)

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○

پھراس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی کہ کہیں تم احسان مانو۔

بنی اسرائیل کے گناہوں کو معاف کردینے کا بیان

"ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ" مَحَوْنَا ذُنُوبَكُمْ "مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" الِاتِّخَاذ "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" نِعْمَتَنَا عَلَيْكُمْ،

پھراس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی یعنی تمہارے گناہوں کو مٹا دیا یعنی معبود بنانے کے بعد کہ کہیں تم احسان مانو۔ یعنی جو ہماری نعمتیں تم پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشش ہونے کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے اور قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو پایا اس نے اسے اٹھا کر اپنے پیٹ سے لگایا اور اسے دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اللہ کی قسم جہاں تک اس کی قدرت ہوئی اسے نہ پھینکے گی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس عورت کے اپنے بچہ پر رحم کرنے سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2478)

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والی (دلیل) عطا کی تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

کتاب وفرقان کے درمیان عطف کا بیان

"وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَاب" التَّوْرَاة "وَالْفُرْقَان" عَطْف تَفْسِير اَیْ الْفَارِق بَيْنَ الْحَقّ وَالْبَاطِل وَالْحَلَال وَالْحَرَام "لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ" بِهٖ مِنَ الضَّلَال،

اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات اور حق و باطل میں فرق کرنے عطف تفسیری یعنی حق و باطل کے درمیان اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی دلیل عطا کی تا کہ تم ہدایت پاؤ۔ یعنی گمراہی سے ہدایت پا جاؤ۔

الفرقان" کا "الکتاب" پر عطف ممکن ہے صفت کا صفت پر عطف ہو اور ہر ایک تورات کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہو یعنی یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی چیز عطا کی جو کتاب بھی ہے اور فرقان بھی یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب اور فرقان دو مختلف چیزیں ہوں یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور فرقان بھی عطا کیا۔ اس اعتبار سے فرقان سے مراد معجزات، دلائل و براہین یا اس طرح کے امور ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر الکشاف)

کتاب یعنی تورات کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو کیونکہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے یا معجزات کو

فرقان کہا گیا ہے کہ معجزات بھی حق و باطل کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

تورات کے مختصر تعارف کا بیان

عبرانی زبان میں "تورات" کے لغوی معنے ہیں سبق۔ چنانچہ تورات میں وہ کچھ شامل ہے جس سے ایک دینی قوم کو سبق ہو، اور جس پر تاریخ اور شریعت کی بنیاد کھڑی ہو۔

وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کا قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر ذکر ملتا ہے۔ موجودہ بائبل میں پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں کے مجموعے کو توریت کہتے ہیں۔ اس میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱) پیدائش، (۲) خروج، (۳) احبار، (۴) گنتی، (۵) استثنا

قرآن میں ہے کہ یہودیوں نے اس میں حسب منشا ترمیم کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس میں تقریباً وہی قصص اور احکام پائے جاتے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں لیکن عقائد اور مسائل میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ اور وہ تمام باتیں جو اسلام کو سچا مذہب ثابت کرتی ہیں اس میں سے نکال دی گئی ہیں۔ اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توریت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتابوں کو نہ سچ کہو نہ غلط۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم اللہ اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہودی توریت کے مضامین کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں ان کو اس پر مطعون کیا گیا ہے کہ وہ بعض باتیں ظاہر کرتے ہیں اور بعض کو چھپا لیتے ہیں۔ مؤخر الذکر باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کی بھی شہادت ہے۔ یہود سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور سب کے سامنے سناؤ۔

موجودہ شریعت کے ہوتے ہوئے تورات کو نہ پڑھنے کا بیان

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ ﷺ یہ تورات کا نسخہ ہے، حضور اخاموش رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہنے اس کو پڑھنا شروع کیا اور (غصہ کی وجہ سے) رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہنے فرمایا، اے عمر، تمہارا ناس ہو، حضور ﷺ کے چہرہ پر غصہ کے آثار تمہیں دکھائی نہیں دیتے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورا کے چہرہ کی طرف دیکھا اور کہا میں اللہ اور اس کے رسول کے غصہ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہم اللہ کو رب ماننے پر اور اسلام کو دین تسلیم کرنے پر اور محمد اکو نبی ماننے پر راضی وخوش ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میری اتباع کرتے۔ (تقریب تہذیب، ج ا، ص ۵۷، بیروت)

مذکورہ بالا حدیث سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تقابلی مطالعہ کے علاوہ ان کتابوں کا پڑھنا درست ہی نہیں، اس لئے کہ یہ سب اب منسوخ ہیں اور ناسخ کی موجودگی میں منسوخ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی
طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے تو
اس نے تمہاری توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جانوں کے قتل کے بدلے توبہ ہونے کا بیان

"وَاِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهٖ " اَلَّذِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْل "يَا قَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْل " يَا قَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ اِلٰهًا ۔ "فَتُوبُوا اِلَى بَارِئِكُمْ " خَالِقِكُمْ مِنْ عِبَادَته "فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" اَیْ لِيَقْتُلِ الْبَرِیْءُ مِنْكُمُ الْمُجْرِمَ "ذٰلِكُمْ" الْقَتْل "خَيْر لَكُمْ عِنْد بَارِئِكُمْ " فَوَفَّقَكُمْ لِفِعْلِ ذٰلِكَ وَاَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لِئَلَّا يُبْصِر بَعْضكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمهُ حَتّٰى قَتَلَ مِنْكُمْ نَحو سَبْعِيْنَ اَلْفًا "فَتَابَ عَلَيْكُمْ" قَبِلَ تَوْبَتكُمْ "اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا یعنی جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا کہ اے میری قوم! تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ یعنی تم اپنے خالق کی عبادت سے توبہ کرو تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دو تا کہ تم جرم سے بری ہو جاؤ، یہی تمہارے خالق کی بارگاہ میں بہتر ہے۔ پس اس نے ان کو عمل کی توفیق دی اور ان پر سیاہ بادل بھیج دیا تا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔ کہ کہیں قتل کرنے سے رحم نہ کرلیں۔ اس طرح ستر ہزار قتل ہوئے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۵۴ کے الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

من بعده "یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور چلے جانے کے بعد۔ "اتخذتم "ان افعال میں سے ہے جو "تصییر " کا مفہوم رکھتے ہیں اسکا پہلا مفعول "العجل " ہے اور دوسرا مفعول "الھا " ہے جو بہت واضح ہونے کی بنا پر کلام میں ذکر نہیں ہوا گویا مطلب یوں ہے "ثم جعلتم العجل الهاً لكم ۔

فاقتلوا "میں "فاء" تفسیریہ ہے یعنی "فاقتلوا أنفسكم "اور یہ "توبوا کی تفسیر ہے۔ اس جملہ "فاقتلوا أنفسكم " کے بارے میں دو طرح کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔ فاقتلوا بعضكم بعضا۔ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ دوسرا یہ کہ ہر کوئی خود کو قتل کرے۔

ستر ہزار آدمیوں کے قتل کے سبب توبہ ہونے کا بیان

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے

لوگ کھڑے رہ گئے اور قتل کرنا شروع کیا قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا ہٹا تو انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ایک سخت فرمان تھا جس کی ان لوگوں نے تعمیل کی اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمادیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور غذا پا رہے ہیں اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلواریں نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں، بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور اللہ تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ○
اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک اعلانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے
آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

اللہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں کے انجام کا بیان

"وَاِذْ قُلْتُمْ" وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوسَی لِتَعْتَذِرُوْا اِلَی اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ وَسَمِعْتُمْ كَلَامَه "يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً" عِيَانًا "فَاَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ" الصَّيْحَة فَمُتُّمْ "وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ" مَا حَلَّ بِكُمْ،

اور جب تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچھڑے کی عبادت کے عذر خواہی کیلئے نکلے اور اللہ کا کلام سنا تو کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک اعلانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا جس سے تم مر گئے اور تم دیکھ رہے تھے۔ جو کچھ تمہارے ہو گزرا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر آدمیوں کا کوہ طور پر جانے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے خود دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ

جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اللہ تعالیٰ بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی۔ بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پہ توبہ کرنے کے لئے چلے ان سے کہا کہ تم توبہ کرو ورنہ روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو جب بحکم الٰہی طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے جب کلام رب ذوالجلال شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگا اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ تعالیٰ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں جب کلام الہ العالمین ختم ہوا بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے۔

جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری بات اس کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما۔ اور ہم پر فضل و کرم کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع وخضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا، اب سب نے ایک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥
پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر شکر ادا کرنے کا بیان

"ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ" اَحْيَيْنَاكُمْ "مِنْ بَعْد مَوْتكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ نِعْمَتَنَا بِذٰلِكَ ۔

پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ یعنی ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرنے بن جاؤ۔

نعمتوں کی عطاء کا تقاضہء شکر کرنے کا بیان

اس آیت مبارکہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کو نعمتیں اس لئے بھی دی گئیں تھیں کہ وہ ان کا شکر ادا کریں کیونکہ نعمت اپنے شکرانے کا تقاضہ کرنے والی ہے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت اس حقیقت کو نہایت خوبی کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنی سیرو سیاحت کے سلسلے میں وہ دمشق یا کسی اور شہر میں جب پہنچے تو ان کی جوتی پھٹ چکی تھی اور ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ نئی جوتی خرید سکیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنی اس غربت کے سبب سے میں دل میں نہایت ملول تھا اور بار بار یہ خیال ذہن میں پیدا ہو رہا تھا کہ اس فضل وکمال کے باوجود اللہ نے مجھے اس حال میں رکھا ہے کہ میرے پاؤں میں جوتی بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اسی گرفتگی کے ساتھ شہر کی مسجد میں داخل ہوا۔ وہاں پہنچا تو میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کے سرے سے پاؤں ہی نہیں تھے۔ اس کو دیکھتے ہی میں دفعۃً اپنے رب کے آگے سجدے میں گر پڑا کہ اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے جوتی نہیں تو پاؤں تو دیے ہیں۔ یہ بے چارہ تو سرے سے پاؤں ہی سے محروم ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اپنی اس سرگزشت میں نہایت خوبی کے ساتھ یہ بات سمجھا دی ہے کہ اللہ کا شکر گزار بندہ بننے کے لیے دنیا کو کس نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے۔ جو لوگ دنیا کو سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ملتی رہتی ہیں جو ان کو اللہ کے شکر پر ابھارتی رہتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ کتنوں کے پاس پاؤں ہی نہیں ہیں، اپنی اس محرومی پر اللہ سے شاکی رہتے ہیں۔ کہ ان کے پاس کار نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی اللہ کی شکر گزاری کی توفیق نہیں پاتے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
اور ہم نے بادل کو تمہارا سائبان کیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور انہوں نے کچھ ہمارا
نہ بگاڑا ہاں اپنی ہی جانوں کو بگاڑ کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنے کا بیان

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَام " سَتَرْنَاكُمْ بِالسَّحَابِ الرَّقِيق مِنْ حَرّ الشَّمْس فِي التِّيه "وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ" فِيهِ "الْمَنّ وَالسَّلْوَى " هُمَا التَّرَنْجَبِين وَالطَّيْر السُّمَانَى بِتَخْفِيفِ الْمِيم وَالْقَصْر وَقُلْنَا : "كُلُوا مِنْ طَيِّبَات مَا رَزَقْنَاكُمْ " وَلَا تَدَّخِرُوا فَكَفَرُوا النِّعْمَة وَادَّخَرُوا فَقُطِعَ عَنْهُمْ "وَمَا ظَلَمُونَا " بِذَلِكَ

"وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ" لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهِمْ،

اور ہم نے بادل کوتمہارا سائبان کیا یعنی میدان تیہ میں سورج کی گرمی سے بچنے کیلئے ہلکے بادلوں سے ڈھانپ لیا۔ اور تم پر من اور سلویٰ اتارا یعنی وہ دونوں ترنجبین اور بٹیر تھی۔ سمانی کو میم کی تخفیف کے ساتھ اور قصر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں کھاؤ اور تم ذخیرہ نہ کرو پس انہوں نے نعمت کا انکار کیا تو انہوں نے ذخیرہ کیا اور عہد کو کاٹ دیا۔ اور انہوں نے کچھ ہمارا نہ بگاڑا ہاں اپنی ہی جانوں کو بگاڑ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کی سزا ان پر ہے۔

من وسلویٰ کے لغوی مفہوم کا بیان

"غمامۃ" کا معنی ہے بادل اور اسکی جمع "غمام" ہے (لسان العرب) بعض اہل لغت کے نزدیک غمامہ کا معنی سفید بادل ہیں لغت میں "من" کے معانی میں سے ایک معنی میٹھا شربت یا ایک طرح کا میٹھا گوند ہے۔ سلوی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بٹیر یا سفید رنگ کا ایک پرندہ ہے۔

امام کسائی نحوی کہتے ہیں سلویٰ واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلویٰ۔

بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے من وسلویٰ کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی کہتے ہیں کہ ابن عمر ربیع بن انس ابو مجاز ضحاک اور سدی نے بھی یہی کہا ہے حسن اور قتادہ بھی یہی کہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا ابو حذیفہ کا قول بھی یہی ہے آیت (هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ) 2۔ البقرۃ:210) اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادل میں آئے۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔ جو "من" ان پر اترا وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے وہ گوند کی قسم کا تھا۔ کوئی کہتا ہے شبنم کی وضع کا تھا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اولوں کی طرح "من" ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر آفتاب نکلنے تک اترتا رہتا تھا ہر شخص اپنے گھر بار کے لئے اتنی مقدار میں جمع کر لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو اگر کوئی زیادہ لیتا تو بگڑ جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دو دن کا لے لیتے تھے جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا ربیع بن انس کہتے ہیں من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے شعبی فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس "من" کا سترواں حصہ ہے شعروں میں یہی "من" شہد کے معنی میں آیا ہے یہ سب اقوال قریب قریب ہیں غرض یہ ہے کہ ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بلا تکلیف وتکلف ملتی تھی اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لی جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر

دی جاتی تو اور چیز ہو جاتی تھی۔لیکن یہاں "من" سے مراد یہی "من" مشہور نہیں۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے۔(تفسیر قرآن، بقرہ، از امام ابن ابی حاتم رازی)

بنی اسرائیل کیلئے میدان تیہ میں بادلوں کے سائے کا بیان

جب فرعون دریائے نیل میں غرق ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان نصیب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کا لشکر لے کر ارض مقدس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں۔اُس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی قوم کا قبضہ تھا جو بدترین کفار تھے اور بہت طاقتور جنگجو اور نہایت ہی ظالم لوگ تھے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے مگر جب بنی اسرائیل بیت المقدس کے قریب پہنچے تو ایک دم بزدل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شہر میں "جبارین" (عمالقہ) ہیں جو بہت ہی زور آور اور زبردست ہیں۔لہٰذا جب تک یہ لوگ شہر میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز شہر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا اللہ جا کر اس زبردست قوم سے جنگ کریں۔ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔بنی اسرائیل کی زبان سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج وصدمہ ہوا اور آپ نے باری تعالیٰ کے دربار میں یہ عرض کیا کہ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو اُن بے حکموں سے جدا رکھ۔(پ6، المائدۃ:25) اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب وجلال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ زمین اُن پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم اُن بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

(پ6، المائدۃ:26)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چھ لاکھ بنی اسرائیل ایک میدان میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے مگر اس میدان سے باہر نہ نکل سکے۔ اسی میدان کا نام "میدان تیہ" ہے۔اس میدان میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے "من وسلویٰ" نازل ہوا۔اور پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مار دیا تو پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔اس واقعہ کو قرآن مجید نے بار بار مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔جس میں سے سورہ مائدہ میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے جو بلاشبہ ایک عجیب الشان واقعہ ہے جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی تعجب خیز اور حیرت انگیز داستان ہے مگر اس کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت وشفقت بنی اسرائیل پر ہمیشہ رہی کہ جب یہ لوگ میدان تیہ میں بھوکے پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگ کر اُن لوگوں کے کھانے کے لئے من وسلویٰ نازل کرایا۔اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرا دیئے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر اور آپ کے حلم اور تحمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔(عجائب القرآن، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور)

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○
اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ۔ پھر اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے
گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں۔

بنی اسرائیل کا بیت المقدس میں داخل ہونے کا بیان

"وَاِذْ قُلْنَا" لَهُمْ بَعْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ التِّيْهِ "اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ" بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ اَرِيْحَا "فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا" وَاسِعًا لَا حَجْرَ فِيْهِ "وَادْخُلُوا الْبَابَ" اَىْ بَابَهَا "سُجَّدًا" مُنْحَنِيْنَ "وَقُوْلُوْا" مَسْأَلَتُنَا "حِطَّةٌ" اَىْ اَنْ تَحُطَّ عَنَّا خَطَايَانَا "نَغْفِرْ" وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ فِيْهِمَا "لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا،

اور جب ہم نے فرمایا یعنی میدان تیہ سے نکلنے کے بعد اس بستی یعنی بیت المقدس یا اریحا میں داخل ہو جاؤ۔ پھر اس میں جہاں چاہو کھاؤ وسیع طور پر بلا کسی روک ٹوک کے۔ اور دروازہ یعنی باب میں سجدہ یعنی جھکتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے مسائل یعنی گناہ معاف ہوں یعنی ہم سے ہماری خطائیں مٹا دے۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور ایک قرأت میں یاء اور تاء کے ساتھ یہ دونوں صیغے مفعول کے ہیں۔ یعنی تمہاری خطاؤں کیلئے۔ اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں۔ یعنی اطاعت کے ساتھ اجر ہے۔

قریہ وحطہ کے لغوی مفہوم کا بیان

لغت میں "قریۃ" کا معنی دیہات اور شہر بھی آیا ہے قرآن کریم میں بھی دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اب چونکہ کوئی قرینہ نہیں ہے کہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے لہٰذا "آبادی" کا مفہوم لیا گیا ہے اور "القریۃ" میں الف لام عہد حضوری ہے لہٰذا ایک خاص خطے کی طرف اشارہ ہے۔ بہت سے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔

'حطة" مبتدائے محذوف مثلاً "مسالتنا" کی خبر ہے یہ اسم مصدر ہے اور اسکا معنی ہے رکھنا یا نیچے اتارنا۔ جملہ "نغفر لکم کے قرینے سے اس سے مراد گناہوں کا اٹھانا یا بخشش ہے۔ بنابریں "قولوا حطة" یعنی کہو اے اللہ ہماری درخواست ہمارے گناہوں کی معافی ہے۔

المحسنین، نیک لوگ "، ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ بنی اسرائیل کے دوسرے گروہ کے بارے میں ہو اور یہ مطلب جملہ "نغفر لکم خطایاکم "سے سمجھ میں آتا ہے یعنی یہ کہ بنی اسرائیل کے دو گروہ تھے ایک گروہ گناہگاروں کا تھا جس کی طرف "نغفر لکم خطایاکم" کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے اور دوسرا گروہ پاک دامن افراد کا تھا اور "المحسنین" اسی کو بیان کر رہا ہے۔

حطہ کی بہ جائے حنطہ کہنے والے یہود کا بیان

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بجائے حبتہ فی شعرۃ کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی، عبدالرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براء فرماتے ہیں سیقول السفهاء میں سفہاء یعنی جاہلوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں حطۃ کے بدلے انہوں نے حنطة حبته حمراء فيها شعيرة کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے هطا سمعانا ازبته مزبا ابن عباس بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بدلے حنطة کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ
السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝
پس ان ظالموں نے اس قول کو جو ان سے کہا گیا تھا ایک اور کلمہ سے بدل ڈالا سو ہم نے ظالموں پر آسمان سے سخت
آفت اتار دی اس وجہ سے کہ وہ حکم عدولی کر رہے تھے۔

یہود کا حکم الٰہی کے لفظ حطہ کو بدلنے کا بیان

"فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا" مِنْهُمْ "قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيلَ لَهُمْ" فَقَالُوْا : حَبَّةٌ فِىْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا يَزْحَفُوْنَ عَلٰى اَسْتَاهِهِمْ "فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا" فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِىْ تَقْبِيحِ شَأْنِهِمْ "رِجْزًا" عَذَابًا طَاعُوْنًا "مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ اَىْ خُرُوجِهِمْ عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِىْ سَاعَةٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ اَقَلُّ،

بما كانوا، میں باء سببیۃ کی ہے اور "ما" مصدریۃ ہے۔ فعل مضارع پر جب "کان" آ جائے تو زمانہ ماضی میں استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

بما كانوا يفسقون "میں باء سببیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسمانی عذاب کے نزول کا سبب بنی اسرائیل کا دیرینہ

فسق تھا۔ان کو ظالم، ستمگر "الذین ظلموا" کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عذاب ان کے ظلم کی وجہ سے ہوا اور یہ ظلم فرمان الٰہی کی تبدیلی تھا بنابریں کہا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستمگری کے ساتھ ساتھ ان کا پرانا فسق ان پر عذاب کا باعث بنا۔

حضرت عطا، مجاہد بن جبر مخزومی تابعی، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع، یحییٰ نے بھی یہی بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس قول وفعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے
ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا کھاؤ اور پیو اللہ کا دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو۔

بنی اسرائیل کیلئے بارہ چشمے بننے کا بیان

"وَ" "اُذْكُرْ" "اِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی" "اَیْ طَلَبَ السُّقْيَا "لِقَوْمِهٖ" وَقَدْ عَطِشُوْا فِی التِّيْه "فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ" وَهُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِثَوْبِهٖ خَفِيْف مُرَبَّع كَرَاْسِ الرَّجُل رُخَام اَوْ كَذَّان فَضَرَبَهٗ. "فَانْفَجَرَتْ" انْشَقَّتْ وَسَالَتْ "مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا" بِعَدَدِ الْاَسْبَاط "قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاس" سِبْط مِنْهُمْ "مَشْرَبَهُمْ" مَوْضِع شُرْبهمْ فَلَا يَشْرَكهُمْ فِيْهِ غَيْرهمْ وَقُلْنَا لَهُمْ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِزْق اللّٰه وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْض مُفْسِدِيْنَ" حَال مُؤَكِّدَة لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَة اَفْسَدَ.

اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا، جو میدان تیہ میں پیاسے تھے تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو یہ وہی پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا جو ہلکا سا چوکور کی طرح انسان کے سر کی مانند تھا جس کا رنگ سفید تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا مارا تو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے یعنی پھوٹ نکلے، یعنی قبائل کی تعداد کے مطابق تو ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا کھاؤ یعنی ہر قبیلے نے پینے کی جگہ کو جان لیا تاکہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور ہم نے ان سے کہا کہ کھاؤ اور پیو اللہ کا دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو۔ یہاں مفسدین اپنے عامل سے حال مؤکدہ ہے جس عثی مثلثہ کے کسرہ کے ساتھ جس کا معنی افسد ہے۔

استسقاء کے معنی اور الحجر میں الف لام کے معنی کا بیان

لغت میں "استسقاء" کا معنی ہے پانی طلب کرنا اور شرعی اصطلاح میں ایک خاص انداز سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں بارش کے لئے دعا کرنا ہے "الحجر" میں الف لام ممکن ہے جنس کے لئے ہو پس اس سے مراد دیگر اشیاء کے مقابل پتھر ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ الف لام عہد حضوری یا عہد ذہنی کا ہو۔اس صورت میں اس سے مراد خاص پتھر ہے۔

فانفجرت" کی فاء فصیحه ہے یعنی ایک مقدر معطوف علیہ کو بیان کررہی ہے اس جملے کی تقدیر یوں بنتی ہے۔فضرب بعصاه الحجر فانفجرت"اس جملے کا حذف ہونا گویا اس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ فرمان الہی وہی مارنا ہے۔

علامہ جاراللہ زمخشری کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں یعنی اسی ایک پتھر پر عصا مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو حضرت حسن سے بھی یہی مروی ہے۔(تفسیر کشاف،بقرہ)

چشموں والے پتھر کے مفہوم میں مفسرین کے اقوال کا بیان

جب تمہارے نبی نے تمہارے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر قبیلے کے لئے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کرا دیا جسے ہر قبیلہ نے جان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من وسلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو بے محنت کی روزی کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہ نکلیں۔یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔جہاں اترتے رکھ دیتے اور عصا کی ضرب لگتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلیں۔جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا۔

بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دو شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دئے تھے بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل کے مشورے سے اٹھا لیا تھا جس سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے چشموں کے جاری ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے سفر میں پانی نہ پایا شدت پیاس کی شکایت کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو آپ کے پاس ایک مربع پتھر تھا جب پانی کی ضرورت ہوتی آپ اس پر

عصا مارتے اس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے اور سب سیراب ہوتے یہ بڑا معجزہ ہے لیکن سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انگشت مبارک سے چشمے جاری فرما کر جماعت کثیرہ کو سیراب فرمانا اس سے بہت اعظم و اعلیٰ ہے کیونکہ عضو انسانی سے چشمے جاری ہونا پتھر کی نسبت زیادہ اعجب ہے۔ (تفسیر خازن، بقرہ)

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ
الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى
بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ

الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی
ہوئی چیزیں ہمارے لئے نکالے کچھ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز فرمایا کیا ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے
مانگتے ہو اچھا مصر یا کسی شہر میں اترو وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ان پر مقرر کر دی گئی خواری اور ناداری اور اللہ
کے غضب میں لوٹے یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے۔ یہ بدلہ اس لئے تھا
کیونکہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھنے والے تھے

بنی اسرائیل کا ایک کھانے پر صبر نہ کرنے کا بیان

"وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ" اَیْ نَوْعٍ مِنْهُ "وَاحِدٍ" وَهُوَ الْمَنُّ وَالسَّلْوٰى "فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا" شَيْئًا "مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ" لِلْبَيَانِ "بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا" حِنْطَتِهَا "وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ" لَهُمْ مُوْسٰى "اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى" اَخَسُّ "بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ" اَشْرَفُ اَتَاْخُذُوْنَهُ بَدَلَهُ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ فَاَبَوْا اَنْ يَّرْجِعُوْا فَدَعَا اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ تَعَالٰى "اِهْبِطُوْا" اِنْزِلُوْا "مِصْرًا" مِنَ الْاَمْصَارِ "فَاِنَّ لَكُمْ" فِيْهِ "مَا سَاَلْتُمْ" مِنَ النَّبَاتِ "وَضُرِبَتْ" جُعِلَتْ "عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ" الذُّلُّ وَالْهَوَانُ "وَالْمَسْكَنَةُ" اَیْ اَثَرُ الْفَقْرِ مِنَ السُّكُوْنِ وَالْخِزْیِ فَهِیَ لَازِمَةٌ لَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا اَغْنِيَاءَ لُزُوْمَ الدِّرْهَمِ الْمَضْرُوْبِ لِسِكَّتِهٖ "وَبَاءُوْا" رَجَعُوْا "بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ" اَیِ الضَّرْبُ وَالْغَضَبُ "بِاَنَّهُمْ" اَیْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ "كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ" كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى "بِغَيْرِ الْحَقِّ" اَیْ ظُلْمًا "ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ" يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَدَّ فِی الْمَعَاصِیْ وَكَرَّرَهٗ لِلتَّاْكِيْدِ،

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا۔ یعنی ایک قسم کے کھانے اور وہ من وسلویٰ ہے تو اپنے رب کو ہمارے لئے پکاریے کہ وہ ہمارے لئے نکالے کوئی چیز جو زمین اگاتی ہے، یہاں مما میں من بیانیہ ہے۔ ساگ، سبزی، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز ہے' تو ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم کم تر چیز کو بدلتے ہو اس کے بدلے میں جو بہتر ہے یعنی اعلیٰ دیکر ادنی لینا چاہتے ہو، اور ہمزہ یہاں انکاری ہے۔ پس اپنے مطالبے سے باز آنے سے انکار کر گئے۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم شہروں میں سے کسی شہر میں اتر جاؤ، پس وہاں تمہارے لئے وہی ہوگا جو تم مانگتے ہو جو نبات سے ہوگا۔ اور ان پر ذلت ماردی گئی یعنی ذلت، خواری، مسکینی ومحتاجی یعنی فقر کے اثر سے سکون وذلت ان کیلئے لازم ہوگیا اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں ان کے دراہم کیلئے ماردیا سکہ ہونا، پس وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے۔ یعنی ضرب اور غضب کیونکہ وہ اللہ تعالی کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور انبیائے کرام جس طرح ذکریا اور یحیٰ علیہما السلام، کو بغیر سبب کے قتل کردیا یعنی ظلم کرتے ہوئے کیونکہ وہ نافرمانی کرنے اور حد سے بڑھنے والے تھے۔ یعنی معصیت میں حد سے بڑھنے والے اور اس کی تاکید کیلئے تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ضمیر کے سبب زمینی غذاؤں پر تاکید ہونے کا بیان

مما تنبت الأرض، وہ جو زمین اگاتی ہے" یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ایسی غذاؤں کو چاہتی تھی جو سبزیاں اور زمین سے اگی ہوئی ہوں۔ بـقـل اور بصل کا ضمیر "ہا" کی طرف اضافہ جس کا مرجع "الأرض" ہے (زمین کی سبزیاں اور زمین کی پیاز) یہ اضافہ طلب کی گئی غذاؤں کے زمینی ہونے پر تاکید ہے۔

"یخرج" مجزوم ہے جو دلالت کرتا ہے کہ اس کی شرط مقدر ہے یعنی "ادع لنا ربك ان تدع یخرج، دعا کرو اگر دعا کرو گے تو اللہ تعالی نکال دے گا۔ یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دعا کی قبولیت کا اطمینان حاصل تھا،

لفظ فوم کے مختلف لغوی مفاہیم کا بیان

فوم کے معنی میں اختلاف ہے ابن مسعود کی قرأت میں ثوم ہے، مجاہد بن جبر مخزومی تابعی نے فوم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے۔ یعنی لہسن، حضرت ابن عباس سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اگلی لغت کی کتابوں میں فوموا لنا کے معنی اختبروا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے عاثور شرعافور شراثافی اثاثی مغافیر مغاثیر وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث بدلا گیا کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں فوم کے معنی گیہوں کے ہیں حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور احیحہ کے شعر میں بھی فوم گیہوں کے معنی میں آیا ہے بنی ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا۔ فوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں بعض نے سنبلہ کے معنی کئے ہیں حضرت قتادہ اور حضرت عطا فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے اسے فوم کہتے ہیں بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٔيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

بیشک جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی تھے (ان میں سے) جو (بھی) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اچھے عمل کیے، تو ان کیلئے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

سابقہ ادیان حق پر ایمان وعمل کرنے والوں کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" بِالْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْل "وَالَّذِيْنَ هَادُوْا" هُمُ الْيَهُوْد "وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ" طَائِفَة مِنَ الْيَهُوْد اَوْ النَّصَارٰى "مَنْ اٰمَنَ" مِنْهُمْ "بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِر" فِيْ زَمَن نَبِيِّنَا "وَعَمِلَ صَالِحًا" بِشَرِيعَتِهِ "فَلَهُمْ اَجْرهمْ" اَيْ ثَوَاب اَعْمَالهمْ "عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" رُوعِيَ فِيْ ضَمِير اٰمَنَ وَعَمِلَ لَفْظ مَنْ وَفِيمَا بَعْده مَعْنَاهَا،

بیشک جولوگ ایمان لائے یعنی پہلے انبیائے کرام پر ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی تھے جو یہود و نصاریٰ میں سے ایک گروہ ہے جو بھی ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا یعنی اپنے انبیائے کرام کے زمانے میں اور اس نے اچھے عمل کئے، یعنی شریعت کے مطابق تو ان کے لئے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر یعنی اعمال کا ثواب ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یہاں پر امن اور عمل کی ضمیر میں من کے لفظ کی رعایت ہے جبکہ اس کے بعد میں من کے معنی کی رعایت ہے۔

یہود و نصاریٰ کی لفظی وجوہ تسمیہ و معانی کا بیان

لفظ یہود ہوداۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس سے کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ہے آیت (انا هدنا اليك) حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے یہودا حضرت یعقوب کے بڑے لڑکے کا نام تھا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ملتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی اور آیت ۶۲ کے شان نزول کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ بقرہ، آیت ۶۲، بیروت)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد

تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں، حضرت سلمان کو اس سے بڑا رنج ہوا وہیں یہ آیت نازل ہوئی۔

نصاریٰ کے نام نصاریٰ کی وجہ تسمیہ کا بیان

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے آیت (مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ)3۔آل عمران:52) اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترتے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے ابن عباس سے بھی مروی ہے۔نصاریٰ نصران کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاوی اور سکران کی جمع سکاری اس کا مونث نصرانۃ آتا ہے۔

صابی گروہ کے متعلق تفسیری تصریحات کا بیان

صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لا مذہب کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے اسی بنا پر ابوحنیفہ اور اسحق کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔حضرت حسن اور حضرت حکم فرماتے ہیں یہ گروہ مجوسیوں کے مانند ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

حضرت ابوالزناد فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں۔بکوثی کے رہنے والے سب نبیوں کو مانتے ہیں ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن زید کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے آیت (لا الہ الا اللہ) پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے مشرکین اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو لا الہ اللہ صابی کہتے تھے یعنی کہنے کی بنا پر۔ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح کے دین پر بتاتے تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا ان کا ذبیحہ کھانا اور کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے قرطبی فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے ابوسعید اصطخری نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ

مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی میں مشرکین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ
لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور کو اونچا کیا لو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون یاد کرو اس
امید پر کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔

بنی اسرائیل پر طور پہاڑ کو بلند کرنے کا بیان

"وَ" اُذْکُرْ "اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ" عَهْدَکُمْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِی التَّوْرَاة "و" قَدْ "رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْر" الْجَبَل اقْتَلَعْنَاهُ مِنْ اَصله عَلَیْکُمْ لَمَّا اَبَیْتُمْ قَبُولهَا وَقُلْنَا "خُذُوا مَا اٰتَیْنَاکُمْ بِقُوَّةٍ" بِجِدٍّ وَاجْتِهَاد "وَاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ" بِالْعَمَلِ بِهِ "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" النَّار اَوْ الْمَعَاصِی،

اور تم یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا یعنی تورات پر عمل کرنے کا عہد لیا اور تم پر طور کو اونچا کیا یعنی پہاڑ کو جڑ سے اٹھا کر تمہارے اوپر لٹکا دیا جب تم نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور ہم نے کہا کہ لو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے یعنی سخت محنت واجتہاد سے اور اس کے مضمون یاد کرو یعنی عمل کے ساتھ اس امید پر کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ یعنی آگ اور معصیت سے بچو۔

میثاق کے معنی ومورد کا بیان

میثاق" کا معنی تاکیدی عہد و پیمان ہے جملہ "خــذوا" پیمان کے مورد کو بیان کر رہا ہے۔ آسمانی کتابوں کو اخذ کرنا یا لے لینا (خذوا ما آتیناکم) اس معنی میں ہے کہ ان کو قبول کیا جائے اور ان کے احکام پر عمل کیا جائے۔

"الطّور" ایک پہاڑ کا نام ہے (مفردات راغب) جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "الـطـور" وہی پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات کیا کرتے تھے (مجمع البیان) یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ہر پہاڑ کو بھی طور کہتے ہیں۔

عہد شکن یہود کے سروں پر پہاڑ کے باوجود سجدے کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر

رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹالیا اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد تورات ہے قوت سے مراد طاعت ہے یعنی تورات پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو اور اس پر عمل کرو یعنی تورات پڑھتے پڑھاتے رہو۔ لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کے بعد بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور عہد شکنی کی اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اس وعدے کو توڑنے کی بنا پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝
ترجمہ: پھر اس کے بعد بھی تم نے روگردانی کی، پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً نقصان
اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

بنی اسرائیل کا میثاق کے بعد اعراض کرنے کا بیان

"ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ" اَعْرَضْتُمْ "مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" الْمِيْثَاقِ عَنِ الطَّاعَةِ "فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُه" لَكُمْ بِالتَّوْبَةِ اَوْ تَاْخِيْرِ الْعَذَابِ "لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ" الْهَالِكِيْنَ،

پھر اس کے بعد بھی تم نے روگردانی کی، یعنی فرمانبرداری کے عہد سے، پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی یعنی تمہاری توبہ یا عذاب میں تاخیر سے، تو تم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ یعنی ہلاک ہو جاتے۔

تولیتم " کا مصدر تولی ہے جسکا معنی ہے منہ پھیر لینا ماقبل آیت کے قرینے سے اس کا متعلق بنی اسرائیل کا عہد تھا جس کے مطابق انہیں چاہیئے تھا کہ تورات کو قبول کریں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔

"ثم تولیتم" میں "ثم" ترتیب رتبی کی حکایت کر رہا ہے جبکہ "من بعد ذلك" ترتیب زمانی کا مفہوم دے رہا ہے "ثم" کا ترتیب رتبی کے لئے آنا مابعد کے جملے میں موجود مفہوم کی عظمت، تعجب وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ فضل الٰہی اور رحمت حق سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مراد ہے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی دولت نہ ملتی اور آپ کی ہدایت نصیب نہ ہوتی تو تمہارا انجام ہلاک وخسران ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے سبب نجات پانے کا بیان

روایات میں آتا ہے کہ شیطان شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے چاروں طرف مکروفریب کے جال پھینکتا رہا تا کہ ان جالوں میں آپ کو پھانس کر زیر کرلے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شیطانی پھندوں کو توڑنے میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ عزوجل کی رحمت خاص کے سبب کامیاب ہو گئے۔

روایت ہے کہ ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت وریاضت میں مشغول تھے کہ زمین سے آسمان تک آنکھوں کو چندھیا دینے والی تیز روشنی ظاہر ہوئی پھر اسی روشنی میں ایک چہرہ ظاہر ہوا جس نے گرجدار آواز میں آپ کو پکارا، اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں اور تیری عبادت وریاضت سے خوش ہو کر تجھ پر تمام فرائض کو معاف کرتا ہوں اور تجھ پر حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں لہٰذا اب جو جی میں آئے کر۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتنا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہونے کے باوجود عمر بھر عبادت میں مشغول رہے اور حلال وحرام پر سختی سے پابند رہے تو کوئی اور کیونکر اس سے آزاد ہو سکتا ہے چنانچہ میں نے لاحول پڑھا تو وہ تیز روشنی فوراً غائب ہوگئی اور اندھیرا چھیل گیا وہ چہرہ جو ظاہر ہوا تھا دھواں بن کر غائب ہو گیا پھر اس میں سے آواز آئی، اے عبدالقادر! تیرے علم نے تجھے بچا لیا۔ یہ شیطان کا آخری وار تھا جس کا آپ نے فوراً جواب دیا کہ اے مردود علم نے نہیں بلکہ مجھے میرے رب کی رحمت نے بچایا ہے۔ یہ سن کر ابلیس سر پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ اب تو میں آپ سے بالکل مایوس ہو چکا ہوں اور آئندہ آپ پر وقت ضائع نہ کروں گا۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دور ہو جا مردود میں تیری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا اور ہمیشہ تیرے مکر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (طبقات الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 127، قلائد الجواہر صفحہ 11، 20، 21، بہجۃ الاسرار صفحہ 85، 86)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝
اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں سے وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

اہل ایلہ پر دنیا میں عذاب آنے کا عبرت ناک واقعہ

"وَلَقَدْ" لَامُ قَسَمٍ "عَلِمْتُمْ" عَرَفْتُمْ "الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ" تَجَاوَزُوا الْحَدَّ بِصَيْدِ السَّمَكِ وَقَدْ نَهَيْنَاهُمْ عَنْهُ وَهُمْ اَهْلُ اَيْلَةَ "فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ" مُبْعَدِيْنَ فَكَانُوْا وَهَلَكُوا بَعْدَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ،

اور لقد میں لام قسم ہے۔ بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں سے وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی یعنی حد سے بڑھ گئے کیونکہ انہوں نے مچھلیوں کا شکار کیا جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور وہ اہل ایلہ تھے' تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے یعنی دھتکارے گئے اور وہ سارے تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔

"سبت" کا معنی ہے کام روکنا یا سکون واستراحت اس کو تعطیل یا چھٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعتدوا" کا مصدر ہے "اعتداء" اسکا معنی ہے تجاوز یا خلاف ورزی کرنا۔

"قردۃ" کا مفرد "قرد" ہے جسکا معنی ہے بندر "خاسی" کا معنی ہے راندہ ہوا نیز حقیر اور ذلیل کے معنی میں بھی آتا ہے خاسئین"، "کونوا" کی دوسری خبر ہے۔

بارہ ہزار یہودیوں کے بندر بننے کا واقعہ

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم کے ستر ہزار آدمی "عقبہ" کے پاس سمندر کے کنارے "ایلہ" نامی گاؤں میں رہتے تھے اور یہ لوگ بڑی فراخی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا اس طرح امتحان لیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار اُن لوگوں پر حرام فرما دیا اور باقی دنوں میں شکار حلال فرما دیا مگر اس طرح اُن لوگوں کو آزمائش میں مبتلا فرما دیا کہ ہفتے کے دن بے شمار مچھلیاں آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں تو شیطان نے اُن لوگوں کو یہ حیلہ بتا دیا کہ سمندر سے کچھ نالیاں نکال کر خشکی میں چند حوض بنالو اور جب ہفتے کے دن اُن نالیوں کے ذریعہ مچھلیاں حوض میں آجائیں تو نالیوں کا منہ بند کردو۔ اور اس دن شکار نہ کرو بلکہ دوسرے دن آسانی کے ساتھ اُن مچھلیوں کو پکڑ لو۔ اُن لوگوں کو یہ شیطانی حیلہ بازی پسند آگئی اور اُن لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب مچھلیاں نالیوں اور حوضوں میں مقید ہوگئیں تو یہی اُن کا شکار ہوگیا۔ تو ہفتے ہی کے دن شکار کرنا پایا گیا جو اُن کے لئے حرام تھا۔ اس موقع پر ان یہودیوں کے تین گروہ ہوگئے۔

(۱) کچھ لوگ ایسے تھے جو شکار کے اس شیطانی حیلہ سے منع کرتے رہے اور ناراض و بیزار ہو کر شکار سے باز رہے۔

(۲) اور کچھ لوگ اس کام کو دل سے برا جان کر خاموش رہے دوسروں کو منع نہ کرتے تھے بلکہ منع کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے۔

(۳) اور کچھ وہ سرکش و نافرمان لوگ تھے جنہوں نے حکم خداوندی کی اعلانیہ مخالفت کی اور شیطان کی حیلہ بازی کو مان کر سنیچر کے دن شکار کرلیا اور ان مچھلیوں کو کھایا اور بیچا بھی۔

جب نافرمانوں نے منع کرنے کے باوجود شکار کرلیا تو منع کرنے والی جماعت نے کہا کہ اب ہم ان معصیت کاروں سے کوئی میل ملاپ نہ رکھیں گے چنانچہ ان لوگوں نے گاؤں کو تقسیم کرکے درمیان میں ایک دیوار بنالی اور آمد ورفت کا ایک الگ دروازہ بھی بنالیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر شکار کرنے والوں پر لعنت فرما دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک دن خطا کاروں میں سے کوئی باہر نہیں نکلا۔ تو انہیں دیکھنے کے لئے کچھ لوگ دیوار پر چڑھ گئے تو کیا دیکھا کہ وہ سب بندروں کی صورت میں مسخ ہوگئے ہیں۔ اب لوگ ان مجرموں کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہ بندر اپنے رشتہ داروں کو پہچانتے تھے اور ان کے پاس آکر اُن کے کپڑوں کو سونگھتے تھے اور زار و زار روتے تھے، مگر لوگ اُن بندر بن جانے والوں کو نہیں پہچانتے تھے۔ اُن بندر بن جانے والوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ سب تین دن تک زندہ رہے اور اس درمیان میں کچھ بھی کھا پی نہ سکے بلکہ یوں ہی بھوکے پیاسے سب کے سب ہلاک ہوگئے۔ شکار سے منع کرنے والا گروہ ہلاکت سے سلامت رہا۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ دل سے برا جان کر خاموش رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاکت سے بچالیا۔ (تفسیر الصاوی، البقرۃ)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۝

اوراس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنادیا۔

واقعات سزا کا آنے والوں کیلئے عبرت ہونے کا بیان

"فَجَعَلْنَاهَا" اَیْ تِلْكَ الْعُقُوبَةَ "نَكَالًا" عِبْرَةً مَانِعَةً مِنْ ارْتِكَاب مِثْل مَا عَمِلُوْا "لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا" اَیْ لِلْاُمَمِ الَّتِی فِی زَمَانِهَا وَبَعْدَهَا "وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِيْنَ" اللّٰه وَخُصُّوا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ .

پس ہم نے اس کو بنادیا یعنی اس سزا کو عبرت یعنی ایسی عبرت جو اس قسم کے عمل کے ارتکاب سے روکنے والی ہے جو انہوں نے عمل کیا موجودہ اور آنے والے لوگوں کیلئے۔ یہاں لام التی میں موجودہ اور بعد والوں کیلئے ہے۔ اور پرہیز گاروں کیلئے نصیحت ہے یعنی جن کو اللہ نے ذکر کیلئے خاص کرلیا ہے۔ کیونکہ وہی نفع اٹھانے والے ہیں جبکہ ان کے سوا کوئی نفع اٹھانے والا نہیں ہے۔

ھا ضمیر کا اعتدوا کی جانب لوٹنے کے محل کا بیان

فجعلناها " کی ضمیر سے مراد اصحاب سبت کا عذاب وعقوبت ہے اور یہ مطلب "فقلنا لهم كونوا قردة " سے سمجھ میں آتا ہے۔ يديها" اور "خلفها" کی ضمیر "الذین اعتدوا" کی طرف لوٹتی ہے اس کو مؤنث اسی لئے استعمال کیا ہے کہ مراد "امت" یا "طائفة " ہے "ما بين يديها، جو تمہارے سامنے ہے" گویا اصحاب سبت کے ہم عصر لوگ مراد ہیں "ما خلفها جو ان کے بعد ہے" گویا آنے والے انسان مراد ہیں۔

کیونکہ سبق ہمیشہ ایسے ہی لوگ لیتے ہیں جو اپنے اندر اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔ ورنہ جو لاپرواہ اور بےفکر ہوتے ہیں، ان کیلئے کسی بھی چیز میں نہ کوئی درس ہوتا ہے نہ عبرت، پس خوف اللہ رکھنے والوں اور عبرت پکڑنے والوں کیلئے ان لوگوں کے اس قصے میں بڑا سامان عبرت وبصیرت تھا اور ہے کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والوں اور اسکی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کا انجام کتنا بھیانک اور کس قدر ہولناک ہوتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں سے ہوں۔

بنی اسرائیل سے قاتل کو جاننے کیلئے گائے ذبح کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "اِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ" وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِيلٌ لَا يُدْرى قَاتِله وَسَأَلُوهُ اَنْ يَدْعُو اللّٰه اَنْ يُبَيّنهُ لَهُمْ فَدَعَاهُ "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَة قَالُوا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا" مَهْزُوءًا بِنَا حَيْثُ تُجِيبنَا بِمِثْلِ ذٰلِكَ "قَالَ اَعُوذُ" اَمْتَنِع "بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ" الْمُسْتَهْزِئِيْنَ،

اور تم یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اور ان کا کوئی بندہ قتل ہو گیا جس کے قاتل کا پتہ نہیں معلوم ہو رہا تھا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ان پر قاتل کو ظاہر کر دے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں اس عجیب مثال کے ذریعے ہمارا مذاق کرتا ہے تو فرمایا اللہ کی پناہ روکتی ہے کہ میں جاہلوں سے ہوں۔ یعنی مذاق کرنے والوں سے ہوں،

"اعوذ" کا مصدر "عیاذ" ہے۔ جس کا معنی ہے پناہ لینا اور یہ اس وقت ہوتا جب انسان کسی چیز کے شر سے خوف زدہ ہو۔

چچا کو قتل کرنے والے قاتل کا واقعہ

بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک مالدار تھا۔ جو بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے، اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا، لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ علیہ السلام یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اعوذ باللہ'' مسائل شرعیہ کے موقع پر مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ
عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ○
توانہوں نے کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی
اور نہ کم عمر بلکہ ان دونوں کے درمیان کی ہو تو عمل کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔

گائے سے متعلق بنی سرائیل کے سوال کا بیان

فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنَّهٗ عَزَمَ "قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ" اَيْ مَا سِنُّهَا "قَالَ" مُوسٰى "اِنَّهٗ" اَيِ اللّٰه "يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِض" مُسِنَّة "وَلَا بِكْر" صَغِيرَة "عَوَان" نِصْف "بَيْنَ ذٰلِكَ" الْمَذْكُور مِنَ السِّنِيْنَ "فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ" بِهٖ مِنْ ذَبْحهَا،

پس جب انہوں نے اس ارادے کو یقین کرلیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے یعنی اس کی عمر کیا ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی (مسنہ) اور نہ کم عمر (چھوٹی) بلکہ ان دونوں کے درمیان کی ہو یعنی دونوں ذکر کردہ کی درمیانی عمر کی ہو تو عمل کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔ یعنی اس کو ذبح کرنے کا عمل کرو۔

فارض " کا معنی ہے بوڑھی "بقرة بكر "ایسی جواں سال گائے کو کہتے ہیں جو حاملہ نہ ہوئی ہو (لسان العرب) "عوان " کا معنی درمیانی عمر ہے۔

اب اگر یہ لوگ جاکر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے جوان عمر کی ہے انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمایئے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے باہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں اترتی جاتی ہے پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمایئے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی، کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے یک رنگی ہے کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○
وہ بولے: اپنے رب سے ہمارے حق میں دعا کریں وہ ہمارے لئے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا: وہ فرماتا
ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو، اس کی رنگت خوب گہری ہو دیکھنے والوں کو بہت بھلی لگے۔

دیکھنے والوں کو خوش کرنے والی گائے کا بیان

"قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَة صَفْرَاء فَاقِعٌ لَوْنُهَا " شَدِيْد الصُّفْرَة "تَسُرّ النَّاظِرِيْنَ" اِلَيْهَا بِحُسْنِهَا اَیْ تُعْجِبهُمْ،

وہ بولے: اپنے رب سے ہمارے حق میں دعا کریں وہ ہمارے لئے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو، یعنی زیادہ سرخی رنگ کی ہو، اس کی رنگت خوب گہری ہو دیکھنے والوں کو بہت بھلی لگے۔ یعنی دیکھنے والوں کو خوبصورت لگے اور ان کو تعجب میں ڈال دے۔

'فاقع" کا معنی گہرا، خالص اور روشن ہے "تسر، مسرت بخش ہو "اسکی ضمیر "بقرة" کی طرف لوٹتی ہے گویا گائے ایسی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والوں کے لئے خوشی و مسرت کا باعث ہو "صفر آء' سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسرت بخش ہونے میں رنگ بھی دخیل ہے یعنی مراد یہ ہے "تسر بلونها الناظرين "پس گائے بھی خوبصورت ہو اور اس کا رنگ بھی بھلا ہو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝
بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے وہ گائے کیسی ہے بیشک گایوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا
اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔

ان شاء اللہ کی برکت سے مسئلہ ہو جانے کا بیان

"قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَنَا مَا هِيَ " اَسَائِمَة اَمْ عَامِلَة "اِنَّ الْبَقَر " اَیْ جِنْسه الْمَنْعُوت بِمَا ذُكِرَ "تَشَابَهَ عَلَيْنَا " لِكَثْرَتِهِ فَلَمْ نَهْتَدِ اِلَى الْمَقْصُودَة "وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰه لَمُهْتَدُوْنَ " اِلَيْهَا وَفِي الْحَدِيث (لَوْ لَمْ يَسْتَثْنُوْا لَمَا بُيِّنَت لَهُمْ لِآخِرِ الْاَبَد،

بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لیے صاف بیان کردے یعنی وہ چرنے والی ہو یا کام کرنے والی ہو وہ گائے کیسی ہے یعنی اس کی جنس کی تعریف بتا دیں بیشک گایوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا یعنی ان کی کثرت کی وجہ سے ہم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے اور اگر اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ یعنی اس مقصد کو پالیں گے۔ اور حدیث میں ہے۔ اگر وہ لوگ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی اس گائے کا پتہ معلوم نہ ہوسکتا۔

تشابہ کے لغوی مفہوم کا بیان

تشابہ "یعنی مثل یا مشابہ ہونا، چونکہ "علی" کے ساتھ متعدی ہوا ہے اس لئے اس میں اشتباہ والتباس کا معنی پایا جاتا ہے بنا بریں "ان البقر، کا معنی یہ ہوا کہ جس گائے کی خصوصیات پیلا ہونا اور جواں سال ہونا بیان ہوئی ہے اس کے مصادیق بہت سے ہیں اور یہ امر اس بات کا موجب ہے کہ ہم کون سی گائے کا انتخاب کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا یہ جملہ حکایت کرتا ہے کہ

ان کا خیال تھا کہ ذبح کے لئے مورد نظر گائے کی اس طرح تعریف وتشریح ہو کہ اس جیسی گائے بس ایک ہی ہو۔

جملہ "ان البقر، ماقبل جملے کی تعلیل ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہ بتانے کے درپے تھی کہ ان کے بار بار کے سوالات اس لئے ہیں کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہوگیا ہے اور وہ لوگ حیرت و پریشانی سے نکلنا چاہتے ہیں نہ یہ کہ بہانے بنا رہے ہیں اور ذمہ داری سے فرار کرنا چاہتے ہیں۔

باپ سے حسن سلوک کے سبب دنیا میں انعام کا بیان

مشہور شیعہ مفسر اپنی تفسیر قمی میں لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مابین ایک شخص کے پاس گائے تھی اسکا ایک نیک خصلت بیٹا تھا۔ اس بیٹے کے پاس ایک جنس تھی جس کو خریدنے کے لیئے کچھ افراد آئے تو چابی اس کے والد کے سرہانے تلے تھی جو سو رہا تھا۔۔ والد جب اٹھا تو اس نے بیٹے سے پوچھا تو نے جنس کا کیا کیا؟ تو بیٹے نے جواب دیا کہ جنس ویسے ہی ہے میں نے اسے نہیں بیچا کیونکہ چابی آپ کے سر کے نیچے تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو بیدار کروں اور آپ کی نیند خراب کروں۔ والد نے اس سے کہا وہ منافع جو تو نے ضائع کر دیا ہے اس کے بدلے میں یہ گائے تجھے بخشتا ہوں۔ بیٹے کے والد سے اس نیک سلوک پر اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ گائے کو ذبح کریں۔

حضرت موسیٰ (ع) نے ان سے فرمایا "اللہ تعالی نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو" یہ اسی نیک آدمی کی گائے تھی۔ یہ گائے خریدنے کے لئے لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ جب تک اس کی جلد کو سونے سے نہ بھرو اس کو ہرگز نہیں بیچوں گا۔ پس بنی اسرائیل حضرت موسیٰ (ع) کے پاس آئے تو حضرت موسیٰ (ع) نے فرمایا کہ اسی گائے کو ذبح کرو اگر چہ اس کی جلد کو سونے سے بھرنا پڑے تو اس طرح بنی اسرائیل اسی گائے کو ذبح کرنے پر مجبور ہوئے۔ (تفسیر قمی، ج ا ص ۴۹، ایران)

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝
کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے بے عیب ہے
جس میں کوئی داغ نہیں بولے اب آپ ٹھیک بات لائے تو اسے ذبح کیا اور (ذبح) کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

خود پہ سختی کرنے والوں پر اللہ بھی سختی کرتا ہے

"قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُول" غَيْر مُذَلَّلَة بِالْعَمَلِ "تُثِيْر الْاَرْض" تُقَلِّبهَا لِلزِّرَاعَةِ وَالْجُمْلَة صِفَة ذَلُول دَاخِلَة فِي النَّفْي "وَلَا تَسْقِي الْحَرْث" الْاَرْض الْمُهَيَّاَة لِلزِّرَاعَةِ "مُسَلَّمَة" مِنَ الْعُيُوب وَ اٰثَار الْعَمَل "لَا شِيَة" لَوْن "فِيْهَا" غَيْر لَوْنهَا "قَالُوا الْاٰن جِئْت بِالْحَقِّ" نَطَقْت بِالْبَيَانِ التَّامّ فَطَلَبُوهَا فَوَجَدُوْهَا عِنْد الْفَتَى الْبَارّ بِاُمِّهِ فَاشْتَرَوْهَا بِمِلْءِ مَسْكهَا ذَهَبًا "فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ" لِغَلَاءِ

ثَمَنِهَا وَفِي الْحَدِيثِ : (لَوْ ذَبَحُوا أَيَّ بَقَرَةٍ كَانَتْ لَأَجْزَأَتْهُمْ وَلٰكِنْ شَدَّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ) .

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی یعنی کام کے ذریعے خدمت نہ کرائی گئی ہو کہ زمین جوتے یعنی زراعت کیلئے ہل چلا کر استعمال نہ کی گئی ہو اور یہ جملہ ذلول کی صفت نہی میں داخل ہے۔ اور نہ کھیتی کو پانی دے یعنی زراعت کیلئے پانی کھینچنے والی نہ ہو، سلامتی والی یعنی بے عیب اور کاموں کے آثار سے بے داغ ہو، جس میں کوئی داغ نہیں بولے ایسا رنگ جس میں کوئی دوسرا رنگ نہ ہو، تو انہوں نے کہا کہ اب آپ ٹھیک بات لائے یعنی مکمل بیان کر دیا ہے تو انہوں نے اس کو تلاش کیا تو اسے ایک ایسے نوجوان کے ہاں پایا جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا پس انہوں نے گائے کے چمڑے میں سونا بھر دیا جس کے بدلے میں اس کو خریدا تو اسے ذبح کیا اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ قیمت بہت زیادہ تھی۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر وہ کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو ان کیلئے کافی تھا لیکن جب انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی فرما دی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"ذلول" کا معنی ہے مطیع یا آرام کرنا تثیر کا مصدر "اثارۃ" ہے جسکا معنی ہے تہہ و بالا کرنا اور اس سے مراد زمین پر گائے کے ذریعے ہل چلا کر اس کو تہہ و بالا کرنا۔ جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیا گیا وہ سالم، بے عیب، اس کی جلد میں کسی طرح کا کوئی نقطہ نہ ہو اور اس کے رنگ اور بدن پر کوئی لکیر وغیرہ نہیں ہونی چاہیئے تھی۔

"مسلمة" یعنی سالم اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہو "شية" ہر اس رنگ کو کہتے ہیں جو عمومی رنگ سے مختلف ہو پس "لا شية فيها" یعنی گائے کے رنگ میں کوئی اور رنگ نہ ہو "شية" کا مصدر "وشی" ہے اور اس کے آخر کی "ہاء" واو محذوف کے عوض آئی ہے۔

"کاد" کا معنی ہے "قریب تھا۔ کہ یہ فعل جب منفی ہوتا ہے تو بعض اوقات کام کے نہ ہونے کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور بعض اوقات انجام پانے پر حکایت کرتا ہے البتہ بے رغبتی اور عدم تمایل کے ساتھ، "فذبحوھا" کے قرینہ سے "وما کادوا یفعلون" میں دوسرا معنی مراد ہے گویا انہوں نے یہ کام انجام تو دیا لیکن بہت ہی بے رغبتی کے ساتھ۔

بنی اسرائیل کی گائے کے بعض اوصاف کا بیان

اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی، پانی نہیں سینچا، اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں، یکرنگی ہے، سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ذلول کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتی اور نہ پانی پلاتی ہے اس میں نہ کوئی داغ دھبہ ہے اب اتنی بڑی کد و کاوش کے بعد بادل ناخواستہ وہ اس کی قربانی کی

طرف متوجہ ہوئے اسی لئے فرمایا کہ یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے کسی نے کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتیں بنی اسرائیل روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ حکم کی بجا آوری کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا۔

گائے کی قیمت وزن برابر سونا ہونے کا بیان

اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دونگا اس نے کہا ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں تم اگر ٹھہر جاؤ تم میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا یونہی ادھر سے کمی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کے آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے پھر کہتے ہیں تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آ کر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق، تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور

معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

دیکھے بغیر جانوروں کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

جانوروں کو دیکھے بغیر ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے، جیسے کہ حضرت امام مالک، امام اوزاعی، امام لیث، امام شافعی، امام احمد صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے، جیسے کہ حضرت امام مالک، امام اوزاعی، امام لیت، امام شافعی، امام احمد کا مذہب ہے اسلاف اور متاخرین کا بھی اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا اور وہ قتل جو مشابہ "عمد" کے ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور دوسرے کوفی اور امام ثوری وغیرہ اور دیگر ائمہ احناف جو بیع مسلم کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف و احوال پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے اسی طرح کی حکایت ابن مسعود حذیفہ بن یمان اور عبدالرحمن بن سمرہ وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝
اور جب تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا پھر تم آپس میں اس کے الزام میں جھگڑنے لگے، اور اللہ وہ ظاہر فرمانے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔

کوئی پوشیدہ بات اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے

"وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ" فِيْهِ اِدْغَامُ الدَّالِ فِي التَّاءِ اَیْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ "فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ" مُظْهِرٌ "مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" مِنْ اَمْرِهَا وَهٰذَا اعْتِرَاضٌ وَهُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ،

اور جب تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا پھر تم آپس میں اس کے الزام میں جھگڑنے لگے، پس فادراءتم میں دال کا ادغام تا میں ہے یعنی تم جھگڑتے اور تم آپس میں دفاع کرتے ہو اور اللہ نکالنے والا یعنی ظاہر کرنے والا ہے جس کو تم چھپاتے ہو۔ یعنی جس بات کو تم چھپاتے ہو اور یہ جملہ معترضہ ہے جو واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔

فادارء تم" کا معنی ہے تم نے اختلاف و جھگڑا کیا یہ لفظ باب تفاعل میں "تدارء تم "تھا "ادارء تم فیھا" مقتول میں نزاع و اختلاف کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانا اور اسی مسئلہ پر ایک دوسرے سے جھگڑنا ہے۔

"ما کنتم تکتمون "تم نے جو کچھ چھپایا ہے ماقبل جملہ کے قرینہ سے اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ قاتل کو جاننے کے باوجود انہوں نے نہیں بتایا "مخرج" کا مصدر "اخراج "ہے اور تکتمون کے قرینہ سے اس سے مراد آشکار کرنا ہے۔

(73) فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

پس ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اللہ یونہی مُردے جلائے گا۔ اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں

تمہیں عقل ہو۔

گائے کے عضو لگنے سے مقتول کے زندہ ہونے کا بیان

"فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ " اَیْ الْقَتِیل "بِبَعْضِهَا" فَضَرَبَ بِلِسَانِهَا اَوْ عَجَب ذَنَبِهَا فَحَیِیَ وَقَالَ : قَتَلَنِیْ فُلَان وَفُلَان لِابْنَیْ عَمِّه وَمَاتَ فَحُرِمَا الْمِیرَاث وَقُتِلَا لَمْ یُرِدْ تَعْیِین الْعُضْو الَّذِیْ ضُرِبَ بِهِ الْقَتِیل لِیَحْیَا وَلَا یَسَعنَا تَعْیِینه اِلَّا بِخَبَرٍ صَحِیح مُعْتَمَد وَتَعْیِینه وَبِدُوْنِ سَنَد هُوَ مِنْ قَبِیْل التَّخَرُّص لِاَنَّ ظَاهِر الْاٰیَة اَنَّ اَیَّ عُضْو مِنْ الْبَقَرَة ضُرِبَ بِهِ الْقَتِیل اَعَادَ اِلَیْهِ الْحَیَاة وَبَیَّنَ عَنْ قَاتِله "كَذٰلِكَ" الْاِحْیَاء "یُحْیِی اللّٰهُ الْمَوْتٰی وَیُرِیكُمْ اٰیَاته " دَلَائِل قُدْرَته "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ " تَتَدَبَّرُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِر عَلٰی اِحْیَاء نَفْس وَاحِدَة قَادِر عَلٰی اِحْیَاء نُفُوس كَثِیْرَة فَتُؤْمِنُوْنَ،

پس ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو یعنی اس قتل ہونے والے پر تو انہوں نے اس کی زبان کے ساتھ مار ایا دم کے ساتھ پس وہ زندہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا زاد بھائیوں میں سے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے تو پھر وہ فوت ہو گیا اور وہ دونوں میراث سے محروم ہو گئے اور ان دونوں کو قتل کر دیا گیا اور مارے گئے عضو کی تعین کا ردنہیں کیا گیا تا کہ وہ زندہ کرے اور ہمیں اس کے تعین کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ جب کسی اعتماد والی صحیح خبر سے اس کا تعین حاصل ہو۔ جبکہ سند کے بغیر تو وہ تخرص کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ ظاہری آیت میں گائے کے عضو کو قتیل کے جسم پر لگایا گیا ہے۔ جس کے بعد میں اس زندگی لوٹ آئی اور اس نے اپنے قاتل کو بیان کر دیا۔ اور اللہ یونہی مُردے کو زندہ کرے گا۔ اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے یعنی اپنی قدرت کے دلائل دیکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو۔ تا کہ تم غور وفکر کرو اور تم یہ سمجھ لو جس طرح وہ ایک جان کی زندگی پر قادر ہے اسی طرح کثیر کی زندگیوں پر بھی قادر ہے پس تم ایمان لے آؤ۔

اضربوہ " کی مفعولی ضمیر "نفساً" کی طرف لوٹتی ہے اور ببعضھا کی ضمیر "بقرہ" کی طرف پلٹتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی قوم کا مقتول، ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا لگنے سے زندہ ہو گیا۔ "كذلك يحيى الله الموتى "اللہ اسی طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے "یہ عبارت اس جملہ "فقلنا" کے بعد آنا اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا۔

مقتول گائے کے گوشت کو مقتول آدمی کے جسم سے لگانے کا بیان

اس ذبح شدہ گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگا ؤ وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہیں ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش وتفتیش میں نہ پڑیں بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی کوئی کہتا ہے ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن

ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم ہی رکھیں۔ اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا۔

قاتلوں کا جرم صرف یہی نہیں تھا کہ انہوں نے مال ودولت کے لالچ میں آ کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا تھا۔ بلکہ ان کا دوسرا جرم یہ تھا کہ لاش کو کسی دوسرے شخص کے دروازے پر پھینک دیا تھا تا کہ ان پر شبہ نہ ہو سکے اور تیسرے یہ کہ خود شبہ سے بچنے کی خاطر اس قتل کا الزام دوسروں پر تھوپ رہے تھے۔ گائے ذبح ہونے کے بعد اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر اس مقتول کی میت پر مارا گیا تو اس کے زخم سے خون بہنے لگا۔ جسم میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس لاش نے بول کر قاتل یا قاتلوں کا نام اور پتا بتا دیا۔ اس کے بعد پھر سے اس پر موت طاری ہو گئی۔ اس طرح جن جرائم کو یہ قوم چھپائے رکھنا چاہتی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر کر دیا۔ چنانچہ قصاص میں یہ دونوں بھتیجے مارے گئے اور انہیں اپنے چچا کے ورثہ میں سے بھی کچھ نہ ملا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ
الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا
يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کڑے اور پتھروں میں تو کچھ وہ
ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر
سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

معجزات کے باوجود یہود کے دلوں کی سختی کا بیان

"ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ" اَيُّهَا الْيَهُوْد صَلَبَتْ عَنْ قَبُول الْحَقّ "مِنْ بَعْد ذٰلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ اِحْيَاء الْقَتِيل وَمَا قَبْله مِنْ الْاٰيَات "فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ" فِي الْقَسْوَة "اَوْ اَشَدّ قَسْوَة" مِنْهَا "وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَة لَمَا يَتَفَجَّر مِنْهُ الْاَنْهَار وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّق" فِيهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الشِّين "فَيَخْرُج مِنْهُ الْمَاء وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِط" يَنْزِل مِنْ عُلْو اِلَى اَسْفَل "مِنْ خَشْيَة اللّٰه" وَقُلُوبكُمْ لَا تَتَاَثَّر وَلَا تَلِين وَلَا تَخْشَع "وَمَا اللّٰه بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" وَاِنَّمَا يُؤَخِّركُمْ لِوَقْتِكُمْ وَفِي قِرَاءَة بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيهِ اِلْتِفَات عَنْ الْخِطَاب،

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے یعنی اے یہودیو! حق کو قبول کرنے میں تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں اس ذکر کردہ معجزے کے بعد اور اس سے پہلے معجزات کے بعد بھی تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور یشقق میں تاء کا

ادغام شین میں ہے توان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں یعنی بلندی سے پستی کی جانب گرتے ہیں اللہ کے خوف کی وجہ سے، جبکہ تمہارے دل نہ اثر قبول کرتے ہیں نہ نرم ہوتے ہیں اور نہ ان میں خشوع آتا ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں، اور اس نے تمہارے لئے تمہارے وقت کو مؤخر کر دیا ہے۔ اور ایک قرأت میں یعملون یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اور حاضر سے غائب کی جانب متوجہ کرنا ہے۔

قست کے لغوی مفہوم کا بیان

"قست" کا مصدر "قساوۃ" ہے اسکا معنی ہے گاڑھا اور سخت ہونا۔ جملہ "لعلکم تعقلون" کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دلوں کا سخت ہونا آیات و معارف الٰہی کے فہم و ادراک کے مقابلے میں ہے۔ ذلک "ان نعمات اور معجزات کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پیش کیئے اور ان کا ذکر گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔

"یتفجر" کا مصدر "تفجر" ہے جسکا معنی ہے باہر آنا اور جاری ہونا (مجمع البیان) جملہ "ان من الحجارۃ"، "اشد قسوۃ" کے لئے دلیل کے طور پر ہے۔ لما "لام تاکید اور "ما" موصولہ سے مرکب ہے اور اس سے مراد پتھر ہے پس مفہوم یوں ہے "ان من الحجارۃ لما، بعض پتھروں میں سے یقیناً پتھر ہے کہ جو بعض پتھروں میں شگاف پیدا ہونا اور ان سے پانی کا جاری ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل کے دل پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔

"یشقق، یتشقق" کا مصدر تشقق ہے جسکا معنی ہے شگاف پیدا ہونا۔ بعض اہل لغت کی رائے ہے کہ "شق" ایسے چھوٹے شگاف کو کہتے ہیں جو زیادہ واضح نہ ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۷۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں ان سے چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں بعض پتھر خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ
مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○
تو اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ طمع ہے کہ یہ (یہودی) تمہارا یقین لائیں گے اور ان میں تو ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے
پھر سمجھنے کے بعد جان بوجھ اس کو بدل دیتا۔

یہود کلام اللہ کو سمجھنے کے باوجود بدل دیتے تھے

"اَفَتَطْمَعُوْنَ" اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ اَیْ لَا تَطْمَعُوا فَلَهُمْ سَابِقَةٌ بِالْكُفْرِ "اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ" اَیْ الْيَهُوْدُ "وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ" طَائِفَةٌ "مِنْهُمْ" اَحْبَارُهُمْ "يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ" فِی التَّوْرَاةِ "ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ" يُغَيِّرُوْنَهٗ "مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ" فَهِمُوْهُ "وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُمْ مُفْتَرُوْنَ،

کیا تمہیں یہ طمع ہے یعنی اے ایمان والو، یہاں ہمزہ انکاری ہے۔(یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں) تم طمع نہ کرو پس ان کیلئے سابقہ کفر ہے کہ یہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے اور ان میں تو ایک گروہ (احبار وعلماء) وہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے یعنی تورات میں پھر سمجھنے کے بعد جان بوجھ اس کو بدل دیتا۔ یعنی اس کو سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ وہ بہتان باندھنے والے ہیں۔

طمع کے لغوی مفہوم کا بیان

طمع کا معنی ایسی چیز کی طرف نفس کا کشش کرنا ہے جس کو دل چاہے (مفردات راغب) طمع کا معنی امید ورغبت ہے (لسان العرب) "ان یومنوا" میں" لکم" کے قرینہ سے ایمان کے معنی تصدیق وتائید کرنا ہے پس "افتطمعون یعنی کیا تمہیں امید ہے کہ جس راہ کا تم نے انتخاب کیا ہے اس کی تائید کریں؟

یہودی علماء کا احکام میں تغیر وتبدیلی کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا اس سے مراد حضرت موسیٰ کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پہاڑ پر پہنچ کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کردی۔

حضرت سدی فرماتے ہیں ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں ہے فاجره حتى يسمع كلام الله یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کردیا تھا اسی طرح حلال کو حرام، حرام کو حلال، حق کو باطل، باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔

سورہ بقرہ آیت ۷۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتادیں خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی تم جو چپکے چپکے اپنوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتیں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں۔ تم جو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔ (تفسیر مجاہد، ج ۱، ص ۸۱، بیروت)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ
بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
اور جب مسلمانوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ہوں تو کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا
مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں۔

یہود میں منافق وغیر منافق کے درمیان مکالمے کا بیان

"وَاِذَا لَقُوا" اَیْ مُنَافِقُو الْيَهُوْد "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا" بِاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ وَهُوَ الْمُبَشَّرُ بِهٖ فِيْ كِتَابِنَا "وَاِذَا خَلَا" رَجَعَ "بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا" اَیْ رُؤَسَاؤُهُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُنَافِقُوا لِمَنْ نَافَقَ "اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ" اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ "بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ" اَیْ عَرَّفَكُمْ فِي التَّوْرَاةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لِيُحَاجُّوْكُمْ" لِيُخَاصِمُوْكُمْ وَاللَّامُ لِلصَّيْرُوْرَةِ "بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ" فِي الْاٰخِرَةِ وَيُقِيْمُوْا عَلَيْكُمُ الْحُجَّةَ فِيْ تَرْكِ اتِّبَاعِهٖ مَعَ عِلْمِكُمْ بِصِدْقِهٖ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" اَنَّهُمْ يُحَاجُّوْنَكُمْ اِذَا حَدَّثْتُمُوْهُمْ فَتَنْتَهُوْا،

اور جب مسلمانوں سے ملیں یعنی منافق یہودی تو کہیں ہم ایمان لائے یعنی محمد ﷺ نبی ہیں اور ان کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی ہے۔ اور جب آپس میں اکیلے یعنی ایک دوسرے کی طرف لوٹتے ہیں تو کہیں یعنی ان کے سردار جو منافقت نہیں کرتے تھے وہ منافقت کرنے والوں سے کہتے کہ وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو یعنی جو تورات میں تم نے محمد ﷺ کی نعت کو پہچانا ہے کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں یعنی تم سے مخاصمت کریں اور یہاں لام صیرورت کیلئے ہے۔ کہ وہ رب کے پاس حجت پیش کریں اور وہ تم پر ترک اتباع کی دلیل قائم کریں حالانکہ تمہیں سچائی کا علم ہے کیا تمہیں عقل نہیں۔ یعنی جب تم کلام کرو گے تو وہ تم حجت

قائم کریں گے لہذا تم اس طرح کرنے باز آ جاؤ۔

سورہ بقرہ آیت ۷۶ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہودی منافق جب صحابہ کرام سے ملتے تو کہتے کہ جس پر تم ایمان لائے اس پر ہم بھی ایمان لائے تم حق پر ہو اور تمہارے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں ان کا قول حق ہے ہم ان کی نعت و صفت اپنی کتاب توریت میں پاتے ہیں ان لوگوں پر رؤساء یہود ملامت کرتے تھے اس کا بیان 'وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ' میں ہے۔

(تفسیر خازن، بقرہ، لبنان، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا چھپانا اور کمالات کا انکار کرنا یہود کا طریقہ ہے آج کل کے بہت سے گمراہوں کی یہی عادت ہے۔ جو اسلام کے احکام اور ظاہری عبادات پر بڑا زور دیتے ہیں اور قرآن و حدیث کا نام استعمال کر کے لوگوں کو خوب جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی شان رسالت ﷺ کو یہود طرح چھپاتے ہیں۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝
کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

ہر ظاہر و باطن کو اللہ جاننے والا ہے

قَالَ تَعَالٰى "اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ" اِلاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيْرِ وَالْوَاو الدَّاخِلَة عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ "اَنَّ اللّٰه يَعْلَم مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ" مَا يُخْفُوْنَ وَمَا يُظْهِرُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ فَيَرْعَوُوْا عَنْ ذٰلِكَ،

اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ کیا وہ نہیں جانتے یعنی استفہام تقریری ہے اور اس پر واؤ عطف کیلئے داخل ہوئی ہے کہ اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ جن کو تم ظاہر کرتے ہو یہ اور اس کے سوا ہیں۔ سب جانتا ہے۔

یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں ان کی کتاب کی سب حجتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جا بجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر ان کو فضیحت کیا' یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔

پرندہ وہاں ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو

منقول ہے کہ مشائخ میں سے ایک بزرگ کا ایک نوجوان شاگرد تھا وہ بزرگ اس کی تعظیم کرتے تھے ان کے کسی مرید نے پوچھا کہ آپ اس کی عزت کیوں کرتے ہیں جب کہ یہ نوجوان ہے اور ہم عمر رسیدہ ہیں؟ ان بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کچھ

پرندے منگوائے اوران سب کوایک ایک پرندہ اورایک ایک چھری دے دی اور فرمایا "تم میں سے ہرایک اس پرندے کو وہاں ذبح کرے جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو"۔اس نوجوان کو بھی اسی طرح پرندہ دیا اوراس سے بھی وہی بات فرمائی۔تھوڑی دیر کے بعدان میں سے ہرایک ذبح کیا ہوا پرندہ لے کرواپس آیا لیکن وہ نوجوان زندہ پرندہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے واپس آیا، بزرگ نے پوچھا کہ دوسروں کی طرح تم نے اسے کیوں ذبح نہ کیا؟ اس نے کہا مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو کیوں کہ اللہ عزوجل تو مجھے ہرجگہ دیکھتا ہے۔ان سب نے اس نوجوان کے مُراقبے کو پسند کیا اور کہا کہ واقعی یہ نوجوان عزت واحترام کے لائق ہے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سیدتنا زلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت میں گئیں تو انہوں نے اپنے بت کا چہرہ ڈھانپ لیا حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم ایک پتھر سے حیاء کرتی ہو۔حالانکہ اللہ عزوجل دیکھ رہا ہے۔

وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ○
اوران میں کچھ اَن پڑھ ہیں کہ جو کتاب کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت اور وہ سراسر گمان میں ہیں۔

ان پڑھ یہودیوں کی گمراہ کن تقلید کا بیان

وَمِنۡهُمۡ "اَیِ الۡیَھُوۡدِ "اُمِّيُّوۡنَ" عَوَامٌ "لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتَابَ" التَّوۡرَاۃَ "اِلَّا" لٰـکِنۡ "اَمَانِیَّ" اَکَاذِیۡبَ تَـلَقَّوۡهَا مِنۡ رُؤَسَائِهِمۡ فَاعۡتَمَدُوۡهَا "وَاِنۡ" مَا "هُمۡ" فِیۡ جَـحۡدِ نُبُوَّۃِ النَّبِیِّ وَغَیۡرِهٖ مِمَّا یَخۡتَلِقُوۡنَهٗ "اِلَّا یَظُنُّوۡنَ" ظَنًّا وَّلَا عِلۡمَ لَهُمۡ،

اوران میں یعنی یہود میں سے کچھ اَن پڑھ عوام ہیں کہ جو کتاب یعنی تورات کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت جھوٹی باتیں جو ان کے سرداروں نے ان میں ڈال دی ہیں اس پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ سراسر گمان میں ہیں۔یعنی نبی کریم ﷺ کی نبوت وغیرہ کے بارے جو وہ اختلاف کرتے ہیں وہ محض گمان ہے اور ایسا گمان جس کا ان کو علم نہیں ہے۔

امانی کے لغوی مفہوم کا بیان

"امنیة" کی جمع "امانی" ہے جسکا معنی ہے باطل خیال اور گھڑا ہوا جھوٹ، جملے میں استثنا "استثنائے منقطع" ہے۔بنابریں "لا یعلمون یعنی یہودی عوام تورات کی حقیقت اور نفس کلام سے آگاہی نہ رکھتے تھے بلکہ باطل خیالات، توہمات اور جھوٹے مطالب کو آسمانی کتاب سمجھتے تھے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر "امی" نہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی

کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے۔

• امانی کے معنی باتیں اور اقوال ہیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے "کذب" "آرزو" "جھوٹ کے" معنی بھی کیے گئے ہیں تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ سے آیت (الا اذا تمنی) یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ (جامع البیان، بقرہ، بیروت)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝
پس ایسے لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنے ہی ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے
ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑے سے دام کمالیں، سو ان کے لئے اس وجہ سے ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور
اس وجہ سے تباہی ہے جو وہ کما رہے ہیں۔

رشوت لیکر تورات کو بدلنے والے یہود کا بیان

"فَوَيْلٌ" شِدَّةُ عَذَابٍ "لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ" اَىْ مُخْتَلَقًا مِنْ عِنْدِهِمْ "ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا" مِنَ الدُّنْيَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ غَيَّرُوْا صِفَةَ النَّبِيِّ فِي التَّوْرَاةِ وَ اٰيَةَ الرَّجْمِ وَغَيْرَهُمَا وَكَتَبُوْهَا عَلٰى خِلَافِ مَا اُنْزِلَ "فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ" مِنَ الْمُخْتَلَقِ "وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ" مِنَ الرِّشَا جَمْعُ رِشْوَةٍ،

پس ایسے لوگوں کے لئے بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہے جو اپنے ہی ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک مختلف ہے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑے سے دام کمالیں، یعنی دنیا میں اور وہ یہود ہیں جنہوں نے تورات میں نبی کریم ﷺ کی نعت اور آیت رجم کو تبدیل کر دیا اور ان کے سوا کو بھی تبدیل کیا اور انہوں نازل کردہ حکم کے سوا لکھ دیا ہے۔ سو ان کے لئے اس وجہ سے ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا یعنی گھڑ لیا اور اس وجہ سے تباہی ہے جو وہ کما رہے ہیں۔ رشا یہ رشوت کی جمع ہے۔

لفظ ویل کے لغوی مفہوم کا بیان

ویل "وہ لفظ ہے کہ انسان جب عذاب میں مبتلا ہوتا ہے تو زبان پر جاری کرتا ہے، بنابریں "فویل للذین سے مراد بری بدعت ایجاد کرنے والوں کا عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ یہ جملہ "فویل للذین اپنی خیال بافیوں کو آسمانی کتاب کا عنوان دے کر لکھنے کی حرمت کو بیان کر رہا ہے جبکہ جملہ "یقولون اس کی نشر و اشاعت کی حرمت کو بیان کر رہا ہے۔ دوسرا جملہ جو "ثم" کے ساتھ بیان

ہوا ہے یہاں تراخی رتبہ کے لئے ہے نہ کہ تراخی زمانی کے لئے اور یہ اس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ ان امور کی نشر و اشاعت لکھنے کی نسبت زیادہ شدید طور پر حرام ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۷۹ کے شان نزول کا بیان

جب سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو علماء توریت ورؤساء یہود کو قوی اندیشہ ہو گیا کہ ان کی روزی جاتی رہے گی اور سرداری مٹ جائے گی کیونکہ توریت میں حضور کا حلیہ اور اوصاف مذکور ہیں جب لوگ حضور کو اس کے مطابق پائیں گے فوراً ایمان لے آئیں گے اور اپنے علماء اور رؤساء کو چھوڑ دیں گے اس اندیشہ سے انہوں نے توریت میں تحریف وتغییر کر ڈالی اور حلیہ شریف بدل دیا۔ مثلاً توریت میں آپ کے اوصاف یہ لکھے تھے کہ آپ خوب رو ہیں بال خوب صورت آنکھیں سرگیں قد میانہ ہے اس کو مٹا کر انہوں نے یہ بتایا کہ وہ بہت دراز قامت ہیں آنکھیں کنجی نیلی بال الجھے ہیں۔ یہی عوام کو سناتے یہی کتاب الٰہی کا مضمون بتاتے اور سمجھتے کہ لوگ حضور کو اس کے خلاف پائیں گے تو آپ پر ایمان نہ لائیں گے ہمارے گرویدہ رہیں گے اور ہماری کمائی میں فرق نہ آئے گا۔

رشوت خود یہودیوں کی تحریف احکام کا بیان

یہاں سے یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔ ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو دھول ہو جائیں ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے اتنی گہرائی ہے۔ (جامع البیان، بقرہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا اس کی تشہیر کی پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو تھوڑے مول سے مراد ساری دنیا مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے اور جنت کے مقابلہ میں بیحد حقیر چیز ہے پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، بیروت)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن، تم فرمادو کیا اللہ سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے کیونکہ اللہ ہرگز اپنا
عہد خلاف نہ کرے گا یا پھر اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

چالیس دن کے عذاب کی خوش فہمی والے یہود کا بیان

"وَقَالُوا" لَمَّا وَعَدَهُمُ النَّبِيّ النَّار "لَنْ تَمَسَّنَا" تُصِيبنَا "النَّار إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَة" قَلِيلَة أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّة عِبَادَة آبَائِهِمْ الْعِجْل ثُمَّ تَزُول "قُلْ" لَهُمْ يَا مُحَمَّد "أَتَّخَذْتُمْ" حُذِفَتْ هَمْزَة الْوَصْل اسْتِغْنَاء بِهَمْزَةِ الِاسْتِفْهَام "عِنْد اللّٰه عَهْدًا" مِيثَاقًا مِنْهُ بِذَلِكَ "فَلَنْ يُخْلِف اللّٰه عَهْده" فَلَنْ يُخْلِف اللّٰه عَهْده بِهِ؟ لَا "أَمْ" بَلْ "تَقُولُونَ عَلَى اللّٰه مَا لَا تَعْلَمُونَ"

اور بولے یعنی جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کی وعید بتائی ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن، یعنی جو کم از کم مدت چالیس دن جس قدر ان کے باپ دادانے بچھڑے کی پوجا کی پھر عذاب ختم ہو جائے گا۔ تو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم فرمادو کیا اللہ سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے، یہاں ہمزہ استفہامیہ کی کفایت کے سبب ہمزہ وصلی کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی اللہ کے نزدیک عہد ہے اور یہ پکا عہد ہے، کیونکہ اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا جس کے ساتھ وہ عہد کرتا ہے۔ یا پھر بلکہ اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۰ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ کی امت آپ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہود کی بعض دھوکہ بازیوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد حضور کے خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا آپ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کرلو پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے انہوں نے کہا فلاں آپ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا وہی ہمارا باپ ہے آپ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا

انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم اگر جھوٹ کہیں گے تو آپ کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے آپ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت آپ نے فرمایا غلو ہرگز نہیں پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کرلیں گے۔ (صحیح بخاری)

یہود ونصاریٰ کے جہنمی ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کی قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اس امت میں سے جو آدمی بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ دوزخی ہے۔" (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 9)

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کے دائرہ اطاعت میں آنا تمام کائنات کے لیے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ایک ایسا بین الاقوامی قانون ہے جس کی پیروی دنیا کے ہر آدمی پر لازم ہے، اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی چونکہ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ ہر دور کے لیے، ہر قوم کے لیے اور ہر طبقہ کے لیے، اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا سب پر ایک ہی طرح فرض ہے، خواہ کوئی کسی قوم کسی ملک اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس حدیث میں یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں خود اپنا ایک دین اور ایک شریعت رکھتی تھیں ان کی اپنی اپنی آسمانی کتابیں تھیں جن کو مدار عمل ونجات ماننے کا ان کو خدائی حکم تھا، اس لیے ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت اور اللہ کی جانب سے بھیجی ہوئی کتابوں کی تابع ہیں اور جن کا دین بھی آسمانی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا اتارا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام کے نفاذ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر بعثت کے بعد جب ان قوموں کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں اور شریعت اسلام کے دائرہ میں آئے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں تو پھر وہی قومیں پیغمبر اسلام اور شریعت اسلام پر ایمان وعمل کے بغیر ابدی نجات کیسے پا سکتی ہیں جو کسی آسمانی دین کی پابند بھی نہیں ہیں جن کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی کوئی کتاب بھی نہیں ہے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی ورسول کی پیرو بھی نہیں ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پیروکار اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب شریعت تورات وانجیل کے متبع ہونے کی وجہ سے ہم تو خود "نجات یافتہ" ہیں۔ جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مانیں اور اسلام کو اپنا دین، اس حدیث کے ذریعہ ان کے اس غلط عقیدہ وخیال کی بھی تردید کی گئی ہے اور ان پر واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد تو نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کو مانیں گے اور

اس پر عمل کریں گے کیونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں، تمام مذاہب کالعدم ہو جائیں اور تمام کائنات کو صرف ایک مذہب "دین اسلام" کے دائرہ میں لایا جائے جو اللہ کا سب سے آخری اور سب سے جامع و مکمل دین ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
ہاں واقعی جس نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس
میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

گناہوں کے سبب عذاب کا بیان

"بَلٰى" تَمَسُّكُمْ وَتُخَلَّدُوْنَ فِيْهَا "مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً" شِرْكًا "وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَته" بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ اَىْ اسْتَوْلَتْ عَلَيْهِ وَاَحْدَقَتْ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ بِاَنْ مَّاتَ مُشْرِكًا "فَاُولٰئِكَ اَصْحَاب النَّار هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ" رُوعِيَ فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ،

ہاں واقعی تم کو چھوئے گی اور اس میں تم ہمیشہ رہو گے کہ جس نے برائی اختیار کی یعنی شرک کیا اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا یعنی منفرد و جمع یعنی جب اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اس کو ہر جانب سے گھیر لیا یہاں تک وہ شرک میں فوت ہو گیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہاں مَن کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔

'بلی، ہاں یوں نہیں ہے" یہ حرف جواب ہے جو ایک دعوی کے رد کے طور پر آیا ہے یہ "لن تمسنا النار الا ایاما معدودة" کے دعوی کی رد کے طور پر آیا ہے۔

گناہوں کی کثرت کے سبب بڑے عذاب کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے ابو وائل ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدی کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہ بہ تہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں حضرت ابو ہریرہ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے ربیع بن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، بیروت)

جو شخص اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوشاں رہتا ہے، اس کے چہرے پہ چمک دمک، دل میں نور، روزی میں فراخی، بدن میں طاقت وقوت اور لوگوں کے دل میں اس کے لیے محبت ومودت ہوتی ہے اور جو شخص اطاعت الٰہی سے منہ موڑ کر

نافرمانی اور طغیانی میں کوشاں رہتا ہے، اس کے چہرے پہ نحوست، دل میں تاریکی، قبر میں اندھیرا، بدن میں کمزوری، روزی میں کمی اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے حسد، بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے "بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے، اور اگر توبہ کے بجائے، گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب تفسیر، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اہل جنت و اہل دوزخ کا بیان

حضرت حارث بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں جنتیوں کا بتلا دوں؟ یعنی کیا میں یہ کہوں کہ کون لوگ جنتی ہیں تو سنو ہر وہ ضعیف شخص جنتی ہے جس کو لوگ ضعیف و حقیر سمجھیں اور اس کی کمزوری و شکستہ حالی کی وجہ سے اس کے ساتھ جبر و تکبر کا معاملہ کریں حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ ضعیف و کمزور اللہ کے نزدیک اس قدر اونچا مرتبہ رکھتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے۔ تو اللہ اس کی قسم کو سچا کر دے۔ اور کیا میں تمہیں وہ لوگ بتلا دوں جو دوزخی ہیں؟ تو سنو ہر وہ شخص دوزخی ہے جو جھوٹی باتوں اور لغو باتوں پر سخت گوئی کرنے والا، جھگڑالو ہو، مال جمع کرنے والا بخیل ہو، اور تکبر کرنے والا ہو۔ بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہر وہ شخص دوزخی ہے۔ جو مال کو جمع کرنے والا اور حرام زادہ اور تکبر کرنے والا ہو۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1030)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ
تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں
کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا، تو چند شخصوں کے سوا تم
سب روگردانی کر گئے۔ اور حالانکہ تم روگردانی کرنے والے ہو۔

عہد سے اعراض کرنے والے یہود کا بیان

"وَ" "اُذْكُرْ" "اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاِيْلَ" "فِي التَّوْرَاةِ وَقُلْنَا" "لَا تَعْبُدُوْنَ" "بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ" "اِلَّا اللّٰهَ" "خَبَرٌ

بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِءَ : لَا تَعْبُدُوْا "وَبِالْوَالِدَيْنِ" "وَ" اَحْسِنُوْا "بِالْوَالِدَيْنِ" "اِحْسَانًا" بِرًّا "وَذِي الْقُرْبٰى" الْقَرَابَةَ عَطْف عَلَى الْوَالِدَيْنِ "وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ" قَوْلًا "حُسْنًا" مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِيْ شَاْنِ مُحَمَّدٍ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ السِّيْنِ مَصْدَر وُصِفَ بِهِ مُبَالَغَةً "وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَ اٰتُوا الزَّكَاةَ" فَقَبِلْتُمْ ذٰلِكَ "ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ" اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ فِيْهِ اِلْتِفَات عَنِ الْغِيبَةِ وَالْمُرَاد اٰبَاؤُهُمْ "اِلَّا قَلِيْلًا مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ" عَنْهُ كَاٰبَائِكُمْ،

اورتم یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا یعنی تورات میں عہد لیا اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، یہاں تعبدون تاء اور یاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور الا اللہ یہ نہی کے معنی میں خبر ہے اور لاتعبدوا بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یہاں قرابت کا عطف والدین پر ہے اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، یعنی نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا اور نبی کریم ﷺ کی شان میں سچ بولنا اور ان کے ساتھ نرمی اختیار کرنا اور ایک قرأت میں حاء کو ضمہ کے ساتھ اور سین کے سکون کے ساتھ مصدر ہے جس کو مبالغہ کیلئے بہ طور وصف لایا گیا ہے۔ اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہنا، تو تم یہ بات قبول کرلی، اس کے بعد شخصوں کے سوا تم سب روگردانی کر گئے۔ یعنی تم نے اس حکم کو پورا کیے بغیر اعراض کرلیا اس میں غائب والوں کو متوجہ کرتا ہے۔ اور مراد ان کے باپ دادا ہیں۔ مگر تم میں سے قلیل تھے اور بقیہ تم روگردانی کرنے والے ہو۔ یعنی جس طرح تمہارے باپ دادا ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"حسنا" مصدر ہے جو صفت (حَسَنًا، اچھا) کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ ممکن ہے مفعول مطلق کے لئے صفت واقع ہوا ہو اور اسکا قائم مقام ہو یعنی جملہ یوں ہو "قولوا للناس قولاً حسناً" لوگوں سے اچھا اور بہترین کلام کرو۔ المیز ان میں ہے کہ یہ جملہ لوگوں سے حسن سلوک کے لئے کنایہ ہے۔

اس آیت میں لاتعبدون فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لاتعبدوا کے مبالغہ زیادہ ہے "طلب" یہ خبر معنی میں ہے بعض لوگوں نے ان لاتعبدوا ان لاتعبدوا بھی پڑھا ہے ابی اور ابن مسعود سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لاتعبدوا پڑھتے تھے۔

شرک کرنے والوں کی حالت کا بیان

اللہ تعالی شرک کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا، اور مالک بنالئے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا، اور بے شک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ جانتے (العنکبوت، ۴۱)

شرک کے لغوی مفہوم کا بیان

شرک کا لغوی معنی ہے دو یا دو سے زیادہ لوگ کسی ایک معین چیز کے مالک ہوں تو وہ دونوں اس کی ملکیت میں شریک ہیں اور دین میں شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سب سے بڑا کفر ہے اور شرک صغیر یہ ہے کہ بعض کاموں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی رعایت کرے جیسے ریا اور نفاق۔ (المفردات، ۲۶۰، مکتبہ مرتضائیہ، ایران)

شرک کی تعریف کا بیان

شرک کرنے کی تعریف یہ ہے کسی شخص کو الوہیت میں شریک ماننا جیسا کہ مجوس اللہ کے سوا واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔ (شرح عقائد نسفی ،ص ۶۱ ،مطبوعہ یوسفیہ، ہند)

مسلمانوں پر الزام شرک لگانے والا خود مشرک

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بارے میں مجھے جن امور کا اندیشہ ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی (عالم) ہوگا جو قرآن بہت پڑھے گا حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے مکمل طور پر سیراب ہوگا اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہوگا اللہ تعالیٰ اسے کسی عیب یعنی زعم میں مبتلاء کردے گا کہ قرآنی اثرات اس سے جدا ہو جائیں گے۔ پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت ڈال کر اپنے معاشرے میں قرب وجوار کے مسلمان لوگوں کو مشرک قرار دے گا اور ان کے قتل کے درپے ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان دونوں میں فی الواقع مشرک کون ہوگا؟ مشرک کہنے والا یا جس کو مشرک کہا گیا۔ فرمایا: دوسرے کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہوگا۔

(مشکل آثار، ج ۱ص ۳۰۷، بیروت)

یہ حدیث مسند ابو یعلی میں بھی روایت کی گئی ہے امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور دیگر کثیر ائمہ حدیث نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ اور معتبر قرار دیا ہے۔

والدین کے حقوق کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے اچھے سلوک کا حقدار کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں اس آدمی نے عرض کیا پھر کس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں کا اس نے پھر عرض کیا پھر کس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں کا اس نے عرض کیا پھر کس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تیرے باپ کا اس نے عرض کیا پھر کس کا آپ نے فرمایا پھر تیرے باپ کا اور قتیبہ کی روایت میں ہے میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے کا ذکر ہے اور اس میں الناس یعنی لوگوں کا ذکر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2000)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کی خدمت میں رہ تیرے لئے یہی جہاد ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2004)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جریج اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ ان کی ماں آ گئی حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنا سر ابن جریج کی طرف اٹھا کر ابن جریج کو آواز دی اور کہنے لگیں اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر ابن جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ابن جریج نے کہا: اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے۔

پھر ابن جریج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا: اے اللہ یہ جریج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے اے اللہ ابن جریج کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جریج کی ماں اس پر یہ دعا کرتی کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھیڑوں کا ایک چرواہا تھا جو جریج کے عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حاملہ ہوگئی اس عورت کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے اس عورت نے کہا اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا لڑکا ہے (یہ سنتے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھاوڑے لے کر آئے اور انہیں آواز دی وہ نماز میں تھے۔

انہوں نے کوئی بات نہ کی تو لوگوں نے اس کا عبادت خانہ گرانا شروع کر دیا۔ جب جریج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اترا لوگوں نے اس سے کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے جریج ہنسا اور پھر اس نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے کہا تیرا باپ کون ہے اس بچے نے کہا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ گرایا ہے، ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں بلکہ تم اسے پہلے کی طرح مٹی ہی کا بنا دو اور پھر ابن جریج اوپر چلے گئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2008)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناک خاک آلود ہوگئی پھر ناک خاک آلود ہوگئی پھر ناک خاک آلود ہوگئی عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون آدمی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا، ان کی خدمت کر کے، اور جنت میں داخل نہ ہوا۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2010)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول لوگوں میں سے سب سے زیادہ

میرے اچھے سلوک کا کون حقدار ہے آپ نے ارشاد فرمایا تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرے باپ کا پھر جو تیرے قریب ہو پھر جو تیرے قریب ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2001)

قریبی رشتہ داروں کے حقوق کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا یہاں تک کہ جب ان سے فارغ ہوئے تو رشتہ داری نے کھڑے ہو کر عرض کیا یہ رشتہ توڑنے سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے اللہ نے فرمایا جی ہاں کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں تجھے ملانے والوں کے ساتھ مل جاؤں اور تجھے توڑنے والے سے میں دور ہو جاؤں رشتہ داری نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرے لئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرو،

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ،اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ،اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (47۔محمد:24)

تو کیا تم اس بات کے قریب ہو کہ اگر تمہیں حکومت دی جائے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنی رشتہ داری کو توڑ ڈالو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے پس ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2018)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکائی ہوئی ہے اور کہتی ہے کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اس سے دور ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2019)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ اس پر اس کا رزق کشادہ کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کو یاد رکھا جائے تو چاہے کہ وہ اپنی رشتہ داری کو جوڑے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2023)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں جن سے میں تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں میں ان سے نیکی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں اور میں ان سے بردباری کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بداخلاقی سے پیش آتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے تو گویا کہ تو ان کو جلتی ہوئی راکھ کھلا رہا ہے اور جب تک تو ایسا ہی کرتا رہے گا اللہ کی طرف سے ایک مددگار ان کے مقابلے میں تیرے ساتھ رہے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2025)

یتیموں کے حقوق کا بیان

یتیم کی خبر گیری کرنے والے کا درجہ بتانے کے لئے آپ ﷺ نے اپنی انگشت سبابہ و وسطی کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا میں اور

یتیم کا متکفل خواہ یتیم اُس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے۔

(مشکوۃ بحوالہ صحیح بخاری باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص محض رضائے الٰہی کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اُس کے لئے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اُس کا ہاتھ پھرتا ہے نیکیاں ہیں اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ (جو اُس کی کفالت میں ہو نیکی کرتا ہے۔ میں اور وہ بہشت میں اِن دو انگلیوں (آپ نے سبابہ و وسطیٰ کو ملا کر اِشارہ فرمایا کی مانند ہوں گے۔

(مشکوۃ بحوالہ احمد و ترمذی باب الشفقۃ)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل سخت ہے اِس کا علاج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مشکوۃ، مسند احمد بن حنبل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسری عورت۔ (نسائی کبریٰ، سنن ابن ماجہ، و مسند احمد)

وہ بچہ کہ اس دنیا میں آنکھ کھولنے سے قبل یا آنکھ تو کھولا لیکن ابھی جسمانی و عقلی قوت کا مالک نہ ہوا کہ اس کا والد اس دنیا سے رخصت ہو گیا، عمومی طور پر ایسا بچہ لاوارث اور حقیقی سرپرست سے محروم ہوتا ہے،

مسکینوں کے حقوق کا بیان

وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ جبکہ امام زہری علیہ الرحمہ کے سے روایت ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں رہتا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو جبکہ مسکین وہ ہے جو گھر سے نکلے اور لوگوں سے سوال کرے۔ (قمر الاقمار ص ۸۱، مکتبہ اکرمیہ پشاور)

عام مسلمان لوگوں کے حقوق کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی اپنے ایک بھائی سے ملنے کے لئے ایک دوسرے گاؤں گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو اس کے انتظار کے لئے بھیج دیا جب اس آدمی کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو فرشتہ کہنے لگا کہاں کا ارادہ ہے اس آدمی نے کہا اس گاؤں میں میرا ایک بھائی ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں فرشتہ نے کہا کیا اس نے تیرے اوپر کوئی احسان کیا ہے کہ تو جس کا بدلہ دینا چاہتا ہے اس آدمی نے کہا نہیں سوائے اس کے کہ میں اس سے صرف اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں فرشتے نے کہا تیری طرف اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ بھی تجھ سے اسی طرح محبت کرتا ہے اور کہ جس طرح تو اس دیہاتی آدمی سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2049)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2026)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ بات ہے اور نہ ہی تم ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب تلاش کرو اور حرص نہ کرو اور حسد نہ کرو اور بغض نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2036)

حضرت حسن فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روکو۔ بردباری، درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شعار بنالو یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو۔ (مسند احمد بن حنبل، بیروت)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ
اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ٥
اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔

عہد میں ایک دوسرے کے قتل کی ممانعت کا بیان

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ" وَقُلْنَا "لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ" تُرِیْقُوْنَهَا بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا "وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ" لَا یُخْرِج بَعْضُكُمْ بَعْضًا مِنْ دَاره "ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ" قَبِلْتُمْ ذٰلِكَ الْمِیْثَاق "وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ" عَلٰی اَنْفُسِكُمْ،

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور فرمایا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا یعنی ایک دوسرے کو قتل کر کے خون نہ بہانا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا یعنی ایک دوسرے کو گھروں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا یعنی اس عہد کو قبول کر لیا اور تم اپنی جانوں پر گواہ ہو۔

لا تخرجون تم اپنے (دینی بھائیوں) کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو یہ جملہ بھی "لاتسفکون" کی طرح خبریہ ہے جو مقام انشاء پر ہے یعنی باہر نہ نکالو، انشاء کی جگہ جملہ خبریہ کا آنا تاکید کے لئے ہے۔

اوس وخزرج کی باہمی خون ریزیوں کا بیان

اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں اوس وخزرج کے دو عرب قبیلے آباد تھے، جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اور ان کے درمیان جنگ وجدال کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ ادھر یہود کے بھی وہاں پر تین قبیلے آباد تھے بنو قینقاع بنو قریظہ، اور بنو نضیر، اور ان میں سے یہود بنو قینقاع قبیلہ اوس کے حلیف تھے، اور اپنے بھائیوں یعنی بنو قریظہ کے دشمن، اور یہود بنو نضیر عربوں کے قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور اپنے بھائیوں کے دشمن سو جب اوس اور خزرج کی آپس میں جنگ ہوتی تو یہودی بھی اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ ملکر اپنے یہودی بھائیوں کے خلاف لڑتے، اور اس طرح وہ اپنے قومی بھائیوں کے قتل وخونریزی کے مرتکب ہوتے، اور

جب ان کے پاس اپنے دوسرے بھائیوں کے کچھ لوگ قیدی ہوکر آتے تو یہ ان کو فدیہ دے کر چھڑاتے، اور کہتے کہ اپنے بھائیوں کو قید سے چھڑانا ہم پر ضروری اور لازم ہے، حالانکہ ان سے جو عہد لیا گیا تھا اس کے بموجب ان کو ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے ان پر حرام تھا۔ سو یہاں ان کے اسی رویے پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ اور ان کی اس پر سرزنش فرمائی گئی۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفْدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۤءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے باہر نکال رہے ہو اور ان کے
خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ مدد بھی کرتے ہو، اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آ جائیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑا
لیتے ہو حالانکہ ان کا وطن سے نکالا جانا بھی تم پر حرام کر دیا گیا تھا، کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور
بعض کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں
ذلت ہو، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

یہود کے قبائل بنو قریظہ و بنو نضیر کی دنیا میں رسوائی کا بیان

"ثُمَّ اَنْتُمْ" يَا "هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ" بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا "وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُوْنَ" فِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الظَّاء وَفِيْ قِرَاءَة بِالتَّخْفِيفِ عَلٰى حَذْفِهَا تَتَعَاوَنُوْنَ "عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ" بِالْمَعْصِيَةِ "وَالْعُدْوَان" الظُّلْم "وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسَارٰى" وَفِيْ قِرَاءَة اَسْرٰى "تُفَادُوْهُمْ" تَفْدُوْهُمْ وَفِيْ قِرَاءَة تُفَادهُمْ تُنْقِذُوهُمْ مِنَ الْاَسْر بِالْمَالِ اَوْ غَيْرِهٖ وَهُوَ مِمَّا عُهِدَ اِلَيْهِمْ "وَهُوَ" اَیِ الشَّاْن "مُحَرَّم عَلَيْكُمْ اِخْرَاجهمْ" مُتَّصِل بِقَوْلِهٖ وَتُخْرِجُوْنَ وَالْجُمْلَة بَيْنَهُمَا اعْتِرَاض : اَیْ كَمَا حَرَّمَ تَرْك الْفِدَاء وَكَانَتْ قُرَيْظَة حَالَفُوا الْاَوْس وَالنَّضِير الْخَزْرَج فَكَانَ كُلّ فَرِيْق يُقَاتِل مَعَ حُلَفَائِهٖ وَيُخَرِّب دِيَارهمْ وَيُخْرِجهُمْ فَاِذَا اُسِرُوْا فَدَوْهُمْ وَكَانُوْا اِذَا سُئِلُوْا لِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ وَتَفْدُوْنَهُمْ ؟ قَالُوْا اُمِرْنَا بِالْفِدَاءِ فَيُقَال فَلِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ حَيَاء اَنْ تُسْتَذَلّ حُلَفَاؤُنَا "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَاب" وَهُوَ الْفِدَاء "وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" وَهُوَ تَرْك الْقَتْل وَالْاِخْرَاج وَالْمُظَاهَرَة "فَمَا جَزَاء مَنْ يَّفْعَل ذٰلِكَ اِلَّا خِزْي" هَوَان وَذُلّ "فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا" وَقَدْ خُزُوْا بِقَتْلِ قُرَيْظَة وَنَفْي النَّضِير اِلَى الشَّام وَضَرْب

الْجِزْيَة "وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" يَعْمَلُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ،

پھر تم یعنی اے وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو کہ ایک دوسرے کو قتل کیا اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے باہر نکال رہے ہو، تظاہروں میں اصل میں تاء کا ادغام ظاء میں ہے اور ایک قرأت میں تخفیف کے ساتھ اس کے حذف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تتعاونون علیھم بالاثم معصیت اور عدوان یعنی ظلم اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ مدد بھی کرتے ہو، اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آ جائیں اور ایک قرأت میں اسریٰ ہے' تو ان کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ایک قرأت میں تفادھم یعنی تم مال وغیرہ سے فدیہ دیتے ہو اور وہ جس کا تم سے عہد لیا گیا اور وہ حکم ہے کہ ان کا وطن سے نکالا جانا بھی تم پر حرام کر دیا گیا تھا، یہ اس جملہ 'وَتُخْرِجُوْنَ'' کے ساتھ متصل ہے اور اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ یعنی جس طرح ترک فدیہ حرام ہے ایسے قتل واخراج بھی حرام ہے۔ اور جب قریظہ والوں نے اوس، نضیر اور خزرج کی مخالفت کی گویا ہر فریق نے اپنے حلیف کو قتل کیا اور ان کے گھروں کو خراب اور ان کو گھروں سے نکالا اور جب وہ قیدی بن کر آئے تو ان سے فدیہ لیا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نے قتل کیوں کیا اور تم نے فدیہ کیوں لیا تو کہتے ہیں کہ فدے کا حکم دیا گیا ہے تو ان سے کہا جائے کہ قتل کیوں کیا ہے تو ان کو اس کا جواب دینے میں شرم آتی ہے۔ کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو یعنی فدیہ لینے کے حکم پر اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ یعنی قتل واخراج ومظاہرہ کے ترک کرنے پر کفر کرتے ہو، پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت ہو، تحقیق بنو قریظہ قتل کی وجہ سے رسوا ہوئے۔ اور نضیر شام کی طرف نکل گئے اور جزیہ دیکر رسوا ہوئے۔ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ یہاں 'یَعْمَلُوْن'' یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے

آیت نمبر ۸۵ کے شان نزول کا بیان

توریت میں بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کریں وطن سے نہ نکالیں اور جو بنی اسرائیل کسی کی قید میں ہو اس کو مال دے کر چھڑا لیں اس عہد پر انہوں نے اقرار بھی کیا اپنے نفس پر شاہد بھی ہوئے لیکن قائم نہ رہے اور اس سے پھر گئے صورت واقعہ یہ ہے کہ نواح مدینہ میں یہود کے دو فرقے بنی قُرَیظَہ اور بنی نُضَیر سکونت رکھتے تھے اور مدینہ شریف میں دو فرقے اَوس وخَزرَج رہتے تھے بنی قریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنی نضیر خزرج کے یعنی ہر ایک قبیلہ نے اپنے حلیف کے ساتھ قسما قسمی کی تھی کہ اگر ہم میں سے کسی پر کوئی حملہ آور ہو تو دوسرا اس کی مدد کرے گا اوس اور خزرج باہم جنگ کرتے تھے بنی قریظہ اوس کی اور بنی نضیر خزرج کی مدد کے لئے آتے تھے اور حلیف کے ساتھ ہو کر آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلاتے تھے بنی قریظہ بنی نضیر کو اور وہ بنی قریظہ کو قتل کرتے تھے اور انکے گھر ویران کر دیتے تھے انہیں ان کے مساکین سے نکال دیتے تھے لیکن جب انکی قوم کے لوگوں کو ان کے حلیف قید کرتے تھے تو وہ ان کو مال دے کر چھڑا لیتے تھے مثلاً اگر بنی نضیر کا کوئی شخص اوس کے ہاتھ میں گرفتار ہوتا تو بنی

قریظہ اوس کو مالی معاوضہ دے کر اس کو چھڑا لیتے باوجودیکہ اگر وہی شخص لڑائی کے وقت انکے موقعہ پر آجاتا تو اس کے قتل میں ہرگز دریغ نہ کرتے اس فعل پر ملامت کی جاتی ہے کہ جب تم نے اپنوں کی خونریزی نہ کرنے ان کو بستیوں سے نہ نکالنے ان کے اسیروں کو چھڑانے کا عہد کیا تھا اس کے کیا معنی کہ قتل و اخراج میں تو درگزر نہ کرو اور گرفتار ہو جائیں۔تو چھڑاتے پھرو عہد میں سے کچھ ماننا اور کچھ نہ ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔جب تم قتل و اخراج سے باز نہ رہے تو تم نے عہد شکنی کی اور حرام کے مرتکب ہوئے اور اس کو حلال جان کر کافر ہو گئے۔(تفسیر خزائن العرفان،مطبوعہ ضیاء القرآن،لاہور)

اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد

اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی ہمیشہ آپس میں جنگ و جدال رہتا تھا۔مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے بنی قینقاع بنونضیر اور بنوقریظہ،بنوقینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے،بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے،دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے،دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑالیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو گھروں سے نہ نکالو اسے کیوں نہیں مانتے؟کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی،اخوت،صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے عبد خیر کہتے ہیں ہم سلمان بن ربیعہ کی ماتحتی میں "بلنجر" میں جہاد کر رہے تھے محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک یہودلونڈی کو سات سو میں خریدا۔راس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا آپ نے کہا سن یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا تو راۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بےگھر بھی نہ کیا کرو اب یا تو توراۃ کو مان کر اسے خرید یا توراۃ کا منکر ہونے کا اقرار کر!وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید

عبداللہ بن سلام ہو آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں اس پر حضرت عبداللہ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے امانت داری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں آپ کی نشانیاں آپ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝
یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا بیان

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ" بِاَنْ اٰثَرُوْهَا عَلَيْهَا "فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ" يُمْنَعُوْنَ مِنْهُ،

یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی یعنی انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔ یعنی وہ عذاب بچائے نہ جائیں گے۔

دنیا کے عیش و رغبت سے پرہیز کرنے کا بیان

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ عمرو بن عوف نے (جو بنی عامر بن لوی کے حلیف تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک تھے) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح کو بحرین کی طرف بھیجا، تاکہ جزیہ لے آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے لوگوں سے صلح کرلی تھی اور علاء بن حضرمی کو ان پر امیر مقرر فرمایا تھا، چنانچہ ابوعبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے، انصاری نے ان کے آنے کی خبر سنی تو صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو یہ لوگ آپ کے سامنے آئے آپ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو آپ مسکرائے، اور فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ تم لوگ ابوعبیدہ کے آنے کی، اور کچھ لانے کی خبر سن کر آئے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا، تو تمہیں خوش خبری ہو، اور تم امید رکھو، اس چیز کی جو تمہیں خوش کردے گی، اللہ کی قسم میں تمہارے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں لیکن میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر دنیا کشادہ کردی گئی تھی، تو تم رغبت کرنے لگو، جس طرح وہ رغبت کرنے لگے اور تمہیں غافل کردے جس طرح ان لوگوں کو غافل کردیا تھا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1356)

دنیا کی ذلت میں احادیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2920)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے دونوں طرف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا اسے مرا ہوا دیکھا آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمھیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2921)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ جب میں کسی مومن بندے کی محبوب چیز اس دنیا سے اٹھا لیتا ہوں پھر وہ ثواب کی نیت سے صبر کرے، تو اس کا بدلہ جنت ہی ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1346)

سعد بن ابراہیم اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس کھانا لایا گیا اور وہ روزہ دار تھے تو کہا کہ مصعب بن عمیر شہید ہوگئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے، ایک چادر میں انہیں کفن دیا گیا کہ اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو دونوں پاؤں کھل جاتے اور اگر دونوں پاوں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا اور میرا خیال ہے کہ شاید یہ بھی کہا کہ حمزہ شہید ہوئے اور وہ ہم سے بہتر تھے پھر ہم پر دنیا وسیع کر دی گئی یا یہ کہا کہ ہمیں دنیا دی گئی اور ہمیں خوف ہوا کہ ہماری نیکیاں جلد دے دی گئیں پھر رونے لگے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1199)

ابوالخیر، عقبہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے تو احد والوں پر نماز پڑھی، جس طرح مردوں پر پڑھی جاتی ہے، پھر منبر کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ میں آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں، واللہ میں اپنے حوض کی طرف ابھی دیکھ رہا ہوں، اور زمین کے خزانے کی کنجیاں دیا گیا ہوں یا یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں اور بخدا مجھے اس کو خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1261)

نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر میں تشریف لائے لیکن اندر نہیں گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے حضرت فاطمہ نے بیان کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے فاطمہ کے دروازے پر دھاری دار پردہ دیکھا مجھ کو دنیا کی آرائشوں سے کیا کام؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے یہ حال بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ چاہیں اس بارے میں مجھے کہہ دیں آپ نے فرمایا کہ فلاں گھر والے کے پاس بھیج دو کہ وہ ضرورت مند ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2439)

عروہ بن زبیر حکیم بن حزام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کچھ مانگا، آپ نے مجھے دیدیا، پھر میں نے آپ سے مانگا، آپ نے پھر مجھے دیدیا، اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا، کہ اے حکیم یہ مال ایک سبز شیریں چیز ہے، جو شخص اس کو بغیر حرص کے لے گا، اس کیلئے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص اس کو لالچ کے ساتھ مانگے گا، اس کے لیے اس میں برکت نہ دی جائے گی اور وہ مثل اس شخص کے ہوگا، جو کھائے اور سیر نہ ہو، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، حضرت حکیم کہتے ہیں پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ قسم ہے اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے، میں آپ کے بعد کسی سے سوال نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ دنیا سے سدھار جاؤں، حضرت ابوبکر اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت حکیم کو وظیفہ دینے کیلئے بلاتے رہے، لیکن وہ ان میں سے کچھ قبول کرنے سے انکار کرتے رہے، پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو بلایا، تا کہ ان کو وظیفہ دیں، مگر انہوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمر نے کہا: اے مسلمانو! میں حکیم کو ان کا وہ حق جو اللہ نے ان کے لئے اس مال غنیمت میں مقرر فرمایا ہے، دینا چاہتا ہوں، مگر وہ اس کے لینے سے انکار کرتے ہیں، الغرض حضرت حکیم نے رسول اللہ کے بعد کسی سے مرتے دم تک سوال نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 23)

عروہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے عمرو بن عوف انصاری نے جو بنو عامر بن لوی کے حلیف اور بدری تھے بیان کیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح کو جزیہ لانے کے لیے بحرین روانہ کیا اور آپ نے بحرین کے باشندوں سے صلح کر کے ان پر علاء بن حضرمی کو حاکم اعلیٰ مقرر فرما دیا تھا انصار نے جب سن لیا کہ ابوعبیدہ بحرین سے مال لے کر لوٹ آئے ہیں تو انہوں نے ایک دن نماز فجر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی پھر جب آپ نماز فجر پڑھ کے واپس ہونے لگے تو انصاری آپ کے آگے جمع ہو گئے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے سنا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لائے ہیں ان لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے بعد آپ نے فرمایا مسرور ہو جاؤ اور اس امر کی امید رکھو جو تم کو فرحان وشاداں کر دے گی اللہ کی قسم! مجھے تمہاری ناداری کا اندیشہ نہیں البتہ اس امر کا ڈر لگا ہوا ہے کہ تمہارے لئے دنیا ایسی ہی وسیع کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ وفراخ کر دی گئی تھی اور اس وقت تم جھگڑے کرو گے جیسے کہ پچھلی قوموں نے جھگڑے مچائے تھے اور یہ فراخی وکشادگی تم کو ہلاکت میں ڈال دے گی جس طرح گزشتہ لوگوں کو اس نے ہلاک کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 399)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گزرے ان کے پاس ایک بھنی ہوئی بکری تھی ان لوگوں نے

ان کو بلایا انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اس حال میں کہ جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 379)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ذو الحلیفہ میں آپ نے دیکھا تو ایک مردہ بکری پیر اٹھائے ہوئے پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو یہ اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے قسم اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے البتہ دنیا اللہ کے نزدیک اس بکری سے بھی زیادہ ذلیل ہے اس کے مالک کے نزدیک اور اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے بازو کے برابر بھی نہیں رکھتی تو اللہ تعالی اس میں سے ایک قطرہ پانی کا کافر کو پینے نہ دیتا۔

(سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 991)

مجاہد، عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو اور ابن عمر کہتے ہیں کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات سے اپنی مرض کے اوقات کے لیے حصہ لے لے اور اپنی حیات کے وقت سے اپنی موت کیلیے کچھ حصہ لے لے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1339)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر داخل ہوئے جبکہ گھر میں میں اور میری والدہ اور ام حرام میری خالہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں اور وہ وقت کسی نماز کا بھی نہیں تھا ایک آدمی نے ثابت سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہاں کھڑا کیا تھا انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی دائیں طرف کھڑا کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر والوں کے لئے ہر طرح کی دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی میری والدہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول انس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چھوٹا سا خادم ہے اس کے لئے آپ دعا فرمائیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ہر طرح کی بھلائی کی دعا فرمائی اور دعا کے آخر میں جو میرے لئے تھی اس کے ساتھ یہ فرمایا اے اللہ ان کے مال اور ان کی اولاد میں کثرت اور ان کے لئے اس میں برکت عطا فرما۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1496)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالی تمہیں اس میں خلیفہ و نائب بنانے والا ہے پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرتے رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2451)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکل چار خطوں کی بنائی اور اس میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں اس طرف بنا دیں، جو حصہ اس مربع کے درمیان تھا، اور فرمایا یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت ہے، جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ خط جو باہر کو نکلا ہوا ہے، اس کی دراز آرزویں اور امیدیں ہیں اور

یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اغراض اور مصائب ہیں، اگر ایک سے بچ کر نکلا تو دوسرے میں پھنسا، اور اس سے نکلا تو پھر کسی اور میں پھنسا۔ (اس کی شکل یہ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1340)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دولت مندی کثرت مال سے نہیں ہوتی بلکہ دولت مندی دل کے غنی ہونے کا نام ہے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2414)

مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو بنی فہر میں سے تھے وہ کہتے تھے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس کی انگلی میں لگتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 989)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے۔ آپ کے بدن میں اس کا نشان پڑ گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان کاش آپ ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ کے واسطے بچھونا کر دیتے اور آپ کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ آپ نے فرمایا میں تو دنیا میں ایسا ہوں جیسے ایک سوار ایک درخت کے تلے سایہ کے لئے اتر پڑے پھر تھوڑی دیر میں وہاں سے چل دے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 990)

ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے متعلق جس چیز سے زیادہ ڈرتا ہوں، وہ زمین کی برکتیں ہیں کسی نے پوچھا زمین کی برکتیں کیا ہیں، آپ نے فرمایا دنیا کی زینت ایک شخص نے عرض کیا، کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا، کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگے، پھر فرمایا سوال کرنے والا کہاں ہے؟ ابو سعید کا بیان ہے کہ جب اس سوال کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، تو ہم نے اللہ کی حمد بیان کی، آپ نے فرمایا کہ خیر سے خیر ہی پیدا ہوتا ہے، یہ سرسبز و شاداب اور شیریں گھاس کی مانند ہے، جو جانور اسے حرص سے زیادہ کھالے، تو اسے یہ ہلاکت کے قریب یا ہلاک کر دیتی ہے، اور جو پیٹ بھر کے کھائے، اور سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کرے، اور لید اور پیشاب کرے، پھر اگر کھائے تو آرام میں رہتا ہے، اسی طرح یہ مال ہے، کہ جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا، اور حق ہی میں خرچ کیا، تو وہ بہترین ذریعہ ہے، اور جس نے اس کو ناحق لیا، تو وہ اس شخص کی طرح ہے، جو کھاتا ہے، لیکن آسودہ نہیں ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1349)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ اگر آدمی کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں، تو وہ تیسری تلاش کرے گا، اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ (صحیح البخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1358)

عروہ، حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ کا بستر چمڑے کا تھا، جن کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1377)

دنیا کی قربانی کے بدلے میں آخرت کی بھلائی کا بیان

سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک یتیم جوان شکایت لیئے حاضر خدمت ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی کھجوروں کے باغ کے اردگرد دیوار تعمیر کرا رہا تھا کہ میرے ہمسائے کی کھجور کا ایک درخت دیوار کے درمیان میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہمسائے سے درخواست کی کہ وہ اپنی کھجور کا درخت میرے لیئے چھوڑ دے تاکہ میں اپنی دیوار سیدھی بنوا سکوں، اُس نے دینے سے انکار کیا تو میں نے اُس کھجور کے درخت کو خریدنے کی پیش کش کر ڈالی، میرے ہمسائے نے مجھے کھجور کا درخت بیچنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نوجوان کے ہمسائے کو بلا بھیجا۔ ہمسایہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نوجوان کی شکایت سُنائی جسے اُس نے تسلیم کیا کہ واقعتاً ایسا ہی ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ تم اپنی کھجور کا درخت اس نوجوان کیلئے چھوڑ دو یا اُس درخت کو نوجوان کے ہاتھوں فروخت کر دو اور قیمت لے لو۔ اُس آدمی نے دونوں حالتوں میں انکار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو ایک بار پھر دہرایا؛ کھجور کا درخت اس نوجوان کو فروخت کر کے پیسے بھی وصول کر لو اور تمہیں جنت میں بھی ایک عظیم الشان کھجور کا درخت ملے گا جس کے سائے کی طوالت میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ دُنیا کے ایک درخت کے بدلے میں جنت میں ایک درخت کی پیشکش ایسی عظیم تھی جسکو سُن کر مجلس میں موجود سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما دنگ رہ گئے۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ ایسا شخص جو جنت میں ایسے عظیم الشان درخت کا مالک ہو کیسے جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں جائے گا۔ مگر وائے قسمت کہ دنیاوی مال و متاع کی لالچ اور طمع آڑے آ گئی اور اُس شخص نے اپنا کھجور کا درخت بیچنے سے انکار کر دیا۔

مجلس میں موجود ایک صحابی (ابا الدحداح) آگے بڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر میں کسی طرح وہ درخت خرید کر اِس نوجوان کو دیدوں تو کیا مجھے جنت کا وہ درخت ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں تمہیں وہ درخت ملے گا۔ ابا الدحداح اُس آدمی کی طرف پلٹے اور اُس سے پوچھا میرے کھجوروں کے باغ کو جانتے ہو؟ اُس آدمی نے فوراً جواب دیا؛ جی کیوں نہیں، مدینے کا کونسا ایسا شخص ہے جو ابا الدحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کو نہ جانتا ہو، ایسا باغ جس کے اندر ہی ایک محل تعمیر کیا گیا ہے، باغ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں اور باغ کے اردگرد تعمیر خوبصورت اور نمایاں دیوار دور سے ہی نظر آتی ہے۔ مدینہ کے سارے تاجر تیرے باغ کی اعلیٰ اقسام کی کھجوروں کو کھانے اور خریدنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔

ابالدحداح نے اُس شخص کی بات کو مکمل ہونے پر کہا، تو پھر کیا تم اپنے اُس کھجور کے ایک درخت کو میرے سارے باغ، محل، کنویں اور اُس خوبصورت دیوار کے بدلے میں فروخت کرتے ہو؟ اُس شخص نے غیر یقینی سے سرکار دو عالم کی طرف دیکھا کہ کیا عقل مانتی ہے کہ ایک کھجور کے بدلے میں اُسے ابالدحداح کے چھ سو کھجوروں کے باغ کا قبضہ بھی مل پائے گا کہ نہیں؟ معاملہ تو ہر لحاظ سے فائدہ مند نظر آ رہا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے گواہی دی اور معاملہ طے پا گیا۔

ابالدحداح نے خوشی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور سوال کیا؛ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جنت میں میرا ایک

کھجور کا درخت پکا ہو گیا ناں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ ابالحداح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے حیرت زدہ سے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا اُس کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ؛ اللہ رب العزت نے تو جنت میں ایک درخت محض ایک درخت کے بدلے میں دینا تھا۔ تم نے تو اپنا پورا باغ ہی دیدیا۔ اللہ رب العزت جود و کرم میں بے مثال ہیں اُنہوں نے تجھے جنت میں کھجوروں کے اتنے باغات عطاء کیئے ہیں کثرت کی بنا پر جنکے درختوں کی گنتی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ابالدحداح، میں تجھے پھل سے لدے ہوئے اُن درختوں کی کس قدر تعریف بیان کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اِس بات کو اسقدر دہراتے رہے کہ محفل میں موجود ہر شخص یہ حسرت کرنے لگا اے کاش وہ ابالداحداح ہوتا۔ ابالداحداح وہاں سے اُٹھ کر جب اپنے گھر کو لوٹے تو خوشی کو چُھپا نہ پا رہے تھے۔ گھر کے باہر سے ہی اپنی بیوی کو آواز دی کہ میں نے چار دیواری سمیت یہ باغ، محل اور کنواں بیچ دیا ہے۔ بیوی اپنے خاوند کی کاروباری خوبیوں اور صلاحیتوں کو اچھی طرح جانتی تھی، اُس نے اپنے خاوند سے پوچھا؛ ابالداحداح کتنے میں بیچا ہے یہ سب کُچھ؟ ابالداحداح نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے یہاں کا ایک درخت جنت میں لگے ایسے ایک درخت کے بدلے میں بیچا ہے جِس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلتا رہے۔ ابالداحداح کی بیوی نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔ ابالداحداح، تو نے منافع کا سودا کیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو تو ان (انبیاء) میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو۔

روح مقدسہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کا بیان

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَاب" اَلتَّوْرَاة "وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْده بِالرُّسُلِ" اَيْ اَتْبَعْنَاهُمْ رَسُوْلًا فِيْ اِثْر رَسُوْل "وَ اٰتَيْنَا عِيسَى ابْن مَرْيَم الْبَيِّنَات" اَلْمُعْجِزَات كَاِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَاِبْرَاء الْاَكْمَه وَالْاَبْرَص "وَاَيَّدْنَاهُ" قَوَّيْنَاهُ "بِرُوْحِ الْقُدُس" مِنْ اِضَافَة الْمَوْصُوْف اِلَى الصِّفَة اَيْ الرُّوْح الْمُقَدَّسَة جِبْرِيْل لِطَهَارَتِهٖ يَسِير مَعَهُ حَيْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا "اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُوْل بِمَا لَا تَهْوٰى" تُحِبّ "اَنْفُسكُمْ" مِنَ الْحَقّ "اسْتَكْبَرْتُمْ" تَكَبَّرْتُمْ عَنْ اِتِّبَاعه جَوَاب كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلّ الْاِسْتِفْهَام وَالْمُرَاد بِهِ التَّوْبِيخ "فَفَرِيْقًا" مِنْهُمْ "كَذَّبْتُمْ" كَعِيسَى "وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ" اَلْمُضَارِع لِحِكَايَةِ الْحَال الْمَاضِيَة : اَيْ قَتَلْتُمْ

كَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى،
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے یعنی ان کے بعد یکے بعد دیگر رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں یعنی معجزات جیسے مردوں کو زندہ کرنا اندھے کو بینائی دینا اور کوڑھی کو ٹھیک کرنا اور پاک روح سے اس کی مدد کی یعنی مضبوط کیا یہاں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے یعنی روح مقدسہ جبریل کی طرف کیونکہ وہ پاکیزہ ہے۔ اور جہاں وہ جاتے ہیں جبریل بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں پھر بھی لوگ ہدایت پر نہیں آئے تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش کے مطابق نہیں تو حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتے ہو یعنی تم نے ان کی اتباع سے تکبر کیا ہے کہ کلما کا جواب ہے جو محل استفہام میں ہے اور مراد یہاں توبیخ ہے تو ان انبیاء میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو یعنی جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو۔ یہ مضارع حال ماضی کی حکایت کیلئے ہے۔ یعنی تم نے جس طرح حضرت ذکریا اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کو قتل کیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"قفینا" کا مصدر "تقفیہ" ہے جسکا معنی ہے کسی چیز یا شخص کسی کو کسی دوسری چیز یا شخص کے بعد روانہ کرنا۔ پس "قفینا یعنی موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد ہم نے (بنی اسرائیل کی طرف) پے در پے انبیاء کو بھیجا۔ الرسل "میں "ال" استغراق کا ہے جو یہاں کثرت پر دلالت کرتا ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبرائیل ہیں جیسے اور جگہ ہے اذ ایدتک بروح القدس الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب وحکمت توراۃ وانجیل کے سکھانے کا بیان ہے معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز علاوہ ازیں روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے قدس سے مراد مقدس ہے جیسے حاتم جود اور رجل صدق میں روح القدس کہنے میں اور روح منہ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے یہ اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ روح مردوں کی پیٹھوں اور حیض والے رحموں سے بے تعلق رہی ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح لی ہے پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقے کو تم قتل کرتے ہو جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لئے کہ ان کا حال آیت کے نزول کے وقت بھی یہی رہا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس وقت اس نے رگ رگ کر جان کاٹ دی۔ (جامع البیان، بقرہ، بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معروف پانچ معجزات کا بیان

یہ پانچ معجزات اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے اور آپ علیہ السلام علی الاعلان ان کا اظہار بھی

فرمایا کرتے تھے، جس کی تصدیق خود باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمائی ہے۔ یہاں فقط اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس آیتِ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مورت بناتا ہوں اَجْعَلُ کی بجائے اَخْلُقُ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

کیا یہ معجزہ نہیں؟ اس موقع پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا ماجرا تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور اِستغاثہ کی بحث میں معجزے کا کیا کام کیونکہ اُس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ معجزہ تو مریضوں کا شفایاب ہو جانا ہے نہ کہ اُن کا اپنی طرف شفا دینے کی نسبت کرنا۔ اصل بات یہی ہے کہ اُن کا اپنی طرف ان مافوق الفطرت اَعمال کی نسبت کرنا مجاز ہے اور شِفا اور بیماری درحقیقت اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہے۔ جب یہ بات اٹل ہے کہ مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والے کو شفاء دینے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ میں شفا دیتا ہوں؟ چاہیئے تو یوں تھا کہ ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پھیرنے سے مادرزاد اندھے کو بینائی دیتا ہے اور کوڑھی کو شفا عطا فرماتا ہے، معجزے کی شانِ اعجازی میں تب بھی کوئی فرق نہ آتا مگر اُنہوں نے مجازاً ان اَلفاظ کی نسبت اپنی طرف کی۔

چوتھا قول اُنہوں نے فرمایا: وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ اور میں مُردوں کو اللہ کے اِذن سے زندہ کرتا ہوں۔ یہاں تو انتہاء ہوگئی۔ ایسا نہیں فرمایا کہ تم مُردہ لے آؤ، میں اللہ سے اِلتجاء کروں گا، اللہ میری دُعا سے زندہ کردے گا، بلکہ یوں اِرشاد فرمایا: میں مُردوں کو اللہ کے اِذن سے زِندہ کرتا ہوں۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ان صیغوں اور کلمات کا اِستعمال اور اُن کی کسی فردِ بشر کی طرف نسبت مجازی طور پر جائز ہے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی طرف اِن اَعمال واَفعال کی نسبت کرنا نسبتِ مجازی ہونے کی بناء پر درست ہے اور اِسی آیت کے دُوسرے حصے میں آپ نے بِاِذۡنِ اللّٰہِ کے اَلفاظ کے ذریعے حقیقی کارساز اللہ ربّ العزّت ہی کو قرار دیا۔

پانچویں بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمائی: وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ اس میں کوئی ذِکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے سے ایسا کرتا ہوں، بلکہ فرمایا: اُنَبِّئُکُمۡ میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ اِن الفاظ میں صراحت کے ساتھ علمِ غیب کا پہلو پایا گیا کیونکہ اِس بات کا علم کہ کسی نے کون سی چیز کھائی ہے علمِ غیب ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا کہ خداوند قدوس مجھے آگاہ فرماتا ہے۔ اگرچہ واقعتاً حقیقت یہی ہے کہ اللہ ہی آگاہ کرتا ہے مگر اُنہوں نے اِس بات کا اپنے اَلفاظ میں اِظہار نہیں فرمایا اور مجازی طور پر اِس غیب کی نسبت اپنی طرف کی، جس سے یہ ظاہر ہوا کہ غیر اللہ کی طرف علمِ غیب کی نسبت مجازی طور پر جائز ہے ورنہ رسولِ اللہ سے یہ فعل ہرگز سرزد نہ ہوتا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دعویٰ نبوت کے سلسلے میں جو اِعلانات فرمائے آج کے نام نہاد مؤحدین کے مؤقف کی روشنی میں وہ سب کے سب شرک کی زد میں آئے بغیر نہیں رہتے۔ اس طرح کے طرزِ فکر سے تو اَنبیائے کرام جو خالصتاً

توحید ہی کا پیغامِ سرمدی لے کر انسانیت کی طرف مبعوث ہوتے رہے ہیں، اُن کی قبائے عصمتِ نبوّت بھی تار تار ہوئے بغیر نہیں رہتی اور وہ بھی شرک کے فتویٰ سے نہیں بچ سکتے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○
اور یہودیوں نے کہا: ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے
سو وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں۔

یہود کا مذاقیہ طور پر اپنے دلوں پر پردہ ہے کہنے کا بیان

"وَقَالُوا" لِلنَّبِيِّ اسْتِهْزَاء "قُلُوْبنَا غُلْف" جَمْع اَغْلَف اَيْ مُغَشَّاة بِاَغْطِيَةٍ فَلَا تَعِي مَا تَقُوْل "بَلْ" لِلْإِضْرَاب "لَعَنَهُمْ الله" اَبْعَدهمْ مِنْ رَحْمَته وَخَذَلَهُمْ عَنْ الْقَبُول "بِكُفْرِهِمْ" وَلَيْسَ عَدَم قَبُولهمْ لِخَلَلٍ فِيْ قُلُوْبهمْ "فَقَلِيْلًا مَا يُؤْمِنُوْنَ" مَا زَائِدَة لِتَاْكِيدِ الْقِلَّة اَيْ : اِيْمَانهمْ قَلِيْل جِدًّا،

اور یہودیوں نے کہا یعنی نبی کریم ﷺ سے مذاق کے انداز میں کہا ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، اور غلف کی جمع اغلف ہے یعنی پردوں میں پوشیدہ ہے جو آپ ﷺ ان کو دیتے ہیں تو فرمایا کہ نہیں (بل اضراب یعنی مثال بیان کرنے کیلئے ہے) بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے یعنی ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے سو وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں ما زائدہ تاکید قلت کیلئے ہے یعنی ان کا ایمان بہت ہی قلیل ہے۔

یہود کے دلوں پر اللہ کی لعنت کا بیان

یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے جواب ملا کہ غلاف نہیں بلکہ لعنت الٰہیہ کی مہر لگ گئی ہے ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا خلف کو غلف بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں اور جگہ قرآن کریم میں ہے آیت

(وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ) 41 ۔فصلت:5)

یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں اور ہمارے دلوں کے درمیان پردہ ہے آڑ ہے ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے اسی بنا پر وہ نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے یہ کفار کے دل ہوتے ہیں سورۃ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے آیت (وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ) 2 ۔ البقرۃ:88) تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کا قائل۔ حضرت موسیٰ پر

ایمان رکھنے والے توراۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○
اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے
اور اس سے پہلے وہ اسی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا انکے پاس وہ جانا پہچانا
اس سے منکر ہو بیٹھے پس اللہ کی لعنت کافروں پر ہے۔

بنی اسرائیل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ و مدد سے دعا مانگنے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَ هُمْ كِتَاب مِنْ عِنْد اللّٰه مُصَدِّق لِمَا مَعَهُمْ" مِنَ التَّوْرَاة : هُوَ الْقُرْاٰن "وَكَانُوْا مِنْ قَبْل" قَبْل مَجِيئِهِ "يَسْتَفْتِحُوْنَ" يَسْتَنْصِرُوْنَ "عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" يَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْث اٰخِر الزَّمَان "فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَا عَرَفُوْا" مِنَ الْحَقّ وَهُوَ بَعْثَة النَّبِيّ "كَفَرُوْا بِهِ" حَسَدًا وَّخَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَة وَجَوَاب لَمَّا الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ جَوَاب الثَّانِيَة "فلعنة الله على الكافرين"

اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب قرآن آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب تورات ہے اسکی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وہ اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے یعنی مدد مانگتے تھے اور کہتے "اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْث اٰخِر الزَّمَان" تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا جو حق ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا حسد اور ریاست کے خوف سے اور یہ پہلے لما کے جواب پر دوسرے لما کا جواب دلالت کرنے والا ہے۔ پس اللہ کی لعنت کافروں پر ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"فتح" کا معنی نصرت و کامیابی ہے "استفتاح" کا معنی ہے کامیابی کا طلب کرنا فعل مضارع (یستفتحون) پر "کان" کا آنا زمانہ ماضی میں استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ جملہ "و کانوا۔ کا ماقبل اور مابعد سے ارتباط اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ کامیابی نزول قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط ہو، بنابریں "و کانوا یعنی زمانہ بعثت سے بہت مدت قبل سے یہودی نزول قرآن اور بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے تاکہ ان کے سائے تلے کفار پر کامیابی حاصل کریں۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۹ کے شان نزول کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لے کر اللہ عزوجل کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل وغارت کریں گے کہ تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہا: اے اللہ تو اس نبی ﷺ کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم توراۃ میں پڑھتی ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے لیکن جس وقت حضور ﷺ مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں۔ پہچان بھی لیا۔ دل سے قائل بھی ہو گئے۔ مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے۔ حسد کیا اور آپ کی نبوت سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لعنت یافتہ ہو گئے بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں سنتے چلے آتے تھے انہیں تو ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر وہ یہود پر غالب آ گئے ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل حضرت بشر بن براء حضرت داؤد بن سلمہ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہمارے شرک کی حالت میں ہم سے حضور نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور اب جب کہ وہ عام اوصاف جو تم حضرت کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔ پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے تو مانتے تھے منتظر بھی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، بیروت)

نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعا کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود، اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرنے کی دعا مانگتے تھے جب اللہ نے آپ کو عرب میں مبعوث کر دیا تو جو کچھ وہ آپ کے متعلق کہتے تھے اس کا انہوں نے انکار کر دیا، ایک دن حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور اس نبی کی وہی صفات بیان کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ میں موجود ہیں۔ اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلام بن مشکم نے کہا کہ وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔ (جامع البیان، ج ۱ ص ۳۲۵، بیروت)

امام ابونعیم دلائل النبوت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یوں فتح کی دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم نبی امی (ﷺ) کے وسیلہ سے تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں تو ہماری مدد فرما' تو ان کی مدد کی جاتی۔ اور جب وہ نبی آ گئے جن کو وہ پہچانتے
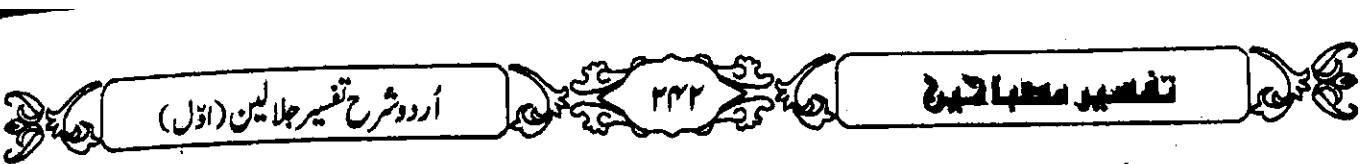
ہیں تو انہوں نے ان کا کفر کیا۔ جبکہ دوسری سند کے ساتھ دعا کا اس طرح ذکر ہے۔

اے اللہ! اپنے اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو تو ان پر نازل کرے گا، تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو آخر زمانہ مبعوث فرمائے گا۔ (الدرالمنثور، ج ۱، ص ۸۸، مطبوعہ ایران)

نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے سے آنکھوں میں نور آجانے کا بیان

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس نے آپ سے عرض کیا، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کردوں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو تمہارے لئے موخر کردوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے، اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے محمد ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت کو اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو، اے اللہ! میرے متعلق آپ ﷺ کی سفارش قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

(سنن ترمذی رقم الحدیث، ۳۵۸۹۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث، ۱۳۸۵۔ مسند احمد، رقم الحدیث، ۱۷۱۷۵)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک نابینا صحابی کو خود سکھایا ہے کہ تم اللہ کی بارگاہ میں میرے وسیلے سے دعا کرو۔ یہاں پر ہم اس بات کی وضاحت کردیں کہ معاشرے میں کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو اس طرح جاہلانہ تبلیغ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کسی وسیلے کے بغیر کسی کی دعا کو نہیں سن سکتا، کیا کسی وسیلے کے بغیر اسکی بارگاہ میں رسائی نہیں ہوسکتی؟ اس طرح کی فضول اور بے مقصد باتیں بتا کر سادہ لوح لوگوں کی اسلام کی اصل تعلیمات سے دور کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس حدیث رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کی بدعقیدگی کی قلعی کھول دی ہے۔ کہ وسیلے سے دعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

نیک لوگوں کے وسیلہ سے دعا کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے اور یہ عرض کرتے، اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو ہم پر بارش برساتا تھا، (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے ہیں لہٰذا تو ہم پر بارش برسا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۱۰۱۰)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○
انہوں نے اپنی جانوں کا کیا برا سودا کیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کر رہے ہیں محض اس حسد میں کہ اللہ اپنے
فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (وحی) نازل فرماتا ہے، پس وہ غضب در غضب کے سزاوار ہوئے،
اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حسد کے سبب حق کو قبول نہ کرنے والے یہودیوں کا بیان

"بِئْسَمَا اشْتَرَوْا" بَاعُوا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ" اَیْ حَظَّهَا مِنَ الثَّوَاب . وَمَا : نَكِرَة بِمَعْنٰی شَیْئًا تَمْیِیز لِفَاعِلِ بِئْسَ وَالْمَخْصُوص بِالذَّمِّ ""اَنْ یَّكْفُرُوْا" اَیْ كُفْرِهِمْ "بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ" مِنَ الْقُرْاٰن "بَغْیًا" مَفْعُول لَهٗ لِیَكْفُرُوْا : اَیْ حَسَدًا عَلٰی "اَنْ یُّنَزِّل اللّٰه" بِالتَّخْفِیفِ وَالتَّشْدِیْد "مِنْ فَضْله" الْوَحْی "عَلٰی مَنْ یُّشَاء" لِلرِّسَالَةِ "مِنْ عِبَاده فَبَاءُوْا" رَجَعُوا "بِغَضَبٍ" مِنَ اللّٰه بِكُفْرِهِمْ بِمَا اَنْزَلَ وَالتَّنْكِیر لِلتَّعْظِیمِ "عَلٰی غَضَب" اسْتَحَقُّوهُ مِنْ قَبْل بِتَضْیِیعِ التَّوْرَاة وَالْكُفْر بِعِیسٰی "وَلِلْكَافِرِیْنَ عَذَاب مُهِین" ذُو اِهَانَة،

انہوں نے اپنی جانوں کا کیا برا سودا کیا یعنی ان کو بیچ دیا یعنی ثواب میں ان کا حصہ اور ما نکرہ ہے شئیا بئس کے فاعل کی تمیز ہے اور مخصوص بہ ذم "اَنْ یَّكْفُرُوْا" کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب یعنی کا انکار کر رہے ہیں، بغیا یہ لیکفروسے مفعول لہ ہے یعنی محض اس حسد میں کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ ینزل یہ تشدید و تخفیف دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ فضل سے مراد، وحی نازل فرماتا ہے، جس پر وہ چاہتا ہے اس کے بندوں میں سے، وہ غضب در غضب کے سزاوار ہوئے، کیونکہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ کا انکار کیا اور اس کی تعظیم سے انکار کیا۔ اور علی غضب یعنی اس سے پہلے تورات کو ضائع کرنے اور عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کرنے کے سبب غضب کے حقدار ہوئے۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی ان کو ہلاک کرنے والا عذاب ہے۔

"ان ینزل اللہ اس عبارت کی تقدیر میں "لام" ہے جو حسد کی علت و بنیاد کو بیان کر رہا ہے اس کا ماحصل یہ ہے "ان یکفروا، من عبادہ" یعنی یہودی نبی کریم ﷺ سے حسد کی وجہ سے قرآن کریم کے کافر ہو گئے اور ان کے حسد کا سرچشمہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ (جو عربی النسل ہیں) کو نبوت کے لئے انتخاب کر لیا ہے اور آپ ﷺ پر وحی کو نازل کیا ہے۔

یہود کے حسد و عناد کا بیان

مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضور کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا۔ آپ کی

نصرت وامداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی اس وجہ سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سے سوائے حسد و بغض تکبر وعناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپ عرب میں سے تھے اس لئے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے وہ اپنا فضل وکرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا دوسرا حضور کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کے سبب سدی کا خیال ہے۔ کہ پہلا غضب بچھڑے کے پوجنے کے سبب تھا دوسرا غضب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بناء پر چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضور ﷺ کی نبوت سے منکر ہوئے تھے اور اس حسد بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تا کہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے جیسے فرمان ہے آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ) 40۔غافر:60) میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے "بولس" نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ یَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ
وَ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ٥
اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی
سے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تم فرماؤ کہ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا
اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا۔

انبیائے کرام کو ناحق شہید کرنے والے جھوٹے یہودیوں کا بیان

"وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" اَلْقُرْاٰن وَغَیْرِہٖ "قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا" اَیْ التَّوْرَاۃ "وَیَکْفُرُوْنَ" اَلْوَاو لِلْحَالِ "بِمَا وَرَاءَ ہٗ" سِوَاہُ اَوْ بَعْدہ مِنَ الْقُرْاٰن "وَھُوَ الْحَقّ" حَال "مُصَدِّقًا" حَال ثَانِیَۃ مُؤَکِّدَۃ "لِمَا مَعَھُمْ قُلْ" لَھُمْ "فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ" اَیْ قَتَلْتُمْ "اَنْبِیَاء اللّٰہ مِنْ قَبْل اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ" بِالتَّوْرَاۃِ وَقَدْ نُھِیتُمْ فِیْھَا عَنْ قَتْلھمْ وَالْخِطَاب لِلْمَوْجُوْدِیْنَ مِنْ زَمَن نَبِیّنَا بِمَا فَعَلَ اٰبَاؤُھُمْ لِرِضَاھُمْ

بقیہ

اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے یعنی قرآن وغیرہ پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا یعنی تورات اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں اور یہاں ''وَيَكْفُرُوْنَ'' واؤ حالیہ ہے۔ یعنی اس کے سوا یا بعد والے قرآن جو حق ہے مصدقا یہ دوسرا حال ہے جو تاکیدہ ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تم ان سے فرماؤ کہ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب یعنی تورات پر ایمان تھا۔ یقیناً اس میں ان کے قتل سے تمہیں منع کیا گیا تھا اور یہ خطاب اس زمانے کے موجودین کیلئے جو ہمارے نبی مکرم ﷺ کے زمانے تھے۔ کہ جو کچھ ان کے باپ دادوں نے کیا ہے یہ اس کے ساتھ راضی ہیں۔

فعل "قیل" کو مجہول کی صورت میں لانا اور فاعل کا حذف کرنا اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی دعوت پر منفی رد عمل یا منفی جواب فقط زمانہ بعثت کے یہودیوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کی آنے والی نسلیں بھی یہی کچھ کریں گی۔

"نؤمن بما انزل علینا" کے قرینہ سے "مؤمنین" کا متعلق ممکن ہے تورات پر ایمان ہو۔ جملہ "فلم تقتلون، "ان کنتم " کا جواب شرط ہے یعنی یہ کہ اگر تم تورات پر ایمان کے دعویدار ہو تو پھر انبیاء کو کیوں قتل کرتے ہو؟ یہ معنی اس بات کا مقتضی ہے کہ تورات میں حضرت موسیٰ کے مابعد انبیاء کے آنے کی بشارت دی گئی تھی اسی طرح ان کی اتباع کے واجب ہونے کی بھی خبر تھی۔

نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا حکم سابقہ کتب میں ہونے کا بیان

جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق موجود ہے، جیسے فرمایا آیت (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ) 2 . البقرة: 146) یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ سے انکار کا مطلب توراۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ جو ان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے لکڑی کا سانپ بن جانا ہاتھ کا روشن چاند بن جانا، دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ من بعدہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے آیت (واتخذ قوم موسیٰ) الخ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا آیت (ولما سقط فی ایدیھم) یعنی جب انہیں ہوش آیا نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے اس وقت کہا: اے اللہ اگر تم ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطانہ بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، آیت ۹۱، بیروت)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
اور بیشک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لایا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔

معجزات دیکھنے کے باوجود یہود کا شرک میں مبتلاء ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ كَالْعَصَا وَالْيَد وَفَلْق الْبَحْر "ثُمَّ اتَّخَذْتُمْ الْعِجْل" إلَهًا "مِنْ بَعْده" مِنْ بَعْد ذَهَابه إلَى الْمِيقَات "وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ" بِاتِّخَاذِهِ،

اور بیشک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں یعنی معجزات جیسے عصا اور ید اور دریا کا پھٹنا، لے کر تشریف لایا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔ یعنی میقات کی طرف جانے کے بعد تم نے ظلم کرتے ہوئے بچھڑے کو معبود بنالیا۔

روشن ہاتھ کے معجزے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہدایت کیلئے اس کے دربار میں بھیجا تو دو معجزات آپ کو عطا فرما کر بھیجا۔ ایک عصا دوسرا ید بیضا روشن ہاتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تھے تو ایک دم آپ کا ہاتھ روشن ہو کر چمکنے لگتا تھا، پھر جب آپ اپنا گریبان میں ڈال دیتے تو وہ اپنی اصلی حالت پر ہو جایا کرتا تھا۔ اس معجزہ کو قرآن عظیم نے مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا کہ۔

واضمم الیٰ جناحك تخرج بیضآء من غیر سوء ایة اخریٰ ۝ لنریك من ایٰتنا الکبریٰ ۝

اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سپید نکلے گا بے کسی مرض کے ایک اور نشانی کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ (پ16، طٰہٰ: 23،22)

اسی معجزہ کا نام ید بیضاء ہے جو ایک عجیب اور عظیم معجزہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے رات اور دن میں آفتاب کی طرح نور نکلتا تھا۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص563، طٰہٰ 22)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا، لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب تم فرما دو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔

یہود کے دعویٰ ایمان وعمل میں تضاد کا بیان

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ" عَلَى الْعَمَلِ بِمَا فِى التَّوْرَاة "و" قَدْ "رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْر" الْجَبَل حِيْن امْتَنَعْتُمْ مِنْ قَبُوْلهَا لِيَسْقُط عَلَيْكُمْ وَقُلْنَا : "خُذُوْا مَا اٰتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ" بِجِدٍّ وَاجْتِهَاد "وَاسْمَعُوْا" مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سَمَاع قَبُوْل "قَالُوْا سَمِعْنَا" قَوْلك "وَعَصَيْنَا" اَمْرك "وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْل" اَىْ خَالَطَ حُبّهُ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُخَالِط الشَّرَاب "بِكُفْرِهِمْ قُلْ" "لَهُمْ" "بِئْسَمَا" شَيْئًا "يَاْمُرُكُمْ بِهٖ اِيْمَانُكُمْ" بِالتَّوْرَاةِ. عِبَادَة الْعِجْل "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" بِهَا كَمَا زَعَمْتُمْ الْمَعْنٰى لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ لِاَنَّ الْاِيْمَان لَا يَاْمُر بِعِبَادَةِ الْعِجْل وَالْمُرَاد اٰبَاؤُهُمْ : اَىْ فَكَذٰلِكَ اَنْتُمْ لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّوْرَاةِ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ مُحَمَّدًا وَّالْاِيْمَان بِهَا لَا يَاْمُر بِتَكْذِيْبِهٖ،

اور جب ہم نے تم سے پیمان لیا کہ تم تورات پر عمل کرو گے اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا، یعنی جب تم حکم تورات قبول کرنے اعراض کرو تو وہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے۔ اور ہم نے کہا کہ لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے یعنی سخت محنت اور اجتہاد سے اور سنو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے قبول کرو، بولے ہم نے آپ کی بات کو سنا اور آپ کے حکم کو نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی یعنی اس کی محبت شراب کی طرح ڈال دی گئی ہے۔ ان کے کفر کے سبب تم ان سے فرما دو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔ یعنی تورات پر ایمان رکھتے ہو تو جس طرح تمہارا ایمان کا دعویٰ ہے وہ ایمان بھی نہیں ہے کیونکہ ایمان تم کو بچھڑے کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔ اور آباء سے مراد ان کے باپ دادا ہیں۔ یعنی اس طرح بھی تم تورات پر ایمان لانے والے نہیں ہو کیونکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا ہے۔ جبکہ ایمان آپ ﷺ کو جھٹلانے کا حکم نہیں دیتا۔

یہ جملہ "سمعنا وعصینا ہم نے سنا اور نافرمانی کی" چونکہ اس جملہ "اسمعوا، سنوا" کے مقابل میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (اسمعوا) سے مراد سمجھنا اور اطاعت کرنا ہے۔ قرینہ مقامیہ کی بنا پر "اسمعوا" کا متعلق اللہ تعالیٰ کے فرامین اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے احکامات ہیں۔

طور پہاڑ کو یہود کے سروں پر بلند کرنے کا بیان

طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ کے سامنے تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
آپ فرما دیں، اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے اور لوگوں کے لئے نہیں تو تم موت
کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو۔

جنت میں جانے والے یہودی موت سے کیوں گھبراتے ہیں

"قُلْ" لَهُمْ "اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّار الْاٰخِرَة" اَیْ الْجَنَّة "عِنْد اللّٰه خَالِصَة" خَاصَّة "مِنْ دُوْن النَّاس" كَمَا زَعَمْتُمْ "فَتَمَنَّوْا الْمَوْت اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" تَعَلَّقَ ب تَمَنَّوْا الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّل قَيْد فِي الثَّانِيْ اَیْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِيْ زَعْمكُمْ اَنَّهَا لَكُمْ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ يُؤْثِرهَا وَالْمُوَصِّل اِلَيْهَا الْمَوْت فَتَمَنَّوْهُ،

آپ ان سے فرما دیں، اگر آخرت یعنی جنت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے اور لوگوں کے لئے نہیں جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو تم موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور جنت میں جانے کی تمنا کی دو شرائط ہیں اور پہلی دوسری میں مقید ہے یعنی اگر اپنے گمان میں سچے ہو وہ تمہارے لئے ہے تو اس تک پہنچنے کا ذریعہ موت ہے تو تم اس کو اپناؤ۔

یہودیوں کے اس دعویٰ " کہ عالم آخرت صرف انہی سے مختص ہے" کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پس موت کی تمنا کرو" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان مرنے سے عالم آخرت میں وارد ہوتا ہے یعنی یہ کہ انسان مرنے سے قیامت کے برپا ہونے تک کی مدت میں بھی آخرت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے یا عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتا ہے۔

مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ کے نہ آنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم میں سے جھوٹا ہے اسے ہلاک کردے۔لیکن ساتھ ہی پیشگوئی بھی کردی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوں گے چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے اگر یہ لوگ اس اعلان کے ماتحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا۔ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مرجاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اسی طرح جو نصرانی آپ کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کا نام ونشان بھی نہ پاتے (مسند احمد بن حنبل)

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

وہ ہرگز کبھی بھی اس کی آرزو نہیں کریں گے ان گناہوں کے باعث جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قیامت وآخرت میں ظالم کافروں کی سزا کا بیان

"وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ" مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَذِبِهِمْ "وَاللّٰهُ عَلِيْم بِالظَّالِمِينَ" الْكَافِرِيْنَ فَيُجَازِيْهِمْ،

وہ ہرگز کبھی بھی اس کی آرزو نہیں کریں گے ان گناہوں کے باعث جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔یعنی نبی کریم ﷺ کے ساتھ کفر کرنا ان کے جھوٹ کو لازم کرنے والا ہے۔اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔یعنی وہ کافروں کو سزا دے گا۔

یہ غیب کی خبر اور معجزہ ہے کہ یہود باوجود نہایت ضد اور شدت مخالفت کے بھی تمنائے موت کا لفظ زبان پر نہ لاسکے۔جیسے نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن کے ساتھ کفر اور توریت کی تحریف وغیرہ،موت کی محبت اور لقائے پروردگار کا شوق اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

مؤمن اور کافر کے وقت موت کی کیفیت کا بیان

عبادہ بن صامت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا، جو شخص اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ کو ناپسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی دوسری بیوی نے عرض کیا کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا۔بات یہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور بزرگی کی خوشخبری دی جاتی ہے چنانچہ جو چیز اس کے آگے ہوتی ہے اس سے بہتر

کوئی چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اور اللہ سے ملنے کو اور اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی خبر سنائی جاتی ہے اس کے سامنے جو چیز ہوتی ہے اس سے زیادہ ناگوار کوئی چیز نہیں ہوتی، چنانچہ وہ اللہ سے ملنے کو اور اللہ اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، ابوداؤد اور عمرو نے شعبہ سے اس کو مختصر نقل کیا اور سعید نے بوسطہ قتادہ زرارہ، سعید، عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1437)

آرزوؤں کی حالت میں رہنے والے انسان پر موت آجانے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے، اور فرمایا یہ انسان کی طویل امیدیں ہیں، اور یہ اس کی موت ہے، اور وہ اسی امید کی حالت میں رہتا ہے کہ اس کی موت آجاتی ہے۔
(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1350)

شہادت کی موت اور حرم میں مدفن کی تمنا کرنے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد دعا فرماتے " اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِی شَهَادَةً فِی سَبِيْلِكَ وَوَفَاةً بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ " یا رب مجھے اپنی راہ میں شہادت اور اپنے رسول ﷺ کے شہر میں وفات نصیب فرما بالعموم تمام صحابہ کبار اور بالخصوص شہدائے بدر واحد واصحاب بیعت رضوان موت فی سبیل اللہ کی محبت رکھتے تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لشکر کفار کے سردار رستم بن فرخ زاد کے پاس جو خط بھیجا اس میں تحریر فرمایا تھا "اِنَّ مَعِیَ قَوْمٌ يُّحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ" یعنی میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو موت کو اتنا محبوب رکھتی ہے جتنا عجمی شراب کو اس میں لطیف اشارہ تھا کہ شراب کی ناقص مستی کو محبت دنیا کے دیوانے پسند کرتے ہیں اور اہل اللہ موت کو محبوب حقیقی کے وصال کا ذریعہ سمجھ کر محبوب جانتے ہیں، فی الجملہ اہل ایمان آخرت کی رغبت رکھتے ہیں اور اگر طول حیات کی تمنا بھی کریں تو وہ اس لئے ہوتی ہے کہ نیکیاں کرنے کے لئے کچھ اور عرصہ مل جائے جس سے آخرت کے لئے ذخیرہ سعادت زیادہ کرسکیں اگر گزشتہ ایام میں گناہ ہوئے ہیں تو ان سے توبہ واستغفار کرلیں۔ (خزائن العرفان)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○
اور بیشک تم ضرور انہیں پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی خواہش رکھتے ہیں اور مشرکوں میں سے ہر ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس زندہ رہے اور وہ اسے عذاب سے دور نہ کرے گا اتنی عمر دیا جانا اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں۔

ہزاروں برس کی زندگی کی تمنار کھنے والے یہود کا بیان

"وَلَتَجِدَنَّهُمْ" لام قسم "اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيَاة" وَاَحْرَصَ "وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوا" الْمُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ عَلَيْهَا لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَصِيرهمْ النَّار دُوْن الْمُشْرِكِيْنَ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ "يَوَدّ" يَتَمَنّٰى "اَحَدهمْ لَوْ

يُعَمَّر اَلْفَ سَنَةٍ " لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى اَنْ وَهِيَ بِصِلَتِهَا فِيْ تَاْوِيْلِ مَصْدَرٍ مَفْعُوْلٌ يَوَدُّ "وَمَا هُوَ" اَيْ اَحَدُهُمْ "بِمُزَحْزِحِهِ" مُبْعِدِهِ "مِنَ الْعَذَابِ" النَّارِ "اَنْ يُّعَمَّرَ" فَاعِلُ مُزَحْزِحِهِ اَيْ تَعْمِيْرُهُ "وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فَيُجَازِيْهِمْ،

"وَلَتَجِدَنَّهُمْ" میں لام قسم کیلئے ہے اور بیشک تم ضرور انہیں پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی خواہش رکھتے ہیں اور مشرکوں یعنی جو بعثت کا انکار کرنے والے ہیں جو ان کے علم کے مطابق جہنم میں جانے والے ہیں سوائے مشرکین کے کیونکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس زندہ رہے، یہاں لو مصدر یہ ان کے معنی میں ہے اور یہ اپنے صلہ کے سبب تاویل مصدر میں ہے۔ یود کا مفعول ہے۔ اور وہ اسے عذاب سے دور نہ کرے گا اتنی عمر دیا جانا یعنی ان میں سے کوئی بھی عذاب و آگ سے دور نہ ہوگا اور ان یعمر یہ مزحزحہ کا فاعل ہے یعنی تعمیرہ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں۔ "یَعْمَلُوْنَ" یا اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے یعنی ان کو جزاء دے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لتجدن "فعل "تجد، تم پاتے ہو"، لام قسم اور نون تاکید سے مرکب ہے یعنی یقیناً بلاشک تم دیکھتے ہو کہ یہودی انتہائی حریص لوگ ہیں۔ اس بات پر تاکید کہ تم تو یہودیوں کی دنیاوی زندگی پر وابستگی کو پاتے ہو، اس مفہوم کو بیان کر رہا ہے کہ یہودیوں کی چال ڈھال اس چیز کی دلیل ہے کہ وہ لوگ دنیاوی زندگی سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

یہ مفہوم اس اعتبار سے ہے کہ "و من الذین اشرکوا "مبتدائے محذوف کی خبر ہے نہ کہ "الناس" پر عطف ہے یعنی مطلب یوں ہے "و من الذین اشرکوا طائفة یود احدھم "بنابریں جملہ "و من الذین، حالیہ ہے اور "یود احدھم "انہی مشرکین کی صفت بیان کی گئی ہے۔ پس آیہ مجیدہ کا مفہوم یوں بنتا ہے۔ یہودی سب سے زیادہ دنیا سے دل وابستہ کیئے ہوئے ہیں در آں حالانکہ بعض مشرکین ہزار سالہ عمر کے خواہشمند ہیں۔

لمبی عمر کی حرص میں رہنے والے قارون کے انجام کا واقعہ

قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا ہوا نکلا، اس کا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔

قارون اس طمطراق سے نکلا وہ سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے تھا تب ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے، بنو اسرائیل کا مجمع تھا سب کی نگاہیں اس کی دھوم دھام پر لگ گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا اس طرح کیسے نکلے ہو؟ اس نے کہا ایک فضیلت اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس عزت و دولت ہے اگر آپ کو میری فضیلت میں شک ہے تو میں تیار ہوں آپ اللہ سے دعا کریں دیکھ لیجئے اللہ کس کی دعا قبول کرتا ہے آپ علیہ السلام اس بات

پر آمادہ ہوگئے اور اسے لے کر چلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اب پہلے دعا کروں یا تو کرے گا قارون نے کہا میں کروں گا اس نے دعا مانگی لیکن قبول نہ ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ زمین کو حکم کر جو میں کہوں مان لے۔ اللہ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن زمین سے کہا: "اے زمین اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے، پھر مونڈھوں تک، پھر فرمایا اس کے خزانے اور اس کے مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت قارون کے تمام خزانے آ گئے آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ قاروں اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا زمین جیسی تھی ویسی ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ بیروت)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝
تم فرما دو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اس (جبریل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا اگلی کتابوں کی
تصدیق فرماتا اور ہدایت و بشارت مسلمانوں کیلئے ہے۔

یہود کی جبریل سے دشمن وعداوت کا بیان

وَسَاَلَ ابْن صُوْرِيَا النَّبِيَّ اَوْ عُمَر عَمَّنْ يَاْتِي بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلَائِكَة فَقَالَ جِبْرِيل فَقَالَ هُوَ عَدُوّنَا يَاْتِي بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِيكَائِيل لَاٰمَنَّا لِاَنَّهٗ يَاْتِي بِالْخِصْبِ وَالسِّلْم فَنَزَلَ،

"قُلْ" لَهُمْ "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيل" فَلْيَمُتْ غَيْظًا "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ" اَيْ الْقُرْاٰن "عَلٰى قَلْبك بِاِذْنِ" بِاَمْرِ "اللّٰه مُصَدِّقًا لِمَا بَيْن يَدَيْهِ" قَبْله مِنَ الْكُتُب "وَهُدًى" مِنَ الضَّلَالَة "وَبُشْرٰى" بِالْجَنَّةِ "لِلْمُؤْمِنِيْنَ"

ابن سوریا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ وحی کونسا فرشتہ لاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جبریل تو اس نے کہا کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ عذاب کے ساتھ آتا ہے۔ اور اگر میکائیل ہوتے تو ہم ایمان لاتے کیونکہ وہ خوشحالی اور سلامتی لیکر آتے ہیں تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

تم ان سے فرما دو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو یعنی وہ غصے میں مرجائے کیونکہ جبریل نے تو تمہارے نبی مکرم ﷺ کے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا جو سابقہ کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت و بشارت مسلمانوں کیلئے ہے۔ یعنی گمراہ سے ہدایت دینے والا اور ایمان والوں کیلئے جنت کی خوشخبری دینے والا ہے۔

یہ مفہوم اس بنا پر ہے کہ "مصدقا"، "نزلہ" کی ضمیر مفعولی کے لئے حال ہو اور اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ ما بین یدیہ وہ کتاب جو قرآن کریم سے پہلے تھی۔ آیہ مبارکہ میں اس سے مراد تورات ہے۔ قرآن کریم کا وجود تورات کی حقانیت کے لئے گواہ اور شاہد کے طور پر ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۹۷ کے شان نزول کا بیان

یہودیوں کے عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کے پاس آسمان سے کون فرشتہ آتا ہے فرمایا جبریل ابن صوریا نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے عذاب شدت اور خسف اتارتا ہے کئی مرتبہ ہم سے عداوت کر چکا ہے اگر آپ کے پاس میکائیل آتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے۔

خصومت جبرائیل علیہ السلام موجب کفر وعصیان

امام ابوجعفر طبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ سے ان کا جو مناظرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کرلو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوب کی طرح اللہ جل شانہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی، انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائیے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کے سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا چھوڑ دیا، تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر تورات اتاری بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے بجا ارشاد ہوا اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آجائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا آپ نے ان دو باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ فرمائیے کہ تورات میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کس خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی

ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو تورات دی بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا ولی جبرائیل ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وحی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری تعالیٰ لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیل وحی لے کر آتے جو رحمت، بارش، پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں اور ہمارے دوست ہیں تو ہم آپکی تابعداری اور تصدیق کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپ کی آمد کی خبر سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف، آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرائیل نے مجھے بتلائے ہیں سنو، حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبق لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے حدیث (اشھدان لا الہ الا اللہ وانك رسولہ اللہ) پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی تامل تو نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعوذ باللہ اعوذ باللہ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ جو اب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اس کے باپ دادا بھی برے تھے یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جبر، میک، اسراف، کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے

ہیں تو جبرائیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کئے ہیں وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں، جیسے عربی میں عبداللہ عبدالرحمن عبدالملک عبدالقدوس عبدالسلام عبدالکافی عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرائیل میکائیل اسرافیل عزرائیل وغیرہ۔

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمر سے ہوئی تھی شعبہ کہتے ہیں حضرت عمر روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے، آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کو سچائی کی تصدیق کرتا ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔

ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضور کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جوان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔ اس بڑے پادری نے کہا سنئے جناب! آپ نے زبردست قسم دی ہے لہٰذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرائیل ہیں جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت ورافت تخفیف وراحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزل ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرائیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرائیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرائیل ومیکائیل کا

دشمن ہوتو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے میں نے کہا حضور سنائیے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہا آپ کو اطلاع کروں مگر میری آنے سے پہلے لطیف وخبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچادی ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں شعبی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا) 4۔ النسآء:150) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک پس ان آیتوں میں صراحتاً لوگوں کو کافر کہا جو کسی ایک رسول کو بھی نہ مانیں۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ○
جوشخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔

فرشتوں کے دشمن یہود اللہ کے بھی دشمن ہیں

"مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَته وَرُسُله وَجِبْرِيل" بِكَسْرِ الْجِيم وَفَتْحهَا بِلَا هَمْزَة وَبِه بِيَاء وَدُوْنهَا "وَمِيكَال" عُطِفَ عَلَى الْمَلَائِكَة مِنْ عَطْف الْخَاصّ عَلَى الْعَامّ وَفِيْ قِرَاءَة مِيكَائِيل بِهَمْزَةٍ وَيَاء وَفِيْ أُخْرَى بِلَا يَاء "فَإِنَّ اللّٰه عَدُوّ لِلْكَافِرِيْنَ" أَوْقَعه مَوْقِع لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ،

جوشخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوا (یہ جیم کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ بغیر ہمزہ کے آیا ہے اور یاء کے ساتھ آیا ہے سوائے میکال اور ملائکہ پر عطف یہ خاص کا عطف عام پر ہے اور ایک قرأت میں میکائیل ہمزہ اور یاء کے ساتھ ہے۔ اور دوسری قرأت میں بغیر یاء کے ہے۔ تو یقیناً اللہ بھی ان کافروں کا دشمن ہے۔ لھم ضمیر کی جگہ پر کافرین کا لفظ کافروں کی حالت کے سبب لایا گیا ہے۔

ملائکہ کی عداوت کے سبب جہنم کے عذاب کا بیان

اسی طرح جبرائیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے قرآن فرماتا ہے (وما نتنزل الا بامر ربک) فرماتا

ہے آیت (وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) 26۔الشعراء:192) یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوانہیں اترتے ہیں نازل کیا ہوارب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کردے صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے۔قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوش خبری دیتا ہے جیسے فرمایا آیت (قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ) 41۔فصلت:44) فرمایا آیت (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا) 17۔الاسراء:82) یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدیات وشفا ہے رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں جیسے فرمایا آیت (اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ) 22۔الحج:75) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے جبرائیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصاً نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہ بھی جان لیں کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے حضرت میکائیل بھی کبھی کبھی انبیاء کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرائیل ہیں جیسے حضرت میکائیل روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور جیسے حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر۔ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے۔دعا،

اللھم رب جبرائیل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض علم الغیب و الشھادۃ انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنك انك تھدی من تشاء الی صراط مستقیم،

اے اللہ اے جبرائیل میکائیل اسرافیل کے رب اے زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے اے ظاہر باطن کو جاننے والے اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے، اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھادیتا ہے۔لفظ جبرائیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمر فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرائیل کا نام خادم اللہ ہے۔ابوسلیمان دارانی یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایتوں کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔جبرائیل اور میکائیل کے لفظ میں بہت سارے لغت ہیں اور مختلف قرأت ہیں جن کے بیان کی مناسب جگہ کتب لغت ہیں ہم کتاب کے حجم کو بڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفادان پر موقف نہیں۔اللہ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے۔اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں گویا یوں کہا جاتا ہے کہ

جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ قادر مطلق ہو جائے اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○
اور بیشک ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان (نشانیوں) کا سوائے نافرمانوں کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

آیات الٰہی کے منکر یہودیوں کا بیان

"وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ" يَا مُحَمَّدُ "اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ" اَیْ وَاضِحَاتٍ حَالٌ رَدٌّ لِقَوْلِ ابْنِ صُوْرِيَّا لِلنَّبِیِّ مَا جِئْتَنَا بِشَیْءٍ "وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ" كَفَرُوْا بِهَا،

اور بیشک ہم نے آپ کی طرف یعنی یا محمد ﷺ روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان نشانیوں، بینات یہ آیات سے حال ہے جس میں ابن سوریا کے جواب کا رد کہ آپ ﷺ ہمارے لئے کوئی چیز یعنی احکام لیکر نہیں آئے۔ اور نافرمانوں کے سوا اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یعنی جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا ہے۔

سورہ آیت نمبر ۹۹ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ابن صوریا یہودی کے جواب میں نازل ہوئی جس نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ لائے جسے ہم پہچانتے اور نہ آپ پر کوئی واضح آیت نازل ہوئی جس کا ہم اتباع کرتے۔

فسق کے لغوی و تفسیری مفہوم کا بیان

فسق کا لغوی معنی ہے کسی چیز سے نکلنا یا ارادہ کرنا اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکلنا۔ اور فسق کا معنی ہے گناہ۔ اور جب کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہو جائے تو عرب لوگ کہتے ہیں: قد فسقت الرطبة من قترها۔ کہ کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہو گئی۔

اور کہا جاتا ہے۔ فسق فلان فی الدنيا فسقا۔ اور کہا جاتا ہے: رجل فاسق ۔ و فِسّق و فُسَق۔ ہمیشہ گناہ کرنے والا۔

اور کہا جاتا ہے: فُوَيْسِقَةٌ چوہیا اور یہ فاسقہ کی تصغیر ہے۔ اس لئے کہ اس کا اپنے بل سے نکلنا لوگوں کی طرف اور فساد برپا کرنا (اس کا کام ہے)۔ اور تفسیق کا معنی عدل و انصاف کے الٹ ہے۔

فسق کا اصطلاحی معنی یہ ہے جس کے بارے میں کئی اقوال بیان کئے ہیں۔ امام ابن عطیہ کہتے ہیں 155/1 فسق عام طور پر شریعت میں جس بارے میں استعمال کیا گیا ہے وہ ہے اللہ رب العالمین کی اطاعت سے نکلنا (روگردانی کرنا) تحقیق یہ (فسق) واقع ہوتا ہے اس پر جو کفر کر کے نکلے اور جو نافرمانی کر کے نکلے۔ اور اسی طرح امام قرطبی کا قول ہے: (تفسیر قرطبی (245/1)

شوکانی نے کہا تعریف کے بارے میں اور یہ جو اس نے کی ہے یہ لغوی معنی کے اعتبار سے کی ہے اور وہ نہیں اس نے اکتفا کیا۔ بعض خارجیوں پر جو کہ بعض سے زیادہ ہیں (فتح القدیر 57/1)

امام بیضاوی نے کہا: فاسق آدمی کبیرہ گناہ کی وہ سے اللہ کے دین سے نکل جانے والا ہوتا ہے۔

(تفسیر بیضاوی 41/1 تفسیر ابی سعود 131/1)

علامہ آلوسی نے کہا شریعت میں فسق کا معنی ہے سمجھدار لوگوں کا (اللہ رب العالمین اور اس کے رسول کی) اطاعت سے نکلنا۔ پس اس کا اطلاق کفر اور جو اس سے کم ہے گناہ پر کبیرہ وصغیرہ میں سے سب پر ہوتا ہے۔ اور اس نے خاص کیا ہے عرف عام میں کبیرہ گناہ کے مرتکب ہونے کو۔ پس اس نے اس کا اطلاق باقی تمام چیزوں کے ارتکاب پر نہیں کیا ہے مگر کچھ قرینہ کے کچھ جگہوں پر۔

ان تمام بیچ میں گذرنے والی تعریفات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ عام طور پر فسق کی اصطلاح یہ ہے کہ فسق کفر سے زیادہ عام ہے۔ (مفردات الراغب ص 572، کلیات لکھنوی ص 693، نزھۃ الاعین النواظر ابن جوزی 72/2)

اس وجہ سے کہ فسق، کفر اور جو گناہ اس سے کمتر ہے سب کو شامل ہے لیکن اس کو خاص کیا ہے عرف عام میں گناہ کبیرہ کرنے والے کے ساتھ اسی وجہ سے ہے۔

امام راغب الاصفہانی کہتے ہیں (آدمی پر) فسق واقع ہو جاتا ہے کم اور زیادہ گناہوں کی وجہ سے لیکن عرف عام میں زیادہ گناہ کرنے والے پر فسق کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ (المفردات 572)

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
اور کیا جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ کر پھینک دیا، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

عہد شکن یہود کے افعال کا بیان

"اَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا" اللّٰه "عَهْدًا" عَلَى الْإِيْمَان بِالنَّبِيِّ إِنْ خَرَجَ أَوْ النَّبِيّ أَنْ لَّا يُعَاوِنُوا عَلَيْهِ الْمُشْرِكِيْنَ "نَبَذَهُ" طَرَحَهُ "فَرِيْق مِنْهُمْ" بِنَقْضِهِ جَوَاب كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلّ الِاسْتِفْهَام الْإِنْكَارِيّ "بَلْ" لِلِانْتِقَالِ "أكثرهم لا يؤمنون"

اور کیا جب بھی انہوں نے اللہ سے کوئی عہد کیا یعنی نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اگر وہ نکلے یا نبی کریم ﷺ تو وہ آپ ﷺ کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے' تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ کر پھینک دیا، یعنی اس کا توڑنا یہ کلما کا جواب ہے اور وہ استفہام انکاری کا محل ہے۔ بل یہ منتقل کرنے کے معنی میں ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

یہ جملہ "کلما عاھدوا جب کبھی بھی تم نے عہد باندھا" متعدد اور مختلف عہد و پیان پر دلالت کرتا ہے"۔ بل اکثرھم لا یؤمنون " کی طرح کے قرائن دلالت کرتے ہیں کہ ان عہد و پیان سے مراد یہودیوں کے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام سے کیئے گئے عہد

وپیمان تھے۔ او "نبذ" کا معنی ہے پھینکنا اور چھوڑ دینا البتہ آیہ مبارکہ میں توڑنے سے کنایہ ہے۔ "او کلما، میں استفہام انکار توبیخی ہے۔

منافقین کی بعض بدعہدیوں اور سازشوں کا بیان

یہود اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی گٹھ جوڑ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کر کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے رہتے تھے۔ ادھر قریش عبداللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکساتے رہتے تھے اور خود بھی لڑنے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ جنگ بدر میں عبرت ناک شکست سے قریش کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ قریش کا رئیس ابوسفیان مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لیے دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا۔ یہاں یہود کا رویہ دیکھیے، ابوسفیان بنونضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ اس نے ابوسفیان کا پرجوش استقبال کیا، خوش گوار کھانے کھلائے، شراب پلائی اور مدینہ کے مخفی راز بتائے۔ صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک انصاری سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ساتھ کچھ مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیے۔ یوں اپنی قسم پوری کر کے بھاگ گیا۔

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کے مذہبی وقار میں کمی آنے لگی۔ مشرکین میں مسلسل پھیلتی ہوئی یہودیت، دفعتۃً رک گئی۔ حضور نے اگرچہ ان کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی، مگر اصلاح و دعوت تو آپ کا فرض نبوت تھا۔ یہود زنا کرتے تھے، سود لیتے تھے۔ اسلام ان چیزوں کی سخت مذمت کرتا تھا۔ اس سے بھی یہود مسلمانوں سے خفا رہتے تھے، چنانچہ انھیں جب بھی موقع ملتا تو وہ حضور کو اذیت بھی پہنچاتے تھے، مگر حضور صبر وضبط سے کام لیتے تھے۔ مثال کے طور پر یہود حضور سے علیک سلیک کے وقت السلام علیکم کے بجائے السام علیک (تجھ کو موت آئے نعوذ باللہ) کہتے۔ حضور اس کے باوجود صبر سے کام لیتے، بلکہ حضور مشرکین کی نسبت ان کی ایسی باتوں میں موافقت کرتے جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں تھی۔ اہل عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ یہود بالوں کو یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ حضور بھی بالوں کو یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ فرعون سے بنی اسرائیل کی رہائی کے حوالے سے شکرانے کے طور پر یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔ کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ پھر اسلام نے اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا۔ اہل کتاب کو دعوت دی کہ آؤ ایسی باتوں کی طرف جو ہم دونوں میں مشترک ہیں۔ مگر یہود اپنی روش پر قائم رہے۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں بے اعتباری پھیلانے کے لیے یہ کام بھی کرنا شروع کر دیا کہ وہ مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتے۔ تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ یہ مذہب اگر سچا ہوتا تو اسے قبول کر کے کیوں چھوڑا جاتا۔ اس کے علاوہ وہ انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج کو باہم لڑانے کی کوشش کرتے رہتے۔

ادھر قریش نے بدر کی شکست کے بعد یہود کو لکھا کہ تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعے ہیں۔ تم ہمارے حریف (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ اور یہ کریں گے۔ اور کوئی چیز ہمیں تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔ صورت حال ایسی تھی کہ مسلمانوں کے ہاں یہ اندیشہ پیدا ہو چکا تھا کہ یہود حضور پر حملہ نہ کر دیں۔ حضرت طلحہ بن براء نے انتقال کے

وقت وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو حضور کو خبر نہ کرنا، اس لیے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر کوئی حادثہ گزر جائے۔ بدر کی فتح کے بعد یہود بھی اندیشہ ناک تھے کہ اسلام اب ایک طاقت بن گیا ہے۔ یہود میں قینقاع سب سے زیادہ جری اور بہادر تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اعلان جنگ کی جرأت کی اور بدر اور احد کے درمیانی زمانے میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔

ہوا یہ تھا کہ ایک یہودی نے ایک انصاری کی بیوی کی بے حرمتی کی۔ انصاری مسلمان غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ حضور کو خبر ہوئی تو یہود کے پاس گئے اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔ وہ بولے: ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑا تو ہم دکھادیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔ چونکہ ان کی طرف سے نقض عہد اور اعلان جنگ ہو چکا تھا، اس لیے مجبور ہو کر حضور نے جنگ کی۔ وہ قلعہ بند ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا۔ بالآخر وہ اس پر راضی ہوئے کہ حضور جو فیصلہ کریں گے ان کو منظور ہوگا۔ عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا۔ اس نے حضور سے درخواست کی کہ انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شام کے ایک علاقے اذرعات میں جلا وطن کر دیے گئے۔ اسی ضمن میں سورۂ حشر میں ہے۔

اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلا وطنی نہ لکھی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں عذاب دے کر ان کا نام ونشان مٹا دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب مقرر ہی ہے۔

مشہور یہودی شاعر کعب بن اشرف کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ وہ بہت دولت مند آدمی تھا۔ بدر میں قریش کے سردار مرے تو چالیس آدمیوں کے ساتھ تعزیت کرنے مکہ گیا۔ مرنے والوں کے مرثیے پڑھے جن میں قریش کو انتقام کی ترغیب دی۔ ابو سفیان کو حرم میں لے آیا۔ حرم کا پردہ تھام کر عہد کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ اس کے ساتھ حضور کو دھوکے سے قتل کرنے کا قصد کیا۔ مدینہ آیا تو حضور کی ہجو میں اشعار کہے۔ اس کی حیثیت معاند یعنی اسلام کے سخت ترین دشمن کی تھی۔ ایسے لوگوں کو قانونِ اتمام حجت کی رو سے موت کی سزا دی جارہی تھی۔ جنگ بدر میں بھی ایسے بہت سے معاندین یہ سزا پا چکے تھے۔ موت کی سزا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نافذ ہو رہی تھی۔ اس معاملے میں مسلمانوں کی حیثیت موت کے فرشتوں کی تھی۔ جس طرح موت کے فرشتے موت کی سزا دینے سے پہلے الزام نہیں لگاتے، مقدمہ قائم نہیں کرتے اور موت کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے، ایسے ہی مسلمانوں نے کعب بن اشرف کو اس کے سنگین جرم کی وجہ سے موت کی سزا دے دی۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور جب ان کے پاس اللہ کی جانب سے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے ہیں

جوان کے پاس موجود تھی تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پسِ پشت پھینک دیا، گویا وہ (اس کو) جانتے ہی نہیں۔ (حالانکہ اسی تورات نے انہیں نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی)۔

تورات میں کتاب ونبوت محمدی ﷺ کے حق ہونے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰه" مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مُصَدِّقٍ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰه" اَىِ التَّوْرَاة "وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ" اَىْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاِيْمَانِ بِالرَّسُوْلِ وَغَيْرِهٖ "كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" مَا فِيْهَا مِنْ اَنَّهُ نَبِىٌّ حَقٌّ اَوْ اَنَّهَا كِتَابُ اللّٰه،

اور جب ان کے پاس اللہ کی جانب سے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس موجود تھی تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب تورات کو پسِ پشت پھینک دیا، یعنی اس میں جو ایمان بہ رسول وغیرہ کا حکم تھا گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں۔ حالانکہ اسی تورات نے انہیں نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی۔ یا کتاب اللہ حق ہے۔

جملہ "نبذ فریق"، "لما جاء ھم" کے لئے جواب شرط ہے نبی کریم ﷺ کے آنے کے ساتھ یہودیوں کے تورات کو دور پھینکنے کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کے آنے کی بشارت دی گئی تھی اور نبی کریم ﷺ کی خصوصیات بیان کی گئی تھیں۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۰۱ کے سبب نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم توریت زبور وغیرہ کی تصدیق فرماتے تھے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کے اوصاف واحوال کا بیان تھا اس لئے حضور کی تشریف آوری اور آپ کا وجود مبارک ہی ان کتابوں کی تصدیق ہے تو حال اس کا مقتضی تھا کہ حضور ﷺ کی آمد پر اہل کتاب کا ایمان اپنی کتابوں کے ساتھ اور زیادہ پختہ ہوتا مگر اس کے برعکس انہوں نے اپنی کتابوں کے ساتھ بھی کفر کیا' سدی کا قول ہے کہ جب حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو یہود نے توریت سے مقابلہ کر کے توریت وقرآن کو مطابق پایا تو توریت کو بھی چھوڑ دیا۔ (خزائن العرفان، لاہور)

بنونضیر کی پتھر گرانے والی سازش کا بیان

بنونضیر نے بھی سازش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر آپ کے اوپر پتھر گرا کر قتل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ قریش نے بھی بنونضیر کو حضور کے قتل کے لیے کہا۔ پھر انھوں نے ایک اور چال چلی۔ حضور کو پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں۔ ہم بھی تین علما کو ساتھ لے کر آتے ہیں۔ یہ علما آپ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لے آئیں گے۔ آپ نے منظور فرمایا۔ لیکن راہ میں ایک ذریعے سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ آپ آئیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ تب حضور نے ان کا محاصرہ کیا۔ یہ غزوۂ بنونضیر ، ہجری میں پیش آیا۔ بالآخر بنونضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال واسباب اونٹوں پر لے جا

سکیں، لے جانے دیں تو ہم مدینہ سے نکل جائیں گے۔ ان میں معزز روسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حیی بن اخطب خیبر چلے گئے۔ وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کرلیا۔ یہاں پہنچ کر بھی وہ اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آئے۔ وہاں انھوں نے ایک بڑی سازش شروع کی۔ یہ روسا مکہ گئے اور قریش سے کہا کہ اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ قریش اس کے لیے ہمیشہ سے تیار تھے۔ اس طرح دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا۔ یوں ایک عظیم لشکر مدینہ کی طرف بڑھا۔ مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا۔ بنوقریظہ کے یہود اس سارے معاملے سے ابھی تک الگ تھے۔ بنونضیر کا رئیس حیی بن اخطب خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور کہا کہ تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امڈ آیا۔ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ کعب نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد شکنی خلاف مروت ہے۔ مگر بالآخر کعب پر حیی بن اخطب کا جادو چل گیا۔ حضور نے صورت حال کی تحقیق کے لیے دو صحابیوں کو بھیجا۔ دونوں نے بنوقریظہ کو معاہدہ یاد دلایا۔ مگر انھوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔ چنانچہ بنوقریظہ بھی مسلمانوں کے خلاف لشکر میں شامل ہوگئے۔ پھر جنگ خندق ہوئی، جسے جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی مستورات جس قلعہ میں تھیں، وہ بنوقریظہ کی آبادی کے قریب تھا۔ اسی جنگ میں اس قلعہ پر حملے کا موقع ڈھونڈنے کے لیے ایک یہودی پھاٹک تک پہنچ گیا جو حضرت صفیہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ بہر حال خندق نے اس لشکر کو مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیا۔ اس کے علاوہ موسم کی سختی، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی اور زوردار آندھی نے ان کے پاؤں اکھیڑ دیے۔ یوں قریش واپس جانے پر مجبور ہوگئے۔

بنوقریظہ کو حیی بن اخطب نے اس شرط پر مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر راضی کرلیا تھا کہ اگر قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔ قریش کے جانے کے بعد حیی بنوقریظہ کے ساتھ آ گیا۔ حضور نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں۔ مسلمانوں نے بنوقریظہ کی طرف رخ کیا۔ بنوقریظہ صلح کا رویہ اختیار کرتے تو انہیں امن دیا جاتا، مگر انھوں نے مقابلہ کیا۔ حضور کے خلاف غلیظ زبان استعمال کی اور قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے ایک مہینے تک ان کا محاصرہ کیا۔ بالآخر بنوقریظہ نے درخواست کی کہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں گے، ہم کو منظور ہے۔ حضور نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ حضرت سعد نے فیصلہ کیا کہ لڑنے والے قتل کردیے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال واسباب مال غنیمت قرار دیا جائے۔ حضور نے حضرت سعد سے کہا کہ تم نے آسمانی فیصلہ کیا۔ اصل میں حضرت سعد کا فیصلہ تورات کے مطابق تھا۔

چنانچہ بنونضیر کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا گیا۔ غزوۂ بنونضیر ۵ ہجری میں ہوا تھا۔

اُدھر خیبر میں موجود یہود نے اسلام کے خلاف سازشیں جاری رکھیں۔ آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کیا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم لشکر تیار کرلیا۔ یہ ۷ ہجری کی بات ہے۔ حضور کو اس کی اطلاع ہوئی۔ حضور کی طرف سے چند آدمی اس بات کی تحقیق کے لیے گئے۔ حضور کی خواہش تھی کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہو جائے۔ یہود خود سخت دل اور بدگمان قوم تھی۔ ادھر عبد اللہ بن ابی انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھار رہا تھا۔ یہود نے قبائلِ غطفان کو بھی لالچ دے کر ساتھ ملا لیا۔ غطفان کے چند

افراد نے حضور کی اونٹنیوں کی ایک چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ اونٹنیوں کی حفاظت پر مامور حضرت ابوذر کے صاحب زادے کو قتل کر دیا۔ ان کی بیوی گرفتار کر لی۔ بیس اونٹنیاں ساتھ لے گئے۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کو اس غارت گری کی خبر ہوئی تو انھوں نے دوڑ کر حملہ آوروں کو جالیا۔ وہ اونٹنیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے تیر برسائے۔ حملہ آور بھاگ گئے۔ انھوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ ہوئی۔

جب حضور کو یقین ہو گیا کہ یہود لڑنے کے درپے ہیں تو آپ نے جنگ کا قصد کیا۔ آپ جزیرہ نمائے عرب میں دین حق کا غلبہ قائم کرنے پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ نے اعلان عام کر دیا کہ اس جنگ میں وہی لوگ شریک ہوں جن کا مقصد صرف جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ یہود معاہدہ صلح پر آمادہ نہ تھے۔ وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ اور پھر اہل کتاب کے بارے میں اللہ کا یہ حتمی فیصلہ بھی نازل ہو چکا تھا:

ان اہل کتاب سے جنگ کرو۔ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ قیامت کے دن کو مانتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام ٹھیرایا ہے، اسے حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (ان سے جنگ کرو) یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں، اور ماتحت بن کر زندگی بسر کریں۔ (التوبہ)

اس جنگ میں اہل خیبر کو شکست ہوئی۔ اور ان کے اہل توحید ہونے کی وجہ سے انہیں موت کی سزا تو نہیں دی گئی، البتہ انہیں مسلمانوں کے ماتحت ہو کر زندہ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ (جادو) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر اللہ کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا اور بیشک ضرور انہیں

معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور بیشک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں فروخت کیں کاش ان کو کسی طرح علم ہو جاتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو سے برأت کا بیان

"وَاتَّبَعُوا" عُطِفَ عَلٰی نَبَذَ "مَا تَتْلُو" اَیْ تَلَتْ "الشَّيَاطِيْنُ عَلٰی" عَهْدِ "مُلْكِ سُلَيْمَانَ" مِنَ السِّحْرِ وَكَانَتْ دَفَنَتْهُ تَحْتَ كُرْسِيِّهِ لَمَّا نُزِعَ مُلْكُهُ اَوْ كَانَتْ تَسْتَرِقُ السَّمْعَ وَتَضُمُّ اِلَيْهِ اَكَاذِيْبَ وَتُلْقِيْهِ اِلَى الْكَهَنَةِ فَيُدَوِّنُوْنَهُ وَفَشَا ذٰلِكَ وَشَاعَ اَنَّ الْجِنَّ تَعْلَمُ الْغَيْبَ فَجَمَعَ سُلَيْمَانُ الْكُتُبَ وَدَفَنَهَا فَلَمَّا مَاتَ دَلَّتِ الشَّيَاطِيْنُ عَلَيْهَا النَّاسَ فَاسْتَخْرَجُوْهَا فَوَجَدُوْا فِيْهَا السِّحْرَ فَقَالُوْا اِنَّمَا مَلَكَكُمْ بِهٰذَا فَتَعَلَّمُوْهُ فَرَفَضُوْا كُتُبَ اَنْبِيَائِهِمْ قَالَ تَعَالٰى تَبْرِئَةً لِسُلَيْمَانَ وَرَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ فِيْ قَوْلِهِمْ اُنْظُرُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ يَذْكُرُ سُلَيْمَانَ فِي الْاَنْبِيَاءِ وَمَا كَانَ اِلَّا سَاحِرًا : "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ" اَیْ لَمْ يَعْمَلِ السِّحْرَ لِاَنَّهُ كُفْرٌ "وَلٰكِنَّ" بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ "الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ" اَلْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ كَفَرُوْا "وَ" يُعَلِّمُوْنَهُمْ "مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ" اَیْ اُلْهِمَاهُ مِنَ السِّحْرِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ اللَّامِ الْكَائِنَيْنِ "بِبَابِلَ" بَلَدٍ فِيْ سَوَادِ الْعِرَاقِ "هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ" بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِلْمَلَكَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمَا سَاحِرَانِ كَانَا يُعَلِّمَانِ السِّحْرَ وَقِيْلَ مَلَكَانِ اُنْزِلَا لِتَعْلِيْمِهِ ابْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ "وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ" زَائِدَةٌ "اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا" لَهُ نُصْحًا "اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ" بَلِيَّةٌ مِنَ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ لِيَمْتَحِنَهُمْ بِتَعْلِيْمِهِ فَمَنْ تَعَلَّمَهُ كَفَرَ وَمَنْ تَرَكَهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ "فَلَا تَكْفُرْ" بِتَعَلُّمِهِ فَاِنْ اَبٰى اِلَّا التَّعْلِيْمَ عَلَّمَاهُ "فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ" بِاَنْ يُبَغِّضَ كُلًّا اِلَى الْاٰخَرِ "وَمَا هُمْ" اَیْ السَّحَرَةُ "بِضَارِّيْنَ بِهِ" بِالسِّحْرِ "مِنْ" زَائِدَةٌ "اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" بِاِرَادَتِهِ "وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ" فِي الْاٰخِرَةِ "وَلَا يَنْفَعُهُمْ" وَهُوَ السِّحْرُ "وَلَقَدْ" لَامُ قَسَمٍ "عَلِمُوْا" اَیِ الْيَهُوْدُ "لَمَنْ" لَامُ ابْتِدَاءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا وَمَنْ مَوْصُوْلَةٌ "اشْتَرَاهُ" اخْتَارَهُ اَوِ اسْتَبْدَلَهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ "مَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" نَصِيْبٍ فِي الْجَنَّةِ "وَلَبِئْسَ مَا" شَيْئًا "شَرَوْا" بَاعُوْا "بِهٖ اَنْفُسَهُمْ" اَیِ الشَّارِيْنَ : اَیْ حَظَّهَا مِنَ الْاٰخِرَةِ اِنْ تَعَلَّمُوْهُ حَيْثُ اَوْجَبَ لَهُمُ النَّارَ "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" حَقِيْقَةَ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَعَلَّمُوْهُ،

واتبعوا کا عطف نبذ پر ہے۔ ماتتلوا کا معنی جو جادو شیطان سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے عہد میں پڑھتے ہیں۔ اور انہوں نے آپ کی کرسی کے نیچے چھپا دیا جب سلیمان علیہ السلام کی حکومت ختم ہوگئی یا وہ اس کے پیچھے پڑ گئے جس وہ

شیطانوں سے چوری سے سنا کرتے تھے۔ اور اس میں جھوٹ موٹ ملا کر کاہنوں کو بتاتے تھے۔ وہ اس کی تدوین کرتے اور یہ مشہور ہو گیا کہ جنات غیب کی باتوں کا علم جانتے ہیں۔ تو سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو جمع کیا اور ان کو دفن کر دیا تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو انہوں نے ان کتابوں کو نکال لیا اور ان کے اندر جادو پایا اور یہ کہنے لگے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس جادو کے ذریعے تم پر حکومت کرتے تھے' تو انہوں نے اس جادو کو سیکھ لیا اور اپنے نبیوں کی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کو بیان کیا اور یہودیوں کے اس قول کا رد کیا جس میں وہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کو دیکھو وہ سلیمان علیہ السلام کو انبیائے کرام میں شامل کرتے ہیں حالانکہ وہ محض جادوگر تھے' تو فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر یعنی جادو نہیں کیا۔ یہاں لکن شد اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ لیکن کفر یعنی جادو شیطانوں نے کیا ہے۔ جادو لوگوں کو سکھاتے تھے یہاں "" کفروا کی ضمیر سے حال ہے۔ اور شیاطین لوگوں سحر کا علم وہ بھی سکھایا کرتے تھے جو ان کے دو فرشتوں کو الہام کیا گیا۔ جو بابل شہر میں رہتے تھے۔ اور ملکین کی لام کو کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور بابل عراق کے درمیان میں ایک شہر کا نام ہے۔ ان فرشتوں کا نام ہاروت اور ماروت ہے۔ یہ ملکین سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہ دونوں جادوگر تھے جو خود جادو سکھایا کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں لوگوں کی آزمائش کیلئے اتارا گیا تھا اور وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ من زائدہ ہے اور وہ دونوں لوگوں کو جادو سکھاتے وقت بہ طور نصیحت کہہ دیتے تھے کہ ہم لوگوں کی آزمائش کیلئے اتارے گئے ہیں۔ تاکہ جادو سکھا کر آزمالیں، جو جادو سیکھے گا اس نے کفر کیا اور جس نے جادو نہ سیکھا وہ مومن ہے۔ لہٰذا جادو سیکھ کر کفر نہ کر و اس کے باوجود بھی اگر کوئی اصرار کرتا تو وہ اس کو سیکھا دیتے تھے۔ پھر لوگ ان سے علم سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈلوائی جاتی آپس میں بغض پیدا ہو جاتا، یہ جادو کرنے والے کسی بھی حکم الٰہی کے بغیر نقصان کا ارادہ کر کے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ لوگ جو چیز سیکھتے ہیں وہ آخرت میں ان کو نقصان پہنچانے والی ہے فائدہ دینے والی نہیں ہے۔

لقد میں لام قسم کیلئے آیا ہے یعنی یقیناً یہود جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو اختیار کر لیا اور کتاب اللہ کو بدل ڈالا اس کا آخرت میں جنت سے کچھ حصہ نہ ہوگا۔

لمن میں لام ابتدائیہ ہے جو اپنے ماقبل کو عمل کرنے سے روکنے والا ہے اور من موصولہ ہے یعنی یقیناً جس چیز کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے وہ کتنی بری ہے۔ اور اپنی جانوں کو بیچنے والے اور ان کے بدلے میں جادو کتنا برا ہے۔ اور اسی جادو کے سیکھنے نے ان پر جہنم کو واجب کر دیا ہے۔ اور اگر ان لوگوں کے عذاب کا پتہ چل جائے تو جس طرف یہ جا رہے ہیں یہ اس جانب کبھی نہ جاتے۔ اور نہ سیکھتے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تتلوا " کا مصدر تلاوت ہے جس کا معنی پڑھنا اور قرات کرنا ہے آیت کے مابعد کے مضمون کی روشنی میں "ما" موصولہ سے مراد جادو اور اس طرح کی چیز ہے۔تتلوا" کا متعلق "علی الناس " ہے اور اس کی دلیل "یعلمون الناس "یعنی یہودی اس جادو کے پیرو کار تھے جو شیاطین لوگوں کے لئے بیان کرتے تھے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل جادو سیکھنے میں مشغول ہوئے تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور ان کی کتابیں لے کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کردیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے کی وفات کے بعد شیاطین نے وہ کتابیں نکلوا کر لوگوں سے کہا کہ سلیمان علیہ السلام اسی کے زور سے سلطنت کرتے تھے بنی اسرائیل کے صلحاء وعلماء نے تو اس کا انکار کیا لیکن ان کے جہال جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم بتا کر اس کے سیکھنے پر ٹوٹ پڑے۔انبیاء کی کتابیں چھوڑ دیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر ملامت شروع کی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اسی حال پر رہے اللہ تعالیٰ نے حضور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی برائت میں یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر خازن،سورہ بقرہ،۱۰۲،بیروت)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے واقعات کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو دے جاتے جب حضرت سلیمان کی آزمائش کا وقت آیا اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے حکومت کرنے لگا ادھر جب حضرت سلیمان واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان لے گئے آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعر واشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کردیں آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا آپ پھر تخت وتاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جاسکتے تھے اس لئے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے حضرت سلیمان اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص آیا آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے! فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کا کوفہ سے! پوچھا وہاں کی کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علی انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح نہ کرتیں سنو شیاطین آسمانی باتیں چرالایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے،

حضرت سلیمان نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں اسی کا ذکر اس آیت آیت (واتبعوا) الخ میں ہے اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں حضرت سلیمان نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمان بن داؤد کے وزیر اعظم مشیر خاص اور دلی دوست تھے یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا وہ حضرت سلیمان کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے اس لئے تفصیل کیساتھ اس واقعہ کو بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے یاد رہے کہ "علی" یہاں پر "فی" کے معنی میں ہے یا "تتلو" متضمن ہے تکذب کا، یہی اولی اور احسن ہے۔

خواجہ حسن بصری کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان کا حضرت موسیٰ کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے من بعد موسیٰ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا آیت (انما انت من المسحرین) یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے آیت (وما انزل) الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر "ما نافیہ" ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ما کفر سلیمان پر ہے یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں تردید ہے، ہاروت، ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے آیت (ان کانا لہ اخوۃ) میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے

ہاروت وماروت کے واقعہ کا بیان

حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر کعب احبار، حضرت سدی، حضرت کلبی یہی فرماتے ہیں اب اس حدیث کو سنئے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی

اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں کیسے نافرمان اور سرکش ہیں ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کرلو میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا زنا نہ کرنا، شراب نہ پینا، اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے حسین و شکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتون ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا وہ چلی گئی پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے انہوں نے اسے بھی نہ مانا وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کرلیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے سب تم نے کر ڈالے۔ یہ نادم ہوئے انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کئے۔

صحیح ابن حبان مسند احمد ابن مردویہ ابن جریر عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثناء سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافع سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اس سے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافع نے کہا حضرت ایک ستارہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا میں وہی کہتا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی۔

بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی بعض مرفوع روایتوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کرلیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کرلو یا آخرت کے عذابوں کو اختیار کرلو۔ انہوں نے دنیا کا عذاب چن لیا چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی کی تھی

اور یہ حکم بھی تھا کہ حکم عدل کے ساتھ کریں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا پھر دو کی آزمائش ہوئی۔

ہاروت و ماروت سے قتل ہو جانے کا بیان

ابن عباس فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور لبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتادو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتادیا چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر جب بھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا الغرض ہاروت ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، ابوالعالیہ، زہری، ربیع بن انس، مقتل بن حیان وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اور متقدمین اور متاخیرن مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے۔

جادو سے متعلق بعض واقعات کا بیان

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دومۃ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا، ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر وہ خود بخود تیرے پاس آجائے گا میں تیار ہوگئی وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں میں نے ان سے کہا انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے میں نے کہا میں تو سیکھوں گی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی میں واپس آگئی اور کہا میں فارغ ہو آئی ہوں انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تو کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر میں نے کہا مجھے

تو جادو سیکھنا ہے انہوں نے پھر کہا جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا واپس آ گئی پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب جا چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا اب تو جو کہے گی ہو جائے گا میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا وہ فوراً اگ آیا میں نے کہا تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے میں نے کہا سوکھ جا وہ بال سوکھ گئے میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا وہ بھی ہو گیا پھر میں نے کہا سوکھ جا تو سوکھ گیا پھر میں نے کہا آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا اے ام المومنین قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا میں یونہی روتی پیٹتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوں لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی سب کو اس پر ترس آنے لگا صحابہ کرام بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہ نے کہا اب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بتانے میں بالکل نہیں رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ "عین" چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے آیت (سحروا اعین الناس) الخ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا آیت (یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی) حضرت موسیٰ کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے۔

شیطان کا عرش پانی پر ہونے کا بیان

صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں کوئی کہتا ہے میں نے فلاں کو اس طرح گمراہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ

کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے۔ کچھ نہیں یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہوگئی شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے "مزا" کہتے ہیں اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔

جادوگر کا سر قلم کرنے کا واقعہ

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب بادشاہ کو دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہ میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی آیت (اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ) 21۔الانبیآء:3) کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابی نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی اسلئے بادشاہ نے ناراض ہو کر انہیں قید کر دیا پھر چھوڑ دیا۔

جادوگر کے کفر میں فقہی مذاہب اربعہ

وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الاشراف علی مذاہب الاشراف" میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے لیکن ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں جادو کے سیکھنے والے اور اُسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتاتے ہیں امام ابوحنیفہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے۔ وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اور اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔

جادوگر کو قتل کرنے کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

امام مالک اور امام احمد کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا وہیں اسے قتل کر دیا جائے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعی کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے امام مالک امام ابوحنفیہ اور ایک مشہور قول میں امام احمد کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعی کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔

امام احمد کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادوگر بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل کردیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے لبید بن اعصم یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ قید کردی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کردیا جائے واللہ اعلم حضرت زہری کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کردیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مرجائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کرا گر وہ کرلے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کردیا ائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کرلے تاہم قتل کردیا جائے اس جادوگر کو جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں اسے چاروں امام کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے فلا تکفر امام مالک فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوگی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کرلے تو قبول ہوگی اگر اس کے جادو سے کوئی مرگیا پھر تو بہرصورت مارا جائے گا امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا جائے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔

ایمان بہ قرآن ونبوت کو چھوڑ کر جادو اختیار کرنے والے یہود کا بیان

"وَلَوْ اَنَّهُمْ " اَیْ الْيَهُوْد "اٰمَنُوا " بِالنَّبِيِّ وَالْقُرْاٰن "وَاتَّقَوْا" عِقَاب اللّٰه بِتَرْكِ مَعَاصِيه كَالسِّحْرِ وَجَوَاب لَوْ مَحْذُوْف : اَیْ لَاُثِيبُوا دَلَّ عَلَيْهِ "لَمَثُوْبَة" ثَوَاب وَهُوَ مُبْتَدَأ وَاللَّام فِيهِ لِلْقَسَمِ "مِنْ عِنْد اللّٰه خَيْر" خَبَره مِمَّا شَرَوْا بِهِ اَنْفُسهمْ "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُ خَيْر لَمَا اٰثَرُوْهُ عَلَيْهِ،

اور اگر یہ یہود نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لاتے اور جادو وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ سے ڈرتے تو اللہ کے ہاں ان کے لئے بہترین ثواب ہوتا۔ اور کلمہ لو کا جواب محذوف ہے اور وہ "لَاُثِيبُوا" ہے جس پر ثواب کی دلالت ہے۔ اور وہ مبتداء ہے اور اس میں لام قسم کیلئے ہے۔ اس سے جو انہوں نے اپنے خریداری کی ہے وہ اس کی حقیقت کا جان لیتے تو وہ آخرت پر جادو کو کبھی ترجیح نہ دیتے

مثوبہ کو نکرہ استعمال کرکے مفہوم صفت کا بیان

مثوبة" کا معنی جزا کا ہے۔ بہت ہی کم" کی صفت کا مفہوم "مثوبة" کو نکرہ استعمال کرنے سے معلوم ہوتا ہے "خیر" کا مفضل علیہ بھی ذکر نہیں ہوا۔ تاکہ ہر چیز کو شامل ہوجائے۔ پس "خیر" یعنی ہر تصور کی جانے والی منفعت یا نفع سے بہتر ہے۔

آگے بھیجے ہوئے مال کے کام آنے کا بیان

حارث بن سوید عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے، جس کو اس کے اپنے مال سے زیادہ وارث کا مال پیارا ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا ہی مال محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اس کا مال وہ ہے، جو وہ (اپنی زندگی ہی میں) پہلے خرچ کر چکا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے، جو پیچھے چھوڑ جائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1372)

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں چلے جائیں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ وہ جنت اور دوزخ کے درمیان میں لائی جائے گی پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک منادی کرنے والا آواز لگائے گا کہ اے اہل جنت! (تم کو آج کے بعد) موت نہ آئے گی اور اے اہل جہنم! (تم کو بھی آج کے بعد) موت نہیں آئے گی (اس آواز سے) اہل جنت کو خوشی پر خوشی ہوگی اور اہل دوزخ کو رنج پر رنج ہوگا۔

(صحیح بخاری، ۲۱۲۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
اے ایمان والو! (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظرِ کرم فرمایئے) کہا کرو اور (ان کا ارشاد) بغور سنتے رہا کرو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بارگاہ رسالت ﷺ کے آداب کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا" لِلنَّبِيِّ "رَاعِنَا" اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ ذٰلِكَ وَهِيَ بِلُغَةِ الْيَهُوْدِ سَبٌّ مِنَ الرُّعُوْنَةِ فَسُرُّوْا بِذٰلِكَ وَخَاطَبُوْا بِهَا النَّبِيَّ فَنُهِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَنْهَا "وَقُوْلُوْا" بَدَلَهَا "انْظُرْنَا" اَيْ اُنْظُرْ اِلَيْنَا "وَاسْمَعُوْا" مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سَمَاعَ قَبُوْلٍ "وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ،

اے ایمان والو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا مت کہا کرو یہ مراعاۃ سے امر کا صیغہ ہے، اور وہ یہ کلمہ کہا کرتے تھے اور یہ یہود کی زبان میں گالی تھا۔ جو رعونہ سے مشتق ہے تو یہود اس کلمہ سے خوش ہوتے تھے اور اسی کلمہ سے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے پس ایمان والوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ بلکہ ادب سے اُنْظُرْنَا، ہماری طرف نظرِ کرم فرمایئے کہا کرو یعنی اس کو انظرنا سے بدل دیا اور ان کا ارشاد بغور سنتے رہا کرو، جس کا تم کو حکم دیا جائے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو تکلیف دینے والا ہے اور وہ آگ ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۴ کے شان نزول کا بیان

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے۔ "رَاعِنَا یا رسول

اللہ "اس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ ہمارے حال کی رعایت فرمایئے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب کے معنی رکھتا تھا انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا حضرت سعد بن معاذ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا تم پر اللہ کی لعنت اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا اس کی گردن ماردوں گا یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں "رَاعِنَا" کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ "اُنْظُرْنَا" کہنے کا حکم ہوا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ضیاء القرآن، لاہور)

علامہ سید محمد امین شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو چیز توہین کی دلیل ہو تو اس پر تکفیر کی جائے گی، قاعدہ فقہیہ

جو چیز توہین کی دلیل ہو تو اس پر تکفیر کی جائے گی خواہ توہین کی نیت نہ کی ہو۔ (ردالمحتار، ج ۳، ص ۳۹۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

اے ایمان والو: (اپنے رسول ﷺ سے) راعنا نہ کہو۔ (البقرہ ۱۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی ﷺ سے راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ اور التفات فرمایئے جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر راعنا کہتے تھے۔ جبکہ یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کیلئے تھا اور اس کا معنی تھا سنو: تمہاری بات نہ سنی جائے۔

انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ پہلے تو ہم صرف ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اب ہم سرعام ان کو بددعا دیں گے تو وہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے راعنا کہتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کی لغت کا علم تھا انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو کہا کہ تم پر اللہ کی لعنت ہو، اور اگر آئندہ میں نے تم سے نبی ﷺ کے بارے میں ایسا لفظ سنا تو تمہاری گردن اڑادوں گا تو یہود نے کہا کیا تم یہ لفظ نہیں کہتے ہو۔ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو: تم بھی اپنے رسول ﷺ سے لفظ راعنا نہ کہو۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۲، ص ۵۷، مکتبہ انتشارات ایران)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ الفاظ جو معاشرے میں توہین کیلئے معین ہوں ان کا استعمال جائز نہیں اور اگر کسی نے شان رسالت ﷺ میں ایسے الفاظ کہے تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

علامہ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ایک شخص سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے حق کی قسم: تو اس نے کہا، اللہ، رسول اللہ سے ایسا ایسا کرے اور بہت قبیح کلام ذکر کیا اسے بتایا گیا کہ اے دشمن خدا: تو کیا کہہ رہا ہے تو اس نے اس سے بھی زیادہ برا کلام کیا پھر اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے بچھو کی نیت کی تھی (کیونکہ بچھو بھی تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے) تو اس پر ابن سلیمان نے کہا کہ

اس کو قتل کرنے میں، میں بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف گواہی دیتا ہوں اور اس کے ثواب میں شریک ہوں اور حبیب بن ربیع نے کہا کہ لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ نہیں کیا جاتا۔ (الشفاء، ج ۲، ص ۱۹۱، مکتبہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝
نہ وہ لوگ جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہو گئے اور نہ ہی مشرکین اسے پسند کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی
اترے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وحی کا آنا منشائے خداوندی پر منحصر ہے

"مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ" مِنَ الْعَرَبِ عُطِفَ عَلٰى اَهْلِ الْكِتَابِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ "اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ" زَائِدَةٌ "خَيْرٍ" وَحْيٍ "مِنْ رَّبِّكُمْ" حَسَدًا لَّكُمْ "وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ" نُبُوَّته "من يشاء والله ذو الفضل العظيم"

نہ وہ لوگ جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہو گئے اور نہ ہی مشرکین اسے پسند کرتے ہیں "وَلَا الْمُشْرِكِيْن" کا عطف "اَهْلِ الْكِتَاب" پر ہے اور من بیانیہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی اترے، اور یہاں من زائدہ ہے اور خیر سے مراد وحی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت یعنی نبوت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

المشرکین "، "اہل الکتاب" پر عطف ہے پس "من اهل" میں "من" بیانیہ ہے۔ بنابریں "ما یود الذین کفروا یعنی وہ لوگ جو کافر ہو گئے (مراد اہل کتاب اور مشرک) نہیں چاہتے۔ خیر" کو نکرہ استعمال کرنا اور "من" زائدہ کا استعمال اس امر کی حکایت کرتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں پر انتہائی کم خیر و برکت کے نزول سے بھی خوش نہیں ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۵ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت مسلمانوں سے دوستی و خیر خواہی کا اظہار کرتی تھی ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو بتایا گیا کہ کفار خیر خواہی کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ کفار اہل کتاب اور مشرکین دونوں مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں اور اس رنج میں ہیں کہ ان کے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و وحی عطا ہوئی اور مسلمانوں کو یہ نعمت عظمیٰ ملی۔

(تفسیر خازن، سورہ بقرہ، آیت ۱۰۵، بیروت)

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۞

جب کوئی آیت منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کے تفسیری مفہوم کا بیان

وَلَمَّا طَعَنَ الْكُفَّار فِي النَّسْخ وَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا يَأْمُر اَصْحَابه الْيَوْم بِأَمْرٍ وَيَنْهَى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ : "مَا" شَرْطِيَّة : "نَنْسَخ مِنْ اٰيَة" اَیْ نُزِلَ حُكْمهَا : اِمَّا مَعَ لَفْظهَا اَوْ لَا وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ النُّوْن مِنْ اَنْسَخ : اَیْ نَاْمُرك اَوْ جِبْرِيل بِنَسْخِهَا "اَوْ نُنْسِهَا" نُؤَخِّرهَا فَلَا نُنْزِل حُكْمهَا وَنَرْفَع تِلَاوَتهَا اَوْ نُؤَخِّرهَا فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ وَفِي قِرَاءَة بِلَا هَمْز مِنْ النِّسْيَان : اَیْ نُنْسِكهَا اَیْ نَمْحُهَا مِنْ قَلْبك وَجَوَاب الشَّرْط "نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا" اَنْفَع لِلْعِبَادِ فِي السُّهُولَة اَوْ كَثْرَة الْاَجْر "اَوْ مِثْلهَا" فِي التَّكْلِيف وَالثَّوَاب "اَلَمْ تَعْلَم اَنَّ اللّٰه عَلٰى كُلّ شَيْء قَدِير" وَمِنْهُ النَّسْخ وَالتَّبْدِيل وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ،

اور جب کافروں نے نسخ کے بارے میں طعنہ دیا اور کہا کہ محمد ﷺ آج سے کام کو حکم دیتے ہیں اور کل اس سے منع کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ماشرطیہ ہے یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یعنی اس کے حکم کے نزول کو، خواہ وہ لفظی کے اعتبار سے ہو یا نہ ہو یعنی تلاوت وحکم دونوں یا صرف تلاوت اور ایک قرأت میں ننسخ یہ نون کے ضمہ کے ساتھ انسخ یعنی ہم آپ کو یا جبریل کو اس کے نسخ کا حکم دیتے ہیں۔ اوننسھا یعنی ہم مؤخر کرتے ہیں پس اس کا حکم نازل نہیں کرتے یا ہم اس کو تلاوت کو اٹھا لیتے ہیں یا اس کو لوح محفوظ پر مؤخر کر دیتے ہیں اور ایک قرأت میں ہمزہ کے بغیر نسیان سے مشتق ہے یعنی ہم اس کو بھلا دیتے ہیں یعنی اس کو دل سے مٹا دیتے ہیں۔ اور اس کا جواب شرط یہ ہے کہ ہم اس سے بہتر لاتے ہیں۔ یعنی جو لوگوں کیلئے آسان اور ثواب زیادہ ہو یا اس کی مثل یعنی تکلیف اور ثواب میں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسی سے نسخ تبدیل اور یہ استفہام تقریری ہے۔

ننسی " کا مصدر "انساء" ہے جس کا معنی ہے مٹا دینا دلوں سے محو کر دینا۔ یہ معنی ممکن ہے کسی فرمان سے ادیان کے ترک یا احکام کے ترک کرنے کے ساتھ پورا ہوتا ہو اس طرح کہ ذہنوں سے مٹ جائیں۔

جملہ "الم تعلم ۔'جملہ "ما ننسخ کے لئے تعلیل ہے اور اس مطلب کو پہنچا رہا ہے کہ شریعت کو وہ ہستی منسوخ کر سکتی ہے جو قادر مطلق ہو بنابریں شریعت کا عالم ہستی اور اس پر حکمران قوانین کے ساتھ گہرا ارتباط ہے۔

آیت نمبر ۱۰۶ کے شان نزول کا بیان

قرآن کریم نے شرائع سابقہ وکتب قدیمہ کو منسوخ فرمایا تو کفار کو بہت توحش ہوا اور انہوں نے اس پر طعن کیے اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ منسوخ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ناسخ بھی دونوں عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ سہل وانفع ہوتا ہے۔ قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں جائے تردد نہیں کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے

رات کو گرما سے سرما کو جوانی سے بچپن کو بیماری سے تندرستی کو بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ و تبدیل اس کی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں کیا تعجب نسخ درحقیقت حکم سابق کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ وہ حکم اس مدت کے لئے تھا اور عین حکمت تھا کفار کی نافہمی کہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل کتاب کا اعتراض ان کے معتقدات کے لحاظ سے بھی غلط ہے انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے احکام کی منسوخیت تسلیم کرنا پڑے گی یہ ماننا ہی پڑے گا کہ شنبہ کے روز دنیوی کام ان سے پہلے حرام نہ تھے ان پر حرام ہوئے یہ بھی اقرار ناگزیر ہوگا کہ توریت میں حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لئے تمام چوپائے حلال ہونا بیان کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت سے حرام کردیئے گئے ان امور کے ہوتے ہوئے نسخ کا انکار کس طرح ممکن ہے؟ (تفسیر خزائن العرفان، بقرہ، ۱۰۶، ضیاء القرآن لاہور)

نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف کا بیان

نسخ" کے لغوی معنی ہیں مٹانا، ازالہ کرنا، اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے رَفْعُ الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ بِدَلِیْلٍ شَرْعِیٍّ (مناهل العرفان: ماهو النسخ)

کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کردینا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالی کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کرکے اس جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے اس عمل کو نسخ کہا جاتا ہے اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اس کو منسوخ اور جو نیا حکم آتا ہے اسے ناسخ کہتے ہیں۔

نسخ کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا بلکہ ہر زمانے میں اس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے، ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے؛ بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت نفاذ متعین کردے اور یہ بتادے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانے کے لحاظ تو وہی مناسب تھا لیکن اب حالات کی تبدیلی کی بنا پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے، جو شخص بھی سلامتِ فکر کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تبدیلی حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے، حکیم وہ نہیں جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے بلکہ حکیم وہ ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری کے ساتھ غور کرکے نسخہ میں ان کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہے۔ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم بہت وسیع تھا، اسی لیے انھوں نے منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ بتائی ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق لکھا ہے کہ پورے قرآن میں کل انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ (الاتقان، ج ۱، ص ۲۲، بیروت)

واقعات میں نسخ کے عدم اعتبار کا بیان

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کردیا کرتے ہیں حلال کو حرام حرام کو حلال جائز کو ناجائز ناجائز کو جائز وغیرہ امر و نہی روک اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں

ردوبدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔ (جامع البیان، سورت بقرہ ۱۰۶، بیروت)

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝
کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کیلئے ہے، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ ہی مددگار ہے۔

کوہ صفا کو سونا بنانے کے لغو مطالبہ کا بیان

"اَلَمْ تَعْلَم اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَات وَالْاَرْض" يَفْعَل مَا يَشَاء "وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْن اللّٰه" اَیْ غَيْره "مِنْ" زَائِدَة "وَلِیّ" يَحْفَظكُمْ "وَلَا نَصِير" يَمْنَع عَنْكُمْ عَذَابه اِنْ اَتَاكُمْ وَنَزَلَ لَمَّا سَاَلَهٗ اَهْل مَكَّة اَنْ يُوَسِّعهَا وَيَجْعَل الصَّفَا ذَهَبًا،

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی نہیں یعنی من زائدہ ہے یعنی تمہاری حفاظت کرنے والا دوست ہے اور نہ ہی مددگار ہے۔ کہ جب عذاب آجائے تو وہ تم کو بچالے۔ اور یہ آیت اس وقت نازل جب اہل مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ پہاڑوں کو اٹھا کر وسیع کردو اور کوہ صفا کو سونے کا بنا دو۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۷ کے شان نزول کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے کہ جب کفار مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ پہاڑوں کو اٹھا کر وسیع کردو اور کوہ صفا کو سونے کا بنا دو۔

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) زمین کو مٹھی میں لے گا، اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ دے گا، پھر فرمائے گا، کہ میں بادشاہ ہوں، شاہان زمین کہاں ہیں؟ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1449)

مالداروں کا قیامت کے غریب و نادار ہونے کا بیان

زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کہ پتھریلی زمین میں چلا جا رہا تھا، ہمیں احد پہاڑ نظر آیا، آپ نے فرمایا، اے ابوذر رضی اللہ عنہ میں نے عرض کیا، لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا، کہ مجھے اچھا نہیں لگتا، کہ میرے پاس اس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور تین رات اس میں سے بجز ادائے قرض کے ایک دینار بھی میرے پاس رہے، بلکہ میں اس کو اللہ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح خرچ کردوں اپنے دائیں بائیں اور پیچھے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، پھر تھوڑی دیر چلے تو فرمایا زیادہ مالدار قیامت کے دن نیکی کے اعتبار سے مفلس ہوں گے مگر وہ جس

نے اس طرح اور اس طرح (دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) خرچ کیا اور ایسے لوگ کم ہیں، پھر مجھ سے فرمایا کہ اسی جگہ ٹھہرے رہو جب تک میں نہ آؤں، پھر رات کی تاریکی میں آپ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ نظر سے غائب ہو گئے میں نے ایک آواز سنی جو بلند ہو رہی تھی، میں ڈرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش آ گیا میں نے چاہا کہ آپ کے پاس جاؤں پھر مجھے آپ کا فرمان یاد آ گیا، کہ جب تک میں نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہو، چنانچہ میں وہی ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ میرے پاس تشریف لائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک آواز سنی، میں ڈرا کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو (میں نے آپ کے پاس جانا چاہا) لیکن مجھے آپ کا حکم یاد آ گیا آپ نے فرمایا کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے، جو میرے پاس آئے تھے، انہوں نے کہا کہ تمہاری امت میں سے کوئی شخص مر جائے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کی ہو، انہوں نے کہا (ہاں) اگرچہ زنا اور چوری کی ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1374)

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○
کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ سیدھی راستہ بھٹک چکا ہے۔

کفر کو ایمان کے بدلے میں تبدیل کرنے کا بیان

"اَمْ" بَلْ "تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْاَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى " اَىْ سَاَلَهٗ قَوْمُهٗ "مِنْ قَبْلُ" مِنْ قَوْلِهِمْ : اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ "وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ " اَىْ يَاْخُذْهُ بَدَلَهٗ بِتَرْكِ النَّظَرِ فِى الْاٰيَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا "فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ" اَخْطَاَ الطَّرِيْقَ الْحَقَّ وَالسَّوَاءُ فِى الْاَصْلِ الْوَسَطُ ،

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا یعنی آپ کی قوم اس سے پہلے ان کی قوم کے قول "اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ" اور جو ایمان کے بدلے کفر لے۔ یعنی واضح آیات میں نظر و فکر کرنے کو چھوڑ کر ان کے علاوہ کسی اور چیزوں میں لگ گیا وہ سیدھی راستہ بھٹک چکا ہے۔ یعنی راہ حق سے ہٹ چکا ہے۔ اور سوا اصل میں کسی چیز کے درمیان کو کہتے ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۸ کے شان نزول کا بیان

یہود نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس آپ ایسی کتاب لائیے جو آسمان سے ایک بارگی نازل ہو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

کثرت سوالات کی ممانعت میں احادیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی بغیر ضرورت کے مجھ سے سوال نہ کرو) تم سے پہلے کی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئیں جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو اور تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2164)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے، جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام کر دی گئی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2165)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق کسی نے سوال کیا، تو آپ نے اس کو ناپسند کیا جب سوالات کی کثرت ہوگئی تو آپ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ مجھ سے پوچھ لو ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ ابوحذافہ ہے، پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ ابوحذافہ پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ سالم، شیبہ کا آزاد کردہ ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصب کے آثار دیکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے، تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ بزرگ و برتر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2167)

حضرت معاویہ نے مغیرہ کو لکھ کر بھیجا کہ مجھ کو لکھ بھیجو، جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، تو حضرت مغیرہ نے لکھ بھیجا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ فرماتے تھے، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جسے تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جسے تو روکے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے، اور کسی کی بزرگی والے کو تجھ سے اس کی بزرگی نفع نہیں دیتی، اور لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیل و قال کثرت سوال اور مال کے ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے، اور ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کے زندہ در گور کرنے اور حقوق کے روکنے اور بلا ضرورت مانگنے سے منع فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2168)

حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھل جانے کے بعد تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی جب سلام پھیر چکے تو منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر کیا، کہ اس سے پہلے بہت بڑے امور ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہتا ہے، وہ پوچھ لے، اللہ کی قسم، جب تک میں اپنی اس جگہ پر ہوں جو کچھ بھی تم مجھ سے پوچھو گے میں اس کا جواب دوں گا، حضرت انس کا بیان ہے کہ لوگ بہت زیادہ رونے لگے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے جاتے

کہ مجھ سے پوچھ لو، انس کا بیان ہے کہ ایک شخص آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے داخل ہونے کی جگہ کہاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ، پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہے، آپ پھر برابر یہی فرماتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے، اور کہا رضینا باللہ ربا، و بالاسلام دینا، و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول، جب حضرت عمر نے یہ کہا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے سامنے جنت اور دوزخ ابھی اس دیوار کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا، میں نے آج کی طرح خیر و شر نہیں دیکھی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2170)

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ
عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
بہت سے اہلِ کتاب کی یہ خواہش ہے تمہارے ایمان لے آنے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں، اس حسد کے باعث جوان
کے دلوں میں ہے اس کے باوجود کہ ان پر حق خوب ظاہر ہو چکا ہے، سوتم درگزر کرتے رہو اور نظر انداز کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ
اپنا حکم بھیج دے، بیشک اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

اہل کتاب اہل ایمان کو کافر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں

"وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ" مَصْدَرِيَّة "يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا" مَفْعُول لَهُ كَائِنًا "مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" اَيْ حَمَلَتْهُمْ عَلَيْهِ اَنْفُسُهُمُ الْخَبِيثَة "مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ" فِي التَّوْرَاة "الْحَقّ" فِيْ شَاْنِ النَّبِيّ "فَاعْفُوْا" عَنْهُمْ اَيْ اُتْرُكُوهُمْ "وَاصْفَحُوا" اَعْرِضُوْا فَلَا تُجَازُوهُمْ "حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰه بِاَمْرِهِ" فِيْهِمْ مِنَ الْقِتَال "إن الله على كل شیء قدير"

بہت سے اہلِ کتاب (لو مصدریہ ہے) کی یہ خواہش ہے تمہارے ایمان لے آنے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں، اس حسد کے باعث یعنی حسدا مفعول لہ ہے کہ ان کے نفس نے ان کو حسد کیلئے تیار کیا ہے۔ جو ان کے دلوں میں ہے اس کے باوجود کہ ان پر حق خوب ظاہر ہو چکا ہے، یعنی تورات میں نبی کریم ﷺ کی شان ان پر ظاہر ہو چکی۔ سوتم درگزر کرتے رہو یعنی ان کو چھوڑ دو اور نظر انداز کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، یعنی ان میں جنگ کرنے کا حکم آجائے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

ارتداد کی کوششوں کے باوجود ایمان صحابہ کی مضبوطی کا بیان

جملہ "یردونکم" حرف مصدری "لو" کی وجہ سے مفرد میں تبدیل ہو گیا ہے لہٰذا "ود" کے لئے مفعول قرار پایا ہے "کفارا" کافر کی جمع ہے۔ اور "یردونکم" کا دوسرا مفعول ہے "یردون" کی روشنی میں کافر سے مراد مشرک ہے نہ کہ یہودی یا نصرانی کیونکہ صدر اسلام کے مسلمان اسلام قبول کرنے سے قبل مشرک تھے۔ اہل کتاب نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی مسلسل کوششیں کیں۔

"ود" کا معنی ہے چاہنا، محبت کرنا لیکن جملہ "فاعفوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اپنی آرزو (مسلمانوں اور اہل ایمان کو مرتد بنانا) کو پورا کرنے کے لئے مسلسل سازشیں بھی کرتے رہے۔ صدر اسلام کے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی یہود و نصاریٰ کی آرزو خام تھی اور اس سلسلے میں ان کی کوششوں کو ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ فعل مضارع (چاہتے ہیں) کی جگہ فعل ماضی (ودّ چاہتے تھے) کا استعمال اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی کوششیں بے ثمر رہیں اس طرح کہ گویا اس امر سے انکی محبت اور سعی جاتی رہی۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عربوں سے جلتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا زہری کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

جنگ احد کے بعد یہود کی جماعت نے حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں شکست نہ ہوتی' تم ہمارے دین کی طرف واپس آ جاؤ' حضرت عمار نے فرمایا تمہارے نزدیک عہد شکنی کیسی ہے انہوں نے کہا نہایت بری آپ نے فرمایا میں نے عہد کیا ہے کہ زندگی کے آخر لمحہ تک سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پھروں گا اور کفر نہ اختیار کروں گا، اور حضرت حذیفہ نے فرمایا میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے' اسلام کے دین ہونے قرآن کے ایمان ہونے کعبہ کے قبلہ ہونے' مومنین کے بھائی ہونے سے پھر یہ دونوں صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ کی خبر دی حضور نے فرمایا تم نے بہتر کیا اور فلاح پائی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی اسلام پر استقامت کا واقعہ

امام حافظ علی بن حسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ رحمتہ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا، اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہاری نکاح میں دیتا ہوں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دے دے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمد سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار

ہے چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیر اندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کرلو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتار لو، پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کرلائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے۔ گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں، رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کرلو، ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لیکر فرمایا کہ ناممکن کہ میں اللہ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو، جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں، اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جاؤ انہیں اپنے پاس بلالیا، اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میرا داماد بن کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے فائدہ نکلا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ حق میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں، کاش کہ میرے رُوئیں رُوئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ اللہ اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ (تاریخ ابن عساکر، دمشق)

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا، کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں آپ نے اسے قبول فرمالیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ عبداللہ بن حذافہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ماتھا چومے اور میں ابتدا کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر محل ۱۰۶)

وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

عِنْدَاللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے۔ اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔

بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اعمال صالحہ کا خدا کی بارگاہ میں باعث ثواب ہونے کا بیان

"وَاَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ اٰتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ " طَاعَةٍ كَصِلَةٍ وَصَدَقَةٍ "تَجِدُوْهُ" اَیْ ثَوَابَه "عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ " فَيُجَازِيكُمْ بِهِ،

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے۔ یعنی طاعت جیسے صلہ رحمی اور صدقہ ہے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ یعنی اس کا ثواب، بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

اس مطلب میں "تجدوہ" کا معنی جیسا کہ اکثر مفسرین نے کیا ہے" عمل کی جزا پانا" کیا گیا ہے" عمل کی جزا پانا" اسکی جگہ یہ تعبیر "خود عمل کو پانا" استعمال کرنا اس میں یہ نکتہ موجود ہے کہ انسانوں کو نیک اعمال کی جزا بغیر کسی ذرہ برابر کمی کے اسطرح عطا کی جائے گی کہ گویا وہ عمل ان کو عنایت کیا گیا ہے۔

"لأنفسکم، تمہارے اپنے لئے "اس قید کو لانے کا مقصد انسانوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جو کچھ انجام دیتے ہو اسکا فائدہ خود تمہیں ہی ہے کہیں ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالی کو اسکی ضرورت ہے اور اس کو بھی اسکا کوئی نفع حاصل ہوتا ہے۔

صدقہ کرنے والے کیلئے آخرت میں ثواب کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباسوں میں سے لباس پہنائے گا، جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کی پیاس بجھائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے مہر بند شراب سے سیراب کرے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 412)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی چیزوں میں دو ہری چیز اللہ کی راہ میں (یعنی اس کی رضاء و خوشنودی کی خاطر) خرچ کرے گا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کئی یعنی آٹھ دروازے ہیں چنانچہ جو شخص اہل نماز (یعنی بہت زیادہ نماز پڑھنے والا) ہوگا اسے جنت کے باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا جو اہل نماز ہی کے لیے مخصوص ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اے بندے اس دروازے کے ذریعے جنت میں داخل ہو جاؤ اور جو شخص جہاد کرنے والا یعنی اللہ کی راہ میں بہت زیادہ لڑنے والا ہوگا اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔ جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا

اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے۔ اور جو شخص بہت زیادہ روزے رکھنے والا ہوگا اسے باب الریان (یعنی باب الصیام سے کہ جنت میں روزہ کے دروازے کا یہی نام ہے) بلایا جائے یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگرچہ جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے سے بھی بلایا جائے گا اس کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ ایک دروازے سے بلایا جانا بھی کافی ہوگا بایں طور کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہوگا اور یہ ایک ہی دروازے سے بھی حاصل ہو جائے گا پھر بھی میں صرف علم کی خاطر جاننا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا خوش نصیب و باسعادت شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہوگے۔ (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔) (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 390)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اللہ تعالیٰ پاکیزہ کے علاوہ کچھ قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اسے خرچ کرنے والے کے لیے اس کی ایسے پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں کوئی اپنے گھوڑے کے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (1344) صحیح مسلم حدیث نمبر (1014)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کونسا صدقہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم تندرستی اور مال کی حرص رکھتے ہوئے اور صحت کی حالت میں صدقہ کرو اور تمہیں فقر کا ڈر ہو اور مالداری کا طمع ہو، اور تم دیر نہ کرو حتیٰ کہ جب جان حلق میں اٹک جائے تو کہنے لگو: اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو دے دو۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (1330)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: خطابی رحمہ اللہ کا قول ہے، حدیث کا معنی یہ ہے کہ: غالباً حرص صحت اور تندرستی کی حالت میں ہوتی ہے، لہٰذا جب وہ مال کی حرص رکھے اور صدقہ کرے تو اس کی نیت میں زیادہ صدق اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوگا، بخلاف اس کے کہ جو شخص موت کے کنارے پہنچ چکا ہو اور زندگی سے مایوس ہو گیا اور دیکھا کہ اس کا مال دوسروں کو ملنے والا ہے تو اس وقت اس کا کیا ہوا صدقہ صحت کی حالت کی بہ نسبت ناقص ہے، اور حرص باقی رہنے کی امید اور فقر کا خوف ہے۔ صحت اور حرص کی حالت میں کیے ہوئے صدقے کی بہ نسبت وصیت میں اسے اتنا اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ (شرح صحیح مسلم نووی)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا۔ یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں۔ ان سے فرمادو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

یہود ونصاریٰ کے باہمی مناظرہ کا بیان

"وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا " جَمْعُ هَائِدٍ "اَوْ نَصَارٰى " قَالَ ذٰلِكَ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَنَصَارٰى نَجْرَانَ لَمَّا تَنَاظَرُوْا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىْ قَالَ الْيَهُوْدُ لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا الْيَهُوْدُ وَقَالَ النَّصَارٰى لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا النَّصَارٰى "تِلْكَ" الْقَوْلَةُ "اَمَانِيُّهُمْ" شَهَوَاتُهُمُ الْبَاطِلَةُ "قُلْ" لَهُمْ "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ" حُجَّتَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِيْهِ،

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا۔ ھود کی جمع ھائد ہے اور نصاریٰ اور یہ قول یہود مدینہ اور نجران کے نصاریٰ نے جب نبی کریم ﷺ کے سامنے مناظرہ کیا اس وقت کہی تھی۔ یعنی یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے جبکہ نصرانی کہتے تھے کہ جنت میں صرف نصرانی جائیں گے۔ یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں۔ یعنی باطل شہوات ہیں۔ ان سے فرمادو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ یعنی اپنے اس قول کی صداقت میں دلیل لاؤ۔

ہات" کی جمع "ھاتوا" ہے یہ اسم فعل ہے جس کا معنی ہے عطا کر "ھاتوا برھانکم "یعنی اپنی دلیل و برہان پیش کرو۔ بغیر دلیل و برہان کے دعویٰ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ ہی قابل اعتبار ہے۔

جملہ شرطیہ "ان کنتم صادقین، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو" کا مفہوم یہ ہے کہ دلیل و برہان کا نہ ہونا دعویٰ کے بے قدر و قیمت ہونے کی دلیل ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۱۱ کے سبب نزول کا بیان

یہود کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے اور نصرانی کہتے ہیں کہ فقط نصرانی اور یہ مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کے لئے کہتے ہیں جیسے نسخ وغیرہ کے لچر شبہات انہوں نے اس امید پر پیش کئے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے دین میں کچھ تردد ہوجائے اسی طرح ان کو جنت سے مایوس کرکے اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں' چنانچہ آخر پارہ میں ان کا یہ مقولہ مذکور ہے۔' (وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، ۱۳۵) اللہ تعالیٰ ان کے اس خیال باطل کا رد فرماتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ضیاء القرآن، لاہور)

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○
ہاں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان ہوگیا تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے رب کے ہاں ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

عبادت میں درجہ احسان ہونے کا بیان

"بَلٰی" یَدْخُل الْجَنَّةَ غَیرِھم "مَنْ اَسْلَمَ وَجْھه لِلّٰهِ" اَیْ انْقَادَ لِاَمْرِہٖ وَخَصَّ الْوَجْه لِاَنَّهُ اَشْرَفُ الْاَعْضَاء فَغَیرُہٖ اَوْلٰی "وَھُوَ مُحْسِن" مُوَحِّد "فَلَهُ اَجْرہ عِنْد رَبّه" اَیْ ثَوَاب عَمَله الْجَنَّة "وَلَا خَوْف عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" فِی الْاٰخِرَة،

ہاں، یعنی ان کے سوا جنت میں وہ جائیں گے۔ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دیا یعنی حکم کی اطاعت کی اور چہرے کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا کہ وہ تمام اعضاء سے افضل ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنے سوا سے اولیٰ ہے۔ اور وہ صاحبِ احسان ہو گیا یعنی عقیدہ توحید والا بن گیا' تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے رب کے ہاں ہے یعنی اس کے عمل کا ثواب جنت ہے۔ اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ آخرت میں غمزدہ ہوں گے۔

احسان کے ساتھ ہونے والی عبادت کا بیان

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ (چمکدار) تھے، اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی (کہ اس کو کہیں سے سفر کر کے آیا ہوا کوئی اجنبی آدمی سمجھا جاتا) اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی مقامی آدمی ہو یا کسی کا مہمان بھی نہیں تھا) بہر حال وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب آکر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لیے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے (جیسے ایک سعادت مند شاگرد اپنے جلیل القدر استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے اور استاد کی باتیں سننے کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے) اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو (اگر صاحب نصاب ہو تو) زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زادِ راہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس (تضاد) پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی (ایک لاعلم آدمی کی طرح پہلے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے (جیسے اس کو ان باتوں کا پہلے سے علم ہو) پھر وہ آدمی بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اب ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔

اس آدمی نے (یہ سن کر) کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا حضور قلب میسر نہ ہو سکے) تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (متفق علیہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 2)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
اور یہودی بولے! نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح جاہلوں نے ان کی سی بات کہی تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دین سماوی سے انکار کرنے کا بیان

"وَقَالَتْ الْيَهُوْد لَيْسَتْ النَّصَارٰى عَلٰى شَىْء " مُعْتَدّ بِهِ وَكَفَرَتْ بِعِيسَى "وَقَالَتْ النَّصَارٰى لَيْسَتْ الْيَهُوْد عَلٰى شَىْء " مُعْتَدّ بِهِ وَكَفَرَتْ بِمُوسَى "وَهُمْ" اَیْ الْفَرِيْقَانِ "يَتْلُوْنَ الْكِتَاب" الْمُنَزَّل عَلَيْهِمْ وَفِیْ كِتَاب الْيَهُوْد تَصْدِيْق عِيسَى وَفِیْ كِتَاب النَّصَارٰى تَصْدِيْق مُوسَى وَالْجُمْلَة حَال "كَذٰلِكَ" كَمَا قَالَ هٰؤُلَاءِ "قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" اَیْ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْ الْعَرَب وَغَيْرهمْ "مِثْل قَوْلهمْ" بَيَان لِمَعْنٰى ذٰلِكَ : اَیْ قَالُوْا لِكُلِّ ذِیْ دِيْن لَيْسُوْا عَلٰى شَىْء "فَاللّٰه يَحْكُم بَيْنهمْ يَوْم الْقِيَامَة فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" مِنْ اَمْر الدِّيْن فَيُدْخِل الْمُحِقّ الْجَنَّة وَالْمُبْطِل النَّار،

اور یہودی بولے! نصرانی کچھ نہیں کیونکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا۔ اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ اور وہ دونوں گروہ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں، جو ان پر نازل کی گئی اور کتاب یہود میں عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے اور کتاب نصاریٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ اور یہ جملہ حالیہ ہے کہ اسی طرح جاہلوں نے ان کی سی بات کہی یعنی مشرکین وغیرہ کی طرح، اور مثل قولھم یہ بیان معنی کیلئے ہے۔ یعنی انہوں نے ہر دین والے کو کہا کہ وہ کچھ نہیں ہے۔ تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ یعنی دین کے معاملہ میں فیصلہ کرے گا پس اہل حق جنت میں جائیں گے اور اہل باطل دوزخ میں جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۱۳ کے شان نزول کا تفسیری بیان

نجران کے نصاریٰ کا وفد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو علمائے یہود آئے اور دونوں میں مناظرہ شروع ہو گیا

آوازیں بلند ہوئیں شور مچا یہود نے کہا کہ نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار کیا اسی طرح نصاریٰ نے یہود سے کہا کہ تمہارا دین کچھ نہیں اور توریت شریف وحضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ بقرہ، آیت ۱۱۳، بیروت)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا
كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○
اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی
کوشش کرے! انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان
کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

مساجد میں نماز وتسبیح سے روکنے والے ظالموں کا بیان

"وَمَنْ اَظْلَم " اَیْ لَا اَحد اَظْلَم "مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِد اللّٰہ اَنْ يُّذْكَر فِيْهَا اسمه" بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْبِيح "وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا" بِالْهَدْمِ اَوْ التَّعْطِيل نَزَلَتْ اِخْبَارًا عَنْ الرُّوم الَّذِيْنَ خَرَّبُوا بَيْت الْمَقْدِس اَوْ فِي الْمُشْرِكِيْنَ لَمَّا صَدُّوْا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَام الْحُدَيْبِيَة عَنْ الْبَيْت "اُولٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَائِفِيْنَ" خَبَر بِمَعْنَى الْاَمْر اَيْ اَخِيفُوهُمْ بِالْجِهَادِ فَلَا يَدْخُلهَا اَحَد اٰمِنًا "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْي" هَوَان بِالْقَتْلِ وَالسَّبْي وَالْجِزْيَة "وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَة عَذَاب عَظِيْم" هُوَ النَّار،

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا یعنی اس سے کوئی ایک بھی زیادہ ظالم نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے یعنی نماز اور تسبیح سے، اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے، یعنی گرانے اور معطل کرنے کی کوشش کرے، اور یہ آیت ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بیت المقدس کو خراب کیا یا ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا۔ انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی ان کو جہاد کے ذریعے اس طرح خوفزدہ کردو کہ کوئی بھی امن سے داخل نہ ہو، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے یعنی وہ قتل، قید اور جزیہ ہے۔ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ وہ آگ ہے۔

منع کا دو مفعولوں کو چاہنے کا بیان

منع "دو مفعول چاہتا ہے اس کا ایک مفعول "مساجد اللہ" ہے اور دوسرا "المسلمین" ہے جو بہت واضح ہونے کی بنا پر بیان نہیں ہوا یعنی "منع المسلمین مساجد اللہ" "منع" کو ماضی لانا اس امر کی حکایت کرتا ہے کہ مسلمانوں کو مساجد میں جانے کی

رکاوٹ وممانعت واقع ہوئی تھی گویا آیہ مبارکہ مساجد میں جانے کی ممانعت کو بے جا اور ناروا بیان کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں کو مسجد الحرام اور دیگر مساجد میں جانے سے روکنے کے واقعات رونما ہوئے "ان یذکر" میں "لا" نافیہ مقدر ہے اور یہ "منع" کے لئے مفعول لہ ہے یعنی مساجد میں جانے سے روکتے تھے تاکہ نام اللہ نہ لیا جائے۔

آیت نمبر ۱۱۴ کے شان نزول کا تفسیری بیان

یہ آیت بیت المقدس کی بے حرمتی کے متعلق نازل ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ روم کے نصرانیوں نے بنی اسرائیل پر فوج کشی کی ان کے مردان کار آزما کو قتل کیا ذریت کو قید کیا توریت کو جلایا بیت المقدس کو ویران کیا اس میں نجاستیں ڈالیں، خنزیر ذبح کیے، معاذ اللہ بیت المقدس خلافت فاروقی تک اسی ویرانی میں رہا، آپ کے عہد مبارک میں مسلمانوں نے اس کو بنا کیا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے ابتدائے اسلام میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکا تھا اور جنگ حدیبیہ کے وقت اس میں نماز و حج سے منع کیا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

مسجد اقصیٰ کو ویران کرنے والے نصاریٰ وغیرہ کا بیان

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے، بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی، بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طویٰ میں آپ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج وعمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں۔

حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے ابن جریر نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے، ابن زید اور حضرت عباس کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی محض بیدین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہود ونصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو مسجد الحرام سے روکا مکہ سے نکالا پھر حج وغیرہ سے بھی روک دیا۔

امام ابن جریر کا یہ فرمان کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت بٹھا دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہوسکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے آیت (وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) 8۔ الانفال:34) اور جگہ فرمایا آیت (مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ) 9۔التوبہ:17) یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں مشرکوں سے اللہ کی مسجدیں آباد نہیں ہوسکتیں جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں مسجدوں کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز وزکوۃ کے پابند اور صرف اللہ ہی سے ڈرنے والے ہیں یہی لوگ راہ راست والے ہیں اور جگہ فرمایا آیت (هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ) 48۔الفتح:25) ان لوگوں نے بھی کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے بھی روکا اور قربانیوں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت بقرہ، بیروت)

مسجد کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسجد لغت میں سجدہ گاہ کا نام ہے، اور شریعت اسلام کی اصطلاح میں وہ مخصوص جگہ جو نماز کے لئے وقف کر دی جائے۔ مسجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں مشہور مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذکر کرتے ہوئے مسجد کو مسلمانوں کی عبادت گاہ قرار دیا ہے۔ جو چیز کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو وہ اس کا شعار اور اس کے تشخص کی خاص علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ مسجد بھی اسلام کا خصوصی شعار ہے، یعنی کسی قریہ، شہر یا محلہ میں مسجد کا ہونا وہاں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔ (مرقات، ج ا، ص ۱۴۱، بمبئی انڈیا)

کافروں کے چندے سے تعمیر مساجد کی ممانعت اقوال مفسرین کا بیان

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری لکھتے ہیں حق تعالٰی فرماتا ہے کہ مسجدیں تو اس لئے تعمیر کی جاتی ہیں کہ ان میں اللہ کی عبادت کی جائے، کفر کے لئے تو تعمیر نہیں کی جاتی، پس جو شخص کافر ہو اس کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کرے۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امامِ عربیت جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے کسی طرح درست نہیں کہ وہ دو متنافی باتوں کو جمع کریں کہ ایک طرف اللہ کی مسجدیں بھی تعمیر کریں اور دوسری طرف اللہ تعالٰی اور اس کی عبادت کے ساتھ کفر بھی کریں، اور ان کے اپنی ذات پر کفر کی گواہی دینے سے مراد ہے ان کے کفر کا ظاہر ہونا۔ (تفسیر کشاف ج ۲، ص ۲۵۳، بیروت)

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: واحدی فرماتے ہیں: یہ آیت اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی مسجدوں میں سے کسی مسجد کی تعمیر کی اجازت نہیں، اور اگر کافر اس کی وصیت کرے تو اس کی وصیت قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج: ۱۶ ص ۷، مطبوعہ مصر)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی لکھتے ہیں۔ مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انتظام مساجد کے متولی خود ہوں اور کفار و

مشرکین کو ان میں داخل ہونے سے روک دیں۔ (تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۴۹ دار الکاتب العربی، القاہرۃ)

امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ کافروں کو تعمیر مسجد سے روک دیں، کیونکہ مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بنائی جاتی ہیں، پس جو شخص کافر ہو اس کا یہ کام نہیں کہ وہ مسجدیں تعمیر کرے، ایک جماعت کا قول ہے کہ تعمیر سے مراد یہاں تعمیر معروف ہے، یعنی مسجد بنانا، اور اس کی شکست وریخت کی اصلاح و مرمت کرنا، پس کافر کو اس عمل سے باز رکھا جائے گا، چنانچہ اگر وہ اس کی وصیت کر کے مرے تو پوری نہیں کی جائے گی، اور بعض نے عمارۃ کو یہاں مسجد میں داخل ہونے اور اس میں بیٹھنے پر محمول کیا ہے۔ (تفسیر معالم تنزیل، ج ۳، ص ۵۵، بیروت)

شیخ علاء الدین علی بن محمد البغدادی نے تفسیر خازن میں اس مسئلے کو مزید تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ کافروں کو تعمیر مسجد سے روک دیں، کیونکہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں، پس جو شخص کہ کافر ہو وہ ان کو تعمیر کرنے کا اہل نہیں۔ (تفسیر خازن، ج ۲، ص ۸۹، بیروت)

کبوتروں کے منہ سے میزائل سے ابرہہ کی ہلاکت کا واقعہ

واقدی فرماتے ہیں یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی پیشانی پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھرا اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے گا ان میں سے کوئی جانبر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا دل تک پھٹ گیا۔

قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا، عبد المطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا، زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے ہیں پس اللہ تعالیٰ بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور تمہیں دشمنوں سے نجات دیتا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے، پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے بیشک اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

مشرق و مغرب اللہ ہی کیلئے ہے

وَنَزَلَ لَمَّا طَعَنَ الْيَهُوْدُ فِيْ نَسْخِ الْقِبْلَةِ اَوْ فِيْ صَلَاةِ النَّافِلَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ

: "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" اَیْ الْاَرْضُ كُلُّهَا لِاَنَّهُمَا نَاحِيَتَاهَا "فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا" وُجُوهَكُمْ فِي الصَّلَاة بِاَمْرِهِ "فَثَمَّ" هُنَاكَ "وَجْه اللّٰه" قِبْلَته الَّتِي رَضِيَهَا "اِنَّ اللّٰه وَاسِع" يَسَع فَضْله كُلّ شَيْء "عَلِيْم" بِتَدْبِيْرِ خَلْقه،

اور جب یہود نے قبلہ کی منسوخی یا سفر کی حالت میں سواری پر نفلی نماز کے بارے میں طعنہ دیا کہ کہیں بھی جہت ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے، یعنی ساری زمین کیونکہ یہ دونوں یعنی مشرق و مغرب ہی زمین کے کنارے ہیں۔ پس تم جدھر بھی رخ کرو یعنی اپنے چہروں کو نماز میں اس کے حکم سے کرو۔ ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے یعنی قبلہ جس وہ راضی ہے۔ بیشک اللہ بڑی وسعت والا یعنی اس کا فضل ہر چیز سے وسیع ہے۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔ یعنی تمہاری تخلیق کی تدبیر بھی جانتا ہے۔

فاینما "اسمائے شرط میں سے ہے اور اسکا جواب محذوف ہے اور جملہ "فثم وجه الله" اسکا قائم مقام ہے۔ جملہ کی تقدیر یہ بنتی ہے "اینما تولوا فلا جناح علیکم لان هناك وجه الله، (المیزان)

سورہ بقرہ آیت ۱۱۵ کے شان نزول کا تفسیری بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اندھیری رات سفر میں تھے جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکی ہر ایک شخص نے جس طرف اس کا دل جما نماز پڑھی صبح کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس مسافر کے حق میں نازل ہوئی جو سواری پر نفل ادا کرے اس کی سواری جس طرف متوجہ ہو جائے اس طرف اس کی نماز درست ہے بخاری و مسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہود نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی بتایا گیا کہ مشرق مغرب سب اللہ کا ہے جس طرف چاہے قبلہ معین فرمائے کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے۔ (تفسیر خازن، سورت بقرہ، بیروت)

تعین جہت حق شرع ہونے کا بیان

امام ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا حکم ہے للہ المشرق والی آیت نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے پھر آیت (وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) 2۔ البقرۃ:149) نازل ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی، مدینہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ کو اپنی چاہت، دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر

دیجئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہئے حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق مغرب میں جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو، (کتاب ناسخ ومنسوخ، از امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام، مطبوعہ بیروت)

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝
اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے، حالانکہ وہ پاک ہے، بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی ہے،
سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے شرکیہ عقیدہ بنات اللہ کا بیان

"وَقَالُوا" بِوَاوٍ وَبِدُونِهَا الْيَهُود وَالنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلَائِكَة بَنَات اللّٰه "اتَّخَذَ اللّٰه وَلَدًا" قَالَ تَعَالٰى "سُبْحَانه" تَنْزِيهًا لَّهٗ عَنْهُ "بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَالْاَرْض " مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيدًا وَّالْمِلْكِيَّة تُنَافِي الْوِلَادَة وَعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيبًا لِمَا لَا يَعْقِل "كُلّ لَهُ قَانِتُوْنَ" مُطِيعُوْنَ كُلّ بِمَا يُرَاد مِنْهُ وَفِيْهِ تَغْلِيب الْعَاقِل،

اور وہ کہتے ہیں، یعنی واؤ کے ساتھ یا بغیر واؤ کے مراد یہود و نصاریٰ، اور جو انہوں نے گمان کیا ہے کہ فرشتے اللہ کی بٹیاں ہیں اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے، تو اللہ نے فرمایا وہ پاک ہے، یعنی ان چیزوں سے وہ پاک ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے، یعنی ملک ومخلوق ہے مملوک ہیں۔ اور ملکیت ولادت کے منافی ہے اور ما کو اس لئے لایا گیا تا کہ غیر ذوالعقول کو غلبہ دیا جائے۔ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں۔ یعنی ہر جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ اور اس میں اہل عقل کو غلبہ دینا مقصود ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

سبحان "تسبیحاً" کے معنی میں ہے جو فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی "سبحت اللہ تسبیحاً" یہ لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ناروا چیز کی نسبت دی جائے جو اسکی ذات اقدس کے لئے عیب اور نقص شمار ہوتی ہو۔

یہود و نصاریٰ کی ناروا نسبت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ کو لفظ "سبحانہ" سے پاک ومنزہ بیان کرنا یہ سب انسانوں کے لئے درس ہے لہٰذا جب بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی ناروا صفت سنیں یا ایسی صفت جو اسکی ذات اقدس میں عیب اور نقص کے لئے ہو تو اسوقت اسکی پاکیزگی اور عیب سے پاک ہونے کو "سبحانہ" کہہ کر بیان کریں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۱۶ کے شان نزول کا تفسیری بیان

یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا مشرکین عرب نے فرشتوں کو اللہ کی

بیٹیاں بتایا ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی فرمایا سُبحٰنہٗ، وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے اولاد ہو اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اس کو عیب لگانا اور بے ادبی ہے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم نے مجھے گالی دی میرے لئے اولاد بتائی میں اولاد اور بیوی سے پاک ہوں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
وہی آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے، اور جب کسی کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے کہ
"تو ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔

مقام کن کی قدرت کا بیان

"بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ" مُوجِدهم لَا عَلٰى مِثَالٍ سَبَقَ "وَاِذَا قَضٰى" اَرَادَ "اَمْرًا" اَیْ اِیجَادَه "فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ جَوَابًا لِلْاَمْرِ،

وہی آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے، یعنی بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا ہے۔ اور جب کسی کا فیصلہ فرمالیتا ہے یعنی ارادہ کرتا یعنی اس کو بنانے کا تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے کہ "تو ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ ہو جاتا ہے اور ایک قرأت میں یکون جواب امر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (قاعدہ نحویہ)

بدع کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

بَدَعَ کا معنی ہے، کسی سابقہ مادہ، اصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا؛ یعنی کسی شے کو عدم محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں ابداع کہتے ہیں۔

البدعة أصلها : ما أحدث على غير مثال سابق. بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 253:4)

امام ابن حجر مکی بدع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت لغت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو (جس طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق کے متعلق فرمایا گیا) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا یعنی زمین وآسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے (پہلی مرتبہ) پیدا فرمانے والا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝
اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمیں کوئی نشانی ملے ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات

اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں بیشک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لئے۔

کفار مکہ کا اللہ سے ہم کلام ہونے کے مطالبہ کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" اَیْ كُفَّار مَكَّة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَوْلَا" هَلَّا "يُكَلِّمنَا اللّٰهُ" بِاَنَّكَ رَسُوْله "اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَة" مِمَّا اقْتَرَحْنَاهُ عَلٰى صِدْقك "كَذٰلِكَ" كَمَا قَالَ هٰؤُلَاءِ "قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" مِنْ كُفَّار الْاُمَم الْمَاضِيَة لِاَنْبِيَائِهِمْ "مِثْل قَوْلهمْ" مِنَ التَّعَنُّت وَطَلَب الْاٰيَات "تَشَابَهَتْ قُلُوْبهمْ" فِي الْكُفْر وَالْعِنَاد فِيْهِ تَسْلِيَة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيَات لِقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ" يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا اٰيَات فَيُؤْمِنُوْنَ فَاقْتِرَاح اٰيَة مَعَهَا تَعَنُّت،

اور جاہل بولے! یعنی کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا کیوں نہیں بتاتا کہ آپ ﷺ رسول ہیں۔ یا ہمیں کوئی نشانی ملے یا آپ ﷺ کی صداقت پر ہم کوئی نشانی بنائیں تو وہ ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے ایسا ہی کہا ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات اِن کے، جس طرح سابقہ امتوں نے انبیائے کرام سے کہا۔ اور انہوں نے معجزات طلب کیے اُن کے دل ایک سے ہیں۔ یعنی وہ نبی کریم ﷺ کو تسلیم کرنے میں کفروعناد مشابہ ہوگئے۔ بیشک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لئے۔ یعنی جب وہ معجزات کو جانتے ہیں تو ایمان لے آئیں پس نیا معجزہ طلب کرنا یہ ان کی سرکشی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۱۸ کے شان نزول کا تفسیری بیان

رافع بن حریملہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں، اس پر یہ آیت اتری۔

مجاہد کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی، ابن جریر فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے قرطبی فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں کہ یہ قول کفار عرب کا تھا اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ○

بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔

کامل احکام پہنچا دینے کے بعد اہل جہنم سے متعلق سوال نہ ہونے کا بیان

"اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ" يَا مُحَمَّد "بِالْحَقِّ" بِالْهُدٰى "بَشِيْرًا" مَنْ اَجَابَ اِلَيْهِ بِالْجَنَّةِ "وَنَذِيْرًا" مَنْ لَمْ يُجِبْ

اِلَيْهِ بِالنَّارِ "وَلَا تُسْأَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ" النَّارِ اَيْ الْكُفَّارِ مَا لَهُمْ لَمْ يُؤْمِنُوْا اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِجَزْمِ تُسْأَلْ نَهْيًا،

بیشک ہم نے تمہیں یعنی یا محمد ﷺ حق کے ساتھ یعنی ہدایت کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا یعنی جس نے قبول کیا وہ جنتی ہوا اور ڈر سناتا یعنی جس نے قبول نہ کیا وہ دوزخی ہے۔ اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔ یعنی وہ کافر جو ایمان نہیں لائے کیونکہ آپ پر صرف پہنچا دینے کا حکم تھا۔ اور ایک قرأت میں تسئال جزم کے ساتھ نہی ہونے کے سبب سے ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

یہ مطلب اس بنا پر ہے کہ "بالحق" کی "باء"، "مع" کا معنی دیتی ہو اور "ک" ضمیر کے لئے حال ہو، بنا بریں "الحق" وہ احکام اور معارف ہیں جو نبی کریم ﷺ کی طرف بھیجے گئے اور نبی کریم ﷺ ان کی تبلیغ پر مامور تھے پس "انا ارسلناك بالحق" یعنی اے حبیب ﷺ تجھے ان معارف اور احکام کے ساتھ ہم نے انسانوں کی طرف بھیجا جو سراسر حق ہیں۔

قرآن میں بیان کردہ صفات نبوی ﷺ کا توارت میں بھی ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عطا بن یسار نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثنا توراۃ میں کیا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں وہی توراۃ میں بھی ہیں، توراۃ میں بھی ہے اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو نہ بدخلق نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے نہ تو برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے بلکہ معاف اور درگزر کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ تیرے دین کو تیری وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کردے اور لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں بخاری کی کتاب بیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد مزید یہ ہے کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعب سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی ٹھیک یہی جواب دیا۔ (مسند احمد بن حنبل)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○
اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرما دو اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار ہوگا۔

اسلام کے سوا تمام مذاہب کے باطل ہونے کا بیان

"وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ" دِيْنَهُمْ "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ " اَىِ الْاِسْلَام "هُوَ الْهُدٰى" وَمَا عَدَاهُ ضَلَال "وَلَئِنْ" لَام قَسَم "اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ" الَّتِى يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا فَرْضًا "بَعْدَ الَّذِىْ جَاءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ" الْوَحْى مِنَ اللّٰهِ "مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِىٍّ" يَحْفَظُكَ "وَلَا نَصِيْر" يَمْنَعُكَ مِنْهُ،

اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرما دو اللہ ہی کی ہدایت یعنی اسلام ہی ہدایت ہے اور اس کے سوا گمراہی ہے۔ یہاں لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا یعنی جس طرف وہ بلاتے ہیں۔ بعد اس کے کہ تجھے علم آ چکا یعنی اللہ کی جانب سے وحی تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا یعنی جو تیری حفظت کرے اور نہ مددگار ہوگا جو تجھے بچا سکے۔

خطاب خاص جبکہ مراد عام ہونے کے تفسیری اصول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ خطاب امت محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس حق وہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (تفسیر خازن، بقرہ، بیروت)

اسلام کے بعد ارتداد اختیار کرنے والے سے جنگ کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وصال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان ومال بچا لے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان ومال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 127)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ جیسی چاہیے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہوں
تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اہل ایمان کا قرآن کو صحیح طریقے سے پڑھنے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَاب" "مُبْتَدَأ" "يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِه" "اَىْ يَقْرَءُوْنَهٗ كَمَا اُنْزِلَ وَالْجُمْلَةُ حَال وَحَقّ نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَرِ وَالْخَبَر" "اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" "نَزَلَتْ فِىْ جَمَاعَةٍ قَدِمُوْا مِنَ الْحَبَشَةِ وَاَسْلَمُوْا" "وَمَنْ يَّكْفُر بِهٖ" "اَىْ بِالْكِتَابِ الْمُؤْتَى بِاَنْ يُّحَرِّفَهٗ" "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ" "لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّار الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ،

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، یہ مبتداء ہے وہ جیسی چاہیے اس کی تلاوت کرتے ہیں یعنی اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس وہ نازل کی گئی۔ یہ جملہ حال ہے اور حق مصدر ہونے کے سبب منصوب ہے اور ''اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ'' یہ خبر ہے۔ وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں یہ آیت اس جماعت کے حق میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آئی اور اسلام کو قبول کیا۔ اور جو اس کے منکر ہوں یعنی عطا کردہ کتاب میں تحریف کرتے ہوں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ ان کو جہنم کی طرف ڈال دیا جائے گا جو ہمیشہ ان کیلئے ہوگی۔

"الذین" مبتدا اور "اولئك يؤمنون به" اسکی خبر ہے اور جملہ "يتلونه، "الذین" کے لئے حال ہے پس "بہ" کی ضمیر "الکتاب" کی طرف لوٹانے سے جملے کا معنی یہ بنتا ہے اہل کتاب میں سے وہ لوگ "جو اپنی کتاب کی پیروی کرتے ہیں "اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۲۱ کے شان نزول کا تفسیری بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اہل سفینہ کے باب میں نازل ہوئی جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر بارگاہ رسالت ﷺ ہوئے تھے ان کی تعداد چالیس تھی بتیس اہل حبشہ اور آٹھ شامی راہب ان میں بحیرا راہب بھی تھے۔ معنی یہ ہیں کہ درحقیقت توریت شریف پر ایمان لانے والے وہی ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں اور بغیر تحریف و تبدیل پڑھتے ہیں اور اس کے معنی سمجھتے اور مانتے ہیں اور اس میں حضور سید کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت دیکھ کر حضور پر ایمان لاتے ہیں اور جو حضور کے منکر ہوتے ہیں وہ توریت پر ایمان نہیں رکھتے۔ (تفسیر خزائن العرفان، لاہور)

ذکر آیت رحمت کے وقت طلب رحمت کا بیان

حضرت قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں حلال وحرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا تغیر وتبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے حسن بصری فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا متشابہ آیتوں پر ایمان لانا مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔

حضرت ابن عباس سے اس کا مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے آیت (وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا) 91 . الشمس:2)

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے، حضرت عمر کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝
اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں نے تمہیں اس زمانے کے تمام
لوگوں پر فضیلت عطا کی۔

"يَا بَنِيْ اِسْرَائِيل اُذْكُرُوْا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْت عَلَيْكُمْ وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ" تَقَدَّمَ مِثْله،

اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں نے تمہیں اس زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی۔ اور کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کیا گیا اور انہیں نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کا کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی ان میں جس خاتم الانبیاء ﷺ کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ○

اور تم ڈرو اس دن سے کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑیں اور نہ کافر کو کوئی سفارش نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔

"وَاتَّقُوْا" خَافُوْا "يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ" لَا تُغْنِىْ "نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ" فِيْهِ "شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ" فِدَاء "وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ" يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰه،

اور تم ڈرو اس دن سے کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑیں اور نہ کافر کو کوئی سفارش بہ طور فدیہ نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب سے روکے نہ جائیں گے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۲۳ کے محل نزول کا بیان

اس آیت کے نازل ہونے کا جو موضوع ہے اس میں بڑے صاف الفاظ کے ساتھ یہ عقیدہ سامنے آتا ہے کہ قیامت کے دن کسی کافر کو کسی دوسرے کافر کی سفارش کا کوئی نفع نہ ہوگا۔ کوئی کافر کسی دوسرے کافر کی مدد نہ کر سکے گا۔ کوئی جان کسی دوسری جان کو کچھ فدیہ دیکر نجات نہ دلائے گی اور یہ تمام تر احکام کفار سے متعلق ہیں۔

اس بارے میں لکھا ہے کہ سفارش تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی طاقتور وزیر نے سفارش کی اور بادشاہ اس کی طاقت سے خائف ہو کر سفارش قبول کر لیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ محبوب نے سفارش کی اور سفارش قبول نہ کرنے میں محبوب کے بگڑنے اور ناراض ہونے کا خطرہ ہے۔ تیسرا یہ کہ مجرم بادشاہ سے اپنے گناہ قبول کر کے معافی چاہ رہا ہے اور بادشاہ اس کی گریہ وعاجزی کو دیکھ کر معاف کرنا چاہتا ہے مگر مشیت ہے کہ کوئی اور سفارش کرے تو معاف کر دے چنانچہ بادشاہ کی منشاء دیکھ کر ایک وزیر آگے بڑھتا ہے اور اس مجرم کی سفارش کرتا ہے۔ بادشاہ معاف کر دیتا ہے۔

خدا کے یہاں جو بھی سفارش اور شفاعت ہوگی وہ اسی آخری قبیل سے ہوگی کہ اللہ پاک کی اولا مرضی اور منشاء اپنے گناہگار بندوں کو معاف کرنے کی ہوگی اور اللہ کی مرضی اور رضا کو جان کر پیغمبر، فرشتے اور دیگر نیک وصالحین سفارش کریں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیغمبروں فرشتوں اور نیک بندوں کی عزت افزائی کیلئے ان کے سفارش پر مجرموں کو معاف کر دے گا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ○

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا

ہوں عرض کی اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا بیان

وَ" اُذْكُرْ "اِذِ ابْتَلٰی" اخْتَبَرَ "اِبْرَاهِيْمَ" وَفِي قِرَاءَةٍ اِبْرَاهَام "رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ" بِاَوَامِرَ وَنَوَاهٍ كَلَّفَهُ بِهَا قِيْلَ هِيَ مَنَاسِكُ الْحَجِّ وَقِيْلَ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَفَرْقُ الشَّعْرِ وَقَلْمُ الْاَظَافِرِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْخِتَانُ وَالِاسْتِنْجَاءُ كَانَ الْاَوْلٰى اَنْ يَتَوَقَّفَ الْحَدِيْثُ عَنِ الِابْتِلَاءِ بِالْكَلِمَاتِ عِنْدَ اَوَامِرِ الدِّيْنِ وَنَوَاهِيْهِ لِاَنَّ الْقُرْاٰنَ الْكَرِيْمَ لَمْ يُعَيِّنِ الْكَلِمَاتِ الَّتِي ابْتَلَى اللّٰهُ بِهَا اِبْرَاهِيْمَ وَاخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ نَاشِئٌ عَنْ تَحْدِيْدِ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ "فَاَتَمَّهُنَّ" اَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ "قَالَ" تَعَالٰى لَهُ "اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" قُدْوَةً فِي الدِّيْنِ "قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ" اَوْلَادِيْ اجْعَلْ اَئِمَّةً "قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي" بِالْاِمَامَةِ "الظّٰلِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلٰى اَنَّهُ يَنَالُ غَيْرَ الظَّالِمِ،

اور یاد کریں جب ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا اور ایک قرأت میں ابراہام ہے۔ یعنی آپ کے رب نے کلمات یعنی اوامر ونواہی سے جن کو مکلف کیا گیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ مناسک حج تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، مونچھوں کو کتروانا، مانگ نکالنا، ناخن ترشوانا، بغلوں کے بال مونڈنا اور زیر ناف بال مونڈنا اور ختنہ کرنا اور استنجاء کرنا ہے۔ اولیٰ یہ ہے آزمائش کے کلمات میں توقف کیا جائے۔ کیونکہ اوامر دین ونواہی بھی ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ قرآن میں ان کا تعین نہیں ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا۔ اور ان کلمات کی تعریف میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ پس جب آپ نے ان کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں سارے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ یعنی دین کے احکام میں۔ کہا کہ میری اولاد میں سے بھی یعنی میری اولاد کو بھی ائمہ بنادے تو فرمایا کہ میرا عہد یعنی امامت ظالموں یعنی کافروں کیلئے نہیں ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ غیر ظالم کو عہد پہنچنے والا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ کے سبب نزول کا تفسیری بیان

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کی آزمائش وامتحان سے کامیاب ہونے کے بعد ان کیلئے اس پر اجر کو بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کیلئے ان کی امامت کا اعلان کے کامیاب ہونے کے بدلے میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سرزمین اہواز میں بمقام سوس ہوئی پھر آپ کے والد آپ کو بابل ملک نمرود میں لے آئے یہود ونصاریٰ ومشرکین عرب سب آپ کے فضل وشرف کے معترف اور آپ کی نسل میں ہونے پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے وہ حالات بیان فرمائے جن سے سب پر اسلام کا قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے کیونکہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر واجب کیں وہ اسلام کے خصائص میں سے ہیں۔

ابتلاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔کلمات سے مراد شریعت حکم اور ممانعت وغیرہ ہے کلمات سے مراد کلمات تقدیریہ بھی ہوتی۔ہے جیسے مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے صدقت بکلمات ربھا یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتی ہے۔خدائی آزمائش یہ ہے کہ بندے پر کوئی پابندی لازم فرما کر دوسروں پر اس کے کھرے کھوٹے ہونے کا اظہار کر دے۔

دس اشیائے فطرت کا بیان

جو باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آزمائش کے لئے واجب کی تھیں ان میں مفسرین کے چند قول ہیں قتادہ کا قول ہے کہ وہ مناسکِ حج ہیں مجاہد نے کہا اس سے وہ دس چیزیں مراد ہیں جو اگلی آیات میں مذکور ہیں حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ وہ دس چیزیں یہ ہیں۔

(۱) مونچھیں کتروانا۔(۲) کلی کرنا (۳) ناک میں صفائی کے لئے پانی استعمال کرنا (۴) مسواک کرنا (۵) سر میں مانگ نکالنا (۶) ناخن ترشوانا (۷) بغل کے بال دور کرنا (۸) موئے زیر ناف کی صفائی (۹) ختنہ (۱۰) پانی سے استنجا کرنا۔یہ سب چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واجب تھیں اور ہم پر ان میں سے بعض واجب ہیں بعض سنت ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰٓى
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝
اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے رجوع کا مرکز اور جائے امان بنا دیا،اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے
کی جگہ کو مقام نماز بنالو،اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں
اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔

مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا بیان

"وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ" اَلْكَعْبَةَ "مَثَابَةً لِّلنَّاسِ" مَرْجِعًا يَثُوْبُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ "وَاَمْنًا" مَاْمَنًا لَّهُمْ مِنَ الظُّلْمِ وَالْاِغَارَاتِ الْوَاقِعَةِ فِيْ غَيْرِهٖ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى قَاتِلَ اَبِيْهِ فِيْهِ فَلَا يُهَيِّجُهُ "وَاتَّخِذُوْا" اَيُّهَا النَّاسُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْخَاءِ خَبَرٌ "مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ" هُوَ الْحَجَرُ الَّذِيْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ "مُصَلًّى" مَكَانَ صَلَاةٍ بِاَنْ تُصَلُّوْا خَلْفَهُ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ "وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ" اَمَرْنَاهُمَا "اَنْ" اَيْ بِاَنْ "طَهِّرَا بَيْتِيَ" مِنَ الْاَوْثَانِ "لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ" اَلْمُقِيْمِيْنَ فِيْهِ "وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ اَلْمُصَلِّيْنَ،

اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر یعنی کعبہ کو لوگوں کے لئے رجوع کا مرکز یعنی جو ہر طرف سے اس کی جانب لوٹ کر

آئیں گے اور جائے امان بنادیا، یعنی ظلم وغارت گری کے واقعات سے مامون بنادیا ہے۔ کسی شخص کو کعبہ میں باپ کا قاتل بھی ملتا تو اس کو باپ کے قاتل پر برانگیختہ ہونا نہ آتا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقام نماز بنا لو، اور ایک قرأت میں خاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور''' خبر ہے۔ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ مصلی یعنی نماز کی جگہ یعنی اس کے پیچھے دو رکعت طواف کی پڑھو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید فرمائی یعنی ان کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔ یعنی بتوں سے پاک کریں، رکع یہ راکع کی جمع ہے اور نماز کا سجدہ ہے۔

مثابہ کے لغوی معنی کا بیان

مثابۃ "یعنی ایسی جگہ جہاں لوگ مسلسل پے درپے رجوع کریں (لسان العرب)" امن "مصدر ہے اور آیہ مبارکہ میں اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی "آمنا، جوامنیت رکھتا ہو" اسم فاعل کی بجائے مصدر لانا تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پس "امنا" وہ مقام جو امن وامان سے بالکل پر ہو۔ خانہ خدا میں سب کو حتی جانداروں کو بھی مکمل امن وامان میں ہونا چاہیئے اور ان کو ہر طرح کی آزار و اذیت سے محفوظ ہونا چاہیئے۔

لفظ "مثابۃ" کے ساتھ "الناس" کی قید لگانا اور "امنا" کو بغیر قید کے بیان کرنا اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ مکہ میں ہر ذی روح، انسان ہو یا غیر انسان سب کے امن وامان کی ضمانت فراہم کی جائے۔

جملہ "اتخذوا، انشائیہ اور حکمی ہے اور ہوسکتا ہے کہ قرینہ ہو اس امر پر کہ "جعلنا البیت، بھی انشائی اور حکمی معنی رکھتا ہو یعنی "جعل" سے مراد قانون کی تشریع ہو بنابریں جملے کا مفہوم یوں بنتا ہے لوگوں کو چاہیئے کہ خانہ خدا کی طرف آئیں اور جس طرح حق ہے اس طرح اس کے امن وامان کا خیال رکھیں۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۵ کے سبب نزول کا تفسیری بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرلیا تو حضرت عمر نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر آیت نازل ہوئی ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی ہی دیر گزری تھی جو حکم نازل ہوا ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہی صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنالیتے تو حکم آیت (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى) (البقرۃ:125) نازل ہوا۔ (صحیح بخاری)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! اسے امن والا شہر بنادے اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نواز (یعنی) ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، فرمایا: اور جو کوئی کفر کرے گا اس کو بھی زندگی کی تھوڑی مدت فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کردوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

حرم کعبہ دعائے ابراہیم علیہ السلام کا صدقہ ہے

"وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا" الْمَكَان "بَلَدًا اٰمِنًا" ذَا اَمْن وَقَدْ اَجَابَ اللّٰه دُعَاءَهُ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَّا يُسْفَكُ فِيْهِ دَم اِنْسَان وَلَا يُظْلَم فِيْهِ اَحَد وَلَا يُصَاد صَيْده وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ "وَارْزُقْ اَهْله مِنَ الثَّمَرَات" وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِف مِنَ الشَّام اِلَيْهِ وَكَانَ اَقْفَر لَا زَرْع فِيْهِ وَلَا مَاء "مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْم الْاٰخِر" بَدَل مِنْ اَهْله وَخَصَّهُمْ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ مُوَافَقَة لِقَوْلِهٖ لَا يَنَال عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ "قَالَ" تَعَالٰى "وَ" اَرْزُق "مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعهُ" بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيف فِي الدُّنْيَا بِالرِّزْقِ "قَلِيْلًا" مُدَّة حَيَاته "ثُمَّ اَضْطَرّهُ" اُلْجِئهُ فِي الْاٰخِرَة "اِلٰى عَذَاب النَّار" فَلَا يَجِد عَنْهَا مَحِيْصًا "وَبِئْسَ الْمَصِير" الْمَرْجِع هِيَ،

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اسے امن والا شہر یعنی جگہ بنادے یعنی اللہ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور اس کو حرم بنادیا۔ جس میں کسی انسان کا نہ خون بہادیا جاتا ہے اور کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ کوئی شکار کیا جاتا ہے اور نہ کسی کانٹے کا اکھاڑا جاتا ہے۔ اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نواز۔ لہٰذا طائف کی زمین کو بدل کر شام کی طرح بنادیا حالانکہ وہ بنجر بغیر پانی کے زمین تھی۔ ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، اور من آمن یہ اہلہ سے بدل ہے۔ اور ان کو دعا کیلئے خاص اس لئے کیا ہے کہ وہی قول "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ" کے مطابق ہیں۔ فرمایا، اور جو کوئی کفر کرے گا اس کو بھی زندگی کی تھوڑی مدت فائدہ پہنچاؤں گا، یہاں امتع جو یہ شد و تخفیف دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ دنیا میں رزق تھوڑا یعنی جس کی مدت حیات کم ہوگی۔ پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کردوں گا یعنی جب وہ آخرت میں آئے گا تو وہ اس سے نجات نہ پاسکیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ظاہراً "ہٰذا" کا مشارالیہ کعبہ کے اطراف کی زمینیں ہیں بنابریں جملہ "اجعل" میں دو دو احتمال موجود ہیں۔ (۱) کعبہ کے

اطراف کی زمینیں ایک شہر ہو جائیں (۲) اس شہر میں مکمل امن وامان ہو، قابل توجہ ہے کہ "بلد" کا معنی ایسی سرزمین ہے جسکی حدود وغیرہ مشخص ہوں یا اسکا معنی شہر بھی ہے۔ مذکورہ بالا مطلب دوسرے احتمال کی بنا پر ہے۔ بارگاہ رب العزت میں التجا کرنا، دعا اور حاجات طلب کرنے کے آداب میں سے ہے۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کا انبیاء کی دعا سے حرم بننے کا بیان

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ تیرا رسول ہیں انہوں نے مجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لیے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے کی تھی آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابوطلحہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لیے آؤ ابوطلحہ مجھے لے کر حاضر ہوئے میں اب سفر وحضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپ باہر سے آرہے تھے جب احد پہاڑ پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ میں اس کے دونوں کنارے کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے اور روایت میں ہے یا اللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت وعزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت وعزت والا ہی رہے گا اس میں جنگ وقتال کسی کو حلال نہیں میرے لئے بھی آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لیے حلال تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کا شکار نہ بھگایا جائے اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے جو پہنچوائی جائے اس کے لیے اٹھانا جائز ہے اسکی گھاس نہ کاٹی جائے۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپ نے اثنائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباس کے سوال پر آپ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدوی نے عمر بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھا آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو رب ذوالجلال نے حرام کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا، کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی ایسی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچادے لیکن عمر نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا۔ (بخاری مسلم)

ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہ سمجھے تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کی جس طرح آنحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیم نے آپ کی نبوت کی دعا کی کہ آیت (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ) 2۔البقرۃ:129) ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ نے فرمایا میرے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ بن مریم کی بشارت اور میری ماہ کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کرتے تھے کہ) اے پروردگار، ہم سے
یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی تعمیر کعبہ کا بیان

"وَ" "اُذْكُرْ" "اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ" "الْاُسُس اَوِ الْجُدُر" "مِنَ الْبَيْتِ" "يَبْنِيْهِ مُتَعَلِّق بِيَرْفَعُ" "وَاِسْمَاعِيْل" "عُطِفَ عَلٰى اِبْرَاهِيْم يَقُوْلَانِ" "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا" "بِنَاءَ نَا" "اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ" "لِلْقَوْلِ" "الْعَلِيْم" "بِالْفِعْلِ،

اور یاد کریں جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے یعنی بنیاد یا دیوار کو بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے یہ یرفع کے متعلق ہے اور اسماعیل کا عطف ابراہیم پر ہے کہ وہ دونوں دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار، ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا ہے قول کو، جاننے والا فعل کو ہے۔

قواعد جمع ہے قاعدہ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والوں کو بنائے ابراہیمی کی

خبر دو، ایک قرأت میں واسمعیل کے بعد و یقولان بھی ہے اسی دلالت میں آگے لفظ مسلمین بھی ہے دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں حضرت وہیب بن ورد جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو بہت روتے اور فرماتے آہ! خلیل الرحمٰن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر اللہ کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اس کا گھر اس کے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خوف ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے آیت (وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ) 23۔المومنون:60) وہ نیک کام کرتے ہیں صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف اللہ سے کانپتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ قبول نہ ہوں حضرت ابراہیم اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسماعیل کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔

صحیح بخاری شریف کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں ابن عباس فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسمٰعیل کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے انہوں نے باندھا تھا کہ حضرت مائی سارہ کو ان کا نقش قدم نہ ملے انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جبکہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○
اے رب ہمارے! اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار اور ہمیں ہماری
عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بیشک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

امت مسلمہ کیلئے دعائے ابراہیمی کا بیان

"رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ" مُنْقَادَيْنِ "وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا" اجْعَلْ اَوْلَادَنَا "اُمَّةً" جَمَاعَةً "مُسْلِمَةً لَكَ" وَمِنْ لِلتَّبْعِيضِ وَاَتَى بِهِ لِتَقَدُّمِ قَوْله لَا يَنَال عَهْدِي الظَّالِمِينَ "وَاَرِنَا" عَلِّمْنَا "مَنَاسِكَنَا" شَرَائِع عِبَادَتنَا اَوْ حَجّنَا "وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّك اَنْتَ التَّوَّاب الرَّحِيْم" سَاَلَاهُ التَّوْبَة مَعَ عِصْمَتهمَا تَوَاضُعًا وَتَعْلِيمًا لِذُرِّيَّتِهِمَا،

اے رب ہمارے! اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا یعنی فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار ہو۔ من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے قول "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ" آیا ہے اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے یعنی عبادت کے طریقے یا حج کے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بیشک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ان دونوں کا توبہ کا سوال کرنا باوجود عصمت کے یہ بہ طور تواضع تھا۔ اور اپنی اولاد کیلئے

بہ طور تعلیم تھا،

مکہ مکرمہ کے تاریخی پس منظر کا بیان

اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا اور سنسان بیابان تھا کوئی اپنے سہنے والا وہاں نہ تھا یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے جب خلیل اللہ نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی حاجرہ نے آواز دی اے خلیل اللہ ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں یکہ وتنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مونس و ہمدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی، منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا حضرت ہاجرہ کے بار بار کہنے پر بھی آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو کہا: اے خلیل اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے یہ سن کر ام اسمٰعیل کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں پھر تشریف لے جایئے وہ اللہ جل شانہٗ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔

حضرت ابراہیم جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا آیت رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ 14۔ ابراہیم:37 الہ العالمین میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکرگزاری کریں آپ نے یہ دعا کر کے حکم اللہ بجالا کر اپنی اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر کے چلے گئے ادھر حضرت ہاجرہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے نہ پانی کا گھونٹ خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کمھلانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا مامتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے معلوم ہے کہ کسی انسان کا گزر اس بھیانک جنگل میں نہیں، میلوں تک آبادی کا نام ونشان نہیں کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظر دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صفا مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی سے ساتویں مرتبہ جب حضرت

ہاجرہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرائیل کو پاتی ہیں حضرت جبرائیل پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں میں ہاجرہ ہوں میں حضرت ابراہیم کے لڑکے کی ماں ہوں فرشتہ پوچھتا ہے ابراہیم تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔

حضرت ہاجرہ نے فرمایا اے غیبی شخص آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین رگڑی وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھ سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا مشک بھر کر پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زم زم کنوئیں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا اب حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بےفکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہ اب یہیں رہ پڑیں زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گزر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ خدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لیے بھیجے انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسمٰعیل سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں پانی کی جگہ ہے آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہاجرہ تو چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا حضرت اسمٰعیل بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی محبت ہو گئی یہاں تک کہ آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی مائی ہاجرہ علیہا السلام کا انتقام یہیں ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لیے تشریف لائے بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے یہاں آئے تو حضرت اسمٰعیل گھر پر نہ ملے اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کیا برا حال ہے بڑی تنگی اور سختی ہے فرمایا اچھا تمہارے خاوند آویں تو انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ حضرت ذبیح اللہ جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا پوچھنے لگا کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گزران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے کہ وہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا اور کہہ

دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں آپ فرمانے لگے بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ چونکہ تم نے ناشکری کی میں تم کو الگ کردوں جاؤمیں نے تمہیں طلاق دی انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم باجازت الٰہی یہاں آئے اب کی مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں آپ آیئے، تشریف رکھئے جو کچھ حاضر ہے تناول فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گزر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا الحمد للہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل رب کعبہ کشادگی اور راحت ہے اللہ کا بڑا شکر ہے حضرت ابراہیم نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کے لیے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزر کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں بعد ازاں حضرت اسمٰعیل آئے سارا واقعہ معلوم ہوا آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں تم شکر گزار رہو۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝
اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں
کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک صاف کر دے، بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کیلئے دعائے ابراہیم کا بیان

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ" اَیْ اَهْلِ الْبَيْتِ "رَسُوْلًا مِّنْهُمْ" مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ" الْقُرْاٰن "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" الْقُرْاٰن "وَالْحِكْمَةَ" اَیْ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَام "وَيُزَكِّيْهِمْ" يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْك "اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ" الْغَالِب "الْحَكِيْمُ" فِیْ صُنْعِه،

اے ہمارے رب! ان میں انہی یعنی گھر والوں میں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دعا کو محمد ﷺ کے ساتھ قبول کر لیا۔ جو ان پر تیری آیتیں یعنی قرآن تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی جس اس میں احکام ہیں ان کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک صاف کر دے، یعنی شرک سے پاک کر دے۔ بیشک تو ہی غالب، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے شرف وعزت کا بیان

حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل کی ذریت میں یہ دعا سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی یعنی کعبہ معظمہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے اور توبہ واستغفار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم واسمٰعیل نے یہ دعا کی کہ یارب اپنے محبوب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری نسل میں ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت کر یہ دعا قبول ہوئی اور ان دونوں صاحبوں کی نسل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا اولاد حضرت ابراہیم میں باقی انبیاء حضرت اسحٰق کی نسل سے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل نبوت محمدی ﷺ کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا میلاد شریف خود بیان فرمایا امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا بحالیکہ حضرت آدم کے پتلہ کا خمیر ہو رہا تھا میں تمہیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں میں دعائے ابراہیم ہوں 'بشارت عیسیٰ ہوں' اپنی والدہ کی اس خواب کی تعبیر ہوں جوانہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھی اور ان کے لئے ایک نور ساطع ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے ایوان وقصور ان کے لئے روشن ہو گئے اس حدیث میں دعائے ابراہیم سے یہی دعا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ (جمل وخازن)

نور مصطفیٰ ﷺ کے ظہور کے بعض واقعات کا بیان

مسند احمد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں اللہ جل شانہ کے نزدیک آخری نبی اس وقت سے ہوں جبکہ آدم ابھی مٹی کی صورت میں تھے" "میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا، جس سے شام کے محل چمکا دئے۔" مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئی۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے ہیں کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہوگا بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے، اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری مسلم میں ہے "میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آجائے" صحیح بخاری میں کہ "وہ شام میں ہوں گے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ
وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○
اورابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے اور بیشک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا
اور بیشک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔

دین ابراہیمی سے بے وقوف ہی اعراض کرنے والے ہوں گے

"وَمَنْ" اَیْ لَا "یَرْغَب عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِیْم" فَیَتْرُکُهَا "اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَه" جَهِلَ اَنَّهَا مَخْلُوقَة لِلّٰهِ یَجِب عَلَیْهَا عِبَادَته اَوْ اسْتَخَفَّ بِهَا وَامْتَهَنَهَا "وَلَقَدْ اصْطَفَیْنَاهُ" اخْتَرْنَاهُ "فِی الدُّنْیَا" بِالرِّسَالَةِ وَالْخُلَّة "وَاِنَّهُ فِی الْاٰخِرَة لَمِنَ الصَّالِحِیْنَ" الَّذِیْنَ لَهُمْ الدَّرَجَات الْعُلٰی،

اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے یعنی بیوقوف کے سوا کوئی نہ اس دین کو چھوڑے گا۔ اور جو اللہ کی مخلوق سے جاہل ہے اور اللہ کی عبادت سے جاہل ہے یا اس کو حقیر جانتا ہے اور اس نے اپنے آپ کو ذلیل کر رکھا ہے اور بیشک ضرور ہم نے دنیا میں رسالت اور دوستی کیلئے اسے چن لیا اور بیشک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔ یعنی ان کیلئے بلند درجے ہوں گے۔

فقط احمق، سفیہ اور بے وقوف لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکتب سے منحرف ہوئے ہیں اور قبول نہیں کرتے "رغبة" کا لفظ جب اپنے مشتقات کے ہمراہ حرف "عن" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو انحراف اور روگردانی کا معنی دیتا ہے۔ "من یرغب" میں "من" اسم استفہام ہے جو یہاں استفہام انکاری کے طور پر آیا ہے۔

"سفہ" کا مفعول "نفسہ" ہے پس "من سفه نفسه" یعنی وہ شخص جس نے خود کو حماقت و بیوقوفی میں مبتلا کیا ہے البتہ مذکورہ مطلب میں اس کے لئے "عقل کو فریب دینے" کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۳۰ کے شان نزول کا تفسیری بیان

علماء یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام لانے کے بعد اپنے دو بھتیجوں مہاجر و سلمہ کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی پیدا کروں گا جن کا نام احمد ہوگا جو ان پر ایمان لائے گا راہ یاب ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا ملعون ہے، یہ سن کر سلمہ ایمان لے آئے اور مہاجر نے اسلام سے انکار کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ظاہر کر دیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اس رسول معظم کے معبوث ہونے کی دعا فرمائی تو جو اُن کے دین سے پھرے وہ حضرت ابراہیم کے دین سے پھرا اس میں یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب پر تعریض ہے جو اپنے آپ کو افتخاراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے جب ان کے دین سے پھر گئے تو شرافت کہاں رہی۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

بارگاہ الوہیت میں جھکنے کا بیان

وَاذْكُرْ "اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ" انْقَدْ لِلّٰهِ وَاَخْلِصْ لَهٗ دِيْنَكَ "قال اسلمت لرب العالمين"

اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: میرے سامنے گردن جھکا دو، یعنی دین کیلئے مخلص ہو جاؤ تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

دین کے ساتھ مخلص ہونے کا مفہوم

اخلاص کے لغوی معنی پاک صاف ہونے اور خالص ہونے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی اخلاص کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الاخلاص التَبَرِّی عَن کُلِّ ماذُون الله تعالی.

اخلاص یہ ہے کہ ہر ما سوا اللہ سے دل کو پاک کر لیا جائے۔ (امام راغب اصفہانی، المفردات القرآن، 155)

اخلاص کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے اس کا دل اس عبادت اور عمل میں صرف اور صرف اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کرنے اور اپنی بندگی کو دنیا کے مفاد حتیٰ کہ اپنے ہر عمل و عبادت کو اپنی حرکات و سکنات کو بلکہ اپنی زندگی کی ساری جہتوں کو ہر طرف سے ہٹا کر صرف اللہ کی رضا میں خود کو گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے۔

خلوص دل سے کلمہ شہادت پڑھنے والے کیلئے شفاعت ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت کا حقدار خوش نصیب ترین شخص وہ ہے جو خلوص دل خلوص نفس کے ساتھ یہ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (البخاری بشرحہ الفتح: 1/193 ح 99)

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے آدمی کا جہنم میں جلنا حرام کر دیا ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہو اور اس بات سے اللہ کی خوشنودی کا طالب ہو۔ (مسلم: 1/456 ح 263)

امام نسائی دو صحابیوں سے مروی حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو آدمی دل کے پورے خلوص اور زبان کی سچائی کے ساتھ یہ کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ تنہا اور لاشریک ہے، بادشاہی اسی کی ہے حمد و ثنا صرف اسی کا حق ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے تو ان کلمات کیلئے اللہ تعالیٰ آسمان کے پٹ کھول دیتا ہے یہاں تک کہ زمین میں ان کلمات کے کہنے والے پر نگاہ فرماتا ہے اور بس جس بندہ پر اللہ تعالیٰ نگاہ فرمالے اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ جو مانگے سو دیا جائے۔ (النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ برقم: (28)

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ
فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ
اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی۔ اے میرے لڑکو! بیشک اللہ
نے تمہارے لئے دین (اسلام) پسند فرمایا ہے سو تمہارا مرنا بھی حالت اسلام میں ہو۔

حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے دین اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی

"وَوَصّٰى" وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ اَوْصٰى "بِهَا" بِالْمِلَّةِ "اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ" بَنِيْهِ قَالَ : "يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ" دِيْنَ الْاِسْلَامِ "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" نَهٰى عَنْ تَرْكِ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ بِالثَّبَاتِ عَلَيْهِ اِلٰى مُصَادَفَةِ الْمَوْتِ،

ووصی اور ایک قرأت میں اوصی ہے بھا یعنی ملت کے ساتھ اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی۔ اے میرے لڑکو! بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا ہے۔ سو تمہارا مرنا بھی حالت اسلام میں ہو۔ یعنی اسلام کو چھوڑنے سے منع کیا اور موت کے آنے تک اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا۔

فلا تموتن میں "فاء" سببیہ ہے یعنی اس کے مابعد جو کچھ واقع ہوا ہے وہ ماقبل جملے کے مضمون کا نتیجہ ہے پس جملے کا یہ معنی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے دین ابراہیمی (اللہ جل جلالہ کے حضور سر تسلیم خم ہونا) کو تمہارے لئے انتخاب فرمایا ہے پس ہمیشہ اسی کے ساتھ وابستہ رہنا ضروری ہے۔

دین اسلام کو منتخب کر لینے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے"۔ یہ الفاظ صحیح البخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ایک آدمی نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر ۵)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی اسلام پر قابل رشک شہادت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کی ایک جماعت پر عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت انصاری کو سردار بنا کر جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ جب یہ لوگ ہدہ میں پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان میں ہے تو قبیلہ لحیان جو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے اسے کسی نے ان کے آنے کی خبر کر دی۔ انہوں نے سو تیر

اندازوں کو ان کے تعاقب میں پتہ لگانے کے لئے روانہ کر دیا۔ ایک جگہ جہاں اس جماعت نے قیام کیا تھا اور مدینہ کی کھجوریں کھائیں تھیں ان کی گٹھلیوں کو دیکھ کر ان تیر اندازوں نے سمجھ لیا اور پھر پیروں کے نشان سے پتہ لگانے لگے۔ جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے دیکھا کہ یہ قریب آ گئے ہیں تو ایک پہاڑی پر پناہ لی تیر اندازوں نے پہاڑی کو گھیر لیا اور کہا کہ تم سے ہم وعدہ کرتے ہیں اگر تم نے خود کو ہمارے حوالے کر دیا تو کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا کہ میں تو کافر کی پناہ پسند نہیں کرتا ہوں پھر کہا: اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دے! بنی لحیان نے ان پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ آخر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے سات ساتھی شہید ہو گئے اور خبیب رضی اللہ عنہ زید بن وثنہ اور عبداللہ بن طارق نے مجبور ہو کر خود کو کافروں کے حوالہ کر دیا۔ کافروں نے کمان کی تانت نکال کر ان کی مشکیں کسیں تو عبداللہ بن طارق نے کہا یہ پہلا دغا ہے خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ میں تو اپنے ساتھیوں ہی میں جانا پسند کرتا ہوں کافروں نے بہت کھینچا کہ کسی طرح مکہ لے جائیں مگر وہ نہیں گئے آخر خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لے گئے اور مکہ جا کر بیچ ڈالا۔ چونکہ یہ واقعہ بدر کے بعد ہوا تھا اس لئے خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ خبیب رضی اللہ عنہ نے بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بہت دن قید رہے جب انہوں نے قتل کی ٹھان لی تو ایک دن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کی بیٹی سے استرہ مانگا اس نے دے دیا۔ اتفاق سے اسی وقت اس کا بچہ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی ران پر بٹھا لیا عورت نے دیکھا کہ بچہ خبیب رضی اللہ عنہ کی ران پر بیٹھا ہے اور استرہ خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے تو وہ سخت پریشان ہوگئی اور خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کی پریشانی پہچان لی اور کہا کیا تو اس وجہ سے خوف کھا رہی ہے کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے کوئی قیدی خبیب رضی اللہ عنہ سے زیادہ نیک نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم میں نے ایک دن دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ انگور کا خوشہ لئے ہوئے کھا رہا ہے حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا اور پھر اس زمانہ میں کوئی میوہ مکہ میں نہیں تھا۔ عورت کا بیان ہے کہ یہ میوہ اللہ تعالیٰ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ غرض جب حارث کے بیٹے خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم مکہ کی حد سے باہر لے گئے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا مجھے دو نفل پڑھ لینے دو! چنانچہ اجازت کے بعد دو رکعت پڑھیں پھر کہا! بخدا اگر یہ خیال نہ کرو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں تو اور نماز پڑھتا! اس کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی یا اللہ! ان کو تباہ کر دے اور کسی ایک کو زندہ مت چھوڑ پھر یہ اشعار پڑھے جب میں اسلام پر مر رہا ہوں تو کوئی ڈر نہیں ہے کسی بھی کروٹ پر گروں میرا مرنا خدا کی محبت میں ہے اگر وہ چاہے تو ہر ٹکڑے اور جسم کے اعضاء کے بدلہ میں بہترین ثواب عطا فرمائے اور برکت دے اس کے بعد حارث کے بیٹے ابو سروعہ عقبہ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ یہ سنت خبیب رضی اللہ عنہ سے نکلی کہ جب کوئی مسلمان بے بس ہو کر مارا جانے لگے تو دو رکعت نماز پڑھ لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر اسی دن دے دی جس دن وہ شہید ہوئے قریش نے عاصم رضی اللہ عنہ کے مرنے کی خبر سنکر کچھ لوگ بھیجے تا کہ وہ عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش سے کوئی

حصہ کاٹ کر لائیں تا کہ ہم پہچانیں۔ کیونکہ عاصم رضی اللہ عنہ نے کافروں کے ایک بڑے آدمی کو قتل کیا تھا۔ اللہ نے بے شمار بھڑوں کو ان کی لاش پر بھیج دیا تا کہ قریش کے آدمی لاش کے قریب نہ آنے پائیں اور کچھ کاٹنے نہ پائیں کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ مرارہ بن ربیع عمری اور بلال بن امیہ واقفی دو نیک آدمی تھے جو بدر میں شریک تھے (مگر تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے)۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1187)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا
نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ٥
بلکہ تم خود موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد کس کی پوجا کرو گے بولے ہم پوجیں گے
اسے جو معبود ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراھیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کا ایک معبود اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور یہودیت کا بیان

وَلَمَّا قَالَ الْيَهُوْدُ لِلنَّبِيِّ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ يَعْقُوْبَ يَوْمَ مَاتَ اَوْصٰى بَنِيْهِ بِالْيَهُوْدِيَّةِ نَزَلَ "اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ" حُضُوْرًا "اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ" بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ "قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ" بَعْدَ مَوْتِيْ "قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ" عَدَّ اِسْمَاعِيْلَ مِنَ الْاٰبَاءِ تَغْلِيْبٌ وَلِاَنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ "اِلٰهًا وَّاحِدًا" بَدَلٌ مِنْ اِلٰهَكَ "وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ" وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اَيْ لَمْ تَحْضُرُوْهُ وَقْتَ مَوْتِهِ فَكَيْفَ تَنْسُبُوْنَ اِلَيْهِ مَا لَا يَلِيْقُ بِهِ،

اور جب یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوم وصال کو اپنے بیٹوں کو یہودیت کی وصیت کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ بلکہ تم خود موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی، یہ اذ سابقہ اذ سے بدل ہے۔ جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد کس کی پوجا کرو گے بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراھیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کا، اسماعیل علیہ السلام کو اب سے شمار کیا یہ تغلیبی طور پر ہے۔ کیونکہ چچا بھی باپ کے درجے میں ہوتا ہے۔ ایک خدا، واحد یہ الھک سے بدل ہے اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں۔ اور "ام" ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے یعنی کیا تم ان کے وصال کے وقت حاضر نہ تھے۔ تم کس طرح ان کی طرف وہ چیز منسوب کرتے ہو جو ان سے ملی ہوئی نہیں ہے۔

ام منقطعہ میں استفہام انکاری کے مفہوم کا بیان

ام "منقطعہ" ہے جس میں استفہام انکاری کا معنی پایا جاتا ہے۔ شہداء شہید کی جمع ہے اور اس کا معنی حاضرین بنتا ہے یہ یہودیوں کو خطاب ہے۔

پس "ام كـنـتـم شـهـداء، یعنی تم یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی رحلت کے وقت موجود نہ تھے (پس تم کیسے یہ دعوی کرتے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو دین یہودیت پر باقی رہنے کی وصیت اور تاکید کی؟

آیت نمبر ۱۳۳ کے شان نزول کا تفسیری بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے روز اپنی اولاد کو یہودی رہنے کی وصیت کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر خازن، سورت بقرہ، ۱۳۳)

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥
وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے
اور تم سے ان کے اعمال کی باز پُرس نہ کی جائے گی۔

اپنے اعمال کا خود حساب دہ ہونے کا بیان

"تِلْكَ" مُبْتَدَأ وَالْإِشَارَةَ إِلَى اِبْرَاهِيم وَيَعْقُوب وَبَنِيهِمَا وَاَنَّثَ لِتَانِيثِ خَبَرِه "اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ" سَلَفَتْ "لَهَا مَا كَسَبَتْ" مِنَ الْعَمَل اَیْ جَزَاؤُهُ اسْتِئْنَاف "وَلَكُمْ" الْخِطَاب لِلْيَهُوْدِ "مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْاَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" كَمَا لَا يُسْاَلُوْنَ عَنْ عَمَلِكُمْ وَالْجُمْلَة تَاكِيد لِمَا قَبْلَهَا،

تلک یہ مبتداء ہے اور اس کا اشارہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام اور ان کی اولاد ہے۔ اور تلک کو مؤنث اس لئے لائے ہیں کہ ان کی خبر مؤنث ہے۔ وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی کچھ ہوگا۔ عمل سے یعنی ان کے عمل کی جزاء۔ یہ جملہ نیا جملہ ہے اور لکم میں یہود سے خطاب ہے۔ جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کی باز پُرس نہ کی جائے گی۔ جس طرح ان سے تمہارے عمل کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ اور یہ جملہ ماقبل کی تاکید کیلئے آیا ہے

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تلک" کا مشار الیہ ماقبل آیہ مقدسہ میں مذکور انبیاء کرام اور ان کے فرزند ہیں۔ مذکر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "تلک" کا استعمال خبر (امۃ) کی وجہ سے ہے۔ "خلت" کا مصدر "خلو" ہے اسکا ایک معنی گزرنا ہے اور یہاں موت سے کنایہ ہے انبیاء علیہم السلام کی دنیا سے رحلت فقط ایک خبر ہی نہیں کیونکہ سب انسان اس سے آگاہ ہیں بلکہ یہاں مخاطبین کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلانا مقصود ہے کہ اگر موت انبیاء کرام کی طرف آئی ہے تو تمہارا پیچھا بھی ضرور کرے گی۔ اس سے غافل نہ رہو۔

"ما کسبت" پر "لھا" کو مقدم کرنا حصر کا باعث ہے بنابریں "لھا ما کسبت" یعنی ان کے اعمال کی جزا اور فائدہ صرف

انہی کو لوٹ کر جائے گا۔

انسانی انجام کا نیک یا برے عمل پر ہونے کا بیان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ ایک مسلمان نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں بڑی بہادری دکھائی، صحابہ کرام کو اسکا کارنامہ بڑا اچھا لگا اور کہہ پڑے کہ آج فلاں کی طرح ہم میں سے کسی نے دلیری نہیں دکھائی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن سن لو! وہ جہنمی ہے، تو بعض صحابہ نے کہا: اگر وہ جہنمی ہے تو ہم میں سے جنتی کون ہے؟ قوم میں سے ایک آدمی نے کہا: میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتا ہے، چنانچہ یہ صحابی اس کے پیچھے نکلے، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آدمی شدید زخمی ہوا اور مرنے کی جلدی کی، چنانچہ اس نے اپنی تلوار زمین پر رکھی اور اسکی دھار اپنے سینہ پر رکھا، پھر اپنا پورا بوجھ اس پر ڈال کر اپنے آپ کو قتل کر ڈالا، یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا؟ کہا کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے ابھی ابھی جہنمی فرمایا تھا اور لوگوں پر یہ بات گراں گزری تو میں نے کہا کہ میں تم لوگوں کو اسکی اطلاع دوں گا، چنانچہ میں اسکی تلاش میں نکلا، دیکھا وہ سخت زخمی تھا تو اس نے مرنے میں جلدی کی، تلوار کے دستہ کو زمین پر رکھا اور اسکی دھار کو اپنے دونوں چھاتیوں کے درمیان، پھر اس پر اپنا پورا بوجھ ڈال کر اپنے آپ کو قتل کر ڈالا، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی لوگوں کی نگاہ میں جنتیوں والا کام کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے، اور ایک شخص لوگوں کی نگاہ میں جہنمیوں والا کام کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے" اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے: "اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۳، حدیث ۱۴۲۳ و صحیح مسلم)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اور کتابی بولے! یہودی یا نصرانی ہو جاؤ راہ پاؤ گے تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

ملت ابراہیمی کے دین حنیف ہونے کا بیان

"وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا" اَوْ لِلتَّفْصِيْلِ وَقَائِلُ الْاَوَّلِ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِيْ نَصَارٰى نَجْرَان "قُلْ" لَهُمْ "بَلْ" نَتَّبِعُ "مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا" حَالٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ "وما كان من المشركين"

اور کتابی بولے! یہودی یا نصرانی ہو جاؤ راہ پاؤ گے۔ یہاں ''او'' تفصیل کیلئے آیا ہے پہلے قول کے قائل یہود مدینہ ہیں اور دوسرے قول کے قائم نصاریٰ نجران ہیں۔ تم ان سے فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے، حنیفا یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی تمام ادیان کو چھوڑ کر دین قیم کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔ اور مشرکوں سے نہ تھے۔

'حنیف" اس کو کہتے ہیں جو ضلالت و گمراہی سے دور رہے اور صراط مستقیم کی طرف متوجہ رہے (مفردات راغب)

سورہ بقرہ آیت ۱۳۵ کے شان نزول کا تفسیری بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت رؤساء یہود اور نجران کے نصرانیوں کے جواب میں نازل ہوئی یہودیوں نے تو مسلمانوں سے یہ کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں اور توریت تمام کتابوں سے افضل ہے اور یہودی دین تمام ادیان سے اعلیٰ ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے حضرت سید کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انجیل شریف و قرآن شریف کے ساتھ کفر کر کے مسلمانوں سے کہا تھا کہ یہودی بن جاؤ اسی طرح نصرانیوں نے بھی اپنے ہی دین کو حق بتا کر مسلمانوں سے نصرانی ہونے کو کہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

دین حنیف اور عمرو بن نفیل کا واقعہ

سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن عمر ہی نے بیان کیا ہوگا کہ زید بن عمرو بن نفیل دین حق کی تلاش و اتباع میں ملک شام کی طرف گئے تو ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ زید نے ان کے مذہب کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ ممکن ہے میں تمہارا دین اختیار کرلوں لہٰذا مجھے بتاؤ اس نے کہا تم اس وقت تک ہمارے دین پر نہیں ہوسکتے جب تک غضب الٰہی سے اپنا حصہ نہ لے لو۔ زید نے کہا میں غضب الٰہی سے ہی بھاگتا ہوں اور اس کے غضب کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے تو کیا تم مجھے کوئی دوسرا مذہب بتاسکتے ہو اس نے کہا میں حنیف کے سوا اور کوئی مذہب (تمہارے لئے) نہیں جانتا زید نے کہا حنیف کیا چیز؟ اس نے کہا دین ابراہیمی نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے لہٰذا زید وہاں سے نکل آئے اور ایک نصرانی عالم سے ملاقات کی اور زید نے اس سے بھی اسی طرح بیان کیا اس نے کہا کہ تم ہمارے دین پر آؤ گے۔ تو خدا کی لعنت سے اپنا حصہ تمہیں لینا پڑے گا زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگتا ہوں اور اللہ کی لعنت و غضب کو میں بالکل برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں طاقت ہے۔ کیا تم کوئی دوسرا مذہب بتاسکتے ہو؟ اس نے کہا کہ تمہارے لئے حنیف کے سوا اور کوئی مذہب نہیں جانتا انہوں نے کہا حنیف کیا چیز ہے؟ اس نے کہا دین ابراہیم علیہ السلام وہ نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے جب زید نے ان کی گفتگو حضرت ابراہیم کے بارے میں سن لی تو وہاں سے چل دیئے جب باہر آئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔ لیث نے کہا کہ مجھے ہشام نے بواسطہ اپنے والد اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا لکھا اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے اپنی پشت لگائے کھڑا ہوا دیکھا وہ کہہ رہے تھے اے جماعت قریش! میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ اور وہ موودۃ (یعنی وہ نوزائیدہ لڑکی جسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا) کو بھی بچا لیتے تھے وہ اس آدمی سے جو اپنی لڑکی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا یہ فرماتے کہ اسے قتل نہ کرو اور میں تمہارے بجائے اس کی خدمت کروں گا تو وہ اسے (پرورش کے لئے) لے جاتے جب وہ بڑی ہوجاتی تو اس کے باپ سے کہتے اگر تم چاہو تو میں یہ لڑکی تمہارے حوالہ کردوں اور تمہارے منشا ہو تو میں ہی اس کی خدمت کرتا رہوں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1031)

قُولُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

تم کہہ دو! ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور ان پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا کی گئیں اور (اسی طرح) جو دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

بعض پر ایمان اور بعض پر کفر شیوہ یہود و نصاریٰ ہے

"قُوْلُوا" خِطَاب لِلْمُؤْمِنِيْنَ "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا" مِنَ الْقُرْاٰن "وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْم" مِنَ الصُّحُف الْعَشْر "وَاِسْمَاعِيْل وَاِسْحَاق وَيَعْقُوب وَالْاَسْبَاط" اَوْلَاده فَسَّرَ الْاَسْبَاط بِاَنَّهُمْ اَبْنَاء يَعْقُوب وَلٰكِنْ اِتِّفَاق الْعُلَمَاء عَلٰى اَنَّهٗ لَا تَصِحّ النُّبُوَّة لِاُخْوَةِ يُوسُف الْعَشَرَة مَا عَدَا بِنْيَامِين وَذٰلِكَ لِفِعْلِهِمُ الْاَفَاعِيْل الَّتِي لَا تَلِيق بِمَقَامِ النُّبُوَّة وَالْمُرَاد بِالْاَسْبَاطِ هُمْ ذُرِّيَّة اِخْوَة يُوسُف "وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى" مِنَ التَّوْرَاة "وَعِيسٰى" مِنَ الْاِنْجِيل "وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبّهمْ" مِنَ الْكُتُب وَالْاٰيَات "لَا نُفَرِّق بَيْنَ اَحَد مِنْهُمْ" فَنُؤْمِن بِبَعْضٍ وَنَكْفُر بِبَعْضٍ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى "ونحن له مسلمون"

قولوا یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔ تم کہہ دو! ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتاری گئی یعنی قرآن پر اور اس پر جو ابراہیم یعنی دس صحائف اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی، یہاں اولاد کی تفسیر اسباط سے کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ لیکن علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ نبوت کا اجراء بنیامین کے سوا باقی دس بھائی جو یوسف علیہ السلام کے تھے ان میں جاری نہ ہوئی کیونکہ ان کے اعمال مقام نبوت کے شایان شان نہ تھے۔ اور اسباط سے مراد یوسف علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اور ان پر بھی جو موسیٰ یعنی تورات اور عیسیٰ یعنی انجیل علیہما السلام کو عطا کی گئیں اور اسی طرح) جو دوسرے انبیاء علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے کتابیں اور معجزے عطا کیے گئے ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے، یعنی یہود کی طرح بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں ایسا نہیں ہے۔ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ
فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝
پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں تو اے
محبوب! عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی سنتے جانتے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثل ایمان لانے کا بیان

"فَاِنْ اٰمَنُوْا " اَیِ الْیَهُوْد وَالنَّصَارٰی "بِمِثْلِ" مِثْل زَائِدَة "مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا" عَنْ الْاِیْمَان بِهٖ "فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاق" خِلَاف مَعَكُمْ "فَسَیَكْفِیكَهُمْ اللّٰه" یَا مُحَمَّد شِقَاقهمْ "وَهُوَ السَّمِیْع" لِاَقْوَالِهِمْ "الْعَلِیْم" بِاَحْوَالِهِمْ وَقَدْ كَفَاهُ اِیَّاهُمْ بِقَتْلِ قُرَیْظَة وَنَفْی النَّضِیر وَضَرْب الْجِزْیَة عَلَیْهِمْ،

پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائے یعنی یہود ونصاریٰ، بمثل میں مثل زائدہ ہے، جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں۔ یعنی تمہارے خلاف، تو اے محبوب! عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ان کے اقوال کو سننے والا، ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ یقیناً اللہ نے کفایت کی کہ قریظہ قتل ہوئے اور نضیر جلاوطن ہوئے اور ان پر جزیہ آیا۔

سورہ بقرہ آیت ۱۳۷ کے نزولی مفہوم کا بیان

یہ اللہ کی طرف سے ذمہ ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمائے گا اور اس میں غیب کی خبر ہے کہ آئندہ حاصل ہونے والی فتح وظفر کا پہلے سے اظہار فرمایا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ پورا ہوا اور یہ غیبی خبر صادق ہو کر رہی کفار کے حسد وعناد اور ان کے مکائد سے حضور کو ضرر نہ پہنچا حضور کی فتح ہوئی بنی قُرَیْظَہ قتل ہوئے بنی نُضَیر جلاوطن کئے گئے یہود ونصاریٰ پر جزیہ مقرر ہوا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورت بقرہ، ۱۳۷)

اپنے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق ورشد ہدایت ونجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لئے کافی ہو گا، وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمان کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر جا تھا آیت (فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ) 2۔ البقرۃ: 137) کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافع نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○

اللہ کے رنگ (میں رنگے گئے ہیں) اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔

اللہ کے فیصلے سے بڑھ کر کسی کا فیصلہ نہ ہونے کا بیان

"صِبْغَةَ اللّٰه" مَصْدَر مُؤَكِّد لِاٰمَنَّا وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ مُقَدَّر اَیْ صَبَغَنَا اللّٰه وَالْمُرَاد بِهَا دِيْنه الَّذِیْ فَطَرَ النَّاس عَلَيْهِ لِظُهُورِ اَثَره عَلٰى صَاحِبه كَالصَّبْغِ فِی الثَّوْب . "وَمَنْ" اَیْ لَا اَحَد "اَحْسَن مِنْ اللّٰه صِبْغَة" تَمْيِيز "وَنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ " قَالَ الْيَهُوْد لِلْمُسْلِمِينَ نَحْنُ اَهْل الْكِتَاب الْاَوَّل وَقِبْلَتنَا اَقْدَم وَلَمْ تَكُنْ الْاَنْبِيَاء مِنْ الْعَرَب وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٍ نَبِيًّا لَّكَانَ مِنَّا فَنَزَلَ،

صبغۃ اللہ یہ مصدر جوامنا کی تا کید کیلئے ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی 'صَبَغَنَا اللّٰه ' اور اس سے مراد اس کا وہ دین ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے کیونکہ اس کا اثر دیندار پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے جس طرح کپڑے میں رنگ ہوتا ہے۔اور کون یعنی کوئی ایک، اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے، صبغہ یہ تمیز ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔یعنی یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم پہلے اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبلہ بھی مقدم ہے اور عرب سے انبیاء نہیں ہوئے اور اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو وہ ہم میں سے ہوتے' تو آنے والی آیت نازل ہوئی،

صبغہ کے مصدر نوعی ہونے کا بیان

صبغۃ" مصدر نوعی ہے جسکا معنی رنگ آمیزی کرنا ہے جو آیہ مبارکہ میں فعل محذوف (صبغنا) کا مفعول مطلق ہے اس کا مصدر نوعی استعمال کرنا یہود و نصاری کی ایک رسم کی طرف اشارہ ہے جو اپنے بچوں کی تطہیر کے لئے انہیں ایک خاص قسم کا پانی "معمودیہ" کے ساتھ نہلاتے تھے۔ماقبل آیات کی روشنی میں "صبغة الله" سے مراد اللہ تعالی پر ایمان لانا ہے پس "صبغۃ اللہ" کا معنی یوں بنتا ہے اللہ تعالی نے ہمیں اپنے اوپر ایمان کے ذریعے رنگ کیا ہے (پاک وتطہیر کیا) اسطرح رنگ نہ کیا کہ جس طرح یہود و نصاری کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ بدل ہے ملۃ ابراہیم سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔سیبویہ کہتے ہیں یہ صدر موکد ہے۔امنا باللہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

"و من احسن، کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ دے سکتا ہے" (یعنی پاک کرسکتا ہے) ایمان، قرآنی معارف واحکام اور کو بیان کرنے کے بعد اس جملہ کو لانا اس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو احکام و معارف نازل فرمائے ہیں اور انسانوں کو ان کی طرف دعوت دی ہے انسانوں کی پاکیزگی اور تطہیر کے لئے یہ معارف اور احکام بہترین ہیں۔

سب رنگ اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں

ایک مرفوع حدیث ہے "بنی اسرائیل نے کہا: اے رسول اللہ کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو آواز آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔" یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے۔

جس طرح رنگ کپڑے کے ظاہر و باطن میں نفوذ کرتا ہے اس طرح دین الٰہی کے اعتقادات حقہ ہمارے رگ و پے میں سما گئے ہمارا ظاہر و باطن قلب و قالب اس کے رنگ میں رنگ گیا ہمارا رنگ ظاہری رنگ نہیں جو کچھ فائدہ نہ دے بلکہ یہ نفوس کو پاک کرتا ہے۔ ظاہر میں اس کے آثار اوضاع و افعال سے نمودار ہوتے ہیں نصاریٰ جب اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے یا ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو پانی میں زرد رنگ ڈال کر اس میں اس شخص یا بچہ کو غوطہ دیتے اور کہتے کہ اب یہ سچا نصرانی ہوا اس کا اس آیت میں رد فرمایا کہ یہ ظاہری رنگ کسی کام کا نہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْۚ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝
تم فرماؤ! اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور
تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور ہم اسی کیلئے خالص ہیں۔

اخلاص کے سبب عزت و اکرام ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "اَتُحَآجُّوْنَنَا" تُخَاصِمُوْنَنَا "فِی اللّٰهِ" اَنْ اصْطَفٰی نَبِيًّا مِنَ الْعَرَب "وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ" فَلَهٗ اَنْ يَّصْطَفِیْ مَنْ يَّشَاء "وَلَنَا اَعْمَالُنَا" نُجَازٰی بِهَا "وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ" تُجَازُوْنَ بِهَا فَلَا يَبْعُد اَنْ يَّكُوْن فِیْ اَعْمَالنَا مَا نَسْتَحِقّ بِهِ الْاِكْرَام "وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ" الدِّيْن وَالْعَمَل دُوْنكُمْ فَنَحْنُ اَوْلٰی بِالْاِصْطِفَاءِ وَالْهَمْزَة لِلْاِنْكَارِ وَالْجُمَل الثَّلَاث اَحْوَال،

تم ان سے فرماؤ! اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، یقیناً اس نے عرب نبی علیہ السلام کو چن لیا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، وہ جسے چاہتا ہے اس کو چن لیتا ہے۔ اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، یعنی ہم اس کی جزاء دیں گے۔ اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں یعنی ان کی جزاء تم کو دی جائے گی۔ اور کچھ بعید نہیں ہے کہ ہمارے اعمال میں ایسا کمال ہے جس کی وجہ سے ہم عزت والے ہیں۔ اور ہم اسی کیلئے خالص ہیں۔ یعنی دین اور عمل میں ہم افضل ہیں۔ کیونکہ ہمیں چن لیا گیا ہے۔ اور یہاں ہمزہ انکاری ہے اور یہ تینوں جملے حال ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۳۹ کے شان نزول کا تفسیری بیان

یہود نے مسلمانوں سے کہا ہم پہلی کتاب والے ہیں ہمارا قبلہ پرانا ہے ہمارا دین قدیم ہے انبیاء ہم میں سے ہوئے ہیں اگر سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ہم میں سے ہی ہوتے اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیھم السلام) اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے، فرمادیں، کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

آل ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر ہونے کا بیان

"اَمْ" بَلْ "تَقُوْلُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ "اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى قُلْ" لَهُمْ "ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ" اَىِ اللّٰهُ اَعْلَمُ وَقَدْ بَرَّاَ مِنْهُمَا اِبْرَاهِيْمَ بِقَوْلِهٖ "مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا" وَالْمَذْكُوْرُوْنَ مَعَهٗ تَبَعٌ لَهٗ "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ" اَخْفٰى عَنِ النَّاسِ "شَهَادَةً عِنْدَهٗ" كَائِنَةً "مِنَ اللّٰهِ" اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِنْهُ وَهُمُ الْيَهُوْدُ كَتَمُوْا شَهَادَةَ اللّٰهِ فِى التَّوْرَاةِ لِاِبْرَاهِيْمَ بِالْحَنِيْفِيَّةِ "وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" تَهْدِيْدٌ لَهُمْ ،

کیا یعنی بلکہ تم یہ کہتے ہو "تَقُوْلُوْنَ" تاء اور یاء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے، آپ ان سے فرمادیں، کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے یہودیت ونصرانیت دونوں سے بری ہونے کو ظاہر کردیا ہے۔ اور جن مقدس ہستیوں کو ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ ان کے تابع تھے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے یعنی لوگوں سے گواہی چھپائے، جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے، یعنی کوئی بھی اس سے بڑھ کر ظالم نہیں ہے اور وہ یہود ہیں جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دین حنیف جو تورات میں تھا اس کو چھپایا ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ یہ ان کیلئے تہدید ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا)۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔" (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 152)

پوری آیت یہ ہے آیت (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) 2۔البقرۃ: "(136

(مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ وتفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لیے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ وتفسیر کررہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو، اور ان کو جھٹلاؤ اس لیے نہیں کہ اگرچہ انہوں نے تورات میں تغیر وتبدل کررکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب ہے الٰہی ہے اور حق ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کررہے ہوں۔

اسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کا بیان

اسباط حضرت یعقوب کے بیٹوں کو کہتے ہیں، جو بارہ تھے، جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے، بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے، اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آیت (اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ) 5۔المائدہ:20) اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے آیت (وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا) 7۔الاعراف:160) ہم نے ان کے بارہ گروہ کردئے۔ سبط کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں، جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم لوط، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، محمد علیہم الصلوۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جاکر ایک ہو۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے
اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

ہر امت سے اپنے اعمال کا حساب لینے کا بیان

"تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْاَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" تَقَدَّمَ مِثْلُه،

وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ اس کی مثل تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

اصل چیز حسب ونسب وغیرہ جیسے غیر اختیاری امور نہیں، بلکہ خود اپنا ایمان وعقیدہ اور اپنا ہی عمل و کردار ہے۔ خواہ وہ جیسا بھی ہو، سو تمہارے بڑے اپنی کمائی اپنے ساتھ لے گئے۔ اور تم لوگوں کو وہی کچھ کام آسکے گا جس کی کمائی تم خود کرو گے۔ پس جس طرح بیٹا محض ماں باپ کے کھانے سے سیر نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ خود نہ کھائے۔ اور وہ ان کے پینے سے سیراب نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ خود نہ پئے۔ ایسے ہی کسی اولاد کیلئے اس کے ماں باپ کی کمائی کام نہیں آسکتی جب تک وہ خود عمل نہ کرے۔ سو محض حسب و نسب کے سہاروں پر جینے والے بڑے خسارے میں ہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان یعنی بنو ہاشم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا یا بنی ھاشم لایاتینی الناس باعمالھم وتاتونی باحسابکم (تفسیر المراغی وغیرہ) اے بنو ہاشم! کہیں ایسا نہ ہو کہ کل روز حساب میں دوسرے لوگ تو میرے پاس اپنے اعمال لے کر آئیں، اور تم لوگ محض حسب ونسب کے دعوے لے کر آؤ۔

ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے قاعدہ فقہیہ

ولا تکسب کل نفس الا علیھا ۔(الانعام ۱۶۴)

ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے جو کسب کیا چاہے اس کا تعلق بھلائی سے ہو یا برائی سے ہو اصل کے اعتبار اسکی جزاء وسزا کا وہی مستحق ہے تاہم کئی ذرائع واسباب ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے دوسرے افراد بھی جزاء وسزا پاتے ہیں۔

دوسروں کی وجہ سے سزائی اسباب کا بیان

۱۔ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔ (العنکبوت ۱۳)

۲۔ تاکہ وہ (متکبر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جہالت سے گمراہ کرتے تھے سنو؛ وہ کیسا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قابیل) کو بھی ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ ایجاد کیا۔
(صحیح بخاری رقم الحدیث ۳۳۳۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا۔ حالانکہ وہ اس وقت حاملہ تھی اور اس ضرب سے اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لحیان کی تھی رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ داروں) پر مقتولہ کی دیت لازم کی، اس اس کے پیٹ کے بچے کے تاوان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا

لازم کیا۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک آدمی یہود کی رہٹ والی زمین میں مقتول پایا گیا، انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا آپ نے یہود کے پچاس چنے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی؛ نہ میں نے اس کو قتل کیا اور نہ مجھے اس کے قتل کا علم ہے پھر ان پر دیت لازم کردی۔ یہود نے کہا بہ خدا یہ وہی فیصلہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھا۔
(سنن دارقطنی ج ۴، رقم الحدیث ۲۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کی ہدایت پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور ان اتباع کرنے والوں کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان اتباع کرنے والوں کی سزاؤں میں سے کمی نہیں ہوگی۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث ۵۰۷)

دوسروں کی وجہ سے بھلائی کے اسباب کا بیان

محمد بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر زیارت ہر جمعہ کو کرے گا اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس کے حق میں نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے بیان نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
اب کہیں گے بیوقوف لوگ، کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو، ان کے اس قبلہ سے، جس پر تھے۔ تم فرمادو کہ مشرق مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ جس کو چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

یہود و مشرکین کا مسلمانوں کے قبلہ پر اعتراض کرنے کا بیان

"سَيَقُوْلُ السُّفَهَاء" الْجُهَّال وَالْإِتْيَان بِالسِّينِ الدَّالَّة عَلَى الِاسْتِقْبَال مِنْ الْإِخْبَار بِالْغَيْبِ "مِنْ النَّاس" الْيَهُوْد وَالْمُشْرِكِيْنَ "مَا وَلَّاهُمْ" أَيّ شَيْء صَرَفَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ "عَنْ قِبْلَتهمْ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا" عَلَى اسْتِقْبَالهَا فِي الصَّلَاة وَهِيَ بَيْت الْمَقْدِس "قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب" أَيْ الْجِهَات كُلّهَا فَيَأْمُر بِالتَّوَجُّهِ إِلَى أَيّ جِهَة شَاءَ لَا اعْتِرَاض عَلَيْهِ "يَهْدِي مَنْ يَشَاء" هِدَايَته "إِلَى صِرَاط" طَرِيْق "مُسْتَقِيْم" دِيْن الْإِسْلَام أَيْ وَمِنْهُمْ أَنْتُمْ دَلَّ عَلَى هٰذَا،

اب کہیں گے بیوقوف لوگ، یعنی جہلاء، فعل مضارع کا سین کے ساتھ آنا اس کے معنی مستقبل پر دلالت کرتا ہے جو اخبار

غیب سے ہے۔ اور من الناس سے مراد یہود و مشرکین ہیں۔ کس نے پھیر دیا یعنی نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو کس چیز نے پھیر دیا ہے، ان کے اس قبلہ سے، جس پر تھے۔ یعنی وہ نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ تم فرما دو کہ مشرق مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ یعنی تمام جہات پس حکم دیا گیا ان کی طرف متوجہ ہونے کا لہٰذا کچھ اعتراض نہ ہو گا۔ جس کو چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔ یعنی دین اسلام پر چلاتا ہے اور اے ایمان والو! تم بھی ان میں سے ہو۔

آیت استقبال قبلہ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی جب بجائے بیت المقدس کے کعبہ معظمہ کو قبلہ بنایا گیا اس پر انہوں نے طعن کئے کیونکہ یہ انہیں ناگوار تھا اور وہ نسخ کے قائل نہ تھے ایک قول پر یہ آیت مشرکین مکہ کے اور ایک قول پر منافقین کے حق میں نازل ہوئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے کفار کے یہ سب گروہ مراد ہوں کیونکہ طعن و تشنیع میں سب شریک تھے اور کفار کے طعن کرنے سے قبل قرآن پاک میں اس کی خبر دے دینا غیبی خبروں میں سے ہے طعن کرنے والوں کو بیوقوف اس لئے کہا گیا کہ وہ نہایت واضح بات پر معترض ہوئے باوجودیکہ انبیاء سابقین نے نبی آخر الزماں ﷺ کے خصائص میں آپ کا لقب ذو القبلتین ذکر فرمایا اور تحویل قبلہ اس کی دلیل ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی پہلے انبیاء خبر دیتے آئے ایسے روشن نشان سے فائدہ نہ اٹھانا اور معترض ہونا کمال حماقت ہے۔

تبدیلی قبلہ کے وقت والی نماز کے بارے میں تفسیری تصریحات

بعض بزرگ تو کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔

حضرت ابو سعید بن معلّی فرماتے ہیں "میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور ظہر کی نماز تھی"۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی۔ اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے، دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد ذو قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔

حضرت تویلہ بنت مسلم فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ اچانک کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچ چکا ہو۔ اس لئے کہ ان حضرات کو عصر مغرب اور عشا کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى
عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○
اور اسی طرح ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل بنایا ہے، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول مکرم ﷺ تمہارے نگہبان وگواہ اور
اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے۔ ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اور کون الٹے پاؤں
پھر جاتا ہے۔ اور بیشک یہ بھاری تھی مگر ان پر، جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے بیشک اللہ
آدمیوں پر بہت مہربان، رحم والا ہے۔

اتباع رسول ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا هَدَيْنَاكُمْ اِلَيْهِ "جَعَلْنَاكُمْ" يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ "اُمَّةً وَّسَطًا" خِيَارًا عُدُولًا "لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاس" يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" اَنَّهُ بَلَّغَكُمْ "وَمَا جَعَلْنَا" صَيَّرْنَا "الْقِبْلَةَ" لَكَ الْاٰنَ الْجِهَةَ "الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا" اَوَّلًا وَّهِيَ الْكَعْبَةُ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلَيْهَا فَلَمَّا هَاجَرَ اُمِرَ بِاسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ تَاَلُّفًا لِلْيَهُوْدِ فَصَلّٰى اِلَيْهِ سِتَّةَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ حُوِّلَ "اِلَّا لِنَعْلَمَ" عِلْمَ ظُهُوْرٍ "مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ" فَيُصَدِّقُهُ "مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" اَيْ يَرْجِعُ اِلَى الْكُفْرِ شَكًّا فِي الدِّيْنِ وَظَنًّا اَنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيْرَةٍ مِنْ اَمْرِهِ وَقَدِ ارْتَدَّ لِذٰلِكَ جَمَاعَةٌ "وَاِنْ" مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ : وَاِنَّهَا "كَانَتْ" اَيِ التَّوْلِيَةُ اِلَيْهَا "لَكَبِيْرَةً" شَاقَّةً عَلَى النَّاسِ "اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ" مِنْهُمْ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ" اَيْ صَلَاتَكُمْ اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ يُثِيْبُكُمْ عَلَيْهِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا السُّؤَالُ عَمَّنْ مَّاتَ قَبْلَ التَّحْوِيْلِ "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ" الْمُؤْمِنِيْنَ "لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" فِيْ عَدَمِ اِضَاعَةِ اَعْمَالِهِمْ وَالرَّاْفَةُ شِدَّةُ الرَّحْمَةِ وَقَدَّمَ الْاَبْلَغَ لِلْفَاصِلَةِ،

اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے تم کو اس کی جانب ہدایت دی، ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل بنایا ہے، یعنی اے امت محمد ﷺ تم بہتر اور اعتدال والی امت ہو، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو یعنی قیامت کے دن تم گواہی دو گے کہ ان کے رسولان عظام علیہم السلام نے ان کو پیغام پہنچا دیا۔ اور یہ رسول مکرم ﷺ تمہارے نگہبان وگواہ یعنی تم کو بھی حق پہنچا

دیا ہے۔ اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے، یعنی پہلے کعبہ تھا جس کی قبلہ بنا کر رسول ﷺ نماز پڑھتے پس جب آپ ﷺ نے مدینہ شریف کی جانب ہجرت فرمائی تو یہود کی تالیف قلب کیلئے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کو قبلہ بنا دیا۔ اس کے بعد یہ حکم تبدیل کر دیا گیا۔ ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں یعنی علم ظاہر ہو جانے پر، کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے یعنی دین میں شک کرتے ہوئے کفر کی طرف لوٹتا ہے۔ اور گمان کرتے ہوئے کہ نبی مکرم ﷺ قبلہ کے حکم میں متذبذب ہیں۔ اور اس طرح ایک جماعت مرتد ہوگئی۔ اور یہاں ان مثقلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانها تھا۔ اور بیشک یہ بھاری یعنی لوگوں پر مشکل تھی مگر ان پر، جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے، یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازوں کو ضائع نہ کرے گا بلکہ ان پر ثواب عطا فرمائے گا۔ اور اس آیت کا سبب نزول ان لوگوں کے بارے میں سوال کرتا تھا جو تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہوئے تھے۔ بیشک اللہ آدمیوں پر یعنی اہل ایمان پر بہت مہربان، رحم والا ہے۔ یعنی ان کے اعمال کو ضائع نہ کرے گا۔ اور رافہ شدید رحمت کو کہتے ہیں اور رؤف کو فاصلہ کی رعایت کے سبب مقدم کیا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت اس لئے نازل کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات پائی ان کے رشتہ داروں نے تحویل قبلہ کے بعد ان کی نمازوں کا حکم دریافت کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اطمینان دلایا گیا کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ان پر ثواب ملے گا۔ فائدہ نماز کو ایمان سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ اس کی ادا اور بہ جماعت پڑھنا دلیل ایمان ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا اور پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پر ان کی قوم کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی ڈرانے والا کوئی اور نہیں آیا۔ پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ کے گواہ کون ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت۔ پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"۔ (اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں) وسط سے مراد عدل ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن بشار بھی جعفر بن عون سے اور وہ اعمش سے اسی کی مانند روایت کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 892)

اتباع رسول ﷺ میں صحابہ کرام کی عملی مثال کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف سولہ مہینے یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منہ کیا جائے، تو اللہ عزوجل نے حکم نازل فرمایا، قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ، پس آپ قبلہ جدید کی طرف پھر گئے، بعض لوگوں نے جو کہ یہود تھے، کہا کہ مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے، کس نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہہ دو مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت دیتا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد وہ چلا اور انصار کے کچھ لوگوں پر عصر کی نماز میں گذرا، وہ بیت المقدس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھ رہے تھے، تو اس نے (اپنی نسبت) کہا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی ہے اور آپ نے کعبہ کی طرف منہ کرلیا ہے، تب سب لوگ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 390)

قیامت کے دن آخری امت کی شہادت کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لیے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوۃ وسطی یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلی تھی اس لئے انہیں شریعت بھی کامل راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا (هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ) 22 . الحج: 78) اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کے دین پر تم ہو۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا۔ ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے کہ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے یہی مطلب اس آیت (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا) 2 . البقرۃ: 143) کا ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ (بخاری ترمذی، نسائی ابن ماجہ)

مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں، ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان (وکذلک)۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی عدلاً آیا ہے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل)

مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا نیک آدمی تھا۔ بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہرداری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی آپ نے فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بدزبان اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو اس شخص نے بھی یہی کہا کہ آپ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی محمد بن کعب اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے۔ (مستدرک علی صحیحین، بیروت)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝
ہم بار بار آپ کے رُخ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر
دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے
چہرے اسی کی طرف پھیر لو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف
سے حق ہے، اور اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ انجام دے رہے ہیں۔

رضائے مصطفیٰ ﷺ کے مطابق قبلہ بنانے کا بیان

"قَدْ" لِلتَّحقِيقِ "نَرىٰ تَقَلُّبَ" تَصَرُّف "وَجْهِكَ فِي" جِهَة "السَّمَاءِ" مُتَطَلِّعًا إِلَى الْوَحْيِ وَمُتَشَوِّقًا لِلْأَمْرِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يَوَدّ ذٰلِكَ لِأَنَّهَا قِبْلَة إِبْرَاهِيم وَلِأَنَّهُ أَدْعَى إِلَى إِسْلَام الْعَرَب "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ" نُحَوِّلَنَّكَ "قِبْلَةً تَرْضَاهَا" تُحِبّهَا "فَوَلِّ وَجْهَكَ" اسْتَقْبِلْ فِي الصَّلَاة "شَطْرَ" نَحْو "الْمَسْجِد الْحَرَام" أَيْ الْكَعْبَة "وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ" خِطَاب لِلْأُمَّةِ "فَوَلُّوا وُجُوهكُمْ" فِي الصَّلَاة "شَطْره" "وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَاب لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ" أَيْ التَّوَلِّي إِلَى الْكَعْبَة "الْحَقّ" الثَّابِت "مِنْ رَبّهمْ" لِمَا فِي كُتُبهمْ مِنْ نَعْت النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَنَّهُ يَتَحَوَّل إِلَيْهَا "وَمَا اللّٰه بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ" بِالتَّاءِ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ مِنْ امْتِثَال أَمْره وَبِالْيَاءِ أَيْ الْيَهُود مِنْ إِنْكَار أَمْر الْقِبْلَة

اور قد تحقیق کیلئے آیا ہے۔ ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، جو وحی کی اطلاع کیلئے اور کعبہ کے قبلہ ہونے کے شوق کیلئے تھا۔ اور وہی آپ ﷺ کو پسند تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ وہی تھا۔ کیونکہ یہ قبلہ اہل عرب کو اسلام کی جانب لانے میں زیادہ اثر انداز تھا۔ سو ہم ضرور بہ ضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، یعنی نماز میں کعبہ کی جانب چہرہ مبارک پھیر لیں۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو یہ پوری امت کو خطاب ہے۔ پس اپنے چہروں کو نماز میں اسی کی طرف پھیر لو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور جانتے ہیں یعنی کعبہ کی طرف پھر جانا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق یعنی ثابت ہے، کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی نعت میں سے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ کعبہ کو قبلہ بنا کر نماز پڑھیں گے۔ اور اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ انجام دے رہے ہیں۔ یہاں "یَعْمَلُوْن" تاء کے ساتھ بھی آیا ہے کہ اے ایمان والو جو تم قبلہ کو اختیار کرتے ہو اور یاء کے ساتھ آیا ہے یعنی یہود قبلہ کے حکم سے انکار کرتے ہیں۔

تنسیخ قبلہ کا منسوخ احکام میں سے پہلا حکم ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے بالآخر آیت (قد نری) الخ نازل ہوئی اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ہر ایک نشانی بھی لے آئیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے، اور اگر آپ نے بھی اپنے پاس علم آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بیشک آپ زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی سے بھی اعراض کرنے کا بیان

"وَلَئِنْ" لَامُ الْقَسَمِ "اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ اٰيَةٍ" عَلٰى صِدْقِكَ فِيْ اَمْرِ الْقِبْلَةِ "مَا تَبِعُوْا" اَیْ لَا يَتْبَعُوْنَ "قِبْلَتَكَ" عِنَادًا "وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ" قَطْعٌ لِطَمَعِهٖ فِيْ اِسْلَامِهِمْ وَطَمَعِهِمْ فِيْ عَوْدِهٖ اِلَيْهَا "وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ" اَیِ الْيَهُوْدُ قِبْلَةَ النَّصَارٰى وَبِالْعَكْسِ "وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ" الَّتِيْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا "مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ" الْوَحْيِ "اِنَّكَ اِذًا" اِنِ اتَّبَعْتَهُمْ فَرْضًا "لمن الظالمين"

اور لئن میں لام قسم کیلئے آیا ہے۔ اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ہر ایک نشانی بھی لے آئیں یعنی حکم قبلہ کی صداقت کیلئے تب بھی وہ عناد رکھتے ہوئے آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں یہ آپ ﷺ کی امید جو ان کا اسلام کی طرف لوٹنا اس کا انقطاع اور ان کی امید کا انقطاع کہ وہ قبلہ کی جانب لوٹیں گے۔ اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے، یعنی یہود نصاویٰ کے قبلہ اور نصاریٰ یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ اور اگر آپ نے بھی اپنے پاس علم یعنی وحی آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی، یعنی جس طرف وہ آپ کو بلائیں، تو بیشک آپ اگر بہ فرضِ محال ایسا کریں تو پھر زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے اور بیشک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی پہچان بیٹوں سے بھی زیادہ ہونے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ" اَیْ مُحَمَّدًا "كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ" بِنَعْتِهٖ فِيْ كُتُبِهِمْ قَالَ ابْنُ

سَلام : لَقَدْ عَرَفْتُه حِيْنَ رَأَيْتُه كَمَا أَعْرِفُ ابْنِىْ وَمَعْرِفَتِىْ مُحَمَّدٍ أَشَدُّ "وَإِنَّ فَرِيْقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ" نَعْتَه "وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" هَذَا الَّذِىْ أَنْتَ عَلَيْهِ

جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی یعنی محمد ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی تعریف ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں آپ ﷺ کی زیارت کی تو میں نے آپ ﷺ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ میرے محبوب محمد ﷺ کی پہچان میرے بیٹے کی پہچان سے کہیں زیادہ ہے۔ اور بیشک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق یعنی نبی کریم ﷺ کی نعت کو چھپاتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں جس طریقہ پر آپ ﷺ ہیں یہی حق ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے چہرہ اقدس ﷺ سے نبوت کو پہچان لیا

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام اسلام قبول کرنے سے قبل حصین بن سلام بن حارث تھا اور ان کی کنیت ابو یوسف تھی۔ حصین بن سلام تورات کے عالم تھے۔ انہوں نے تورات میں یہ پڑھا تھا کہ مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ دل میں ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ نئے نبی کی زیارت کا کب شرف حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے ہیں اور وادی قباء میں قیام پذیر ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان بھاگ کر حاضر ہونے والوں میں، میں بھی تھا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بارے میں سنا کہ آپ قباء میں عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو میں اس وقت درخت پر بیٹھا کھجوریں توڑ رہا تھا اور میری پھوپھی درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی زور سے اللہ اکبر کہا۔ میری پھوپھی نے جب مجھ سے نعرہ تکبیر سنا تو انہوں نے کہا، حصین تجھے کیا ہوگیا ہے؟ اتنی خوشی تجھے اس صورت میں نہ ہوتی کہ حضرت موسیٰ بن عمران تشریف لے آتے۔ میں نے کہا پھوپھی یہ بھی اللہ کے سچے نبی ہیں، جس طرح موسیٰ اللہ کے سچے نبی تھے۔ انہیں سچا دین دے کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ پھوپھی نے میری بات سن کر کہا: واقعی یہ بات درست ہے۔ میں نے کہا ہاں میں بالکل صحیح کہتا ہوں۔ پھوپھی نے کہا: پھر تو ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے گیا۔ حصین بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اسلام قبول کرلیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے پہلی بات جو انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی وہ یہ تھی، آپ نے ارشاد فرمایا:

سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھو اور جنت میں سلامتی سے داخل ہوجاؤ،،۔ (الاستیعاب)

جب حصین بن سلام نے اسلام قبول کرلیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ بن سلام رکھ دیا۔

اسلام کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر آئے، اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی، سب نے دعوت کو قبول کرتے ہوئے اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل کرلیا۔ یہ دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی کہ تمام اہل خانہ مسلمان ہوچکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا قبولِ اسلام یہودیوں سے چھپائے رکھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہودیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، یہ بڑی افتراء پرداز قوم ہے۔ آپ اس طرح کریں کہ مجھے اپنے گھر میں کہیں چھپالیں، پھر یہودیوں کو بلا کر میرے بارے میں پوچھیں کہ میں ان کے نزدیک کیسا ہوں، اگر انہیں میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو وہ مجھ پر طرح طرح کے الزامات عائد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو چھپا دیا، پھر یہودیوں کے سرکردہ افراد کو بلایا اور ان سے پوچھا حصین بن سلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کیسا آدمی ہے؟ انہوں نے بیک زبان کہا،

وہ ہمارا سردار، ہمارے سردار کا بیٹا ہے، اور ہمارا عالم، فاضل ہے۔ کیا بتائیں بڑی خوبیاں ہیں اس میں۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے میرے بارے میں اظہار خیال کردیا تو میں ایک کونے سے چپکے سے نکل کر ان کے سامنے آگیا اور ان سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس لائے ہیں اسے قبول کرلو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تم نے تورات میں ان کا نام اور ان کے اوصاف دیکھے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کو سچا مانتا ہوں۔

انہوں نے یہ سنتے ہی پینترا بدلا اور کہنے لگے تو جھوٹ بولتا ہے۔ پھر انہوں نے مجھ پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا، میں نے نہیں کہا تھا کہ یہودی بڑے افتراء پرداز ہیں، بڑے جھوٹے، مکار اور دغاباز ہیں، میں نے اس کے سامنے بہانگ دہل اپنے اور اپنے اہل خانہ کے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی مسلمان ہوگئیں اور انھوں نے اسلام کے تقاضوں کو خوب اچھی طرح پہچان لیا۔ (سیرت حلبیہ وسیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۸۷، بیروت)

سورہ بقرہ آیت ۱۴۶ کے مضمون نزول کا بیان

اور کتب سابقہ میں نبی آخر الزماں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ایسے واضح اور صاف بیان کئے گئے ہیں جن سے علماء اہل کتاب کو حضور کے خاتم الانبیاء ہونے میں کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہ سکتا اور وہ حضور کے اس منصب عالی کو اتم یقین کے ساتھ جانتے ہیں احبار یہود میں سے عبداللہ بن سلام مشرف باسلام ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ آیہء "یَعْرِفُوْنَہ" میں جو معرفت بیان کی گئی ہے اس کی کیا شان ہے انہوں نے فرمایا کہ اے عمر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے اشتباہ پہچان لیا اور میرا حضور کو پہچاننا اپنے بیٹوں کے پہچاننے سے بدرجہا زیادہ اتم واکمل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ

کیسے انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کی طرف سے اس کے بھیجے رسول ہیں ان کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب توریت میں بیان فرمائے ہیں بیٹے کی طرف سے ایسا یقین کس طرح ہو عورتوں کا حال ایسا قطعی کس طرح معلوم ہوسکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سر چوم لیا۔ (خزائن العرفان، بقرہ، ضیاء القرآن، لاہور)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝
حق ہے تیرے رب کی طرف سے (یا حق وہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو) تو خبردار تو شک نہ کرنا۔

حق بات میں شک کرنے کی ممانعت کا بیان

"اَلْحَقُّ" كَائِنًا "مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ اَيْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ اَنْ لَّا تَمْتَرِ،

اے سننے والو! یہ حق جو ہے تیرے رب کی طرف سے یا حق وہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو، تو خبردار تو شک نہ کرنا۔ یعنی اس میں شک کرنے والوں کے قسم سے نہ بن جانا۔ اور یہاں ممترین یہ تمتر سے زیادہ بلاغت والا ہے۔

الحق میں الف لام جنسی بہ معنی استغراق ہونے کا بیان

الحق "میں "ال" جنسی ہے جو استغراق کا مفہوم دے رہا ہے یعنی جو کچھ حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ البتہ مورد کی مناسبت کے اعتبار سے اصل مقصود احکام و معارف ہیں یہ مفہوم اس بنا پر ہے کہ "الحق" میں "ال" زید الرجل کی طرح افراد کی خصوصیات کے استغراق کے لئے ہے۔ یعنی جس چیز کی بھی تمام تر خصوصیات حق ہوں اور کسی بھی باطل شے سے نہیں مل سکتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ط
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝
اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک جہت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف رُخ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف پیش قدمی کیا کرو،
تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو جمع کرلے گا، بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

ہر امت کیلئے جہت ہونے کا بیان

"وَلِكُلٍّ" مِنَ الْاُمَمِ "وِجْهَةٌ" قِبْلَةٌ "هُوَ مُوَلِّيْهَا" وِجْهَةٌ فِيْ صَلَاتِهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ مُوَلَّاهَا "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ وَقَبُوْلِهَا "اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا" يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ "إن الله على كل شيء قدير"

اور ہرایک کے لئے یعنی امتوں میں سے ہرایک امت، توجہ کی ایک جہت یعنی قبلہ مقرر ہے وہ اسی کی طرف رُخ کرتا ہے، یعنی نماز میں اسی کو جہت بناتا ہے۔اورایک قرأت میں مولاھا ہے۔پس تم نیکیوں کی طرف پیش قدمی کیا کرو، یعنی اطاعت کے کاموں اوران کی قبولیت کی طرف پہل کرو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو جمع کرلے گا، یعنی قیامت کے دن وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزادے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

بعض الفاظ کے معانی ومراجع کا بیان

'وجھۃ" اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان رخ کرے۔ ماقبل اور مابعد کی آیات کے قرینہ کی روشنی میں اس سے مراد قبلہ ہے۔لفظ" کل" کا مضاف الیہ "امۃ" جیسا کوئی لفظ ہے۔البتہ "ھــو مــولیھــا" کے قرینہ سے اس سے مراد دینی امتیں ہیں۔'ہو" کی ضمیر ماقبل آیت میں "ربک" کی طرف لوٹتی ہے۔"موِلّی" کا معنی پلٹانے یالوٹانے والا ہے اسکا پہلا مفعول" کل امۃ" ہے جو بہت واضح ہونے کی بناپر کلام میں نہیں آیا۔ بنابریں "ھو مولّیھا" کا معنی یہ بنتا ہے اللہ تعالی ہے جوامتوں کوایک خاص قبلہ کی طرف پلٹاتا ہے۔یعنی حکم دیتا ہے کہ کس سمت کواپنا قبلہ قراردو۔

قبلہ کو ماننے والی قوم کا بھلائیوں میں بڑھ جانے کا بیان

مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ ہرایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے آیت (مولیھا) کی دوسری قرأت (مولاھا) ہے جیسے اور جگہ ہے آیت (لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا) 5۔ المائدہ:48) یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہوجائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کرلے گا۔ (تفسیر مجاہد، بقرہ، مطبوعہ بیروت)

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ط
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ٥
اور جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور وہ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

مسجد حرام کو قبلہ بنانے کا بیان

"وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ" لِسَفَرٍ "فَوَلِّ وَجْهك شَطْر الْمَسْجِد الْحَرَام وَإِنَّهُ لَلْحَقّ مِنْ رَبّك وَمَا اللّٰه بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء تَقَدَّمَ مِثْله وَكَرَّرَهُ لِبَيَانِ تَسَاوِي حُكْم السَّفَر وَغَيْره،

اور جہاں سے آؤ یعنی سفر کے سبب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور وہ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ

تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ یہاں "تَعْمَلُوْنَ" تاء اور یاء کے ساتھ آیا ہے جیسا پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔
اور تکرار بیان اس لئے ہے کہ سفر و غیر سفر کے حکم میں برابری پائی جائے۔

حکم قبلہ میں تکرار کی حکمت کا بیان

یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں۔ قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔

قبلہ بنانے میں اتباع رسول ﷺ کی اہمیت کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہماری جیسی نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھالیں تو یقیناً ان کے خون اور مال حرام ہو گئے، مگر اس حق کی بناء پر جو اسلام نے ان پر مقرر کر دیا ہے، باقی ان کا حساب اللہ کے حوالے ہے۔

اور علی بن عبداللہ نے کہا ہے کہ ہم سے خالد بن حارث نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حمید طویل نے بیان کیا کہ میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! وہ کون سی چیز ہے، جس سے آدمی کا جان و مال دونوں دست درازی سے محفوظ ہو جاتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں، جو مسلمان کے ہوتے ہیں اور اس کے ذمہ وہی باتیں واجب ہیں، جو مسلمان کے ذمہ ہوتی ہیں اور ابن ابی مریم نے کہا کہ مجھ سے حمید نے بیان کیا ان سے انس نے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 385)

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

اور تم جدھر سے بھی نکلو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اور تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو تا کہ لوگوں

کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو
مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں اور تا کہ تم کامل ہدایت پا جاؤ۔

یہود و مشرکین کے اعتراض قبلہ کو ختم کرنے کا بیان

"وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" كَرَّرَهُ لِلتَّاكِيدِ "لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ" الْيَهُودِ اَوِ الْمُشْرِكِيْنَ "عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ" اَيْ مُجَادَلَةٌ فِي التَّوَلِّي اِلٰى غَيْرِهِ لِتَنْتَفِيَ مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُوْدِ يَجْحَدُ دِيْنَنَا وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُشْرِكِيْنَ يَدَّعِي مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وَيُخَالِفُ قِبْلَتَهُ "اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ" بِالْعِنَادِ فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا تَحَوَّلَ اِلَيْهَا اِلَّا مَيْلًا اِلٰى دِيْنِ ابَائِهِ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنٰى: لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ اِلَّا كَلَامُ هٰؤُلَاءِ "فَلَا تَخْشَوْهُمْ" تَخَافُوْا جِدَالَهُمْ فِي التَّوَلِّي اِلَيْهَا "وَاخْشَوْنِيْ" بِامْتِثَالِ اَمْرِيْ "وَلِاُتِمَّ" عُطِفَ عَلٰى لِئَلَّا يَكُوْنَ "نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ" بِالْهِدَايَةِ اِلٰى مَعَالِمِ دِيْنِكُمْ "وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ" اِلَى الْحَقِّ.

اور تم جدھر سے بھی نکلو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اور تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو، اس حکم کو تاکید کیلئے مکرر بیان کیا ہے۔ تا کہ لوگوں یعنی یہود و مشرکین کے پاس تم پر اعتراض یعنی یہود کہتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں اور مشرکین کہتے ہیں کہ محمد ﷺ دین ابراہیمی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، ایسا کہنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو عناد میں حد سے بڑھنے والے ہیں، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ باپ دادا کے دین کی طرف مائل ہونے کے وجہ سے اس قبلہ کی طرف رخ کیا ہے۔ اور یہاں استثناء متصل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر کسی کا بھی کلام نہ ہوگا سوائے ان ظالم لوگوں کے، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، یعنی قبلہ کی جانب رخ کرنے کے سبب اور تم مجھ سے ڈرو، یعنی میرا حکم بجالاؤ، یہاں "وَلِاُتِمَّ" کا عطف "لِئَلَّا يَكُوْنَ" پر ہے۔ اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت، یعنی تمہارے دین کے معالم کی طرف رہنمائی کی، پوری کردوں اور تا کہ تم حق کی طرف کامل ہدایت پا جاؤ۔

حکم قبلہ سے اہل کتاب پر حجت مکمل کرنے کا بیان

پہلے حکم میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیشینگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ بھی اسی کی طرف ہوگئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تا کہ اہل کتاب کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ امت کی طرح پہچان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے،

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے احکام کا تبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے وہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری تمام شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ
وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝
جس طرح ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب
اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے۔ جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو شرک سے پاک کرنے والے ہیں

"كَمَا اَرْسَلْنَا" مُتَعَلِّق بِاَتِمّ اَيْ اِتْمَامًا كَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا "فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِنْكُمْ" مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَتْلُو عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا" الْقُرْاٰن "وَيُزَكِّيكُمْ" يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ "وَيُعَلِّمُكُمْ الْكِتَاب" الْقُرْاٰن "وَالْحِكْمَةَ" مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَام "ويعلمكم ما لم تكونو تعلمون"

جس طرح ہم نے تم میں بھیجا، یہ اتم کے متعلق ہے یعنی "اِتْـمَـامًـا كَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا" ایک رسول یعنی محمد ﷺ تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات یعنی قرآن تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں شرک سے پاک کرتا اور کتاب یعنی قرآن اور پختہ علم یعنی جو اس قرآن میں احکام ہیں وہ سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے۔ جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

کتاب وسنت ہدایت کے دونوں سرچشمے ہونے کا بیان

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (موطا امام مالک، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 181)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ علم کو سیکھو اور سکھلاؤ، علم فرائض یا فرض احکام کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ اسی طرح قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ۔ اس لیے کہ بے شک میں ایک آدمی ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی ایک فرض چیز میں اختلاف کریں گے اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے یعنی علم کے کم ہو جانے اور فتنوں کے بڑھ جانے سے یہ حال ہو جائے گا۔ (سنن دارمی، سنن دارقطنی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 265)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝
تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

نماز وتسبیح کے ذریعے اللہ کا ذکر کرنے کا بیان

"فَاذْكُرُوْنِيْ" بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْبِيحِ وَنَحْوِهِ "اَذْكُرْكُمْ" قِيلَ مَعْنَاهُ اُجَازِيكُمْ وَفِي الْحَدِيثِ عَنِ اللّٰهِ (مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهِ) "وَاشْكُرُوْا لِيْ" نِعْمَتِيْ بِالطَّاعَةِ "وَلَا تَكْفُرُوْنِ" بِالْمَعْصِيَةِ.

تم میرا ذکر کرو۔ یعنی نماز اور تسبیح وغیرہ کے ساتھ، میں تمہارا چرچا کروں گا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں جزاء دوں گا۔ اور حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے مجھے دل میں یاد کیا میں بھی اس کو نفس میں یاد کرتا ہوں اور جس نے مجھے جماعت میں یاد کیا میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا چرچا کرتا ہوں اور اطاعت کے ساتھ میرا حق مانو اور نافرمانی کے ساتھ میری ناشکری نہ کرو۔

تنہائی وجماعت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ

کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان وخیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔

اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد وحفاظت کرتا ہوں۔

ذکر کی تین اقسام کا بیان

ذکر تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) لسانی (۲) قلبی (۳) بالجوارح۔ ذکر لسانی تسبیح، تقدیس، ثناء وغیرہ بیان کرنا ہے خطبہ توبہ استغفار دعا وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ ذکر قلبی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا اس کی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائل قدرت میں غور کرنا علماء کا استنباط مسائل میں غور کرنا بھی اسی میں داخل ہیں۔

ذکر بالجوارح یہ ہے کہ اعضاء طاعتِ الٰہی میں مشغول ہوں جیسے حج کے لئے سفر کرنا یہ ذکر بالجوارح میں داخل ہے نماز تینوں قسم کے ذکر پر مشتمل ہے تسبیح وتکبیر ثناء وقراءت تو ذکر لسانی ہے اور خشوع وخضوع اخلاص ذکر قلبی اور قیام، رکوع وسجود وغیرہ ذکر بالجوارح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم طاعت بجالا کر مجھے یاد کرو میں تمہیں اپنی امداد کے ساتھ یاد کروں گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

صبر و نماز سے مدد طلب کرنے کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا" عَلَى الْاٰخِرَة "بِالصَّبْرِ" عَلَى الطَّاعَة وَالْبَلَاء "وَالصَّلَاة" خَصَّهَا بِالذِّكْرِ لِتَكَرُّرِهَا وَعِظَمِهَا "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ" بِالْعَوْن،

اے ایمان والو! طاعت و پریشانی پر صبر کرو اور نماز کے ساتھ آخرت کیلئے مدد مانگو۔ اور نماز کے ذکر کو اس لئے خاص کیا ہے تا کہ اس کی عظمت پر دلالت کرے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کی مدد کرنے والا ہے۔

ذکر و عبادت والے کی طرف رحمت الٰہی کے قریب ہونے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق و اخلاص کے مطابق سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں۔ جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ و التفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں) جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔ جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کتنی وسیع ہے اپنے بندوں پر وہ کتنا مہربان ہے اس کی شان عفو کس قدر بے پایاں ہے اور اس کا فضل کس قدر بے کراں ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ خدا کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ اور رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی سے اس کی توجہ کہیں زیادہ توجہ، التفات اور رحمت اس کی طرف منعطف ہوتی ہے۔

مصیبت پر صبر کرنے کے سبب ثواب کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (انسان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو (کسی مصیبت کے وقت) صبر کرے اور صدمہ کی ابتدائی مرحلہ ہی پر ثواب کا طلب گار ہو تو میں تیرے

لیے جنت سے کم کسی اجر و ثواب پر راضی نہیں ہوتا (یعنی میں تجھے اس کے بدلہ میں جنت ہی میں داخل کروں گا)

(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 248)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مُردہ ہیں، بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَل فِيْ سَبِيْل اللّٰه " هُمْ "اَمْوَات بَلْ" هُمْ "اَحْيَاء " اَرْوَاحهمْ فِيْ حَوَاصِل طُيُور خُضْر تَسْرَح فِي الْجَنَّة حَيْثُ شَاءَتْ لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" تَعْلَمُوْنَ مَا هُمْ فِيْهِ،

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مُردہ ہیں، بلکہ زندہ ہیں یعنی ان کے ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جو جنت میں خوش ہیں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں۔ کیونکہ اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ لیکن تمہیں شعور نہیں۔ یعنی ان کے ان احوال کے بارے میں تم نہیں جانتے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۴ کے شان نزول کا تفسیری بیان

یہ آیت شہداء بدر کے حق میں نازل ہوئی لوگ شہداء کے حق میں کہتے تھے کہ فلاں کا انتقال ہو گیا وہ دنیوی آسائش سے محروم ہو گیا ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

شہداء کی حیات و رزق کے بارے میں احادیث کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، شہداء جنت کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک محل میں رہتے ہیں اور ان کے لیے صبح شام جنت سے رزق لایا جاتا ہے۔

(مسند احمد۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ المستدرک۔ صحیح علی شرط مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندے قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ ان سے خون بہہ رہا ہوگا وہ جنت کے دروازوں پر چڑھ دوڑیں گے پوچھا جائے گا یہ کون ہیں۔ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔

(الطبرانی۔ مجمع الزوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حضرت مصعب زمین پر شہید پڑے تھے اس دن انہی کے ہاتھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا

تَبۡدِیۡلًا (الاحزاب 23)

ایمان والوں میں کچھ مرد ایسے ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھلایا پھر بعض تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا کر لیا اور بعض ان میں سے (اللہ کی راستے میں جان قربان کرنے کے لیے) راہ دیکھ رہے ہیں اور رہ ذرہ (برابر) نہیں بدلے۔

بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے گواہی دیتے ہیں کہ تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہداء میں سے ہو پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور فرمایا اے لوگوں تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو ان کو سلام کیا کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے دن تک جو بھی انہیں سلام کہے گا یہ اسے جواب دیں گے۔ (کتاب الجہاد لا بن المبارک مرسلا)

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے احد کے دن ان کو کسی نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین پہنچا دیا چنانچہ اب تم سب (مسلمان) ان کے دین کے لیے جہاد کرو پھر وہ تین بار اٹھے اور ہر بار موت کے منہ تک پہنچے اور بالآخر تیسرے حملے میں شہید ہو گئے جب ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اپنے (شہداء) ساتھی بھی ملے تو وہ وہاں کی نعمتیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیا کوئی قاصد نہیں ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری یہ حالت بتا سکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا قاصد ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ آیات سنائیں **ولا تحسبن** سے آخر تک۔ (اخرجہ المنذری فی تفسیرہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھے دیکھا تو فرمایا اے جابر کیا بات ہے تم فکر مند نظر آتے ہو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور آپنے اوپر قرضہ اور اہل وعیال چھوڑ گئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے بات کی تو پردے کی پیچھے سے کی لیکن تمہارے والد سے آمنے سامنے بات فرمائی اور کہا مجھ سے جو مانگو میں دوں گا تمہارے والد نے کہا مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے تا کہ دوبارہ شہید ہو سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میری طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کسی کو واپس نہیں جانا تمہارے والد نے کہا: اے میرے پروردگار پیچھے والوں کو ہماری حالت کی اطلاع دے دیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: **ولا تحسبن الذین** سے آخر تک۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ المستدرک)

حیات شہداء کے بارے میں مفسرین کے اقوال کا بیان

(1) علامہ قرطبی اور اکثر علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہداء کی حیات یقینی چیز ہے اور بلا شبہ وہ جنت میں زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور ان کی موت بھی ہو چکی ہے اور ان کے جسم مٹی میں ہیں اور ان کی روحیں دوسرے ایمان والوں کی ارواح کی

طرح زندہ ہیں البتہ شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کے لیے شہادت کے وقت سے جنت کی روزی جاری کر دی جاتی ہے تو گویا کہ ان کے لیے ان کی دنیوی زندگی جاری ہے اور وہ ختم نہیں ہوئی۔

(2) علماء کی ایک جماعت کا فرمانا ہے کہ قبروں میں شہداء کرام کی ارواح ان کے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ عیش و آرام کے مزے کرتے ہیں جیسا کہ کافروں کو ان کی قبروں میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے۔

(3) مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں رہتے ہیں اور وہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قول قرار دیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے لیے ہر سال ایک جہاد کا اجر لکھا جاتا ہے اور وہ اپنے بعد قیامت کے دن تک کے جہاد میں شریک رہتے ہیں۔

(5) ایک قول یہ ہے کہ ان کی روحیں عرش کے نیچے قیامت تک رکوع سجدے میں مشغول رہتی ہیں جیسا کہ ان زندہ مسلمانوں کی روحیں جو باوضو سوتے ہیں۔

(6) ایک قول یہ ہے کہ ان کے جسم قبر میں خراب نہیں ہوتے اور انہیں زمین نہیں کھاتی یہی ان کی زندگی ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد والی وصیت کا بیان

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کا واقعہ بہت مشہور ہے اور یہ واقعہ کئی صحابہ کرام اور مفسرین نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ثابت کی بیٹی فرماتی ہیں کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی،

(اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ الحجرات۔2)

تو میرے والد گھر کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ گئے اور رونے لگے جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ پایا تو بلا کر گھر بیٹھ رہنے کی وجہ پوچھی انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میری آواز طبعی طور پر بلند ہے میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں ہیں بلکہ آپ خیر والی زندگی جئیں گے اور خیر والی موت مریں گے ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔ (کہ اللہ تعالی کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ لقمان۔18)

تو میرے والد نے پھر دروازہ بند کر دیا گھر میں بیٹھ گئے اور روتے رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں نہ پایا تو انہیں بلوایا اور وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو خوبصورتی کو پسند کرتا ہوں اور اپنی قوم کی قیادت کو بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ان میں سے نہیں جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے بلکہ آپ تو بڑی پسندیدہ زندگی گزاریں گے اور شہادت کی موت پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ جنگ یمامہ کے دن جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب پر حملہ کیا تو ابتداء میں مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اس وقت حضرت ثابت بن قیس اور حضرت

سالم رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اس طرح نہیں لڑتے تھے۔ پھر دونوں حضرات نے اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھودا اور اس میں کھڑے ہو کر ڈٹ کر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اس دن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک قیمتی زرہ پہن رکھی تھی ان کی شہادت کے بعد ایک مسلمان نے وہ زرہ اٹھالی۔ اگلے دن ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اسے فرما رہے ہیں میں تمھیں ایک وصیت کر رہا ہوں تم اسے خیال سمجھ کر ضائع نہ کر دینا میں جب کل شہید ہوا تو ایک مسلمان میرے پاس سے گزرا اور اس نے میری زرہ اٹھالی وہ شخص لوگوں میں سب سے دور جگہ پر رہتا ہے اور اس کے خیمے کے پاس ایک گھوڑا رسی میں بندھا ہوا کود رہا ہے اور اس نے میری زرہ کے اوپر ایک بڑی ہانڈی رکھ دی ہے اور اس ہانڈی کے اوپر اونٹ کا کجاوہ رکھا ہوا ہے تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ کسی کو بھجوا کر میری زرہ اس شخص سے لے لیں پھر جب تم مدینہ منورہ جانا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ میرے ذمے اتنا اتنا قرضہ ہے اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں پھر اس خواب دیکھنے والے کو فرمایا اور تم اسے جھوٹا خواب سمجھ کر بھلا مت دینا۔ چنانچہ صبح وہ شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان تک پیغام پہنچایا تو انہوں نے آدمی بھیج کر زرہ وصول فرمالی۔ پھر مدینہ پہنچ کر اس شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پورا خواب سنایا تو انہوں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو جاری فرمادیا۔ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے مرنے کے بعد وصیت کی ہو اور اس کی وصیت کو پورا کیا گیا ہو سوائے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے۔ (المستدرک از امام حاکم، بیروت)

شہداء کے قافلہ سے ملاقات کرنے کا واقعہ

ایک واقعہ علامہ حزولی رحمہ اللہ نے ابو محمد عبد اللہ بن زید رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے یہ واقعہ کچھ معتمد لوگوں نے حضرت ابو محمد رحمہ اللہ سے خود سنا ہے ابو محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں عبد الرحمٰن بن ناصر اندلسی کے زمانے میں خندق والے سال جہاد میں نکلا۔ لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی اور بچ جانے والے مختلف اطراف میں بکھر گئے میں بھی بچ جانے والوں میں شامل تھا میں دن کو چھپ جاتا تھا اور رات کو چلتا تھا ایک رات اچانک میں ایک ایسے لشکر میں پہنچ گیا جس نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے آگ جل رہی تھی اور جگہ جگہ قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی تھی میں نے شکر ادا کہ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہوں چنانچہ میں ان کی طرف چل پڑا اچانک میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی اس کا گھوڑا قریب بندھا ہوا تھا اور وہ بنی اسرائیل کی تلاوت کر رہا تھا میں نے اسے سلام کیا اس نے جواب دیکر کہا کیا آپ بچ جانے والوں میں سے ہیں میں نے کہا جی ہاں اس نے کہا آپ بیٹھیے اور آرام کیجئے پھر وہ میرے پاس بے موسم انگور دو روٹیاں اور پانی کا پیالہ لے آیا میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا تھا پھر اس نے کہا کیا آپ سونا چاہتے ہیں میں نے کہا جی ہاں اس نے اپنی ران پر میرا سر رکھا اور میں سو گیا یہاں تک کہ سورج کی شعاعوں نے مجھے جگایا میں نے دیکھا کہ اس میدان میں کوئی بھی نہیں ہے اور میرا سر ایک انسانی ہڈی کے اوپر پڑا ہوا ہے میں سمجھ گیا کہ وہ سب شہداء کرام تھے میں اس دن چھپا رہا جب رات ہوئی تو پھر میں نے دیکھا کہ ایک لشکر وہاں سے گزر رہا ہے اور وہ گزرتے

ہوئے مجھے سلام کرتے تھے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے ان سب کے آخر میں ایک آدمی لنگڑے گھوڑے پر سوار تھا اس نے مجھے سلام کیا تو میں نے کہا: اے بھائی یہ کون لوگ ہیں اس نے کہا یہ شہداء ہیں اور اپنے گھر والوں سے ملنے جا رہے ہیں میں نے کہا تمہارا گھوڑا لنگڑا کیوں ہے اس نے کہا اس گھوڑے کی قیمت میں سے میرے ذمے دو دینار باقی ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم اگر میں مسلمانوں کے ملک پہنچ گیا تو تمہارے یہ دو دینار ادا کروں گا یہ گھڑ سوار گھوڑا چلاتا ہوا لشکر میں شامل ہو گیا پھر وہ واپس لوٹا اور اس نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا جب صبح مرغوں کی اذان سنائی دی تو ہم مدینہ سالم (نامی جگہ پہنچ چکے تھے اس شہر اور اس جگہ جہاں سے میں سوار ہوا تھا کے درمیان دس دن کی مسافت تھی اس شہید نے مجھے کہا تم اس شہر میں چلے جاؤ میں اسی میں رہتا تھا وہاں جا کر تم محمد بن یحییٰ غافقی کے گھر کا پوچھنا اس گھر میں جا کر تم میری بیوی جس کا نام فاطمہ بنت سالم ہے کہ میرا اسلام کہنا اور اسے یہ پیغام دینا کہ طاقچے میں ایک تھیلی ہے جس میں پانچ سو دینار رکھے ہوئے ہیں تم ان میں سے دو دینار فلاں آدمی کو پہنچا دو کیونکہ میرے ذمے گھوڑے کی قیمت میں سے یہ دو دینار باقی ہیں میں شہر میں داخل ہوا اور میں نے اس کے کہنے کے مطابق کیا۔ اس کی بیوی نے وہ تھیلی نکالی پھر مجھے کھانا کھلایا اور دس دینار دے کر کہا یہ سفر میں آپ کے کام آئیں گے۔ (شرح دیباجہ الرسالہ)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ
وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝
اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے۔ کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر والوں کو خوشخبری سنا دو۔

اہل ایمان کو خوف اور اموال و جانوں کی کمی سے آزمانے کا بیان

"وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْف" لِلْعَدُوّ "وَالْجُوع" الْقَحْط "وَنَقْص مِنَ الْاَمْوَال" بِالْهَلَاكِ "وَالْاَنْفُس" بِالْقَتْلِ وَالْمَوْت وَالْاَمْرَاض "وَالثَّمَرَات" بِالْحَوَائِجِ اَیْ لَنَخْتَبِرَنَّكُمْ فَنَنْظُر اَتَصْبِرُوْنَ اَمْ لَا "وَبَشِّرْ الصَّابِرِيْنَ" عَلَى الْبَلَاء بِالْجَنَّةِ،

اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے۔ کچھ ڈر یعنی دشمن کے خوف سے اور بھوک سے یعنی قحط سے اور کچھ مالوں یعنی اموال کی ہلاکت سے اور جانوں یعنی قتل، موت اور امراض کے ساتھ اور پھلوں کی کمی سے یعنی ضروریات یعنی ہم ان میں کمی کے سبب آزمائیں گے تا کہ ہم دیکھیں کہ تم ان پر صبر کرتے ہو یا نہیں اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔ یعنی جنہوں نے آزمائش پر صبر کر کے جنت حاصل کی۔

"بلاء" کا معنی آزمائش ہے فعل "لـنـبـلـون" میں لام قسم اور نون تاکید اس کے استمرار اور حتمی ہونے کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ امور جن میں مالی، جانی، کمائی کا نقصان اور نعمتوں کی کمی ہو۔ ان میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ مومنین کی آزمائش کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فقر کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ سے کہا: اے میرے بھانجے ایک ایسا بھی وقت تھا کہ ہم ایک چاند دیکھتے پھر دوسرا چاند دیکھتے پھر تیسرا چاند دیکھتے دو دو مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہ سلگتی میں نے پوچھا اے خالہ پھر کون سی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ رکھتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا دو کالی چیزیں یعنی چھوہارے اور پانی مگر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں چند انصار تھے ان کے پاس دودھ والی بکریاں تھیں اور وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا دودھ دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بھی پلاتے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2416)

سخت بھوک میں صبر کرنے کا بیان

ابو حازم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سخت بھوک لگی، میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس گیا اور قرآن کی آیتیں سنانے کی خواہش ظاہر کی، وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور میرے لئے دروازہ کھولا، میں تھوڑی دور چلا تھا کہ اپنے منہ کے بل بھوک کی وجہ سے گر پڑا، دیکھا تو میرے سر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! میں نے کہا لبیک وسعدیک یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کھڑا کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت پہچان لی، چنانچہ مجھے اپنے گھر لے گئے، اور مجھے ایک پیالہ دودھ پینے کا حکم دیا، میں نے اس میں سے پی لیا، پھر فرمایا اور پیو اے ابو ہریرہ! میں نے دوبارہ پیا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اور پی لو، چنانچہ میں نے پی لیا، یہاں تک کہ میرا پیٹ پیالہ کی طرح ہو گیا، پھر میں عمر سے ملا اور ان سے اپنی حالت بیان کی اور میں نے کہا: اے عمر اللہ نے اس کام کا اسے مالک بنا دیا جو اس کا زیادہ مستحق تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بھوک کی تکلیف دور کی، بخدا میں نے تم سے آیت پڑھنے کو کہا تھا، حالانکہ میں تم سے زیادہ ان آیتوں کا پڑھنے والا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں (سمجھا نہیں تھا ورنہ) بخدا تمہیں اپنے گھر میں داخل کرنا (مہمان بنانا) مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میرے پاس سرخ اونٹ ہوں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 346)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر آپ کی وفات تک ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ انہوں نے مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ (بخاری، کتاب الاطعمہ)

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○
جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں، بیشک ہم بھی اللہ کیلئے ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

مصیبت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے کا بیان

هُمْ "اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِیبَةٌ" بَلَاء "قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ" مِلْكًا وَّعَبِيْدًا يَفْعَل بِنَا مَا يَشَاء "وَاِنَّا اِلَيْهِ

رَاجِعُوْنَ " فِی الْاٰخِرَةِ فَیُجَازِیْنَا وَفِی الْحَدِیْثِ (مَنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِیْبَةِ اَجَرَهُ اللّٰهُ فِیْهَا وَاَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَیْهِ خَیْرًا) وَفِیْهِ اَنَّ مِصْبَاحَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طُفِءَ فَاسْتَرْجَعَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ : اِنَّمَا هٰذَا مِصْبَاحٌ فَقَالَ : (کُلُّ مَا اَسَاءَ الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِیْبَةٌ) رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ فِیْ مَرَاسِیْلِهٖ،

جن پر کوئی مصیبت یعنی آزمائش پڑتی ہے تو کہتے ہیں، بیشک ہم بھی اللہ کیلئے یعنی اس کی ملکیت میں ہیں اور اس کے غلام ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی آخرت میں اسی کی جانب لوٹنے والے ہیں پس وہ ہمیں اس کی جزاء دے گا اور حدیث میں ہے کہ جو شخص مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے تو اللہ اس کو ثواب عطا فرماتا ہے اور اس کے بعد اللہ اس پر بھلائی بھیج دیتا ہے۔ اور حدیث ہی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا چراغ بجھا تو آپ ﷺ نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ چراغ ہی تو ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ چیز جو مؤمن کے تکلیف دہ ہو وہ مصیبت ہے۔ اس کو امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل کے اندر بیان کیا ہے۔

معمولی وغیر معمولی مصیبت پر بھی استرجاع کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھے کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 250)

غالباً جوتے کا تسمہ ٹوٹنے سے معمولی مصیبت وتکلیف سے مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی معمولی درجہ کی بھی تکلیف و مصیبت پہنچے تو انا للہ پڑھنی چاہئے چنانچہ ایک روایت میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ اچانک چراغ بجھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس مسلمان مرد وعورت کو کوئی مصیبت وصدمہ پہنچے اور خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزر جانے کے بعد وہ مصیبت وصدمہ یاد آ جائے اور وہ اس وقت انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ثواب ثابت کر دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے وہی اجر وثواب عطا فرماتا ہے جو اس دن عطا کیا جائے گا جب کہ وہ اس مصیبت وصدمہ سے دوچار ہوا تھا اور اس پر صبر کا تھا۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 249)

مؤمن کو مصیبت کے بدلے میں ثواب ملنے کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس پر اس طرح کہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْهَا۔ یعنی اے اللہ تو مجھے اس مصیبت میں اجر بھی دے، اور اس سے بہتر بدلہ بھی عطاء فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا اجر وثواب بھی عطاء فرماتا ہے۔ اور اس سے بہتر بدلہ بھی، تو پھر مومن صادق کیلئے کسی مصیبت میں کیا خسارہ؟ خسارہ تو اس کو ہوتا ہے جس کو کوئی اجر وثواب نہ ملے، اسی لئے کہا جاتا ہے اِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ

الثَّوَابَ یعنی مصیبت والا تو وہ ہے جو اجر وثواب سے محروم رہے۔

بخار کے سبب گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام صائب رضی اللہ عنہا کے پاس (جو تپ ولرزہ میں مبتلا تھیں) تشریف لائے اور (ان کی حالت دیکھ کر) کہ "یہ تمہیں کیا ہوا جو کانپ رہی ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ بخار ہے اللہ اس میں برکت نہ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار کو برا مت کہو کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 22)

ایک روایت میں منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ مؤمن کی تمام خطائیں اس کے ایک رات کے بخار کی وجہ سے دور فرما دیتا ہے اسی طرح ابوداؤد کی ایک روایت میں منقول ہے کہ "ایک رات کا بخار ایک برس کے گناہ دور کر دیتا ہے۔

استرجاع والے کیلئے جنت میں مکان ہونے کا بیان

ابن ماجہ میں ہے حضرت ابوسنان فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کا کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ تیری تعریف کی اور انا للہ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝
یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درُودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

صراط مستقیم والوں پر اللہ کی مغفرت کا بیان

"اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَات" مَغْفِرَة "مِنْ رَبّهمْ وَرَحْمَة" نِعْمَة "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" اِلَى الصَّوَاب،

یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی صلوات یعنی مغفرت ہے اور رحمت یعنی نعمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں، یعنی صحیح راہ پر چلنے والے ہیں۔

اللہ کی رحمت کے سبب جنت میں داخل ہونے کا بیان

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھی راہ پر گامزن رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور خوشخبری دو کیونکہ کسی کو اس کے عمل جنت میں داخل نہ کرائیں گے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مجھے بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے گا اور جان لو اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ کم ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2622)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○
بیشک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں۔ تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے
اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے۔ تو اللہ نیکی کا صلہ دینے خبردار ہے۔

صفاومروہ دو پہاڑوں کے شعائر اللہ ہونے کا بیان

"إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ" جَبَلَانِ بِمَكَّةَ "مِنْ شَعَائِرِ اللّٰه" اَعْلَام دِيْنه جَمْع شَعِيرَة "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوْ اعْتَمَرَ" اَىْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ اَوْ الْعُمْرَة وَاَصْلهمَا الْقَصْد وَالزِّيَارَة "فَلَا جُنَاح عَلَيْهِ" اِثْم عَلَيْهِ "اَنْ يَطَّوَّفَ" فِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الطَّاء "بِهِمَا" بِاَنْ يَسْعَى بَيْنهمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اَهْل الْجَاهِلِيَّة كَانُوْا يَطُوفُوْنَ بِهِمَا وَعَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُوْنَهُمَا وَعَنْ ابْن عَبَّاس اَنَّ السَّعْي غَيْر فَرْض لِمَا اَفَادَهُ رَفْع الْاِثْم مِنْ التَّخْيِير وَقَالَ الشَّافِعِيّ وَغَيْره رُكْن وَبَيَّنَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرِيْضَته بِقَوْلِهِ (اِنَّ اللّٰه كَتَبَ عَلَيْكُمْ السَّعْي) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيّ وَغَيْره (وَقَالَ ابْدَءُوا بِمَا بَدَاَ اللّٰه بِهِ) يَعْنِي الصَّفَا رَوَاهُ مُسْلِم "وَمَنْ تَطَوَّعَ" وَفِيْ قِرَاءَة بِالتَّحْتِيَّةِ وَتَشْدِيْد الطَّاء مَجْزُوْمًا وَفِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِيْهَا "خَيْرًا" اَىْ بِخَيْرٍ اَىْ عَمِلَ مَا لَمْ يَجِب عَلَيْهِ مِنْ طَوَاف وَغَيْره "فَاِنَّ اللّٰه شَاكِر" لِعَمَلِهِ بِالْاِثَابَةِ عَلَيْهِ "عَلِيْم" بِهِ،

بیشک صفا اور مروہ یہ مکہ کے دو پہاڑ ہیں۔ اللہ کے نشانوں یعنی دین کے نشانوں میں سے ہیں۔ کیونکہ شعائر یہ شعیرۃ کی جمع ہے تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے۔ ان دونوں کا معنی قصد وزیارت ہے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے، یہاں "اَنْ يَطَّوَّفَ" تاء کا طاء میں ادغام ہے۔ یعنی ان دونوں کے سات چکر لگائے کیونکہ دور جاہلیت میں لوگ ان دونوں کا طواف کیا کرتے تھے۔ اور ان دونوں میں دو بت تھے جن کو وہ مس کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سعی فرض نہیں ہے کیونکہ اثم پر جو رفع ہے وہ اختیار پر دلالت کرتا ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ اور دیگر فقہاء کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے فرض ہونے کو بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک اللہ نے تم پر سعی کو لکھ دیا ہے۔ اس کو امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا کہ تم اسی سے ابتداء کرو جس سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ یعنی صفا سے اور اس کو امام مسلم علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے۔ اور "وَمَنْ تَطَوَّعَ" ایک قرأت میں تاء تحتانیہ اور طاء کے شد کے ساتھ مجزوم ہے۔ اور اس میں تا کا طاء میں ادغام ہے۔ بھلائی یعنی اس عمل کی بھلائی جو طواف وغیرہ میں سے واجب نہیں ہے۔ اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے۔ تو اللہ نیکی کا صلہ دینے خبردار ہے۔

شعائر کے لغوی مفہوم کا بیان

شعیرۃ" کی جمع شعائر ہے۔ایسی نشانیوں یا علامتوں کو کہتے ہیں جن کو خاص اعمال کے لئے قرار دیا گیا ہو، کہا جاتا ہے کہ " شعائر اللہ "

ایسی علامتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے قرار دیا ہے پس "صفا و مروہ" کو "شعائر اللہ" کہنا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دو جگہوں کو ایسی علامتیں قرار دیا ہے کہ بندگان خدا وہاں عبادت کریں۔ اعتمر " کا مصدر "اعتمار" ہے جس کا معنی زیارت کرنا اور عمرہ بجالانا ہے۔(مجمع البیان)

سورہ بقرہ آیت ۱۵۸ کے شان نزول کا بیان

آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل (ایک جگہ کا نام ہے) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا، اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا۔(بخاری، مسلم)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی نہ کرنے والے پر اس عمل میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا۔ نیز میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے درمیان سعی نہ کروں۔ انہوں نے فرمایا اے بھانجے تو نے کتنی غلط بات کہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفاء اور مروہ کے درمیان سعی کی پھر اس کے بعد مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ہاں زمانہ جاہلیت میں جو سرکش مناۃ (بت) کے لئے لبیک کہتا تھا وہ صفاء و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ." 2 . البقرۃ:15)(جو حج بیت اللہ کرے یا عمرہ ادا کرے اس پر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے پر کوئی گناہ نہیں) اگر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا " (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرے)۔

زہری کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے بیان کی تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور فرمایا اس میں بڑا علم ہے۔ میں نے کچھ علماء کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عرب میں سے جو لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے درمیان سعی کرنا امور جاہلیت میں سے ہے اور انصار میں سے کچھ لوگ کہتے کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صفا و مروہ کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ." 2۔البقرۃ:158)(یعنی صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔) ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ آیت انہی لوگوں کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 896)

سعی کے وجوب ورکن میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک اگر کسی نے سعی ترک کی تو اس پر دم واجب ہے۔اور اس کا حج مکمل ہوگا۔کیونکہ ہمارے نزدیک سعی واجب ہے۔

جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک رکن ہے۔ہمارے نزدیک اس کے ترک پر فساد حج نہیں بلکہ دم لازم آئے گا۔کیونکہ ہر نسک رکن نہیں ہے لہٰذا دم اس کا قائم مقام ہوگا جس طرح رمی میں ہوتا ہے۔اور فساد سے احتراز اس لئے کیا کہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک سعی رکن ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ،۵،ص،۲۶۶،حقانیہ ملتان)

حضرت اسماعیل اور صفا مروہ کی فضیلت کا بیان

سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے سب سے پہلے ازار بند بنانا اسماعیل کی ماں سے سیکھا انہوں نے ازار بند بنایا تاکہ اپنے نشانات کو سارہ سے چھپائیں پھر انہیں اور ان کے لڑکے اسماعیل کو ابراہیم لے کر آئے اور وہ انہیں دودھ پلاتی تھیں تو ان دونوں کو مسجد کے اوپری حصہ میں زمزم کے پاس کعبہ کے قریب ایک درخت کے پاس بٹھا دیا اور اس وقت مکہ میں نہ تو آدمی تھا نہ پانی ابراہیم نے انہیں وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا اس کے بعد ابراہیم لوٹ کر چلے تو اسماعیل کی والدہ نے ان کے پیچھے دوڑ کر کہا: اے ابراہیم کہا جا رہے ہو اور ہمیں ایسے جنگل میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کچھ (کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو؟) اسماعیل کی والدہ نے یہ چند مرتبہ کہا مگر ابراہیم نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

اسماعیل کی والدہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! ہاجرہ نے کہا تو اب اللہ بھی ہم کو برباد نہیں کرے گا پھر وہ واپس چلی آئیں۔اور ابراہیم چلے گئے حتیٰ کہ وہ ثنیہ کے پاس پہنچے، جہاں سے وہ لوگ انہیں دیکھ نہ سکتے تھے، تو انہوں نے اپنا منہ کعبہ کی طرف کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی کہ (اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک (کفدست) میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں) اور اسماعیل کی والدہ انہیں دودھ پلاتی تھیں اور اس مشکیزہ کا پانی پیتی تھیں حتیٰ کہ جب وہ پانی ختم ہو گیا تو انہیں اور ان کے بچہ کو (سخت) پیاس لگی وہ اس بچہ کو دیکھنے لگیں کہ وہ مارے پیاس کے تڑپ رہا ہے یا فرمایا کہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے وہ اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہ لا کر چلیں اور انہوں نے اپنے قریب جو اس جگہ کے متصل تھا کوہ صفا کو دیکھا پس وہ اس پر چڑھ کر کھڑی ہوئیں اور جنگل کی طرف منہ کر کے دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آتا ہے یا نہیں؟ تو ان کو کوئی نظر نہ آیا (جس سے پانی مانگیں) پھر وہ صفا سے اتریں۔

جب وہ نشیب میں پہنچیں تو اپنا دامن اٹھا کے ایسے دوڑیں جیسے کوئی سخت مصیبت زدہ آدمی دوڑتا ہے حتیٰ کہ اس نشیب سے گزر گئیں پھر وہ کوہ مروہ پر آکر کھڑی ہوئیں اور ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی نظر آتا ہے یا نہیں تو انہیں کوئی نظر نہ آیا اسی طرح انہوں نے سات مرتبہ کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی لئے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں

جب وہ آخری دفعہ کوہ مروہ پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی خود ہی کہنے لگیں ذرا ٹھہر کر سننا چاہئے تو انہوں نے کان لگایا تو پھر بھی آواز سنی خود ہی کہنے لگیں (اے شخص) تو نے آواز تو سنا دی کاش کہ تیرے پاس فریاد رسی بھی ہو، یکا یک ایک فرشتہ کو مقام زمزم میں دیکھا اس فرشتہ نے اپنی ایڑی ماری یا فرمایا کہ اپنا پر مارا حتیٰ کہ پانی نکل آیا ہاجرہ اسے حوض کی شکل میں بنا کر روکنے لگیں اور ادھر ادھر کرنے لگیں۔

اور چلو بھر بھر کے اپنی مشک میں ڈالنے لگیں ان کے چلو بھرنے کے بعد پانی زمین سے ابلنے لگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اسماعیل کی والدہ پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو (روکتی نہیں بلکہ) چھوڑ دیتیں یا فرمایا چلو بھر بھر کے نہ ڈالتیں تو زمزم ایک جاری رہنے والا چشمہ ہوتا پھر فرمایا کہ انہوں نے پانی پیا اور بچہ کو پلایا پھر ان سے فرشتہ نے کہا کہ تم اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہلاک و برباد نہیں کرتا (اس وقت) بیت اللہ زمین سے ٹیلہ کی طرح اونچا تھا سیلاب آتے تھے تو اس کے دائیں بائیں کٹ جاتے تھے ہاجرہ اسی طرح رہتی رہیں یہاں تک کہ چند لوگ قبیلہ بنو جرہم کے ان کی طرف سے گزرے یا یہ فرمایا کہ بنو جرہم کے کچھ لوگ کدا کے راستہ سے لوٹتے ہوئے آرہے تھے تو وہ مکہ نشیب میں اترے انہوں نے کچھ پرندوں کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا بیشک یہ پرندے پانی پر چکر لگا رہے ہیں (حالانکہ) ہمارا زمانہ اس وادی میں گزرا تو اس میں پانی نہ تھا انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو انہوں نے پانی کو دیکھ لیا، واپس آ کر انہوں نے سب کو پانی ملنے کی اطلاع دی وہ سب لوگ ادھر آنے لگے کہا کہ اسماعیل کی والدہ پانی کے پاس بیٹھی تھیں تو ان لوگوں نے کہا کیا تم اجازت دیتی ہو کہ ہم تمہارے پاس قیام کریں انہوں نے کہا اجازت ہے مگر پانی پر کوئی حق نہ ہوگا انہوں نے شرط منظور کر لی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسماعیل کی والدہ نے اسے غنیمت سمجھا وہ انسانوں سے انس رکھتی تھیں تو وہ لوگ مقیم ہو گئے اور اپنے اہل وعیال کو بھی پیغام بھیج کر وہاں بلا لیا انہوں نے بھی وہیں قیام کیا حتیٰ کہ ان کے پاس چند خاندان آباد ہو گئے اور اب اسماعیل بچہ سے بڑے ہو گئے اور انہوں نے بنو جرہم سے عربی سیکھ لی اور خود ان کی حالت بھی معلوم کر لی اسماعیل جب جوان ہوائے تو انہیں بڑے بھلے معلوم ہوئے جب اسماعیل بالغ ہوئے تو انہوں نے اپنے قبیلہ کی ایک عورت سے ان کا نکاح کر دیا اور اسماعیل کی والدہ وفات پا گئیں۔

حضرت ابراہیم اپنے چھوڑے ہوؤں کو دیکھنے کے لئے اسماعیل کے نکاح کے بعد تشریف لائے تو اسماعیل کو نہ پایا ان کی بیوی سے معلوم کیا تو اس نے کہا کہ وہ ہمارے لئے رزق تلاش کرنے گئے ہیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بسر اوقات اور حالت معلوم کی تو اس عورت نے کہا ہماری بری حالت ہے اور ہم بڑی تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہیں (گویا) انہوں نے ابراہیم سے شکوہ کیا ابراہیم نے کہا کہ جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دیں جب اسماعیل واپس آئے تو گویا انہوں نے اپنے والد کی تشریف آوری کے آثار پائے تو کہا کیا تمہارے پاس کوئی آدمی آیا تھا؟ بیوی نے

کہاہاں! ایسا ایسا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا اور اس نے ہماری بسر اوقات کے متعلق دریافت کیا تو میں نے بتادیا کہ ہم تکلیف اور سختی میں ہیں اسماعیل نے کہا کیا انہوں نے کچھ پیغام دیا ہے؟ کہاہاں! مجھ کو حکم دیا تھا کہ تمہیں ان کا سلام پہنچادوں اور وہ کہتے تھے تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دو اسماعیل نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے تم کو جدا کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا تم اپنے گھر چلی جاؤ اور اس کو طلاق دے دی۔

اور بنو جرہم کی کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیا کچھ مدت کے بعد ابراہیم پھر آئے تو اسماعیل کو نہ پایا اُن کی بیوی کے پاس آئے اور اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا وہ ہمارے لئے رزق تلاش کرنے گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اور ان کی بسر اوقات معلوم کی اس نے کہا ہم اچھی حالت اور فراخی میں ہیں اور اللہ کی تعریف کی ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تمہاری غذا کیا ہے؟ انہوں نے کہا گوشت ابراہیم نے پوچھا تمہارے پینے کی کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا پانی، ابراہیم نے دعا کی اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت وہاں غلہ نہ ہوتا تھا اگر غلہ ہوتا تو اس میں بھی ان کے لئے دعا کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص مکہ کے سوا کسی اور جگہ گوشت اور پانی پر گزارہ نہیں کر سکتا صرف گوشت اور پانی مزاج کے موافق نہیں آسکتا ابراہیم نے کہا جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور انہیں میری طرف سے یہ حکم دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ باقی رکھیں جب اسماعیل آئے تو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آدمی آیا تھا ؟ بیوی نے کہاہاں! ایک بزرگ خوبصورت پاکیزہ سیرت آئے تھے اور ان کی تعریف کی تو انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتادیا پھر مجھ سے ہماری بسر اوقات کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم بڑی اچھی حالت میں ہیں اسماعیل نے کہا کہ تمہیں وہ کوئی حکم دے گئے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ آپ کو سلام کہہ گئے ہیں اور حکم دے گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ باقی رکھیں۔

اسماعیل نے کہا وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ سے تم مراد ہو گویا انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ تمہیں اپنی زوجیت میں باقی رکھوں پھر ابراہیم کچھ مدت کے بعد پھر آئے اور اسماعیل کو زمزم کے قریب ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے اپنے تیر بناتے پایا جب اسماعیل نے انہیں دیکھا تو ان کی طرف بڑھے اور دونوں نے ایسا معاملہ کیا جیسے والد لڑکے سے اور لڑکا والد سے کرتا ہے ابراہیم نے کہا: اے اسماعیل! اللہ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔

انہوں نے عرض کیا کہ اس حکم کے مطابق عمل کیجئے ابراہیم بولے کیا تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟ اسماعیل نے کہاں ہاں! میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا ابراہیم نے کہا کہ اللہ نے مجھے یہاں بیت اللہ بنانے کا حکم دیا ہے اور آپ نے اس اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا یعنی اس کے گرداگرد ان دونوں نے کعبہ کی دیواریں بلند کیں اسماعیل پتھر لاتے تھے اور ابراہیم تعمیر کرتے تھے حتیٰ کہ جب دیوار بلند ہوئی تو اسماعیل ایک پتھر کو اٹھا لائے اور اسے ابراہیم کے لئے رکھ دیا ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے اور اسماعیل انہیں پتھر دیتے تھے اور دونوں یہ دعا کرتے رہے کہ اے پروردگار! ہم سے (یہ کام) قبول فرما بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے پھر دونوں تعمیر کرنے

لگے اور کعبہ کے گرد گھوم کر یہ کہتے جاتے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ کام) قبول فرما بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 599)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ
فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝
بیشک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے اپنی کتاب میں
واضح کر دیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے۔ اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

یہود پر ہر لعنت کرنے والوں کی لعنت کا بیان

وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ "اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ" النَّاس "مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَات وَالْهُدَى" كَآيَةِ الرَّجْم وَنَعْت مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مِنْ بَعْد مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَاب" التَّوْرَاة "اُولٰئِكَ يَلْعَنهُمْ اللّٰه" يُبْعِدهُمْ مِنْ رَحْمَته "وَيَلْعَنهُمْ اللَّاعِنُوْنَ" الْمَلَائِكَة وَالْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ كُلّ شَيْء بِالدُّعَاءِ عَلَيْهِمْ بِاللَّعْنَةِ،

یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بیشک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جس طرح رجم کی آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے اپنی کتاب یعنی تورات میں واضح کر دیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت یعنی ان کو رحمت سے دور کرتا ہے۔ اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یعنی فرشتے، اہل ایمان یا ہر وہ چیز جو ان کیلئے لعنت کی بددعا کرتی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۹ کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اور آیت رجم اور توریت کے دوسرے احکام کو چھپایا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودیہ کو لایا گیا ان دونوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تورات میں کیا پاتے ہو اس کے بارے میں جس نے زنا کیا؟ انہوں نے کہا ہم ان کے چہروں کو سیاہ کرتے ہیں اور سوار کرتے ہیں اس طرح کہ ہم ان کے چہروں کو ایک دوسرے کے مخالف کرتے ہیں اور ان کو چکر لگواتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لے آ و۔ وہ اسے لے آئے اور پڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آیت رجم تک پہنچے تو اس نوجوان نے جو پڑھ رہا تھا اپنا ہاتھ آیت پر رکھ لیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیں۔ اس نے ہٹایا تو اس کے نیچے آیت رجم تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، انہیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں بھی ان دونوں کو سنگسار کرنے والو میں سے تھا۔ تحقیق! میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ پر پتھر برداشت کر کے اس عورت کو بچا رہا تھا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1944)

علم کی بات چھپانے والوں کی مذمت کا بیان

صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے کسی شرعی عمر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ جاندار اس کا دھما کہ سنتے ہیں سوائے جن وانس کے۔ پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی حضرت عطاء فرماتے ہیں آیت (لاعنون) سے مراد تمام جانور اور کل جن وانس ہے۔ حضرت مجاھد فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ نبی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے، بعض مفسرین کہتے اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں، حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر بازبان اور ہر بیزبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
مگر وہ لوگ جو توبہ کریں اور سنواریں اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

اہل اصلاح کی توبہ کی قبولیت کا بیان

"اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا" رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِكَ "وَاَصْلَحُوْا" عَمَلَهُمْ "وَبَيَّنُوْا" مَا كَتَمُوْا "فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ" اَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ "وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" بِالْمُؤْمِنِيْنَ،

مگر وہ لوگ جو توبہ کریں یعنی اس سے رجوع کریں اور اپنے عمل کو سنواریں اور ظاہر کریں جو انہوں نے چھپایا تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا، اہل ایمان کے ساتھ مہربان ہوں۔

توبہ کرنے کے سبب گناہوں کی بخشش کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ سو مرتبہ شمار کرتے تھے۔ (سنن ابوداود: جلد اول: حدیث نمبر 1512)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے انتظار میں بیٹھے تھے وہ ہماری طرف نکل آئے اور بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے جاری ہونے سے مانع بن گئی تو بیشک اس نے اللہ سے ضد کی اور جس شخص نے کسی امر باطل پر جھگڑا کیا اور اسے معلوم ہو (کہ یہ غلط اور باطل ہے) تو وہ اس جھگڑے کو جب تک نہیں چھوڑے گا اللہ کے غصہ اور غضب میں رہے گا اور جس شخص نے کسی مومن و مسلمان کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس کے اندر نہیں ہے تو اللہ اسے اہل دوزخ کی کیچڑ اور گندگی وغلاظت میں رکھیں گے یہاں تک کہ جو کچھ اس نے کہا کہ اس سے توبہ نہ کرلے۔ (سنن ابوداود: جلد سوم: حدیث نمبر 204)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ٥
بیشک جنہوں نے کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہی تھے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

حالت کفر میں مرنے والے کفار پر لعنت کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ" حال "اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" اَیْ هُمْ مُسْتَحِقُّوْنَ ذٰلِكَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالنَّاسِ قِيلَ : عَامٌّ وَقِيلَ : الْمُؤْمِنُوْنَ،

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہی تھے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ یعنی وہ دنیا و آخرت میں لعنت کے حقدار ہیں۔ اور الناس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عام لوگ مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل ایمان مراد ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۶۱ کے مضمون نزول کا بیان

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنہوں نے کیا اور کفر کی حالت میں مرگئے ان پر لعنت ہو۔ لعن (طعن) کے معنی ہیں، اللہ کی رحمت سے دور کرنا، حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی کو لعن طعن کرنا انتہائی بری حرکت ہے چنانچہ شریعت کا حکم ہے کہ کسی آدمی کو متعین کر کے اس پر لعنت نہ بھیجی جائے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کسی متعین کافر پر لعنت بھیجنے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب اس کو ایمان و اسلام کی توفیق ہو جائے اور وہ کفر و شرک کی لعنت سے نکل کر اللہ کی رحمت کے سایہ میں آجائے۔ ہاں جو آدمی کفر کی حالت میں مرگیا ہو اور اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو تو اس پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے اسی طرح نفس برائی پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کفر پر اللہ کی لعنت یا یہ کہ کافروں پر اللہ کی لعنت۔

کافروں پر فرشتوں کی لعنت کا بیان

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری شخص کے جنازہ کے

ساتھ چلے ہم قبر پر پہنچے (قبر تیار نہ ہونے کی وجہ سے) ابھی جنازہ سپرد خاک نہیں ہوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے ہم بھی آپ کے گرداگرد (اس طرح) بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (یعنی ہم بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ جس سے آپ زمین کرید رہے تھے (جس طرح کہ کوئی شخص انتہائی تفکر و استغراق کے عالم میں ہوتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا۔ اور پھر فرمایا" جب بندہ مومن دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے کو ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (یعنی مرنے کے قریب ہوتا ہے) تو اس کے پاس آسمان سے نہایت روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں (جن کے چہرہ کی چمک دمک ایسی ہوتی ہے) گویا کہ ان کے چہرے آفتاب ہیں، ان کے ہمراہ جنت کا (یعنی ریشمی کپڑے کا) کفن اور جنت کی خوشبو (یعنی مشک وعنبر وغیرہ کی خوشبو) ہوتی ہے اور وہ (بسبب کمال ادب اور روح نکلنے کے انتظار میں) اس کے سامنے اتنی دور کہ جہاں تک کہ اس کی نگاہ پہنچ سکے، بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتے ہیں کہ "اے پاک جان! اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے مغفرت و بخشش اور اس کی خوشنودی کی طرف پہنچنے کے لیے جسم سے نکل! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) بندہ مومن کی جان (اس کے جسم سے) اس طرح (یعنی آسانی اور سہولت سے) نکل آتی ہے جس طرح کہ مشک سے پانی کا قطرہ بہ نکلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں، جب ملک الموت اسے لے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس جان کو ملک الموت کے ہاتھ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے یعنی غایت اشتیاق کی بنا پر فوراً اس جان کو ملک الموت کے ہاتھوں سے (اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں کہ جسے وہ اپنے ہاتھ میں لائے تھے رکھ لیتے ہیں، اور اس جان سے بہترین وہ خوشبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر (زمین کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی فنا تک) پائی جانے والی مشک کی بہترین خوشبوؤں کے مانند ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "پھر وہ فرشتے اس جان کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں، چنانچہ جب وہ فرشتے اس جان کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں تو (زمین و آسمان کے درمیان موجود) فرشتوں کی کسی بھی جماعت کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کون ہے؟ وہ فرشتے جو اس روح کو لے جا رہے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا (یعنی اس کی روح) ہے اور وہ فرشتے اس کو بہترین نام و لقب (اور اس کے اوصاف) بتاتے ہیں جن کے ذریعہ اہل دنیا اس کا ذکر کرتے ہیں اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ فرشتے اس کو لے کر آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان تک) پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں جو ان کے لیے کھول دیا جاتا ہے (اسی طرح ہر آسمان کا دروازہ اس کے لیے کھولا جاتا ہے) اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں تک (اسی اعزاز و اکرام کے ساتھ) پہنچا دیا جاتا ہے۔ پس اللہ عز وجل (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ اس بندہ کا نامہ اعمال علیین میں رکھو اور اس جان کو زمین کی طرف یعنی اس کے بدن میں جو زمین میں مدفون ہے واپس لے جاؤ (تاکہ یہ اپنے بدن میں پہنچ کر قبر کے سوال و جواب کے لیے تیار رہے) کیونکہ بے شک

میں زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے اور زمین ہی میں ان کو (یعنی اجسام وارواح کو) واپس بھیجتا ہوں اور پھر زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد وہ جان اپنے جسم میں پہنچادی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے (یعنی منکر نکیر) آتے ہیں جو اسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ بندہ مومن جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے وہ جواب دیتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ یہ تم نے کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے خدا کی کتاب کو پڑھا، اس پر ایمان لایا۔ اور دل سے اسے سچ جانا (جس کی وجہ سے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا معلوم ہوا پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے (یعنی خدا کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ) میرا بندہ سچا ہے اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ اس کی طرف جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے اسے جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد اس کے پاس ایک خوبصورت شخص اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ خوشخبری ہو تجھے اس چیز کی جو تجھے خوش کرنے والی ہے۔ یعنی تیرے لیے وہ نعمتیں تیار ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا آج وہ دن ہے جس کا (دنیا میں) تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ بندہ مومن اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حسن و جمال میں کامل ہے اور تم بھلائی کو لائے ہو اور اس کی خوشخبری سناتے ہو وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں (جو اس شکل وصورت میں آیا ہوں) آج وہ دن ہے جس کا (دنیا میں) تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا بندہ مومن (یہ سن کر) کہتا ہے اے میرے پروردگار قیامت قائم کر دے! قیامت قائم کر دے قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جب بندہ کافر دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے اور آخرت کی طرف جانے کو ہوتا ہے (یعنی اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے) تو اس کے پاس سے آسمان سے (عذاب کے) کالے چہرے والے فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ اتنی دور کہ جہاں تک نگاہ پہنچ سکے بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتا ہے کہ اے خبیث جان! خدا کی طرف سے عذاب (بتلا کیے جانے کے لیے جسم سے باہر) نکل! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کافر کی روح یہ سن کر) اس کے جسم میں پھیل جاتی ہے (یعنی روح کافر جب عذاب خداوندی کے آثار دیکھتی ہے تو اس کے خوف سے اپنے جسم سے نکلنے کے لیے تیار نہیں بلکہ پورے جسم میں چھپی چھپی پھرتی ہے بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ انوار الٰہی اور پروردگار کے کرم کے آثار دیکھ کر جسم سے خوشی خوشی نکل آتی ہے) چنانچہ ملک الموت اس روح کو سختی اور زور سے باہر نکالتا ہے جیسا کہ تر صوف سے آنکڑا کھینچا جاتا ہے (یعنی جس طرح تر صوف سے آنکڑا بڑی سختی اور مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس سختی سے کھینچنے کی وجہ سے صوف کے کچھ اجزاء اس آنکڑا سے لگے ہوئے باہر آجاتے ہیں تو یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے کہ روح کے ساتھ رگوں کے کچھ اجزاء لگے ہوئے باہر آگئے ہیں) جب ملک الموت اس

روح کو کھا لیتا ہے دوسرے فرشتے اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے بلکہ اسے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس روح میں سے ایسے (سڑے ہوئے) مردار کی بدبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر پایا جائے۔ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں چنانچہ جب وہ فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ یہ کون ناپاک روح ہے؟ وہ فرشتے جو اسے لے جارہے ہوتے ہیں جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے (یعنی فلاں شخص کی روح ہے) اور اس کے برے نام برے اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ جن نام واوصاف سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اسے آسمان سے دنیا تک پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا جاتا ہے تو اس کے واسطے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استدلال کے طور پر یہ آیت پڑھی: (لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (7 ۔ الاعراف:40)۔ ان کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس روح کا اعمال نامہ سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچے کی زمین ہے۔ چنانچہ کافر کی روح (نیچے) پھینک دی جاتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (استدلال کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی (وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ)22۔الحج :31)۔ جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے (یعنی ایمان وتوحید کی بلندی سے کفر وشرک کی بستی میں) گر پڑا۔ چنانچہ اسے پرندے اچک لیتے ہیں (یعنی وہ ہلاک ہو جاتا ہے) یا ہوا اسے (اڑا کر) دور پھینک دیتی ہے (یعنی رحمت خداوندی سے دور ہو جاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسے شیطان نے گمراہی میں ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ مقام قرب سے دور جا پڑا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اس کی روح اس کے جسم میں آجاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ! میں نہیں جانتا۔ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ! میں نہیں جانتا پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ یہ " شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ! میں نہیں جانتا! (اس سوال وجواب کے بعد) پکارنے والا آسمان کی طرف سے پکار کر کہتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لیے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو!۔ چنانچہ (اس کے لیے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے) جس سے اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور اس کی گرم ہوا آتی رہتی ہے اور اس کے لیے اس کی قبر اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ (دونوں کنارے مل جانے سے) اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر نکل جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آتا ہے جو برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے اور اس سے بدبو آتی رہتی ہے اور وہ اس سے کہتا ہے کہ تو وہ بری خبر سن، جو تجھے رنج وغم میں مبتلا کردے، آج وہ دن ہے جس کا تجھ سے (دنیا میں وعدہ کیا گیا

تھا۔ وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تیرا چہرہ انتہائی برا ہے جو برائی لیے ہوئے آیا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ تیرا برا عمل ہوں (یہ سن کر) مردہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار قیامت قائم نہ کیجیے۔

ایک اور روایت میں اسی طرح منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب مومن کی روح (اس کے جسم سے) نکلتی ہے تو ہر وہ فرشتہ جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اور ہر وہ فرشتہ جو آسمان میں ہے اس پر رحمت بھیجتا ہے۔ اس لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور (ہر آسمان کا) ہر دروازے والا (فرشتہ) اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اس مومن کی روح اس کی طرف سے آسمان پر لے جائی جائے (تاکہ وہ اس مومن کی روح کے ساتھ چلنے کا شرف حاصل ہو سکے) اور کافر کی روح رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے چنانچہ زمین و آسمان کے درمیان تمام فرشتے اور وہ فرشتے جو (پہلے آسمان کے) ہیں اس پر لعنت بھیجتے ہیں اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پہلے آسمان کے تمام دروازے والے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کافر کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھائی جائے۔ (احمد، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 107)

مستحق لعنت بنانے والے بعض اعمال کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ نے بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (پہلا) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (دوسرا) تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا۔ (تیسرا) وہ آدمی جو زبردستی غلبہ پانے کی بنا پر ایسے آدمی کو معزز بنائے جس کو اللہ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس آدمی کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت کی دولت سے نواز رکھا ہو۔ (چوتھا) وہ آدمی جو (حدود اللہ سے تجاوز کر کے اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (پانچواں) وہ جو میری اولاد سے وہ چیز (قتل) حلال جانے جو اللہ نے حرام کی ہے۔ اور (چھٹا) وہ آدمی جو میری سنت کو چھوڑ دے۔ (بیہقی، رزین، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 105)

حدیث میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے ان غلط عقائد اور گمراہ کن اعمال کی بنا پر شریعت کی نظر میں اتنے مجرم ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور نہ صرف یہ کہ دربار رسالت سے ان پر پھٹکار برسائی گئی ہے بلکہ وہ بارگاہ الوہیت سے بھی راندہ درگاہ کر دیئے گئے۔ چنانچہ کسی آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہیں؟ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ چونکہ خداوند قدوس نے ان کو اپنے اعمال کی بنا پر ملعون قرار دیا ہے اس لیے یہ اسی کے مستحق ہیں کہ رسول بھی ان کو ملعون قرار دے اور ظاہر ہے نبی کی لسان مقدس سے نکلی ہوئی ہر دعا اور ہر بددعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے اس لیے جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لعنت بھیجیں اس کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور دین میں تباہ ہو جائے گا اسی طرف کل نبی یجاب کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

ویسے تو اس حدیث میں جس ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ معترضہ واقع ہو رہا ہے اور اس کے مقصد لعنت میں شدت ہے۔ پہلا آدمی جسے ملعون قرار دیا جا رہا ہے وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا ہے، خواہ وہ قرآن میں الفاظ کی زیادتی کرے یا قرآن کی

آیتوں کے ایسے معنی بیان کرے جو کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف اور منشاء الٰہی کے برعکس ہوں۔

تیسرا آدمی وہ ہے جو زبردستی غلبہ حاصل کرے اور اپنی ظاہری شان و شوکت کے بل بوتہ پر ان لوگوں کو معزز کرے جو اللہ کی نظروں میں ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو ذلیل کرے جو اللہ کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور اس تیسرے آدمی سے مراد ایسے بادشاہ اور ظالم حاکم ہیں جو اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر حکومت و دولت کے نشہ میں اللہ کے ان صالح و نیک بندوں اور مسلمانوں کو ذلیل خوار کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بڑی عزت و عظمت کے مالک ہوتے ہیں اور ایسے کافروں، جاہلوں اور بدکار لوگوں کو عزیز رکھتے ہیں جو اللہ کی نظر میں سخت ذلیل ہوتے ہیں۔

چوتھا آدمی وہ ہے جو اللہ کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے یعنی ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے جو اللہ کی جانب سے حرام کر دی گئی ہیں مثلاً بیت اللہ مکہ میں، جن باتوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے جیسے کسی جانور کا شکار کرنا، درخت وغیرہ کاٹنا، یا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا، ان کو وہ حلال سمجھتا ہو، ایسے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارہ میں جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کو حرام کرتا ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ عنہ کی اولاد کی عزت و تعظیم کرنا ضروری ہے لیکن کوئی آدمی نہ کرنے کو جائز سمجھے یا ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا گیا ہے ان کو تکلیف پہنچانا حلال جانے تو اس پر بھی لعنت فرمائی گئی۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی میری اولاد میں سے ہونے کے باوجود ان افعال کو حلال جان کر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس طرح اس کا مقصد سیدوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہونے کے ناطے گناہ و معصیت سے بچتے رہیں، اس لیے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس قوم کو گناہ و معصیت زیادہ برائی و تباہی کا باعث ہیں کیونکہ ان کا نسبی تعلق براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

اسی طرح پانچواں ملعون وہ آدمی قرار دیا گیا ہے جو ان چیزوں کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو۔ چھٹا ملعون آدمی کو قرار دیا گیا ہے جو سنت نبوی کو ترک کرتا ہو۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی سستی اور کسل کی بنا پر سنت کو ترک کرتا ہو وہ گناہ گار ہے اور جو آدمی سنت کو نعوذ باللہ ناقابل اعتناء سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ کافر ہے لیکن اس لعنت میں دونوں شریک ہیں۔ مگر یہ کہا جائے گا کہ جو آدمی از راہ کسل و سستی سنت چھوڑتا ہے اس پر لعنت کرنا زجر و توبیخ کے لیے ہے اور جو آدمی ناقابل اعتناء سمجھ کر سنت کو ترک کرتا ہے اس پر حقیقۃً لعنت ہوگی ہاں اگر کوئی آدمی کسی وجہ سے کسی وقت سنت کو ترک کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری میں جس سے اٹھ نہ سکے (یعنی مرض وفات میں) فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 676)

کافروں پر لعنت بھیجنے کا بیان

حضرت اعرج فرماتے ہیں کہ "ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان (کے روزوں) میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور

(اس زمانے میں) قاری (یعنی نماز تراویح کا امام) سورت بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھا کرتا تھا اور اگر (کبھی) سورت بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ نماز ہلکی پڑھی گئی ہے۔ (مالک، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1276)

اگرچہ حدیث سے بصراحت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کفار پر لعنت پورے رمضان کے وتروں کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس طرح تمام حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے گی چنانچہ اس مفہوم کو اختیار کرنے کے بعد یہ حدیث حضرت عمر کی اس حدیث کے منافی نہیں ہوگی جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب رمضان کا نصف حصہ گذر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔

کفار پر لعنت بھیجنے کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے اس بابرکت اور مقدس و باعظمت مہینے کی تعظیم نہ کی جس کی عظمت و بزرگی خود باری تعالیٰ عز اسمہ نے بیان فرمائی ہے اور سر چشمہ ہدایت و فیضان کلام اللہ سے ذرہ برابر بھی ہدایت حاصل نہیں کی جو اسی باعظمت مہینے میں نازل ہوا ہے تو وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر لعنت بھیجی جائے۔

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں ابھی پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کی رکعتوں کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مختلف رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعتیں بھی مسنون ہیں اور یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح تیرہ اور بیس رکعتیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنی منقول ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں متعین فرما دیں اس کے بعد تمام صحابہ کا اسی پر عمل رہا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس کا انتظام رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اپنے اوپر لازم قرار دو، اسے اپنے دانتوں سے پکڑو۔

لہٰذا اگر کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی موجودگی میں تراویح کی بیس رکعتوں کا اس لیے قائل نہیں ہوتا کہ ان کا ثبوت قطعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے تو اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ منشاء نبوت اور حقیقت سنت کی صریح خلاف ورزی کر رہا ہے۔

ہوا پر لعنت بھیجنے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی نے کسی ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی مستحق نہ تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو (رحمت یا عذاب کے لیے) اللہ کی جانب سے مامور ہے اور جو آدمی کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1493)

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لعنت کا باعث تین ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ (۱) کفر (۲) بدعت (۳) فسق، اور ظاہر ہے کہ ہوا میں ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا کو لعنت

دینے سے منع فرمایا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝
ہمیشہ رہیں گے۔اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے،

کفار کو آخرت میں توبہ کی بھی مہلت نہ مل سکے گی

"خَالِدِيْنَ فِيْهَا" اَیْ اللَّعْنَة وَالنَّار الْمَدْلُول بِهَا عَلَيْهَا "لَا يُخَفَّف عَنْهُمْ الْعَذَاب" طَرْفَة عَيْن "وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ" يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ لِمَعْذِرَةٍ،

ہمیشہ رہیں گے۔یعنی لعنت اور آگ میں جو اس لعنت کا مدلول ہے۔اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہوگا یعنی کوئی رعایت نہ ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے،یعنی ان کو توبہ یا مغفرت کی مہلت نہ دی جائے گی۔

و لا ھم ینظرون، یہ مطلب اس بنا پر ہے کہ "ینظرون" باب افعال سے فعل مجہول ہو اسکا مصدر "انظار، مہلت دینا" ہے "و ماتوا و ھم کفار" کے قرینہ سے مہلت نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ عذاب مرنے کے فرا بعد شروع ہو جائے گا۔اس مطلب میں فعل مجہول "ینظرون"، "نظر" سے لیا گیا ہے جسکا معنی ہے دیکھنا پس "و لا ھم ینظرون "یعنی ان پر نظر رحمت نہ ڈالے گا۔

کفار کیلئے جہنم کا دائمی عذاب ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔کافر اس پر ستر سال میں چڑھے گا اور پھر اتنی ہی مدتے میں گرتا رہے گا۔اور ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔یہ حدیث غریب ہے۔ہم اسے صرف ابن لہیعہ کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 480)

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝
اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

صفات الٰہی کو بیان کرنے کے مطالبہ کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّك : "وَاِلٰهكُمْ" الْمُسْتَحِقّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ "اِلٰه وَاحِد" لَا نَظِير لَهُ فِيْ ذَاته وَلَا فِيْ صِفَاته "لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" هُوَ "الرَّحْمٰن الرَّحِيْم" وَطَلَبُوا اٰيَة عَلٰى ذٰلِكَ فَنَزَلَ،

اور جب انہوں نے یعنی مشرکین نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب کا وصف بیان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔اور تمہارا معبود جو تمہاری عبادت کے لائق ہے۔خدائے واحد ہے یعنی ذات وصفات میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔اور جب مشرکین نے اس کی دلیل کا مطالبہ کیا تو اگلی

آیت نازل ہوئی۔

سورہ بقرہ آیت ۱۶۳ کے شان نزول کا بیان

جب کفار نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ اپنے رب کی شان وصفت بیان فرمایئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بتادیا گیا کہ معبود صرف ایک ہے نہ وہ متجزی ہوتا ہے نہ منقسم نہ اس کے لئے مثل نہ نظیر۔ اُلوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک نہیں وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اس کا قسیم نہیں اپنے صفات میں یگانہ ہے کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ابوداؤد و ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک یہی آیت وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، دوسری " الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ)(آل عمران ۲)

اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید و رسالت پر ہونے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک یہ لوگ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نیز ہمارے قبلے کی طرف منہ کریں، ہماری ذبح کی ہوئی چیزیں کھائیں اور ہماری نماز کی سی نماز پڑھیں۔ اگر وہ لوگ ایسا کریں گے تو ان کے مال اور جانیں ہم پر حرام ہو جائیں گی مگر یہ کہ وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کریں جس کی وجہ سے ان کی یہ چیزیں حلال ہو جائیں۔ پھر ان کے لیے وہی کچھ ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے اور ان پر بھی وہی حقوق واجب الاداہیں جو دوسرے مسلمانوں پر ہیں۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبل اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔ یحیی بن ایوب نے بھی حمید سے اور انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مانند حدیث نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 515)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا
يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ
كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○
بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ
نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ
آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

توحید اور وجود باری تعالی کے دلائل کا بیان

"اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" وَمَا فِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ "وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" بِالذَّهَابِ

وَالْمَجِیْءِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ "وَالْفُلْكِ" السُّفُنِ "الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ" وَلَا تَرْسُبُ مُوْقَرَةً "بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ" مِنَ التِّجَارَاتِ وَالْحَمْلِ "وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ" مَطَرٍ "فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ" بِالنَّبَاتِ "بَعْدَ مَوْتِهَا" يُبْسِهَا "وَبَثَّ" فَرَّقَ وَنَشَرَ بِهِ "فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ" لِاَنَّهُمْ يَنْمُوْنَ بِالْخِصْبِ الْكَائِنِ عَنْهُ "وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ" تَقْلِيْبِهَا جُنُوْبًا وَّشِمَالًا حَارَّةً وَبَارِدَةً "وَالسَّحَابِ" الْغَيْمِ "الْمُسَخَّرِ" الْمُذَلَّلِ بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی يَسِيْرُ اِلٰی حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ "بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ" بِلَا عَلَاقَةٍ "لَاٰيٰتٍ" دَالَّاتٍ عَلٰی وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰی "لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ،

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش یعنی جو کچھ ان دونوں میں عجائب ہیں اور رات و دن کا بدلتے آنا یعنی چلنے جانا اور آجانا اور زیادہ ہونا اور کم ہونا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے۔ یعنی تجارتی سامان اٹھا کر چلتی ہیں۔ اور بوجھل ہونے کے باوجود ڈوبتی نہیں ہیں۔ اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی یعنی بارش اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا یعنی نبات اگانے کے قابل بنا دیا یعنی خشک ہونے کے بعد اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے کیونکہ ان کی نشو ونما اسی کے سبزے سے ہوتی ہے۔ اور ہواؤں کی گردش یعنی شمال وجنوب جو کبھی ٹھنڈی ہوتی ہیں اور کبھی گرم ہوتی ہیں۔ اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے یعنی زمین وآسمان کے درمیان بغیر باندھے معلق ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسی جانب چلتے ہیں یعنی کسی بندھن کے اور آیات یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سب میں عقلمندوں یعنی غور وفکر کرنے والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بما ینفع "میں "ما" ممکن ہے موصولہ ہو تو اس صورت میں "باء" مصاحبت کے لئے ہوگی۔ بنا بریں "التی تجری،" یعنی وہ کشتیاں جو سمندر میں حرکت کرتی ہیں اور ان میں مال تجارت وغیرہ ہوتا ہے لوگوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ البتہ "ما" مصدریہ بھی ہوسکتی ہے اس صورت میں "باء" سببیت کے لئے ہوگی یعنی وہ کشتیاں جو انسانوں کو نفع دینے کے لئے سمندر میں حرکت کرتی ہیں

سورہ بقرہ آیت ۱۶۴ کے شان نزول کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں آپ نے فرمایا پختہ وعدے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو، آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تو تیری جھک جائے اس پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، ۱۶۴)

وجود باری تعالیٰ کے حق ہونے پر سات دلائل کا بیان

یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم وتدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی آیت میں نہیں

۱۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت وعظمت محتاج بیان نہیں۔

۲۔ رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی۔ پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔

۳۔ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے سامان رزق وآسائش ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔

۴۔ بارش جو زمین کی شادابی وروئیدگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

۵۔ ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل وحمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔

۶۔ ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی گرم بھی، بارآور بھی اور غیر بارآور بھی، مشرقی مغربی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اور ان کی ضروریات کے مطابق ہے۔

۷۔ بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے، یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اور اس نظم وتدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود سمجھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ
وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○
اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں
اور کیسے ہو اگر دیکھیں ظالم وہ وقت جب کہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لئے کہ سارا زور اللہ کو ہے اور اس لئے کہ
اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

غیر اللہ یعنی بتوں سے محبت کرنے والے مشرکین کا بیان

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اَیْ غَیْرِہٖ "اَنْدَادًا" اَصْنَامًا "يُّحِبُّوْنَهُمْ" بِالتَّعْظِیْمِ وَالْخُضُوْعِ "كَحُبِّ اللّٰهِ" اَیْ کَحُبِّهِمْ لَهٗ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" مِنْ حُبِّهِمْ لِلْاَنْدَادِ لِاَنَّهُمْ لَا يَعْدِلُوْنَ عَنْهُ

بِحَالِ مَا وَالْكُفَّار يَعْدِلُوْنَ فِي الشِّدَّةِ اِلَى اللّٰه "وَلَوْ يَرَى" تُبْصِر يَا مُحَمَّدُ "الَّذِيْنَ ظَلَمُوا" بِاتِّخَاذِ الْاَنْدَاد "اِذْ يَرَوْنَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول يُبْصِرُوْنَ "الْعَذَاب" لَرَاَيْت اَمْرًا عَظِيْمًا وَاِذْ بِمَعْنٰى اِذَا "اَنَّ" اَیْ لِاَنَّ "الْقُوَّة" الْقُدْرَة وَالْغَلَبَة "لِلّٰهِ جَمِيْعًا" حَال "وَاَنَّ اللّٰه شَدِيْد الْعَذَاب" وَفِیْ قِرَاءَ ة تَرٰی وَالْفَاعِل ضَمِيْر السَّامِع وَقِيْلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَهِيَ بِمَعْنٰى يَعْلَم وَاَنَّ وَمَا بَعْدهَا سَدَّتْ مَسَدّ الْمَفْعُولَيْنِ وَجَوَاب لَوْ مَحْذُوْف وَالْمَعْنٰى لَوْ عَلِمُوْا فِي الدُّنْيَا شِدَّة عَذَاب اللّٰه وَاَنَّ الْقُدْرَة لِلّٰهِ وَحْده وَقْت مُعَايَنَتهمْ لَهُ وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة لَمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنه اَنْدَادًا،

اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں یعنی بتوں کو کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں یعنی تعظیم اور خشوع کے ساتھ اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں ۔یعنی مشرکین کی محبت بت کے مقابلہ میں ، کیونکہ ایمان والے جو اللہ سے محبت کرتے ہیں تو وہ کسی حالت میں بھی اس سے پھرنے والے نہیں جبکہ کفار سخت مصیبت کے وقت اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ کو پکارتے ہیں ۔اگر دیکھیں یعنی اے محمد ﷺ آپ دیکھیں تو ظالم یعنی جنہوں نے شرک کرتے ہوئے ظلم کیا۔ جس وقت عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا۔اور یہاں ''اِذْ یَرَوْنَ'' فاعلیت یا مفعولیت کی بناء پر ''یُبْصِرُوْنَ'' کے معنی میں ہے۔اور العذاب یعنی آپ بڑا معاملہ دیکھیں گے اور یہاں اذ، یہ اذا کے معنی میں ہے۔اور ''ان'' یعنی لان، اس لئے کہ سارا زور یعنی طاقت وغلبہ اللہ کو ہے۔اور ''جَمِیْعًا'' یہ کائنہ سے حال ہے۔اور اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔اور ایک قرأت میں تاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل کی ضمیر مخاطب کیلئے ہے۔ اور یہ بھی

کہا گیا ہے کہ "الَّذِيْنَ ظَلَمُوا" اور یری بہ معنی یعلم ہے۔اور ان اور اس کا مابعد دو مفاعیل کے قائم مقام ہے۔اور جواب لو محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا میں اللہ کے عذاب کی شدت کو جان لیں جس کا وہ قیامت کے دن معائنہ کریں گے۔تو اللہ کے ساتھ کسی شریک نہ ٹھہرائیں۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

إذ یرون "، "یری" کے لئے مفعول ہے "ان القوة " فعل مقدر کے ساتھ جواب شرط ہے گویا مطلب یوں ہے "لو یری،لعلموا ان القوة لله جمیعاً" اگر مشرکین آج دیکھ لیتے اس دن کو جب قیامت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو یقیناً جان لیتے کہ تمام تر قدرتوں کا مالک اللہ تعالی ہے۔

یری " کا فعل ممکن ہے "رؤیت" سے ہے جو آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں ہے اس بنا پر اس جملہ "کذلك " کا معنی یہ بنتا ہے اللہ تعالی مشرکین کو انکے اعمال یا ان اعمال کے نتائج دکھائے گا۔

بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ

کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں، وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور سے طرف التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کا عذاب بڑا بھاری ہے جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کرسکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہوسکتی، دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک وکفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے، فرشتے کہیں گے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اللہ تری ذات پاک ہے تو ہی ہمارا ولی ہے، یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں انہیں پر ایمان رکھتے تھے، اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○
جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی اپنے پیروکاروں سے بے زار ہوں گے اور عذاب دیکھ لیں گے اور سارے اسباب
ان سے منقطع ہو جائیں گے۔

گمراہ کن رؤسا کا اپنے متبعین سے بیزاری کا بیان

"اِذْ" بَدَل مِنْ اِذْ قَبْله "تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوا" اَیْ الرُّؤَسَاء "مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوا" اَیْ اَنْكَرُوْا اِضْلَالهمْ "وَ" قَدْ "رَاَوُا الْعَذَاب وَتَقَطَّعَتْ" عُطِفَ عَلٰی تَبَرَّاَ "بِهِمْ" عَنْهُمْ "الْاَسْبَاب" الْوَصْل الَّتِیْ كَانَتْ بَیْنهمْ فِی الدُّنْیَا مِنْ الْاَرْحَام وَالْمَوَدَّة،

اذ یہ پہلے والے اذ سے بدل ہے۔ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی یعنی رؤساء اپنے پیروکاروں سے بے زار ہوں گے یعنی ان کی گمراہی سے انکار کریں گے۔ اور عذاب دیکھ لیں گے اور "تقطعت" کا عطف تبراء پر ہے اور سارے اسباب یعنی جو ان کے درمیان دنیا میں رشتے داری اور محبت تھے، ان سے منقطع ہو جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

راوا العذاب " کی ضمیر فاعلی ظاہراً دونوں گروہوں یعنی سردار اور ان کے پیروکار کی طرف لوٹتی ہے۔ ماقبل اور مابعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ "تبری" کے لئے ظرف روز قیامت ہے۔ بنا بریں "العذاب" سے مراد عذاب قیامت ہے۔

سرداران شرک جب عذاب قیامت کا سامنا کریں گے تو اپنے پیروکاروں سے دوری اور بیزاری اختیار کریں گے۔

جملہ "و راوا العذاب" حالیہ ہے یعنی سرداران شرک کی اپنے پیروکاروں سے دوری و بیزاری اس حالت میں ہوگی جب عذاب کا سامنا کریں گے۔

"بھم"، "الاسباب" کے لئے قید ہے اور اس میں "باء"، "ملابسة" کے معنی میں ہے پس جملہ "تقطعت" کا معنی یوں ہے درآں حال کہ ان کے پاس جو وسائل و اسباب تھے وہ سب کے سب ٹوٹ چکے ہوں گے اور نابود ہو جائیں گے "الاسباب" سے ممکن ہے عذاب سے نجات کے اسباب مراد ہوں یا مراد وہ اسباب ہوں جو سردار اور ان کے پیروکاروں کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہوں۔ مذکورہ بالا مطلب پہلے احتمال کی بنا پر ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝
اور کہیں گے پیروکاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا۔ تو ہم ان سے توڑ دیتے جیسے انہوں نے ہم سے توڑ دی، یونہی اللہ انہیں دکھائے گا
ان کے کام ان پر حسرتیں ہو کر اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

آخرت میں کفار کی حسرتوں کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً" رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا وَلَوْ لِلتَّمَنِّي وَنَتَبَرَّاَ جَوَابه "فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ" اَيْ الْمَتْبُوْعِيْنَ "كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا" الْيَوْم "كَذٰلِكَ" اَيْ كَمَا اَرَاهُمْ شِدَّة عَذَابه وَتَبَرَّاَ بَعْضهمْ مِنْ بَعْض "يُرِيْهِمُ اللّٰه اَعْمَالهمْ" السَّيِّئَة "حَسَرَات" حَال نَدَامَات "عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْ النَّار" بَعْد دُخُولهَا

اور کہیں گے پیروکاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا یعنی دنیا کی طرف لوٹ جاتے اور یہاں لوتمنا کیلئے ہے۔ جس کا جواب نتبرء ہے یعنی جو پیروی کرنے والے ہیں۔ تو ہم ان سے توڑ دیتے جیسے آج انہوں نے ہم سے توڑ دی، یعنی جب وہ اُن کو عذاب کی سختی دیکھائے گا تو وہ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں جب اللہ نے کے اعمال ان کو دیکھائے گا۔ یونہی اللہ انہیں دکھائے گا ان کے کام ان پر حسرتیں، اور یہاں حسرات یہ ندامات کے معنی میں ہے اور ھم ضمیر سے حال ہے۔ اور وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکلنے والے نہیں۔

کرّ" کا معنی رجوع ہے اور" کرّۃ" کا معنی ہے ایک بار رجوع کرنا اور اس سے مراد دنیا کی طرف بازگشت ہے بنابرایں "لو ان لنا کرّۃ" یعنی اے کاش ہم ایک مرتبہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۶۷ کے مضمون نزول کا بیان

آیت مبارکہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ وہ کفار جو گمراہ کن رہنماؤں کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ

یہی تمہارے گمراہ رہنما بھی تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔حتیٰ کہ شیطان جس کو سب انسانیت کا دشمن جانتے ہیں وہ بھی برات کا اظہار کرے گا۔

گمراہی کی طرف لانے والا شیطان بھی قیامت کے دن بیزاری کا اظہار کرے گا

یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے، وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے، وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفرانہ احکام تمہاری شرف کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا، اب سب دل سے نادم ہوں گے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا آیت (اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ) 14۔ ابراھیم:22) یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملازمت کرنے سے کیا فائدہ؟ اب اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو۔ نہ میں نے تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری میں تمہارے اگلے شرک سے کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اور بلا دلیل باتیں ماننے والے بیوجہ اعتقاد رکھنے والے پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت ویاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں نہ ان کی باتیں مانیں نہ انہیں شریک اللہ سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے۔

دنیا میں رہ چلتے مسافر کی طرح رہنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے تو) میرا مونڈھا پکڑا (تاکہ میں متنبہ ہو جاؤں) پھر فرمایا "تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر بلکہ راہ گیر ہو" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (اس کے بعد لوگوں سے) فرمایا کرتے تھے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو، نیز اپنی صحت کو بیماری سے غنیمت جانو اور اپنی زندگی کو موت سے غنیمت سمجھو"۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر ۸۲)

یہاں حدیث میں لفظ بمعنی حرف یا کے سکون کے ساتھ بصیغہ مفرد نقل کیا گیا ہے جبکہ مشکوۃ کے ایک دوسرے نسخہ میں حرف یا کے تشدید کے ساتھ بصیغہ تثنیہ منقول ہے۔

فانک غریب (گویا تم مسافر ہو) کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت نہ رکھو اس لیے کہ تم اس دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنے والے ہو، لہٰذا تم اس دنیا کو اپنا وطن نہ بناؤ، دنیا کی لذتوں کے ساتھ الفت نہ رکھو اور دنیادار لوگوں سے اور ان کے اختلاط

سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ تم ان سب لوگوں سے جدا ہونے والے ہو، اس دنیا میں اپنی بقا کو وہم وگمان میں بھی نہ رکھو، ان امور سے قطعاً اجتناب کرو جن سے ایک مسافر غیر وطن میں اجتناب کرتا ہے اور ان چیزوں سے مشغول نہ رہو جن میں وہ مسافر کہ جو اپنے اہل وعیال اور اپنے وطن کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے، مشغول نہیں ہوتا، گویا کہ تم کلیۃً اس دنیا میں بالکل اسی طرح رہو جس طرح کہ ایک مسافر اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال سے دور غیر وطن میں رہتا ہے۔

پھر آگے زیادہ مبالغہ کے ساتھ فرمایا کہ "بلکہ ایک راہ گیر (راستہ چلنے والے) کی طرح رہو کیونکہ مسافر تو اپنے سفر کے دوران مختلف شہروں میں قیام بھی کر لیتا ہے بخلاف راستہ چلنے والے کے کہ وہ تو کسی جگہ قیام بھی نہیں کرتا۔ لہٰذا دنیا کو نہ صرف یہ کہ سفرگاہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ راستہ چل رہا ہوں نہ تو وطن میں ہوں اور نہ حالت سفر میں کہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔

"جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو الخ" اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنی موت کے وقت کا علم نہیں نہ معلوم موت کا پنجہ کس وقت گردن آدبوچے، ایک لمحے کے لیے بھی کسی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے صبح کے وقت کسی کو معلوم نہیں کہ شام کا وقت دیکھنا بھی نصیب ہوگا یا نہیں، شام کے وقت کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ صبح تک اس کی زندگی ضرور ہی باقی رہے گی حاصل یہ کہ صبح و شام ہر وقت تم موت کو اپنے سامنے حاضر سمجھو، زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کو دراز نہ کرو، عمل خیر کرنے میں پیش روی اختیار کرو دن کی عبادات اور نیک اعمال کو رات پر اور رات کی عبادات ونیک اعمال کو دن پر اٹھا نہ رکھو کیونکہ

غنیمت ے شمر اے شمع وصل پروانہ ایں معاملہ تا صبح دم نہ خواہد ماند

"صحت کو بیماری سے غنیمت جانو" کا مطلب یہ ہے کہ صحت وتندرستی کی حالت میں جس قدر ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرو تا کہ حالت بیماری میں جب تم نیک اعمال کرنے پر قادر نہ رہو گے ویسا ہی ثواب پا سکو۔

"اپنی زندگی کو موت سے غنیمت جانو" یعنی تمہاری جتنی بھی زندگی ہے اس میں عمل ہی عمل کیے جاؤ تا کہ جب یہ زندگی اپنا وقت پورا کرے اور تم موت کی آغوش میں پہنچ جاؤ تو پھر اس کے بعد تمہاری زندگی کے انہیں اعمال کا ثواب تمہیں پہنچتا رہے۔

غنیمت داں جوانا دولت حسن جوانی را نہ پنداری کہ ایام جوانی جاوداں باشد

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ اذا امسیت۔ من حیاتک لموتک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد موقوف ہے لیکن "احیاء العلوم" میں اسے مرفوعاً یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑ کر حرام سمجھنے والے مشرکین کا بیان

وَنَزَلَ فِيْمَنْ حَرَّمَ السَّوَائِب وَنَحْوهَا "يَآيُّهَا النَّاس كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْض حَلٰلًا" حَال "طَيِّبًا" صِفَة.

مُؤَكِّدَة اَىْ مُسْتَلَذًّا "وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ" طُرُق "الشَّيْطَان" اَىْ تَزْيِينه "اِنَّـهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِين" بَيِّن الْعَدَاوَة،

یہ آیت بتوں وغیرہ کے نام پر حرام کردہ جانوروں کو چھوڑنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال یعنی حال ہے اور طیبا یہ صفت مؤکدہ ہے یعنی لذت والے،اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں یعنی جو اس نے تمہارے لئے سجائے ہیں، پر نہ چلو، بیشک وہ عداوت میں تمہارا کھلا دشمن ہے۔

آیت ۱۶۸ کے الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

"کلوا" کا مصدر "اکل" ہے،جس کا معنی کھانا ہے۔ بہت سے موارد میں "مجاز شامل" کے طور پر استعمال ہوتا ہے جسکا معنی مطلق تصرف یا استفادہ کرنا ہے اور کھانا بھی اسی میں شامل ہے۔

کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً، اس مطلب میں "حلالاً طیباً"، "ما" کے لئے حال ہے،طیب اپنے موارد استعمال کے اعتبار سے خوب، اچھا کا معنی دیتا ہے لہٰذا ہر جملے میں اس کی تفسیر اس حکم کے مناسب کی جائے گی جو اس جملے میں موجود ہے۔

اس مطلب میں "حلالا" اور "طیبا" کو محذوف مفعول مطلق کی صفت قرار دیا گیا ہے یعنی کلوا، اکلاً حلالا طیبا پس یہ دو قید اس لئے بیان ہوئیں ہیں کہ استفادے کی نوعیت بیان کریں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۶۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ان اشخاص کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے بحار وغیرہ کو حرام قرار دیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال فرمائی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینا اس کی رزاقیت سے بغاوت ہے مسلم شریف کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مال میں اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہوں وہ ان کے لئے حلال ہے اور اسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو باطل سے بےتعلق پیدا کیا پھر ان کے پاس شیاطین آئے اور انہوں نے دین سے بہکایا اور جو میں نے ان کے لئے حلال کیا تھا اس کو حرام ٹھہرایا ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے یہ آیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوۃ کردے حضور نے فرمایا: اے سعد اپنی خوراک پاک کر و مستجاب الدعوۃ ہو جاؤ گے اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک قبولیت سے محرومی رہتی ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

حلال کو حلال کو اور حرام کو حرام جاننے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جس شخص نے قرآن مجید پڑھا پھر اسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اسے ابتداء ہی میں جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے ان دس ۱۰،۰۰۶ کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا جو مستوجب دوزخ (یعنی فاسق اور مستحق عذاب) ہوں گے۔(احمد، ترمذی،

ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کے ایک راوی قوی نہیں ہیں بلکہ روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 652)

پاکیزہ کی فضیلت جبکہ حرام کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک مال قبول کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا جس کا اس نے رسولوں کو حکم دیا: چنانچہ فرمایا آیت یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے آیا ہو، اس کے بال پریشان اور خاک آلود ہوں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! جبکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور جس غذا سے اس کا جسم بنا ہے وہ بھی حرام ہے تو پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (ترمذی، ابواب التفسیر) (مسلم، کتاب الزکوۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ گوشت جو مال حرام سے پروان چڑھا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو بھی گوشت حرام سے پروان چڑھا اس کے لیے جہنم ہی لائق تر ہے۔" (احمد، دارمی، بحوالہ مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حرام مال کمائے اور پھر اس سے صدقہ کرے تو وہ صدقہ قبول نہیں ہوتا اور اگر اس سے خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (احمد، بحوالہ مشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ کمائی سے ہی صدقہ قبول کرتا ہے۔ (مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہتے سنا ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اب جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو کسی کی رکھ کے گرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ رکھ میں جا گھسیں۔ سن لو ہر بادشاہ کی ایک رکھ ہوتی ہے۔ سن لو! اللہ کی رکھ اس کی زمین میں حرام کردہ چیزیں ہیں۔ (بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدینہ (مسلم، کتاب المساقاۃ باب اخذ الحلال وترک الشبہات)

عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک اندیشہ والی چیزوں سے بچنے کی خاطر ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی اندیشہ نہیں۔"

(ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوۃ، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات یاد رکھی ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور وہ اختیار کر جو شک میں نہیں ڈالتی۔" (احمد بحوالہ مشکوۃ، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی اس بات کی پروانہیں کرے گا کہ جو مال اس کے ہاتھ آیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔" (بخاری، کتاب البیوع، باب مالم یبال من حیث کسب المال)

اپنی طرف سے حرام ٹھہرانے کی ممانعت کا بیان

یہاں شیطان کے پیچھے چلنے سے مراد یہ ہے جو چیزیں اللہ نے حرام نہیں کیں انہیں حرام نہ سمجھ لو، جیسے مشرکین عرب بتوں کے نام سانڈ چھوڑ دیتے تھے۔ پھر ان جانوروں کا گوشت کھانا یا ان سے کسی طرح کا بھی نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے یا کسی مخصوص کھانے پر اپنی طرف سے پابندیاں عائد کر کے اسے حرام قرار دے لیتے تھے۔ یہی صورت کسی حرام چیز کو حلال قرار دینے کی ہے۔ جیسے یہود نے سود کو حلال قرار دے لیا تھا۔ امیوں کا مال کھانا جائز سمجھتے تھے۔

شیطان کی پیروی کرنے والے اعمال کا بیان

شعبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا حضرت مسروق کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈھا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن بکرے کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا، آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنے قسم کا کفارہ دو اور کھالو،

ابو رافع کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے، اب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے،

حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں بھی یہی جواب ملا، عاصم اور ابن عمر نے بھی یہی فتویٰ، حضرت ابن عباس کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے اس کا کفارہ قسم کے کفارے برابر دے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، ۱۶۸، بیروت)

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
وہ تمہیں بدی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ کی نسبت وہ کچھ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

شیطان کا برائی و بے حیائی کا حکم دینے کا بیان

"اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ" الْاِثْم "وَالْفَحْشَاءِ" الْقَبِيح شَرْعًا "وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" مِنْ

تَحْرِيم مَا لَمْ يُحَرِّم وَغَيْرِه،

وہ تمہیں بدی یعنی گناہ اور بے حیائی یعنی جو شریعت کی نظر میں براعمل ہے، اس کا ہی حکم دیتا ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ کی نسبت وہ کچھ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یعنی جس کے حرام ہونے یا نہ ہونے وغیرہ کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔

ہر انسان کے ساتھ ہمزاد شیطان کے مقرر ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہمزاد جنوں (شیطان میں سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ نے مجھ کو اس (جن موکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے اس لیے میں اس (کے مکر وفریب اور اس کی گمراہی) سے محفوظ رہتا ہوں، بلکہ یہاں تک کہ) وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔" (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 63)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ موکل ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو فرشتہ ہے جو نیکی و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انسان کو اچھی باتیں و نیک کام سکھاتا ہے اور اس کے قلب میں خیر و بھلائی کی چیزیں ڈالا رہتا ہے، اس کو "ملہم" کہتے ہیں، دوسرا ایک جن (شیطان) ہوتا ہے، جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ پر ڈالتا رہے۔ چنانچہ وہ گناہ و معصیت کی باتیں بتاتا ہے اور دل میں برے خیالات وغلط وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے اس کا نام "وسواس" ہے۔

شیطان کا بندوں کے ایمان کو خراب کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آ جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 61)

شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات وصفات پر ایمان ویقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے ہیں، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ، فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان ویقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر موثر اور ناکارہ بنانے سے

تعلق رکھتا ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر و خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کو وجود کس نے بنایا، یہ زمین و آسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کی تخلیقی وتکوینی نوعیت کا بدیہی شعور وادراک رکھتی ہے اس لیے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل ودماغ سے سوال کرے جب یہ زمین وآسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہوا پنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تا کہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر وخیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور دوسری طرف ریاضت ومجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر واستغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن وفکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری موثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ
اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ○
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں، بلکہ ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں۔

باپ دادا کی اتباع کرنے والے مشرکین کا بیان

"وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ" اَیِ الْكُفَّار "اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ" مِنَ التَّوْحِيْدِ وَتَحْلِيْلِ الطَّيِّبَاتِ "قَالُوۡا" لَا "بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَيۡنَا" وَجَدْنَا "عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا" مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَتَحْرِيْمِ السَّوَائِبِ وَالْبَحَائِرِ "اَوَلَوۡ" يَتَّبِعُوْنَهُمْ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ "كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا" مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ "وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ" اِلَى الْحَقِّ.

اور جب ان سے کہا جاتا ہے یعنی کفار سے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنے، اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں، بلکہ ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، یعنی بتوں کی

پوجا اور سوائب و بحائر کی حرمت پر، اگر چہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں، یہاں ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی دین کے معاملہ میں کچھ عقل نہیں ہے۔ اور نہ ہی حق کی طرف سے ہدایت پر ہوں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۰ کے سبب نزول کا بیان

ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت وجہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم وہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔

ہدایت کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہونے کا بیان

حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ جو اعور (یعنی کانی آنکھ والے) تھے راوی ہیں کہ میں ایک دن کوفہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بیکار ولایعنی گفتگو (یعنی قصے کہانیوں) میں مصروف ہیں (اور انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ ترک کی ہوئی ہے) چنانچہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس بارہ میں بتایا، انہوں نے فرمایا کیا انہوں نے واقعی ایسا کیا ہے (کہ تلاوت قرآن مجید چھوڑ کر بیکار باتوں میں مصروف ہیں؟) میں نے کہا کہ جی ہاں! انہوں نے فرمایا تو پھر سن لو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار! فتنہ واقع ہوگا (یعنی لوگوں کے دینی افکار وعقائد میں اختلاف ہوگا، اعمال میں سست روی اور گمراہی پیدا ہوگی اور وہ گمراہ لوگ اسلام کے نام پر نت نئے مذاہب ونظریات کی داغ بیل ڈالیں گے) میں نے عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم! پھر اس سے نجات پانے کا کیا راستہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ (یعنی نجات کا راستہ قرآن پر عمل کرنے ہی سے ہاتھ لگے گا) جس میں تم سے پہلے لوگوں (یعنی پچھلی امتوں) کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو تمہارے بعد واقع ہونے والی ہیں (یعنی قیامت کی علامات واحوال) اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکورہ ہیں جو تمہارے درمیان (ضروری) ہیں (یعنی ایمان وکفر، اطاعت وگناہ حلال وحرام اور اسلام کے شرائع نیز آپس کے تمام معاملات وغیرہ کے بارہ میں احکام بیان کئے گئے ہیں جو پوری انسانی برادری کے لیے ضروری ہیں) اور (یاد رکھو) وہ قرآن حق وباطل کے درمیان (اپنے احکام کے ذریعہ سے) فرق کرنے والا ہے وہ کوئی بیکار ولایعنی چیز نہیں ہے اور (یہ بھی کان کھول کر سن لو کہ) جس متکبر نے قرآن کو چھوڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر ڈالے گا اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ (کسی ایسی کتاب وعلم سے کہ جو نہ قرآن سے مستنبط ہے اور نہ اسلامی شرائع ونظریات کے مطابق ہے) ہدایت وروشنی چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا وہ قرآن اللہ کی مضبوط سیدھی رسی ہے (یعنی خدا کے قرب اور اس کی معرفت کا سب سے قوی وسیلہ ہے) قرآن باحکمت ذکر اور بیان ہے، قرآن بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے (جس پر چل کر انسان اپنی تخلیق کا حقیقی مقصد پاتا ہے) قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس کی اتباع کے نتیجہ میں خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں اس کی زبان سے اور زبانیں

نہیں ملتیں علماء اس سے (کبھی) سیر نہیں ہوتے (یعنی علماء و مفسرین اس کے تمام علوم و معارف پر حاوی نہیں ہوتے) اور قرآن مجید مزاولت (کثرت تلاوت) سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب تمام ہوتے ہیں قرآن کریم وہ کلام ہے جس کو جنات نے سنا تو وہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر کہہ اٹھے کہ ہم نے قرآن سنا جو ہدایت کی عجیب راہ دکھاتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے (یاد رکھو) جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اسے ثواب دیا جائے گا (یعنی وہی اقوال و نظریات صحیح اور قابل قبول ہیں جو قرآن کے عین مطابق ہیں اسی طرح ہدایت یافتہ بھی وہی شخص ہے، جس نے قرآن کو سرچشمہ ہدایت جان کر اس پر عمل کیا) جس شخص نے (لوگوں کے درمیان) قرآن کے مطابق فیصلہ و انصاف کیا اور جس نے (لوگوں کو) اس (پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے) کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی ہے (یعنی وہ ہدایت یافتہ ہے)۔ (ترمذی، دارمی اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے اور اس کے راوی حارث اعور کے بارہ میں کلام ہے (یعنی ان کے سچا ہونے میں شبہ کیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 649)

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝
اور ان کافروں کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی ایسے کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا، یہ لوگ بہرے،
گونگے، اندھے ہیں سو انہیں کوئی سمجھ نہیں۔

کفار کی سماعت کا جانوروں کی سماعت جیسے ہونے کا بیان

"وَمَثَل" صِفَة "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" وَمَنْ يَدْعُوهُمْ اِلَى الْهُدٰى "كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ" يُصَوِّت "بِمَا لَا يَسْمَع اِلَّا دُعَاء وَنِدَاء" اَيْ صَوْتًا وَلَا يَفْهَم مَعْنَاهُ اَيْ فِيْ سَمَاع الْمَوْعِظَة وَعَدَم تَدَبُّرهَا كَالْبَهَائِمِ تَسْمَع صَوْت رَاعِيهَا وَلَا تَفْهَمهُ هُمْ "صُمّ بُكْم عُمْي فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ" الْمَوْعِظَة،

اور یہاں مثل صفت ہے۔ اور ان کافروں یعنی جن وہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں، ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی ایسے کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا، یعنی ایسی آواز جس کا معنی وہ نہیں سمجھتا، اور وعظ سننے میں اور اس کو نہ سمجھنے میں جانوروں کی طرح ہیں جس طرح جانور آواز کی رعایت کرتے ہیں لیکن اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ نصیحت بہرے، گونگے، اندھے ہیں سو انہیں کوئی سمجھ نہیں۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

"ینعق" کا مصدر "نعق" ہے اسکا معنی وہ آواز ہے جو چرواہا بکریوں، بھیڑوں کو ہانکنے کے لئے نکالتا ہے "ما لا یسمع" سے مراد بھیڑیں وغیرہ ہیں۔ مفسرین کے مطابق آیہ مقدسہ میں ضدی اور ڈھیٹ کفار کو بھیڑوں سے اور معارف دینی کی دعوت دینے

والوں کو چرواہے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بناء بریں مشبہ کا ایک جزء ذکر نہیں ہوا۔ پس تقدیر کلام یوں ہے "مثل الذین کفروا والذی یدعوھم الی الایمان کمثل الذی،

سورہ بقرہ آیت ۱۷۲ کے مضمون نزول کا بیان

ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جارہا ہے؟ اسی طرح یہ آباؤاجداد کی تقلید کرنے والے بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ ان کی زبان سے حق نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کو دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید وسنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

آباؤاجداد کے دین کی تقلید کرنے والے کفار کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب یہ آیت (وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ) 26۔الشعراء:214)۔نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اس حکم کی تعمیل کے لئے فوراً) نکل پڑے اور کوہ صفا پر چڑھ گئے (قریش کے قبائل کو) پکارنا شروع کیا: اے فہر کی اولاد! اے عدی کی اولاد اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تمام شاخوں کو نام بنام پکارا۔ چنانچہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز پر) قریش کے تمام قبائل اور گروہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد) جمع ہو گئے یہاں تک کہ جو شخص (کسی عذر اور مجبوری کے سبب) خود اس جگہ نہ پہنچ سکا تو اس نے (یہ) معلوم کرنے کے لئے (کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں سب کو بلایا ہے) کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔ غرضیکہ جب سب اہل قریش اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا) ابولہب آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ (جنگجو) سواروں کا ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ سواروں کا ایک دستہ (مکہ کے) جنگل سے نمودار ہوا ہے اور اس کا مقصد قتل وغارت گری کے لئے (دن یا رات کے کسی حصہ میں) تم لوگوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا ہے تو بتاؤ کہ کیا تم لوگ میری اس بات کو سچ مانو گے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں (ضرور سچ مانیں گے) کیونکہ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچا پایا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سنو) میں تم لوگوں کو اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو (دنیا یا آخرت میں) تمہارے سامنے پیش (آنے والا ہے۔) (یہ سنتا تھا کہ) ابولہب (بھبک اٹھا اور) کہنے لگا: ہلاکت اور نقصان میں پڑو تم، کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تبت یدا ابی لہب وتب (ہلاک ہو جائے ابولہب اور وہ ہلاک ہو گیا)۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 427)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجالاتے ہو۔

حلال چیزوں سے کھانے کا بیان

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ " حَلَالَاتِ "مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ " عَلٰی مَا اَحَلَّ لَکُمْ "اِن کنتم اِیاہ تعبدون"

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں یعنی جو حلال ہیں، میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اس پر جو تمہارے حلال کیا ہے۔ اگر تم صرف اسی کی بندگی بجالاتے ہو۔

طیبات سے حلال چیزیں ہونے کی حکمت کا بیان

اس آیت مبارکہ میں طیبات سے یہ مراد لینا واجب ہے کہ جو چیزیں طبیعت کے نزدیک پاکیزہ اور لذیز ہیں وہ حلال ہیں اور نفع بخش چیزوں میں اصل حلت ہے لہٰذا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کے نزدیک پاکیزہ ہو، اور لذیز ہو، وہ حلال ہے مگر یہ کہ اس پر کوئی شرعی دلیل ہو، جس سے وہ حرام ہو۔

اور اسی طرح الخبائث سے مراد وہ چیز ہے جو نفس اور طبیعت کے نزدیک ناپسندیدہ و نقصان دہ ہو، وہ حرام ہے کیونکہ نقصان دہ اشیاء میں اصل حرمت ہے اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کتا خبیث ہے اور اسکی قیمت خبیث ہے اور جب وہ خبیث ہے تو پھر وہ حرام ہے۔ (ماخوذ من تفسیر الکبیر، ج ۵، ص ۸۲۔ ۳۸۱، مطبوعہ بیروت)

غذا کی پاکیزگی کا سبب قبولیت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام کمی اور عیوب سے پاک ہیں اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی صدقات واعمال مقبول ہوتے ہیں جو شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ایت (یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا) (یعنی اے رسولو حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایت (یا ایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم) (یعنی اے مؤمنو تم صرف وہی پاک و حلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطاء کیا ہے)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مثال ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب اے میرے رب یعنی وہ اپنے مقاصد کے لئے دعا مانگتا ہے حالانکہ کھانا اس کا حرام لباس اس کا حرام شروع سے اب تک پرورش اس کی حرام ہی غذاؤں سے ہوئی پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 3)

اس ارشاد گرامی میں پہلے تو حلال مال کمانے کی فضیلت اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ

تعالیٰ جب کہ خود پاک ہے اور حلال رزق کو اس کی جناب پاک میں اس وجہ سے ایک نسبت حاصل ہے کہ حلال رزق بھی حرمت کی نجاستوں سے پاک ہوتا ہے تو تقاضاء عبودیت یہی ہے کہ بندہ حلال ہی رزق کھائے تاکہ اس پاک و حلال رزق کی وجہ سے اس بندہ کو بارگاہ خداوندی میں تقرب کی دولت حاصل ہو۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ حرام مال سے اجتناب نہ کرنے کا اثر دعا کا قبول نہ ہونا ہے چنانچہ اس بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے کہ ایک شخص حج یا اور عبادات کے لئے طول طویل سفر اختیار کرتا ہے وہ ان مقامات مقدسہ تک پہنچنے میں پوری مشقت وجد وجہد کرتا ہے جہاں مانگی جانے والی دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے وہاں پہنچ کر وہ اس حال میں دست سوال اٹھاتا ہے کہ سفر کی مشقت وطوالت کی وجہ سے اس کے بال پراگندہ ہیں پورا جسم گرد وغبار سے آلودہ ہے اور تضرع والحاح کی پوری کیفیت اس پر طاری ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی دعا بظاہر قبول ہونی چاہئے کیونکہ اول تو ایک عبادت گزار بندہ ہے پھر وہ مسافر بھی ہے اور مسافر کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی دعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے دوسرے یہ کہ اس جگہ دعا مانگ رہا ہے جہاں مانگی جانے والی ہر دعا کی لاج رکھی جاتی ہے غرضیکہ قبولیت دعا کے تمام آثار موجود ہیں مگر اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی کیوں اس لئے کہ جانے والا جانتا ہے کہ وہ حرام مال سے پرہیز نہیں کرتا گویا اس کی ساری محنت ومشقت اور اس کی ساری عبادت وحالت اس کی دعا کو صرف اس لئے مؤثر نہیں بنا سکی وہ حرام مال کھاتا ہے حرام لباس پہنتا ہے اور کمائی کے حرام ذرائع سے اجتناب نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت حلال رزق پر موقوف ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ دعا کے دو بازو ہیں (جن کے سہارے وہ دعا باب قبولیت تک پہنچتی ہے) ایک تو اکل حلال دوسرا صدق مقال یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀
اس نے تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص
سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

اشیائے اربعہ کی حرمت واضطراری حالت کا بیان

"إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ " اَىْ اَكْلَهَا اِذِ الْكَلَام فِيْهِ وَكَذَا مَا بَعْدَهَا وَهِىَ مَا لَمْ يُذَكَّ شَرْعًا وَاُلْحِقَ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَا اُبِينَ مِنْ حَىّ وَخَصَّ مِنْهَا السَّمَكَ وَالْجَرَادَ "وَالدَّمَ" اَىِ الْمَسْفُوحَ كَمَا فِى الْاَنْعَامِ "وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ" خَصَّ اللَّحْمَ لِاَنَّهُ مُعْظَمُ الْمَقْصُودِ وَغَيْرُهُ تَبَعٌ لَهُ "وَمَا اُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ" اَىْ ذُبِحَ عَلٰى اسْمِ غَيْرِهِ وَالْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوْا يَرْفَعُوْنَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ "فَمَنِ اضْطُرَّ" اَىْ

اَلْجَاتَهُ الضَّرُوْرَةَ اِلٰی اَكْلِ شَیْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهُ "غَیْرَ بَاغٍ" خَارِجٍ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ "وَّلَا عَادٍ" مُتَعَدٍّ عَلَیْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِیْقِ "فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ" فِیْ اَكْلِهِ "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ" لِاَوْلِیَائِهٖ "رَّحِیْمٌ" بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ حَیْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ وَخَرَجَ الْبَاغِیْ وَالْعَادِیْ وَیَلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسَفَرِهٖ كَالْاٰبِقِ وَالْمَكَّاسِ فَلَا یَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِكَ مَا لَمْ یَتُوْبُوْا وَعَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ،

اس نے تم پر صرف مُردار حرام کیا یعنی اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ یہ کلام کھانے کے بارے میں اور اس کے بعد والی ذکر کردہ چیزوں کا کھانا بھی حرام ہے۔ مردار وہ جانور ہے جس کو شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور حکم سنت کے مطابق اس میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی شامل کیا گیا ہے جو کسی زندہ جانور سے کاٹ لیا جائے۔ اور مردار سے مچھلی اور ٹڈی کا استثناء کیا گیا ہے۔ اور خون یعنی بہنے والا خون جس جانوروں میں ہوتا ہے۔ اور سُؤر کا گوشت یعنی خنزیر کے گوشت کو خاص کیا گیا کیونکہ وہی مقصود ہے جبکہ بقیہ اس کے اعضاء اس کے تابع ہیں۔ اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، یعنی جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور اہلال کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ اور مشرکین اس کو آواز کو ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام سے بلند کرتے تھے۔ حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے یعنی جس کو مذکورہ چیزوں کو کھانے کی طرف مجبور کیا گیا ہو، تو وہ باغی نہ ہو یعنی اہل اسلام سے خارج نہ ہو، ورنہ حد سے بڑھنے والا اور رہزن بن کو مسلمانوں پر ظلم کرنے والا بھی نہ ہو، تو اس کے کھانے پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ اپنے دوستوں کو نہایت بخشنے والا، مہربان ہے۔ یعنی اطاعت کرنے والوں پر مہربان ہے۔ کیونکہ ان کیلئے وسعت ہے۔ جبکہ باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہیں۔ اور معصیت کا سفر کرنے والے ہر شخص کو ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ جس طرح بھاگا ہوا غلام ہے اور ظلم کر کے مال چھیننے والا ہے۔ لہٰذا ان کے ان چیزوں میں سے کچھ بھی کھانا حلال نہ ہوگا جب تک وہ توبہ نہ کرلیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہی ہے۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

"اہل" کا مصدر "اہلال" ہے اسکا معنی ہے آواز اونچی کرنا اور آیہ مجیدہ میں اس سے مراد جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے نام لینا ہے۔ لغیر اللہ میں لام متعدی کرنے کے لئے آیا ہے۔ بنابریں "ما اھل به لغیر اللہ" یعنی وہ جانور جس پر ذبح کرتے ہوئے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

غیر باغ و لا عاد "اس صورت میں کہ نہ تو ستم گر ہو اور نہ تجاوز کرنے والا" یہ "اضطر" کے نائب فاعل کے لئے حال ہے۔ پس یہ حکم "فلا اثم علیه" ایسے مضطر شخص کو بیان کرتا ہے جو ستم و تجاوز کی وجہ سے مضطر نہ ہوا ہو۔

پانی میں رہنے والے جانوروں کے متعلق احکام

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے

لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں مچھلی، ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۲۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام الائمہ فی الفقہ والحدیث امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں اور خبیث جانوروں کی حرمت نص سے ثابت ہے۔

خشکی پر رہنے والے جانوروں کی حلت وحرمت کے قواعد

۱۔ قاعدہ: وہ تمام درندے جو نوک دار دانتوں سے شکار کرتے ہیں اور پھاڑ کر کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں اور اسی طرح وہ تمام پرندے جو ناخنوں سے شکار کرتے ہیں اور کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں۔

اس کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں سے (شکار کرنے) والے پرندے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مردار، خون اور خنزیر کی حرمت کا بیان

قرآن مجید میں یہ حکم ہے۔ ترجمہ: بے شک تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ (البقرہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چوہا، بچھو، چیل، کوا، اور باؤلا کتا۔ (مسلم ج ۲، ص ۳۸۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

انتباہ: شریعت اسلامیہ نے جانوروں کی حرمت کی علت خباثت قرار دی ہے اس لئے تمام حشرات الارض میں یہ علت موجود ہے لہٰذا ان کے حرام ہونے کی یہی علت ہے اور مذکورہ حدیث میں بچھو کی حرمت بیان ہوئی جو کہ بالاتفاق علماء وعرف حشرات الارض سے ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۵۳۲، دار الحدیث ملتان)

نوٹ۔ گوہ بھی حشرات الارض سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کوا کون کھائے گا؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو فاسق قرار دیا ہے، بخدا وہ پاک جانوروں سے نہیں۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۲۳۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت خذیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے آیا ہوں آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لومڑی کون کھائے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جس میں کوئی بھلائی ہو، کیا وہ بھیڑیے کو کھائے گا۔ نیز

ترمذی کی روایت میں بجو کی حرمت کا ذکر بھی ہے (سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں، خچروں اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج۲، ص۵۳۱، دارالحدیث ملتان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کو کھانے اور اسکی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج۲، ص۲۳۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

قاعدہ:

ہر وہ جانور جو دب کر مر جائے یا گلہ گھونٹ کر مرے یا سینگ مارا ہوا ہو یا جس کو درندہ نے کھایا ہو، وہ حرام ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار، خون، خنزیر اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جس کا گلہ گھونٹا گیا ہو، جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہو، اوپر سے گرا ہوا، سینگ مارا ہوا ہو، اور جس کو درندہ نے کھایا ہو۔ البتہ ان میں سے جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔ (المائدہ، ۳)

قاعدہ:

اگر جانور آلہ کی ضرب سے کٹ کر یا چھد کر مرا اس کو زخم آیا اور خون بہا تو وہ حلال ہے۔

ذبح کی دو اقسام ہونے کا بیان

۱۔ ذبح اختیاری ۲۔ ذبح اضطراری

ذبح اختیاری کی تعریف

وہ جگہ جو دو جبڑوں اور سینہ کی بلائی حصہ کی درمیانی جگہ مذبح ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے اور وہاں پر ذبح کرنے کو ذبح اختیاری کہتے ہیں۔

ذبح اضطراری کی تعریف

اور جب جانور کو مذبح کی جگہ پر ذبح کرنا مشکل ہو تو پھر جانور کی کسی جگہ کو بھی زخمی کر دینا ذبح کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اسے ذبح اضطراری کہتے ہیں۔ جس طرح شکاری جانوروں کا حال ہوتا ہے کہ تیر وغیرہ جہاں بھی لگ جائے وہ شکار درست ہوتا ہے۔ (المبسوط، ج۱۱، ص۲۲۱، مطبوعہ بیروت)

قاعدہ:

جب شکار میں ''شاید'' ''ہوسکتا'' جمع ہو جائیں تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں۔ (المبسوط، ج۱۱، ص۲۲۲، بیروت)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے جب کسی شکار کرنے والے سے شکار غائب ہو جائے اور ڈھونڈھنے پر اسے پانی میں بہتا ہوا ملے

اور وہ شکار کرنے والا کہے کہ "شاید" یہ شکار میرے تیر سے مرا ہے یا ہوسکتا ہے ڈوب کر مرا ہو، تو ایسی صورت میں اس قاعدہ کے مطابق وہ شکار حلال نہیں۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا؟ ہم لوگ کتوں سے شکار کرتے ہیں آپ نے فرمایا: تم اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑ دو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو کتے نے جو شکار تمہارے لئے روکا ہے اس کو کھالو خواہ کتے نے شکار کو مار ڈالا ہو۔ البتہ اگر کتے نے بھی کچھ کھایا ہو، تو پھر مت کھاؤ۔ کیونکہ پھر یہ خدشہ ہے کہ کتے نے شاید اپنے لئے اس کو شکار کیا ہے اور تمہارے کتے کے ساتھ اور کتے بھی مل جائیں تو پھر اس شکار کو مت کھاؤ۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۲۴، وزارت تعلیم اسلام آباد)

قاعدہ:

ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ موت اگر یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو بالکل حرام ہے اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے، تو احتیاطاً حرام ہے۔ (ہدایہ اخیرین، ج ۴، کتاب الصید، مطبوعہ دہلی)

مذبح کے بچے کا حکم

اگر بچہ مردہ نکلے تو حرام ہے اور اگر وہ زندہ نکلا اور ذبح کرلیا تو حلال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۲۷۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

معدنیات اور نباتات میں قاعدہ

ان میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر نقصان دہ چیز کو کھانا حرام اور غیر نقصان دہ چیز کا کھانا حلال ہے۔ دیکھو سنکھیا کھانا حرام ہے کیونکہ نقصان دہ (جان لیوا ہے) ہے لیکن اگر مار کر حکیم کھلائے تو جائز ہے۔ (تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۱۳۵، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

حرام جانوروں کے حرام ہونیکی حکمت کا بیان

غذا کی تاثیر تمام حکماء، اطباء اور عرف کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے شریعت اسلامیہ نے ذبح کا ایک طریقہ بیان کیا ہے۔ کیونکہ جو جانور ذبح کے بغیر طبعی موت مر جاتے ہیں تو خون اسکی رگوں یا شریانوں میں جم جاتا ہے جس سے مفاسد مادے پیدا ہوتے ہیں جو کئی جان لیوا بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے ہر ایسے جانور کو جو طبعی موت مرا ہو، حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح خنزیر جو کہ ایک بے غیرت جانور ہے۔ یہ جانور جب اپنی مادہ سے جماع کرتا ہے تو دوسرے خنازیر کی لمبی قطار میں اپنی باری کا انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ اس سے پہلے اور بعد میں کئی دوسرے خنازیر اسکی مادہ سے صحبت کرتے ہیں۔ اس کے اندر وصف بے غیرتی اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اس لئے شریعت نے اس کا گوشت حرام کردیا تا کہ لوگوں کے اندر غیرت کا وصف رہے۔ آج مغربی ممالک جہاں خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے وہاں بے غیرتی اور بے راہ روی بھی عروج تک پہنچ چکی ہے۔

جنگلی درندے اور پرندے جو شکار کرتے ہیں ان کے اندر ظلم کا وصف انتہائی بڑے درجے کا ہوتا ہے اور وہ انتہائی سخت فطرت

ہوتے ہیں حالانکہ اگر ان کے شکار میں کوئی ایسی ہرنی آجائے جو بچے کو جنم دے رہی ہو، تو وہ تب بھی اس پر رحم نہیں کرتے، بلکہ اس تکلیف کے وقت میں بھی اس کی گردن مار دیتے ہیں اور اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے ایسے جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیا، تا کہ انسان ظلم کرنے سے محفوظ رہے۔ تہذیب مغرب میں بسنے والی کفار مقتدر طاقتیں امت مسلمہ پر اور انسانیت پر مظالم ڈھاتے ہوئے اسی لئے ڈرتے نہیں کہ ان میں جانوروں کی ظالمانہ تاثیر موجود ہے۔ لیکن اسلام نے انسانیت سے ہمدردی کو قائم رکھنے کیلئے اور مہربانی جیسے اچھے سلوک کرنے کیلئے پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال کیا اور خبیث جانوروں کو حرام کر دیا۔

حشرات الارض بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر تو عرف میں بھی معروف ہے اسی طرح باقی جانور بھی انسانی جانوں کیلئے نقصان دہ ہیں اور مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں اس لئے وہ بھی حرام ہوئے۔ (ہذا التحریر عندی، واللہ ورسولہ اعلم من کل عالم)

حلال اور طیب میں فرق کا بیان

مفسرین کرام نے فائدے کے طور پر حلال اور طیب میں چند طریقوں سے فرق بیان کیا ہے۔

۱۔ حلال وہ جو حرام نہ ہو جبکہ طیب وہ جو بدمزہ اور گھناؤنی نہ ہو۔ جس طرح اپنا تھوک اور رینٹ حلال ہے مگر طیب نہیں۔

۲۔ حلال وہ جو حرام نہ ہو، جبکہ طیب وہ جو حرام ذریعہ سے حاصل نہ کیا ہو۔ جیسے غیر کی بکری، چوری کا جانور وغیرہ خبیث ہے طیب نہیں۔ ۳۔ حلال وہ جو حرام نہ ہو، جبکہ طیب وہ جو تندرستی کو نقصان دہ نہ ہو۔

۴۔ حلال وہ جسے شرع پسند کرے، طیب وہ جسے طبیعت پسند کرے۔ (تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۱۳۵، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

اضطراری حالت کے سبب سقوط حکم کا بیان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید وہ کوئی عذر پیش کر سکے۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا؟ تمہیں بدکاری پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اس عورت نے کہا میرا ایک پڑوسی تھا جس کے اونٹوں کے ہاں پانی اور دودھ تھا اور میرے اونٹ کے ہاں پانی اور دودھ نہ تھا۔ اسی وجہ سے میں پیاسی رہتی تھی، میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے پانی دینا اس شرط پر منظور کیا کہ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا مگر جب میری پیاس اس قدر بڑھ گئی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو میں نے اسکی خواہش پوری کر دی، تب اس نے مجھے پانی پلایا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! پس جس کو مجبور کیا جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الطرق الحکمیہ، ص ۵۳، دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

ضروریات ممنوع اشیاء کو مباح قرار دیتی ہیں قاعدہ فقہیہ

الضرورات تبیح المحظورات ۔(الاشباہ والنظائر، ص ۹۳)

ضروریات ممنوع اشیاء کو مباح قرار دیتی ہیں۔
اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت نے ایسی ضروریات جن کو پورا کیے بغیر جان کو خطرہ ہو اوران کا پورا کرنا ممنوع اشیاء سے ہو تو ضرورت کے تحت وہ ممنوع اشیاء مباح ہو جاتی ہیں۔
اس قاعدہ کا ثبوت یہ آیت مقدسہ ہے۔ بے شک تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو مگر جو مجبور ہو خواہش کرنا والا نہ ہو اور سرکشی کرنے والا نہ ہو پس اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔

(البقرہ،۱۷۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاۙ اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝
بیشک جولوگ کتاب کو جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے حقیر قیمت حاصل کرتے ہیں، وہ لوگ سوائے اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے کچھ نہیں کھاتے اور اللہ قیامت کے روز ان سے کلام تک نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعریف کو چھپانے والے یہود کا بیان

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہ مِنْ الْکِتَاب" الْمُشْتَمِل عَلٰی نَعْت مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَهُمْ الْیَهُوْد "وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا" مِنْ الدُّنْیَا یَاْخُذُوْنَهٗ بَدَله مِنْ سَفَلَتهمْ فَلَا یُظْهِرُوْنَهٗ خَوْف فَوْته عَلَیْهِمْ "اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنهمْ اِلَّا النَّار" لِاَنَّهَا مَآلهمْ "وَلَا یُکَلِّمهُمْ اللّٰہ یَوْم الْقِیَامَة" غَضَبًا عَلَیْهِمْ "وَلَا یُزَکِّیْهِمْ" یُطَهِّرهُمْ مِنْ دَنَس الذُّنُوْب "وَلَهُمْ عَذَاب اَلِیْم" مُؤْلِم هُوَ النَّار،

بیشک جولوگ کتاب کو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے چھپاتے ہیں یعنی وہ یہود ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نعت پر مشتمل کتاب کو چھپاتے ہیں۔ اور اس کے بدلے حقیر قیمت حاصل کرتے ہیں، یعنی نہایت تھوڑی قیمت دنیا میں وہ وصول کرتے ہیں اور اسی تھوڑی سے قیمت کے نہ ملنے کے ڈر سے وہ نبی کریم ﷺ کو تعریف کو ظاہر نہیں کرتے۔ وہ لوگ سوائے اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے کچھ نہیں کھاتے یعنی ان کے اعمال کی سزا یہی ہے۔ اور اللہ قیامت کے روز ان سے کلام تک نہیں فرمائے گا یعنی غصب کرے گا۔ اور نہ ہی ان کو گناہوں کی سیاہی سے پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی وہ تکلیف دہ عذاب جہنم کا عذاب ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۴ کے شان نزول کا بیان

یہود کے علماء ورؤساء جو امید رکھتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے مبعوث ہوں گے جب انہوں نے

دیکھا کہ سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قوم میں سے مبعوث فرمائے گئے تو انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ توریت وانجیل میں حضور ﷺ کے اوصاف دیکھ کر آپ کی فرمانبرداری کی طرف جھک پڑیں گے اوران کے نذرانے ہدیئے تحفے تحائف سب بند ہوجائیں گے حکومت جاتی رہے گی اس خیال سے انہیں حسد پیدا ہوااور توریت وانجیل میں جو حضور ﷺ کی نعت وصفت اور آپ کے وقت نبوت کا بیان تھا انہوں نے اس کو چھپایا اس پر یہ آیہء کریمہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا باعث شرف ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جابر! کیا بات ہے کہ میں تم کو افسردہ وغمگین دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میرے والد (حضرت عبداللہ) کو غزوہ احد میں شہید کر دیا گیا اور وہ (ایک بڑا) کنبہ اور قرضہ چھوڑ گئے ہیں، گویا میری پریشانی اور افسردگی کے کئی سبب پیدا ہو گئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اس معاملہ کی خبر دے کر تمہیں خوش نہ کردوں جو اللہ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (مجھ کو خوش خبری سے ضرور نوازیئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے۔ حجاب کے پیچھے سے کیا ہے، مگر تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر ان سے رو در رو کلام فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ اور تمہارے والد کے درمیان نہ کوئی حجاب حائل تھا اور نہ کوئی دوسرا واسطہ) اور فرمایا: اے میرے (خاص) بندے میرے فضل وکرم کے سہارے آرزو کر (یعنی جس چیز کی خواہش ہو مجھ سے مانگ) میں تجھ کو عطا کروں گا (یہ سُن کر) تمہارے والد گویا ہوئے، میرے پروردگار! (میں بس یہ چاہتا ہوں کہ) مجھ کو زندہ کر کے دنیا میں بھیج دے تا کہ تیری راہ میں لڑتا ہوا ایک مرتبہ پھر مارا جاؤں (اور تیری رضا وخوشنودی مزید حاصل کرنے کا ایک اور وسیلہ مجھ کو مل جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اس بارہ میں یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہئے کہ میرا یہ حکم پہلے سے نافذ ہے کہ جو مر چکے ہیں دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے" اور پھر (انہی تمہارے والد اور دوسرے شہداء احد کے حق میں) یہ آیت نازل ہوئی، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 895)

اور تمہیں خوش نہ کردوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی جو پریشانی آتی ہے اور جو بھی غم پڑتا ہے وہ دیر سویر زائل ہو جاتا ہے اور آسانی کی راہ نکل ہی آتی ہے۔ تمہارے والد نے جو بڑا کنبہ چھوڑا ہے اللہ اس کے تکفل کا انتظام کرادے گا، اور جو قرضہ وہ چھوڑ گئے ہیں اللہ کے فضل سے اس کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ لہٰذا اس وقت جس دنیاوی غم واندوہ کا تمہیں سامنا ہے اس کا صبر وشکر کے ساتھ انگیز کرنا چاہئے اور محض اس کی وجہ سے اپنے آپ کو غمگین ودل گیر نہ رکھنا چاہئے، بلکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو شہادت کا مرتبہ عظمیٰ عطا فرمایا اور اس سعادت سے مشرف فرمایا جو مولیٰ کی رضا وقرب اور مولیٰ کے کرم کو ظاہر کرتی ہے۔ پس اس ارشاد گرامی میں ایک تو اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اولاد سیدھی راہ پر ہو تو باپ کی فضیلت وبزرگی اس میں بھی سرایت کرتی ہے، اور دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ باپ کو حاصل ہونے والی خوشی وسعادت پر اولاد کو بھی خوش ہونا

جاتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ○
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب، کس چیز نے انہیں
آگ پر صبر کرنے والا بنا دیا ہے۔

آگ پر صبر کرنے والوں کا باعث تعجب ہونے کا بیان

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى" اَخَذُوْهَا بَدَلَه فِي الدُّنْيَا، "وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ" الْمُعَدَّة لَهُمْ فِي الْاٰخِرَة لَوْ لَمْ يَكْتُمُوْا "فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّار" اَيْ مَا اَشَدَّ صَبْرَهُمْ وَهُوَ تَعَجُّب لِلْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ ارْتِكَابِهِمْ مُوْجِبَاتهَا مِنْ غَيْر مُبَالَاة وَاِلَّا فَاَيّ صَبْر لَهُمْ،

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی یعنی انہوں نے اس کا بدلہ دنیا میں لے لیا ہے۔اور مغفرت کے بدلے عذاب، جو آخرت میں ہے۔اگر وہ نہ چھپاتے، کس چیز نے انہیں آگ پر صبر کرنے والا بنا دیا ہے۔یعنی کتنا سخت صبر ہے اور مؤمنوں کیلئے باعث تعجب ہے۔کیونکہ ان کے واجبات جہنم کے ارتکاب کے سبب ہے۔ ورنہ ان کیلئے صبر کا معنی کیسا ہو؟

سورہ بقرہ آیت ۱۷۵ کے مضمون نزول کا بیان

ان لوگوں کے حال پر اظہار تعجب ہے کہ ان کا یہ طرز عمل کس قدر قابل تعجب وافسوس ہے کہ یہ ہدایت کہ بدلے میں گمراہی کو اپناتے ہیں۔اور بخشش کے مقابلے میں عذاب کو اختیار کرتے ہیں، اور اس ہولناک سودے اور اس کے ہولناک نتیجہ وانجام کے بارے میں یہ لوگ بے فکر ہیں۔سو یہ کیسی مت ماری ہے؟ کہ یہ لوگ اس قدر سخت ہولناک خسارے پر بھی بے فکر ولا پرواہ ہیں، جس کا بھگتان ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھگتنا ہوگا اور جس کی تلافی وتدارک کی پھر کوئی صورت ان کے لئے ممکن نہ ہوگی۔

پیٹ میں آگ بھرنے والوں کا بیان

قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کرلیں۔ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔پھر فرمایا ان سے تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ

کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب میں زانی بڈھا، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ ۢ بَعِيْدٍ ۝
یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی، اور بیشک جنہوں نے کتاب میں اختلاف ڈالا
وہ مخالفت میں بہت دور جا پڑے ہیں۔

کتاب میں اختلاف کرنے والوں کا بیان

"ذٰلِكَ" الَّذِيْ ذُكِرَ مِنْ اَكْلِهِمُ النَّار وَمَا بَعْده "بِاَنَّ" بِسَبَبِ اَنَّ "اللّٰه نَزَّلَ الْكِتَاب بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِنَزَّلَ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ حَيْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوْا بِبَعْضِهِ بِكَتْمِهِ "وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتَاب" بِذٰلِكَ وَهُمُ الْيَهُوْد وَقِيْلَ الْمُشْرِكُوْنَ فِي الْقُرْاٰن حَيْثُ قَالَ بَعْضهمْ شِعْر وَبَعْضهمْ سِحْر وَبَعْضهمْ كَهَانَة "لَفِيْ شِقَاق" خِلَاف "بَعِيد" عَنِ الْحَقّ،

یہ اس وجہ سے ہے یعنی جو ان کے آگ کو کھانے اور اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی، یہاں حق نزل کے متعلق ہے۔ پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا کہ بعض کو وہ مانتے اور چھپانے کی وجہ سے بعض کا وہ انکار کرتے، اور بیشک جنہوں نے کتاب میں اختلاف ڈالا، یعنی وہ یہود تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین تھے جو قرآن میں اختلاف کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں سے بعض اس کو شعر کہتے جبکہ بعض سحر کہتے اور بعض کہانت کہتے تھے۔ وہ مخالفت میں بہت دور جا پڑے ہیں۔ یعنی اختلاف کر کے حق سے بہت دور ہوئے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

جملہ "اختلفوا فی الکتاب" میں موجود اختلاف کے بارے میں مفسرین نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے ایک مذکورہ مطلب ہے "شقاق" کا معنی عداوت اور دشمنی ہے اسکا مفعول ماقبل جملہ کے قرینہ سے "الحق" ہو سکتا ہے۔

بعض آسمانی کتابوں پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کرنا حق کی مخالفت اور حق سے دوری ہے۔ اہل کتاب کا آسمانی کتابوں میں اختلاف (بعض کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا اور ان پر پردے ڈالنا) ان کے حق سے فاصلے کا باعث بنا اور وہ ایک دوسرے کی دشمنی و جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توریت میں اختلاف کیا بعض نے اس کو حق کہا بعض نے غلط تاویلیں کیں بعض نے تحریفیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی اس صورت میں کتاب سے قرآن مراد ہے اور ان کا اختلاف یہ ہے کہ بعض ان میں سے اس کو شعر کہتے تھے بعض سحر بعض کہانت۔ (تفسیر خزائن العرفان، بقرہ ۱۷۶، لاہور)

اختلاف کرنے کے سبب پہلی قوموں کی ہلاکت کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انھوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا (یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے) اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ، اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔

(مسند احمد بن حنبل و ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 226)

جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور جن کے ایمان وعقیدہ میں کمزوری اور ذہن وفکر میں کمی ہوتی ہے وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں اور آیت کے حقیقی مفہوم ومراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن وفکر میں جو مفہوم آتا ہے اسے بیان کرتے ہیں اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات واعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں جس کی مثال ماقبل کی حدیث میں بیان کی جا چکی ہے۔

اس کے بارے میں یہاں بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو اس میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل وسمجھ کے تیر چلاؤ۔ اس کے حقیقی معنی ومفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سونپ دو، یا پھر ایسے علماء وصلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ وافضل ہوں اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○
کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے۔ اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور
پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑوانے

میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے۔ جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

نیک اعمال کی حقیقت رضائے الٰہی ہونے کا بیان

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ" فِي الصَّلَاةِ "قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى حَيْثُ زَعَمُوْا ذٰلِكَ "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ" اَیْ ذَا الْبِرِّ وَقُرِءَ بِفَتْحِ الْبَاءِ اَیْ الْبَارَّ "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ" اَیْ الْكُتُبِ "وَالنَّبِيِّيْنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى" مَعَ "حُبِّهٖ" لَهٗ "ذَوِي الْقُرْبٰى" الْقَرَابَةِ "وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ" الْمُسَافِرِ "وَالسَّائِلِيْنَ" الطَّالِبِيْنَ "وَفِي" فَكِّ "الرِّقَابِ" الْمُكَاتَبِيْنَ وَالْاَسْرٰى "وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ" الْمَفْرُوْضَةَ وَمَا قَبْلَهٗ فِي التَّطَوُّعِ "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا" اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ "وَالصَّابِرِيْنَ" نُصِبَ عَلَى الْمَدْحِ "فِي الْبَاْسَاءِ" شِدَّةِ الْفَقْرِ "وَالضَّرَّاءِ" الْمَرَضِ "وَحِيْنَ الْبَاْسِ" وَقْتَ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ "اُولٰئِكَ" الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ "الَّذِيْنَ صَدَقُوْا" فِيْ اِيْمَانِهِمْ اَوْ اِدِّعَاءِ الْبِرِّ "وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" اللّٰهَ.

کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ نماز میں منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، یہ آیت یہود ونصاریٰ کے گمان کو رد کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے۔ اور "البـــر" کی باء کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب یعنی کتب پر اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑوانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے یعنی جو فرض کی گئی ہے اور ان سے پہلی چیزوں سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ اور اپنا قول پورا کرنے والے۔ جب عہد کریں یعنی جب اللہ یا لوگوں سے عہد کریں، اور صابرین یہ منصوب بہ مدح ہے۔ اور صبر والے سخت فقر میں اور سخت مرض میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں یعنی اللہ کی راہ میں سخت جنگ کے وقت، یہی وہ لوگ یعنی مذکورہ اوصاف والے، جنہوں نے اپنی بات سچی کی یعنی اپنے ایمان یا دعویٰ نیکی میں اور یہی پرہیزگار یعنی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

رقبہ "رقاب" کی جمع ہے جس کا معنی غلام ہیں "فی الرقاب"، "ذوی القربٰی" پر عطف ہے۔ "فی" کا "رقاب" پر آنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "آتی المال علی حبہ، فی الرقاب" سے مراد ان کو آزاد کرنے کیلئے مال کا خرچ کرنا ہے نہ کہ خود ان کو ادا کرنا۔

سورہ بقرہ آیت ١٧٧ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہود نے بیت المقدس کے مشرق کو اور نصاریٰ نے اس کے مغرب کو قبلہ بنا

رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ صرف اس قبلہ ہی کی طرف منہ کرنا کافی ہے اس آیت میں ان کا رد فرمادیا گیا کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوگیا۔ (مدارک) مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب اہل کتاب اور مؤمنین سب کو عام ہے اور معنی یہ ہیں کہ صرف رو بقبلہ ہونا اصل نیکی نہیں جب تک عقائد درست نہ ہوں اور دل اخلاص کے ساتھ رب قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ایک شخص نے حضرت ابوذر سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمادی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن ایک شخص نے یہی سوال حضور ﷺ سے کیا آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمادی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے۔ (ابن مردویہ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝
اے ایمان والوں تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور
عورت کے بدلے عورت، تو جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی۔ تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا، یہ
تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ پر ہلکا کرنا ہے۔ اور تم پر رحمت تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

قصاص اور دیت دونوں سے متعلق احکام کا بیان

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ" فُرِضَ "عَلَیْكُمُ الْقِصَاص" اَلْمُمَاثَلَة "فِی الْقَتْلٰی" وَصْفًا وَّفِعْلًا "اَلْحُرّ" یُقْتَل "بِالْحُرِّ" وَلَا یُقْتَل بِالْعَبْدِ "وَالْعَبْد بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی" وَبَیَّنَتْ السُّنَّة اَنَّ الذَّكَر یُقْتَل بِهَا وَاَنَّهُ تُعْتَبَر الْمُمَاثَلَة فِی الدِّیْن فَلَا یُقْتَل مُسْلِم وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا "فَمَنْ عُفِیَ لَهُ" مِنَ الْقَاتِلِیْنَ "مِنْ" دَم "اَخِیْهِ" الْمَقْتُول "شَیْء" بِاَنْ تَرَكَ الْقِصَاص مِنْهُ وَتَنْكِیر شَیْء یُفِید سُقُوط الْقِصَاص بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضه وَمِنْ بَعْض الْوَرَثَة وَفِیْ ذِكْر اَخِیْهِ تَعَطُّف دَاعٍ اِلَی الْعَفْو وَاِیْذَان بِاَنَّ الْقَتْل لَا یَقْطَع اُخُوَّة الْاِیْمَان وَمَنْ مُبْتَدَاٌ شَرْطِیَّة اَوْ مَوْصُولَة وَالْخَبَر "فَاتِّبَاع" اَیْ فَعَل الْعَافِیْ اتِّبَاع لِلْقَاتِلِ "بِالْمَعْرُوْفِ" بِاَنْ یُطَالِبهُ بِالدِّیَة بِلَا عُنْف وَتَرْتِیب الِاتِّبَاع عَلَی الْعَفْو یُفِید اَنَّ الْوَاجِب اَحَدهمَا وَهُوَ اَحَد قَوْلَیِ الشَّافِعِیّ وَالثَّانِی الْوَاجِب الْقِصَاص وَالدِّیَة بَدَل عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَلَمْ یُسَمِّهَا فَلَا شَیْء

وَرَجَحَ "و" عَلَى الْقَاتِلِ "اَدَاء" الدِّيَة "إِلَيْهِ" اَیْ الْعَافِیْ وَهُوَ الْوَارِث "بِإِحْسَانٍ" بِلَا مَطْلٍ وَلَا بَخْس "ذٰلِكَ" الْحُكْم الْمَذْكُور مِنْ جَوَازِ الْقِصَاص وَالْعَفْو عَنْهُ عَلَى الدِّيَة "تَخْفِيف" تَسْهِيل "مِنْ رَبِّكُمْ" عَلَيْكُمْ "وَرَحْمَة" بِكُمْ حَيْثُ وَسَّعَ فِیْ ذٰلِكَ وَلَمْ يُحَتِّم وَاحِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَّمَ عَلَى الْيَهُوْد الْقِصَاص وَعَلَى النَّصَارَى الدِّيَة "فَمَنْ اعْتَدَى" ظَلَمَ الْقَاتِل بِاَنْ قَتَلَهُ "بَعْد ذٰلِكَ" اَیْ الْعَفْو "فَلَهُ عَذَاب اَلِيْم" مُؤْلِم فِی الْاٰخِرَة بِالنَّارِ اَوْ فِی الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ،

اے ایمان والوں تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو، یعنی وصف اور فعل کے اعتبار سے قتل میں برابری ہونے کی وجہ سے، آزاد کے بدلے آزاد یعنی آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، اور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ کیونکہ دین میں برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ غلام ہو یا کافر ہو یا آزاد ہو۔ تو جس کے لئے یعنی قاتلوں کیلئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی۔ تو بھلائی سے تقاضا ہو، یعنی قصاص کو چھوڑ کر، اور یہاں شئی کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے جو قصاص کے ساقط ہونے میں بعض ورثاء سے معافی کا فائدہ دیتی ہے۔ اور نرمی کے سبب بھائی ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی بیان کرنا مقصود ہے کہ قتل ایمانی اخوت کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ اور ''من'' شرطیہ یہ مبتداء ہے اور اتباع اس کی خبر ہے۔ یعنی وہ بھائی سے نرمی کے ساتھ مطالبہ کرے۔ یعنی وہ بغیر کسی سختی کے دیت کا مطالبہ کرے اور یہاں اتباع کو عفو پر مرتب کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور وہ قصاص ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے دونوں اقوال میں سے ایک یہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص واجب ہے اور دیت اس کا بدل ہے۔ لہٰذا جب مقتول کے وارث نے معاف کیا اور دیت کو تذکرہ نہ کیا تو قاتل پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ یہی راجح قول ہے۔ اور اچھی طرح ادا، یعنی بغیر کسی کمی و زیادتی کے آسان طریقے سے دیت کو ادا کردیں، یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ پر ہلکا کرنا ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک کو واجب نہیں کیا جس طرح یہود پر صرف قصاص واجب تھا جبکہ نصاریٰ پر صرف دیت کو واجب کیا۔ اور تم پر رحمت ہے۔ تو اس کے بعد جو زیادتی کرے یعنی قاتل قتل کرنے کے بعد اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی آخرت میں تکلیف دینے والا عذاب ہے یا دنیا میں قتل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"من" سے مراد قاتل اور "اخیہ" سے مراد مقتول کا وارث ہے "لہ" اور "اخیہ" کی ضمیر "من" کی طرف لوٹتی ہے یعنی قاتل کی طرف "شیء" سے مراد قصاص کا حق ہے پس جملہ "فمن عفی" کا معنی یہ بنتا ہے پس وہ قاتل جسے مقتول کے وارث کی طرف سے اس کے لئے حق قصاص میں سے کچھ معاف کردیا گیا ہو۔

قصاص قابل معافی حق ہے نہ ایسا حکم جو ساقط نہیں ہوسکتا۔ حق قصاص مقتول کے ورثاء میں سے کسی ایک کے معاف کر دینے سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ شیء" سے مراد حق قصاص ہے اس کو نکرہ استعمال کرنا اس مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حق قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو قاتل کا قصاص نہیں ہوگا البتہ یہ فرض اس صورت میں ہے کہ مقتول کے وارث متعدد ہوں اور ان میں سے بعض قاتل کو معاف کر دیں۔ مقتول کے وارث کیلئے بہتر ہے کہ قاتل کو معاف کر دے اور اپنے حق (قصاص) سے درگزر کرے۔ مقتول کے وارث کو حق قصاص معاف کرنے کی طرف ترغیب دلانا اس لفظ "اخیہ" کے جملہ اہداف میں سے ایک ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس لفظ کو مقتول کے وارث کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اوس وخزرج کے بارے میں نازل ہوئی ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے قوت تعداد مال وشرف میں زیادہ تھا اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کرے گا زمانہ جاہلیت میں لوگ اس قسم کی تعدی کے عادی تھے عہد اسلام میں یہ معاملہ حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور عدل ومساوات کا حکم دیا گیا اور اس پر وہ لوگ راضی ہوئے قرآن کریم میں قصاص کا مسئلہ کئی آیتوں میں بیان ہوا ہے اس آیت میں قصاص وعفو دونوں کے مسئلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بیان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو قصاص وعفو میں مختار کیا چاہیں قصاص لیں یا عفو کریں' آیت کے اول میں قصاص کے وجوب کا بیان ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، بقرہ، ۱۷۸، لاہور)

قصاص کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

اصطلاح شریعت میں "قصاص کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دینا! یہ لفظ قص اور قصص سے "نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا پکڑتا ہے تا کہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ "قصاص" پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل یا مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

قصاص" کے معنی بدلہ ومکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے

اس کا بدلہ لیا جائے گا اگر چہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تا کہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جاسکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔

قتل کی اقسام کا فقہی بیان

فقہا کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) قتل عمد۔ (۲) قتل شبہ عمد۔ (۳) قتل خطا۔ (۴) قتل جاری مجری خطا۔ (۵) قتل بسبب۔

قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھاردار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ "مقتول بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جاسکتا ہے" قتل عمد کا مرتکب سخت گناہگار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قتل شبہ عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھاردار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہگار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلظہ چار طرح کے سو اونٹوں کو کہتے ہیں، لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔

قتل خطاء کی اقسام کا بیان

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطا" کا تعلق "فعل" سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بہک کر کسی آدمی کے جا لگی۔"

قتل جاری مجریٰ خطاء کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا! قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔

قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبہ عمد، اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا

ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا

قصاص چھوڑ کر دیت پر رضامند ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی، ابوجحیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو اللہ کتاب میں نہ ہو، حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو وجود بخشا۔ مجھے علم نہیں کہ کوئی ایسی چیز ہو جو قرآن میں نہ ہو۔ البتہ، ہمیں قرآن کی وہ سمجھ ضرور دی گئی ہے جو کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے پھر کچھ چیزیں ہمارے پاس مکتوب بھی ہیں راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا ہیں حضرت علی نے فرمایا اس میں دیت ہے اور قیدیوں یا غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حضرت علی کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی، احمد، اسحاق، کا یہی قول ہے کہ مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو بطور قصاص قتل کیا جائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1447)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک، شافعی، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1448)

قتل کرنے پر وجوب قصاص میں مذاہب اربعہ

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر

دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا نزاعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔"

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 628)

بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا موجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالحی سے تھا۔

غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

امام ابوحنیفہ امام ثوری امام ابن ابی لیلیٰ اور داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم کا بھی یہی مذہب ہے،

حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے،

لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم ہے۔

والدین کیلئے بیٹے کو قتل پر قصاص نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسجدوں میں حدود جاری نہ کی

جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔

(ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 636)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارے میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز دادا دادی، اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

غلام کے بدلے مالک کے قتل و عدم قتل میں فقہی مذاہب

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کے اعضاء (ناک، کان وغیرہ) کاٹے ہم بھی اس کے اعضاء کاٹیں گے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض علماء، تابعین، اور ابراہیم نخعی کا یہی مذہب ہے۔ بعض اہل علم جن میں حضرت حسن بصری، اور عطاء بن ابی رباح بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ آزاد اور غلام کے درمیان خون اور زخم میں قصاص نہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مالک اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا لیکن اگر غلام کسی اور کا ہو تو اس کے بدلے آزاد کو بھی قتل کیا جائے سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1449)

حضرت حسن بصری (تابعی) حضرت سمرۃ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو شخص (اپنے غلام کے) اعضاء کاٹے گا ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم اس کو خصی کر دیں گے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 639)

جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر و تشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوتھی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ

نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو، اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو، اگر چہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ (اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) 2۔البقرة: 178) کے ذریعہ منسوخ ہے! اس بارے میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظم کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ (اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) 2۔البقرة:178) کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سفیان ثوری کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

اور جو شخص اعضاء کاٹے گا "شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ "تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں" علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے" یا تو زجر و تنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

متعدد قاتلوں کو ایک قتل کے بدلے قتل کرنے میں مذاہب اربعہ

چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝
اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقل مندو کہ تم کہیں بچو۔

قصاص میں ہی حیات ہونے کا بیان

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاص حَيَاة" اَيْ بَقَاء عَظِيْم "يَا اُولِي الْاَلْبَاب" ذَوِي الْعُقُول لِاَنَّ الْقَاتِل اِذَا عَلِمَ اَنَّهُ يُقْتَل ارْتَدَعَ فَاَحْيَا نَفْسه وَمَنْ اَرَادَ قَتْله فَشَرَعَ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" الْقَتْل مَخَافَة الْقَوَد،

اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے یعنی بہت بڑی بقاء ہے۔ اے عقل مندو کہ تم کہیں بچو، یہ اہل عقل کیلئے نصیحت ہے

کیونکہ جب قاتل کو معلوم ہو کہ اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے ایسے عمل سے باز آ جائے گا۔اور قتل ہونے والا شخص بھی بچ جائے گا۔ تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ یعنی قصاص کے خوف سے قتل سے بچو۔

یہ مطلب اس بنا پر ہے کہ "لعلکم "حیاۃ" کے لئے بیان غایت ہو یعنی قانون قصاص اس لئے وضع کیا گیا ہے تا کہ معاشرتی زندگی کی ضمانت فراہم کرے۔ جبکہ زندگی خود سے کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یہ کہ تقویٰ کے حصول کی بنیادیں فراہم کی جائیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۷۹ کے مضمون نزول کا بیان

جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل اور خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے۔

حق قصاص کی حقیقت وخلافت کا بیان

جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کو عمداً قتل کر دیا جس کی وجہ سے قصاص کا حکم لازم ہوا ہے، لہٰذا مقتول حصول قصاص کیلئے سبب اصلی ہے کیونکہ قتل وہ ہوا ہے اور مطالبہ قصاص کا صحیح معنوں میں وہی حقدار ہے لیکن وہ قتل ہونے کی وجہ فوت ہو جاتا ہے اور قصاص لینے کی اس میں اہلیت نہیں رہتی، لہٰذا جس میت کی وراثت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح حکم قصاص بھی اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔اسی طرح یہ تفریع ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہوا ہے تو وہ اپنے مدمقابل آدمی کو اگر معاف کر دے اور قصاص کا مطالبہ نہ کرے تو وہ معاف کر سکتا ہے اور معاف کرنے والے کے اقارب اس میں دخل انداز نہیں ہو سکتے کیونکہ سبب اصلی کے ہوتے ہوئے سبب خلفی کا اختیار سلب ہو جاتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝
تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو والدین اور قریبی رشتہ داروں
کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

ورثاء کیلئے وصیت کے حکم کی منسوخی کا بیان

"كُتِبَ" فُرِضَ "عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" أَيْ أَسْبَابه "إِنْ تَرَكَ خَيْرًا" مَالًا "الْوَصِيَّة" مَرْفُوع بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّق بِإِذَا إِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّة وَدَالّ عَلَى جَوَابهَا إِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّة وَجَوَاب إِنْ أَيْ فَلْيُوصِ "لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ" بِالْعَدْلِ بِأَنْ لَا يَزِيد عَلَى الثُّلُث وَلَا يُفَضِّل الْغَنِيّ "حَقًّا"

مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَه "عَلَى الْمُتَّقِيْنَ" اللّٰه وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِ اٰيَةِ الْمِيْرَاث وَبِحَدِيْثِ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ،

تم پرفرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت یعنی موت کے آثار قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، یہاں پر وصیت کتب کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔اور اذا کے متعلق ہے جبکہ وہ ظرفیہ ہو اور وہ اس کے جواب پر دلالت کرتا ہے اور جب وہ شرطیہ ہو تو اس کا جواب ''ان'' یعنی وصیت ہے۔تو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یعنی عدل سے کہ وہ تہائی سے زائد نہ ہو اور غنی کو فضیلت نہ دے۔اور حقا یہ مصدر مؤکد ہے جس میں گذشتہ جملہ کے مضمون کی تاکید ہے۔ یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے۔اور یہ آیت میراث والی آیت سے منسوخ ہے۔اور اس حدیث سے بھی وراث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔(جامع ترمذی)

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

خیر "سے مراد اموال ہیں بعض مفسرین نے اس کے ساتھ "زیادہ" کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں کہ کم اموال پر "خیر" کا اطلاق نہیں ہوتا حکم اور اس کے موضوع کی مناسبت یعنی والدین اور سب عزیزوں کو وصیت کرنا علاوہ بریں "خیر" کو نکرہ استعمال کرنا بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

وارث کیلئے وصیت کے عدم جواز کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں جب آپ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں۔

علماء کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے جبکہ دوسرے تمام علماء کے ہاں پہلے تو وصیت واجب تھی یعنی اپنے اختیار سے والدین اور رشتہ داروں کے لئے اپنے مال و اسباب میں سے حصے مقرر کرنا جانا ہر مال دار پر واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خود تمام حصے متعین و مقرر فرما دیے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اسی لئے وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے البتہ آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار باقی رکھا گیا تا کہ اگر کوئی شخص اپنے آخری وقت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کر کے اپنی عمر بھی کی تقصیرات مثلاً بخل وغیرہ کا کفارہ اور مکافات کرنا چاہے تو یہ سعادت حاصل کر لے یا اگر اپنے کسی دوست یا دور کے رشتہ دار یا خادم وغیرہ کو کچھ دینا چاہے تو اس تہائی میں سے دیکر اپنا دل خوش کر لے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 297)

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ
تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے۔اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہے۔ بیشک اللہ سنتا جانتا ہے،

وصیت کو بدلنے والوں پر گناہ ہونے کا بیان

"فَمَنْ بَدَّلَهٗ" اَیْ الْاِیْصَاء مِنْ شَاهِد وَوَصِیّ "بَعْدَمَا سَمِعَهٗ" عَلِمَهٗ "فَاِنَّمَا اِثْمه" اَیْ الْاِیصَال الْمُبَدَّل "عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ" فِيْهِ اِقَامَة الظَّاهِر مَقَام الْمُضْمَر "اِنَّ اللّٰه سَمِيْع" لِقَوْلِ الْمُوصِی "عَلِيْم" بِفِعْلِ الْوَصِیّ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ،

تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے۔ یعنی جس نے وصیت کو بدل دیا خواہ وہ گواہ ہو یا وصیت کرنے والا ہو۔اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہے۔ یہاں تبدیلی کرنے والوں پر گناہ ہے اور اس میں اسم ظاہر کے بہ جائے اسم ضمیر کو قائم مقام کیا گیا ہے۔ بیشک اللہ سنتا یعنی وصیت کرنے والے کے قول کو، جانتا یعنی وصی کے عمل کو جانتا ہے جس پر وہ جزاء دینے والا ہے،

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بدلہ" میں ضمیر مفعول وہ اور عرف کے مطابق وصیت کا ہونا ہے اور اس پر ماقبل آیہ مجیدہ دلالت کررہی ہے۔ میت کی وصیتوں میں تبدیلی کرنے کا گناہ صرف تبدیل کرنے والوں پر ہے نہ کہ وصیت کرنے والا یا ان افراد پر جو میت کے اموال سے اس وصیت کے نتیجے میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

"انما" حصر پر دلالت کرتا ہے اور یہ حصر وصیت کرنے والے نیز ان لوگوں کی نسبت ہے، جو وصیت سے اطلاع نہ رکھتے تھے اور اس میں تبدیلی کی وجہ سے میت کے کچھ اموال ان کو نصیب ہوگئے۔

وارثوں کو نقصان پہنچانے کیلئے شہادت بدلنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں لہٰذا ان کے لئے دوزخ ضروری ہو جاتی ہے، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی (وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ) 4۔النساء:12) (یعنی ورثاء اپنے حصے کی وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ وصیت کرنے

والا کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 298)

یہ حدیث حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ جو لوگ اپنی ساری زندگی عبادت الٰہی میں گزار دیتے ہیں مگر حقوق العباد کو نقصان پہنچانے سے اجتناب نہیں کرتے وہ اپنی تمام عبادتوں کے باوجود خدا کی ناراضگی کا مورد بن جاتے ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں مگر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ وبال اپنے سر لے لیتے ہیں کہ وہ اپنے مال میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کسی غیر شخص کے حق میں کر جاتے ہیں یا اپنا سارا مال کسی ایک وارث کو ہبہ کر دیتے تاکہ دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اس طرح وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ اتنے طویل عرصہ کی اپنی عبادتوں کے باوجود اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنا لیتے ہیں کیونکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے غیر مناسب و ناجائز ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقررہ ہدایات سے تجاوز بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرنے کے بعد بطور تائید مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھی کیونکہ اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مورث کو چاہئے کہ وہ اپنے مال کے تہائی حصہ سے زائد کے بارے میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
پھر جسے اندیشہ ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا گناہ کیا تو اس نے ان میں صلح کرا دی اس پر کچھ گناہ نہیں
بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تہائی وصیت میں زیادتی کرنے والے مصلح کا بیان

"فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ" مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا "جَنَفًا" مَيْلًا عَنْ الْحَقّ خَطَأً "اَوْ اِثْمًا" بِاَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُث اَوْ تَخْصِيص غَنِيّ مَثَلًا "فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ" بَيْنَ الْمُوصِي وَالْمُوصَى لَهُ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ "فَلَا اِثْم عَلَيْهِ" فِي ذٰلِكَ "إن الله غفور رحيم"

موص کا لفظ تخفیف و تشدید دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ پھر جسے اندیشہ ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یعنی حق بات سے غلطی کرنا یا گناہ یعنی بہ طور ارادہ تہائی سے زیادہ یا مالدار کو خاص کیا تو اس نے ان میں یعنی موصی اور موصی لہ کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دی اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

جنف" کا معنی ستم اور باطل کی طرف میلان رکھنے والا ہے پس اس اعتبار سے یہاں غیر معروف وصیت مراد ہے جو پس ماندگان کے لئے ظلم و ستم شمار ہوتا ہے "اثما" کا معنی بھی یہی ہے "فاصلح بینهم" سے مراد وصیت کرنے والے کو آمادہ کرنا ہے،

اس بات پر کہ اپنی غیر عادلانہ وصیت کو تبدیل کرے تا کہ اس سے پیدا ہونے والا ممکنہ اختلاف اور نزاع ختم ہو جائے۔ غیر عادلانہ وصیتوں کو تبدیل کرنا اور وصیت کرنے والے کو اس کی تبدیلی پر آمادہ کرنا جائز ہے۔

یہ بات گزر گئی کہ "جنفا" اور "اثما" سے مراد غیر عادلانہ وصیت ہے یہ تقسیم اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ غیر عادلانہ وصیت جان بوجھ کر تحریر کی گئی ہو کہ اس صورت میں وصیت کرنے والا گنہگار ہے، یا یہ کہ بھول کر ایسا کیا گیا ہو دونوں صورتوں میں وصیت کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۸۲ کے مضمون نزول کا بیان

معنی یہ ہیں کہ وارث یا وصی یا امام یا قاضی جس کو بھی موصی کی طرف سے ناانصافی یا ناحق کارروائی کا اندیشہ ہو وہ اگر موصی لہ یا وارثوں میں شرع کے موافق صلح کرا دے تو گنہگار نہیں کیونکہ اس نے حق کی حمایت کے لئے باطل کو بدلا ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد وہ شخص ہے جو وقت وصیت دیکھے کہ موصی حق سے تجاوز کرتا اور خلاف شرع طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کو روک دے اور حق و انصاف کا حکم کرے۔ (خزائن العرفان، سورہ بقرہ، ۱۸۲، لاہور)

تہائی میں وصیت اور عدل و انصاف کرنے کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت مال ہے مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارے میں وصیت کر جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں پھر میں نے عرض کیا کہ کیا دو تہائی مال کے بارے میں وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا نصف کے لئے فرمایا نہیں، میں نے پوچھا کہ ایک تہائی کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتے ہو اگرچہ یہ بھی بہت ہے اور یاد رکھو اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار و خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں جان لو تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خرچ کا ثواب ملے گا یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 296)

میرا کوئی وارث نہیں ہے "سے حضرت سعد کی مراد یہ تھی کہ ذوی الفروض سے میرا کوئی وارث نہیں ہے یا یہ کہ ایسے وارثوں میں سے کہ جن کے بارے میں مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میرا مال ضائع کر دیں گے علاوہ ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں ہے، حضرت سعد کے اس جملہ کی یہ تاویل اسلئے کی گئی ہے کہ حضرت سعد کے کئی عصبی وارث تھے۔

یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وارثوں کے حق میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس میت کے وارث موجود ہوں تو اس کی وصیت اس کے تہائی مال

سے زائد میں جاری نہیں ہوتی، البتہ اگر وہ ورثاء اپنی اجازت وخوشی سے چاہیں تو ایک تہائی سے زائد میں بھی بلکہ سارے ہی مال میں وصیت جاری ہوسکتی ہے بشرطیکہ سب وارث عاقل وبالغ اور موجود ہوں، اور جس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں بھی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اس کی وصیت بھی ایک تہائی سے زائد میں جاری نہیں ہوسکتی۔ البتہ حضرت امام اعظم اور ان کے متبعین علماء اس صورت میں ایک تہائی سے زائد میں بھی وصیت جاری کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں نیز حضرت امام احمد اور حضرت اسحٰق کا بھی یہی قول ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

روزوں کی فرضیت کا بیان

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ" فُرِضَ "عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" مِنَ الْاُمَمِ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" الْمَعَاصِي فَاِنَّهُ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ الَّتِي هِيَ مَبْدَؤُهَا،

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں یعنی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم گناہوں سے پرہیز گار کرنے والے بن جاؤ۔ کیونکہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔ جو گناہ کی ابتداء ہے۔

صوم کے لغوی وشرعی معانی کا بیان

لغت میں صوم اور صیام کے معنی ہیں امساک یعنی مطلقاً رکنا! اصطلاح شریعت میں ان الفاظ کا مفہوم ہے "فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے، جماع کرنے اور بدن کے اس حصے میں وہ "اندر" کے حکم میں ہو کسی چیز کے داخل کرنے سے رکے رہنا نیز روزہ دار کا مسلمان اور حیض ونفاس سے پاک ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ لغت میں صوم اور صیام کے معنی ہیں امساک یعنی مطلقاً رکنا! اصطلاح شریعت میں ان الفاظ کا مفہوم ہے فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے، جماع کرنے اور بدن کے اس حصے میں جو اندر کے حکم میں ہو کسی چیز کے داخل کرنے سے رکے رہنا نیز روزے دار مسلمان کیلئے اور حیض ونفاس سے پاک ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔ الصوم لغت عرب میں الامساک یعنی رکنے کو کہتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں طلوع فجر سے لیکر غروب شمس تک مفطرات یعنی روزہ توڑنے والی اشیاء سے نیت کے ساتھ رکنے کو روزہ کہا جاتا ہے۔

امت کا اجماع ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہیں، اس کی دلیل مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی ہے: (اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو)۔

روزے کی فرضیت پر سنت نبویہ میں بھی دلائل پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک دلیل مندرجہ ذیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا) (فتح الباری (1/49)

امت مسلمہ پر روزوں کی فرضیت کی تاریخ کا بیان

ماہ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینے میں تحویل قبلہ کے دس روز بعد فرض کیے گئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے قبل کوئی روزہ فرض نہیں تھا جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے قبل بھی کچھ ایام کے روزے فرض تھے جو اس ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد منسوخ ہو گئے۔ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک تو عاشورا محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ فرض تھا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایام بیض (قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں راتوں کے دن) کے روزے فرض تھے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت کے ابتدائی دنوں میں بعض احکام بہت سخت تھے مثلاً غروب آفتاب کے بعد سونے سے پہلے کھانے پینے کی اجازت تھی مگر سونے کے بعد کچھ بھی کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی۔ چاہے کوئی شخص بغیر کھائے پیئے ہی کیوں نہ سو گیا ہو، اسی طرح جماع کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں جائز نہ تھا۔ مگر جب یہ احکام مسلمانوں پر بہت شاق گزرے اور ان احکام کی وجہ سے کئی واقعات بھی پیش آئے تو یہ احکام منسوخ کر دیئے گئے اور کوئی سختی باقی نہ رہی۔

روزے کے ثواب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا (یعنی روزہ کی جو جزا ہے اسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ روزہ دار کو میں خود ہی دوں اس بارے میں کوئی دوسرا یعنی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ روزہ دار) اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے لیے ہی چھوڑتا ہے (یعنی وہ میرے حکم کی بجا آوری میری رضاء وخوشنودی کی خاطر اور میرے ثواب کی طلب کے لیے روزہ رکھتا ہے) روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، یاد رکھو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطف اور پسندیدہ ہے اور روزہ سپر ہے (کہ اس کی وجہ سے بندہ دنیا میں شیطان کے شر و فریب سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بے ہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی (نادان جاہل) اسے برا کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 463)

نیک عمل کے اجر کے سلسلے میں ادنیٰ درجہ دس ہے کہ نیکی تو ایک ہو مگر ثواب اس کا دس گناہ ملے، پھر اس کے بعد نیک عمل کرنے والے کے صدق خلوص پر انحصار ہوتا ہے کہ اس کی ریاضت ومجاہدہ اور اس کے خلوص وصدق نیت میں جتنی پختگی اور کمال بڑھتا رہتا

ہے اسی طرح اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں ایک نیکی پر سات سو گناہ ثواب ملتا ہے گویا یہ آخری درجہ ہے لیکن بعض مقامات واوقات ایسے بھی ہیں جہاں کی جانے والی ایک نیکی اس سے بھی زیادہ اجر وثواب سے نوازی جاتی ہے چنانچہ منقول ہے کہ مکہ میں ایک نیک عمل کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ الا الصوم (مگر روزہ) سے ثواب کی اہمیت وفضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ کا ثواب بے انتہاء اور لامحدود ہے جس کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

روزہ کے فوائد کا بیان

کسی بھی عبادت اور کسی بھی عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور پرودگار کی رحمت کاملہ اس عمل اور عبادت کرنے والے کو دین اور دنیا دونوں جگہ اپنی آغوش میں چھپالے ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے روزہ کا فائدہ بھی بڑا ہی عظیم الشان ہوگا مگر اس کے علاوہ روزے کے کچھ اور بھی روحانی اور دینی فوائد ہیں جو اپنی اہمیت وعظمت کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں لہٰذا ان میں سے کچھ فائدے بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) روزہ کی وجہ سے خاطر جمعی اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے نفس امارہ کی تیزی وتندی جاتی رہتی ہے، اعضاء جسمانی اور بطور خاص وہ اعضاء جن کا نیکی اور بدی سے براہ راست تعلق ہوتا ہے جیسے ہاتھ، آنکھ، زبان، کان اور ستر وغیرہ ست ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گناہ کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور معصیت کی طرف رجحان ہلکا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب نفس بھوکا ہوتا ہے تو تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی انہیں اپنے کام کی رغبت نہیں ہوتی اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں انہیں اپنے کام کی طرف رغبت ہوتی ہے اس قول کو وضاحت کے ساتھ یوں سمجھ لیجئے کہ جسم کے جتنے اعضاء ہیں قدرت نے انہیں اپنے مخصوص کاموں کے لئے پیدا کیا ہے مثلاً آنکھ کی تخلیق دیکھنے کے لیے ہوئی ہے گویا آنکھ کا کام دیکھنا ہے لہٰذا بھوک کی حالت میں کسی بھی چیز کو دیکھنے کی طرف راغب نہیں ہوتی ہاں جب پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام بڑی رغبت کے ساتھ کرتی ہے اور ہر جائز و ناجائز چیز کو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے اسی پر بقیہ اعضاء کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۲) روزہ کی وجہ سے دل کدورتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے کیونکہ دل کی کدورت آنکھ، زبان اور دوسرے اعضاء کے فضول کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی زبان کا ضرورت وحاجت سے زیادہ کلام کرنا، آنکھوں کا بلاضرورت دیکھنا، اسی طرح دوسرے اعضاء کا ضرورت سے زیادہ اپنے کام میں مشغول رہنا افسردگی دل اور رنجش قلب کا باعث ہے اور ظاہر ہے کہ روزہ دار فضول گوئی اور فضول کاموں سے بچا رہتا ہے بدیں وجہ اس کا دل صاف اور مطمئن رہتا ہے اس طرح پاکیزگی دل اور اطمینان قلب اچھے ونیک کاموں کی طرف میلان ورغبت اور درجات عالیہ کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۳) روزہ مساکین وغرباء کے ساتھ حسن سلوک اور ترحم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی وقت بھوک کا غم جھیل چکا ہوتا ہے اکثر وبیشتر وہ کربناک حالت یاد آتی ہے چنانچہ وہ جب کسی شخص کو بھوکا دیکھتا ہے تو اسے خود اپنی بھوک کی وہ حالت یاد آ جاتی

ہے جس کی وجہ سے اس کا جذبہ ترحم امنڈ آتا ہے۔

(۴) روزہ دار اپنے روزہ کی حالت میں گویا فقراء مساکین کی حالت بھوک کی مطابقت کرتا ہے بایں طور کہ جس اذیت اور تکلیف میں وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی تکلیف اور مشقت کو روزہ دار بھی برداشت کرتا ہے اس وجہ سے اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ بشر حافی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں جاڑے کے موسم میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے کانپ رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس اتنے کپڑے موجود تھے جوان کو سردی سے بچا سکتے تھے۔ مگر وہ کپڑے الگ رکھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے یہ صورت حال دیکھ کر ان سے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے سردی کی اس حالت میں اپنے کپڑے الگ رکھ چھوڑے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی فقراء و مساکین کی تعداد بہت زیادہ ہے مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ میں ان کے کپڑوں کا انتظام کروں لہٰذا (جو چیز میرے اختیار میں ہے اسی کو غنیمت جانتا ہوں کہ) جس طرح وہ لوگ سردی کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں اس طرح میں بھی سردی کی تکلیف برداشت کر رہا ہوں اس طرح میں بھی ان کی مطابقت کر رہا ہوں۔

یہی جذبہ ہمیں ان اولیاء عارفین کی زندگیوں میں بھی ملتا ہے جن کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کھانے کے وقت ہر لقمہ پر یہ دعائیہ کلمات کہا کرتے تھے۔ اللّٰهم لا تواخذني بحق الجائعين ۔ اے اللہ مجھ سے بھوکوں کے حق کے بارے میں مواخذہ نہ کیجیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ جب قحط سالی نے پورے ملک کو اپنے مہیب سایہ میں لے لیا باوجودیکہ خود ان کے پاس بے انتہا غلہ کا ذخیرہ تھا مگر وہ صرف اس لیے پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے کہ کہیں بھوکوں کا خیال دل سے اتر نہ جائے نیز یہ انہیں اس طرح بھوکوں اور قحط زدہ عوام کی تکلیف و مصیبت سے مشابہت اور مطابقت حاصل رہے۔

مذاہب اربعہ کے مطابق فرضیت صوم کا بیان

ائمہ اربعہ کے نزدیک بہ اجماع روزہ فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ یہاں تک فقہی مذاہب کے علاوہ اگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کا جائزہ لیں تو ان کے نزدیک بھی روزے کی مختلف کیفیات ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

روزے کا تصور کم و بیش ہر مذہب اور ہر قوم میں موجود رہا ہے اور اب بھی ہے مگر اسلام میں روزے کا تصور یکسر جداگانہ، منفرد اور مختلف ہے جبکہ دوسرے مذاہب روزے کی اصل مقصدیت سے صرف نظر کرتے ہوئے روزے کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے محدود کر لیتے تھے مگر اسلام نے اس میدان میں بھی انسانیت کو روزے کے ذریعے ایک نظام تربیت دیا۔ دنیا کا ہر مذہب کسی نہ کسی صورت میں تزکیہ نفس اور روحانی طہارت کی اہمیت کو اُجاگر کرتا رہا ہے مگر ان کے ہاں اس کے مختلف انداز اور طریقے ہیں مثلاً ہندوؤں کے ہاں پوجا کا تصور ہے، عیسائیوں کے ہاں رہبانیت کا رجحان ہے تو یونانی ترکِ دنیا کے قائل ہیں اور بدھ مت جملہ خواہشات کو قطعاً فنا کر دینے کے خواہاں ہیں لیکن اسلام ایک ایسا سادہ اور آسان دین ہے جو ان تمام خرافات اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تقویٰ اور تزکیہ نفس کے لیے ارکانِ اسلام کی صورت میں ایک ایسا پانچ نکاتی لائحہ

عمل عطا کردیا جو فطرتاً انسان سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سادہ، آسان اور قابل عمل بھی ہے۔

علاوہ ازیں مختلف مذاہب میں روزہ رکھنے کے مکلف بھی مختلف طبقات میں موجود ہیں مثلاً پارسیوں کے ہاں صرف مذہبی پیشوا، ہندوؤں میں برہمن اور یونانیوں کے ہاں صرف عورتیں روزے رکھنے کی پابند ہیں جبکہ ان کے اوقات روزہ میں بھی اختلاف اور افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔

سابقہ امتوں پر روزوں کی فرضیت کا بیان

روزہ کا حکم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کی شریعت میں جاری رہا ہے۔ صرف تعیین ایام میں اختلاف رہا ہے اور یہ دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور اہم رکن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے جو احکام بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کی ادائیگی سہل ہو جائے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء قتادہ ضحاک کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کرلیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، ۱۸۳، بیروت)

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ
يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین
کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو

فدیہ اور روزے کے درمیان اختیار والے حکم کے نسخ کا بیان

"اَيَّامًا" نُصِبَ بِالصِّيَامِ اَوْ يَصُوْمُوْا مُقَدَّرًا "مَعْدُوْدَاتٍ" اَیْ قَلَائِلَ اَوْ مُؤَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَعْلُوْمٍ وَهِیَ رَمَضَانُ كَمَا سَيَاْتِی وَقَلَّلَهُ تَسْهِيْلًا عَلَى الْمُكَلَّفِيْنَ "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ" حِيْنَ شُهُوْدِهِ "مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

سَفَر" اَیْ مُسَافِرًا سَفَرَ الْقَصْرِ وَاَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِی الْحَالَیْنِ فَاَفْطَرَ "فَعِدَّةٌ" فَعَلَیْهِ عِدَّةُ مَا اَفْطَرَ "مِنْ اَیَّامٍ اُخَرَ" یَصُوْمُهَا بَدَلَه "وَعَلَی الَّذِیْنَ" لَا "یُطِیْقُوْنَهُ" لِکِبَرٍ اَوْ مَرَضٍ لَا یُرْجَی بُرْؤُهُ "فِدْیَةٌ" هِیَ "طَعَامُ مِسْکِیْنٍ" اَیْ قَدْرَ مَا یَاْکُلُهُ فِیْ یَوْمِهِ وَهُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِکُلِّ یَوْمٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ فِدْیَةٍ وَهِیَ لِلْبَیَانِ وَقِیْلَ لَا غَیْرُ مُقَدَّرَةٍ وَکَانُوْا مُخَیَّرِیْنَ فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ بَیْنَ الصَّوْمِ وَالْفِدْیَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْیِیْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهٖ مَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اِلَّا الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ اِذَا اَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَی الْوَلَدِ فَاِنَّهَا بَاقِیَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِیْ حَقِّهِمَا "فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا" بِالزِّیَادَةِ عَلَی الْقَدْرِ الْمَذْکُوْرِ فِی الْفِدْیَةِ "فَهُوَ" اَیِ التَّطَوُّعُ "خَیْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا" مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ "خَیْرٌ لَّکُمْ" مِنَ الْاِفْطَارِ وَالْفِدْیَةِ "اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّهٗ خَیْرٌ لَّکُمْ فَافْعَلُوْهُ،

ایاما یہ صیام یا یصومو ا کے مقدر ہونے کے سبب منصوب ہے۔ جو معدود یعنی چند ایام ہیں۔ یا جن کی مدت معلوم ہے۔ اور رمضان کے روزے ہیں۔ جس طرح ان کا بیان آئے گا۔ اور وہ تھوڑے اس لئے ہیں تا کہ مکلفین پر سہولت ہو تو تم میں سے ان کو موجودگی میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو یعنی قصر کے سفر میں ان دونوں کی حالت میں روزہ مشقت ہو تو وہ افطار کر لے۔ تو اتنے روزے یعنی جتنے چھوڑے ہیں اور دنوں میں یعنی ان روزوں کے بدلے میں رکھے۔ اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو یعنی بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے بری الذمہ ہو سکیں۔ وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا، یعنی جو ایک دن میں کھاتے ہیں اور وہ شہر کی غالب قوت کے پیش نظر ایک مد ہے۔ اور یہ ہر دن میں ہے اور ایک قرأت میں فدیہ کو اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور وہ بیان کیلئے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا مقدر نہیں ہے۔ اور وہ ابتدائے اسلام میں روزے اور فدیے کے درمیان اختیار ہوا کرتا تھا جو اس آیت کے تعین کے سبب منسوخ ہو چکا ہے۔ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سوائے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے جبکہ وہ بچے کے خوف سے افطار کریں۔ پس یہ حکم ان کے حق میں باقی رہے گا یعنی بغیر کسی نسخ کے ان دونوں کے حق میں ہوگا۔ پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے، یعنی ذکر کردہ فدیہ کے باوجود زیادہ کی قدرت رکھتا ہے۔ تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور "اَنْ تَصُوْمُوْا" مبتداء ہے جس کی خبر "خَیْرٌ لَّکُمْ" ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو، لہٰذا جو تمہارے لئے بہتر ہے تم وہ کر دو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"ایاما"، "الصیام" کے لئے ظرف زمان ہے جسکا ذکر ماقبل آیت میں ہوا ہے۔ جن دنوں میں روزہ رکھنا چاہیئے محدود، مشخص اور تقریبا تھوڑے ہیں۔ کتب علیکم الصیام، ایاما معدودات، اشیاء کو بیان کرتے ہوئے "معدود" ممکن ہے معین اور مشخص کا معنی دیتا ہو اور ممکن ہے تھوڑا یا قلیل کا معنی دیتا ہو دوسرے معنی کی بنیاد پر اس کو جمع "معدودات" استعمال کرنا اس نکتہ کی طرف شارہ

ہوسکتا ہے کہ جن دنوں میں روزہ رکھنا چاہیے وہ نسبتاً کم ہیں۔

لفظ "عدۃ" مبتداء ہے اور "کتب علیکم" اور بعد والے جملے کے قرینہ سے اس کی خبر "علیہ" ہے یعنی "فمن کان، فعلیہ عدۃ من ایام آخر" یہ جملہ بیان کررہا ہے کہ مکلف اگر ایام معدودات، ماہ رمضان میں مریض یا مسافر ہو تو اسکا فریضہ ہے کہ ماہ رمضان کے بعد روزے رکھے یعنی یہ کہ ماہ رمضان میں روزے نہ رکھے۔

سفر کے روزے میں اختیار صائم کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھوں؟ (یعنی اگر میں رمضان میں سفر کروں تو روزہ رکھوں یا نہ رکھوں اس بارے میں کیا حکم ہے؟) اور حمزہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روزے رکھا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے چاہو رکھو اور چاہے نہ رکھو۔ (بخاری ومسلم)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں خواہ سفر صعوبت ومشقت کے ساتھ ہو یا راحت وآرام کے ساتھ تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر سفر میں کوئی صعوبت ومشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے اور صعوبت و مشقت نہ ہو تو پھر نہ رکھنا بہتر ہوگا، نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے یہاں یہ مسئلہ ہر سفر کے لیے خواہ مباح اور جائز امور کے لیے سفر ہو یا معصیت وبرائی کے لئے، جب کہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا تعلق صرف مباح اور جائز سفر سے ہے اگر معصیت وبرائی کے لئے سفر ہوگا تو اس صورت میں رمضان کا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

حالت سفر میں عزیمت ورخصت پر عمل کرنے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو رمضان کی سولہویں تاریخ تھی ہم میں سے کچھ لوگوں نے (جو توی تھے) روزہ رکھا اور کچھ لوگوں نے (جو ضعیف تھے یا یہ کہ دوسروں کے خدمت گار تھے) روزہ نہ رکھا چنانچہ نہ تو روزہ داروں نے روزہ نہ رکھنے والوں کو معیوب جانا کیونکہ انہوں نے رخصت یعنی اجازت پر عمل کیا تھا اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ داروں کو معیوب سمجھا (کیونکہ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا تھا)۔ (مسلم)

ضعف اور مشقت کی حالت میں روزہ نہ رکھنا ہی لیے بہتر ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سفر میں تھے کہ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع دیکھا اور ایک شخص کو دیکھا جس پر دھوپ سے بچاؤ کے لئے سایہ کیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا یہ شخص روزہ دار ہے جو ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے آپ نے فرمایا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی

نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر روزہ رکھنے کی صورت میں ضعف وناتوانی کی وجہ سے روزہ دار کی اتنی خستہ حالت ہوجائے تو اس کے لیے سفر میں روزہ رکھنا کوئی زیادہ بہتر بات نہیں ہے۔ بلکہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے ہم میں سے کچھ لوگ تو روزہ دار تھے اور کچھ لوگ بغیر روزہ کے تھے، جب ہم ایک منزل پر اترے تو گرمی کا دن تھا جو لوگ روزہ سے تھے وہ تو گر پڑے (یعنی ضعف وناتوانی کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہیں رہے) اور جو لوگ روزہ سے نہیں تھے وہ مستعد رہے (یعنی اپنے کام کاج میں مشغول ہوگئے) چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ روزہ نہ رکھنے والوں نے آج ثواب کا میدان جیت لیا۔ (بخاری ومسلم)

یعنی جن لوگوں نے آج روزہ نہیں رکھا زیادہ کامل ثواب انہیں لوگوں کے حصہ میں آیا کیونکہ ایسے وقت میں ان کے لیے روزہ نہ رکھنا ہی بہتر تھا۔

لفظ الیوم سے اس طرف اشارہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی یہ فضیلت روزہ داروں کی خدمت گاری کی وجہ سے حاصل ہوئی نہ کہ مطلقا نیز یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے نیک وصالح بندوں کی خدمت نوافل سے افضل ہے۔

سفر میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں روزہ رکھا یہاں تک کہ جب عسفان (جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے تو پانی منگوایا پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی کو ہاتھ میں (لے کر بہت اونچا) اٹھایا (تا کہ لوگ دیکھ لیں) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑ ڈالا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے اور یہ سفر رمضان میں ہوا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھا بھی اور نہیں بھی رکھا لہٰذا جو چاہے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد پانی پیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں لے کر یا اونچا اس لیے اٹھایا تا کہ لوگ جان لیں کہ سفر کی حالت میں روزہ توڑنا جائز ہے یا پھر یہ مقصد تھا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کی متابعت میں اپنا اپنا روزہ افطار کرلیں۔

سفر کے روزے میں شوافع کی فقہی تصریحات کا بیان

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ (سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں) یعنی سفر میں روزہ رکھنا اطاعت اور عبادت میں سے نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: جب تم پر روزہ مشقت بنے اور تم ضرر کا خدشہ محسوس کرو تو روزہ رکھنا نیکی نہیں۔

اور حدیث کا سیاق بھی اسی چیز کا متقاضی ہے۔لھذا یہ حدیث اس شخص کے لیے ہوگی جو روزے کی وجہ سے ضرر اور تکلیف محسوس کرے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے بھی یہی معنی سمجھا ہے،اسی لیے انہوں نے یہ کہتے ہوئے باب باندھا ہے: باب ہے اس سایہ کیے ہوئے شخص کے بارے میں جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اس باب سے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں،اس شخص کو مشقت پہنچنے کی وجہ سے فرمایا۔

ابن قیم تھذیب السنن میں کہتے ہیں: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: (سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں) یہ ایک معین شخص کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا کہ اس پر مشقت کی وجہ سے سایہ کیا گیا ہے تو اس وقت یہ فرمایا کہ انسان کو سفر میں اتنی مشقت نہیں اٹھانی چاہیے کہ اس حد تک پہنچ جائے کہ کوئی نیکی نہیں،حالانکہ اللہ تعالی نے اسے روزہ چھوڑنے کی رخصت دے رکھی ہے۔

سوم: اس حدیث کو عموم پر محمول کرنا ممکن نہیں،کہ کسی بھی سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے،کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اسی لیے علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالی نے کہا ہے۔یہ سب صرف سبب کی وجہ سے کہا گیا ہے جو صرف اس شخص کے بارہ میں ہے جس کی حالت بھی اس شخص کی طرح ہو جائے جس کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

یعنی جب مسافر کو روزہ اس حالت تک اذیت دے تو روزہ رکھنا نیکی نہیں،جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سفر میں روزہ رکھا تھا۔(عون المعبود)

سفر کا روزہ رکھنے یا رکھنے میں فقہی مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں سلف کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا سفر میں اگر روزہ رکھے گا تو اس سے فرض روزہ ادا نہ ہوگا پھر قضا کرنا چاہیے اور جمہور علماء جیسے امام مالک اور امام شافعی اور ابو حنیفہ علیہم الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنا سفر میں افضل ہے اگر طاقت ہو،اور کوئی تکلیف نہ ہو،اور امام احمد بن حنبل اور اوزاعی اور اسحاق اور اہل حدیث (غیر مقلدین) یہ کہتے ہیں کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے بعضوں نے کہا دونوں برابر ہیں روزہ رکھے یا افطار کرے بعضوں نے کہا جو زیادہ آسان ہو وہی افضل ہے۔

بغیر کسی عذر کے روزوں کو تاخیر کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مثلا اگر وہ قضاء کرنا چاہتا تو کرسکتا تھا لیکن اس نے آئندہ رمضان شروع ہونے تک قضاء کے روزے نہیں رکھے۔

تو یہ شخص بغیر کسی عذر کے قضاء میں تاخیر کرنے پر گنہگار ہوگا،اور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس پر قضاء لازم ہے،لیکن قضاء

کیساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کھانا کھلائے یا نہیں؟

آئمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمھم اللہ تعالی کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ کھانا ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام مثلا ابوھریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے یہ ثابت ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ قضاء کیساتھ کھانا کھلانا واجب نہیں۔انہوں اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالی نے رمضان میں روزہ چھوڑنے والے کو صرف قضاء کا حکم دیا ہے اور کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا، فرمان باری تعالی ہے: (اور جو کوئی مریض ہو یا مسافر وہ دوسرے ایام میں گنتی پوری کرے) (البقرۃ،185) (المغنی (ج4،ص،400بیروت)

میت کے ذمہ روزوں کے فدیہ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ورثاء روزہ رکھیں (یعنی فدیہ دیں) (بخاری ومسلم)

جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں تو اس کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی مسلک ہیں چنانچہ اکثر علماء کہ جن میں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ بھی شامل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی طرف سے کوئی دوسرا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ورثاء اس کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو فدیہ دیں چنانچہ ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی یہی تاویل کی جاتی ہے کہ یہاں روزہ رکھنے سے مراد فدیہ دینا ہے کیونکہ فدیہ دینا بھی بمنزلہ روزہ رکھنے کے ہے اور اگلی حدیث اس توجیہ وتاویل کی بنیاد ہے۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے اس لیے منع کیا جاتا ہے کہ ایک حدیث میں جو اس باب کے آخر میں آرہی ہے صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی گئی حضرت امام احمد حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے اس کا وارث روزے رکھے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کے سلسلہ میں حنفیہ کا یہ مسلک بھی ہے کہ اگر مرنے والے فدیہ کے بارے میں وصیت کر جائے تو وارث پر میت کی طرف سے فدیہ مذکور ادا کرنا واجب ہے۔جب کہ وہ فدیہ میت کی تہائی مال میں سے نکل سکتا ہو لہذا اگر فدیہ مقدار اس کے تہائی مال کے مقدار سے زائد ہوگی تو وارث پر فدیہ کی اس مقدار کی ادائیگی واجب نہیں جو تہائی مال سے زائد ہو۔ہاں اگر وارث اس زائد مقدار کو بھی ادا کر دے گا تو نہ صرف یہ کہ وارث کا یہ عمل جائز شمار ہوگا بلکہ میت پر اس کا احسان بھی ہوگا، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ پورا مسئلہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ مرنے والے کے ذمہ وہ روزے ہوں جن کی قضا اس کے مرنے سے پہلے ممکن رہی ہو۔مثلاً رمضان کا مہینہ گزر جانے کے بعد کسی ایسے مہینہ میں اس کا انتقال ہو جس میں وہ مرنے سے پہلے رمضان کے وہ روزے جو بیماری وغیرہ کی وجہ سے رکھنے سے رہ گئے تھے ان کی وہ قضا کر سکتا تھا، اور اگر رمضان کے کچھ روزے فوت ہو گئے ہوں (مثلاً رمضان ہی کے مہینہ میں اس کا انتقال ہوا ہو اور انتقال سے پہلے کچھ روزے رکھنے سے رہ گئے کہ جن کی قضا ممکن نہ ہو تو پھر ان کا

تدارک یعنی ان روزوں کے بدلہ فدیہ دینا لازم ہے اور نہ مرنے والے پر فوت شدہ روزوں کا کوئی گناہ ہوگا چنانچہ تمام علماء کا یہی مسلک ہے البتہ طاؤس اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان روزوں کا تدارک اور فدیہ بھی لازم ہوگا جن کی قضا کے ممکن ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا ہوگا۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے۔ اس کے فوت شدہ روزوں کے بدلے اس کے کل مال میں سے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت امام احمد کا جو مسلک ہے وہ پہلی حدیث کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت نافع (تابعی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہئے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ہر روزہ کے بدلہ مسکین کو کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو۔ یا اتنی ہی مقدار کی قیمت ادا کی جائے اور یہی مقدار نماز کے فدیہ کی بھی ہے کہ ہر نماز کے بدلہ اسی قدر فدیہ ادا کیا جائے۔ یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے جن کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی مرنے والے کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص روزہ نہ رکھے بلکہ ورثاء اس کے بدلہ فدیہ ادا کریں اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے غالب امکان ہے کہ وہ منسوخ ہو اور یہ حدیث ناسخ ہو، لیکن جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اس حدیث کو منسوخ نہ قرار دے کر اس کی جو تاویل کی جاتی ہے اس کی بنیاد یہی حدیث ہے۔

یہ روایت اگرچہ موقوف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا لیکن حکم میں مرفوع (ارشاد رسول) ہی کے ہے کیونکہ اس قسم کے تشریعی امور کوئی بھی صحابی اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور سنا ہوگا جب ہی انہوں نے اسے نقل کیا۔

فدیہ کی مقدار کا فقہی بیان

ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو ۲۳۳ گرام گیہوں یا اس کی مقدار ہے فدیہ اور کفارہ میں جس طرح تملیک جائز ہے اسی طرح اباحت طعام بھی جائز ہے یعنی چاہے تو ہر دن کے بدلے مذکورہ بالا مقدار کسی محتاج کو دے دی جائے اور چاہے ہر دن دونوں وقت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ صدقہ فطر کے برخلاف کہ اس میں زکوٰۃ کی طرح تملیک ہی ضروری ہے اس بارے میں یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جو صدقہ لفظ اطعام یا طعام (کھلانے) کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہیں اور جو صدقہ لفظ ایتاء یا ادا کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک شرط اور ضروری ہے اباحت قطعاً جائز نہیں ہے۔

دوسروں کی طرف سے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الصوم)

حضرت امام مالک، ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے کہ نماز روزہ کسی کی طرف سے کرنا تا کہ وہ بری الذمہ ہو جائے درست نہیں ہے ہاں احناف کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بھی عمل کا ثواب خواہ وہ نماز ہو یا روزہ وغیرہ کسی دوسرے کو بخش سکتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا حالانکہ اس نے روزوں کی منت مانی تھی تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ اور اگر کوئی شخص فوت ہوا جس پر رمضان کے روزے تھے تو ولی اس کی طرف سے روزہ نہ رکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کے مال سے فدیہ ادا کر دے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج۳، ص۲۶۲، بیروت)

آیت فدیہ کے منسوخ ہونے میں اختلاف کا بیان

آیت (وعلی الذین یطیقونہ) کا مطلب حضرت معاذ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی، حضرت ابن عمر بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو، ابن ابی لیلیٰ، کہتے ہیں عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا، اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بیطاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہو گا ہاں ایسے بوڑھے، بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں ہمیں اختلاف ہے۔

امام شافعی کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔
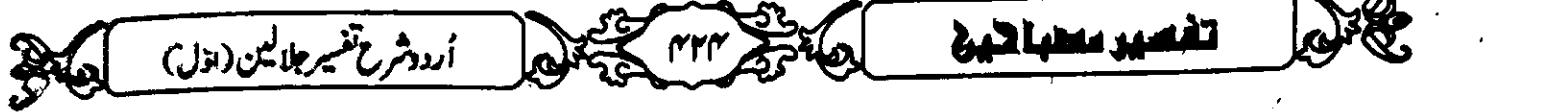
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرے۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے، اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور رہنمائی کرنے والی اور فرق کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے، اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس لئے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لئے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

سفر و مرض کا علت رخصت ہونے کا بیان

تِلْكَ الْاَیَّام "شَهْرُ رَمَضَان الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن" مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظ اِلَى السَّمَاء الدُّنْیَا فِیْ لَیْلَة الْقَدْر مِنْهُ "هُدًى" حَال هَادِیًا مِنَ الضَّلَالَة "لِلنَّاسِ وَبَیِّنَات" اٰیَات وَاضِحَات "مِنَ الْهُدٰى" بِمَا یَهْدِی اِلَى الْحَقّ مِنَ الْاَحْكَام "وَالْفُرْقَان" وَمِنَ الْفُرْقَان مِمَّا یُفَرِّق بَیْنَ الْحَقّ وَالْبَاطِل "فَمَنْ شَهِدَ" حَضَرَ "مِنْكُمُ الشَّهْر فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَر فَعِدَّة مِنْ اَیَّام اُخَر" تَقَدَّمَ مِثْله وَكُرِّرَ لِئَلَّا یُتَوَهَّم نَسْخه بِتَعْمِیْمِ مَنْ شَهِدَ "یُرِیْد اللّٰه بِكُمُ الْیُسْر وَلَا یُرِیْد بِكُمُ الْعُسْر" وَلِذَا اَبَاحَ لَكُمْ الْفِطْر فِی الْمَرَض وَالسَّفَر لِكَوْنِ ذٰلِكَ فِیْ مَعْنَى الْعِلَّة اَیْضًا لِلْاَمْرِ بِالصَّوْمِ عُطِفَ عَلَیْهِ "وَلِتُكْمِلُوْا"

بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْدِ "الْعِدَّةَ" اَىْ عِدَّةَ صَوْمِ رَمَضَانَ "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ" عِنْدَ اِكْمَالِهَا "عَلٰى مَا هَدَاكُمْ" اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ۔

یہ دن یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قدر والی رات میں نزال کیا گیا ہے۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے، یہ ھدی حادیا سے حال ہے۔ یعنی گمراہ سے ہدایت کی حالت، اور رہنمائی کرنے والی اور فرق کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، اور بینات سے مراد واضح آیات ہیں۔ جو حق کی جانب راہنمائی کرنے والی کتاب ہے احکام کے اعتبار سے۔ اور فرقان سے مراد حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے یعنی اس میں موجود ہو تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے، اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اور تکرار کے ساتھ لانے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو وہم باقی نہ رہ جائے کیونکہ اس کا نسخ من شھد سے ہوا ہے۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا، یعنی تمہارے لئے سفر اور مرض میں افطار کو مباح کر دیتا ہے۔ کیونکہ روزے کا حکم علت کے معنی میں واقع ہوا ہے اسی لئے اس کا عطف ''وَلِتُكْمِلُوا'' پر ڈالا گیا ہے۔ اور یہ تخفیف وتشدید دونوں کے ساتھ آیا ہے اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس لئے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے، یعنی معالم دینیہ پر طرف رہنمائی کی۔ اس پر اس کی بڑائی بیان کرو یعنی ان کی تعداد کو مکمل کر کے اور اس لئے کہ تم اس بات پر اللہ شکر گزار بن جاؤ۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

شھد" کا مصدر شھود اور شہادت ہے جسکا معنی ہے حاضر ہونا اور اس کے نتیجے میں دیکھنا اور سمجھنا ہے (مفردات راغب) بنا بریں (فمن شهد منكم الشهر) یعنی جو کوئی اس مہینے کو پائے، اس سے آگاہ ہو جائے اور یقین حاصل کر لے۔ اس ماہ کے حلول کے بارے میں احتمال کا کافی نہ ہونا یہ مطلب اس جملے کا مفہوم ہے۔ روزے کے واجب ہونے کی خاصر کسی شخصی کے لئے ذاتی طور پر رمضان کا یقین اور ثابت ہونا کافی ہے۔

نزول قرآن وصحائف آسمانی کا بیان

ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ وانجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارہویں کو، اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل وزبور جس پیغمبر پر اتریں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزت سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝
اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے
پکارے تو انہیں چاہئے، میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں،

اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا بیان

وَسَالَ جَمَاعَةَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِیب رَبُّنَا فَنُنَاجِیه اَمْ بَعِید فَنُنَادِیه فَنَزَلَ "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیب" مِنهُمْ بِعِلْمِی فَاَخبَرَهُمْ بِذٰلِكَ "اُجِیب دَعْوَةَ الدَّاعِی اِذَا دَعَانِی" بِاِنَالَتِهِ مَا سَاَلَ "فَلْیَسْتَجِیبُوا لِی" دُعَائِی بِالطَّاعَةِ "وَلْیُؤْمِنُوا" یُدَاوِمُوا عَلَى الْاِیْمَان بِی "بِی لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ" یَهْتَدُوْنَ.

اور جب نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے سوال کیا کہ کیا ہمارا قریب ہے کہ ہمیں مناجات کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اس کو پکاریں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں یعنی ان کو بتادو کہ میرے علم کے اعتبار سے میں ان کے قریب ہوں، دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے، اپنے آہ وبکاہ میں جو مجھ سے مانگے، تو انہیں چاہئے، اطاعت میں میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں یعنی ایمان پر ہمیشگی اختیار کریں، کہ کہیں راہ پائیں، یعنی وہ ہدایت کو پانے والے ہوں،

جملہ " لعلهم یرشدون " اعمال کے ثمر کی امید کو بیان کررہا ہے ہوسکتا ہے یہ جملہ اطاعت الٰہی کی ترغیب کے لئے بیان کیا گیا ہو پس عمل کے نتیجہ کی امید انسان میں عمل کی تحریک پیدا کرتی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۸۶ کے شان نزول کا بیان

ایک جماعت صحابہ نے جذبہ عشق الٰہی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے اس پر نوید قرب سے سرفراز کرکے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے جو چیز کسی سے مکانی قرب رکھتی ہے وہ اس کے دور والے سے ضرور بعد رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ سب بندوں سے قریب ہے مکانی کی یہ شان نہیں منازل قرب میں رسائی بندہ کو اپنی غفلت دور کرنے سے میسر آتی ہے۔ دوست نزدیک تر از من بمن ست۔ ویں عجب تر کہ من از وے دورم، (خزائن العرفان)

ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کرلیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔

(ابن ابی حاتم)

ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر)

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جب آیت (رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ)40۔غافر:60) نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریج)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جا رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آ کر فرمانے لگے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے، اے عبداللہ بن قیس! سن لو! جنت کا خزانہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ ہے۔ (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں۔ (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔

رات کے آخری حصے میں دعا کی قبولیت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر رات کو آخر انتہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور میں اسے بخشوں؟ (صحیح البخاری و صحیح مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر اللہ جل شانہ اپنے (لطف و رحمت کے) دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1198)

ہمارا رب نزول فرماتا ہے، کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ جل شانہ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیونکہ وہ جسم کی ثقالت و کثافت سے پاک و صاف ہے اور ایسا نور ہے جو ہمہ وقت کائنات کے ذرے ذرے پر محیط و حاوی ہے اور کسی خاص مقام و کسی وقت کا پابند نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ "اللہ جل شانہ کا فرمان، اس کی رحمت یا اس کی ملائکہ اس وقت آسمان دنیا پر اترتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ اعلان کرتے ہیں) چنانچہ اس کی تائید ایک حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں مذکور ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ ارشاد متشابہات میں سے ہے جس کے حقیقی معنی و مطلب اللہ جل شانہ ہی جانتے ہیں۔

مَنْ يَدْعُونِي دعا کے معنی ہیں پکارنا جیسا کہ بندہ کہے "یارب" اس کے مقابلے پر اجابت اور قبولیت ہوتی ہے جیسے کہ پروردگار بندے کے اس پکارنے کے جواب میں کہے "لبیک عبدی"

مَنْ يَسْأَلُنِي سوال کے معنی" کسی کا مانگنا اور اس کا طلب کرنا" اور اس کے مقابلے میں سوال کا پورا کرنا ہے یعنی جو چیز طلب کی جائے اور مانگی جائے اس کا دینا۔

یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اللہ جل شانہ (آسمان دنیا پر) اس وقت نزول فرماتا ہے جب اول تہائی رات گذر جاتی ہے" نیز اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اس وقت نزول فرماتا ہے جب آدھی رات یا دو تہائی رات گذرتی ہے" کیونکہ احتمال ہے کہ بعض صورتوں میں تو نزول آخری تہائی رات کے وقت، بعض راتوں کو اول تہائی رات کے گذرنے کے بعد اور بعض راتوں کو آدھی یا دو تہائی رات گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ
اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ
اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○
روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس، اللہ نے جانا کہ تم
اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب
کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی
کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے
ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ ان کے پاس نہ جاؤ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیزگاری ملے،

رمضان المبارک کی راتوں میں جماع کی حلت کا بیان

"أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ" بِمَعْنَى الْإِفْضَاءِ "إِلَىٰ نِسَائِكُمْ" بِالْجِمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا كَانَ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ عَلَى تَحْرِيمِهِ وَتَحْرِيمِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بَعْدَ الْعِشَاءِ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" كِنَايَةٌ عَنْ تَعَانُقِهِمَا أَوْ احْتِيَاجِ كُلٍّ مِنْهُمَا إِلَى صَاحِبِهِ "عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ" تَخُونُونَ "أَنفُسَكُمْ" بِالْجِمَاعِ لَيْلَةَ الصِّيَامِ وَقَعَ ذَٰلِكَ لِعُمَرَ وَغَيْرِهِ وَاعْتَذَرُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "فَتَابَ عَلَیْکُمْ" قَبِلَ تَوْبَتَکُمْ "وَعَفَا عَنْکُمْ فَالْاٰنَ" اِذْ اُحِلَّ لَکُمْ "بَاشِرُوْھُنَّ" جَامِعُوْھُنَّ "وَابْتَغُوا" اُطْلُبُوا "مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ" اَیْ اَبَاحَهُ مِنَ الْجِمَاعِ اَوْ قَدَّرَهُ مِنَ الْوَلَدِ "وَکُلُوْا وَاشْرَبُوا" اللَّیْلَ کُلَّهُ "حَتّٰی یَتَبَیَّنَ" یَظْهَرَ "لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" اَیْ الصَّادِقِ بَیَانٌ لِلْخَیْطِ الْاَبْیَضِ وَبَیَانُ الْاَسْوَدِ مَحْذُوْفٌ اَیْ مِنَ اللَّیْلِ شَبَّهَ مَا یَبْدُوْ، مِنَ الْبَیَاضِ وَمَا یَمْتَدُّ مَعَهُ مِنَ الْغَبَشِ بِخَیْطَیْنِ اَبْیَضَ وَاَسْوَدَ فِی الْاِمْتِدَادِ "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ" مِنَ الْفَجْرِ "اِلَی اللَّیْلِ" اَیْ اِلٰی دُخُوْلِهِ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ "وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ" اَیْ نِسَاءَکُمْ "وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ" مُقِیْمُوْنَ بِنِیَّةِ الْاِعْتِکَافِ "فِی الْمَسَاجِدِ" مُتَعَلِّقٌ بِعَاکِفُوْنَ نَهْیٌ لِمَنْ کَانَ یَخْرُجُ وَهُوَ مُعْتَکِفٌ فَیُجَامِعُ امْرَاَتَهُ وَیَعُوْدُ "تِلْکَ" الْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَةُ "حُدُوْدُ اللّٰهِ" حَدَّهَا لِعِبَادِهِ لِیَقِفُوْا عِنْدَهَا "فَلَا تَقْرَبُوْهَا" اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْهَا الْمُعَبَّرِ بِهِ فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی "کَذٰلِکَ" کَمَا بَیَّنَ لَکُمْ مَا ذُکِرَ "یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ" مَحَارِمَهُ،

روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا یعنی جماع کرنا تمہارے لئے حلال ہوا۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں واقع ہونے والے حکم کہ عشاء کی نماز کے بعد رمضان کی راتوں میں کھانا پینا اور جماع کرنا حرام تھا اس کو منسوخ کرنے والا ہے۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس، یہ ان کے معانقہ کرنا یا ان کی طرف رغبت رکھنے سے کنایہ ہے۔ اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا تو انہوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں معذرت کی پس ان کی معذرت کو قبول کرلیا گیا۔ تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو اب ان سے صحبت کرو یعنی جماع کرو یہ حلال ہے اور طلب کرو یعنی جماع میں سے جو حلال ہے، یا اولاد کو جماع کے ذریعے تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جائے۔ یہاں پر من الفجر یہ خیط ابیض کیلئے بیان ہے اور اسود کا بیان محذوف ہے۔ یعنی رات کو خیط اسود جبکہ سفیدی کو خیط ابیض کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر یعنی صبح صادق سے لیکر پھر رات آنے تک روزے پورے کرو یعنی سورج غروب ہونے تک اس کو مکمل کرو، اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو، یعنی اعتکاف کی حالت میں جو مسجد نکل کر جماع کر کے آئے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں تا کہ تم اس پر ٹھہر جاؤ، ان کے پاس نہ جاؤ، یہاں پر لاتعتدوا زیادہ بلاغت والا ہے جس طرح دوسری آیت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیزگاری ملے، یعنی حرام کاموں سے بچ جائیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

امام راغب لکھتے ہیں 'رفـــــــث' کا معنی نزدیکی ہے۔ نزدیکی کرنے کی ترغیب میں صراحت کے لئے بھی استعمال

ہوتا ہے۔البتہ آیہ مجیدہ میں "مباشرت" سے کنایہ ہے۔(مفردات راغب)

اسکا "الی" کے ساتھ متعدی ہونا نیز جملہ "فالآن باشروھن" اس کنائی معنی کے لئے قرینہ ہے۔ جملہ "کنتم تختانون" جوانحراف وسرکشی کی حکایت کر رہا ہے نیز جملہ "فالآن باشروھن" کا مفہوم اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں جماع کرنا حرام تھا۔

سورہ بقرہ آیت ۱۸۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب کوئی روزہ رکھتا پھر افطار کئے بغیر سو جاتا تو وہ دوسری شام تک رات دن کچھ نہ کھاتا۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے افطار کے وقت اپنی بیوی کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کیا تیرے پاس کھانا ہے۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ لیکن میں جا کر تلاش کرتی ہوں۔ سارا دن کام کرنے کی وجہ سے حضرت قیس بن صرمہ کو نیند آ گئی۔ جب آپ کی زوجہ واپس آئی تو (سوئے ہوئے) دیکھ کر کہا ہائے تمہاری محرومی۔ پھر جب دوسرے دن دوپہر کا وقت ہوا تو وہ بیہوش ہو گئے۔ چنانچہ اسکا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ احل لکم۔ تم لوگوں کیلئے روزوں کی راتوں اپنی بیویوں سے (محبت کرنا) حلال کر دیا گیا ہے۔ اس پر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 899)

شرائع سابقہ میں افطار کے بعد کھانا پینا مجامعت کرنا نماز عشاء تک حلال تھا بعد نماز عشاء یہ سب چیزیں شب میں بھی حرام ہو جاتی تھیں یہ حکم زمانہ اقدس تک باقی تھا بعض صحابہ سے رمضان کی راتوں میں بعد عشاء مباشرت وقوع میں آئی ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے اس پر وہ حضرات نادم ہوئے اور درگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض حال کیا اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی اور بیان کر دیا گیا کہ آئندہ کے لئے رمضان کی راتوں میں مغرب سے صبح صادق تک مجامعت کرنا حلال کیا گیا۔ (خزائن العرفان، بقرہ ۱۸۷، لاہور)

طلوع فجر کے گمان سے کھانے والے کے فساد صوم میں مذاہب اربعہ

جس شخص نے رات گمان کرتے ہوئے کھایا پیا حتیٰ کہ اس پر دن ظاہر ہو گیا تو مذاہب اربعہ کے مشہور روایات کے مطابق اس کا روزہ فاسد ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کے گناہ کی نفی اس کے ذمے سے قضاء کو ساقط کرنے والی نہیں ہے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت امیر معاویہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت زہری اور حضرت سفیان ثوری کا ہے۔

اور جمہور کے اس مؤقف کی صحیح بخاری کی یہ روایت ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابر کے دن روزہ افطار کیا پھر سورج طلوع ہو گیا۔ ہشام بن عروہ کی روایت میں کہا گیا کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا۔ اور فرمایا: قضاء ضروری ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے ہشام نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے قضاء کی یا نہ کی۔ تو اس جواب یہ ہے کہ پہلی روایت اولیٰ اور مشہور ہے اور اسی پر اکثر کا عمل ہے اور علامہ عینی نے کہا ہے قضاء ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے کہ انہیں قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہشام کا یہ قول کہ قضاء لازم ہے یہ کوئی خبر نہیں ہے۔ لہٰذا میرے درمیان یہ واضح نہیں ہوا کہ ان پر قضاء ہے۔

حضرت زید بن اسلم اپنے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابر کے دن افطار کیا اور انہوں نے دیکھا کہ وقت گزر گیا اور سورج غروب ہو گیا پس آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! تحقیق سورج طلوع ہو چکا ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخطب یسیر'' تحقیق ہم نے کوشش کر لی۔

(مؤطا امام مالک)

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ'' الخطب یسیر '' کا معنی ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا آپ نے افطار کیا اور لوگوں نے بھی افطار کیا اور مؤذن اذان دینے لگا تو اس نے کہا: اے لوگو! ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے روزہ افطار کیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسکی جگہ ایک روزہ رکھے۔ (بیہقی)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ نے کہا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دو روایات ہیں ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے کھایا ہے وہ اس دن کی قضاء کرے۔ یہی اثر مروی ہے۔

علامہ ابن بطال نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کے پاس جو قضاء والی روایت آئی ہے یہ اہل حجاز اور اہل عراق سے آئی ہے۔ اور جس روایت کو امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ واللہ! ہم قضاء نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے کسی کی طرف رغبت نہیں کی ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ۴، ص، بیروت)

ایک شخص نے بھول کر روزے میں کچھ کھا لیا پھر اس کے بعد قصداً کھایا، یا بھول کر جماع کر لیا اور اس کے بعد پھر قصداً جماع کیا یا دن میں روزہ کی نیت کی پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کیا، یا رات ہی سے روزہ کی نیت کی پھر صبح ہو کر سفر کیا اور پھر اس کے بعد اقامت کی نیت کر لی اور کچھ کھا پی لیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا، یا رات سے روزہ کی نیت کی، صبح کو مقیم تھا، پھر سفر کیا اور مسافر ہو گیا اور حالت سفر میں قصداً کھایا یا جماع کیا، اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا مسئلہ مذکورہ میں حالت سفر میں کھانے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص سفر شروع کر دینے کے بعد پھر اپنی کوئی بھولی ہوئی چیز لینے کے لیے واپس اپنے گھر میں آئے اور اپنے مکان میں یا اپنے شہر و اپنی آبادی سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھالے تو اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

اگر کوئی شخص تمام دن کھانے پینے اور دوسری ممنوعات روزہ سے رکا رہا مگر نہ تو اس نے روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کیا، یا کسی

شخص نے سحری کھائی یا جماع کیا اس حالت میں کہ طلوع فجر کے بارے میں اسے شک تھا حالانکہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، یا کسی شخص نے غروب آفتاب کے ظن غالب کے ساتھ افطار کیا حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر غروب آفتاب میں شک ہونے کی صورت میں افطار کیا اور حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہونے کے بارے میں دو قول ہیں جس میں سے فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے شک کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اس طرح اگر کسی شخص کا ظن غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ روزہ افطار کرے اور حقیقت میں بھی سورج غروب نہ ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○
اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال
ناجائز طور پر جان بوجھ کر نہ کھاؤ۔

غیر شرعی طریقے سے لوگوں کے اموال کھانے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ" اَیْ يَأْكُل بَعْضكُمْ مَال بَعْض "بِالْبَاطِلِ" الْحَرَام شَرْعًا كَالسَّرِقَةِ وَالْغَصْب "و" لَا "تُدْلُوا" تُلْقُوا "بِهَا" اَیْ بِحُكُومَتِهَا اَوْ بِالْاَمْوَالِ رِشْوَة "اِلَى الْحُكَّام لِتَأْكُلُوا" بِالتَّحَاكُمِ "فَرِيْقًا" طَائِفَة "مِنْ اَمْوَال النَّاس" مُتَلَبِّسِينَ "بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّكُمْ مُبْطِلُوْنَ،

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ یعنی تم میں سے بعض دوسرے بعضوں کا مال نہ کھائیں۔ اور باطل سے مراد جو شریعت کے اعتبار سے حرام ہے جس طرح چوری اور غصب ہے۔ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ یعنی ان کی حکومت یا رشوت کے ذریعے لوگوں کا ایک گروہ ہے، کہ لوگوں کے کچھ مال ناجائز طور پر جان بوجھ کر نہ کھاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم غلط طور پر کھانے والے ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بینکم"، "اموالکم" کے لئے قید ہے یعنی جو اموال تمہارے مابین ہیں اور ہر کوئی کچھ حصے کا مالک ہے۔ پس جملہ "لا تاکلوا" کا ترجمہ یوں ہوگا۔ تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے ہڑپ نہ کرے۔

"تدلوا"، "تاکلوا" پر عطف ہے اسی لئے "لائے ناہیہ" کے ذریعے مجزوم ہے یعنی " و لا تدلوا " "تدلوا" کا مصدر "ادلاء" ہے جسکا معنی ڈول یا بالٹی کو کنویں میں بھیجنا ہے۔ تاہم آیہ مجیدہ میں "وسیلہ بنانے" کیلئے کنایہ ہے یعنی "تدلوا بھا، گویا تا ضور) کو مال نہ دو کہ اس وسیلے سے لوگوں کے اموال کو ہڑپ کر جاؤ۔ البتہ یہاں صرف مال حاصل کرنے کو ہی خصوصیت حاصل نہیں

ہے لہٰذا حرمت رشوت کا عنوان ان تمام موارد کو شامل ہوسکتا ہے جہاں کسی کا کوئی حق ضائع ہوتا ہو اس مطلب کی "بالاثم" تائید کرتا ہے۔

جملہ "وتدلوا" عام پر عطف خاص ہے لہٰذا دوسروں کے اموال کو نا جائز ذرائع سے استعمال کا واضح نمونہ ہے۔ "لائے ناہیہ" کا "تدلوا" پر نہ لانا اس مطلب کی تائید کر رہا ہے۔

رشوت کے سبب دشمن کا خوف مسلط ہونے کا بیان

حضرت عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قحط اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب (وخوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 738)

"رشوت" اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس کی تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت ومحنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کی بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دینی یا اس میں سعی وکوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت ومشقت کے بقدر مال دینا رشوت نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
(اے حبیب ﷺ) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: یہ لوگوں کے لئے اور ماہِ حج (کے
تعین) کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی تو پرہیزگاری
اختیار کرنا ہے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

چاند سے متعلق سوال کرنے کا بیان

"يَسْأَلُوْنَكَ" يَا مُحَمَّدُ "عَنِ الْاَهِلَّةِ" جَمْع هِلَال لِمَ تَبْدُو دَقِيْقَة ثُمَّ تَزِيْد حَتّٰى تَمْتَلِئ نُوْرًا ثُمَّ تَعُوْد كَمَا بَدَتْ وَلَا تَكُوْن عَلٰى حَالَة وَاحِدَة كَالشَّمْسِ "قُلْ" لَهُمْ "هِيَ مَوَاقِيْت" جَمْع مِيقَات "لِلنَّاسِ" يَعْلَمُوْنَ بِهَا اَوْقَات زَرْعهمْ وَمَتَاجِرهمْ وَعِدَد نِسَائِهِمْ وَصِيَامهمْ وَاِفْطَارهمْ "وَالْحَجّ" عُطِفَ عَلَى النَّاس اَيْ يَعْلَم بِهَا وَقْته فَلَوْ اسْتَمَرَّتْ عَلٰى حَالَة لَمْ يُعْرَف ذٰلِكَ "وَلَيْسَ الْبِرّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوت مِنْ ظُهُوْرهَا" فِي الْاِحْرَام بِاَنْ تَنْقُبُوا فِيْهَا نَقْبًا تَدْخُلُوْنَ مِنْهُ وَتَخْرُجُوْنَ وَتَتْرُكُوا الْبَاب وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ وَيَزْعُمُوْنَهُ بِرًّا "وَلٰكِنَّ الْبِرّ" اَيْ ذَا الْبِرّ "مَنِ اتَّقٰى" اللّٰه بِتَرْكِ مُخَالَفَته "وَاْتُوا الْبُيُوت مِنْ اَبْوَابهَا" فِي الْاِحْرَام "وَاتَّقُوا اللّٰه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" تَفُوْزُوْنَ،

لوگ آپ یعنی یا محمد ﷺ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اور اہلہ، ہلال کی جمع ہے۔ کہ چاند نموداری کے وقت باریک کیوں ہوتا ہے۔ پھر بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ نور سے بھر جاتا ہے اور پھر دوبارہ پہلی حالت پر آجاتا ہے اور وہ سورج کی طرح ایک حالت پر نہیں رہتا۔ فرمادیں یہ لوگوں کے لئے اور ماہ حج کے تعین کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، میقات کی جمع مواقیت ہے۔ یہ اوقات ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنی زراعت اور تجارت اور عورتوں کی عدت اور روزوں کے رکھنے اور افطار معلوم کرتے ہیں۔ اور حج کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعے اس کا وقت معلوم کیا جاتا ہے اور اگر یہ اپنی ایک ہی حالت پر برقرار رہے تو یہ پہچان نہ ہو، اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ یعنی احرام کی حالت میں تم اپنے گھروں میں نقب لگاؤ اور اسی سے داخل ہو اور اسی سے نکلو اور دروازوں کو چھوڑ دو، وہ اسی طرح کرتے تھے اور اس کو نیکی سمجھتے بلکہ نیکی تو پرہیزگاری اختیار کرنا ہے، یعنی جو اللہ کی مخالفت سے ڈرے، اور تم حالت احرام میں گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یعنی تم کامیاب ہو جاؤ۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ فعل مضارع "یسئلون" سوال کے تکرار پر دلالت کرتا ہے اور جمع کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ سوال کرنے والے افراد زیادہ ہیں "اھلہ" ہلال کی جمع ہے اور اس سے ایک ماہ کے مختلف چاند مراد ہیں۔
"میقات" کی جمع "مواقیت" ہے۔ میقات کا معنی زمان ہے یا ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جسے کام کرنے کے لئے معین کیا گیا ہو (لسان العرب)

سورہ بقرہ آیت ۱۸۹ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری کے جواب میں نازل ہوئی ان دونوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاند کا کیا حال ہے ابتداء میں بہت باریک نکلتا ہے پھر روز بروز بڑھتا ہے یہاں تک کہ پورا روشن ہو جاتا ہے پھر گھٹنے لگتا ہے اور یہاں تک گھٹتا ہے کہ پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے ایک حال پر نہیں رہتا اس سوال سے مقصد چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمتیں دریافت کرنا تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سوال کا مقصود چاند کے اختلافات کا سبب دریافت کرنا تھا۔

مکانوں کے دروازوں سے داخل نہ ہونے میں کوئی نیکی نہ ہونے کا بیان

ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لیے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا احرام کی حالت یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن دوسرے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ سے اس کے دروازے سے نکلے تو آپ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے اس پر لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح اس دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جواب دیا کہ میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح کرتے دیکھا کیا۔ مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت مروی ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○
اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں لیکن حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ کے سبب نزول کا بیان

وَلَمَّا صُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْتِ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ وَصَالَحَ الْكُفَّارَ عَلٰى اَنْ يَعُوْدَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَيُخْلُوْا لَهُ مَكَّةَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَتَجَهَّزَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَخَافُوْا اَنْ لَّا تَفِيَ قُرَيْشٌ وَيُقَاتِلُوْهُمْ وَكَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ قِتَالَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اَيْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهِ "الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ" الْكُفَّارَ "وَلَا تَعْتَدُوْا" عَلَيْهِمْ بِالِابْتِدَاءِ بِالْقِتَالِ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" الْمُتَجَاوِزِيْنَ مَا حَدَّ لَهُمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةَ اَوْ بِقَوْلِهِ،

اور جب رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا گیا اور کفار نے اس معاہدے پر صلح کی کہ وہ آنے سال میں آئیں گے۔ اور ان کیلئے تین دن کیلئے مکہ خالی کر دیا جائے گا' تو آپ ﷺ نے عمرہ قضاء کی تیاری کی، اور یہ بھی اندیشہ ہوا کہ شاید قریش معاہدہ پورا نہ کریں اور وہ مسلمانوں سے لڑیں اور مسلمانوں نے حرم اور احرام کی حالت اور حرمت والے مہینے میں ان سے لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو یعنی دین کی بلندی کیلئے ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں یعنی کفار لیکن حد سے نہ بڑھو، یعنی لڑنے میں حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی جو اپنی مقرر کردہ حد سے بڑھ جاتے ہیں اور یہ حکم آیت براۃ یا اس قول سے منسوخ ہے۔

صلح حدیبیہ کے وقت صبر واستقلال کے اظہار کا بیان

حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ صفین کے دن حضرت سہل بن حنیف کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! اپنے آپ کو غلط تصور

کرو تحقیق ہم حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اگر ہم جنگ کرنا چاہتے تو ضرور کرتے اور یہ اس صلح کا واقعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہوئی حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا ہمارے شہداء جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں عمر رضی اللہ نے عرض کیا پھر ہم اپنے دین میں جھکاؤ اور ذلت کیوں قبول کریں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کا حکم نہیں دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں اللہ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں فرمائے گا حضرت عمر سے صبر نہ ہو سکا اور غصہ ہی کی حالت میں حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ کہنے لگے کیا ہمارے شہداء جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں، عمر کہنے لگے پھر ہم کس وجہ سے اپنے دین میں کمزوری قبول کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا اور ان کے درمیان فیصلہ کا حکم نہیں دیا ابوبکر نے کہا: اے ابن خطاب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ انہیں کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورت فتح نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور انہیں سے وہ آیات پڑھوائیں تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے آپ نے فرمایا جی ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ دلی طور پر خوش ہو کر لوٹ گئے۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 136)

صلح کی تحریر اور ادبِ مصطفیٰ ﷺ کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن قریشیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی ان میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سہیل نے کہا کہ بسم اللہ تو ہم نہیں جانتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے البتہ (بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ) لکھو جسے ہم جانتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (کفار) نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن عبداللہ کی طرف سے لکھو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط باندھی کہ تم میں سے جو ہمارے پاس آجائے گا ہم اسے واپس نہ کریں گے اور اگر تمہارے پاس ہم میں سے کوئی آئے گا تو تم اسے ہمارے پاس واپس کر دو گے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم یہ بھی لکھ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں لیکن ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ اسے دور کر دے گا اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا اللہ عنقریب اس کے لئے کوئی راستہ اور کشائش پیدا فرما دے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 135)

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو، جب تک وہ تم سے، وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے،

مسجد حرام میں قتال کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ" وَجَدْتُمُوْهُمْ "وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ" اَيْ مِنْ مَّكَّةَ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ عَامَ الْفَتْحِ "وَالْفِتْنَةُ" الشِّرْكُ مِنْهُمْ "اَشَدُّ" اَعْظَمُ "مِنَ الْقَتْلِ" لَهُمْ فِي الْحَرَمِ اَوِ الْاِحْرَامِ الَّذِيْ اسْتَعْظَمْتُمُوْهُ "وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اَيْ فِي الْحَرَمِ "حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ" فِيْهِ "فَاقْتُلُوْهُمْ" فِيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلَاثَةِ "كَذٰلِكَ" الْقَتْلُ وَالْاِخْرَاجُ "جزاء الكافرين"،

اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا یعنی مکہ اور یقیناً فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ اور ان کا شرکیہ فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور ان کا قتل حرم یا احرام میں جس کو عظیم سمجھتے ہیں۔ اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے۔ اور مسجد حرام یعنی حرم کے پاس ان سے نہ لڑو، جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے، ایک قرأت کے مطابق تینوں افعال بغیر الف کے ہیں۔ اسی طرح قتل اور اخراج کافروں کی سزا ہے۔

و اقتلوهم حيث ثقفتموهم

اس جملہ میں ضمیر "ہم"، "الذين يقاتلو كم" کی طرف لوٹتی ہے اسی لئے ان کے لئے کفار محارب کی تعبیر استعمال کی گئی ہے

"ثقفتم" کا مصدر "ثقف" ہے جسکا معنی ہے پانا یا دسترس حاصل کرنا۔

حرم شریف کی تعظیم کے واجب ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرض نہیں ہے البتہ جہاد اور عمل میں نیت کا اخلاص ضروری ہے لہٰذا جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے یعنی تمہارا امیر تمہیں جو جہاد کا حکم دے تو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ ہی کے دن یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی تمام زمین حرم کو حرام کیا ہے بایں طور کہ تمام لوگوں پر اس مقدس خطہ زمین کی ہتک و بے حرمتی حرام ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اسی دن

سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا یعنی اس خطہ زمین کی حرمت شروع ہی سے ہے لہٰذا یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت تک کے لئے حرام کیا گیا بلاشبہ اس خطہ زمین میں نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتل وقتال حلال کیا گیا تھا اور نہ میرے لئے حلال ہوا ہے علاوہ فتح مکہ کے دن کی ایک ساعت کے پس اس دن کے بعد یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت کے دن پہلا صور پھونکے جانے تک ہر شخص کے لئے حرام کر دیا گیا ہے لہٰذا نہ تو اس زمین کا کوئی خاردار درخت ہی کاٹا جائے اگرچہ وہ ایذاء دے نہ اس کا شکار بھگایا جائے یعنی کوئی شکاری غرض سے یا محض بھڑکانے ستانے کے لئے یہاں کے کسی جانور کے ساتھ تعرض نہ کرے اور نہ یہاں کا لقطہ اٹھایا جائے ہاں وہ شخص اس کو اٹھا سکتا ہے جو اس کا اعلان کرے اور نہ اس کی زمین کی گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مگر اذخر (ایک قسم کی گھاس) تو ایسی چیز ہے جو لوہاروں اور سناروں کے لئے لوہا اور سونا گلانے کے کام آتی ہے اور گھروں کی چھتیں بنانے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اس کو کاٹنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اذخر کاٹی جا سکتی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نہ یہاں کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس کے مالک کو تلاش کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1265)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس وقت ہجرت ہر اس شخص پر فرض تھی جو اس کی استطاعت رکھتا تھا۔ پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو اس ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو فرض تھی کیونکہ اس کے بعد مکہ دار الحرب نہیں رہا تھا لہٰذا ارشاد گرامی اب ہجرت نہیں الخ، کا مطلب یہی ہے کہ اگر اب کوئی ہجرت کرے تو اسے وہ درجہ حاصل نہیں ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہو چکا ہے البتہ جہاد اور اعمال میں حسن نیت کا اجر اب بھی باقی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا، اسی طرح وہ ہجرت بھی باقی ہے جو اپنے دین اور اسلام کے احکام وشعائر کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور اس کا اجر بھی ملتا ہے۔

نہ کوئی خاردار درخت کاٹا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ بغیر خاردار درخت کو کاٹنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص زمین حرم کی ایسی گھاس یا ایسا درخت کاٹے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور خودرو ہو تو اس پر اس گھاس یا درخت کی قیمت بطور جزاء واجب ہوگی، البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔! زمین حرم کی گھاس کو چرانا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اذخر کو کاٹنا بھی جائز ہے اور چرانا بھی، اسی طرح کماۃ یعنی کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے! حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

اخلاص کے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے کہ کس طرح کا جہاد موجب ثواب ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ ابن عمرو! اگر تم اس حال میں لڑو کہ صبر کرنے

والے اور ثواب چاہنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں، قیامت کے دن صبر کرنے والا ہی اٹھائے گا یعنی تم جس طرح ان صفات کے ساتھ جہاد کرو گے اور ان صفات پر مرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان صفات کے ساتھ اٹھائے گا اور تمہیں ان کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے حدیث، کما تعیشون تموتون و کما تموتون تحشرون یعنی تم جس حالت پر جیتے ہو اسی حالت پر مرو گے اور جس حالت پر مرو گے اسی حالت پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم نمائش کی نیت سے اور اپنا زور جتلانے کے لئے لڑو گے یعنی اگر تم لوگوں میں یہ فخر کرنے کے لئے لڑو گے کہ میں مال اور طاقت اور لشکر کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہوں اور جہاد کے حکم کی اتباع تم سے زیادہ کرنے والا ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن نمائش کرنے والا اور زور جتلانے اٹھائے گا یعنی میدان حشر میں تمہارے بارے میں اعلان کیا جائے گا کہ یہ شخص کون ہے جو نمائش کی نیت سے اور فخر کرنے اور زیادہ مال و منال حاصل کرنے کے لئے لڑا تھا۔ اے عبداللہ ابن عمر و یاد رکھو! تم جس حال میں لڑو گے یا جس حال میں مارے جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب جہاد، بیروت، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 961)

امت کی بھلائی کا تعظیم حرم سے منسلک ہونے کا بیان

حضرت عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ امت اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہے گی جب تک کہ اس حرمت یعنی مکہ کی حرمت کی تعظیم کرتی رہے گی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور جب لوگ اس تعظیم کو ترک کر دیں گے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1276)

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝
پھر اگر وہ باز رہیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

"فَاِنِ انْتَهَوْا" عَنِ الْكُفْرِ وَاَسْلَمُوْا "فَاِنَّ اللّٰه غَفُوْر" لَهُمْ "رَحِيْم" بِهِمْ،

پھر اگر وہ کفر باز رہیں اور اسلام قبول کر لیں تو بیشک اللہ ان کیلئے بخشنے والا، ان کے ساتھ مہربان ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم، ماقبل آیات کے قرینہ سے "انتھوا" کا متعلق جنگ اور فتنہ پروری ہے۔ جملہ "فان اللہ، جواب مقام ہے یعنی تقدیر کلام یوں بنتی ہے" فان انتھوا عن القتال و الفتنۃ فلا تقاتلوھم و لا تقتلوھم ان اللہ غفور رحیم"

یہ مطلب اس بنا پر ہے کہ "انتھوا" کا متعلق کفر اور شرک ہو پس "فان انتھوا، کا معنی یہ بنتا ہے اگر کفار و مشرکین کفر و شرک سے دست بردار ہو جائیں اور ایمان لے آئیں، بنابریں جملہ "فان اللہ، کے دو معنی بنتے ہیں۔ ان سے ایمان کو قبول کرنا ان کی گزشتہ غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرنا۔

اسلام قبول کرنے کے سبب سابقہ گناہوں کی بخشش کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے جاہلیت کے زمانہ میں کیئے گئے اعمال کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سچے دل سے اسلام قبول کیا اس سے جاہلیت والے اعمال کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی اور جس نے سچے دل سے اسلام قبول نہ کیا صرف دکھلاوے کے لئے قبول کیا اس سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 319)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے بہت سے قتل کیے تھے اور کثرت سے زنا کا ارتکاب بھی کیا تھا، وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اور جس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گناہوں کا کفارہ بتلا دیں جو ہم نے کئے ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں، اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس آدمی کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق کے ساتھ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا سورت الفرقان اور یہ آیت نازل ہوئی اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 322)

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝
اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور ایک اللہ کی پوجا ہو پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی صرف ظالموں پر ہوتی ہے۔

دین کی سربلندی کیلئے جہاد کرنے کا بیان

"وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْن" تُوجَد "فِتْنَة" شِرْك "وَيَكُوْن الدِّيْن" الْعِبَادَة "لِلّٰهِ" وَحْده لَا يُعْبَد سِوَاهُ "فَإِنْ انْتَهَوْا" عَنْ الشِّرْك فَلَا تَعْتَدُوْا عَلَيْهِمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا "فَلَا عُدْوَان" اعْتِدَاء بِقَتْلٍ أَوْ غَيْره "إِلَّا عَلَى الظَّالِمِيْنَ" وَمَنْ انْتَهٰى فَلَيْسَ بِظَالِمٍ فَلَا عُدْوَان عَلَيْهِ،

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ یعنی شرک نہ پاؤ اور ایک اللہ کی پوجا ہو یعنی صرف اللہ کی عبادت ہو اس کے سوا کی نہ ہو پھر اگر وہ شرک باز آئیں تو تم ان پر زیادتی نہ کرو اور فلا عدوان کی اسی پر دلالت ہے۔ یعنی یہ زیادتی قتل وغیرہ کے ذریعے سے بھی نہ ہو، مگر ظالموں پر، یعنی جو ظلم سے رک گیا اس کیلئے کوئی عداوت نہ ہوگی۔

جہاد کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے

کوئی ایسی عبادت بتائے جو جہاد کے ہم مرتبہ ہو آپ نے فرمایا کہ ایسی عبادت تو کوئی نہیں لیکن کیا تم یہ کر سکتے ہو۔ کہ جب مجاہد جہاد کیلئے نکلے تو اپنی مسجد میں جائے اور نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور سست نہ ہو اور برابر روزے رکھے کوئی روزہ نہ چھوڑے اس نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کون کر سکتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مجاہد کا گھوڑا جب اپنی رسی میں بندھا ہوا چرنے کیلئے چلتا پھرتا ہے تو اس گھوڑے کے ہر ہر قدم پر مجاہد کیلئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 54)

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○
ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی اور
اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے،

ظلم کا ظلم کے ساتھ ہونے کا بیان

"اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ" اَلْمُحَرَّمُ مُقَابَلٌ "بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ" فَكُلَّمَا قَاتَلُوْكُمْ فِيْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ فِيْ مِثْلِهٖ رَدٌّ لِاسْتِعْظَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ذٰلِكَ "وَالْحُرُمٰتُ" جَمْعُ حُرْمَةٍ مَا يَجِبُ احْتِرَامُهٗ "قِصَاصٌ" اَيْ يُقْتَصُّ بِمِثْلِهَا اِذَا انْتُهِكَتْ "فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ" بِالْقِتَالِ فِي الْحَرَمِ اَوِ الْاِحْرَامِ اَوِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ "فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ" سَمّٰى مُقَابَلَتَهُ اعْتِدَاءً لِشَبَهِهَا بِالْمُقَابَلِ بِهٖ فِي الصُّوْرَةِ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" فِي الْاِنْتِصَارِ وَتَرْكِ الْاِعْتِدَاءِ "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ،

ماہ حرام کے بدلے یعنی جو حرمت میں برابر ہے، ماہ حرام، پس جب وہ اس میں تمہارے ساتھ قتال کریں تو تم بھی اسی کی مثل مہینے میں ان سے قتل کرو۔ اس میں مسلمانوں کے عظیم جاننے کا رد ہے۔ اور حرمات یہ حرمۃ کی جمع ہے۔ یعنی اس کا احترام واجب ہے اور ادب کے بدلے ادب ہے، جو تم پر زیادتی کرے، یعنی جو حرم میں یا احرام میں یا حرمت والے مہینے میں قتال کے ساتھ زیادتی کرے، اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی یہاں بہ طور صورت مشابہ ہونے کی وجہ سے اعتداء کو مقام جزاء پر لایا گیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی مدد کرنے اور ظلم کو ترک کرنے پر اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے، یعنی اس کی مدد و نصرت،

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

الشہر " کی "باء" مقابلہ یا عوض کے لئے ہے۔ آیت کے مابعد والے حصے اور ماقبل آیات جو جنگ کے بارے میں تھیں کی روشنی میں اس "مقابلہ" کا معنی یہ بنتا ہے اگر ان حرام مہینوں کی حرمت کو دشمن توڑ دے تو تم بھی اسوقت اس حرمت کی اعتنا نہ کرو اور دفاع کے لئے قیام کرو۔ زمانہ بعثت کے کفار بھی مہینوں کی حرمت و تقدس اور ان مہینوں میں جنگ کی ممانعت کے قائل تھے۔

اسلام اور مسلمانوں کی عظمت وحیثیت کا دفاع ان مہینوں کے احترام کی حفاظت اور ان میں جنگ کے حرام ہونے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حرمات کا مفرد "حرمۃ" ایسے امور (قوانین وغیرہ) کو کہا جاتا ہے جن کا خیال رکھنا ضروری اور ان کو توڑنا یا خلاف ورزی کرنا ممنوع ہے۔ قصاص ایسی سزا ہے جو قتل وجنایت کے مقابل جاری ہوتی ہے۔ پس "والحرمات قصاص" یعنی وہ قوانین جن کا احترام ہونا چاہئے اور ان کو توڑنا درست نہیں اگر ان کی دشمن کی طرف سے خلاف ورزی ہو اور اس طرح تمہیں نقصان پہنچے تو تم بھی اس امر کی اعتنانہ کرو اور دشمن کی بربریت کا جواب دو۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۴ کے مضمون نزول کا بیان

ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لئے صحابہ کرام سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

حرمت والوں مہینوں میں لڑائی کے موقوف ہونے کا بیان

مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے، حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو مشرکین نے قتل کر دیا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چودہ سو صحابہ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا یہیں حنین کی غنائم تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے۔ پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو، یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو، یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب وسزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت وشان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی، لیکن امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے حضرت مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیز گاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں، ہلاکت میں نہ پڑو اور بھلائی والے ہو جاؤ بیشک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں،

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے ممانعت کا بیان

"وَاَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰه" طَاعَته بِالْجِهَادِ وَغَیْرِهٖ "وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْكُمْ" اَیْ اَنْفُسكُمْ وَالْبَاء زَائِدَة "اِلَی التَّهْلُكَة" الْهَلَاك بِالْاِمْسَاكِ عَنْ النَّفَقَة فِی الْجِهَاد اَوْ تَرْكه لِاَنَّهٗ یُقَوِّی الْعَدُوّ عَلَیْكُمْ "وَاَحْسِنُوا" بِالنَّفَقَةِ وَغَیْرهَا "اِنَّ اللّٰه یُحِبّ الْمُحْسِنِیْنَ" اَیْ یُثِیْبهُمْ،

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو یعنی جہاد وغیرہ کی طاعت کے ساتھ، اور اپنے ہاتھوں، ہلاکت میں نہ پڑو یعنی اپنی جان کو اور باء زائدہ ہے۔ اور ہلاکت سے مراد جہاد میں نفقہ روک لینا ہے یا جہاد کو ترک کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے دشمنی تم پر طاقت پکڑنے والا بن جائے گا۔ اور نفقہ وغیرہ سے بھلائی والے ہو، جاؤ بیشک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔ یعنی وہ ان کو ثواب دے گا۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

اس جملہ "ولا تلقوا، کا معنی ممکن ہے اس جملہ "و انفقوا فی سبیل الله " یعنی دفاعی اخراجات وضروریات کا مسئلہ " کی روشنی میں کیا جائے یا پھر خود جہاد و معرکہ آرائی (قاتلوا فی سبیل الله) کے اعتبار سے اس کا معنی کیا جائے البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو انفاق کے آداب میں سے شمار کیا جائے۔ مذکورہ بالا مطلب پہلے احتمال کی بنا پر ہے یعنی دفاعی ضروریات کو پورا کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت اسلم ابو عمران کہتے ہیں کہ ہم جنگ کیلئے روم گئے ہوئے تھے رومیوں کی فوج میں سے ایک بڑی صف مقابلے کیلئے نکلی جن سے مقابلے کیلئے مسلمانوں میں سے بھی اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ آدمی نکلے۔ ان دنوں مصر پر عقبہ بن عامر حاکم تھے جبکہ لشکر کے امیر فضالہ بن عبید تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے روم کی صف پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ انکے اندر چلا گیا۔ اس پر لوگ چیخنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ خود کو اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو تم لوگ اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہو (وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ 2۔ البقرة:195)۔ (یعنی تم خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو)۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے مددگاروں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ تو ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کی مدد کرنے والے بہت ہیں اور ہمارے اموال (کھیتی باڑی وغیرہ) ضائع ہو گئے ہیں۔ ہمارے

لئے بہتر ہوگا کہ ہم ان کی اصلاح کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بات جواب کے میں یہ آیت نازل فرمائی "وَاَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ" 2 ۔البقرۃ:195)(یعنی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) چنانچہ ہلاکت یہ تھی کہ ہم اپنے احوال اور کھیتی باڑی کی اصلاح میں لگ جائیں اور جنگ و جہاد کو ترک کر دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد ہی میں رہے یہاں تک کہ دفن بھی روم ہی کی سرزمین میں ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 904)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ
صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ
يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے
ٹھکانے نہ پہنچ جائے پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلے دے روزے یا خیرات یا قربانی، پھر جب
تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے
حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو
اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے،

حج اور عمرے سے متعلق احکام شرعیہ کا بیان

"وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" اَدُّوهُمَا بِحُقُوقِهِمَا "فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ" مُنِعْتُمْ عَنْ اِتْمَامِهَا بِعَدُوٍّ "فَمَا اسْتَيْسَرَ" تَيَسَّرَ "مِنَ الْهَدْيِ" عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاة "وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسكُمْ" اَیْ لَا تَتَحَلَّلُوا "حَتّٰى يَبْلُغ الْهَدْيُ" الْمَذْكُور "مَحِلّه" حَيْثُ يَحِلّ ذَبْحه وَهُوَ مَكَان الْاِحْصَار عِنْد الشَّافِعِيّ فَيَذْبَح فِيهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّل وَيُفَرِّق عَلٰى مَسَاكِينه وَيَحْلِق وَبِهِ يَحْصُل التَّحَلُّل "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ بِهِ اَذًى مِنْ رَاْسه" كَقَمْلٍ وَصُدَاع فَحَلَقَ فِي الْاِحْرَام "فَفِدْيَة" عَلَيْهِ "مِنْ صِيَام" ثَلَاثَة اَيَّام "اَوْ صَدَقَة" بِثَلَاثَةِ اَصْوُع مِنْ غَالِب قُوت الْبَلَد عَلٰى سِتَّة مَسَاكِين "اَوْ نُسُك" اَیْ ذَبْح شَاة وَاَوْ لِلتَّخْيِيرِ وَاُلْحِقَ بِهِ مَنْ حَلَقَ لِغَيْرِ عُذْر لِاَنَّهُ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ وَكَذَا مَنْ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْق كَالطِّيبِ وَاللُّبْس وَالدُّهْن

لِعُذْرٍ اَوْ غَیْرِہٖ "فَاِذَا اَمِنْتُمْ" الْعَدُوَّ بِاَنْ ذَھَبَ اَوْ لَمْ یَکُنْ "فَمَنْ تَمَتَّعَ" اسْتَمْتَعَ "بِالْعُمْرَۃِ" اَیْ بِسَبَبِ فَرَاغِہٖ مِنْھَا بِمَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ "اِلَی الْحَجِّ" اَیْ اِلَی الْاِحْرَامِ بِہٖ بِاَنْ یَکُوْنَ اَحْرَمَ بِھَا فِیْ اَشْھُرِہٖ "فَمَا اسْتَیْسَرَ" تَیَسَّرَ "مِنَ الْھَدْیِ" عَلَیْہِ وَھُوَ شَاۃٌ یَذْبَحُھَا بَعْدَ الْاِحْرَامِ بِہٖ وَالْاَفْضَلُ یَوْمَ النَّحْرِ "فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ" الْھَدْیَ لِفَقْدِہٖ اَوْ فَقْدِ ثَمَنِہٖ "فَصِیَامُ" اَیْ فَعَلَیْہِ صِیَامُ "ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ" اَیْ فِیْ حَالِ الْاِحْرَامِ بِہٖ فَیَجِبُ حِیْنَئِذٍ اَنْ یُّحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ وَالْاَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ لِکَرَاھَۃِ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَۃَ وَلَا یَجُوْزُ صَوْمُھَا اَیَّامَ التَّشْرِیْقِ عَلٰی اَصَحِّ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ "وَسَبْعَۃٍ اِذَا رَجَعْتُمْ" اِلٰی وَطَنِکُمْ مَکَّۃَ اَوْ غَیْرِھَا وَقِیْلَ اِذَا فَرَغْتُمْ مِنْ اَعْمَالِ الْحَجِّ وَفِیْہِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغِیْبَۃِ "تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ" جُمْلَۃٌ تَاْکِیْدٌ لِمَا قَبْلَھَا "ذٰلِکَ" الْحُکْمُ الْمَذْکُوْرُ مِنْ وُجُوْبِ الْھَدْیِ اَوِ الصِّیَامِ عَلٰی مَنْ تَمَتَّعَ "لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" بِاَنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا عَلٰی دُوْنِ مَرْحَلَتَیْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ فَاِنْ کَانَ فَلَا دَمَ عَلَیْہِ وَلَا صِیَامَ وَاِنْ تَمَتَّعَ فَعَلَیْہِ ذٰلِکَ وَھُوَ اَحَدُ وَجْھَیْنِ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ وَالثَّانِیْ لَا وَالْاَھْلُ کِنَایَۃٌ عَنِ النَّفْسِ وَاُلْحِقَ بِالْمُتَمَتِّعِ فِیْمَا ذُکِرَ بِالسُّنَّۃِ الْقَارِنُ وَھُوَ مَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَۃِ وَالْحَجِّ مَعًا اَوْ یُدْخِلُ الْحَجَّ عَلَیْھَا قَبْلَ الطَّوَافِ "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" فِیْمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖ وَیَنْھَاکُمْ عَنْہُ "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ" لِمَنْ خَالَفَہٗ.

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو یعنی ان دونوں کے حقوق ادا کرو، پھر اگر تم روکے جاؤ یعنی دشمن کے ذریعے منع کردیئے جاؤ، تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور وہ بکری ہے۔ اور اپنے سر نہ منڈاؤ، حتیٰ کہ حلال ہوجائے، جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے، اور ذبح کا مقام ہی مقام انحصار ہے اور یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کا موقف ہے۔ یعنی حلال ہونے کی نیت سے ذبح کرے اور وہاں مساکین میں اس گوشت کو تقسیم کردے تو وہ حلال ہوجائے گا۔ پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں جوں یا درد کے سبب کچھ تکلیف ہے، تو وہ احرام کی حالت میں حلق کرا سکتا ہے۔ تو بدلے دے روزے یعنی تین دن کے روزے یا خیرات یعنی شہر کی غالب نقدی کے مطابق چھ مساکین کو تین صاع دے، یا قربانی کرے، یعنی بکری ذبح کرے اور یہاں حرف ''او'' اختیار کیلئے آیا ہے۔ اور یہ حکم اس شخص کیلئے بھی ہوگا جس نے بغیر کسی عذر کے احرام کی حالت میں حلق کروایا، کیونکہ اس کیلئے یہی کفارہ لائق ہے۔ اور اسی طرح اس شخص کیلئے بھی یہی حکم ہوگا جس نے حلق کے سوا کوئی نفع حاصل کیا جس طرح خوشبو لگانا، لباس پہننا اور عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے تیل لگانا ہے۔ پھر جب تم اطمینان سے ہو یعنی دشمن سے مطمئن ہوئے کہ وہ چلا گیا یا پھر وہ وہاں نہیں تھا، تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے، یعنی ممنوعات احرام سے حج کے مہینوں میں عمرہ کرکے فائدہ اٹھائے، وہ اس طرح کے اسی مہینے میں حج کا احرام باندھے، اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے، اور وہ بکری کو اس کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرے۔ اور

افضل یہ ہے کہ وہ بکری کو قربانی کے دنوں میں ذبح کرے، پھر جسے مقدور نہ ہو یعنی ہدی مل نہ سکے یا قیمت نہ ہونے کے سبب نہ لے سکے، تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، یعنی حج کے احرام کے دنوں میں رکھے اور ساتویں ذی الحج سے پہلے حج کا احرام باندھے جبکہ افضل یہ ہے کہ چھ ذی الحج کو احرام باندھے، کیونکہ قربانی کے دن حاجی کیلئے روزہ رکھنا مکروہ ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے صحیح قول کے مطابق ایام تشریق میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یعنی جب شہر کی طرف یا غیر مکہ کی طرف آ جاؤ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حج کے اعمال کے فارغ ہونے کے بعد وہ روزے رکھے، کہ اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے۔ یہ پورے دس روزے ہوئے، یہ جملہ ماقبل کی تاکید کیلئے ہے۔ اور قربانی اور روزوں کا یہ حکم اس کے لئے ہے حج تمتع کرنے والا ہے یا وہ جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو، اور جب دو مراحل سے کم ہو تو پھر نہ ہدی ہے نہ روزے ہیں اگرچہ وہ تمتع کرنے والا ہو، یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ اور امام شافعی کی دونوں دلیلوں میں سے ایک یہی ہے۔ جبکہ دوسری میں نہیں ہے کہ لفظ اہل یہ نفس سے کنایہ ہے اور حدیث میں ذکر ہونے کے سبب حج قران والے کو بھی اس کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ اور قارن وہ ہے جس نے حج اور عمرے کا اکٹھے احرام باندھا یا طواف عمرہ سے پہلے حج کو عمرے پر داخل کر دے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، ان چیزوں کے بارے میں، جن کو وہ تم کو حکم دیتا ہے۔ اور جن سے وہ تم کو منع کرتا ہے۔ اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے، یعنی جس نے اس کی مخالفت کی۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" 2۔ البقرۃ: 196) اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے، خیرات یا قربانی سے اسکا فدیہ ادا کرو)۔ کہتے ہیں کہ ہم صلح حدیبیہ کے مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھے۔ ہمیں مشرکین نے روک دیا۔ میرے بال کانوں تک لمبے تھے اور جوئیں میرے منہ پر گرنے لگیں تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور دیکھا تو فرمایا لگتا ہے کہ تمہارے سر کی جوئیں تمہیں اذیت (تکلیف) دے رہی ہیں۔ عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر بال منڈوا دو۔ اس طرح یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ روزے تین دن کے، کھانا کھلائے تو چھ مسکینوں کو اور قربانی کرے تو ایک بکری یا اس سے زیادہ۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 905)

قارن کے عدم ہدی کی صورت میں روزوں کے اختیار میں مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے، غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول

نہیں، گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں، بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں،

حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے، اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری حضرت عروہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے، جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے کہ یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ گائے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے، بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔ پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ، اس کا عطف آیت (واتموا الحج) الخ پر ہے، آیت (فان احصرتم) پر نہیں امام ابن جریر سے یہاں سہو ہو گیا ہے وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں، لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو۔

حاجی کے ایام تشریق میں روزے رکھنے میں مذاہب اربعہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ ان سات دنوں میں روزے نہ رکھے گا کیونکہ یہ روزے اپنے اہل کی طرف لوٹ کر آنے کی شرط کے ساتھ معلق ہیں۔ اور جب اس سے شرط مفقود ہوگئی تو حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

احناف کے نزدیک اس کی فراغت ہی اس کے وجوع کا سبب ہے۔ پس یہ اداء سبب کے بعد ہوئی۔ یعنی وجود سبب کے بعد ادا پائی گئی ہے۔ لہٰذا اس باب میں سبب کے ذکر سے ارادہ مسبب ہے۔ اور وہ فراغت ہے۔ پس اس کو مجاز کی طرف پھیر دیا جائے گا تو بہ اتفاق یہ شرط نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب کوئی مکہ میں اقامت کی نیت کرے تو اس کیلئے مکہ میں روزے رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ رجوع الی اہل نہیں پایا گیا۔ اس کا مطلب ہے۔ یہاں رجوع سے مراد فراغت ہے۔

اگر اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ یوم نحر آ گیا تو اس کی کفایت صرف دم ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، حسن، عطا سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت حماد، ثوری، ابن منذر اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول اسی طرح ہے کہ ان ایام کے گزر جانے کے بعد روزے رکھنا کفایت کرے گا۔ لہٰذا امام شافعی علیہا الرحمہ کا مذہب یہی ہے کہ ان دنوں کے بعد روزے رکھے جائیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس مسئلہ میں چھ اقوال ہیں۔(۱) روزہ نہیں ہے وہ ہدی کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ (۲) دس دنوں کے روزے اس پر ہیں۔خواہ وہ متفرق ہوں یا مسلسل رکھے جائیں۔(۳) وہ متفرق دس دنوں کے روزے رکھے۔(۴) چار دنوں کے متفرق رکھے۔(۵) امکان سہولت تک متفرق رکھے (۶) چار دنوں کے روزے متفرق حتی الامکان رکھے۔جب تک اس کو سہولت ہو۔(شرح مہذب، امام نووی)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھے گا۔کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے جو نہ پائے تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک ایام تشریق کی نفی مشہور ہے۔وہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ تم ان دنوں میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے۔(فقہاء حنابلہ کے موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی وہی موقف ہے جو احناف کا موقف ہے)۔(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۱۹۲، حقانیہ ملتان)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۝
حج کے چند مہینے معیّن ہیں، تو جو شخص ان میں نیت کر کے حج لازم کر لے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی
(اور) گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے، اور تم جو بھلائی بھی کرو اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور (آخرت کے) سفر کا سامان کر لو،
بیشک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے، اور اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔

حج کے مشہور مہینوں کا بیان

"اَلْحَجّ" وَقْته "اَشْهُر مَعْلُومَات" شَوَّال وَذُو الْقَعْدَة وَعَشْر لَيَالٍ مِنْ ذِی الْحِجَّة وَقِيلَ كُلّه "فَمَنْ فَرَضَ" عَلٰى نَفْسه "فِيهِنَّ الْحَجّ" بِالْاِحْرَامِ بِهِ "فَلَا رَفَثَ" جِمَاع فِيهِ "وَلَا فُسُوق" مَعَاصٍ "وَلَا جِدَال" خِصَام "فِي الْحَجّ" وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ الْاَوَّلَيْنِ وَالْمُرَاد فِي الثَّلَاثَة النَّهْي "وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْر" كَصَدَقَةٍ "يَعْلَمهُ اللّٰه" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ وَنَزَلَ فِي اَهْل الْيَمَن وَكَانُوا يَحُجُّونَ بِلَا زَاد فَيَكُونُونَ كَلًّا عَلَى النَّاس "وَتَزَوَّدُوا" مَا يُبَلِّغكُمْ لِسَفَرِكُمْ "فَاِنَّ خَيْر الزَّاد التَّقْوٰى" مَا يُتَّقٰى بِهِ سُؤَال النَّاس وَغَيْره "وَاتَّقُونِ يَا اُولِي الْاَلْبَاب" ذَوِي الْعُقُول،

حج کے چند مہینے معیّن ہیں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور عشرہ ذی الحجہ ہیں، اور بھی کہا گیا ہے سارے کا سارا ذی الحج مہینہ ہے۔تو جو شخص ان مہینوں میں نیت کر کے احرام کے ساتھ اپنے اوپر حج لازم کر لے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے

اختلاط کرے یعنی جماع نہ کرے۔ اور نہ کوئی اور گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا یعنی جنگ کرے، اور ایک قرأت میں دونوں کا اول فتح کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی رفث اور فسوق کا۔ اور تم جو بھلائی یعنی صدقہ بھی کرو اللہ سے خوب جانتا ہے، پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔ اور یہ آیت والوں یمن والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو بغیر زادراہ کے حج کرنے آتے تھے اور وہ لوگوں پر بوجھ بنتے تھے۔ اور سفر کا سامان کرلو، بیشک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے، یعنی جس کے ذریعے لوگوں سے سوال کرنے سے بچ جائے۔ اور اے عقل والو، تم مجھ سے ڈرو۔

آیت نمبر ۱۹۷ کے شانِ نزول کا تفسیری بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یمن والے جب حج کرنے آئے تو زادراہ ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں اور پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے مانگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی (وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى) 2۔ البقرۃ:197) اور جب حج کو جانے لگو تو زادراہ ضرور ساتھ لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات اور خوبیِ زادراہ میں گداگری سے بچنا ہے۔ (بخاری)

ان لوگوں نے توکل کو زادراہ کا درجہ دے دیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ حج کے ضروری اخراجات کی فراہمی سے قطع نظر توکل بہترین چیز ہے لیکن حقیقت میں نہ تو وہ توکل تھا اور نہ یہ کوئی اچھی بات تھی کہ حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں جو انسانی شرف وعظمت کے خلاف ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سب سے بڑی بات اور خوبی یہ ہے کہ زادراہ اپنے ساتھ رکھو اور گداگری سے بچو۔

اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ حج کے ضروری اخراجات ساتھ رکھے بغیر اس شخص کے لیے جانا درست نہیں ہے جس کے نفس میں توکل کی قوت نہ ہو اور اس کو غالب گمان ہو کہ میں شکایت وبے صبری اور گداگری میں مبتلا ہو کر خود بھی پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ افعال حج ادا نہ کرسکوں گا اور دوسروں کو بھی پریشانی میں مبتلا کروں گا۔

آیت اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا وسائل اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے چنانچہ کاملین کے نزدیک یہ افضل ہے کہ ہاں اگر کوئی بغیر اسباب کے صرف توکل ہی کو اختیار کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اپنے عزم وارادہ پر مستحکم ومضبوط رہ کر صبر کرسکے اور ایسا کوئی بھی کام نہ کرے جو حقیقی توکل کے منافی ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا ھَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝
تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، تو جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جیسے
اس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور بیشک اس سے پہلے تم بھکے ہوئے تھے۔

حج کے موقع پر تجارت کرنے کا بیان

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاح" فِيْ "اَنْ تَبْتَغُوا" تَطْلُبُوا "فَضْلًا" رِزْقًا "مِنْ رَبّكُمْ" بِالتِّجَارَةِ فِي الْحَجّ نَزَلَ رَدًّا لِكَرَاهَتِهِمْ ذٰلِكَ "فَإِذَا اَفَضْتُمْ" دَفَعْتُمْ "مِنْ عَرَفَات" بَعْد الْوُقُوف بِهَا "فَاذْكُرُوا اللّٰه" بَعْد الْمَبِيت بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَالتَّهْلِيْل وَالدُّعَاء "عِنْد الْمَشْعَر الْحَرَام" هُوَ جَبَل فِيْ اٰخِر الْمُزْدَلِفَة يُقَال لَهُ قُزَح وَفِي الْحَدِيث اَنَّهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهِ يَذْكُر اللّٰه وَيَدْعُو حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا رَوَاهُ مُسْلِم "وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ" لِمَعَالِم دِيْنه وَمَنَاسِك حَجّه وَالْكَاف لِلتَّعْلِيْلِ "وَإِنْ" مُخَفَّفَة "كُنْتُمْ مِنْ قَبْله" قَبْل هُدَاهُ "لمن الضالين"،

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل یعنی رزق تلاش کرو، یعنی طلب کرو، حج کے دونوں میں تجارت کے ساتھ، اور رزق طلب کرنے کو پسند نہ کرنے والوں کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تو جب عرفات سے پلٹو یعنی وہاں ٹھہرنے کے بعد تو اللہ کی یاد کرو یعنی مزدلفہ میں رات کو تلبیہ، تہلیل اور دعا کے ساتھ گزارو، مشعر حرام کے پاس، یہ مزدلفہ کی ایک جانب پہاڑ ہے۔ جس کو جبل قزح کہا جاتا ہے۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر وقوف کیا اور اللہ کا ذکر کیا اور دعا مانگی حتیٰ کہ اجالا ہو گیا اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی یعنی جس طرح اس نے دین کی شعائر اور حج کے مناسک کی ہدایت کی ہے۔ اور یہاں کاف تعلیل کیلئے ہے اور ان مخففہ ہے۔ اور بیشک اس سے پہلے تم بہکے ہوئے تھے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۹۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ذوالمجاز اور عکاظ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے تجارت کی جگہ تھی، جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے وہاں تجارت کو مکروہ سمجھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر کوئی حرج نہیں اس بات میں کہ حج کے زمانے میں اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1669)

بعض مسلمانوں نے خیال کیا کہ راہِ حج میں جس نے تجارت کی یا اونٹ کرایہ پر چلائے اس کا حج ہی کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قزح پہاڑ کے قریب وقوف کرنے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مزدلفہ میں) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قزح (پہاڑ کا نام) کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ قزح ہے اور یہ وقوف کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے (اور منیٰ تشریف لائے تو فرمایا) میں نے یہاں نحر کیا اور منیٰ نحر کی جگہ ہے پس تم اپنے ٹھکانوں پر نحر (قربانی) کرو۔ (سنن ابوداؤد)

صبح سویرے منیٰ سے عرفات جانے کا بیان

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت انس سے مروی ہے کہ ہم علی الصبح نبی کے ساتھ آج ہی کے دن (یعنی نویں ذی الحجہ کو) منی سے عرفات گئے۔ہم میں سے کوئی تکبیر کہتا تھا کوئی تہلیل۔نہ اس نے اس پر عیب کیا نہ اس نے اس پر یا یوں کہا کہ نہ انہوں نے عیب کیا نہ ان پر نہ انہوں نے ان پر۔ہر کوئی ذکر الٰہی میں مصروف تھا کیسا ہی ذکر الٰہی ہو۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی عرفات میں (مقام) وادی نمرہ میں اترتے تھے جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو ابن عمر سے پوچھنے بھیجا کہ نبی آج کے دن کون سے وقت پر نکلے تھے؟ ابن عمر نے کہا جب یہ وقت آئے گا تو ہم خود چلیں گے۔حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ دیکھتا رہے کہ ابن عمر کب نکلتے ہیں۔جب حضرت ابن عمر نے کوچ کا ارادہ کیا تو پوچھا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ابھی نہیں ڈھلا وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا کیا سورج ڈھل گیا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں ڈھلا۔(یہ سن کر) وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! یہ سنا تو وہ چل پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں ٹھہرے اور یہ موقف ہے بلکہ عرفہ تمام کا تمام موقف ہے۔

یزید بن شیبان سے ایک روایت ہے کہ ہم عرفات میں ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن ہم اس کو دور سمجھتے تھے۔ٹھہرنے کی جگہ سے اتنے میں مربع کے بیٹے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے۔میں نبی کا پیغام لایا ہوں تمہاری طرف تم لوگ اپنے اپنے مقاموں میں رہو۔آج تم وارث ہو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے۔

حضرت قاسم بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرفہ سب کا سب موقف ہے۔

قبولیت دعائے عرفات اور ابلیس کے رونے کا بیان

عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت کی تیسرے پہر کو تو آپ کو جواب ملا کہ میں نے بخش دیا تیری امت کو مگر جوان میں ظالم ہو اس سے تو میں مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا۔آپ نے فرمایا اے مالک! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے اور ظالم کو بخش کر اس کو راضی کر دے لیکن اس شام کو اس کا جواب نہیں ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ نے پھر دعا فرمائی۔اللہ عزوجل نے آپ کی درخواست قبول کی تو آپ مسکرائے یا آپ نے تبسم فرمایا تو ابو بکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اس وقت کبھی نہیں ہنستے تھے تو آج کیوں ہنسے؟ اللہ عزوجل آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے دشمن ابلیس نے جب دیکھا کہ اللہ تعالی نے میری دعا قبول کی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور پکارنے لگا ہائے خرابی! ہائے تباہی تو مجھے ہنسی آ گئی۔جب میں نے اس کا تڑپنا دیکھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی دن بھی اللہ تعالی دوزخ سے اپنے اتنے زیادہ بندوں کو رہائی نہیں عطا فرماتے جتنے بندوں کو عرفہ کے روز (دوزخ سے رہائی عطا فرماتے ہیں) اور اللہ عزوجل قریب

ہوتے ہیں پھر ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں پر فخر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا۔ (سنن ابن ماجہ)

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر تم وہیں سے جا کر واپس آیا کرو جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

مزدلفہ میں وقوف کرنے کا بیان

"ثُمَّ اَفِيضُوا" يَا قُرَيْش "مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاس" اَيْ مِنْ عَرَفَة بِاَنْ تَقِفُوْا بِهَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرَفُّعًا عَنْ الْوُقُوف مَعَهُمْ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ فِي الذِّكْر "وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰه" مِنْ ذُنُوبكُمْ "اِنَّ اللّٰه غَفُوْر" لِلْمُؤْمِنِيْنَ "رَحِيْم" بِهِمْ،

پھر تم یعنی اے قریش، وہیں سے جا کر واپس آیا کرو یعنی عرفہ سے یہ کہ تم ان کے ساتھ ٹھہرو، اور وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے۔ یہ وقوف میں ان سے برتری میں تھے۔ اور یہاں ذکر کرنے میں ثم ترتیب کیلئے ہے۔ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ گناہوں سے بخشش طلب کرو، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا ان کے ساتھ مہربان ہے۔

بعض کے نزدیک جملہ "ثم افیضوا" عرفات سے کوچ (افاضہ) کی تاکید ہے، "من حیث" کے قرینے سے کیونکہ قریش اوران کے حلیف عام لوگوں کے برعکس، عرفات سے کوچ نہیں کرتے تھے۔

عرفات سے امام سے پہلے جانیوالے سے متعلق مذاہب اربعہ

جو بندہ عرفات سے امام سے پہلے چلا گیا تو اس پر دم واجب ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہے کیونکہ اصل رکن وقوف عرفہ ہے لہذا ترک طواف کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق اس پر دم واجب ہے جس طرح ہمارا موقف ہے۔

اور امام مالک اور امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اگرچہ انہوں نے رات کے وقوف اور دن کے وقوف کو جمع نہیں کیا۔ اور علامہ کاکی نے بھی کہا ہے دن رات کو جمع کرنا شرط نہیں ہے۔ علامہ سروجی نے کہا ہے امام مالک علیہ الرحمہ نے اشتراط وقوف میں دن کو کچھ قرار نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک رکن ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۶۷، حقانیہ ملتان)

جو شخص غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے چلا گیا دم دے پھر اگر غروب سے پہلے واپس آیا تو ساقط ہوگیا اور غروب کے بعد واپس ہوا تو نہیں اور عرفات سے چلا آنا خواہ باختیار ہو یا بلا اختیار ہو مثلاً اونٹ پر سوار تھا وہ اسے لے بھاگا دونوں صورت میں دم ہے۔

اگر کسی نے اس واجب کو بلا عذر شرعی ترک کر دیا تو اسے بعض ائمہ (مالک، شافعی، اور ایک روایت میں امام احمد) کے نزدیک دم دینا پڑے گا جبکہ امام احمد کی مشہور روایت اور اَحناف کے نزدیک ترکِ قیامِ منیٰ پر فدیہ نہیں ہے۔ لیکن اُنہیں رمی کرنا ہوگی، ایسے

لوگ ایک دن بکریاں چرائیں اور ایک دن میں دونوں کی اکٹھی کنکریاں مارلیں۔ (ابن حبان، رقم، ۳۸۷۵)

تو کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح اس کی عبادت پہچانی نہ گئی ہاں البتہ ایک خاص مقام تک ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝
پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کا خوب ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ
شدّتِ شوق سے ذکر کیا کرو، پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں عطا کر دے اور
ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

مناسک حج کو ادا کر لینے کے بعد ذکر کرنے کا بیان

"فَاِذَا قَضَیْتُمْ" اَدَّیْتُمْ "مَنَاسِکَکُمْ" عِبَادَاتِ حَجِّکُمْ بِاَنْ رَمَیْتُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَطُفْتُمْ وَاسْتَقْرَرْتُمْ بِمِنًی "فَاذْکُرُوا اللّٰهَ" بِالتَّکْبِیْرِ وَالثَّنَاء "کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ" کَمَا کُنْتُمْ تَذْکُرُوْنَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّکُمْ بِالْمُفَاخَرَةِ "اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا" "مِنْ ذِکْرِکُمْ اِیَّاهُمْ وَنُصِبَ اَشَدَّ عَلَی الْحَالِ مِنْ ذِکْرِ الْمَنْصُوْبِ بِاُذْکُرُوْا اِذْ لَوْ تَاَخَّرَ عَنْهُ لَکَانَ صِفَةً لَهٗ "فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا" نَصِیْبًا "فِی الدُّنْیَا" فَیُؤْتَاهُ فِیْهَا "وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" نَصِیْبٍ،

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو یعنی حج کے مناسک یہ کہ جمرہ عقبہ کی رمی کر و چکر اور طواف کر چکو اور منیٰ میں ٹھہر چکو، تو منیٰ میں اللہ کا ذکر یعنی تکبیر اور ثناء کے ساتھ کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہو یعنی جس طرح حج سے فارغ ہو کر بہ طور فخر ان کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدّتِ شوق سے اللہ کا ذکر کیا کرو، یہاں پر اشد ذکر منصوب سے حال ہے جو اذکروا کے سبب منصوب ہے اور اگر یہ ذکر سے مؤخر ہوتا تو یہ صفت ہوتا۔ پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی حصہ عطا کر دے پس ان کو دے دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۰۰ کے سبب نزول کا بیان

یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو، اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقع پر ٹھہرتے وقت کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کرو۔

تو کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح اس کی عبادت پہچانی نہ گئی ہاں البتہ ایک خاص مقام تک ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○
اور جو شخص اس طرح کہتا ہے کہ اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے
اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔

دنیا وآخرت کی بھلائی طلب کرنے کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" نِعْمَةً "وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً" هِيَ الْجَنَّةُ "وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" بِعَدَمِ دُخُولِهَا وَهٰذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُونَ وَلِحَالِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلٰى طَلَبِ خَيْرِ الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ،

اور ان میں سے جو شخص اس طرح کہتا ہے کہ اے رب ہمارے، ہمیں دنیا میں بھلائی نعمت دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے یعنی جنت عطا کر اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ یعنی اس میں داخل ہونے سے بچا۔ جس پر مشرکین تھے اس پر یہ بیان ہے اور مومنین کیلئے حال ہے۔ اور اس میں بھلائی طلب کرنے کی ترغیب دلانا مقصود ہے۔ جس طرح اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ جس آگلی آیت میں اس کا بیان آرہا ہے۔

اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہونے کا بیان

علقمہ بن وقاص لیثی روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ اسے پائے گا، یا کسی عورت کے لئے ہو، کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار ہوگی جس کے لئے ہجرت کی ہو۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر ۱)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○
یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے، اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

اللہ کا مخلوق سے جلد حساب لینے کا بیان

"اُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ" ثَوَابٌ "مِّنْ" مِنْ اَجْلِ "مَا كَسَبُوْا" عَمِلُوْا فِي الْحَجِّ وَالدُّعَاءِ "وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ" يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ،

یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے حصے ہیں، جن کے لئے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے، یعنی انہوں نے حج اور دعا میں جو عمل کیا

اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یعنی حدیث مبارکہ کے بیان کے مطابق ساری مخلوق کا حساب دنیاوی دنوں کے اعتبار سے صرف نصف دن میں حساب لے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس شخص کا حساب لیا جائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو عنقریب اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صرف پیشی ہے اور قیامت کے دن جس شخص کے حساب کی تفتیش کی گئی تو اسے عذاب دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1468)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○
اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں تو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں
پرہیزگار کے لئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

ایام حج میں اللہ کا ذکر کرنے کا بیان

"وَاذْكُرُوا اللّٰهَ" بِالتَّكْبِيْرِ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمَرَاتِ "فِيْ اَيَّامٍ مَعْدُوْدَاتٍ" اَيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ الثَّلَاثَةِ "فَمَنْ تَعَجَّلَ" اَيْ اسْتَعْجَلَ بِالنَّفْرِ مِنْ مِنًى "فِيْ يَوْمَيْنِ" اَيْ فِيْ ثَانِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ رَمْيِ جِمَارِهِ "فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ" بِالتَّعْجِيْلِ "وَمَنْ تَاَخَّرَ" بِهَا حَتّٰى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّالِثِ وَرَمٰى جِمَارَهُ "فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ" بِذٰلِكَ اَيْ هُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ وَنَفْيِ الْاِثْمِ "لِمَنِ اتَّقٰى" اللّٰهَ فِيْ حَجِّهِ لِاَنَّهُ الْحَاجُّ فِي الْحَقِيْقَةِ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ" فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ،

اور اللہ کی یاد کرو یعنی جمرات کی رمی کے وقت تکبیر کے ساتھ، گنے ہوئے دنوں میں یعنی ایام تشریق کے تین دنوں میں، تو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے۔ یعنی منیٰ سے جانے میں جلدی کی، یعنی ایام تشریق کے دوسرے دن میں جمارہ کی رمی کے بعد، تو اس جلدی کے سبب اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو رہ جائے حتیٰ کہ تیسری رات گزارے اور جمارہ کی رمی کرے، تو اس پر گناہ نہیں یعنی جنہوں نے اس کو اختیار کیا اور اس میں گناہ کی نفی ہے۔ پرہیزگار کے لئے یعنی جو حج میں اللہ سے ڈرا کیونکہ وہ حقیقت میں حج کرنے والا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے، یعنی آخرت میں پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

رمی جمرات کے لغوی مفہوم کا بیان

جمار دراصل سنگریزوں اور کنکریوں کو کہتے ہیں اور جمار حج ان سنگریزوں اور کنکریوں کا نام ہے جو مناروں پر مارے جاتے ہیں اور جن مناروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں انہیں جمار کی مناسبت سے جمرات کہتے ہیں۔

جمرات یعنی وہ منارے جن پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں تین ہیں۔(۱) جمرہ اولیٰ۔(۲) جمرہ وسطیٰ۔(۳) مرہ عقبہ۔ یہ تینوں جمرات منیٰ میں واقع ہیں اور بقرعید کے روز یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، پھر گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔

رمی جمار کرنے کے وقت میں مذاہب فقہاء کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن کو چاشت کے وقت (یعنی زوال سے پہلے) منارے پر کنکریاں پھینکیں اور بعد کے دنوں میں دوپہر ڈھلنے کے بعد کنکریاں پھینکیں۔ (بخاری ومسلم)

ضحیٰ دن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب سے پہلے تک ہوتا ہے، بعد کے دنوں سے مراد ایام تشریق یعنی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخیں ہیں۔ ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد رمی کی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے دن یعنی گیارھویں تاریخ کو رمی جمار کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسی طرح تیسرے دن یعنی بارھویں تاریخ کو بھی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص مکہ جانا چاہے تو وہ تیرھویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے جا سکتا ہے اور اگر طلوع فجر کے بعد مکہ جانا چاہے گا تو پھر اس پر اس دن کی رمی جمار واجب ہو جائے گی اب اس کے لئے رمی جمار کئے بغیر مکہ جانا درست نہیں ہوگا ہاں اس دن یعنی تیرھویں تاریخ کو زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی جمار جائز ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک یہ مسئلہ بھی جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص کنکریاں مناروں پر پھینکے نہیں بلکہ ان پر ڈال دے تو یہ کافی ہو جائے گا مگر یہ چیز غیر پسندیدہ ہوگی بخلاف مناروں پر کنکریاں رکھ دینے کے کہ یہ اس طرح کافی بھی نہیں ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو پہلے سے روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ رمی جمرہ عقبہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن بعض روایت میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ جاؤ اور رمی جمرہ عقبہ کرو، اس روایت میں طلوع آفتاب کی قید نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد نے اسی روایت پر عمل کیا کہ ان کے ہاں رمی جمرہ عقبہ کا وقت نصف شب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ یا راستہ سے لے لی جائیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو (مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اطمینان وآہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے اور اس وقت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی محسر میں جو منیٰ (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ تمہیں (اس میدان سے) خذف کی کنکریاں اٹھا لینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کر دیا)۔ (مسلم)

عرفہ کے دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میدان عرفات سے مزدلفہ کو چلے تو اس وقت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

خذف اصل میں تو چھوٹی کنکری یا کھجور کی گٹھلی دونوں شہادت کی انگلیوں میں رکھ کر پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں خذف کی مانند کنکریوں سے مراد یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جو چنے کے برابر ہوتی ہیں یہاں سے اٹھا لو جو رمی جمار کے کام آئیں گی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ سے روانگی کے وقت وہیں سے یا راستہ میں سے اور یا جہاں سے جی چاہے لے لی جائیں ہاں جمرہ کے پاس سے وہ کنکریاں نہ لی جائیں جو جمرہ پر ماری جا چکی ہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے ویسے اگر کوئی شخص جمرہ کے پاس ہی سے پہلے پھینکی گئی کنکریاں اٹھا کر مارے تو یہ جائز تو ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ان کنکریوں سے رمی کافی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا برا ہے۔

اس بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ کنکریاں کتنی اٹھائی جائیں؟ آیا صرف اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے لئے سات کنکریاں اٹھائی جائیں یا ستر کنکریاں اٹھائی جائیں جن میں سات تو اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے کام آئیں اور تریسٹھ بعد کے تینوں دنوں میں تینوں جمرات پر پھینکی جائیں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (منیٰ کے لئے) مزدلفہ سے چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار میں سکون ووقار تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو بھی سکون واطمینان کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ہاں میدان محسر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو تیز رفتاری کے ساتھ گزارا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ خذف کی کنکریوں جیسی (یعنی چنے کی برابر) سات کنکریوں سے رمی کریں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) یہ بھی فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھوں گا۔ (صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث بخاری و

مسلم میں تو پائی نہیں۔ ہاں ترمذی میں یہ حدیث کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ مذکور ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سال میری دنیاوی زندگی کا آخری سال ہے، آئندہ سال میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اس لئے تم لوگ مجھ سے دین کے احکام اور حج کے مسائل سیکھ لو۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کہ اسی حج کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے احکام پورے طور پر لوگوں تک پہنچا دیئے اور اپنے صحابہ کو رخصت وو داع کیا، پھر اگلے سال یعنی بارہ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔

صاحب مشکوٰۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے اس حدیث کو پہلی فصل میں نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری ومسلم کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اس لئے صاحب مصابیح کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس روایت کو پہلی فصل کی بجائے دوسری فصل میں نقل کرتے۔ اگر چہ اس صورت میں تقدیم وتاخیر کا اعتراض پھر بھی باقی رہتا۔

رمی جمار کے وقت تکبیر کہنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (رمی کے لئے) جمرہ کبریٰ (یعنی جمرہ عقبہ) پر پہنچے تو (اس طرح کھڑے ہوئے کہ) انہوں نے خانہ کعبہ کو اپنی بائیں طرف کیا اور منیٰ کو دائیں طرف اور پھر انہوں نے سات کنکریاں (اس طرح) پھینکیں کہ ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہتے تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح اس ذات گرامی (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھینکی ہیں جس پر سورہ بقرہ نازل ہوئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ خانہ کعبہ تو ان کی بائیں سمت میں تھا اور منیٰ دائیں سمت لیکن دوسرے جمرات پر اس طرح کھڑا ہونا مستحب ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو۔

رمی جمرہ میں سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہی جاتی ہے چنانچہ بیہقی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کنکری کے ساتھ اس طرح تکبیر کہتے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر دعا۔

(اللّٰهم اجعله حجا مبرورا وذنبا مغفوراً عملا مشكورا) .

یوں تو پورا قرآن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے لیکن اس موقع پر خاص طور پر سورہ بقرہ کا ذکر اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ اس سورت میں حج کے احکام وافعال مذکور ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مناروں پر کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان پھرنا ذکر اللہ کے قیام کے لئے ہے (ترمذی، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ظاہری طور پر یہ فعل ایسے ہیں کہ ان کا عبادت ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں فعل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے

کیونکہ اس کا اعتقاد مختلف ہے۔ اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بھی بناتا ہے، یعنی اس کے مطابق کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ یعنی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے تابعدروں سے سخت جھگڑا کرنے والا ہے۔ اور وہ اخنس بن شریق منافق تھا جو نبی کریم ﷺ سے میٹھا کلام کرتا تھا اور وہ اپنے مؤمن ہونے کی قسم اٹھاتا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتا ہے تو آپ ﷺ اس کو اپنے پاس بیٹھنے دیتے اور ایک دفعہ وہ مسلمانوں کی زراعت اور گدھوں کے پاس سے گزرا تو اس نے رات میں مسلمانوں کے کھیتوں کو جلا دیا اور ان کے گدھوں کی کوچوں کو کاٹ دیا۔

شان آیت ۲۰۴ کے شان نزول کا تفسیری بیان

اس آیت شان نزول یہ ہے اور اس سے اگلی آیت اُخْنَس بن شَرِیْق منافق کے حق میں نازل ہوئی جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت لجاجت سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور اپنے اسلام اور آپ کی محبت کا دعوی کرتا اور اس پر قسمیں کھاتا اور درپردہ فساد انگیزی میں مصروف رہتا تھا مسلمانوں کے مویشی کو اس نے ہلاک کیا اور ان کی کھیتی کو آگ لگادی۔

سابقہ کتب میں منافقین کی بعض عادات کا بیان

حضرت نوف بکالی جو توراہ وانجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے، قرظی کہتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○

اور جب وہ شخص پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد کرنے والے سے راضی نہیں ہوتا۔

منافق کے فساد کا بیان

"وَاِذَا تَوَلّٰى" انْصَرَفَ عَنْكَ "سَعٰى" مَشَى "فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْل" مِنْ جُمْلَة الْفَسَاد "وَاللّٰهُ لَا يُحِبّ الْفَسَاد" أَيْ لَا يَرْضَى بِهِ،

اور جب وہ شخص پیٹھ پھیرے یعنی آپ سے الگ ہو جائے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اسی طرح کے کئی دوسرے فسادات بھی ہیں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی وہ اس پر راضی نہیں ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۰۵ کے سبب نزول کا بیان

[illegible] منافق کا ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور

جھگڑے کے وقت کجی نہ کرے اور قابو پا دے تو لوٹ مار مچادے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑھے اور گناہ میں ترقی کرے، کہتے ہیں ایک شخص اخنس ابن شریق تھا منافق فصیح و بلیغ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو غایت اخلاص اور محبت اسلام ظاہر کرتا اور جب چلا جاتا تو کسی کی کھیتی جلا دیتا کسی کے جانوروں کے پیر کاٹ ڈالتا اس پر منافقین کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
اور جب اسے اس کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرور اسے مزید گناہ پر اکساتا ہے، پس اس کے لئے جہنم کافی ہے
اور وہ یقیناً برا ٹھکانا ہے۔

تقویٰ کی بہ جائے تکبر اپنانے والے کا بیان

"وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ" فِيْ فِعْلك "أَخَذَتْهُ الْعِزَّة" حَمَلَتْهُ الْأَنَفَة وَالْحَمِيَّة عَلَى الْعَمَل "بِالْإِثْمِ" الَّذِيْ أُمِرَ بِاتِّقَائِهِ "فَحَسْبه" كَافِيه "جَهَنَّم وَلَبِئْسَ الْمِهَاد" الْفِرَاش هِيَ،

اور جب اسے اس کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرور اسے مزید گناہ پر اکساتا ہے، پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً برا ٹھکانا ہے۔

تکبر کرنے والوں کیلئے جہنم میں ٹھکانہ خاص ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جنت اور دوزخ دونوں نے اپنے رب کے پاس جھگڑا کیا، جنت نے عرض کیا اے پروردگار اس کا (جنت) کیا حال ہے کہ اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور اور غریب ہوں گے، اور دوزخ نے عرض کیا کہ مجھے تکبر کرنے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعہ اس کو عذاب دوں گا جس کو چاہوں گا، اور تم دونوں میں سے ہر ایک بھر دی جائیں گی، آپ نے فرمایا کہ جنت کو تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لئے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا اور وہ اس میں ڈال دیئے جائیں گے، دوزخ تین بار کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم ڈال دے گا تو وہ دوزخ بھر جائے گی، اور اس کے بعض حصے بعض حصوں سے مل جائیں گے اور وہ دوزخ کہے گی بس! بس! بس!

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2315)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝
اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے، اور اللہ بندوں پر
بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔

اللہ کی رضا کو طلب کرنے کیلئے جان بیچنے کا بیان

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي" يَبِيع "نَفْسه" اَيْ يَبْذُلهَا فِيْ طَاعَة اللّٰه "ابْتِغَاء" طَلَب "مَرْضَاة اللّٰه" رِضَاهُ وَهُوَ صُهَيْب لَمَّا اٰذَاهُ الْمُشْرِكُوْنَ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَة وَتَرَكَ لَهُمْ مَاله "وَاللّٰهُ رَءُوف بِالْعِبَادِ" حَيْثُ اَرْشَدهمْ لِمَا فِيْهِ رِضَاهُ،

اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے، یعنی اللہ کی اطاعت میں اس کو قربان کرتا ہے۔ اور وہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب مشرکین نے ان کو تکالیف پہنچائیں تو انہوں نے اپنے مال چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور اللہ بندوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔ یعنی اس طرح کی ہدایت جس میں اللہ کی رضا ان کو حاصل ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۰۷ کے شان نزول کا تفسیری بیان

حضرت صہیب ابن سنان رومی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے مشرکین قریش کی ایک جماعت نے آپ کا تعاقب کیا تو آپ سواری سے اترے اور ترکش سے تیر نکال کر فرمانے لگے کہ اے قریش تم میں سے کوئی میرے پاس نہیں آ سکتا جب تک کہ میں تیر مارتے مارتے تمام ترکش خالی نہ کردوں اور پھر جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے اس سے ماروں اس وقت تک تمہاری جماعت کا کھیت ہو جائے گا اگر تم میرا مال چاہو جو مکہ مکرمہ میں مدفون ہے تو میں تمہیں اس کا پتا بتا دوں، تم مجھ سے تعرض نہ کرو وہ اس پر راضی ہو گئے اور آپ نے اپنے تمام مال کا پتا بتا دیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی حضور ﷺ نے تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: کہ تمہاری یہ جاں فروشی بڑی نافع تجارت ہے۔

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان اور مال کی قربانی

یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اتری۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا بڑے نفع کی تجارت کی آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے آخر بتاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا

اور دین لے کر خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر لو اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں سب لے لو اور مجھے جانے دو وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی آپ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام میں سارے کا سارا داخل ہو جانے کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْن سَلَام وَاَصْحَابه لَمَّا عَظَّمُوا السَّبْت وَكَرِهُوا الْاِبِل بَعْد الْاِسْلَام "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْم" بِفَتْحِ السِّين وَكَسْرهَا الْاِسْلَام "كَافَّة" حَال مِنَ السِّلْم اَيْ فِيْ جَمِيْع شَرَائِعه "وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَات" طُرُق "الشَّيْطَان" اَيْ تَزْيِينه بِالتَّفْرِيْقِ "اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوّ مُبِين" بَيِّن الْعَدَاوَة،

اور جب عبداللہ بن سلام اور ان کے وہ اصحاب جو ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اسلام کے بعد بھی اونٹ کے گوشت کو مکروہ سمجھتے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، یہاں سلم یہ سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ آتا ہے اس کا معنی اسلام ہے۔ اور کافہ یہ سلم سے حال ہے۔ یعنی مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، کیونکہ وہ ان کو سجا کر رکھتا ہے۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی اس کی دشمنی واضح ہو چکی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اس آیت میں یہ جملہ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" قرینہ بن رہا ہے کہ "سلم" سے مراد اسلام اور اللہ کے احکامات کے سامنے مکمل طور پر سر جھکانا اور ان کی پیروی کرنا ہے نہ یہ کہ صرف لوگوں کے درمیان صلح مقصود ہو۔

اس صورت میں کہ "کافۃ"، "السلم"، کیلئے حال ہو تو اس کا مطلب ہے کہ مکمل طور پر اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ اسلام تمام تر بشری ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔
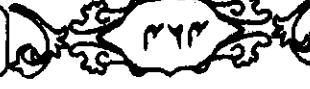
سورہ بقرہ آیت ۲۰۸ کے شان نزول کا تفسیری بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے شنبہ کی تعظیم کرتے اس روز شکار سے اجتناب لازم جانتے اور اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے اور یہ خیال کرتے کہ یہ چیزیں اسلام میں تو مباح ہیں ان کا کرنا ضروری نہیں اور توریت میں ان سے اجتناب لازم کیا گیا ہے تو ان کے ترک کرنے میں اسلام کی مخالفت بھی نہیں ہے اور شریعت موسوی پر عمل بھی ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ اسلام کے احکام کا پورا اتباع کرو یعنی توریت کے احکام منسوخ ہو گئے اب ان سے تمسک نہ کرو۔ (تفسیر خازن، سورہ بقرہ، بیروت)

اہل کتاب کو مکمل اسلام میں داخل ہو جانے کا حکم دینے کا بیان

بعض مفسرین نے کـــافة کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ، لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آ جاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو شیطان کی نہ مانو وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور اللہ پر بہتان باندھنے کو اکساتا ہے اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے نہ اس پر کوئی غالب ہے اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

اسلام کے مکمل تیس حصے ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اس سے مراد پورا اسلام ہے جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورۃ برائت میں ہے آیت (التـائبـون العـابدون) سے مومنین تک یعنی توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، اللہ کی راہ میں پھرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا، ایمان لانا، دس کا بیان "قد افلاح" کے شروع سے یحافظون تک ہے اور سورۃ معارج میں ہے یعنی نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا زکوۃ دیتے رہا کرنا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، امانت داری کرنا، وعدہ وفائی کرنا، نماز پر ہیشگی اور حفاظت کرنا قیامت کو سچا جاننا عذابوں سے ڈرتے رہنا سچی شہادت پر قائم رہنا اور دس کا بیان سورۃ احزاب میں آیت

(اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ

وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا) 33۔الاحزاب:35) تک ہے یعنی اسلام لانا، ایمان رکھنا، قرآن پڑھنا، سچ بولنا، صبر کرنا، عاجزی کرنا، خیرات دینا، روزہ رکھنا، بدکاری سے بچنا، اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا، ان تینوں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۝
پس اگر تم اس کے بعد بھی لغزش کرو جب کہ تمہارے پاس واضح نشانیاں آ چکیں تو جان لو کہ اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

دلائل شرعیہ کے ایضاح کے بعد پھسل جانے کا بیان

"فَاِنْ زَلَلْتُمْ" مِلْتُمْ عَنْ الدُّخُول فِیْ جَمِیْعه "مِنْ بَعْد مَا جَاءَتْکُمْ الْبَیِّنَات" الْحُجَج الظَّاهِرَة عَلٰی اَنَّهُ الْحَق "فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰه عَزِیْز" لَا یُعْجِزهُ شَیْء عَنْ انْتِقَامه مِنْکُمْ "حَکِیْم" فِیْ صُنْعه،

پس اگر تم اس کے بعد بھی لغزش کرو یعنی مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد، جب کہ تمہارے پاس واضح نشانیاں آ چکیں یعنی اس کے حق ہونے پر ظاہری دلائل، تو جان لو کہ اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی تم سے انتقام لینے میں اس کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔ وہی اپنی حکمت میں غالب ہے۔

زلل" کے معنی سقوط، گرنے کے ہیں اور سقوط عموماً ایسی جگہوں پر استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی چیز اونچی جگہ سے گرے۔

شریعت محمدی ﷺ کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اس کے عذاب کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے خواہ عذاب دے یا کچھ ڈھیل دے یعنی نہ جلد باز ہے نہ بھولنے والا نہ خلاف انصاف اور غیر مناسب امر کو کرنے والا۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ؕ
وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝
کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ بادل کے سائبانوں میں اللہ کا عذاب آ جائے اور فرشتے بھی اور سارا قصہ تمام ہو جائے،
تو سارے کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

بادلوں کے عذاب کے انتظار کا بیان

"هَلْ" مَا "یَنْظُرُوْنَ" یَنْتَظِر التَّارِکُوْنَ الدُّخُول فِیْهِ "اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَهُمْ اللّٰه" اَیْ اَمْره کَقَوْلِهٖ اَوْ یَاْتِیَ اَمْر

رَبُّكَ اَىْ عَذَابُه "فِىْ ظُلَلٍ" جَمْعُ ظُلَّةٍ "مِنَ الْغَمَامِ" السَّحَابِ "وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ" تَمَّ اَمْرُ هَلَاكِهِمْ "وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ فِى الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِىْ كُلًّا بِعَمَلِهٖ،

کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں یعنی اس میں داخل ہونے کے انتظار میں ہیں، کہ بادل کے سائبانوں میں اللہ کا عذاب آجائے یعنی اس کا عذاب آجائے۔اور یہاں ظلل یہ ظلۃ کی جمع ہے۔اور فرشتے بھی اور سارا قصہ تمام ہو جائے، یعنی ان ہلاکت کا معاملہ مکمل ہو جائے' تو سارے کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔اور یہاں ترجع کو فاعلیت اور مفعولیت کے سبب دونوں طرح یعنی معروف ومجہول پڑھا گیا ہے۔پس وہ ان کے ہر عمل کی جزاء دے گا۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۰ کے سبب نزول کا بیان

کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلوے اور بادلوں کے سایہ میں ان کے سامنے آئیں اور فیصلہ چکائیں تب وہ ایمان لائیں گے۔لیکن ایسا اسلام قابل قبول نہیں اس لئے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔اس آیت کو اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ وہ اس دن تک کی مہلت کا انتظار نہ کریں۔بلکہ اسی دنیا میں اسلام کو قبول کر لیں ورنہ کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

دل دہلا دینے والی بادلوں کی آواز کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں، زبیر بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر وزبرجد والا ہو گا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا، ابوالعالیہ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں۔اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے۔تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے،

نعمتوں کو بدل دینے والے بنو اسرائیلیوں کا بیان

"سَلْ" يَا مُحَمَّدُ "بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ" تَبْكِيْتًا "كَمْ اٰتَيْنَاهُمْ" كَمْ اسْتِفْهَامِيَّةٌ مُعَلِّقَةٌ سَلْ عَنِ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ وَهِىَ ثَانِىْ مَفْعُوْلِ اٰتَيْنَا وَمُمَيِّزُهَا "مِنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ" ظَاهِرَةٍ كَفَلْقِ الْبَحْرِ وَاِنْزَالِ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰى

فَبَدَّلُوْهَا كُفْرًا "وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ" اَیْ مَا اَنْعَمَ بِهٖ عَلَیْهِ مِنَ الْاٰیَاتِ لِاَنَّهَا سَبَبُ الْهِدَایَةِ "مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ" كُفْرًا "فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ" لَهٗ،

یا محمد ﷺ بنی اسرائیل سے پوچھو یعنی ان کو لاجواب کرنے کیلئے، ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں۔ یہاں پر کم استفہامیہ ہے جو سل کو مفعول ثانی اتینھم میں عمل سے مانع ہے اور اتینا کا مفعول ثانی کم ہے ہے اور ممیز ہے اور من ایہ اس کی تمیز ہے۔ اور نشانیاں ظاہر ہیں جس طرح سمندر کو پھاڑنا ہے اور من وسلویٰ کو نازل کرنا ہے۔ پس انہوں نے ناشکری کے ساتھ ان نعمتوں کو بدل کیا۔ اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے۔ یعنی جب ان پر یہ نعمتیں انعام کی گئیں جو ہدایت کا سبب ہیں۔ تو ان کو ناشکری کے ساتھ بدلنے کے بعد جان لیں کہ اللہ کا عذاب ان کیلئے سخت ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۱ کے محل نزول کا بیان

عصائے موسیٰ جس کے ذریعے سے ہم نے جادوگروں کا توڑ کیا سمندر سے راستہ بنایا پتھر سے بارہ چشمے جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من وسلویٰ کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے احکام الٰہی سے انکار کیا۔ نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انہوں نے کفر کا راستہ اپنایا۔

دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ ہاتھوں لکڑی ان کے ہاتھ کی روشنی ان کے لئے دریا کو چیر دینا ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا من وسلویٰ اتارنا وغیرہ۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝
کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں، اور جنہوں نے تقویٰ
اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان پر سر بلند ہوں گے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے۔

کفار کیلئے دنیا کو مزین کر دیا گیا ہے

"زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا" مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ "الْحَیَاةُ الدُّنْیَا" بِالتَّمْوِیْهِ فَاَحَبُّوْهَا "وَ" هُمْ "یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" لِفَقْرِهِمْ كَبِلَالٍ وَعَمَّارٍ وَصُهَیْبٍ اَیْ یَسْتَهْزِئُوْنَ بِهِمْ وَیَتَعَالَوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْمَالِ "وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا" الشِّرْكَ وَهُمْ هٰؤُلَاءِ "فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" اَیْ رِزْقًا وَّاسِعًا فِی الْاٰخِرَةِ اَوِ الدُّنْیَا بِاَنْ یَّمْلِكَ الْمَسْخُوْرُ مِنْهُمْ اَمْوَالَ السَّاخِرِیْنَ وَرِقَابَهُمْ،

کافروں یعنی اہل مکہ کے کفار کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے۔ اس لئے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور وہ ایمان والوں کا فقر کے سبب مذاق کرتے ہیں، جس طرح حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت صہیب

رضی اللہ عنہم ہیں۔یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے آپ کو مال کی وجہ سے بلند مرتبے والا سمجھتے ہیں۔اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا یعنی شرک وغیرہ سے بچے وہ قیامت کے دن ان پر سر بلند ہوں گے،اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے۔یعنی آخرت میں وسیع رزق یا دنیا وسعت عطا کرتا ہے۔جس کے سبب مذاق کرنے والوں کے مالوں اوران کی گردنوں کا مالک ان لوگوں کو بنا دیتا ہے جن کا مذاق کیا گیا تھا۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۲ کے سبب نزول کا بیان

وہ دنیوی مال و دولت میں مگن رہ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ اور دوسرے فقرائے مہاجرین کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ ملا کر عرب کے سرداروں پر غالب آنے کے خواب دیکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ دنیا کا رزق کامیابی اور اخروی نجات کا کوئی معیار نہیں۔بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں یہ رزق کافروں کو چاہے تو زیادہ بھی دے دیتا ہے۔رہی کامیابی کی بات تو یہی ناتواں اور پرہیزگار لوگ قیامت کے دن جنت میں بلند تر مقامات پر ہوں گے۔

دنیا میں ریشم پہننے والے کیلئے آخرت آگ کے لباس کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ (چاروں صحابہ کرام) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"جس شخص نے دنیا میں (غیر مشروع ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 251)

اس ارشاد گرامی کا تعلق اس شخص سے ہے جو مردوں کے لئے ریشم کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ریشمی کپڑا پہنے یا یہ زجر و تہدید پر محمول ہے اور یا اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایسا شخص ایک خاص مدت تک جنت میں داخل ہونے سے پہلے ریشمی کپڑا پہننے سے محروم رہے گا کیوں کہ جنت میں جنتیوں کا لباس ریشمی ہوگا،اور حافظ سیوطی کے قول کے مطابق اکثر علماء نے اس حدیث کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ جو شخص دنیا میں ریشمی کپڑا پہنے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا جو ابتداء ہی میں جائز المرام قرار پا کر جنت میں جائیں گے چنانچہ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت جویرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حدیث (من لبس الحرير فی الدنيا البسه الله يوم القيمة ثوبا من نار)۔یعنی جس شخص نے دنیا میں ریشمی کپڑا پہنا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ کا لباس پہنائے گا۔

فقر کی فضیلت میں احادیث کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو ایک صاحب سے جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ شریف لوگوں میں

سے ہے، یہ آدمی تو بخدا اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام بھیجے تو نکاح کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک شخص آپ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ: اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: فقیر مسلمانوں میں سے ہے، یہ اس لائق نہیں کہ اس سے نکاح کیا جائے اگر یہ پیغام نکاح بھیجے اور اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر وہ کوئی بات کہے تو اس کی بات بھی نہ سنی جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص ساری دنیا (کے انسانوں) سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری۔ جلد ۲ حدیث نمبر، ۶۰۲۷)

حضرت ابو وائل کا کہتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ہمارا مقصد صرف خدا کی خوشنودی تھا، ہمارا اجر اللہ تعالیٰ ضرور دے گا، ہم میں سے بعض لوگ گزر گئے اور انہیں اس کا کچھ بدلہ اس دنیا میں نہ مل سکا، جن میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو احد کے دن شہید ہوئے، انہوں نے ایک چادر چھوڑی، جب ان کا سر اس سے ڈھکتے تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور جب ان کے پاؤں ڈھکتے تو ان کا سر کھل جاتا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر چھپا دیں اور ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) رکھ دیں، اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کی محنت دنیا میں برآور ہوئی اور وہ اپنی کمائی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ (صحیح بخاری۔ جلد ۲ حدیث نمبر، ۶۰۲۸)

حضرت عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے جنت میں جھانکا تو وہاں اکثر فقیر لوگ نظر آئے اور جہنم میں جھانکا تو وہاں اکثر عورتوں کو پایا، ایوب اور عوف نے اس کی متابعت میں حدیث روایت کی ہے، صخر وحماد بن نجیح نے ابو رجاء سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (صحیح بخاری۔ جلد ۲ حدیث نمبر، ۶۰۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خوان پر کھایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور نہ ہی پتلی چپاتی کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (صحیح بخاری۔ جلد ۲ حدیث نمبر، ۶۰۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور اس وقت ہماری الماری میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو جاندار کے کھانے کے لائق ہو، مگر تھوڑے جو تھے جو کو میری الماری میں تھے، جسے میں بہت دنوں تک کھاتی رہی (ایک دن) میں نے ان کو وزن کیا تو وہ ختم ہو گئے۔ (صحیح بخاری۔ جلد ۲ حدیث نمبر، ۶۰۳۱)

دنیا کے عیش و آرام میں محو متکبر لوگوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں جنتیوں کا بتلا دوں؟ یعنی کیا میں یہ کہوں کہ کون لوگ جنتی ہیں تو سنو ہر وہ ضعیف شخص جنتی ہے جس کو لوگ ضعیف و حقیر سمجھیں اور اس کی کمزوری و شکستہ حالی کی وجہ سے اس کے ساتھ جبر و تکبر کا معاملہ کریں حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ ضعیف و کمزور اللہ کے نزدیک اس قدر اونچا مرتبہ رکھتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کی قسم کو سچا کر دے اور کیا میں تمہیں وہ لوگ بتلا دوں جو دوزخی ہیں؟ تو سنو ہر وہ

شخص دوزخی ہے جو جھوٹی باتوں اور لغو باتوں پر سخت گوئی کرنے والا جھگڑالو ہو مال جمع کرنے والا بخیل ہو، اور تکبر کرنے والا ہو۔ (بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہر وہ شخص دوزخی ہے جو مال کو جمع کرنے والا اور حرام زادہ اور تکبر کرنے والا ہو۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1030)

ہر ضعیف جنتی ہے۔ سے مراد وہ شخص ہے جو نہ تو گھمنڈ اور متکبر ہو اور نہ لوگوں پر جبر و زیادتی کرنے والا ہو۔ لفظ متضعف میں مشہور تو عین پر زبر ہی ہے اور ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن بعض حضرات نے عین کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس لفظ کے معنی متواضع اور کمتر اور گمنام کے ہوں گے۔ ہر ضعیف جنتی ہے سے مراد یہ ہے کہ جنت میں جن لوگوں کی کثرت ہوگی وہ یہی لوگ ہوں گے اس طرح دوسری قسم کے لوگ یعنی دوزخی جن کو قرار دیا ہے سے بھی یہی مراد ہے کہ دوزخیوں کی اکثریت ان ہی لوگوں پر مشتمل ہوگی۔ علماء نے لو اقسم علی اللہ کے معنی بیان کیے ہیں ایک تو یہ کہ اگر وہ شخص اللہ کے لطف و کرم پر اعتماد کر کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھالے تو اللہ اس کو سچا کرتا ہے اور اس کے اعتماد کو پورا کرتا ہے یعنی اس کی قسم ٹوٹتی نہیں بلکہ پوری ہوتی ہے۔ ترجمہ میں اس معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ دوسرے یہ کہ اگر وہ شخص اپنے پروردگار سے کسی چیز کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کو قسم دے کر اپنی مراد پوری ہونے کی دعا کرتا ہے تو پروردگار اس کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور اس کی مراد پوری کرتا ہے اور تیسرے یہ کہ اگر وہ شخص کسی کام کے بارے میں قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کام کو کرے گا یا اس کام کو نہیں کرے گا تو اللہ اس کی قسم کو سچا کرتا ہے یعنی اس طرح کرتا ہے جو اس کی قسم کے مطابق ہوتا ہے۔

زنیم کے معنی کمینہ کے ہیں اور اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی ایسی قوم یا طبقے کی طرف منسوب کرلے جس سے حقیقت میں وہ کوئی تعلق نہیں رکھتا اسی لیے زنیم کا ترجمہ حرام زادہ کیا جاتا ہے چنانچہ عتل اور زنیم کے الفاظ قرآن کریم میں بھی آئے ہیں اور مذکورہ بالا معنی ہی ان میں الفاظ کا مصداق ولید بن مغیرہ کو قرار دیا گیا ہے جو کفار مکہ میں سے نہایت بدظن اور اسلام و پیغمبر اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل یعنی اچھا اور آراستہ ہے اور جمال یعنی اچھائی و آراستگی کو پسند کرتا ہے اور تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1032)

"اللہ تعالیٰ جمیل ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں اور اپنے افعال و قدرت میں اوصاف کاملہ سے موصوف ہے۔ اور تمام ظاہری و باطنی حسن و جمال اسی کے جمال کا عکس ہیں اور جمال و جلال بس اسی کی ذات پاک کا خاصہ ہے بعض حضرات نے جمیل کے معنی آراستہ کرنے والے اور جمال بخشنے والے بیان کیے ہیں، بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جمیل دراصل جلیل کے معنی میں ہے اس صورت میں اللہ جمیل کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام تر نور و بہجت اور حسن و جمال کا مالک ہے نیز بعض حضرات نے یہ معنی بھی

بیان کیے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کا اچھا کارساز ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا یعنی ان کی شکل مردوں کی سی ہوگی لیکن جسم و جثہ چیونٹیوں کی مانند ہوگا اور ہر طرف سے ذلت وخواری کو پوری طرح گھیرے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف کہ جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں اگوں کی آگ ان پر چھا جائے گی۔اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون، پیپ اور کچ لہوان کو پلایا جائے گا۔جس کا نام طینت الخبال ہے۔(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1036)

چھوٹی چیونٹیوں کی طرح" کے اصل مفہوم کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ چیونٹیوں کی تشبیہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ تکبر کرنے والے لوگ قیامت کے دن میدان حشر میں نہایت ذلت خواری کے ساتھ حاضر ہوں گے اور گویا وہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے اس طرح پامال ہوں گے جس طرح چیونٹیوں کو روندا جاتا ہے ان حضرات کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ قیامت کے دن مخلوق کا اٹھنا اور ان کے اجسام کا دوبارہ بننا ان ہی اجزاء اصل کے ساتھ ہوگا جو وہ دنیا میں رکھتے تھے جیسا کہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص میدان حشر میں اپنے اجزاء اعضاء کے ساتھ اٹھ کر آئے گا جن پر دنیا میں اس کا جسم پر مشتمل تھا اور ظاہر ہے کہ چیونٹی کی صورت اس کا جثہ اس جسم و بدن کے اجزاء اصلی کے حامل نہیں ہوسکتا اس لیے حدیث فی الصور مردوں کی صورت میں کے الفاظ بھی اس قول پر دلالت کرتے ہیں۔

ملاعلی قاری نے بھی اس کے بارے میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور پھر تورپشتی کی طرف منسوب کرکے یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس حدیث کے ظاہری معنی اس لیے مراد لیتے نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ قیامت کے دن دوبارہ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں تو ان کے جسم و بدن ان ہی اجزاء پر مشتمل ہوں گے جن پر دنیا میں ان کے جسم تھے۔یہاں تک کہ ان کے عضو تناسل کی کھال کا وہ حصہ بھی لگا دیا جائے گا جو ختنہ کے وقت کاٹا جاتا ہے گویا سارے لوگ غیر مختون اٹھیں گے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان کے جسم کے سارے اجزاء یہاں تک کہ ناخن اور بال وغیرہ بھی ایک چنوٹنی کے جثہ کے برابر ہو جمع ہوجائیں۔

آخر میں ملاعلی قاری نے تورپشتی کے مذکورہ قول کے مخالفین کے جواب بھی نقل کیے ہیں اور ان پر شک کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسم کو بھی دوبارہ بنائے گا۔اور وہ بھی اپنے تمام اجزاء معدومہ کے ساتھ اپنے پورے جسم میں اٹھ کر آئیں گے تا کہ ہر ایک کی دوبارہ جسمانی تخلیق کی قدرت پوری طرح ثابت ہوجائے لیکن پھر ان لوگوں کو میدان حشر میں مذکورہ جسم وصورت میں تبدیل کردے گا یعنی ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح ہوجائیں گے اور ان کی صورت مردوں کی سی رہے گی اور یہ تبدیلی جسم اس لیے ہوگی کہ تا کہ ان کی ذلت واہانت پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہوجائے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب مذکورہ لوگ حساب وکتاب کی جگہ آئیں گے اور ان کے سامنے عذاب الٰہی کی نشانیاں ظاہر ہوں گی تو اس وقت وہ ہیبت ودہشت کے سبب اس

قدر گھٹ جائیں گے کہ ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح معلوم ہوں گے اور اہل دوزخ کا اپنی اپنی حالتوں اور گناہوں کے اعتبار سے مختلف صورتوں جیسے کتے سور، گدھے، وغیرہ کی شکلوں میں تبدیل ہو جانا مختلف منقولات سے ثابت ہے۔

لفظ بولس "باء کے زبر، واؤ کے جزم اور لام کے زبر کے ساتھ، اور قاموس میں لکھا ہے کہ یہ لفظ با کے پیش کے اور لام کے زیر کے ساتھ ہے جو بلس سے مشتق ہے اور جس کے معنی تحیر اور ناامیدی کے ہیں شیطان کا نام ابلیس بھی اسی سے مشتق ہے۔

" آگوں کی آگ میں " کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے آگ کی نسبت کسی ایسی چیز کی طرف کی جائے جس کو آگ جلا دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ آگ اس طرح کی ہوگی کہ وہ خود آگ کو لکڑی کی طرح جلائے گی۔

طینة الخبال میں لفظ خبال خاء کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کے لغوی معنی فساد اور خرابی کے ہیں اور جیسا کہ حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ 'طینة الخبال، ان دوزخ کے عصارہ کا نام ہے اور عصارہ اس پیپ، خون، اور کچ لہو کو کہتے ہیں جو دوزخیوں کے زخموں سے بہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے لوگوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کو ذلت وحقارت کی نظر میں دیکھتا ہے اور جو شخص لوگوں کے ساتھ تکبر و غرور کرتا ہے اللہ اس کے مرتبہ کو گرا دیتا ہے چنانچہ وہ لوگوں کی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے لیکن اپنی نظر میں خود کو بلند مرتبہ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے یا سور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1042)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف اُنہوں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے آپس میں سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے، اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے،

اختلاف کے سبب سابقہ قوموں کی ہلاکت کا بیان

"كَانَ النَّاس اُمَّة وَاحِدَة " عَلَى الْاِيْمَان فَاخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْض وَكَفَرَ بَعْض "فَبَعَثَ اللّٰه النَّبِيِّيْنَ "

اِلَیْھِمْ "مُبَشِّرِیْنَ" مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّۃِ "وَمُنْذِرِیْنَ" مَنْ کَفَرَ بِالنَّارِ "وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتَابَ" بِمَعْنَی الْکُتُبِ "بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ "لِیَحْکُمَ" بِہٖ "بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ" مِنَ الدِّیْنِ "وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ" اَیِ الدِّیْنِ "اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ" اَیِ الْکِتَابَ فَاٰمَنَ بَعْضٌ وَکَفَرَ بَعْضٌ "مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تْھُمُ الْبَیِّنَاتُ" الْحُجَجُ الظَّاھِرَۃُ عَلَی التَّوْحِیْدِ وَمِنْ مُتَعَلِّقَۃٌ بِاخْتَلَفَ وَھِیَ وَمَا بَعْدَھَا مُقَدَّمٌ عَلَی الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْمَعْنٰی "بَغْیًا" مِنَ الْکَافِرِیْنَ "بَیْنَھُمْ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنْ" لِلْبَیَانِ "الْحَقِّ بِاِذْنِہٖ" بِاِرَادَتِہٖ "وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" ھِدَایَتَہٗ "اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" طَرِیْقِ الْحَقِّ،

لوگ ایک دین پر تھے۔ یعنی ایمان پر ایک ہی امت تھے۔ اس کے بعد اختلاف کر گئے اس طرح کہ ان میں سے بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے ان کی طرف انبیاء بھیجے جو جنت کی خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے یعنی جس نے جہنم کا کفر کیا۔ اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری۔ کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے یعنی دین میں اور کتاب میں اختلاف اُنہوں نے ڈالا یعنی دینی معاملات میں، جن کو دی گئی تھی بعد اس کے یعنی بعض کتاب پر ایمان لائے اور بعض کا انہوں نے انکار کیا۔ کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے۔ یعنی توحید پر ظاہری دلائل آچکے ہیں۔ اور یہاں من اختلف کے متعلق ہے۔ وہ اور اس کا مابعد استثناء میں مقدم ہے۔ میں آپس میں سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے۔ اپنے حکم سے، اور اللہ جسے، چاہے سیدھی راہ پر چلا دے۔ یعنی صراط مستقیم جو حق کا راستہ ہے۔

گمراہی کی طرف لے جانے والے اختلاف کی مذمت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک (متشابہ) آیت میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لائے (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے پہلے کے لوگ کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 149)

اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے قلوب شک میں گرفتار ہوں، یا ایمان میں کمزوری پیدا ہو اور آپس میں فتنہ وفساد اور دشمنی کا سبب نیز کفر و بدعت کا باعث ہو، جیسے نفس قرآن میں اختلاف کرنا، اس کے معنی و مطالب میں فرق پیدا کرنا، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ اختلاف کرنا صحیح ہے، ہاں علمائے مجتہدین کے اختلاف صحیح ہیں جو اللہ کی رحمت کا باعث اور دین و شریعت میں وسعت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اس طرح کا اجتہادی اختلاف جو فائدہ مند ہے، منقول ہے جو جائز تھا اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل کا استنباط ہوا اور امت ان سے منتفع ہوگئی۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت نہیں بیتی جو تم سے پہلے گزر چکے، انہیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا کہ پیغمبر اور ان کے ایمان والے ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

دین کیلئے سختیاں برداشت کرنے کا بیان

ونزل فی جهد أصاب المسلمين "اَمْ" بَلْ اَ "حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا" لَمْ "يَاْتِكُمْ مَثَل" شِبه مَا اَتَى "الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ" مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْمِحَنِ فَتَصْبِرُوْا كَمَا صَبَرُوْا "مَسَّتْهُمْ" جُمْلَة مُسْتَاْنَفَة مُبَيِّنَة مَا قَبْلهَا "الْبَاْسَاء" شِدَّة الْفَقْر "وَالضَّرَّاء" الْمَرَض "وَزُلْزِلُوْا" اُزْعِجُوْا بِاَنْوَاعِ الْبَلَاء "حَتّٰى يَقُوْل" بِالنَّصْبِ وَالرَّفْع اَىْ قَالَ : "الرَّسُوْل وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" اسْتِبْطَاء لِلنَّصْرِ لِتَنَاهِى الشِّدَّة عَلَيْهِمْ "مَتٰى" "مَتٰى يَاْتِى "نَصْر اللّٰه" الَّذِىْ وُعِدْنَاهُ فَاُجِيبُوا مِنْ قِبَل اللّٰه "اَلَا اِنَّ نَصْر اللّٰه قَرِيْب" اِتْيَانه،

یہ آیت مسلمانوں کو پہنچنے والی مشقت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت نہیں بیتی جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے، یعنی مومنین جو مشقت میں پڑے لہٰذا تم صبر کرو جس طرح انہوں نے صبر کیا۔ انہیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انہیں ہلا ڈالا گیا اور مستھم یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ماقبل کیلئے بیان ہے۔ اور یہاں بأساء کا معنی شدت فقر ہے اور ضراء کا معنی مرض ہے۔ اور زلزلوا سے مراد مختلف مصائب سے ہلا دیئے جاؤ گے۔ اور یقول یہ نصب اور رفع دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ کہ پیغمبر اور ان کے ایمان والے ساتھی پکار اٹھے یعنی مدد کو طلب کرنے کیلئے تا کہ سخت ان سے دور ہو، کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تو انہیں اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت غزوہ احزاب کے متعلق نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کو سردی اور بھوک وغیرہ کی سخت تکلیفیں پہنچی تھیں اس میں انہیں صبر کی تلقین فرمائی گئی اور بتایا گیا کہ راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنا قدیم سے خاصان خدا کا معمول رہا ہے۔ ابھی تو تمہیں پہلوں کی سی تکلیفیں پہنچی بھی نہیں ہیں بخاری شریف میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سایہ کعبہ میں اپنی چادر مبارک سے تکیہ کئے ہوئے تشریف فرما تھے ہم نے حضور سے عرض کی کہ حضور ہمارے لئے کیوں دعا نہیں فرماتے ہماری کیوں مدد نہیں کرتے فرمایا تم سے پہلے لوگ گرفتار کئے جاتے تھے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں دبائے جاتے تھے آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر ڈالے جاتے تھے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت نوچے جاتے تھے اور ان میں کی کوئی مصیبت انہیں ان کے دین سے روک نہ سکتی تھی۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○
آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور
یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے اور جو بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

نیک جگہوں پر مال کو خرچ کرنے کا بیان

"يَسْاَلُوْنَكَ" يَا مُحَمَّدُ "مَاذَا يُنْفِقُوْنَ" اَىْ الَّذِىْ يُنْفِقُوْنَهٗ وَالسَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ وَكَانَ شَيْخًا ذَا مَالٍ فَسَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَعَلٰى مَنْ يُّنْفِقُ "قُلْ" لَهُمْ "مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ" بَيَانٌ لِمَا شَامِلٌ لِلْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَفِيْهِ بَيَانُ الْمُنْفَقِ الَّذِىْ هُوَ اَحَدُ شِقَّىِ السُّؤَالِ وَاَجَابَ عَنِ الْمَصْرِفِ الَّذِىْ هُوَ الشِّقُّ الْاٰخَرُ بِقَوْلِهٖ : "فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ" اَىْ هُمْ اَوْلٰى بِهٖ "وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ" اِنْفَاقٍ اَوْ غَيْرِهٖ "فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ" فَمُجَازٍ عَلَيْهِ،

یا محمد ﷺ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، یہاں پر ماذا یہ الذی کے معنی میں ہے۔ اور سائل عمرو بن جموع ہے جو بوڑھے مالدار تھے۔ تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو یہاں من بیانیہ ہے جو قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے۔ اور اس میں خرچ کرنے والے کیلئے دونوں شقوں میں سے پہلی شق کے سوال کا جواب یہ ہے وہ مصرف جہاں خرچ کرنا ہے۔ اور دوسری شق کا جواب اس قول سے ہے۔ تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے یعنی ان پر خرچ کرنا افضل ہے۔ اور جو بھلائی کرو یعنی خرچ وغیرہ میں سے، بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔ پس وہ اس کا اجر دے گا۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۵ کے مضمون نزول کا بیان

مقاتل فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے، سدی کہتے ہیں اسے آیت زکوۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں تم انہیں کہہ دو کہ ان

لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔حدیث میں ہے کہ اپنی ماں سے سلوک کراور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر اور قریبی اور قریبی لوگوں سے یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کیا اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص زمین کے ایک حصے جنگل میں کھڑا تھا کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر پھر وہ ابر ایک طرف چلا اور ایک جگہ پتھریلی زمین پر پانی برسانے لگا۔اور وہ تمام پانی ان نالیوں میں سے کہ جو اس زمین میں تھیں ایک نالی میں جمع ہونے لگا پھر وہ پانی اس نالی کے ذریعے ایک طرف بہنے لگا تو وہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔تا کہ یہ دیکھے کہ جس شخص کے باغ میں یہ پانی جا رہا ہے وہ کون ہے؟ ناگہاں اس شخص نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کھیت میں کھڑا بیلچہ کے ذریعے اس پانی کو باغ کے درختوں میں پھیلا رہا تھا اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے تمہارا کیا نام ہے؟؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں نام ہے اور اس نے وہی نام بتایا جو اس ابر میں سے سنا تھا۔پھر باغ والے نے اس شخص سے پوچھا کہ بندہ خدا تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں جس ابر کا یہ پانی ہے اس ابر میں میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا اس ابر سے یہ کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر اور وہ نام تمہارا ہی تھا اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیا بھلائی کرتے ہو جس کی وجہ سے تم اس فضیلت اور بزرگی سے نوازے گئے ہو باغ والے نے کہا کہ چونکہ اس وقت تم پوچھ رہے ہو اس لیے میں بھی تم سے بتائے دیتا ہوں کہ اس باغ کی جو کچھ پیداوار ہوتی ہے پہلے میں اسے دیکھتا ہوں پھر اس میں سے ایک تہائی تو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں۔ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 375)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہاں اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو کہ کتنا خرچ کروں اور کیا خرچ کروں نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں شمار کرے گا (یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ختم کر کے تمہارا رزق کم کر دے گا بایں طور کہ اسے ایک معدودع ومحدود چیز کی مانند کر دے گا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال وزر کے بارے میں تم سے محاسبہ کرے گا اور جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہوا سے حاجت مندوں سے روک کر نہ رکھو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں اپنی زائد عطاء وبخشش روک لے گا، نیز یہ کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 359)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں نا گوار ہے۔ اور قریب ہے۔ کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جہاد کی فرضیت کا بیان

"كُتِبَ" فُرِضَ "عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ" لِلْكُفَّارِ "وَهُوَ كُرْهٌ" مَكْرُوْهٌ "لَكُمْ" لَكُمْ طَبْعًا لِمَشَقَّتِهِ "وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ": لِمَيْلِ النَّفْسِ اِلَى الشَّهَوَاتِ الْمُوجِبَةِ لِهَلَاكِهَا وَنُفُورِهَا عَنِ التَّكْلِيفَاتِ الْمُوجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِي الْقِتَالِ وَاِنْ كَرِهْتُمُوهُ خَيْرًا لِاَنَّ فِيهِ اِمَّا الظَّفَرَ وَالْغَنِيمَةَ اَوِ الشَّهَادَةَ وَالْاَجْرَ وَفِي تَرْكِهِ وَاِنْ اَحْبَبْتُمُوهُ شَرًّا لِاَنَّ فِيهِ الذُّلَّ وَالْفَقْرَ وَحِرْمَانَ الْاَجْرِ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ" مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ "وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" ذٰلِكَ فَبَادِرُوا اِلَى مَا يَاْمُرُكُمْ بِهِ،

تم پر جہاد فرض ہوا یعنی اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنا اور وہ تمہیں نا گوار ہے۔ ممکن ہے کہ ایک تم میں سے ایک گروہ اس کی مشقت کے سبب اس کو پسند نہ کرے، اور قریب ہے۔ کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے، کیونکہ نفس ایسی شہوات کی طرف مائل کرنے والا ہے جو ہلاکت کو واجب کرنے والی ہیں اور سعادت کو واجب کرنے والی تکالیف سے نفس کا نفرت کرنا، تا کہ تم جہاد کرو اگر چہ تم مشکل لگے اور خیر سے مراد اس میں کامیابی، غنیمت یا شہادت اور اجر ہے اور اس کو چھوڑ دینے میں اگر چہ تمہیں ایسا پسند ہو تمہارے لئے برائی ہے۔ کیونکہ اس میں ذلت اور فقر اور ثواب سے محروم ہونا ہے۔ اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ لہٰذا تم اسی جانب آؤ جس کی طرف تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

جہاد کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان

- امام راغب اصفہانی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جہد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا "(الجهاد استفراغ الوسع في مدافعة العدو) . جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔"

اصطلاح شریعت میں "جہاد کا مفہوم ہے۔" کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل وتدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے

میں اسلامی لشکر کی معانت وحمایت کی جائے۔ (المفردات، بتصرف)

جہاد کے معنیٰ ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کردینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنیٰ نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قِتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جھاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے، جو ہر وقت اپنے مقصد کی دُھن میں لگا ہو، دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچے، زبان وقلم سے اسی کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اسی کے لیے دَوڑ دُھوپ اور محنت کرے، اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صَرف کردے، اور ہر اس مزاحمت کا پُوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے، حتّٰی کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی دریغ نہ کرے۔ اس کا نام ہے جہاد۔ اور جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اُس کی زمین پر قائم ہو اور اللہ کا کلمہ سارے کلموں پر غالب ہو جائے۔ اس کے سوا اور کوئی غرض مجاہد کے پیشِ نظر نہ ہو۔

احادیث کے مطابق فرضیت جہاد کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا اپنے والدین کی خدمت کرنا میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھا اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو آپ اور زیادہ مجھے بتادیتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 51)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی ہاں جہاد اور نیک نیتی کا ثواب ملتا ہے اگر تم جہاد کیلئے طلب کئے جاؤ تو فوراً کمر بستہ ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 52)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار رسول اللہ میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ سب لوگوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو، پھر صحابہ نے عرض کیا، اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو، اور وہیں خدا کی عبادت کرتا ہو، اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 55)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرمادیں: اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے، اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر طاقت پاسکیں، اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے دنیا وآخرت میں اعمال برباد ہو جائیں گے، اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مشرکین کا مسلمانوں سے ہمیشہ لڑتے رہنے کا بیان

وَاَرْسَلَ النَّبِیّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّل سَرَايَاهُ وَعَلَيْهَا عَبْد اللّٰه بْن جَحْش فَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتَلُوا ابْن الْحَضْرَمِيّ اٰخِر يَوْم مِنْ جُمَادَى الْاٰخِرَة وَالْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمْ الْكُفَّار بِاسْتِحْلَالِهِ فَنَزَلَ: "يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَام" الْمُحَرَّم "قِتَال فِيْهِ" بَدَل اشْتِمَال "قُلْ" لَهُمْ "قِتَال فِيْهِ كَبِيْر" عَظِيْم وِزْرًا مُبْتَدَا وَخَبَر "وَصَدّ" مُبْتَدَا مَنْع لِلنَّاسِ "عَنْ سَبِيْل اللّٰه" دِيْنه "وَكُفْر بِهِ" بِاللّٰهِ "و" صَدّ عَنْ "الْمَسْجِد الْحَرَام" اَیْ مَكَّة "وَاِخْرَاج اَهْله مِنْهُ" وَهُمْ النَّبِیّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَخَبَر الْمُبْتَدَا "اَكْبَر" اَعْظَم وِزْرًا "عِنْد اللّٰه" مِنَ الْقِتَال فِيْهِ "وَالْفِتْنَة" الشِّرْك مِنْكُمْ "اَكْبَر مِنَ الْقَتْل" لَكُمْ فِيْهِ "وَلَا يَزَالُوْنَ" اَیْ الْكُفَّار "يُقَاتِلُوْنَكُمْ" اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ "حَتّٰى" كَیْ "يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ" اِلَى الْكُفْر "اِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنه فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِر فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ" بَطَلَتْ "اَعْمَالهمْ" الصَّالِحَة "فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة" فَلَا اعْتِدَاد بِهَا وَلَا ثَوَاب عَلَيْهَا وَالتَّقَيُّد بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيد اَنَّهُ لَوْ رَجَعَ اِلَى الْاِسْلَام لَمْ يَبْطُل عَمَله فَيُثَاب عَلَيْهِ وَلَا يُعِيدهُ كَالْحَجّ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیّ "واُولئك اَصحاب النار هم فيها خالدون"

اور جب نبی کریم ﷺ نے پہلا سرایا بھیجا اور اس میں عبداللہ بن جحش تھے۔ جنہوں نے مشرکین سے قتال کیا اور جمادی الثانی کے آخری دن ابن حضرمی کو قتل کر دیا تو ان پر رجب کا اشتباہ ہوگیا جس کے سبب کافروں نے حرمت والے مہینے کی حلت پر عار دلائی تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، قتال فیہ ''عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ'' سے بدل اشتمال ہے۔ فرمادیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے۔ بڑا گناہ یہ یہاں مبتداء وخبر ہے۔ اور صد کا معنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا یعنی اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا یعنی مکہ سے اور وہاں کے رہنے والوں کو

وہاں سے نکالنا یعنی نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھ اہل ایمان اور یہ مبتداء کی خبر ہے۔اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے، یعنی زیادہ سزا ہوگی۔اور یہ فتنہ انگیزی یعنی شرک قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے اور یہ کافر تم سے ہمیشہ ایمان والوں سے جنگ جاری رکھیں گے۔یہاں حتیٰ کی کے معنی میں ہے۔یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے کفر کی طرف پھیر دیں اگر طاقت پاسکیں، اورتم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے دنیا و آخرت میں اعمال برباد ہوجائیں گے،لہٰذا وہ عمل شار نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر ثواب ہوگا اور کفر پر موت کی قید کو اس لئے بیان کیا ہے۔کہ اگر کوئی شخص اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کا عمل باطل نہ ہوگا پس اس کو اس کا ثواب دیا جائے گا۔اور وہ عمل لوٹائے گا نہیں جس طرح حج وغیرہ ہے۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہی ہے۔اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۷ کے شان نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ فرمائی تھی اس نے مشرکین سے قتال کیا ان کا خیال تھا کہ وہ روز جمادی الاخریٰ کا آخر دن ہے مگر درحقیقت چاند ۲۹ کو ہوگیا تھا اور رجب کی پہلی تاریخ تھی اس پر کفار نے مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم نے ماہ حرام میں جنگ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال ہونے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرمی کا غلطی سے قتل ہوجانے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبی پڑھا اور کہا میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوگئے آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ کی یہ جماعت وہاں واپس ہوئی اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری۔(ابن ابی حاتم)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اعلائے دین کیلئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا بیان

وَلَمَّا ظَنَّ السَّرِيَّةُ اَنَّهُمْ اِنْ سَلِمُوْا مِنَ الْاِثْمِ فَلَا يَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرٌ نَزَلَ : "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا" فَارَقُوْا اَوْطَانَهُمْ "وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" لِاِعْلَاءِ دِيْنِهِ "اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ" ثَوَابَهُ "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ" لِلْمُؤْمِنِيْنَ "رَحِيْمٌ" بِهِمْ،

اور جب اہل سریہ کو یہ گمان ہوا کہ اگر چہ وہ گناہ سے بچ نکلے ہیں لیکن ان کو اس جہاد کا ثواب حاصل نہ ہوسکے گا تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی یعنی جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں دین کی بلندی کیلئے جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، یعنی اس کے ثواب کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ مومنوں کو بڑا بخشنے والا، ان کے ساتھ مہربان ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۱۸ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں جو مجاہدین بھیجے گئے تھے ان کی نسبت بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ انہیں خبر نہ تھی کہ یہ دن رجب کا ہے اس لئے اس روز قتال کرنا گناہ تو نہ ہوا لیکن اس کا کچھ ثواب بھی نہ ملے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ ان کا یہ عمل جہاد مقبول ہے اور اس پر انہیں امیدوار رحمت الٰہی رہنا چاہئے اور یہ امید قطعاً پوری ہوگی۔ (تفسیر خازن، بقرہ ۲۱۸، بیروت)

اللہ کی رضا کیلئے ہجرت کرنے کا باعث ثواب ہونے کا بیان

علقمہ بن وقاص لیثی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ اسے پائے گا، یا کسی عورت کے لئے ہو، کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار ہوگی جس کے لئے ہجرت کی ہو۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے، اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

شراب اور جوئے کے بارے میں احکام شرعیہ کا بیان

"يَسْـأَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ" اَلْقِمَار وَمَا فِيْ حُكْمِهِمَا "قُلْ" لَهُمْ "فِيْهِمَا" اَيْ فِيْ تَعَاطِيْهِمَا "إِثْمٌ كَبِيْرٌ" عَظِيْم وَفِيْ قِرَاءَة بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُل بِسَبَبِهِمَا مِنْ الْمُخَاصَمَة وَالْمُشَاتَمَة وَقَوْل الْفُحْش "وَمَنَافِع لِلنَّاسِ" بِاللَّذَّةِ وَالْفَرَح فِي الْخَمْر وَاِصَابَة الْمَال بِلَا كَدّ فِي الْمَيْسِر "وَاِثْمهمَا" اَيْ مَا يَنْشَأ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِد "اَكْبَر" اَعْظَم "مِنْ نَفْعهمَا" وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَا قَوْم وَامْتَنَعَ عَنْهَا آخَرُوْنَ اِلَّا اَنْ حَرَّمَتْهَا آيَة الْمَائِدَة "وَيَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ" اَيْ مَا قَدْره "قُلْ" اَنْفِقُوا "الْعَفْو" اَيْ الْفَاضِل عَنْ الْحَاجَة وَلَا تُنْفِقُوا مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ وَتُضَيِّعُوا اَنْفُسكُمْ وَفِيْ قِرَاءَة بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ هُوَ "كَذٰلِكَ" اَيْ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ "يبين الله لكم الآيات لعلكم تتفكرون"

آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں، اور جو ان دونوں کے حکم میں ہے۔ آپ ﷺ ان دونوں کے بارے میں فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور ایک قرأت میں کبیر یہ ثائے مثلثہ کے ساتھ یعنی کثیر آیا ہے۔ یعنی ان دونوں کی وجہ سے جھگڑا، گالی اور بے حیائی کی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اور لوگوں کے لئے کچھ دنیوی فائدے بھی ہیں یعنی شراب میں لذت وسرور حاصل ہوتا ہے جبکہ جوئے میں بغیر کسی کمائی کے مال مل جاتا ہے۔ مگر ان دونوں کا گناہ یعنی جس مفاسد کھلتے ہیں، ان کے نفع سے بڑھ کر ہے، اور جب آیت نازل ہوئی تو ایک قوم شراب پیتی رہی اور ایک قوم رک گئی حتیٰ کہ سورہ مائدہ کی آیت نے شراب کو حرمت کو بیان کر دیا۔ اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ یعنی کتنی مقدار خرچ کریں؟ فرما دیں، جو ضرورت سے زائد ہے، اور جس کی تم کو ضرورت ہو اس کو خرچ نہ کرو اور تم اپنے لئے مال کو ضائع نہ کرو۔ اور ایک قرأت میں عفو ھو کی تقدیر پر رفع کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

امام راغب اصبہانی لکھتے ہیں کہ یہاں پر کلمہ "اثم" اپنے مقابل "منافع" کے قرینے سے نقصان کے معنی میں ہو سکتا ہے۔

شراب اور قمار انسان کے ایمان میں سستی ایجاد کرتے ہیں اور انسان کو کارِ خیر اور ثواب سے باز رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔

قل فیھما اثم کبیر "الاثم" اسم للافعال المبطئة عن الثواب (مفردات راغب) اثم "ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب سے دوری اور باز رکھنے کا باعث بنتے ہیں"۔ شراب خوری اور قمار بازی گناہان کبیرہ میں سے ہیں۔ "اثم" کے معنی گناہ اور ایسے کام کے ہیں، جس کا انجام دینا حرام ہو۔ (القاموس المحیط)

سورہ بقرہ آیت ۲۱۹ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ دینے کی رغبت دلائی تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ مقدار ارشاد فرمائیں کتنا مال راہِ خدا میں دیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن، سورہ بقرہ ۲۱۹، بیروت)

خمر (شراب) کا فقہی مفہوم

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال یعنی جس کو پینے سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں خمر کے معنی ہیں ڈھانپنا چھپانا، خلط کرنا اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط وخبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہا گیا۔

احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد سزا میں کھجور کی ٹہنیوں چھڑیوں اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکر نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔" (بخاری، مسلم) اور روایت میں حضرت انس ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 763)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زانی زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور نہ شراب پینے والا شراب پیتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ چوری کرنے والا چوری کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ اچکا اچکنے کے وقت جب لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھاتے ہیں مومن رہتا ہے، اور ابن شہاب سے بواسطہ سعید بن مسیب وابوسلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے مگر اس میں نہبہ کا لفظ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1690)

شرابی کی حد میں اسی کوڑوں پر اجماع صحابہ کرام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں نشے کی حالت میں پائے جانے والے شخص کو جسے کسی بھی چیز سے نشہ ہوا ہو اسے چالیس کوڑے مارتے تھے، لیکن اپنی خلافت کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص واقعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اس جرم کی سزا اسی کوڑے جاری کر دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے ابوافرہ کلبی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے اور ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوافرہ کلبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ بکثرت مے نوشی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب بیٹھے ہیں ان سے دریافت کر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا اسی (80) کوڑے مقرر کر دیں کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہوتا ہے اور نشہ میں ہذیان بکتا ہے اور لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اسی لیے تہمت کی سزا ہی شراب نوشی کی سزا مقرر کر دیں جو کہ 80 کوڑے ہے۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا 80 کوڑے مقرر کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے بھی 80 کوڑے مقرر کی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب نوش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیوں کے چالیس جوڑے مروائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر کیا۔ شراب نوشی کے ساتھ اگر کوئی اور جرم بھی جمع ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکی سزا بھی حد کے ساتھ جمع کر دیتے، جیسے انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن پر حد کے ساتھ تعزیر بھی جمع کی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے دوران مے نوشی پر ایک شخص کو اسی درے شراب نوشی کے اور بیس کوڑے رمضان کی بے حرمتی کے بھی لگائے۔ جو شخص جتنی مرتبہ شراب پئے گا اتنی مرتبہ ہی اس پر حد جاری کی جائے گی۔ چنانچہ ابو محجن ثقفی نے آٹھ مرتبہ شراب پی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر آٹھ مرتبہ ہی حد جاری فرمائی۔

شرابی پر اس وقت حد جاری ہوگی جب اسکا نشہ اتر جائے گا اور کوڑے جو مارے جائیں گے وہ زیادہ شدید نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہلکے لیکن درد پہنچانے والے ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب چڑھائی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو تیرے ساتھ کوئی نرمی نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسے مطیع بن اسود عدوی کے پاس بھیج دیا گیا اور ان سے کہا کہ اگلے دن صبح اس پر مے نوشی کی حد جاری کر دینا۔ چنانچہ اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود گئے تو دیکھا کہ وہ اس مے نوش کو سخت قسم کے کوڑے مار رہے ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کتنے مارے جا چکے ہیں جواب دیا کہ ساٹھ، حضرت عمر نے حکم دیا اس کوڑے کی شدت کے

سب باقی ہیں چھوڑ دو۔ شراب نوشی کی حد میں چالیس کی بجائے اسی کوڑوں کا تقرر چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا اس لیے بعض فقہاء ان اضافی چالیس دروں کو تعزیر کا مقام دیتے ہیں تاہم جمہور علمائے امت کل اسی کی تعداد کو ہی حد گردانتے ہیں کیونکہ اس تعداد پر صحابہ کرام کا اجماع واقع ہوا ہے اور جس مقدس گروہ سے جمع وتدوین قرآن میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہوا تو کیا اس گروہ سے دیگر معاملات میں غلطی کے احتمال کے امکان سے قرآن مجید کی صحت مشکوک ہوسکتی ہے۔

قمار کے فقہی مفہوم کا بیان

واضح رہے کہ کسی چیز کی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں رقم کی شرط باندھنا دراصل قمار یعنی جوئے کا مفہوم ہے، کیونکہ اس صورت میں ملکیت بھی مشتبہ رہتی ہے اور نفع ونقصان کے درمیان بھی شک رہتا ہے اور قمار کے یہی معنی ہیں ہاں اگر کسی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں امیر وحاکم یا کسی اور تیسرے شخص کی طرف سے کسی رقم یا کسی مال کی شرط باندھی جائے مثلاً وہ (امیر وحاکم یا تیسرا شخص) یہ کہے کہ ان دونوں مقابل میں سے جو شخص آگے بڑھ جائے گا یا جو شخص جیت جائے گا میں اس کو اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح دونوں مقابل میں سے صرف کسی ایک کی جانب سے کی رقم یا مال کی شرط باندھی جائے مثلاً ان میں سے کوئی ایک یوں کہے کہ "اگر تم مجھ سے آگے بڑھ گئے یا میرے مقابلہ پر جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا اور اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں کچھ نہ دینا ہوگا۔" تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ناجائز تو اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں کی طرف سے بازی لگے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دینی ہوگی اور اگر تم آگے بڑھ گئے یا جیت گئے تو میں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا۔" کیونکہ حقیقت میں یہی قمار یعنی جوا ہے لیکن یہ صورت بھی اس طرح سے جائز ہوسکتی ہے۔ جب کہ دونوں کے درمیان "محلل" شامل ہوجائے۔

قمار کے جوا ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے تو اگر وہ گھوڑا ایسا ہے کہ (جس کے تیز رو ہونے کی وجہ سے) اس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ (ان دونوں گھوڑوں سے) آگے نکل جائے گا تو اس میں بھلائی نہیں ہے اور اگر یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو پھر اس میں مضائقہ نہیں۔

(شرح السنۃ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 988)

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے یعنی جس کے بارے میں یہ یقین نہیں ہے کہ اگر وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار جوا نہیں ہے اور اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا ایسا گھوڑا شامل کرے جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار ہے۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

دنیا اور آخرت (دونوں کے معاملات) میں (رہے)، اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرمادیں: ان کے معاملات کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

یتیموں کے اموال سے متعلق احکام شرعیہ کا بیان

"فِی" اَمْر "الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة" فَتَاْخُذُوْنَ بِالْاَصْلَحِ لَكُمْ فِیْهِمَا، "وَیَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتَامٰی" وَمَا یَلْقَوْنَهُ مِنَ الْحَرَجِ فِیْ شَاْنِهِمْ فَاِنْ وَاكَلُوْهُمْ یَاْثَمُوْا وَاِنْ عَزَلُوْا مَا لَهُمْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَصَنَعُوْا لَهُمْ طَعَامًا وَّحْدَهُمْ فَحَرَجٌ "قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ" فِیْ اَمْوَالِهِمْ بِتَنْمِیَتِهَا وَمُدَاخَلَتِكُمْ "خَیْر" خَیْر مِنْ تَرْكِ ذٰلِكَ "وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ" اَیْ تَخْلِطُوْا نَفَقَتَكُمْ بِنَفَقَتِهِمْ "فَاِخْوَانُكُمْ" اَیْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمِنْ شَاْنِ الْاَخِ اَنْ یُّخَالِطَ اَخَاهُ اَیْ فَلَكُمْ ذٰلِكَ "وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ" لِاَمْوَالِهِمْ بِمُخَالَطَتِهِ "مِنَ الْمُصْلِحِ" بِهَا فَیُجَازِیْ كُلًّا مِّنْهُمَا "وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ" لَضَیَّقَ عَلَیْكُمْ بِتَحْرِیْمِ الْمُخَالَطَة "اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ" غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ "حَكِیْم" فِیْ صُنْعِهٖ،

دنیا و آخرت دونوں کے معاملات میں تم اصلاح غور وفکر کر کے اصلاح کرو۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، یعنی یتیموں کو پیش آنے والی پریشانی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ان اموال ملا کر کھاتے ہیں تو گناہگار ہوتے ہیں اور اگر کے اموالوں کو الگ کرتے ہیں تو بھی حرج لازم آتا ہے۔ فرمادیں ان کے اموال کو ساتھ ملا کر معاملات کا سنوارنا بہتر ہے، اس بات سے کہ تمہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اور اگر انہیں اپنے ساتھ ملا لو یعنی ان کے نفقہ کو اپنے نفقہ کے ساتھ، تو وہ بھی تمہارے دینی بھائی ہیں، اور بھائی کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ساتھ ملائے۔ اور اللہ خرابی کرنے والے کو یعنی مال ملا کر، بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے، لہٰذا وہ ان دونوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو آپس میں مال کو ملانے کی حرمت بیان کر کے تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بیشک اللہ اپنے حکم میں بڑا غالب، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

یتیم کے مال میں میں تصرف کرنے کا بیان

اور جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہوگئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے

ہی ان کے مال کو ختم کر دیں ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خود امیر ہو کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے، مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے، ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بیشک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے اپنی حاجت کو دیکھیئے اور اپنی محنت کو اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے، پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے۔ امام شافعی کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے، اس لئے کہ آیت میں بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لاسکتا بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا نہ جمع کر نہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے، ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے،

ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر، حضرت ابن عباس سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفہ دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کی کو تو ڈھونڈ لاتا ہے ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے، (موطا مالک)

حضرت عطاء بن رباح حضرت عکرمہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عطیہ عوفی حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تنگ دستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھالے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا)

یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کو اسناد صحیح ہے، بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے، ابن عباس سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو

جانے کے لائق ہی خرچ کرے تا کہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے،

حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھالے لیکن پھر ادا کرنا ہوگا، یحییٰ بن سعید انصار اور ربیعہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا، لیکن عبارت یہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو وہ کچھ نہ لے، یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو، دوسری آیت میں ہے آیت (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّه) 6 ۔ الانعام:152) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو، تا کہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے، یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا تباہ و برباد کیا جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا، ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا نگران و نگہبان کو ہے،

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے ابوذر میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں خبردار ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء، ۵)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؀
اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

شرک کے مانع نکاح ہونے کا بیان

"وَلَا تَنْكِحُوا" "تَعَزَّوَّجُوا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ" "الْمُشْرِكَات" "اَيْ الْكَافِرَات" "حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ

غَیْرٍ مِنْ مُشْرِکَۃٍ" حُرَّۃٍ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا الْعَیْبُ عَلٰی مَنْ تَزَوَّجَ اَمَۃً وَتَرْغِیْبُہٗ فِیْ نِکَاحِ حُرَّۃٍ مُشْرِکَۃٍ "وَلَوْ اَعْجَبَتْکُمْ" لِجَمَالِھَا وَمَالِھَا وَھٰذَا مَخْصُوْصٌ بِغَیْرِ الْکِتَابِیَّاتِ بِاٰیَۃِ "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ" "وَلَا تُنْکِحُوا" "تُزَوِّجُوْا "الْمُشْرِکِیْنَ" اَیْ الْکُفَّارَ الْمُؤْمِنَاتِ "حَتّٰی یُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَیْرٌ مِنْ مُشْرِکٍ وَلَوْ اَعْجَبَکُمْ" لِمَالِہٖ وَجَمَالِہٖ "اُولٰٓئِکَ" اَیْ اَھْلُ الشِّرْکِ "یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" بِدُعَائِھِمْ اِلَی الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَھَا فَلَا تَلِیْقُ مُنَاکَحَتُھُمْ "وَاللّٰہُ یَدْعُوْ" عَلٰی لِسَانِ رُسُلِہٖ "اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ" اَیْ الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَھُمَا "بِاِذْنِہٖ" بِاِرَادَتِہٖ فَتَجِبُ اِجَابَتُہٗ بِتَزْوِیْجِ اَوْلِیَائِہٖ "وَیُبَیِّنُ اٰیَاتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ" یَتَّعِظُوْنَ،

اور شرک والی عورتوں یعنی کافر خواتین سے نکاح نہ کرو یعنی اے مسلمانوں تم شادی نہ کرو۔ جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی آزاد مشرکہ سے اچھی ہے۔

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جو شخص مؤمنہ باندی سے نکاح کرتا اور آزاد مشرکہ عورت جس کی طرف ترغیب ہوتی اس کو چھوڑ دیتا تو یہ معاملہ باعث عار سمجھا جاتا تھا جبکہ اس آیت کے نزول نے اس عار کو ختم کر کے نص قائم کر دی ہے۔

اگرچہ وہ تمہیں مال و جمال کے اعتبار سے بھاتی ہو اور یہ حکم غیر اہل کتابیات کے ساتھ اس آیت "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ" کے سبب خاص ہے۔ اور مشرکوں یعنی کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں یعنی ایسے عمل کی طرف بلاتے ہیں جو جہنم میں لے جانے والا ہے لہٰذا ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے یعنی اپنے رسول علیہ السلام کے زبان اقدس سے جنت و مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ یعنی ایسے عمل کی طرف جو ان دونوں یعنی جنت و مغفرت کو واجب کرنے والا ہے۔ اپنے حکم سے یعنی اپنے ارادے سے جس کو قبول کرنا واجب ہے۔ یعنی اس کے اولیاء سے نکاح کرتے ہوئے، اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت مانیں، یا وعظ پکڑیں۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۱ کے شان نزول کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت مرثد غنوی ایک بہادر شخص تھے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تا کہ وہاں سے تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کو نکال لائیں وہاں عناق نامی ایک مشرکہ عورت تھی جو زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ محبت رکھتی تھی حسین اور مالدار تھی جب اس کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئی اور طالب وصال ہوئی آپ نے بخوف الٰہی اس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تب اس نے نکاح کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ یہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت پر موقوف ہے اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حال عرض کر کے نکاح کی بابت دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر احمدی)

بعض علماء نے فرمایا جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرے وہ مشرک ہے خواہ اللہ کو واحد ہی کہتا ہو اور توحید کا مدعی ہو۔ (خازن، تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، ۲۲۱، لاہور)

مشرکہ آزاد سے مسلمان باندی سے نکاح کی فضیلت کا بیان

ایک روز حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کسی خطا پر اپنی باندی کے طمانچہ مارا پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حال دریافت کیا عرض کیا کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور حضور کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ رمضان کے روزے رکھتی ہے خوب وضو کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے حضور نے فرمایا وہ مؤمنہ ہے آپ نے عرض کیا: تو اس کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کروں گا اور آپ نے ایسا ہی کیا اس پر لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ تم نے ایک سیاہ فام باندی کے ساتھ نکاح کیا باوجودیکہ فلاں مشرکہ حرہ عورت تمہارے لئے حاضر ہے وہ حسین بھی ہے مالدار بھی ہے اس پر نازل ہوا۔ " وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ "یعنی مسلمان باندی مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ آزاد ہو اور حسن و مال کی وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہو۔ (خزائن العرفان، البقرہ، ۲۲۱)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝
اور آپ سے حیض کی نسبت سوال کرتے ہیں، فرما دیں: وہ نجاست ہے، سو تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جایا کرو، اور جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جس راستے سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے ان کے پاس جایا کرو، بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

حالت حیض میں جماع سے ممانعت کے حکم کا بیان

"وَيَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيض " اَیْ الْحَيْض اَوْ مَكَانه مَاذَا يَفْعَل بِالنِّسَاءِ فِيْهِ "قُلْ هُوَ اَذًى " قَذَر اَوْ مَحَلّه "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاء " اُتْرُكُوا وَطْاَهُنَّ "فِى الْمَحِيض " اَیْ وَقْته اَوْ مَكَانه "وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ" بِالْجِمَاعِ "حَتّٰى يَطْهُرْنَ " بِسُكُوْنِ الطَّاء وَتَشْدِيْدهَا وَالْهَاء وَفِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِى الْاَصْل فِى الطَّاء اَیْ يَغْتَسِلْنَ بَعْد انْقِطَاعه "فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ " بِالْجِمَاعِ "مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰه " بِتَجَنُّبِهِ فِى الْحَيْض وَهُوَ الْقُبُل وَلَا تَعْدُوْهُ اِلٰى غَيْرِهِ "اِنَّ اللّٰه يُحِبّ " يُثِيب وَيُكْرِم "التَّوَّابِيْنَ" مِنَ الذُّنُوْب "وَيُحِبّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" مِنَ الْاَقْذَار،

اور آپ سے حیض یا حائض سے حالت میں ازدواجی تعلق کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تو آپ ﷺ فرما دیں وہ نجاست ہے، یا محل نجاست ہے۔ سو تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہا کرو، یعنی ان سے جماع کرنا حیض

کی مدت میں یا اس مقام پر جماع کرنا چھوڑ دو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جایا کرو، یعنی جماع نہ کرو۔ اور جب وہ خوب پاک ہو جائیں، اور یہاں پر "یَطْهُرْنَ" طاء کے سکون وتشدید دونوں کے ساتھ آیا ہے اور ھاء کو تاء میں ادغام کیا گیا ہے جو اصل میں طاء تھی یعنی اس کے ختم ہونے کے بعد وہ غسل کر لیں۔ تو جس راستے سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے ان کے پاس جایا کرو، یعنی حالت حیض میں پرہیز کرتے ہوئے اور وہ قبل سے بچنا ہے لہٰذا اس کے غیر کی جانب بھی نہ جائے۔ بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے یعنی ثواب دیتا اور کرم کرتا ہے۔ اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یعنی جو نجاست سے بچتے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اگرچہ "فاعتزلوا النساء" کا ظہور یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ہر قسم کی معاشرت ترک کر دی جائے لیکن بعد میں یہ کہنا کہ ایام حیض اور غسل کے بعد اس کے ساتھ ہمبستری جائز ہے "حتی یطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حیث" یہ قرینہ ہے کہ وہ امر جس سے "فاعتزلوا" کہہ کر منع کیا گیا تھا وہ صرف ہمبستری تھی نہ کہ ہر قسم کی معاشرت کیونکہ اگر یہ مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا "فاذا تطهرن فعاشروهن" ایام حیض میں قبل کی طرف سے نزدیکی حرام ہے۔

آیت کے ابتداء میں کلمہ "محیض" مصدر ہے (یعنی حیض آنا) لیکن جملہ "فاعتزلوا النساء فی المحیض" میں المحیض اسم مکان ہے۔ اس پر دلیل کلمہ "المحیض" کا تکرار ہے۔ چونکہ اگر دونوں جگہ پر ایک ہی معنی مراد ہوتا تو قاعدتاً دوسرے کو ضمیر کی صورت میں ذکر کیا جاتا۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہودیوں میں سے کوئی عورت ایام حیض میں ہوتی تو وہ لوگ نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ میل جول رکھتے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کے متعلق دریافت کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی" وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى " 2۔البقرة:22) (یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ یہ ناپاکی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ کھایا پیا جائے اور انہیں گھروں میں اپنے ساتھ رکھا جائے نیز ان کے ساتھ جماع کے علاوہ سب کچھ (یعنی بوس وکنار وغیرہ) کرنا جائز ہے۔ اس پر یہودی کہنے لگے کہ یہ ہمارے ہر کام کی مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عباد بن بشیر اور اسید بن حضیر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے اس قول کی خبر دینے کے بعد عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم حیض کے ایام میں جماع بھی نہ کرنے لگیں تا کہ ان کی مخالفت پوری ہو جائے۔ یہ بات سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے ہیں اور پھر اٹھ کر چل دیئے۔ اسی وقت ان دونوں کیلئے دودھ بطور ہدیہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیج دیا اور انہوں نے پیا۔ اس طرح ہمیں علم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ان سے ناراض نہیں ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ محمد بن عبدالاعلی اسے عبدالرحمٰن بن مہدی سے اور وہ حماد بن سلمہ سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 911)

حیض ونفاس واستحاضہ کے فقہی مفہوم کا بیان

لغت میں "حیض" کے معنی "جاری ہونا" ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جسے عرف عام میں "ماہواری" یا ایام بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے "نفاس" کہتے ہیں۔

حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہٰذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ وسبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزے تو قضاء ادا کئے جائیں گے مگر نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

حائض کے بقیہ جسم سے استمتاع کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہالیا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہبند باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن کو لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 513)

عرب کے قاعدے اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کی قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان رکھا ہوتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصے سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

امام محمد، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وطی یعنی شرمگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھودیتی تھی۔ اس سے معلوم

ہوا کہ اگر کوئی آدمی اعتکاف میں بیٹھا ہوا اور اپنے جسم کے کسی حصے کو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح ہے اور اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 126)

جنبی و حائض کیلئے تلاوت قرآن کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں اس باب میں حضرت علی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ہم ابن عمر کی حدیث کو اسماعیل بن عیاش موسیٰ بن عقبہ اور نافع کے واسطے سے پہچانتے ہیں جس میں حضرت ابن عمر بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔ اور یہی قول ہے اکثر صحابہ اور تابعین اور بعد کے فقہاء سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی، احمد اور اسحاق کا وہ کہتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے نہ پڑھیں مگر ایک آیت کا ٹکڑا یا حرف وغیرہ اور رخصت دی جنبی اور حائضہ کو سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ پڑھنے کی۔ امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر احادیث روایت کرتا ہے گویا کہ امام بخاری نے اسماعیل بن عیاش کی ان روایات کو جو انہوں نے اکیلے اہل عراق اور اہل حجاز سے روایت کی ہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری نے کہا کہ اسماعیل بن عیاش کی وہی روایات صحیح ہیں جو انہوں نے اہل شام سے روایت کی ہیں امام احمد بن حنبل نے فرمایا اسماعیل بن عیاش بقیہ سے بہتر ہے بقیہ ثقہ راویوں سے منکر حدیث روایت کرتا ہے امام ابوعیسی ترمذی نے فرمایا کہ احمد بن حنبل کا یہ قول مجھ سے احمد بن حسن نے بیان کیا۔ (احناف اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب وہی ہے جو متن قدوری میں ہے)۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 125)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ، اور اپنے لئے آئندہ کا کچھ سامان کرلو، اور اللہ کا تقویٰ
اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو، اور آپ اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیں۔

بیویوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دینے کا بیان

"نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ" اَیْ مَحَلّ زَرْعكُمْ الْوَلَد "فَأْتُوا حَرْثكُمْ" اَیْ مَحَلّه وَهُوَ الْقُبُل "اَنّٰى" كَيْفَ "شِئْتُمْ" مِنْ قِيَام وَقُعُود وَاضْطِجَاع وَإِقْبَال وَإِدْبَار وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْيَهُود : مَنْ اَتٰى امْرَاَته فِي قُبُلهَا اَیْ مِنْ جِهَة دُبُرهَا جَاءَ الْوَلَد اَحْوَل "وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ" الْعَمَل الصَّالِح كَالتَّسْمِيَةِ عِنْد الْجِمَاع "وَاتَّقُوا اللّٰه" فِي اَمْره وَنَهْيه "وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ" بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ "وَبَشِّرْ

الْمُؤْمِنِیْنَ " الَّذِیْنَ اتَّقَوْهُ بِالْجَنَّةِ،

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد کو حاصل کرنے کیلئے وہ تمہارے لئے کھیت کی طرح ہیں۔پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ،اور وہ مقام قبل ہے۔اور جیسے چاہو سے مراد خواہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، چت لیٹ کر، آگلی جانب سے یا پچھلی جانب سے آؤ۔اور یہ آیت یہود کے اس قول کے رد میں نازل ہوئی کہ جو شخص اپنی بیوی سے قبل میں جماع کرنے کیلئے پچھلی جانب سے آیا تو اس کا بچہ بھینگا ہوگا۔اور اپنے لئے آئندہ کا کچھ سامان کر لو یعنی نیک عمل سے جس طرح جماع کے وقت بسم اللہ کا پڑھنا ہے۔اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یعنی امر و نہی میں اور جان لو کہ تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو،یعنی دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد،تو وہ تمہارے اعمال کو تم کو جزاء دے گا۔اور آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں۔یعنی جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کو جنت کی بشارت دے دو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۴ کے سبب نزول کا بیان

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے،ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی،ابن جریج فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے سے لیکن ایک ہی رہے۔

مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا،طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے الٹا کر کے مباشرت کی تھی،لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شرم وحیاء کے باوجود شرعی مسئلہ پوچھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن سابط حضرت حفصہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے،فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو،کہا فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے،جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئی،ام سلمہ نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے،جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنین نے آپ سے پوچھا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلا لو،پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہلاک ہو گیا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا، میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے سے آ، پیچھے سے آ، اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آئے۔ (جامع البیان، سورہ بقرہ ۲۲۴، بیروت)

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○
اور اللہ کو اپنی قسموں کا بہانہ نہ بنالو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کرلو، اور اللہ سنتا جانتا ہے،

قسم کی اباحت وممانعت کا بیان

"وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ" اَیْ الْحَلِف بِهٖ "عُرْضَةً" عِلَّةً مَانِعَةً "لِاَيْمَانِكُمْ" اَیْ نَصْبًا لَّهَا بِاَنْ تُكْثِرُوْا الْحَلِف بِهٖ "اَنْ" لَا "تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا" فَتُكْرَه الْيَمِين عَلٰى ذٰلِكَ وَيُسَنّ فِيْهِ الْحِنْث وَيُكَفِّر بِخِلَافِهَا عَلٰى فِعْل الْبِرّ وَنَحْوه فَهِيَ طَاعَة "وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاس" الْمَعْنٰى لَا تَمْتَنِعُوا مِنْ فِعْل مَا ذُكِرَ مِنَ الْبِرّ وَنَحْوه اِذَا حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ بَلْ ائْتُوهُ وَكَفِّرُوْا لِاَنَّ سَبَب نُزُولهَا الِامْتِنَاع مِنْ ذٰلِكَ "وَاللّٰهُ سَمِيْع" لِاَقْوَالِكُمْ "عَلِيْم" بِاَحْوَالِكُمْ،

اور اللہ کو اپنی قسمیں اٹھا کر بہانہ نہ بنالو یعنی اللہ کے نام سے کثیر قسمیں نہ کھاؤ۔ کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کرلو، یعنی نیکی واحسان نہ کرنے کی قسم کھانا مکروہ ہے لہٰذا سنت ہے کہ ایسی قسم کو توڑ دیا جائے اور اس کا کفارہ دیا جائے کیونکہ وہ نیکی کے عمل کے خلاف ہے اور اسی طرح کا حکم اطاعت کے کاموں میں بھی ہے۔ اور لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا معنی یہ ہے کہ مذکورہ عمل جو ذکر کیا ہے وہ تمہیں نیکی اور اسی طرح کے کاموں سے روکنے والا نہ ہو۔ جب تم نے حلف اٹھالیا ہو۔ بلکہ تم اس کو کر ڈالو اور کفارہ دو کیونکہ اس کے نزول سے روکنے کا سبب یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا، تمہارے حالات کو جانتا ہے

یہاں پر نہی کے ظہور کو مورد توجہ قرار دیا جائے اور "عرضة" کے لغوی معنی پر نگاہ ڈالی جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ انسان کے لیئے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو قسم کے طور پر پیش کرے اور ہر مقام پر قسم میں اللہ کا نام لے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنے بہنوئی نعمان بن بشیر کے گھر جانے اور ان سے کلام کرنے اور ان کے خصوم کے ساتھ ان کی صلح کرانے سے قسم کھالی تھی جب اس کے متعلق ان سے کہا جاتا تھا تو کہہ دیتے تھے کہ میں قسم کھا چکا ہوں اس لئے یہ کام کر ہی نہیں سکتا اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی اور نیک کام کرنے سے قسم کھالینے کی ممانعت فرمائی گئی۔

خلاف قسم بھلائی ہونے کی صورت میں کفارے کی ادائیگی کا بیان

حضرت زہدم جرمی سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے دسترخوان منگوایا اور

اس میں مرغ کا گوشت تھا بنی تیم اللہ میں سے ایک آدمی سرخ رنگ غلام کی مشابہت رکھنے والا آیا ابوموسی رضی اللہ نے کہا: آؤ اس نے تکلف کیا تو ابوموسی رضی اللہ نے کہا آؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے کھاتے ہوئے دیکھا تو اس آدمی نے کہا میں نے اسے (مرغیوں کو) کوئی چیز (گندگی) کھاتے دیکھا تو مجھے اس سے گھن آئی میں نے اسے نہ کھانے کی قسم اٹھائی تو ابوموسی رضی اللہ عنہ نے کہا آؤ میں تجھے اس بارے میں حدیث بیان کروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعری قبیلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کرنے کے لیے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں سوار نہ کروں گا نہ ہی میرے پاس ایسی چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں پس ہم ٹھہرے رہے جتنا اللہ نے چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلوایا اور ہمارے لیے سفید کوہان والے پانچ اونٹوں کا حکم دیا کہتے ہیں جب ہم چلے تو بعض نے ایک دوسرے سے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قسم سے غافل کر دیا ہمارے لیے برکت نہ ہوگی ہم نے آپ کے پاس لوٹ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ سے سواری طلب کرنے کے لیے آئے اور آپ نے ہمیں سواری نہ دینے کی قسم اٹھائی پھر آپ بھول گئے آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا تو میں قسم نہ اٹھاؤں گا کسی چیز کی پھر میں اس کے علاوہ میں خیر دیکھوں تو میں وہی کام کروں گا جو بہتر ہوگا اور قسم کا کفارہ دوں گا پس تم جاؤ بے شک اللہ نے تمہیں سواری دی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1772)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ط
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○
اور تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے
جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے،

لغو قسم پر مؤاخذہ نہ ہونے کا بیان

"لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ" الْكَائِن "فِيْ اَيْمَانِكُمْ" وَهُوَ مَا يَسْبِق اِلَيْهِ اللِّسَان مِنْ غَيْر قَصْد الْحَلِف نَحْو وَاللّٰهُ وَبَلٰى وَاللّٰهُ فَلَا اِثْم عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَة "وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ" اَيْ قَصَدَتْهُ مِنْ الْاَيْمَان اِذَا حَنِثْتُمْ "وَاللّٰهُ غَفُور" لِمَا كَانَ مِنْ اللَّغْو "حَلِيْم" بِتَاْخِيْرِ الْعُقُوبَة عَنْ مُسْتَحِقّهَا،

اور تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے۔ یعنی جو قسم اٹھانے والے کی زبان پر بغیر کسی ارادے کے آجائیں۔ جس طرح "واللہ" اس پر کوئی گناہ اور کفارہ نہیں ہے۔ ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے۔ جو کام تمہارے دلوں نے کئے یعنی جن قسموں کا ارادہ کر کے جب تم ان کو توڑ دیا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا یعنی جو لغو ہیں، حلم والا ہے، یعنی سزا کا حقدار ہونے کے باوجود سزا کی تاخیر کرنے میں حلم کرنے والا ہے۔

لغو قسم سے وہ قسمیں مراد ہیں جو عموما عادت کی وجہ سے منہ سے نکل جاتی ہیں بغیر اس کے کہ قسم کھانے والے نے دلی طور پر اس کا قصد کیا ہو، "باللغو" کا یہ معنی اس کے "بما کسبت قلوبکم" کے ساتھ تقابل کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے۔

عام طور پر زبان سے قسم جاری ہونے پر عدم مؤاخذہ کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھر بار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم، غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا، حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ دو قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں، ان پر کفارہ نہیں، ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا،

آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے، یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں، یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں، ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے، وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانے پر لگے گا، کبھی کہتا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے، بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا، یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے، وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بیساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروانہ کرے اور اللہ کے احکام کیخلاف نہ کرے،

حضرت سعید بن مسیتب سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو، دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کیلئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمر نے یہ واقع سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے توڑنے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو ان کے بارے میں قسم اور نذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے آیت:

(وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ) 5-المائدہ:89) یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھالو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم وکرم کرنے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۲۵)

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی، انہیں چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اپنی بیویوں سے ایلاء کرنے والوں کیلئے حکم شرعی کا بیان

"لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ" اَیْ یَحْلِفُوْنَ اَنْ لَّا یُجَامِعُوْهُنَّ "تَرَبُّص" اِنْتِظَار "اَرْبَعَة اَشْهُر فَاِنْ فَاءُوا" رَجَعُوا فِيْهَا اَوْ بَعْدَهَا عَنْ الْيَمِين اِلَى الْوَطْء "فَاِنَّ اللّٰه غَفُور" فَيَكُوْن غَفُور لَهُمْ مَا اَتَوْهُ مِنْ ضَرَر الْمَرْاَة بِالْحَلِفِ "رَحِيْم" بِهِمْ،

اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ وہ ان سے جماع نہ کریں گے۔ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں پھر آئے۔ یعنی اس میں رجوع کرلیا یا قسم کے بعد وطی کرلی۔ تو اللہ بخشنے والا یعنی قسم کے ذریعے جو اس عورت کو نقصان پہنچایا، مہربان ان کے ساتھ ہے۔

"یـؤلـون" کا مصدر "ایـلاء" ہے جو لغت میں قسم کے معنی میں ہے لیکن اصطلاح میں ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ چار مہینے سے زیادہ مدت تک ہمبستری چھوڑنے کی قسم کھائے۔ آیت میں بھی یہی اصطلاحی معنی مراد ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۶ کے شان نزول کا بیان

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ معمول تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے اگر وہ دینے سے انکار کرتیں تو ایک سال دو سال تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ ان کے پاس نہ جانے اور صحبت ترک کرنے کی قسم کھا لیتے تھے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے تھے نہ وہ بیوہ ہی تھیں کہ کہیں اپنا ٹھکانہ کرلیتیں نہ شوہر دار کہ شوہر سے آرام پاتیں اسلام نے اس ظلم کو مٹایا اور ایسی قسم کھانے والوں کے لئے چار مہینے کی مدت معین فرمادی کہ اگر عورت سے چار مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لئے یا غیر معین مدت کے لئے ترک صحبت کی قسم کھالے جس کو ایلا کہتے ہیں تو اس کے لئے چار ماہ انتظار کی مہلت ہے اس عرصہ میں خوب سوچ سمجھ لے کہ عورت کو چھوڑنا اس کے لئے بہتر ہے یا رکھنا اگر رکھنا بہتر سمجھے اور اس مدت کے اندر رجوع کرے تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا قسم نہ توڑی تو عورت نکاح سے باہر ہوگئی اور اس پر طلاق بائن واقع ہوگئی۔

ایلاء کا فقہی مفہوم کا بیان

"ایلاء" "آلا یألو" سے باب افعال ہے۔ "آلا یألو" کا اصل لغوی مفہوم کسی امر میں کوتاہی اور کمی کرنا ہے اور "ایلاء" ایلاء کے لغوی معنی یہ ہیں کہ قسم (یمین) کے ہیں خواہ کسی بھی بات پر قسم کھائی جائے۔ جبکہ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلق طور پر یا ہمیشہ کے لیے یا چار مہینہ اور اس سے زیادہ مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالے، اسی طرح بیوی سے صحبت

کرنے کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر لازم کرلے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو مثلاً یہ کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کرلوں تو مجھ پر حج یا روزہ وغیرہ واجب ہو جائے تو بھی ایلاء ہی شمار ہوگا۔ (فقہ اسلامی وادلہ، ج ۹ ص ۵۰۳)

مدت ایلاء گزرنے کے بعد وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

حضرت سلیمان ابن یسار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے (شرح السنۃ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 496)

ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہٰذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو محبوس کریگا اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کر و یعنی اس سے جماع کرلو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "امام نخعی اور قتادہ اور حماد، ور ابن ابی لیلی اور اسحاق کا قول ہے کہ جس نے بھی قلیل یا اکثر وقت میں وطئی نہ کرنے کی قسم اٹھائی، اور اسے چار ماہ تک چھوڑ دیا تو اس نے ایلاء کیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں وہ چار ماہ تک انتظار کریں). اور یہ شخص ایلاء کرنے والا ہے؛ کیونکہ ایلاء حلف ہے اور اس نے قسم اٹھائی ہے۔ (المغنی (7/415.))

ایلاء کے حکم کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس عورت سے چار ماہ تک صحبت نہ کرے تو چار ماہ بعد خود بخود طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر چار ماہ کے اندر صحبت کرلے تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۴۴۲، بیروت)

مدت ایلاء کے بعد والی طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ قاضی تفریق کرائے گا بلکہ ان کا

مذہب بھی یہی ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

اور اسی طرح امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ کا بھی مذہب ہے لہٰذا احناف اور ائمہ ثلاثہ کا اس مسئلہ میں اختلاف طلاق رجعی اور بائنہ ہونے میں ہے۔ وقوع طلاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۷۵، بیروت)

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○
اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کر لیا تو اللہ سنتا جانتا ہے۔

رجوع یا طلاق دونوں میں سے کسی ایک کو اپنانے کا بیان

"وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ " اَیْ عَلَیْهِ بِاَنْ لَّا یَفِیئُوا فَلْیُوقِعُوهُ "فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ " لِقَوْلِهِمْ "عَلِیْمٌ" بِعَزْمِهِمْ الْمَعْنٰی لَیْسَ لَهُمْ بَعْد تَرَبُّص مَا ذُکِرَ اِلَّا الْفَیْئَة اَوْ الطَّلَاق،

اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کر لیا یعنی وہ رجوع نہ کریں تو طلاق ہی دے دیں، تو اللہ ان کو بات کو سننے والا ہے، ان کے ارادے کو جانتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ انتظار کے بعد رجوع کرنا ہے یا پھر طلاق دے دینا ہے۔

قوت آثار کے مطابق فقہ حنفی کا مؤقف طلاق ایلاء میں اصح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فقہاء شوافع کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم شوافع کے مذہب کا اس لئے رد کرتے ہیں کہ بہت سے آثار میں تعارض ہے۔ اور اصول کے مطابق آثار میں ترجیح دی ہے اور معروف چار آثار حسب ذیل ہیں۔

(۱) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ایلاء کے بارے میں فرماتے ہیں جب چار ماہ اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔ اس کی سند سب سے جید ہے جبکہ اس سے اختلافی سند میں حبیب کی پہچان بھی نہیں ہے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا ہے لہٰذا وہ سند منقطع ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ایلاء کے بارے میں فرماتے ہیں جب چار اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔ اور ان میں ہر ایک کی روایت مرسل ہے۔

(۳)(۴) امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایلاء کیا اور رجوع نہ کیا اور اس کی مدت گزر گئی تو اسے ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔

اس روایت کے رواۃ تمام وہی ہیں جن کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم کی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ سب سے تقدم اس روایت کو ہوتا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کیا ہو اور ان کے بعد تقدم اس روایت کو ہوتا ہے جو روایت ان

کے شرط کے مطابق صحیح ہو اور یہ روایت امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (فتح القدیر، بتصرف، ج ۸، ص ۴۸۲، بیروت)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اوران کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمادیا ہو، اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں اپنی زوجیت میں لوٹا لینے کا حق زیادہ ہے اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

طلاق کی عدت تین حیض ہونے کا بیان

"وَالْمُطَلَّقَات يَتَرَبَّصْنَ" اَیْ لِيَنْتَظِرْنَ "بِاَنْفُسِهِنَّ" بِاَنْفُسِهِنَّ عَنْ النِّكَاح "ثَلَاثَة قُرُوْء" تَمْضِي مِنْ حِيْن الطَّلَاق جَمْع قَرْء بِفَتْحِ الْقَاف وَهُوَ الطُّهْر اَوْ الْحَيْض قَوْلَانِ وَهٰذَا فِي الْمَدْخُول بِهِنَّ اَمَّا غَيْرهنَّ فَلَا عِدَّة عَلَيْهِنَّ لِقَوْلِهِ: "فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّة" وَفِيْ غَيْر الْاٰيِسَة وَالصَّغِيْرَة فَعِدَّتهنَّ ثَلَاثَة اَشْهُر وَالْحَوَامِل فَعِدَّتهنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلهنَّ كَمَا فِيْ سُوْرَة الطَّلَاق وَالْاِمَاء فَعِدَّتهنَّ قَرْءَ انِ بِالسُّنَّةِ "وَلَا يَحِلّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰه فِيْ اَرْحَامهنَّ" مِنْ الْوَلَد وَالْحَيْض "اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْم الْاٰخِر وَبُعُوْلَتهنَّ" اَزْوَاجهنَّ "اَحَقّ بِرَدِّهِنَّ" بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَوْ اَبَيْنَ "فِيْ ذٰلِكَ" اَیْ فِيْ زَمَن التَّرَبُّص "اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا" بَيْنهمَا لَا اِضْرَار الْمَرْاَة وَهُوَ تَحْرِيْض عَلٰى قَصْده لَا شَرْط لِجَوَازِ الرَّجْعَة وَهٰذَا فِي الطَّلَاق الرَّجْعِيّ وَاَحَقّ لَا تَفْضِيْل فِيْهِ اِذْ لَا حَقّ لِغَيْرِهِمْ مِنْ نِكَاحهنَّ فِي الْعِدَّة "وَلَهُنَّ" لَهُنَّ عَلَى الْاَزْوَاج "مِثْل الَّذِيْ" لَهُمْ "عَلَيْهِنَّ" مِنْ الْحُقُوق "بِالْمَعْرُوْفِ" شَرْعًا مِنْ حُسْن الْعِشْرَة وَتَرْك الْاِضْرَار وَنَحْو ذٰلِكَ "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة" فَضِيْلَة فِي الْحَقّ مِنْ وُجُوْب طَاعَتهنَّ لَهُمْ لِمَا سَاقُوْهُ مِنْ الْمَهْر وَالْاِنْفَاق "وَاللّٰه عَزِيْز" فِيْ مُلْكه "حَكِيْم" فِيْمَا دَبَّرَهُ لِخَلْقِهِ،

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، یعنی اپنے آپ کو نکاح سے روک کر انتظار کریں۔ اور تین قروء سے مراد وقت طلاق سے تین قروء کا انتظار کریں۔ اور لفظ قروء یہ قرء کی جمع ہے۔ اور یہ قاف کی فتح کی ساتھ ہے۔ اور اس سے مراد طہر ہے یا پھر حیض ہے۔ یہ دونوں قول ہیں۔ اور یہ حکم اس عورت کیلئے ہے جو مدخول بہا ہے جبکہ

غیر مدخولہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی دلیل یہ قول ہے ''فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ'' جبکہ عائسہ اور صغیرہ کیلئے عدت تین ماہ ہے۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ جس طرح سورت طلاق میں آیا ہے۔ اور باندیوں کی عدت حدیث کے مطابق دو حیض ہے۔ اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے ... وں میں پیدا فرما دیا ہو، یعنی اولاد اور حیض، اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں اپنی زوجیت میں لوٹا لینے کا حق زیادہ ہے۔ یعنی انتظار کے زمانے میں اگر چہ وہ انکار کریں۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں، ''اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا'' یہ جملہ رجعت کے عزم کی جانب رغبت کیلئے ہے۔ جبکہ جواز رجعت کیلئے یہ طور شرط نہیں ہے۔ اور یہ حکم طلاق رجعی کی صورت میں ہے۔ اور لفظ ''اَحَق'' میں عدم تفصیل کے ان کے شوہروں کے سوا کسی کو عدت میں نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، یعنی شریعت اسلامیہ کے مطابق حسن معاشرت کے طور پر حقوق ہیں۔ اور نقصان کو ترک کرنا ہے۔ البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، یعنی ان عورتوں پر اطاعت واجب ہونے کا حق ہے۔ کیونکہ مرد ان کا مہر اور نان و نفقہ اٹھاتے ہیں۔ اور اللہ بڑا غالب اپنی بادشاہت میں ہے۔ خلقت کی تدبیر میں بڑی حکمت والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ذلك"، "تربص" کی طرف اشارہ ہے یعنی ان تین طہر میں جو کہ عورت کی عدت کا زمانہ ہے۔ کیونکہ لفظ "بعولة" شوہر اور اس کا "هن" کی ضمیر کی طرف مضاف ہونا اس معنی کو بیان کر رہا ہے کہ عدت طلاق کے زمانہ میں زوجیت والا تعلق اور رشتہ باقی ہے لہٰذا رجوع کیلئے نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

للرجال " کا جملہ "لهن " کیلئے قید ہے اور اس کے معنی کو مشخص کر رہا ہے۔ یعنی شوہر اور بیوی کے ایک جیسے حقوق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بطور مطلق مساوی ہیں کیونکہ مرد خلقت کے لحاظ سے کچھ خصوصیات کے حامل ہیں کہ جن کی وجہ سے انہیں مخصوص حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ اس بنیاد پر دونوں کے درمیان عدل و انصاف کی رعایت کی گئی ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ کے سبب نزول کا بیان

عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد اور دو طلاقوں کے بعد، باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن ہی نہیں بلکہ اس وقت تک جب چاہے طلاق ہو جائے سب رجعی تھیں طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔

دور جاہلیت میں طریقہ عدت کا بیان

... بیان ہے کہ میں نے ام سلمہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کا شوہر مر گیا ہے، اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے تو کیا ہم اس کو سرمہ لگائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا نہیں نہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چار مہینے دس دن تک انتظار کرے اور تم میں سے ایک عورت جاہلیت کے زمانہ میں ایک سال کے بعد مینگنی پھینکتی تھی (اس کے بعد عدت سے باہر ہوتی تھی) حمید کا بیان ہے کہ میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ مینگنی پھینکنے کا کیا مطلب ہے تو زینب رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو ایک تنگ کوٹھڑی میں داخل ہو جاتی اور خراب قسم کا کپڑا پہن لیتی اور خوشبو نہیں لگاتی یہاں تک کہ ایک سال گزر جاتا پھر اس کے پاس کوئی چوپایہ گدھا، بکری یا کوئی پرندہ لایا جاتا اور اس پر ہاتھ پھیرتی، بہت کم ایسا ہوتا کہ جس پر وہ ہاتھ پھیرے اور وہ مر نہ جائے پھر وہ باہر نکل آتی اور اس کے پاس لوگ مینگنی لاتے جسے پھینکتی وہ پھر واپس ہو جاتی اور جو کام کرنا چاہتی مثلاً خوشبو وغیرہ لگانا تو وہ کرتی، مالک سے کسی نے پوچھا کہ تفتض سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے اپنی کھال ملتی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 310)

طلاق کی اقسام میں مذاہب اربعہ

احناف طلاق کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں: احسن، حَسَن اور بدعی۔ احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس کے اندر اس نے مجامعت نہ کی ہو، صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دے۔ حَسَن یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے۔ اس صورت میں تین طہروں میں تین طلاق دینا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔ اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ آدمی بیک وقت تین طلاق دے دے، یا ایک ہی طہر کے اندر الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے، یا حیض کی حالت میں طلاق دے، یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ مباشرت کر چکا ہو۔ ان میں سے جو فعل بھی وہ کرے گا گناہگار ہوگا۔ یہ تو ہے حکم ایسی مدخولہ عورت کا جسے حیض آتا ہو۔ رہی غیر مدخولہ عورت تو اسے سنت کے مطابق طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جا سکتی ہے۔ اور اگر عورت ایسی مدخولہ ہو جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، تو اسے مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جا سکتی ہے، کیونکہ اس کے حاملہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اور عورت حاملہ ہو تو مباشرت کے بعد اسے بھی طلاق دی جا سکتی ہے، کیونکہ اس کا حاملہ ہونا پہلے ہی معلوم ہے۔ لیکن ان تینوں قسم کی عورتوں کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک مہینہ بعد طلاق دی جائے، اور احسن یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ (ہدایہ، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص، عمدۃ القاری)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ سُنی، بدعی مکروہ، اور بدعی حرام۔ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جسے حیض آتا ہو، طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ بدعی مکروہ یہ ہے کہ ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں آدمی مباشرت کر چکا ہو، یا مباشرت کیے بغیر ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں، یا عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی

جائیں۔اور بدعی حرام یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دی جائے۔(حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔احکام القرآن لابن العربی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا معتبر مذہب یہ ہے جس پر جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے: مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اسے سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر اسے طلاق دی جائے، پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔لیکن اگر اسے تین طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، یا حیض کی حالت میں طلاق دی جائے، یا ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت کی گئی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو، تو یہ سب طلاق بدعت اور حرام ہیں۔لیکن اگر عورت غیر مدخولہ ہو، یا ایسی مدخولہ ہو جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، یا حاملہ ہو، تو اس کے معاملہ میں نہ وقت کے لحاظ سے سنت و بدعت کا کوئی فرق ہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا فرق کے لحاظ سے ہے نہ کہ تعداد سے یعنی مدخول عورت جس کو حیض آتا ہو اسے حیض کی حالت میں طلاق دینا یا جو حاملہ ہو سکتی ہو اسے ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی جا چکی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو بدعت اور حرام ہے۔رہی طلاقوں کی تعداد، تو خواہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں دی جائیں، یا الگ الگ طہروں میں دی جائیں، بہر حال یہ سنت کے خلاف نہیں ہے۔اور غیر مدخولہ عورت جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا حیض آیا ہی نہ ہو، یا جس کا حاملہ ہونا ظاہر ہو، اس کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا کوئی فرق نہیں ہے۔

(مغنی المحتاج)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا
افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○
یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو
دیا۔اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے۔پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک
انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو
اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

دوسری طلاق رجعی کے بعد حکم شرعی کا بیان

"اَلطَّلَاقُ" اَیْ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجِعُ بَعْدَہٗ "مَرَّتَانِ" اَیْ اِثْنَتَانِ "فَاِمْسَاكٌ" اَیْ فَعَلَیْکُمْ اِمْسَاکُھُنَّ بَعْدَہٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْھُنَّ "بِمَعْرُوْفٍ" مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ "اَوْ تَسْرِیْحٌ" اَیْ اِرْسَالُھُنَّ "بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ" اَیُّھَا

الْاَزْوَاج "اَنْ تَاْخُذُوا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ" مِنَ الْمُهُوْر "شَیْئًا" اِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ "اِلَّا اَنْ یَّخَافَا" اَیْ الزَّوْجَانِ اَنْ "لَا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ" اَیْ اَنْ لَّا یَاْتِیَا بِمَا حَدَّهُ لَهُمَا مِنَ الْحُقُوْق وَفِیْ قِرَاءَة یُخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَاَنْ لَّا یُقِیْمَا بَدَل اشْتِمَال مِنَ الضَّمِیر فِیْهِ وَقُرِیءَ بِالْفَوقانیة فِی الْفِعْلَیْنِ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما" "فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ" نَفْسهَا مِنَ الْمَال لِیُطَلِّقَهَا اَیْ لَا حَرَج عَلَی الزَّوْج فِیْ اَخْذه وَلَا الزَّوْجَة فِیْ بَذْله "تِلْكَ" الْاَحْکَام الْمَذْکُوْرَة "حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون"

یہ طلاق یعنی جس کے بعد رجوع کیا جا سکے، دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ یعنی رجوع کے بعد اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا ان کو نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو۔ یعنی اے مردو! تم جو کچھ بیویوں کو مہر وغیرہ دے چکے ہو اس کا واپس لینا حلال نہ ہوگا۔ مگر جب دونوں یعنی شوہر اور زوجہ کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے۔ یعنی جو حکم ان کیلئے بیان ہوا ہے وہ دونوں ان حقوق کو پورا نہ کر سکیں گے۔ اور مفعولیت کے سبب ایک قرأت میں ''تخافا اور تقیما'' بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ''لَّا یُقِیْمَا'' یہ ضمیر سے بدل اشتمال ہے۔ اور دونوں افعال کو ''تخافا اور تقیما'' تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے۔ تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے، یعنی مرد پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بدلے میں مال وغیرہ پکڑ لے۔ اور اسی طرح عورت کیلئے کوئی مالی معاوضہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی ذکر کردہ احکام، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۰ کے شان نزول کا بیان

ایک عورت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دیتا اور رجعت کرتا رہے گا ہر مرتبہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہوگی رجعت کر لے گا پھر طلاق دے دے گا اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمادیا کہ طلاق رجعی دو بار تک ہے اس کے بعد طلاق دینے پر رجعت کا حق نہیں۔

عورتوں کی بلا وجہ عدت بڑھانے کی ممانعت کا بیان

امام عبدالرحمن ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا، اس نے کہا یہ کس طرح؟ طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا، پھر طلاق دے دوں گا، پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا اور یونہی کرتا چلا جاؤں گا۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس

پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے، اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرمادیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے۔

اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان وسلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو، اس پر کوئی ظلم نہ کرو، اسے ضرر و نقصان نہ پہنچاؤ، ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا آیت (او تسریح باحسان) میں، جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے، یہ مردوں پر حرام ہے۔ (تفسیر قرآن عزیز، سورہ بقرہ، ۲۲۹، بیروت)

خلع کا فقہی مفہوم

خلع خ کے پیش کے ساتھ خلع خ کے زبر کے ساتھ) اسم ہے خلع کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو نکالنا اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلا کپڑے اور موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خلع کے ساتھ زائل کرنا یا ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خلع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا مہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلا اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے کر خلع کر دو یعنی میری جان چھوڑ دو یا یوں کہے کہ جو مہر تمہارے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

خلع سے مراد فسخ یا طلاق ہونے میں مذاہب اربعہ

مظہر نے لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد عورت سے کہے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم سے خلع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعی کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور حضرت امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی وسرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی وسرکشی کی دلیل سے بیوی خلع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ خلع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلا روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی وسرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی وبداطواری کی دلیل سے خلع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر

کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس خلع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

خلع کے طلاق ہونے میں فقہ حنفی کی ترجیحی دلیل

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر یعنی کفران نعمت یا گناہ کو پسند نہیں کر سکتی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ثابت ابن قیس کا باغ جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کر سکتی ہو؟ ثابت کی بیوی نے کہا کہ ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ثابت سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 475)

ثابت ابن قیس کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بد اخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہر حال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اسلامی حکم کے خلاف ہو مثلا مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا کفران نعمت یا گناہ ہوگا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کیوں نہ ان سے جدائی اختیار کرلوں۔

کہا جاتا ہے کہ ثابت ابن قیس بہت بدصورت تھے اور ٹھگنے (پست) قد تھے اور ان کی بیوی کا نام حبیبہ یا جمیلہ تھا جو بہت خوبصورت اور حسین تھیں اسی لئے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کے مطابق حضرت ثابت کو مصلحۃ یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولی افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو تو رجوع کرلے نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خلع طلاق ہے فسخ نہیں ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ الخلع تطليقة بائنة یعنی خلع طلاق بائن ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدوں پر قائم رہیں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو اللہ عقل والی قوم کیلئے بیان کرتا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے بعد رجوع ونکاح کے عدم جواز کا بیان

"فَإِنْ طَلَّقَهَا" الزَّوْج بَعْد الثِّنْتَيْنِ "فَلَا تَحِلّ لَهُ مِنْ بَعْد" بَعْد الطَّلْقَة الثَّالِثَة "حَتَّى تَنْكِح" تَتَزَوَّج "زَوْجًا غَيْره" وَيَطَأهَا كَمَا فِي الْحَدِيث رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "فَإِنْ طَلَّقَهَا" أَيْ الزَّوْج الثَّانِي "فَلَا جُنَاح عَلَيْهِمَا" أَيْ الزَّوْجَة وَالزَّوْج الْأَوَّل "أَنْ يَتَرَاجَعَا" إلَى النِّكَاح بَعْد انْقِضَاء الْعِدَّة "إنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُود اللّٰه وَتِلْكَ" الْمَذْكُورَات "حُدُود اللّٰه يُبَيِّنهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ" يَتَدَبَّرُونَ،

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی یعنی دو طلاقوں کے بعد، تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی یعنی طلاق ثلاثہ کے بعد، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، یہاں تک کہ وہ اس سے وطی نہ کرلے جس طرح صحیح بخاری ومسلم کی روایت کردہ حدیث ہے۔ پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو اب وہ بیوی پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی۔ تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں یعنی عدت کے بعد نکاح سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدوں پر قائم رہیں، جن کا ذکر ہوا ہے۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو اللہ عقل والی قوم کیلئے بیان کرتا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۰ کے سبب نزول کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا جس کے پاس عضو مخصوص کپڑے کے پھندنے کی طرح تھا اس شوہر سے اپنا مقصد نہ پاسکی کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔

اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، میں نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، وہ میرے پاس آیا تو اس کے پاس (عضو مخصوص) کپڑے کے پھندنے کی طرح تھا، میرے پاس تھوڑی ہی دیر ٹھہر سکا اور مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا، تو کیا میں پہلے شوہر کے لئے حلال ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرا شوہر تجھ سے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو لے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 247)

طلاق ثلاثہ کے وقوع میں مذاہب اربعہ

ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو سنت کے خلاف ہے، طلاق بدعت ہے: لیکن اس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں، حضرت امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"وقد اختلف العلماء فيمن قال لامراته انت طالق ثلثاً فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث" ۔ (نووی شرح مسلم)

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں: امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور قدیم وجدید تمام علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع

ہو جائیں گی۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور بعد کے تابعین اور ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (المغنی، ج: 7، ص ۲۸۲، بیروت)

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

حضرت محمود ابن لبید کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟ (نسائی)

اللہ عزوجل کی کتاب سے قرآن کریم کی یہ آیت (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ) 2۔البقرة:229) مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی چاہئیں بلکہ متفرق طور پر دینی چاہئیں وہیں (وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا) 2۔البقرة:231) کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو لعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم ومنشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی گویا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت وحرام ہے۔ اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے جو گناہ ومعصیت کا باعث ہوتا تھا حضرت امام شافعی کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ خاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کر دے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آ جائے کہ وہ رجوع کر لے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ انت طالق ثلاثا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہیں) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی حضرت امام ابو حنیفہ حضرت امام احمد اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑے گی۔

ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟ اس بناء پر تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابی نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ زجر و توبیخ پر مبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے حضرت عویمر عجلان نے بیان کیا کہ میں حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کے پاس کسی اجنبی آدمی کو دیکھے اور وہ شخص اس اجنبی شخص کو قتل کر دے تو اس قتل کرنے کے عوض کیا اس شخص کو بھی قتل کر دیں گے اگر وہ شخص ایسا نہ کرے؟ یعنی اس عورت کے شوہر کے واسطے کیا شرعی حکم ہے؟ تم یہ مسئلہ اے عاصم میری جانب سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو چنانچہ پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ سوال ناگوار محسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو برا خیال فرمایا اور سائل کے اس سوال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معیوب خیال فرمایا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری محسوس کر کے گراں محسوس ہوا اس وجہ سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اس سوال سے افسوس ہوا اور ان کو اس سوال سے شرمندگی محسوس ہوئی اور خیال ہوا کہ میں نے خواہ مخواہ یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا بہرحال جس وقت حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس گھر تشریف لائے جب حضرت عویمر کہنے لگے کہ تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ حضرت عویمر سے حضرت عاصم نے کہا کہ تم نے مجھ کو اس طرح کے سوال کرنے کا خواہ مخواہ مشورہ دیا (یعنی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ نہیں دریافت کرنا چاہیے تھا) اس پر حضرت عویمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں اس مسئلہ کو بغیر دریافت کیے نہیں رہوں گا۔ یہ کہہ کر حضرت عویمر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے کو دیکھے اور اگر یہ شخص اس کو قتل کر دے تو کیا اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا؟ آیا اس کے ساتھ (یعنی قاتل کے ساتھ) کس قسم کا معاملہ ہوگا؟ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے واسطے حکم خداوندی نازل ہو چکا ہے تم جاؤ اور اس عورت کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے لعان کیا یعنی حضرت عویمر اور ان کی اہلیہ محترمہ نے اور ہم لوگ بھی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک موجود تھے۔ جس وقت حضرت عویمر لعان سے فارغ ہو گئے تو فرمانے لگے کہ اگر اب میں اس خاتون کو مکان میں رکھوں تو میں جھوٹا اور غلط گو قرار پایا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اسی وقت تین طلاقیں دے ڈالیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انتظار بھی نہ فرمایا۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1340)

نکاح حلالہ کا فقہی مفہوم کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن رفاعہ قرظی کی عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دیدی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہ کے بعد عبدالرحمٰن ابن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن عبدالرحمٰن کپڑے کے پھند کی مانند رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کیا تم پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو۔

اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت تک رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ عبدالرحمٰن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 494)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کر لو تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہ سے نکاح نہیں کر سکتیں چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لیے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مجامعت بھی ضروری ہے البتہ مجامعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی ہے (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی حضرت ابن عباس اور حضرت عقبہ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 495)

فرض کیجئے کہ دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دیدیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہٰذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دیدی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محلل لہ یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار و اقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات و دمساز رہیں، لہٰذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد و منشاء پر زد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت و عزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محلل لہ یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنے والے کو محلل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محلل اسی صورت

میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محلل نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں لعنت کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محلل اور محلل لہ کی خساست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کر سکتا۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کا بیان

ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہے یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے حلال کردوں یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دیدوں تا کہ تمہارے پہلے خاوند کے لے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ قابل مواخذہ ہوگا اور نہ لعنت کا مورد ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد دراصل اصلاح احوال ہے۔

علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کرلیا تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی چنانچہ فتوی اسی قول پر ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، باب حلالہ)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آ لگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا کرے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ بنالو، اور یاد کرو۔ اللہ کا احسان جو تم پر ہے، اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

بیویوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے روکنے کی ممانعت کا بیان

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ اَجَلهنَّ" قَارَبْنَ انْقِضَاء عِدَّتهنَّ "فَاَمْسِكُوْهُنَّ" بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ

"بِمَعْرُوْفٍ" مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ "اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِي عِدَّتُهُنَّ "وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ" بِالرَّجْعَةِ "ضِرَارًا" مَفْعُول لِاَجْلِهِ "لِتَعْتَدُوْا" عَلَيْهِنَّ بِالْاِلْجَاءِ اِلَى الْاِفْتِدَاءِ وَالتَّطْلِيقِ، وَتَطْوِيلِ الْحَبْسِ "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَه" بِتَعْرِيْضِهَا اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ "وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا" مَهْزُوْءًا بِهَا بِمُخَالَفَتِهَا "وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ" بِالْاِسْلَامِ "وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ" الْقُرْاٰن "وَالْحِكْمَةِ" مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَام "يَعِظُكُمْ بِهٖ" بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا بِالْعَمَلِ بِهٖ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ،

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آ لگے یعنی ان کی عدت ختم ہونے کے قریب آ جائے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یعنی بغیر نقصان پہنچائے یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دو تا کہ وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں۔ اور انہیں ضرر دینے کے لئے نہ روکنا، یعنی رجعت کے ساتھ، یہاں ضرارا مفعول لہ ہے۔ تا کہ حد سے بڑھو یعنی ان کو فدیہ یعنی مالی معاوضہ خلع وغیرہ کی طرف مجبور نہ کرو۔ اور اسی طرح لمبی قید میں بھی نہ ڈالو۔ اور جو ایسا کرے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، یعنی اللہ کے عذاب کو بلانے والا ہے اور اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ بنالو، یعنی ان کی مخالفت کر کے مذاق نہ کرو۔ اور یاد کرو۔ اللہ کا احسان جو تم پر ہے، یعنی اسلام، اور وہ جو تم پر کتاب یعنی قرآن اور حکمت اتاری یعنی جس اس قرآن میں احکام ہیں۔ تمہیں نصیحت دینے کو تا کہ تم عمل کر کے اس کا شکر ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۱ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ثابت بن یسار انصاری کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی اور جب عدت قریب ختم ہوتی تھی رجعت کرلیا کرتے تھے تا کہ عورت قید میں پڑی رہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ط ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ
وَاَطْهَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے
(پرانے یا نئے) شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، اس شخص کو اس امر کی نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم
قیامت پر ایمان رکھتا ہو، یہ تمہارے لئے بہت ستھری اور نہایت پاکیزہ بات ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

عدت پوری ہونے کے بعد نکاح سے روک لینے کی ممانعت کا بیان

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ اَجَلَهنَّ" انقضتْ عِدّتهنَّ "فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ" خِطاب لِلْاَوْلِيَاءِ اَیْ تَمْنَعُوهُنَّ مِنْ "اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجهنَّ" الْمُطَلِّقِيْنَ لَهُنَّ لِاَنَّ سَبَب نُزُولها اَنَّ اُخْت مَعْقِل بْن يَسَار طَلَّقَهَا زَوْجها فَاَرَادَ اَنْ يُّرَاجِعهَا فَمَنَعَهَا مَعْقِل بْن يَسَار كَمَا رَوَاهُ الْحَاكِم "اِذَا تَرَاضَوْا" اَیْ الْاَزْوَاج وَالنِّسَاء "بَيْنهمْ بِالْمَعْرُوْفِ" شَرْعًا "ذٰلِكَ" النَّهْي عَنْ الْعَضْل "يُوعَظ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِن بِاللّٰهِ وَالْيَوْم الْاٰخِر" لِاَنَّهٗ الْمُنْتَفِع بِهٖ "ذٰلِكُمْ" اَیْ تَرْك الْعَضْل "اَزْكٰی" خَيْر "لَكُمْ وَاَطْهَر" لَكُمْ وَلَهُمْ لِمَا يَخْشٰی عَلَى الزَّوْجَيْنِ مِنْ الرِّيبَة بِسَبَبِ الْعَلَاقَة بَيْنهمَا "وَاللّٰهُ يَعْلَم" مَا فِيْهِ الْمَصْلَحَة "وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" ذٰلِكَ فَاتَّبِعُوا اَوَامِره،

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے (پرانے یا نئے) شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، یہاں ممانعت کا خطاب اولیاء کیلئے ہے۔ کہ اگر وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرنے پر رضامند ہیں۔

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو معقل بن یسار نے ان کو منع کر دیا۔ (اس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے)۔ یعنی جب شوہر اور بیویاں آپس میں رضامند ہوں تو شریعت کے مطابق ان کو روکنا منع ہے۔ اس شخص کو اس امر کی نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو، کیونکہ اس نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ تمہارے لئے یعنی ممانعت کو چھوڑ دینا بہت ستھری اور نہایت پاکیزہ بات ہے، کیونکہ ان کے شوہروں پر گذشتہ تعلقات کے سبب تہمت کا خدشہ ہے۔ اور اللہ جانتا ہے یعنی جس میں مصلحت ہے اور تم نہیں جانتے۔ لہٰذا اس کے احکام کی اتباع کرو۔

فبلغن اجلهن "عدت کے مکمل ہونے کے معنی میں ہے اور یہ "ان ینکحن" کے قرینہ سے ہے کیونکہ عورت عدت کے مکمل ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے نہ کہ عدت کے مکمل ہونے سے پہلے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۲ کے سبب نزول کا بیان

حضرت امام حسن بصری کہتے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ایک شخص کے نکاح میں تھی، اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی، پھر اس سے علیحدہ رہا، یہاں تک کہ اس کی عدت گذر گئی، پھر اس کے پاس پیغام نکاح بھیجا، معقل نے اس کو برا سمجھتے ہوئے اس سے بچنا چاہا اور کہا جب وہ اس پر قادر تھا اس وقت تو اس سے علیحدہ رہا، اب نکاح کا پیغام بھیجتا ہے، چنانچہ اپنی بہن اور اس کے شوہر کے نکاح کے درمیان حائل ہوا تو اللہ تعالیٰ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت گذر جائے تو انہیں روکو نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معقل کو پیغام بھیجا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی تو وہ اپنی ضد سے باز آ گئے اور خدا کے

حکم کی اطاعت کی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 305)

عورتوں کو نقصان پہنچانے کیلئے عدت بڑھانے کی ممانعت کا بیان

امام عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حاضرِ خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارے میں) سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا کیونکہ یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی، میں نے رجوع کیا۔ یادرکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ اس حکم کا یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کیلئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کیلئے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا۔ ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واضح ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا، اس پر یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی۔ (ابن مردویہ)

حسن بصری فرماتے ہیں کہ لوگ طلاق دے دیتے، آزاد کر دیتے، نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا، اس پر یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرا دے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ بقرہ، ۲۳۲، بیروت)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

مدت رضاعت کا بیان

"وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ" اَیْ لِيُرْضِعْنَ "اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ" عَامَيْنِ "كَامِلَيْنِ" صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ ذٰلِكَ "لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ" وَلَا زِيَادَةَ عَلَيْهِ "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ" اَیْ الْاَب "رِزْقُهُنَّ" اِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ "وَكِسْوَتُهُنَّ" عَلٰى الْاِرْضَاعِ اِذَا كُنَّ مُطَلَّقَاتٍ "بِالْمَعْرُوْفِ" بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ "لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا" طَاقَتَهَا "لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا" اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ تُكْرَهَ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ اِذَا امْتَنَعَتْ "وَلَا" وَلَا يُضَارَّ "مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ" اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ يُّكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهٖ وَاِضَافَةُ الْوَلَدِ اِلٰى كُلٍّ مِّنْهُمَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِسْتِعْطَافِ "وَعَلَى الْوَارِثِ" اَیْ وَارِثِ الْاَبِ وَهُوَ الصَّبِیُّ اَیْ عَلٰى وَلِيِّهٖ فِیْ مَالِهٖ "مِثْلُ ذٰلِكَ" الَّذِیْ عَلَى الْاَبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْكِسْوَةِ "فَاِنْ اَرَادَا" اَیْ الْوَالِدَانِ "فِصَالًا" فِطَامًا لَّهٗ قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ صَادِرًا "عَنْ تَرَاضٍ" اِتِّفَاقٍ "مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ" بَيْنَهُمَا لِتَظْهَرَ مَصْلَحَةُ الصَّبِیِّ فِيْهِ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا" فِیْ ذٰلِكَ "وَاِنْ اَرَدْتُّمْ" خِطَابٌ لِلْاٰبَاءِ "اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ" مَرَاضِعَ غَيْرَ الْوَالِدَاتِ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ" فِيْهِ "اِذَا سَلَّمْتُمْ" اِلَيْهِنَّ "مَا اٰتَيْتُمْ" اَیْ اَرَدْتُّمْ اِيْتَاءَهٗ لَهُنَّ مِنَ الْاُجْرَةِ "بِالْمَعْرُوْفِ" بِالْجَمِيْلِ كَطِيْبِ النَّفْسِ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ،

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں۔ یہاں پر کاملین تاکیدی صفت ہے۔ یہ اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، لہٰذا اس کے باپ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، جبکہ دودھ پلانے والی طلاق یافتہ ہوں۔ اور معروف سے مراد طاقت کے مطابق ہے۔ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے یعنی جب وہ بچے کو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے۔ اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، یعنی اس کی طاقت سے زیادہ کو مکلف نہ کیا جائے اور یہاں والدین کے رحم دل ہونے کے سبب ان دونوں کی طرف ولد کی اضافت ہے۔ اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، اور یہاں وارث سے مراد بچے کا باپ ہے کیونکہ وہی اس کے مال میں ولی ہے۔ اور جو بھی باپ پر بچے کی والدہ کیلئے رزق اور لباس ہے۔ پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، تاکہ بچے کے حق میں مصلحت کا اظہار ہو۔ اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، یہاں خطاب آباء کو ہے یعنی جب تم بچوں کی ماؤں کے سوا دوسری عورتوں سے دودھ پلانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہوانہیں ادا کر دو۔ ... بہتر ہو۔ معروف سے اپنے طریقے سے ہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو

کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

مدت رضاعت میں فقہی مذاہب کا بیان

فقہاء اسلام نے کم از کم مدت کے تعین کے لیے ان نصوص شریعت کو بنیاد بنایا ہے: والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین اور چاہیے کہ (باہمی مشورے سے) مائیں اپنے جنے ہوئے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلاتی رہیں دوسری آیت سورہ احقاف کی ہے جسے پہلی آیت کے ساتھ رکھ کر اہل علم نے مدت کا تعین کیا ہے: وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا (بچے) کی مدت حمل اور مدت رضاعت (دونوں کا کل دورانیہ) تیس ماہ ہے۔

ان دونوں آیات مبارکہ کو جمع کرنے سے کم او کم مدت چھ ماہ اس طرح بنتی ہے کہ اگر وضع حمل نو ماہ کے بعد ہو تو تیس ماہ میں سے نو ماہ نکال کر رضاعت کی مدت اکیس ماہ بنے گی اور اگر پیدائش کے بعد پورے دو سال تک دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ سے منہا کی جائے تو یہ چوبیس ماہ کل تیس ماہ سے منفی کرنے کے بعد چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔پوری مدت رضاعت کو سامنے رکھ کر تیس ماہ کی نص کو اصل اور طبعی مدت مان کر کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہی بنے گی۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سب اکابر صحابہ نے انہیں آیات سے یہ حکم اخذ کیا تھا اور اسی مدت پر امت کا اجماع ہو گیا۔یہ تو تھا حمل کی کم از کم مدت کا مسئلہ۔جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو اس کے تعین میں اہل علم کا صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے اتفاق نہیں ہو سکا۔

ظاہری مذہب: امام ابن حزم نے مذکورہ بالا آیات کو بنیاد بنا کر کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو ماہ کی مدت کو فیصلہ کن مدت کہا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نو ماہ سے زیادہ مدت تک ٹھہرے جانے والے حمل کا شرعی اعتبار رکھتا ہے تو وہ اللہ کے واضح کلام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔جب اللہ نے خود ہی زیادہ سے زیادہ مدت تیس مہینے متعین کر دی ہے تو کم یا زیادہ کا سوال ہی نہ رہا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور رائے چار برس ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک رائے یہی ملتی ہے۔احناف اور شافعیہ میں سے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے دو برس کی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بتلایا ہے۔امام حزم اور ظاہری مذہب میں نو ماہ کی ہی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تسلیم کر لیا گیا ہے۔جن ائمہ نے زیادہ سے زیادہ چار برس کی رائے اختیار کی ہے تو انہوں نے اپنی رائے کے درست ہونے کے یہ دلائل دیے ہیں: انسانوں کو جو روزمرہ مسائل پیش آتے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے شریعت میں نصوص پائی جاتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کے وہ عرف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔جس طرح حیض اور نفاس کا حکم عورت کے معمول پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ خون کا سیلان بند ہوتے ہی عورت پاک ہو جاتی ہے اسی طرح عورتوں کے وضع حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین چار برس کیا گیا ہے کیونکہ اگر کسی عورت کے ہاں وقت پر ولادت نہ ہو تو عورتوں میں زیادہ سے زیادہ وضع حمل کا یہی معمول دیکھا گیا ہے۔مبارک بن مجاہد کہتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں محمد بن عجلان کے گھر ہر بار چار برس کے حمل کے بعد ولادت ہوتی تھی۔اُن کی گھر والی کا یہ ایسا بندھا معمول تھا کہ ان کی بابت کہا جاتا کہ فلانہ کا معمول حمل فیل کی طرح پورے چار برس ہے۔

جن ائمہ کرام نے زیادہ سے زیادہ مدت دو برس اختیار کی ہے ان کی دلیلیں یہ ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں لا یبقی الولد فی رحم امھا اکثر من سنتین، و لو بفلکۃ مغزل جنین اپنی ماں کے پیٹ میں کبھی بھی دو برس سے زیادہ نہیں نکلتا بس سمجھوں اتنی مدت اوٹھہرا تو ٹھہر جائے گا جتنی دیر میں تکلے کا ایک چکر پورا ہوتا ہے (دھوپ میں تکلے کا سایہ یا اس کا ایک چکر کم مدت کے لیے کنایۃ ہے) یہ اصحاب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان کی بابت فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مدت کا تعین یقیناً اپنے طور پر نہ فرماتی ہوں گی کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان کوئی شخص بھی اپنے مشاھدے یا عقل سے حتمی کور پر نہیں کر سکتا۔ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ایسا سن رکھا ہوگا۔

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابو سفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو (بخاری و مسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کیے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے۔

عدت وفات کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ" يَمُوْتُوْنَ "مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ" يَتْرُكُوْنَ "اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ" اَیْ لِيَتَرَبَّصْنَ "بِاَنْفُسِهِنَّ" بَعْدَهُمْ عَنِ النِّكَاحِ "اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" مِنَ اللَّيَالِي وَهٰذَا فِي غَيْرِ الْحَوَامِلِ اَمَّا الْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِاٰيَةِ الطَّلَاقِ وَالْاَمَةُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" انْقَضَتْ مُدَّةُ تَرَبُّصِهِنَّ "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ" اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ "فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ" مِنَ التَّزَيُّنِ وَالتَّعَرُّضِ لِلْخُطَّابِ "بِالْمَعْرُوْفِ" شَرْعًا "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ،

اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، یعنی ان کی موت کے بعد چار ماہ دس دن ورات تک روک لیں۔ اور یہ حکم غیر حاملہ عورتوں کیلئے ہے۔ جبکہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے جس طرح آیت طلاق میں آیا ہے۔ اور حدیث کے مطابق باندی کی عدت دو حیض ہے۔ پھر جب وہ اپنی عدت کو آ پہنچیں یعنی عدت کی مدت ختم ہو جائے۔ تو تم پر حرج نہیں ہے یعنی اولیاء پر کہ جو کچھ وہ اپنے بارے میں کریں۔ یعنی زیب و زینت کریں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے۔ یعنی باطن کو اسی طرح جاننے والا ہے جس طرح ظاہر کو جانتا ہے۔

دور جاہلیت کی عدت وفات کے منسوخ ہونے کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال کی تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان ونفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی۔ پھر ایک سال کی عدت تو "يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال بھر کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا لہٰذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اس کو عار سمجھتے تھے اس لئے اگر ایک دم چار ماہ دس روز

کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی لہٰذا بتدریج انہیں راہ پر لایا گیا۔ (خزائن العرفان، سورہ بقرہ، لاہور)

عدت کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع وایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح فاسد ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت (کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کے لغوی معنی: شمار کرنے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں عدت: اس مدت کو کہتے ہیں جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علیحدگی کے فیصلہ یا باہمی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق یا شبہ کی بنا پر وطی کے بعد اپنے آپ کو خاص مدت تک روکے رکھے۔

عدت وفات کا چار ماہ دس دن ہونے کا بیان

حضرت مجاہد فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے، عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے، میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا، وہ جہاں چاہ عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ ہیں، پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟

یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے آیت (یوصیکم اللہ فی اولادکم) الخ، اس کا نصب فلتوصوالھن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیۃ کی قرأت یہی ہے یعنی آیت (کتب علیکم وصیۃ) پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے، پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کیلئے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا، میں نے پھر قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا، میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا، حضرت عثمان نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا، اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

باندی کی عدت وفات میں فقہی مذاہب اربعہ

اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے۔ جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔

حضرت سعید ابن مسیب ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دیے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔

ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔

حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

ابو حنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابو عبید، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ

ان میں سے مشہور اور قوی قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔ اکثر علماء کرام جن میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے: فریعہ بنت مالک رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے نکلا اور جب وہ ان کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاندان بنو خدرہ میں واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جا سکتی ہیں، تو میں واپس پلٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دھرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہو حتی کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری، اور جب عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ سنن ابوداود، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ تعالی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ: اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ اور اکابر صحابہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد (5/691)

بعض اوقات عدت گزارنے والی عورت اور یا پھر اس کے گھر میں کوئی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے مثلاً: ڈر اور خوف، انہدام، غرق، یا پھر دشمن کا خوف، یا وحشت، یا یہ کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے درمیان رہائش پذیر ہو، یا پھر اس کے ورثا اسے وہاں سے لانے کا ارادہ کر لیں، یا پھر اس کا وہاں رہنا اولاد یا مال و دولت کے ضیاع کا باعث بن جائے، وغیرہ۔

احناف، حنابلہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا جائز ہے، اور اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔
اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلاً وہ وراثت یا املاک کیبارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔
اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے لیے ممکن ہے تو وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

بیوہ کے نان ونفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مطلقہ، خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ، اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مرا ہو، یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہوگئی ہو۔ اس معاملہ میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں۔

1 حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس کا نفقہ واجب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، قاضی شریح، ابو العالیہ، شعبی اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول منقول ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے (آلوسی۔ جصاص)

2 ابن جریر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اس کے پیٹ کے بچہ کے حصے میں سے خرچ کیا جائے اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو۔ اور اگر میراث نہ چھوڑی ہو تو میت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرہ، آیت 233)۔

3 حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک تیسرا قول یہی منقول ہوا ہے (جصاص)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے اس کو جو میراث کا حصہ ملا ہو اس سے وہ اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکے پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

4 ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ متوفی شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا قرض واجب ہوتا ہے (جصاص)۔ یعنی مجموعی ترکہ میں سے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا نفقہ بھی ادا کیا جائے۔

5 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میت کے مال میں اس کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ کیونکہ موت کے بعد میت کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کیسے واجب ہو سکتا ہے (ہدایہ، جصاص)۔ یہی مسلک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کا ہے۔

(الانصاف)

6 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے (مُغنی المحتاج)۔ ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کر دیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزاریں (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

مزید برآں ان کا استدلال دار قطنی کی اس روایت سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: للحامل المتوفی عنها زوجها نفقة۔ بیوہ حاملہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ
النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا
أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ○
اور تم پر گناہ نہیں، اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی
یاد کرو گے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے، اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا
حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے،

عدت کی حالت میں پیغام نکاح بھیجنے کا بیان

"وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ" لَوَّحْتُمْ "بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاء" الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجهنَّ فِي الْعِدَّة كَقَوْلِ الْإِنْسَان: مَثَلًا إِنَّك لَجَمِيلَة وَمَنْ يَجِد مِثْلك وَرُبَّ رَاغِب فِيك "أَوْ أَكْنَنْتُمْ" أَضْمَرْتُمْ "فِي أَنْفُسكُمْ" مِنْ قَصْد نِكَاحهنَّ "عَلِمَ اللَّه أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ" بِالْخِطْبَةِ وَلَا تَصْبِرُونَ عَنْهُنَّ فَأَبَاحَ لَكُمْ التَّعْرِيض "وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا" أَيْ نِكَاحًا "إِلَّا" لَكِنْ "أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا" أَيْ مَا عُرِفَ شَرْعًا مِنْ التَّعْرِيض فَلَكُمْ ذَلِكَ "وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَة النِّكَاح" أَيْ عَلَى عَقْده "حَتَّى يَبْلُغ الْكِتَاب" أَيْ الْمَكْتُوب مِنْ الْعِدَّة "أَجَله" بِأَنْ يَنْتَهِي "وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّه يَعْلَم مَا فِي أَنْفُسكُمْ" مِنْ الْعَزْم وَغَيْره "فَاحْذَرُوهُ" أَنْ يُعَاقِبكُمْ إِذَا عَزَمْتُمْ "وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّه غَفُور" لِمَنْ يَحْذَرهُ "حَلِيم" بِتَأْخِيرِ الْعُقُوبَة عَنْ مُسْتَحِقّهَا،

اور تم پر گناہ نہیں، اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے ہاں نکاح کا پیام دو، یعنی جس کوئی شخص یہ کہے کہ تم بہت خوبصورت ہو، تمہارے جیسی حسین کس کو ملے گی؟ تمہیں چاہنے والے بڑے ہیں، یا اپنے دل میں چھپا رکھو یعنی جو تمہارے دلوں میں جو نکاح کرنے کا ارادہ پوشیدہ ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے۔ یعنی منگنی کے ساتھ

یاد کرو گے اور تم ان سے صبر نہ کر سکو گے۔ لہٰذا اس نے تمہارے لئے پیغام منگنی مباح قرار دیا ہے۔ ہاں ان سے خفیہ نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے، یعنی جس قدر شریعت نے اشارے سے تمہارے لئے مباح کیا ہے۔ اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو یعنی عقد پختہ نہ کرو۔ جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے یعنی جو عدت لکھ دی گئی ہے۔ جب وہ مکمل ہو جائے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل میں ارادہ وغیرہ ہے۔ تو اس سے ڈرو یعنی اگر تم پختہ ارادہ کرو گے تو وہ تم کو اس کی سزا دے گا۔ اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا یعنی جو اس سے ڈر رکھتا ہو، مستحق عذاب کے عذاب کو مؤخر کرنے والا ہے۔

عدت میں نکاح درست نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے۔

لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام کر دی گئی، جیسا کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۳۵، بیروت)

منگیتر کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لو۔ یہ تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اس باب میں محمد بن مسلمہ، جابر، انس، ابوحمید، ابوہریرہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے مطابق فرمایا کہ جس عورت کو آدمی نکاح کا پیغام بھیجے اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا کوئی ایسا عضو نہ دیکھے جس کو دیکھنا حرام ہو۔ امام احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد آخری انکے معنی یہ ہیں کہ تمہارے درمیان محبت

کے ہمیشہ رہنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۰۸۷، مرفوع)

منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا علی الاطلاق ممنوع ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تا کہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ
عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر تم نے اپنی منکوحہ عورتوں کو ان کے چھونے یا ان کے مہر مقرر کرنے سے بھی پہلے طلاق دے
دی ہے تو انہیں مناسب خرچہ دے دو، وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق،
یہ خرچہ مناسب طریق پر دیا جائے، یہ بھلائی کرنے والوں پر حق ہے۔

غیر مدخول بہا کو بعض نفقہ دینے کا بیان

"لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاء مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ" وَفِیْ قِرَاءَة (تُمَاسُّوهُنَّ) اَیْ تُجَامِعُوهُنَّ وَمَا مَصْدَرِيَّة ظَرْفِيَّة اَیْ لَا تَبِعَة عَلَيْكُمْ فِی الطَّلَاق زَمَن عَدَم الْمَسِيس وَالْفَرْض بِاِثْمٍ وَلَا مَهْر فَطَلِّقُوهُنَّ "اَوْ" لَمْ "تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَة" مَهْرًا "وَمَتِّعُوْهُنَّ" اَعْطُوهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهِ "عَلَى الْمُوسِع" الْغَنِیّ مِنْكُمْ "قَدَره وَعَلَى الْمُقْتِر" الضَّيِّق الرِّزْق "قَدَره" يُفِيد اَنَّهُ لَا نَظَر اِلٰی قَدْر الزَّوْجَة "مَتَاعًا" تَمْتِيعًا "بِالْمَعْرُوْفِ" شَرْعًا صِفَة مَتَاعًا "حَقًّا" صِفَة ثَانِيَة اَوْ مَصْدَر مُؤَكِّدَة "عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ" الْمُطِيعِيْنَ،

تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر تم نے اپنی منکوحہ عورتوں کو ان کے چھونے یا ان کے مہر مقرر کرنے سے بھی پہلے طلاق دے دی ہے تو انہیں مناسب خرچہ دے دو، ایک قرأت میں "تُمَاسُّوهُن" ہے اور یہاں پر ما ظرفیہ مصدریہ ہے یعنی مس نہ کرنے کے زمانے میں طلاق دینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور مہر مقرر کرنے کے زمانے میں بھی نہیں ہے۔ اور نہ وجوب مہر میں کوئی حرج ہے۔ پس اگر تم طلاق دے دو اگرچہ مہر مقرر نہ کیا تو انہیں وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، یہ خرچہ مناسب طریق پر دیا جائے، تا کہ

عورت اس سے فائدہ حاصل کرے۔ متاعا معروف کی صفت اول ہے اور حقا یہ صفت ثانی ہے یا تاکیدی مصدر ہے۔ یہ بھلائی کرنے والوں یعنی اطاعت کرنے والوں پر حق ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلمہ "مس" آیت شریفہ میں جماع سے کنایہ ہے۔ اس کے علاوہ آیت سے مراد اس گمان کو دور کرنا ہے کہ "عورت کے ساتھ ہمبستری سے پہلے اسے طلاق دینا جائز نہیں ہے'۔ حق مہر کی تعیین نہ کئے جانے کی صورت میں عورتوں کو طلاق دینا جائز ہے۔

'فریضة" میں فرض سے مراد حق مہر کی تعیین ہے "او تفرضوا " کا عطف " ما لم تمسوھن " پر ہے یعنی ان عورتوں کو طلاق دینا جائز ہے جن کا مہر معین نہ کیا گیا ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۶ کے شان نزول کا بیان

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ایک انصاری کے باب میں نازل ہوئی جنہوں نے قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور کوئی مہر معین نہ کیا پھر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی۔ (تفسیر خازن، البقرہ، بیروت)

جماع سے قبل طلاق کی صورت کچھ نفقہ دینے کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتہ دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ تشریح فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے، حضرت حسن بن علی نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے حضرت امام شافعی کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ○
اور اگر تم نے عورتوں کو بغیر مس کئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر

یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دے، جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اے مرد و تمہارا زیادہ دینا پرہیز گاری سے
نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

زوجہ یا ولی زوجہ کا مہر میں سے معاف کرنے کا بیان

"وَاِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ" يَجِبُ لَهُنَّ وَيَرْجِعُ لَكُمُ النِّصْفُ "اِلَّا" لٰكِنْ "اَنْ يَّعْفُوْنَ" اَىِ الزَّوْجَاتُ فَيَتْرُكْنَهُ "اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" وَهُوَ الزَّوْجُ فَيَتْرُكُ لَهَا الْكُلَّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : الْوَلِىُّ اِذَا كَانَتْ مَحْجُوْرَةً فَلَا حَرَجَ فِىْ ذٰلِكَ "وَاَنْ تَعْفُوْا" مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ "اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" اَىْ اَنْ يَّتَفَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ "اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ،

اور اگر تم نے عورتوں کو بغیر مس کئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے یعنی نصف ان کیلئے واجب ہے اور بقیہ نصف تمہارے لئے واپس ہو جائے گا۔ مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یعنی معاف کر دیں یا وہ زیادہ دے، جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور وہ شوہر ہے لہٰذا اس کیلئے سارا چھوڑ دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ولی تب ہے جب وہ عورت اس معاملہ میں معذور ہو لہٰذا اس پر ولی کوئی حرج نہ ہوگا۔ اور ''وَاَنْ تَعْفُوْا'' یہ مبتداء ہے اور ''اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى'' یہ اس کی خبر ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ یعنی وہ تمہیں اس کی جزا دے گا۔

مقررہ مہر سے نصف دینے میں فقہی وتفسیری تصریحات کا بیان

اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کیلئے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو چکا ہو تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتوں میں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں،

اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے، لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے، گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے، لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑے گا، امام شافعی فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباس کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے، پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے،

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں، پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔

حضرت علی سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں، فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے، اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس، علقمہ، حسن، عطاء، طاؤس، زہری، ربیعہ، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، عکرمہ، محمد بن سیرین سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام مالک کا اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو،

عکرمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو، حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے تمہارا خون معاف کرنا ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے، یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے۔ آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو، اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا، مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو، برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی

ہلاکت میں حصہ نہ لے۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اسے رنج وغم پہنچے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے،

حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے ہیں روتے جاتے یہاں تک کہ داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دِل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا، ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی ۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۳۷، بیروت)

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ٥
نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو جاؤ،

نمازوں کی حفاظت کرنے کا بیان

"حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَات " الْخَمْس بِأَدَائِهَا فِيْ أَوْقَاتهَا "وَالصَّلَاة الْوُسْطَى" هِيَ الْعَصْر أَوْ الصُّبْح أَوْ الظُّهْر أَوْ غَيْرهَا أَقْوَال وَأَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ لِفَضْلِهَا "وَقُومُوْا لِلّٰهِ" فِي الصَّلَاة "قَانِتِيْنَ" قِيلَ مُطِيعِيْنَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (كُلّ قُنُوت فِي الْقُرْآن فَهُوَ طَاعَة) رَوَاهُ أَحْمَد وَغَيْره وَقِيلَ سَاكِتِيْنَ لِحَدِيثِ زَيْد بْن أَرْقَم : (كُنَّا نَتَكَلَّم فِي الصَّلَاة حَتّٰى نَزَلَتْ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنْ الْكَلَام) رَوَاهُ الشَّيْخَان،

نگہبانی کرو سب نمازوں کی یعنی پانچوں نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرو۔اور درمیانی نماز کی، جو عصر ہے یا صبح کی ہے یا ظہر کی ہے یا ان کے علاوہ اقوال ہیں۔اور اس کو اکیلے بیان کرنا اس کی فضیلت کے سبب ہے۔اور اللہ کے حضور ادب سے نماز میں کھڑے ہو جاؤ، قانتین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اطاعت کرنے والے ہیں۔جس طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ہر قنوت قرآن میں ہے پس وہ طاعت ہے۔اس کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق نماز میں خاموش کھڑا ہونا مراد ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی جس پر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔اور حدیث امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کیونکہ "حافظوا" کو جمع لایا گیا ہے جس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ خطاب پورے ایمانی معاشرے سے ہے اور واضح ہے کہ یہ اس بات سے منافات نہیں رکھتا کہ یہ امر معاشرہ کے فرد فرد کیلئے نماز پر توجہ اور حفاظت کا حکم بھی ہو۔

قنوت" کے معنی اطاعت میں خضوع وخشوع کرنے کے ہیں اور خضوع وخشوع کا لازمہ کامل توجہ ہے اور "قوموا لله "میں قیام سے مراد یا صرف نماز ہے یا قیام کا واضح ترین مصداق نماز ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۸ کے سبب نزول کا بیان

زید بن ثابت فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ پر اور کوئی نہ تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو ہیں۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ عصر ہے۔

صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے، جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا، اب میرے رنج وغم کا کچھ نہ پوچھئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا، اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے، اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو، پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۹، بیروت)

نماز وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہونے میں فقہی تصریحات کا بیان

صلوۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابوایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ، ابوسعید، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، ابن عمر، ابن عباس، عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے۔

امام احمد اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ ابویوسف، محمد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس قول کی دلیل سنیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے دِلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا، اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابوہاشم بن عتبہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر گئے، اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا یہ نماز عصر ہے۔

عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا، آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ، تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنیئے مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا، آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز، پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ ہوئی ظہر کی، پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز، پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ عشاء کی نماز،

پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی، میں نے کہا بیچ کی، فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی، میں نے کہا عصر کی، فرمایا یہی صلوۃ وسطیٰ ہے۔ (جامع البیان، بقرہ ۲۳۸، بیروت)

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝
پس اگر تم حالتِ خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار، پھر جب تم حالتِ امن میں آ جاؤ تو انہی طریقوں پر اللہ کی یاد کرو
جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

نماز میں وجود عذر و عدم وجود عذر کے سبب انتقال حکم کا بیان

"فَاِنْ خِفْتُمْ" مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَيْلٍ اَوْ سَبُعٍ "فَرِجَالًا" جَمْع رَاجِل اَىْ مُشَاة صَلُّوْا "اَوْ رُكْبَانًا" جَمْع رَاكِب اَىْ كَيْفَ اَمْكَنَ مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَة اَوْ غَيْرهَا وَيُومِء بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُود "فَاِذَا اَمِنْتُمْ" مِنَ الْخَوْف "فَاذْكُرُوا اللّٰه" اَىْ صَلُّوا "كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" قَبْل تَعْلِيمه مِنْ فَرَائِضهَا وَحُقُوقهَا وَالْكَاف بِمَعْنَى مِثْل وَمَا مَصْدَرِيَّة اَوْ مَوْصُولَة،

پس اگر تم حالتِ خوف میں ہو یعنی دشمن یا سیلاب یا درندے کا خوف ہو، تو پیادہ، یہاں رجالا یہ راجل کی جمع ہے۔ یعنی پیدل چلتے ہو یا سوار، یہاں رکبانا یہ راکب کی جمع ہے۔ یعنی جس طرح تمہارے لئے ممکن ہو قبلہ وغیرہ کی طرف رخ کر کے اور رکوع و سجود کے ساتھ اشارہ کر کے نماز پڑھو۔ پھر جب تم خوف سے حالتِ امن میں آ جاؤ تو انہی طریقوں پر اللہ کی یاد کرو یعنی نماز پڑھو۔ جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں یعنی جس طرح اس کے فرائض اور حقوق سے پہلے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ اور یہاں کاف بہ معنی مثل ہے اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ ہے۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

یہاں پر "فان خفتم" کا جملہ ایک محذوف شرط کی حکایت کرتا ہے جو پہلے والی آیت کے حکم کو مشروط کرتا ہے یعنی نماز میں تمام شرائط کی کامل رعایت، امن کی صورت میں ہے لیکن اگر خوف پیش آ جائے تو جس قدر امکان ہو بجالائے اور باقی شرائط اور آداب ضروری نہیں ہیں۔ اسی طرح "رجالا" "راجلاً" کی جمع ہے جو پیدل کے معنی میں ہے اور "رکباناً" راکب کی جمع ہے جو سوار کے معنی میں ہے اور دونوں میں حرکت کا پہلو مدنظر ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۳۹ کے سبب نزول کا بیان

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا، لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز سواری پر ہی پڑھ لیتے تھے خواہ اس کا منہ کسی طرف بھی ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف آ رہے تھے پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الْآیَةَ" (اللہ ہی کے لئے مشرق اور مغرب) اور فرمایا یہ آیت اسی باب میں نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور قتادہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ " 2. البقرۃ : 115) (اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے) سے منسوخ ہے۔ یہ قول محمد بن عبدالملک بن شوارب بن یزید بن زریع سے وہ سعید سے اور وہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ جب کہ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس مراد یہ ہے کہ جس طرف بھی منہ کرو گے اسی طرف قبلہ ہے یعنی اپنا تمہاری نماز قبول ہوگی۔ یہ قول ابوکریب وکیع سے وہ نضر بن عربی سے اور وہ مجاہد سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 888)

مرض وخوف کے سبب نماز میں عذر اباحت کا بیان

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1223)

اگر کوئی آدمی کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے بقبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی آدمی قبلے کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی آدمی ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلے کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو ادھر ہی کی طرف پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلے میں افضل یہ ہے کہ رو بقبلہ ہو کر چت لیٹے کندھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دار قطنی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چت لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمران کے لیے فرمایا تھا کیونکہ وہ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چت نہیں لیٹ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث دوسروں کے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض نماز کے لیے ارشاد فرمایا ہے اس لیے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے، اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کرلیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن

صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے، مکحول بھی یہی کہتے ہیں حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا، صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ نماز ادا کرتے، خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی، اگر نماز کیلئے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ
فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝
اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال تک کا خرچہ
دینے، اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیت کر جائیں، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق
میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

ازواج کیلئے ایک سال کے نفقہ کی وصیت کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا" فَلْيُوصُوا "وَصِيَّةً" وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اَيْ عَلَيْهِمْ "لِأَزْوَاجِهِمْ" وَلْيُعْطُوهُنَّ "مَتَاعًا" مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهِ مِنَ النَّفَقَةِ وَالْكِسْوَةِ "إِلَى" تَمَام "الْحَوْل" حَال اَيْ غَيْر مُخْرِجَات مِنْ مَّسْكَنهنَّ "فَإِنْ خَرَجْنَ" بِاَنْفُسِهِنَّ "فَلَا جُنَاح عَلَيْكُمْ" يَا اَوْلِيَاء الْمَيِّت "فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسهنَّ مِنْ مَّعْرُوْف" شَرْعًا كَالتَّزَيُّنِ وَتَرْك الْإِحْدَاد وَقَطْع النَّفَقَة عَنْهَا "وَاللّٰهُ عَزِيْز" فِيْ مُلْكه "حَكِيْم" فِيْ صُنْعه وَالْوَصِيَّة الْمَذْكُورَة مَنْسُوخَة بِاٰيَةِ الْمِيرَاث وَتَرَبُّص الْحَوْل بِاٰيَةِ اَرْبَعَة اَشْهُر وَعَشْرًا السَّابِقَة الْمُتَاَخِّرَة فِي النُّزُول وَالسُّكْنٰى ثَابِتَة لَهَا عِنْد الشَّافِعِيّ رَحِمَهُ اللّٰه،

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال تک کا خرچہ دینے، اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیت کر جائیں، ایک قرأت میں وصیہ رفع کے ساتھ آئی ہے۔ یعنی ان پر ان کی ازواج کیلئے نفقہ اور لباس سے وہ فائدہ حاصل کریں۔ یعنی مکمل سال ہونے تک نفع اٹھائیں جبکہ ان کو گھروں سے باہر بھی نہ نکالا جائے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر یعنی اے میت کے اولیاء، اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں، یعنی جو زیب و زینت اور ترک سوگ اور اس سے نفقہ ختم کرنا ہے۔ اور اللہ اپنی بادشاہت میں بڑا غالب، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت میں ذکر کردہ وصیت آیت میراث سے منسوخ ہے۔ اور ایک سال کا ٹھہرنا یہ چار ماہ دس دن والی آیت سے منسوخ ہے۔ کیونکہ سابقہ آیات نزول میں متاخر ہیں۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سکنیٰ ثابت ہے۔

عدت وفات میں ایک سال کی مدت کے منسوخ ہونے کا بیان

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت کی منسوخ ہو چکی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر نے حضرت عثمان سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں، آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی، ہم کوئی تغیر و تبدیل نہیں کر سکتے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے، پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کو اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے،

عورت کا عدت اپنے شوہر گھر میں گزارنے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کیلئے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا، میں نے پھر قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا، میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا، حضرت عثمان نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا، اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۝
اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے' یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے۔

غیر ممسوسہ کیلئے مناسب نفقہ دینے کا بیان

"وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ" يُعْطِيْنَهُ "بِالْمَعْرُوْفِ" بِقَدْرِ الْإِمْكَان "حَقًّا" نُصِبَ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر "عَلَى الْمُتَّقِيْنَ" اللّٰهَ تَعَالٰى كَرَّرَهُ لِيَعُمَّ الْمَمْسُوْسَةَ أَيْضًا إِذِ الْآيَةُ السَّابِقَةُ فِيْ غَيْرِهَا،

اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے، یعنی ممکن مقدار کے مطابق دیا جائے۔ اور یہاں پر "حقًّا" فعل مقدر کے سبب منصوب ہے۔ یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے۔ اور اس کو تکرار کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ مس والی عورت کو بھی شامل ہو جائے کیونکہ سابقہ آیت میں بیان کردہ حکم غیر مس والی عورت کیلئے تھا۔

سورہ بقرہ آیت ۲۴۱ کے مضمون نزول کا بیان

مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں، چاہیں نہ دیں، اس پر یہ آیت اتری، اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا، اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسا کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝
اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

"كَذٰلِكَ" كَمَا يُبَيِّنُ لَكُمْ مَا ذُكِرَ "يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" تَتَدَبَّرُوْنَ،

اسی طرح یعنی جس طرح تمہارے لئے ذکر کیے ہیں۔ اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

احکام شرعیہ پر عمل کیلئے فرشتے کی رہنمائی کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (وہ یہ کہ) ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور راستہ کے سر پر پکارنے والا کھڑا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے، سیدھے راستہ پر چلے آؤ، غلط راستے پر نہ لگو! اس پکارنے والے کے اوپر (یعنی اس کے آگے کھڑا ہوا) ایک دوسرا پکارنے والا ہے، جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ (دوسرا پکارنے والا) پکار کر کہتا ہے، تجھ پر افسوس ہے! اس کو نہ کھول اگر تو اسے کھولے گا تو اس کے اندر داخل ہو جائے گا (اور وہاں سخت تکلیف میں ہوگا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی وضاحت کی اور فرمایا، سیدھا راستہ سے مراد اسلام ہے (جس کو اختیار کر کے جنت میں پہنچتے ہیں) اور کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (جس کو اختیار کرنا تکمیل اسلام کے منافی ہے) اور (دروازوں پر) پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا فرشتہ ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ زرین، مسند احمد بن حنبل اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں نواس بن سمعان سے نقل کیا ہے اور جامع ترمذی نے بھی انہیں سے روایت کی ہے مگر جامع ترمذی نے اختصار ساتھ بیان کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 186)

شرعی احکام زیادہ تر دو ہی قسموں سے متعلق ہیں یعنی حلال و حرام اور ان دونوں کو شریعت نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا

ہے جو چیزیں حلال ہیں ان کے بارہ میں بھی اعلان کر دیا گیا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی بھی تصریح کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جس طرح حلال چیزوں پر عمل کر کے اللہ کی خوشنودی ورضا کے مستحق ہو گے اسی طرح حرام چیزوں کو اختیار کر کے سزا کے مستوجب گردانے جاؤ گے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کے اور بندوں کے درمیان اللہ نے اپنے احکام سے حدیں قائم کر دی ہیں تا کہ بندے اس سے تجاوز کر کے محرمات کے ارتکاب کے مجرم نہ ہوں، انہی حرام چیزوں اور حدود کو جو احکام الٰہی ہیں اس مثال میں دروازں اور پردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح مثال مذکورہ میں فرمایا گیا ہے کہ ہر مومن کے دل پر ایک فرشتہ ہوتا ہے جو قلب کا محافظ ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کے راستہ پر لگانے کی سعی کرے اس کو تائید الٰہی اور توفیق خداوندی کہتے ہیں اگر کسی بندے کے ساتھ تائید الٰہی و توفیق خداوندی نہ ہو تو انسان کتنا بھی چاہے ہدایت کے راستہ پر نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ مثال میں قرآن کو راہبر بتایا گیا ہے مگر اسکی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت بھی اسی وقت کار آمد ہوتی ہے جب کہ بندہ کے ساتھ تائید الٰہی اور توفیق خداوندی بھی شامل ہو۔ قرآن تو راستہ بتا دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے مگر اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس راہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب بندہ کے دل میں اللہ کی جانب سے ہدایت ڈال دی جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، تو اللہ نے انہیں حکم دیا، مر جاؤ، پھر انہیں زندہ فرما دیا، بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

موت سے فرار ہونے والوں کیلئے کوئی فرار نہیں ہے

"اَلَمْ تَرَ" اِسْتِفْهَام تَعْجِيب وَتَشْوِيق اِلٰى اسْتِمَاع مَا بَعْدَه اَىْ يَنْتَهِ عِلْمك "اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارهمْ وَهُمْ اُلُوف" اَرْبَعَة اَوْ ثَمَانِيَة اَوْ عَشَرَة اَوْ ثَلَاثُوْنَ اَوْ اَرْبَعُوْنَ اَوْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا "حَذَر الْمَوْت" مَفْعُول لَهُ وَهُمْ قَوْم مِنْ بَنِىْ اِسْرَائِيل وَقَعَ الطَّاعُوْن بِبِلَادِهِمْ فَفَرُّوْا "فَقَالَ لَهُمُ اللّٰه مُوْتُوْا" فَمَاتُوْا "ثُمَّ اَحْيَاهُمْ" بَعْد ثَمَانِيَة اَيَّام اَوْ اَكْثَر بِدُعَاءِ نَبِيّهمْ حِزْقِيل بِكَسْرِ الْمُهْمَلَة وَالْقَاف وَسُكُوْن الزَّاى فَعَاشُوْا دَهْرًا عَلَيْهِمْ اَثَر الْمَوْت لَا يَلْبَسُوْنَ ثَوْبًا اِلَّا عَادَ كَالْكَفَنِ وَاسْتَمَرَّتْ فِىْ اَسْبَاطهمْ "اِنَّ اللّٰه لَذُوْ فَضْل عَلَى النَّاس" وَمِنْهُ اِحْيَاء هٰؤُلَاءِ "وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" وَهُمُ الْكُفَّار "لَا يَشْكُرُوْنَ" وَالْقَصْد مِنْ ذِكْر خَبَر هٰؤُلَاءِ تَشْجِيع الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَال وَلِذَا عَطَفَ عَلَيْهِ،

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ یہاں پر استفہام تعجب کیلئے ہے اور مابعد کو سنانے کا شوق دلانے کیلئے آیا ہے یعنی

کیا تم کو اس کا علم نہیں ہے۔ جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، یعنی چار ہزار، یا آٹھ ہزار یا دس ہزار یا تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھے۔ یہاں پر "حَذَرَ الْمَوْتِ" مفعول لہ ہے۔ اور وہ بنی اسرائیل تھے جن کے شہروں میں طاعون کی بیماری پھیلی۔ تو انہوں نے فرار اختیار کیا' تو اللہ نے انہیں حکم دیا، مر جاؤ، پس وہ فوت ہو گئے۔ پھر انہیں زندہ فرما دیا، یعنی آٹھ دن یا اس سے زیادہ دنوں کے بعد ان کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا کے ذریعے ان کو زندہ کیا۔ یہاں پر حاء مہملہ اور کاف کسرہ کے ساتھ اور زاء سکون کے ساتھ آئی ہے۔ لہٰذا وہ ایک مدت تک زندہ رہے اور ان پر موت کا اثر باقی رہا کہ جب وہ لباس پہنتے تو کفن بن جاتا تھا۔ اور یہی اثر مدتوں ان کی نسل میں باقی رہا۔ بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور اسی میں سے وہ ان کو زندہ کرتا ہے۔ مگر اکثر لوگ یعنی کفار شکر ادا نہیں کرتے۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد اہل ایمان کو جہاد پر ہمت دلانا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا عطف ''وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ'' ڈالا گیا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۴۳ کے سبب نزول کا بیان

بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی جس کے بلاد میں طاعون ہوا تو وہ موت کے ڈر سے اپنی بستیاں چھوڑ بھاگے اور جنگل میں جا پڑے بحکم الٰہی سب وہیں مر گئے کچھ عرصہ کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے انہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا اور وہ مدتوں زندہ رہے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی موت کے ڈر سے بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا تو بھاگنا بیکار ہے جو موت مقدر ہے وہ ضرور پہنچے گی بندے کو چاہئے کہ رضائے الٰہی پر راضی رہے مجاہدین کو بھی سمجھنا چاہئے کہ جہاد سے بیٹھ رہنا موت کو دفع نہیں کر سکتا لہٰذا دل مضبوط رکھنا چاہئے۔

اللہ کے نبی علیہ السلام کی دعا سے چالیس ہزار مردوں کے زندہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے، بعض تو ہزار کہتے ہیں، بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں، بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں، یہ لوگ ذروردان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے، بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا، یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے، ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے، اتفاق سے ایک نبی اللہ کا وہاں سے گزر ا، ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا، بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چورا ہو گیا، اسی جگہ بستی بس گئی تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ، چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو، چنانچہ اس نبی کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا، پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ

جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بیساختہ انکی زبان سے نکلا (سبحانك لا اله الا انت) اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اُٹھنے کی۔

(تفسیر القرآن العظیم، بقرہ، ۲۴۳)

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ٥
اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

دین کی سربلندی کیلئے جہاد کرنے کا بیان

"وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" اَیْ لِاِعْلَاءِ دِیْنِه "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ" لِاَقْوَالِكُمْ "عَلِیْمٌ" بِاَحْوَالِكُمْ فَمُجَازِیْكُمْ،

اللہ کی راہ میں دین کی سربلندی کیلئے جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ تمہارے اقوال کو خوب سننے والا تمہارے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

اللہ کی رضا کیلئے جہاد کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا اپنے والدین کی خدمت کرنا میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھا اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو آپ اور زیادہ مجھے بتا دیتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 51)

حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی عبادت بتائیے جو جہاد کے ہم مرتبہ ہو آپ نے فرمایا کہ ایسی عبادت تو کوئی نہیں لیکن کیا تم یہ کر سکتے ہو۔ کہ جب مجاہد جہاد کیلئے نکلے تو اپنی مسجد میں جائے اور نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور سست نہ ہو اور برابر روزے رکھے کوئی روزہ نہ چھوڑے اس نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کون کر سکتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مجاہد کا گھوڑا جب اپنی رسی میں بندھا ہوا چرنے کیلئے چلتا پھرتا ہے تو اس گھوڑے کے ہر ہر قدم پر مجاہد کیلئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 54)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ٥
کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے،
اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض حسنہ کہنے کا بیان

"مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ" بِاِنْفَاقِ مَالِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ "قَرْضًا حَسَنًا" بِاَنْ یُّنْفِقَہُ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ طِیْبِ قَلْبٍ "فَیُضَاعِفَہٗ" وَفِیْ قِرَاءَۃٍ فَیُضَعِّفُہٗ بِالتَّشْدِیْدِ "لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً" مِنْ عَشْرٍ اِلٰی اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَۃٍ کَمَا سَیَاْتِیْ "وَاللّٰہُ یَقْبِضُ" یُمْسِکُ الرِّزْقَ عَمَّنْ یَّشَاءُ ابْتِلَاءً "وَیَبْسُطُ" یُوَسِّعُہٗ لِمَنْ یَّشَاءُ امْتِحَانًا "وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ" فِی الْاٰخِرَۃِ بِالْبَعْثِ فَیُجَازِیْکُمْ بِاَعْمَالِکُمْ،

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے یعنی اپنے مال کو اللہ راہ میں خرچ کرے۔ یعنی خوش دلی کے ساتھ خرچ کرے۔ پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھادے گا، اور یضاعف ایک قرأت میں شد کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہ اضافہ دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ہے۔ جس طرح اس کا بیان عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔ اور اللہ ہی کو روک کر آزمائش میں مبتلا کر کے تنگی کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے رزق میں کشادگی امتحان لیتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی آخرت میں زندہ کر کے اسی جانب لوٹتا ہے۔ پس وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزاء دے گا۔

فیضاعفہ " کی ضمیر اپنے مفعول یعنی قرض کی طرف لوٹتی ہے یعنی جو مال قرض دیا جاتا ہے وہ کئی گنا ہو جاتا ہے اور انسان کو واپس کیا جاتا ہے یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ مال باقی ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۴۵ کے مضمون نزول کا بیان

راہ خدا میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے راہِ خدا میں خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر فرمایا یہ کمال لطف وکرم ہے بندہ اس کا بنایا ہوا اور بندے کا مال اس کا عطا فرمایا ہوا حقیقی مالک وہ اور بندہ اس کی عطا سے مجازی ملک رکھتا ہے مگر قرض سے تعبیر فرمانے میں یہ دل نشین کرنا منظور ہے کہ جس طرح قرض دینے والا اطمینان رکھتا ہے کہ اس کا مال ضائع نہیں ہوا وہ اس کی واپسی کا مستحق ہے ایسا ہی راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ اس انفاق کی جزا بالیقین پائے گا اور بہت زیادہ پائے گا۔

حضرت ابوالاصداح انصاری کا باغ اللہ کی راہ میں دینے کا بیان

امام ابن ابی رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیجئے، پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں اللہ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ میں آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (تفسیر ابن ابی حاتم)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ط فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَ لَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ م بِالظّٰلِمِیْنَ○

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا۔ جب اپنے ایک پیغمبر سے، بولے ہمارے لیے کھڑا کر دو ایک بادشاہ کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں، نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو، بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے۔ تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں کے تھوڑے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام سے بنی اسرائیل کا بادشاہ طلب کرنے کا بیان

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ" الْجَمَاعَةَ اَیْ اِلٰی قِصَّتِهِمْ وَخَبَرِهِمْ "مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ مِنْ بَعْدِ" مَوْتِ "مُوسٰی" ای الی قصتهم وخبرهم "اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمْ" هُوَ شَمْوِیلُ "ابْعَثْ" اَقِمْ "مَلِكًا نُّقَاتِلْ" مَعَهُ "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" تَنْتَظِمُ بِهِ كَلِمَتُنَا وَنَرْجِعُ اِلَیْهِ "قَالَ" النَّبِیُّ لَهُمْ "هَلْ عَسَیْتُمْ" بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ "إن كتب عليكم القتال" "اَنْ" "لَا تُقَاتِلُوا" خَبَرُ عَسٰی وَالِاسْتِفْهَامُ لِتَقْرِیرِ التَّوَقُّعِ بِهَا "قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا" "اَنْ لَا" "نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَائِنَا" بِسَبْیِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ قَوْمُ جَالُوتَ اَیْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وُجُودِ مُقْتَضِیهِ "فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا" تَوَلَّوْا عَنْهُ وَجَبُنُوْا "اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ" وَهُمُ الَّذِیْنَ عَبَرُوا النَّهْرَ مَعَ طَالُوتَ كَمَا سَیَاْتِیْ "وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظَّالِمِیْنَ" فَمُجَازِیهِمْ وَسَاَلَ النَّبِیُّ اِرْسَالَ مَلِكٍ فَاَجَابَهُ اِلٰی اِرْسَالِ طَالُوتَ،

کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا۔ یعنی ان کے واقعہ اور خبر کی طرف توجہ نہیں کی۔ جب اپنے ایک پیغمبر جو شمویل علیہ السلام تھے، ان سے بولے ہمارے لیے کھڑا کر دو ایک بادشاہ کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں، تاکہ اس کے ذریعے سے ہماری بات پکی ہو جائے اور ہم اسی کی جانب رجوع کریں۔ ان نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے اور تم جہاد نہ کر سکو، تو پھر نہ کرو، یہاں پر عسیتم سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور عسیٰ کی خبر ہے۔ اور یہاں استفہام توقع کیلئے تقریری ہے۔ بولے ہمیں کیا ہوا یعنی ہم کیوں نہ لڑیں گے۔ کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے، یعنی انہیں کے سبب سے ایسا ہوا ہے اور ایسا قوم جالوت نے کیا ہے۔ لہٰذا تقاضہ جہاد کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے اور بزدلی کا اظہار کر گئے۔ مگر ان میں سے تھوڑے سے رہ گئے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو پار کیا تھا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا وہ ان کو

جزاء دے گا اور انہوں نے اپنے نبی مکرم شمویل علیہ السلام سے بادشاہ سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے طالوت کی طرف بھیج دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"لھم" کی لام اختصاص کے لیئے ہے یعنی نبی کی نبوت بنی اسرائیل کی قوم کے ساتھ مخصوص تھی اور اگر لام نہ ہوتا مثلاً "نبیھم" کہا جاتا تو پھر اس اختصاص کو نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

" نقاتل "فعل مضارع کا مجزوم ہونا شرط کے مقدر ہونے کی علامت ہے یعنی اگر سپہ سالار ہوگا تو ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے۔ پس اگر سپہ سالار ضروری نہ ہوتا تو جہاد فی سبیل اللہ کو اس کے وجود کے ساتھ مشروط نہ کیا جاتا۔

قوم عمالقہ کا بادشاہ کا مطالبہ کرنے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور انہوں نے عہدِ الٰہی کو فراموش کیا بت پرستی میں مبتلا ہوئے سرکشی اور بدافعالی انتہا کو پہنچی ان پر قوم جالوت مسلّط ہوئی جس کو عمالقہ کہتے ہیں کیونکہ جالوت عملیق بن عادی کی اولاد سے ایک نہایت جابر بادشاہ تھا اس کی قوم کے لوگ مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم کے ساحل پر رہتے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کے شہر چھین لئے آدمی گرفتار کئے طرح طرح کی سختیاں کیں اس زمانہ میں کوئی نبی قوم بنی اسرائیل میں موجود نہ تھے خاندانِ نبوت سے صرف ایک بی بی باقی رہی تھیں جو حاملہ تھیں ان کے فرزند تولد ہوئے ان کا نام اشمویل رکھا جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں علم توریت حاصل کرنے کے لئے بیت المقدس میں ایک کبیر السن عالم کے سپرد کیا وہ آپ کے ساتھ کمال شفقت کرتے اور آپ کو فرزند کہتے جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک شب آپ اس عالم کے قریب آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی عالم کی آواز میں یا اشمویل کہہ کر پکارا آپ عالم کے پاس گئے اور فرمایا کہ آپ نے مجھے پکارا ہے عالم نے بایں خیال کہ انکار کرنے سے کہیں آپ ڈر نہ جائیں یہ کہہ دیا کہ فرزند تم سو جاؤ پھر دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی طرح پکارا اور حضرت اشمویل علیہ السلام عالم کے پاس گئے عالم نے کہا کہ اے فرزند اب اگر میں تمہیں پھر پکاروں تو تم جواب نہ دینا تیسری مرتبہ میں حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوگئے اور انہوں نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کا منصب عطا فرمایا آپ اپنی قوم کی طرف جایئے اور اپنے رب کے احکام پہنچایئے جب آپ قوم کی طرف تشریف لائے انہوں نے تکذیب کی اور کہا کہ آپ اتنی جلدی نبی بن گئے اچھا اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے لئے ایک بادشاہ قائم کیجئے۔ (تفسیر خازن، سورہ بقرہ آیت ۲۴۶، بیروت)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے طالوت کوتمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

بادشاہت کیلئے طالوت کوچن لینے کا بیان

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوْا اَنّٰى" كَيْفَ "يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ" لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ سَبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَلَا النُّبُوَّةِ وَكَانَ دَبَّاغًا اَوْ رَاعِيًا "وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ" يَسْتَعِيْنُ بِهَا عَلٰى اِقَامَةِ الْمُلْكِ "قَالَ" النَّبِيُّ لَهُمْ "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ" اخْتَارَهُ لِلْمُلْكِ "عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً" سَعَةً "فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَوْمَئِذٍ وَاَجْمَلَهُمْ وَاَتَمَّهُمْ خَلْقًا "وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ" اِيْتَاءَهُ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ "وَاللّٰهُ وَاسِعٌ" فَضْلُهُ "عَلِيْمٌ" بِمَنْ هُوَ اَهْلٌ لَهُ.

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے طالوت کوتمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں۔کیونکہ وہ اہل مملکت کے خاندان اور نہ ہی نبوت کے خاندان سے ہے۔حالانکہ وہ دباغ یا چرواہوں سے تعلق رکھتا ہے۔اوراسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔جس کی سے ملکی نظام کوقائم رکھا جاتا ہے۔تو ان سے ان کے نبی نے فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا یعنی بادشاہت کیلئے پسند کیا ہے۔اوراسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی۔کیونکہ اس وقت بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم اور خوبصورت جسم ومکمل خلقت والا ہے۔اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے یعنی اس کی عطاء پر کسی اعتراض کا حق نہیں ہے۔اور اللہ کا فضل وسعت والا، علم والا ہے۔کون ہو اس کی اہلیت رکھنے والا؟

طالوت کا بادشاہ بنانے جانے کا بیان

طالوت بنیامین بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ کا نام طول قامت کی وجہ سے طالوت ہے حضرت اشمویل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عصا ملا تھا اور بتایا گیا تھا کہ جو شخص تمہاری قوم کا بادشاہ ہوگا اس کا قد اس عصا کے برابر ہوگا۔آپ نے اس عصا سے طالوت کا قد ناپ کر فرمایا کہ میں تم کو بحکم الٰہی بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرتا ہوں اور بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔(تفسیر خازن)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اوران کے نبی نے ان سے فرمایا، اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف
سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا،
اگر تم ایمان والے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔

تبرکات آلِ موسیٰ وہارون کی برکتوں کا بیان

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ" لَمَّا طَلَبُوا مِنْهُ ايَةَ عَلٰى مُلْكه "إِنَّ ايَةَ مُلْكِه اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوتُ" الصُّنْدُوق كَانَ فِيْـهِ صُوَر الْاَنْبِيَاء اَنْزَلَهٗ عَلٰى ادَم وَاسْتَمَرَّ اِلَيْهِمْ فَغَلَبَهُمُ الْعَمَالِقَة عَلَيْهِ وَاَخَذُوْهُ وَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِـه عَـلٰى عَدُوِّهِمْ وَيُقَدِّمُوْنَهٗ فِى الْقِتَال وَيَسْكُنُوْنَ اِلَيْهِ "فِيْهِ سَكِيْنَة" طُـمَانِيْنَة لِقُلُوْبِكُمْ "مِنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّة مِمَّا تَرَكَ الُ مُوسٰى وَ ال هَارُوْنَ" وَهِىَ نَعْلَا مُوسٰى وَعَصَاهُ وَعِمَامَة هَارُوْنَ وَقَفِيز مِنَ الْمَنّ الَّـذِىْ كَانَ يَنْزِل عَلَيْهِمْ وَرُضَاض مِنَ الْاَلْوَاح "تَحْمِلهُ الْمَلَائِكَة" حَـال مِنْ فَاعِل يَاْتِيكُمْ "إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَة لَكُمْ" عَـلٰى مُلْكه "إِن كُـنتم مؤمنين" فَـحَـمَـلَتْهُ الْمَلَائِكَة بَيْنَ السَّمَاء وَالْاَرْض وَهُمْ يَـنْـظُـرُوْنَ اِلَيْـهِ حَتّٰى وَضَعَتْهُ عِنْد طَالُوت فَاَقَرُّوا بِمُلْكِهِ وَتَسَارَعُوا اِلَى الْجِهَاد فَاخْتَارَ مِنْ شَبَابِهِمْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا،

اوران کے نبی نے ان سے فرمایا، اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا۔ جس میں انبیائے کرام کی تصویریں ہوں گی۔ جن کو آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ اور وہ ان کے پاس باقی رہی ہیں۔ اور جب قوم عمالقہ نے ان پر غلبہ پایا اور وہ صندوق ان سے چھین لیا۔ اور وہ اس صندوق کے وسیلے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کیا کرتے تھے۔ اور قتال کے وقت اس کو آگے رکھتے تھے اور اس سے سکون پاتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے۔ اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی نعلین مبارک اور عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف تھا۔ اور من کا ایک قفیز تھا جو ان پر آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اور کچھ تورات کے حصے تھے۔ اور "تَحْمِلهُ الْمَلَائِكَة" یہ یاتیکم کے فاعل سے حال ہے۔ اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اس میں تمہارے لئے نشانی ہے۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ لہٰذا فرشتوں نے اس کو زمین وآسمان کے درمیان اٹھایا اور تم اس کو دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ وہ طالوت کے پاس رکھ دیا۔ تو انہوں نے آپ کی بادشاہت کا اقرار کیا اور جہاد کیلئے آگے بڑھے۔ پس انہوں نے ستر ہزار جوانوں کا انتخاب کیا۔

نیک بندوں سے نسبت والی اشیاء میں برکت ہونے کا بیان

اس آیت مبارکہ اور اس کے تحت مذکورہ تفسیر سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں کے جسم سے جو چیزیں مس ہو

3

جائیں ان میں برکتیں آ جاتی ہیں انکے توسط اور وسیلہ سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں دکھوں تکلیفوں کا ازالہ ہوتا ہے بیماریوں سے شفا اور دردوں کا مداوا ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۔ یہ میری قمیض لے جاؤ اور والد گرامی کے چہرہ مبارکہ پر ڈال دینا بینائی لوٹ آئیگی۔ (سورۃ الیوسف) اس پر ناطق ہے۔ اور فَارْتَدَّ بَصِيْرًا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا اس پر شاہد صادق ہے۔

ایک خالی ذہن آدمی جو صفا و مروہ کے بارے میں معلومات نہ رکھتا ہو مقام ابراہیم کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو اس کے ذہن میں طرح طرح کے تصورات آئیں گے۔ شاید صفا و مروہ کی پہاڑیاں سونے یا چاندی کی ہونگی اسلئے انہیں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں کہہ رہا ہے یا بہت بلند ہونگی جس کی وجہ سے شعائر اللہ بن گئی ہونگی یا کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت سرسبز و شاداب ہوں اسلئے شعائر اللہ شمار ہوئیں اور مقام ابراہیم وہ جگہ نہ ہو جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک جسم سے جدا کر کے رکھا گیا ہو۔ لیکن صفا و مروہ کی زیارت کرنے والے جانتے ہیں اور بتانے والے بتاتے ہیں کہ یہ پہاڑیاں سونے چاندی کی نہیں عام پتھروں کی ہیں۔ بلند و بالا بھی نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اگر بلندی کی وجہ سے شعائر اللہ فرماتا تو کے۔ ٹو یا ہمالیہ کو فرماتا۔ شادابی و ہریالی کی وجہ سے اللہ کی نشانیاں قرار پاتیں تو کشمیر کی پہاڑیاں قرار پاتیں یہ پہاڑیاں اگرچہ بلند و بالا نہیں لیکن انکی عظمت و رفعت کی بلندیوں کو کے۔ ٹو اور ہمالیہ بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اگرچہ سرسبز و شاداب نہیں بلکہ جلی ہوئی سیاہ پہاڑیاں ہیں۔ لیکن اہل دل جانتے ہیں کہ کشمیر کی سرسبز پہاڑیاں انکی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ان پہاڑیوں کو چند لمحے اللہ تعالیٰ کی ایک نیک اور برگزیدہ بندی کے قدم چومنے کی سعادت مل گئی۔ جب سے انکے ساتھ حضرت مائی ہاجرہ کے قدم لگے دنیا بھر کی پہاڑیوں سے ممتاز ہو گئیں۔ یہاں تک کہ انکی عظمت و شان میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۔

اس طرح مقام ابراہیم علیہ السلام بھی ایک پتھر ہی ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان ثبت ہو گئے ہزاروں برس گزر چکے وہ پتھر نشان قدم سمیت محفوظ ہے۔ صفا و مروہ کی سعی کرنا، مقام ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کرنا مناسک حج میں سے ہے یہاں سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے مس ہو جائیں یا جن چیزوں کی نسبت مقبولان بارگاہ کیطرف ہو جائے وہ چیزیں بھی بابرکت ہو جاتی ہیں۔

انبیاء کرام سے لیکر صحابہ کرام بلکہ تابعین کرام تک علماء ربانیین سے لیکر اولیاء کاملین علماء سے لیکر عوام الناس تک سب کے سب ان تبرکات کو قابل صد تکریم متاع دنیا سے زیادہ قیمتی اور جان سے زیادہ عزیز سمجھتے اور ان سے برکتیں حاصل کرتے رہے ہیں۔ آیئے چند حوالہ جات نظر قارئین کئے جاتے ہیں۔

بال نبوی ﷺ سے برکت حاصل کرنا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں رسول اکرم ﷺ کے چند بال مبارک تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں یہ ٹوپی جس غزوہ میں میرے پاس رہی مجھے اسکی برکت سے فتح حاصل ہوتی رہی۔ آپکی یہ ٹوپی کسی غزوہ میں گر گئی آپ نے اسے حاصل کرنے

کے لئے سخت حملہ کیا جس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔صحابہ کرام نے اعتراض کیا کہ ایک ٹوپی کی خاطر آپ نے اتنے مسلمانوں کو شہید کرایا ہے تو انہوں نے جواب دیا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ موئے مبارک کے لئے کیا تھا۔جو ٹوپی میں تھے کہ مبادا انکی برکت میرے پاس سے جاتی رہے۔(شفاء شریف)

پیالہ نبوی ﷺ سے برکت حاصل کرنا

سیرت رسول عربی ﷺ میں اصابہ کے حوالے سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت خداش بن ابی خداش مکی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پیالہ میں کھانا کھاتے دیکھا۔انہوں نے وہ پیالہ بطور تبرک آپ سے لے لیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کبھی حضرت خداش رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے اسے آبِ زمزم سے بھر کر پیتے اور چہرے پر چھینٹے مارتے۔یوں پیالہ نبوی ﷺ سے آپ برکتیں حاصل کرتے۔(شفاء شریف)

عمامہ نبوی ﷺ سے برکت حاصل کرنا

حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ رنگ کا عمامہ شریف تھا جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔لڑائی میں جب فتح پاتے تو بطور تبرک اس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے یہ عمامہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا۔(شفاء شریف)

عصائے نبوی ﷺ سے برکت حاصل کرنا

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بطور انعام ایک عصا عنایت فرمایا زندگی بھر وہ عصا آپکے پاس رہا بوقت وصال آپ نے وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔چنانچہ آپکی وصیت کے مطابق وہ عصا آپکے ساتھ دفن کر دیا گیا۔(شفاء شریف)

جبہ نبوی ﷺ سے برکت حاصل کرنا

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ:حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک جبہ دیکر بھیجا اور فرمایا یہ رسول اکرم ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک انکے پاس موجود تھا (یہ وہی جبہ تھا جس کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لوگوں کو بڑے ادب و احترام سے زیارت کرایا کرتی تھیں جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) حضرت اسماء فرماتی ہیں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو میں نے اس جبہ مبارک کو اپنے قبضہ میں لے لیا نبی کریم ﷺ اس جبہ کو زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ہم اسے دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کیلئے شفا طلب کرتے تھے۔(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ (192)

صحابہ کرام کے نزدیک بالِ نبوی ﷺ کی قدر و قیمت

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام ابن سیرین سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ

عنہ سے کہا ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کے چند بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کیطرف سے ملے ہیں تو اس پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری شریف، جلد 1 صفحہ 29)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ
يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا
اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○
پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا بیشک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں
اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔ تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے پھر جب طالوت اور
اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی بولے وہ جنہیں اللہ سے
ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے۔ زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

طالوت کے لشکر پر آزمائش آنے کا بیان

"فَلَمَّا فَصَلَ" خَرَجَ "طَالُوت بِالْجُنُوْدِ" مِنْ بَيْت الْمَقْدِس وَكَانَ الْحَرّ شَدِيْدًا وَّطَلَبُوا مِنْهُ الْمَاء "قَالَ إِنَّ اللّٰه مُبْتَلِيكُمْ" مُخْتَبِركُمْ "بِنَهَرٍ" لِيَظْهَر الْمُطِيع مِنكُمْ وَالْعَاصِي وَهُوَ بَيْنَ الْأُرْدُنّ وَفِلَسْطِين "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ" اَیْ مِنْ مَّائِهِ "فَلَيْسَ مِنِّي" اَیْ مِنْ اَتْبَاعِي "وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ" يَذُقْهُ "فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنْ اغْتَرَفَ غُرْفَة" بِالْفَتْحِ وَالضَّمّ "بِيَدِهِ" فَاكْتَفَى بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَإِنَّهُ مِنِّي "فَشَرِبُوا مِنْهُ" لَمَّا وَافَوْهُ بِكَثْرَةٍ "إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ" فَاقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَة رُوِیَ اَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَدَوَابّهمْ وَكَانُوْا ثَلَاثِمِائَة وَبِضْعَة عَشَرَ رَجُلًا "فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ" وَهُمْ الَّذِيْنَ اقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَة "قَالُوا" اَیْ الَّذِيْنَ شَرِبُوا "لَا طَاقَة" قُوَّة "لَنَا الْيَوْم بِجَالُوت وَجُنُوده" اَیْ بِقِتَالِهِمْ وَجَبُنُوْا وَلَمْ يُجَاوِزُوْهُ "قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ" يُوْقِنُوْنَ "أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللّٰه" بِالْبَعْثِ وَهُمْ الَّذِيْنَ جَاوَزُوْهُ "كَمْ" خَبَرِيَّة بِمَعْنَى كَثِير "مِنْ فِئَة" جَمَاعَة "قَلِيلَة غَلَبَتْ فِئَة كَثِيرَة بِإِذْنِ اللّٰه" بِإِرَادَتِهِ "وَاللّٰه مَعَ الصَّابِرِينَ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر،

پھر جب طالوت لشکروں کو بیت المقدس سے لے کر شہر سے جدا ہوا، تو اس وقت سخت گرمی تھی تو اہل لشکر نے پانی

طلب کیا بولا بیشک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تا کہ وہ فرق کرنے کہ کون اس کی اطاعت کرنے والا ہے اور کون نافرمانی کرنے والا ہے۔اور وہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان میں ہے۔تو جو اس کا پانی پیے وہ میرا نہیں یعنی اس نے میری اتباع نہ کی۔اور جو نہ پیئے یعنی چکھے بھی نہ تو وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔اور یہاں غرفہ فتح اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی جس نے ایک چلو کو کافی جانا۔تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے یعنی بہت کم تھے جنہوں نے ایک چلو پر انحصار کیا۔روایت کی گئی ہے کہ جنہوں نے ایک چلو پر کفایت کی وہ پانی ان کیلئے ،ان کے جانوروں کیلئے بھی کافی تھا۔اور ان کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ تھی پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے۔جنہوں نے ایک چلو پانی پی لیا تھا۔اور جنہوں نے پانی سیر ہو کر پی لیا تھا وہ بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی۔یعنی ان سے جہاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس طرح انہوں نے بزدلی کا اظہار کیا۔بولے وہ جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا یعنی جن کا دوبارہ زندہ ہونے پر یقین اور وہ آگے بڑھ گئے تھے۔اور یہاں پر کم خبر یہ بہ معنی کثیر ہے۔کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے۔زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے،یعنی اس کے ارادے سے۔اور اللہ کی مدد ونصرت صابروں کے ساتھ ہے۔

نہر سے زیادہ پینے والوں کی پیاس نہ بجھنے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے،سدی فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ٥
اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل ہوئے تو عرض کرنے لگے:اے ہمارے پروردگار!ہم پر صبر میں
وسعت ارزانی فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

کفار کے خلاف دعا مانگنے کا بیان

"وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوت وَجُنُوْده" اَیْ ظَهَرُوْا لِقِتَالِهِمْ وَتَصَافُّوا "قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ" اَصِبْ "عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامنَا" بِتَقْوِيَةِ قُلُوْبنَا عَلَى الْجِهَاد "وانصرنا على القوم الكافرين"

اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل ہوئے یعنی لڑنے کیلئے ان کے سامنے آئے تو عرض کرنے لگے،اے ہمارے پروردگار!ہم پر صبر میں وسعت ارزانی فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ یعنی ہمارے دلوں کو جہاد پر طاقت

دے۔اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن دعا فرمائی کہ اے اللہ! کتاب کے اتارنے والے، جلدی حساب لینے والے، کافروں کے جتھے کو ہزیمت دے اور ان کے پاؤں ڈگمگا دے اور حمیدی نے اتنا زیادہ بیان کیا کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا کہ ہم سے ابی خالد نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2355)

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﵎ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ
وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے حکم سے، اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا
سکھایا اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے، تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس نبوت وحکومت ہونے کا بیان

"فَهَزَمُوْهُمْ" كَسَرُوْهُمْ "بِاِذْنِ اللّٰه" بِاِرَادَتِهٖ "وَقَتَلَ دَاوُد" وَكَانَ فِيْ عَسْكَر طَالُوت "جَالُوت وَ اٰتَاهُ" اَيْ دَاوُد "اللّٰهُ الْمُلْك" فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيل "وَالْحِكْمَة" النُّبُوَّة بَعْد مَوْت شَمْوِيل وَطَالُوت وَلَمْ يَجْتَمِعَا لِاَحَدٍ قَبْله "وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاء" كَصَنْعَةِ الدُّرُوع وَمَنْطِق الطَّيْر "وَلَوْلَا دَفْع اللّٰه النَّاس بَعْضهمْ" بَدَل بَعْض مِنَ النَّاس "بِبَعْض لَفَسَدَتْ الْاَرْض" بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتْل الْمُسْلِمِيْنَ وَتَخْرِيب الْمَسَاجِد "وَلٰكِنَّ اللّٰه ذُو فَضْل عَلَى الْعَالَمِيْنَ" فَدَفَعَ بَعْضهمْ بِبَعْضٍ،

تو انہوں نے ان کو بھگا دیا یعنی ان کو مروڑ کر رکھ دیا۔اللہ کے حکم سے یعنی اس کے ارادے سے ایسا ہوا، اور داؤد علیہ السلام جو طالوت کے لشکر میں تھے انہوں نے جالوت کو قتل کیا۔اور اللہ نے داؤد علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور حضرت شمویل علیہ السلام اور طالوت کی موت کے بعد حکمت یعنی نبوت عطا فرمائی۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے کسی بھی نبی میں نبوت اور حکومت جمع نہیں ہوئی۔اور اسے جو چاہا سکھایا جس طرح زرہ سازی کرنا اور پرندوں کی بولی کو سمجھنا ہے۔اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے، یہاں پر بعضھم بہ "بعض من الناس" سے بدل بعض ہے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے یعنی اہل شرک کے غلبہ اور اہل اسلام کے قتل اور مساجد کی ویرانی کے سبب زمین تباہ ہو جائے۔مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے، یعنی بعض کے سبب بعض کو دور کرتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی شان رعب کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام کے والد ایشا طالوت کے لشکر میں تھے اور انکے ساتھ انکے تمام فرزند بھی حضرت داؤد علیہ السلام ان

سب میں چھوٹے تھے بیمار تھے رنگ زرد تھا بکریاں چراتے تھے جب جالوت نے بنی اسرائیل سے مقابلہ طلب کیا وہ اس کی قوت جسامت دیکھ کر گھبرائے کیونکہ وہ بڑا جابر قوی شہ زور عظیم الجثہ قد آور تھا طالوت نے اپنے لشکر میں اعلان کیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے میں اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دوں گا اور نصف ملک اس کو دوں گا مگر کسی نے اس کا جواب نہ دیا تو طالوت نے اپنے نبی حضرت شمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ بارگاہ الٰہی میں دعا کریں آپ نے دعا کی تو بتایا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کریں گے طالوت نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ جالوت کو قتل کریں تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دوں اور نصف ملک پیش کروں آپ نے قبول فرمایا اور جالوت کی طرف روانہ ہوگئے صف قتال قائم ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام دست مبارک میں فلاخن لے کر مقابل ہوئے جالوت کے دل میں آپ کو دیکھ کر دہشت پیدا ہوئی مگر اس نے باتیں بہت متکبرانہ کیں اور آپ کو اپنی قوت سے مرعوب کرنا چاہا آپ نے فلاخن میں پتھر رکھ کر مارا وہ اس کی پیشانی توڑ کر پیچھے سے نکل گیا اور جالوت مر کر گر گیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو لاکر طالوت کے سامنے ڈال دیا تمام بنی اسرائیل خوش ہوئے اور طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حسب وعدہ نصف ملک دیا اور اپنی بیٹی کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا ایک مدت کے بعد طالوت نے وفات پائی تمام ملک پر حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت ہوئی۔ (تفسیر جمل)

حضرت داؤد علیہ السلام سے طالوت کا وعدہ کرنے کا بیان

حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا، چنانچہ حضرت داؤد نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا، حضرت جالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا، بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہوگئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی، حکمت سے مراد نبوت ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝
یہ اللہ کی آیات ہیں ہم انہیں آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

رسالت کی صداقت میں دلائل کو بیان کرنا

"تِلْكَ" هٰذِهِ الْاٰيَاتُ "اٰيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا" نَقُصُّهَا "عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّدُ "بِالْحَقِّ" بِالصِّدْقِ "وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" التَّاْكِيدُ بِاِنَّ وَغَيْرِهَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهُ لَسْتَ مُرْسَلًا،

یہ اللہ کی آیات ہیں ہم انہیں آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں، یا محمد ﷺ ہم ان کو آپ پر حق یعنی سچائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ یہاں پر ان تاکید کیلئے آیا ہے کیونکہ کفار جو آپ ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں ان کا رد کیا گیا ہے۔ یہ گزشتہ واقعات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں اے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کی رسالت وصداقت کی دلیل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں نہ کسی سے سنے ہیں جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرمارہا ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کو بیان کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ
مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝
یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند
کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی اور اللہ چاہتا تو واضح نشانیوں کے آجانے کے
بعد وہ نہ لڑتے ،لیکن وہ مختلف ہوگئے ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہوگیا اور اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہے کرے۔

رسولان عظام علیہم السلام کے درجات کا بیان

"تِلْكَ" مُبْتَدَأ "الرُّسُلُ" نَعت أَوْ عَطف بَيَان وَالْخَبَر "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" بِتَخْصِيصِهِ بِمَنْقَبَةٍ لَيْسَتْ لِغَيْرِهِ "مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ" كَمُوسَى "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ" أَيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "دَرَجَات" عَلٰى غَيْرِهِ بِعُمُومِ الدَّعْوَة وَخَتْم النُّبُوَّة وَتَفْضِيل أُمَّته عَلٰى سَائِر الْأُمَم وَالْمُعْجِزَات الْمُتَكَاثِرَة وَالْخَصَائِص الْعَدِيدَة "وَ اٰتَيْنَا عِيسَى ابْن مَرْيَم الْبَيِّنَات وَاَيَّدْنَاهُ" قَوَّيْنَاهُ "بِرُوحِ الْقُدُس" جِبْرِيل يَسِير مَعَهُ حَيْثُ سَارَ "وَلَوْ شَاءَ اللّٰه" هُدَى النَّاس جَمِيعًا "مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدهمْ" بَعْد الرُّسُل أَيْ أُمَمهمْ "مِنْ بَعْد مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَات" لِاخْتِلَافِهِمْ وَتَضْلِيل بَعْضهمْ بَعْضًا "وَلٰكِنْ اخْتَلَفُوْا" لِمَشِيئَتِهِ ذٰلِكَ "فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ" ثَبَتَ عَلٰى إِيمَانه "وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ" كَالنَّصَارٰى بَعْد الْمَسِيح "وَلَوْ شَاءَ اللّٰه مَا اقْتَتَلُوا" تَأْكِيد "وَلٰكِنَّ اللّٰه يَفْعَل مَا يُرِيد" مِنْ تَوْفِيق مَنْ شَاءَ وَخِذْلَان مَنْ شَاءَ،

تلک مبتداء ہے۔الرسل نعت ہے یا عطف بیان ہے اور خبر ہے۔یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یعنی منقبت سے جو ان کے سوا کسی میں نہیں ہے۔ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام ہیں۔اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے عام ہونے کے سبب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت ہونے کی وجہ سے فضیلت بخشی ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت

دی اور آپ ﷺ کو کثیر معجزات عطا فرمائے۔ اور اسی طرح متعدد خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح کے ذریعے ان کو مضبوط کیا۔ یعنی جبریل ان کے ساتھ چلتے تھے جہاں وہ جاتے تھے۔ اور اللہ چاہتا تو واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد وہ نہ لڑتے، یعنی رسولان عظام کے بعد ان کی امتوں میں ایک دوسرے کے اختلاف کے سبب اور ایک دوسرے کو گمراہ کرنے کے سبب باہمی قتل و غارت نہ ہوتی۔ لیکن وہ مختلف ہوگئے۔ یعنی اسی کی مرضی کے سبب مختلف ہوئے۔ ان میں کوئی ایمان پر رہا یعنی اپنے ایمان پر ثابت رہا اور کوئی کافر ہوگیا یعنی جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصاریٰ ہوئے۔ اور اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے، یہ بہ طور تاکید ہے۔ مگر اللہ جو چاہے کرے۔ یعنی جسے چاہتا ہے بھلائی کی توفیق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے نسب کا اعلیٰ ہونے کا بیان

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور قریش کو کنانہ میں سے چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور پھر بنی ہاشم میں سے مجھے چنا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1441)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1443)

نبی کریم ﷺ کا نبی آخر الزماں ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور ان تمام انبیاء کرام کی مثال جو مجھ سے پہلے آچکے ہیں اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے مکان بنایا اور بہت اچھا اور خوبصورت بنایا لیکن مکان کے ایک کونے میں سے ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی لوگ اس کے مکان کے چاروں طرف گھومے وہ مکان ان کو بڑا اچھا لگا اور وہ مکان بنانے والے سے کہنے لگے کہ آپ نے اس جگہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھ دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں انبیاء میں سے آخری نبی ہوں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1464)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ
وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت
ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں۔

اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرنے کا بیان

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ" زَكَاته "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ" فِدَاء "فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ" صَدَاقَة تَنْفَع "وَلَا شَفَاعَةٌ" بِغَيْرِ اِذْنه وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة وَفِيْ قِرَاءَة بِرَفْعِ الثَّلَاثَة "وَالْكَافِرُوْنَ" بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فُرِضَ عَلَيْهِمْ "هُمُ الظَّالِمُوْنَ" لِوَضْعِهِمْ اَمْر اللّٰه فِيْ غَيْر مَحَلّه،

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو یعنی اس کی زکوۃ دو۔قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت فدیہ کے طور پر ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی یعنی کوئی صدقہ نفع نہ دے گا اور نہ سفارش، یعنی اس کی اجازت کے بغیر قیامت کے دن کوئی سفارش نفع نہ دے گی۔اور قرأت کے مطابق یہ تینوں " لَا بَيْعٌ، وَلَا خُلَّةٌ" وَلَا شَفَاعَةٌ رفع کے ساتھ آئے ہیں۔اور یہ کفار ہی ظالم ہیں۔یعنی جوان پر فرض کیا گیا ہے۔کیونکہ انہوں نے اللہ کے حکم کو محل غیر میں رکھا ہے۔

قیامت کے دن کفار کی سفارش قبول نہ کی جائے گی

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے، اور پھر فرماتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی خیرات وصدقات کرلو، قیامت کے دن نہ تو خرید وفروخت ہوگی نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے، نہ کسی کا نسب اور دوستی ومحبت کچھ کام آسکتی ہے، جیسے اور جگہ ہے آیت (فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ) 23۔المومنون:101) یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا، اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دیگی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○
اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا، اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے، اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا ہے۔

آیت کرسی میں صفات الٰہیہ کا بیان

"اللّٰہ لَا اِلٰہ" اَیْ لَا مَعْبُوْد بِحَقٍّ فِی الْوُجُود "اِلَّا ھُوَ الْحَیّ" الدَّائِم بِالْبَقَاءِ "الْقَیُّوم" الْمُبَالِغ فِی الْقِیَام بِتَدْبِیرِ خَلْقه "لَا تَأْخُذهُ سِنَة" نُعَاس "وَلَا نَوْم لَهُ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْاَرْض" مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِیدًا "مَنْ ذَا الَّذِی" اَیْ لَا اَحَد "یَشْفَع عِنْده اِلَّا بِاِذْنِهِ" لَهُ فِیهَا "یَعْلَم مَا بَیْن اَیْدِیهِمْ" اَیْ الْخَلْق "وَمَا خَلْفهمْ" اَیْ مِنْ اَمْر الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة "وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمه" اَیْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا مِنْ مَّعْلُومَاته "اِلَّا بِمَا شَاءَ" اَنْ یُّعْلِمهُمْ بِهٖ مِنْهَا بِاَخْبَارِ الرُّسُل "وَسِعَ كُرْسِیّه السَّمَاوَات وَالْاَرْض" قِیلَ اَحَاطَ عِلْمه بِهِمَا وَقِیلَ الْكُرْسِیّ نَفْسه مُشْتَمِل عَلَیْهِمَا لِعَظَمَتِهٖ لِحَدِیثِ : (مَا السَّمَاوَات السَّبْع فِی الْكُرْسِیّ اِلَّا كَدَرَاهِم سَبْعَة اُلْقِیَتْ فِیْ تُرْس) "وَلَا یَئُودهُ" یُثْقِلهُ "حِفْظهمَا" اَیْ السَّمٰوَات وَالْاَرْض "وَهُوَ الْعَلِیّ" فَوْق خَلْقه بِالْقَهْرِ "الْعَظِیم" الْكَبِیر،

اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یعنی کسی معبود برحق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ آپ زندہ یعنی ہمیشہ باقی ہے اور اوروں کا قائم رکھنے والا، یعنی جس کی تدبیر مخلوق کے قیام میں کما حقہ پہنچنے والی ہے۔ اسے نہ اونگھ آئے، نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، یعنی بادشاہت، مخلوق اور غلام، وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے، یعنی مخلوق اور اس کے بعد والوں کے احوال کا علم اسی کو ہے۔ خواہ وہ دنیاوہ معاملات ہوں یا آخرت کے معاملات ہوں۔ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے، یعنی اپنے رسولان عظام کے ذریعے ان کو بیان کرتا ہے۔ اس کی کرسی میں سمائے ہوئے آسمان اور زمین، کہا گیا ہے اس کے علم نے ان دونوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی خود اپنی عظمت کے سبب ان دونوں پر ہے۔ جس طرح حدیث مبارکہ میں ہے کہ سات آسمانوں کی حیثیت کرسی کے سامنے اسی طرح ہے جس سات دراہم کو ڈھال میں ڈال دیا جائے۔ اور اسے بھاری نہیں ان کی یعنی زمین وآسمان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند اپنی مخلوق پر قوت کے ساتھ غالب ہے، بڑائی والا ہے۔

آیت الکرسی کے عظیم فضائل کا بیان

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوالمنذر ر (یہ حضرت ابی بن کعب کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ ابوالمنذ رتم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ (اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْ حَیُّ الْقَیُّوْمُ) 2 ۔ البقرة : 255) (یعنی پوری آیت الکرسی) حضرت ابی بن کعب

کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ ابوالمنذر خدا کرے تمہارا علم خوشگوار ہو۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 346)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوۃ یعنی صدقہ عید الفطر کی نگہبانی اور جمع کرنے پر مجھے مامور فرمایا تا کہ جمع ہونے کے بعد آپ اسے فقراء میں تقسیم فرما دیں چنانچہ اس دوران میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے دامن اور اپنے برتن میں غلہ بھرنا شروع کر دیا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا اور تجھے اس غلط حرکت کی سزا دلواؤں گا اس نے کہا کہ میں ایک محتاج ہوں میرے اوپر میرے اہل و عیال کا نفقہ ہے اور میں سخت حاجتمند ہوں یعنی میرے ذمہ قرض وغیرہ بھی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی یہ خستہ حالت سن کر اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تمہارے گزشتہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ مجھ سے اپنی سخت حاجت اور عیال داری کا رونا رونے لگا اس لیے مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار رہنا! اس نے اپنے حالات کے اظہار میں تم سے جھوٹ بولا ہے وہ پھر آئے گا اس لئے آئندہ احتیاط رکھنا میں سمجھ گیا کہ ضرور آئے گا چنانچہ میں اس کا منتظر رہا وہ آیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے غلہ بھرنا شروع کر دیا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب تو میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں ضرورت مند ہوں میرے اوپر کنبہ کا نفقہ ہے اب آئندہ میں نہیں آؤں گا مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس مرتبہ میں نے یہ سلوک اس لیے کیا کہ اس نے آئندہ نہ آنے کا وعدہ کیا تھا ورنہ تو اپنی حاجت و ضرورت کے بارہ میں اس کا جھوٹ مخبر صادق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی معلوم ہو ہی چکا تھا۔ جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پھر فرمایا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ میرے سامنے اپنی شدید ضرورت و حاجت اور عیالداری کا دکھڑا رونے لگا، اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اس کے اس وعدہ پر کہ آئندہ پھر کبھی نہیں آؤں گا اس کو چھوڑ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوشیار رہنا! اس نے اس مرتبہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا وہ پھر آئے گا چنانچہ میں اس کا منتظر رہا اور وہ پھر آیا جب اس نے غلہ بھرنا شروع کیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں آج تو تجھے ضرور ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا یہ آخری تیسرا موقع ہے تو نے تو کہا تھا آئندہ نہیں آؤں گا اسی لئے میں نے تجھے اس مرتبہ چھوڑ دیا تھا مگر تو پھر آ گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے نفع پہنچائے گا اور وہ یہ کہ جب تم سونے کے لیے اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی کی آخری آیت یعنی وھو العلی العظیم 2۔ البقرۃ: 255 پڑھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نگہبان فرشتہ رہا کرے گا۔

اور صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان خواہ وہ انسان میں سے ہو یا جنات میں سے دنیوی تکلیف و اذیت پہنچانے کے لئے

نہیں آئے گا، میں نے یہ سن کر اسے اس مرتبہ بھی چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پھر فرمایا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا، میں نے عرض کیا کہ قیدی نے جب مجھ سے یہ کہا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالی مجھے نفع پہنچائے گا تو میں نے اس مرتبہ بھی اس کو چھوڑ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو اگرچہ اس نے تم سے ان کلمات کے بارہ میں سچ کہا ہے مگر وہ دوسری باتوں میں جھوٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم ان تین راتوں میں کس سے مخاطب تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان تھا جو اس طرح مکر وفریب سے صدقات کے مال میں کمی کرنے آیا تھا۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 635)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○
دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودان باطلہ کا انکار کردے اور اللہ پر
ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لئے ٹوٹنا نہیں، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

قبول اسلام میں جبر نہ ہونے کا بیان

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" عَلَى الدُّخُولِ فِيهِ "قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" أَيْ ظَهَرَ بِالْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ أَنَّ الْإِيمَان رُشْد وَالْكُفْر غَيّ نَزَلَتْ فِيمَنْ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَنْصَار أَوْلَاد أَرَادَ أَنْ يُكْرِهُهُمْ عَلَى الْإِسْلَام "فَمَنْ يَكْفُر بِالطَّاغُوتِ" الشَّيْطَان أَوْ الْأَصْنَام وَهُوَ يُطْلَق عَلَى الْمُفْرَد وَالْجَمْع "وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ" تَمَسَّكَ "بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى" بِالْعَقْدِ الْمُحْكَم "لَا انْفِصَام" انْقِطَاع "لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيع" لِمَا يُقَال "عَلِيم" بِمَا يَفْعَل،

دین کے اندر داخل ہونے میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، یعنی واضح دلائل سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے۔

یہ آیت اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے بچے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو اسلام لانے پر مجبور کریں۔

لہذا جو کوئی معبودان باطلہ یعنی شیطان یا بتوں اور اسی کا اطلاق مفرد وجمع دونوں پر ہوتا ہے، کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لئے ٹوٹنا نہیں، اور اللہ خوب سننے والا ہے جو کہا گیا ہے۔ جاننے والا ہے۔ جو کیا جاتا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۵۶ کے شان نزول کا بیان

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد

ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے، یہودیوں کے سپرد کر دیں گے، اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے، جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین انصار بنے، یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کیلئے سرور رسل علیہ السلام نے یہ حکم جاری فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے، اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جوان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

زبردستی اسلام قبول نہ کروانے کا بیان

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنوسالم بن عوف کا ایک شخص حصینی نامی تھا جس کے دولڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں، ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں، اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی، اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کیلئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے، ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کیلئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنالوں، ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کیلئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، حضرت عمر کا غلام اسبق نصرانی تھا، آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا، آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم، سورہ بقرہ ۲۵۶، بیروت)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے حمایتی شیطان
ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ظلمات کو کفر جبکہ نور کو ایمان سے تعبیر کرنے کا بیان

"اللّٰهُ وَلِيّ" نَاصِر "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجهُمْ مِنَ الظُّلُمَات" الْكُفْر "اِلَى النُّور" الْاِيْمَان "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَاؤُهُمْ الطَّاغُوت يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّور اِلَى الظُّلُمَات" ذَكَرَ الْاِخْرَاج اِمَّا فِي مُقَابَلَة قَوْله يُخْرِجهُمْ مِنَ الظُّلُمَات اَوْ فِي كُلّ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِيّ قَبْل بَعْثَته مِنَ الْيَهُوْد ثُمَّ كَفَرَ بِهِ "أولئك أصحاب النار هم فيها خالدون"

اللہ ایمان والوں کا کارساز یعنی مددگار ہے وہ انہیں تاریکیوں یعنی کفر سے نکال کر نور یعنی ایمان کی طرف لے جاتا ہے،

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہاں اخراج کا ذکر اس "یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ" کے مقابلے کے طور پر لایا گیا ہے۔ یا پھر ہر اس یہودی کے مقابلے میں لایا گیا جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کو مانتا تھا لیکن بعد میں اس نے کفر کو اختیار کیا۔ یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہدایت و گمراہی دونوں راستوں کی وضاحت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صادق و مصدوق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ تم میں سے ہر آدمی کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کے لیے بھیجتا ہے،

چنانچہ وہ فرشتہ اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بد بخت و نیک بخت ہونا اللہ کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنت والوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا سامنے آتا ہے اور وہ جنت والوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 79)

ایسا کم ہوتا ہے کہ لوگ بھلائی کے راستہ کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کرتے ہوں لیکن اللہ کی رحمت کاملہ کے صدقے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ بدبختی و برائی کے راستہ کو اختیار کیے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھلائی کی طرف آجاتے ہیں اور نیکی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ابدی نجات و عذاب کا دار و مدار خاتمہ پر ہے، اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری لیکن اس نے آخر وقت میں صدق دل سے اپنی بداعمالیوں اور گمراہی پر نادم و شرمسار ہو کر نیک بختی و سعادت کے راستہ کو اختیار کر لیا تو وہ نجات پا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی تمام عمر نیکی و بھلائی کرتا رہا اور اس کی تمام زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزری لیکن آخر وقت میں وہ شیطان کی گمراہی یا اپنے نفس کی شرارت سے گمراہ ہو گیا اور اس نے اپنی حیات کے آخری لمحوں کو برائی و بدبختی کی بھینٹ چڑھا دیا تو وہ اپنی زندگی بھر کی نیکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہٰذا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بھلائی و بہتری اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اطاعت الٰہی اور فرمان نبوی صلی اللہ

علیہ وسلم کی بجا آوری میں مصروف رہے، اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی حدود شریعت سے تجاوز کرنے نہ پائے اور ہر آنے والے لمحہ کو یہ سوچ کر کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہو نیکی و بھلائی میں صرف کرتا رہے تا کہ خاتمہ بالخیر کی سعادت سے نوازا جائے۔

اس موقع پر اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لوگ قضاو قدر کے مسئلوں کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کر بیٹھے ہیں کہ جب نجات و عذاب، نیک بختی و بد بختی اور جنت و دوزخ کا ملنا تقدیری چیز ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جو اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ پائے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کی بات کہی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ کیونکہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔

یعنی قضاو قدر پر بھروسہ کر کے تمہارا عمل میں توقف کرنا یا عمل سے انکار کرنا کوئی کار آمد نہیں ہوگا اس لیے کہ احکام شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تم کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے، نیز تمہارے اندر قصد و جہد کا مادہ بھی پیدا کیا گیا ہے تا کہ تم ان اسباب کے ذریعہ عمل کر سکو، لہٰذا اب اگر تم قضاو قدر کا سہارا لے کر اسباب سے قطع نظر کرو گے اور اعمال کو چھوڑ دو گے تو تباہی و بربادی کے غار میں جا گرو گے۔ ہاں یہ اللہ کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی جس کی حقیقت و حکمت کو تو وہی جانتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے قضاو قدر کے مسئلہ کو سامنے کر دیا دوسری طرف اعمال وافعال کے کرنے کا حکم دیا اور پھر اس مسئلہ میں تحقیق و تفتیش کرنے سے بھی منع فرما دیا، اور پھر قضاو قدر کے سہارے اعمال کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ اللہ کی جانب سے شریعت کا اتارنا، احکام بھیجنا اور رسولوں کی بعثت جن کا مقصد احکام خداوندی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہوتا تھا بلا وجہ ہوئی کیونکہ جب محض تقدیر پر بھروسہ ہوگا کہ جس کے مقدر میں جنت میں جانا لکھا ہوگا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہوگی اور دوزخ میں یقیناً جائے گا تو ان رسولوں کی بعثت اور احکام و اعمال کی بجا آوری کی تاکید کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا اس حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔

بہر حال جس طرح اور بہت سے اسرار الٰہی ہیں کہ ان کی بندوں کو خبر نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ایک راز ہے جو بندوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لیے کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے کہ (ایت یعذب من یشاء و یرحم من یشاء) (یعنی وہ جس کو چاہے (بداعمالیوں کی بنا پر) عذاب میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ
یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ
الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۟

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے، جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا۔اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے
اسے بادشاہی دی جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے بولا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا
تو اللہ سورج کو لاتا ہے، مشرق سے، تو اس کو مغرب سے لے آ، تو کافر کے ہوش اُڑ گئے، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا،

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ کا بیان

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاجَّ" جَادَلَ "إبراهيم فى ربه" "اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ" اَىْ حَمَلَهُ بَطَرُه بِنِعْمَةِ اللّٰه عَلٰى ذٰلِكَ وَهُوَ نُمْرُوْدُ "اِذْ" بَدَلٌ مِنْ حَاجَّ "قَالَ اِبْرَاهِيْمُ" لَمَّا قَالَ لَهُ مَنْ رَبُّكَ الَّذِىْ تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ "رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ" اَىْ يَخْلُقُ الْحَيَاةَ وَالْمَوْتَ فِى الْاَجْسَادِ "قَالَ" هُوَ "اَنَا اُحْيِىْ وَاُمِيْتُ" بِالْقَتْلِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ وَدَعَا بِرَجُلَيْنِ فَقَتَلَ اَحَدَهُمَا وَتَرَكَ الْاٰخَرَ فَلَمَّا رَاٰهُ غَبِيًّا "قَالَ اِبْرَاهِيْمُ" مُنْتَقِلًا اِلٰى حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا "فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا" اَنْتَ "مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ" تَحَيَّرَ وَدُهِشَ "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ" بِالْكُفْرِ اِلٰى مَحَجَّةِ الْاِحْتِجَاجِ،

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔یعنی جو اللہ کی نعمتوں پر اکڑنے لگا اور اسی تکبر نے اس کو ابھارا اور وہ نمرود تھا۔اور یہاں اذ یہ حاج سے بدل ہے۔جبکہ ابراہیم نے اس کے قول کے جواب میں کہا،اس کا قول یہ تھا کہ تیرا رب کون ہے جس طرف تو دعوت دیتا ہے۔تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔یعنی مخلوق میں حیات ڈالتا اور اور جسموں میں موت ڈالتا ہے۔بولا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔یعنی قتل کردینے اور معاف کردینے سے لہٰذا اس نے دو بندوں کو بلوایا ان میں سے ایک کو قتل کردیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا پس جب ابراہیم علیہ السلام نے اس کی حماقت کو دیکھا تو اس سے بھی زیادہ واضح دلیل طلب کی۔ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے، مشرق سے، تو اس کو مغرب سے لے آ، تو کافر کے ہوش اُڑ گئے،یعنی حیران و پریشان ہوگیا۔اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا،یعنی کفر کے سبب ہدایت والے راستے کی جانب سے محروم رہتے ہیں۔

اللہ کی طاقت سے مقابلہ کرنے والے نمرود کی عبرتناک شکست کا بیان

اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت بابل تھا اس کے نسب میں کچھ اختلاف بھی ہے،حضرت مجاہد فرماتے ہیں دنیا کی مشرق مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے جن میں سے دو مومن اور دو کافر،حضرت سلیمان بن داؤد اور حضرت ذوالقرنین،اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر،فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اسے نہیں دیکھا،جو حضرت ابراہیم سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا،یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا،جیسا اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا،چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا اس

لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی، سرکشی اور تکبر، نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا۔

حضرت ابراہیم سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے۔ موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے، نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں، یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے، ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا، دراصل یہ جواب اور دعویٰ کس قدر لچر اور بے معنی ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں، حضرت ابراہیم نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا اور نہ ان کی یا اپنی موت حیات پر اسے قدرت، لیکن جہلاء کو بھڑکانے کیلئے اور اپنی علمیت جتانے کیلئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی، ابراہیم بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے، چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہئے، میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے۔

اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی نہ اس سے بن پڑا اور بیزبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہوگئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا، ایسے بد وضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھاتا اور وہ حق کے مقابلے میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں، ان پر اللہ کا غضب و غصہ اور ناراضگی ہوتی ہے اور اس کیلئے اس جہاں میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔

بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی، لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا، اصل دلیل پیدائش و موت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشتِ خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت و حیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں، پھر کیا وجہ ہے کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کی بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا۔

حضرت سدی فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیم کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی، لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے،

حضرت خلیل اللہ بھی گئے، وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا، آپ خالی ہاتھ واپس آئے، گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے، گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ اٹھیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پر ہیں، کھانا پکا کر تیار کیا، آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے، پوچھا اناج کہاں سے آیا، کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں، انہیں میں سے یہ اناج نکالا تھا، آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے، اس نانہجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی، دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا۔ اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں، نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے میدان میں آ ڈٹا، ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا، بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، اللہ کی یہ فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے، ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا، انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا، ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا، یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝
یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ مسمار ہوئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا، فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا، عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم، فرمایا نہیں تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کی سو سالہ نیند کا بیان

"اَوْ" رَاَيْتَ "كَالَّذِىْ" اَلْكَافُ زَائِدَةٌ "مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ" هِىَ بَيْتُ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ وَمَعَهُ سَلَّةُ

تِین وَقَدَح عَصِیر وَهُوَ عُزَیْر "وَهِیَ خَاوِیَة" سَاقِطَة "عَلٰی عُرُوشِهَا" سُقُوطِهَا لَمَّا خَرَّبَهَا بُخْتُنَصَّرَ "قَالَ اَنّٰی" کَیْفَ "یُحْیِی هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" اسْتِعْظَامًا لِقُدْرَتِهٖ تَعَالٰی "فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ" فَاَمَاتَهُ اللّٰه وَاَلْبَثَهُ "مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ" اَحْیَاهُ لِیُرِیَهُ کَیْفِیَّةَ ذٰلِكَ "قَالَ" قَالَ تَعَالٰی لَهٗ "کَمْ لَبِثْتَ" مَکَثْتَ هُنَا "قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" لِاَنَّهٗ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْیِیَ عِنْدَ الْغُرُوبِ فَظَنَّ اَنَّهٗ یَوْمُ النَّوْمِ "قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ" التِّین "وَشَرَابِكَ" الْعَصِیر "لَمْ یَتَسَنَّهْ" لَمْ یَتَغَیَّرْ مَعَ طُولِ الزَّمَانِ وَالْهَاءُ قِیلَ اَصْلٌ مِنْ سَانَهْتُ وَقِیلَ لِلسَّكْتِ مِنْ سَانَیْتُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا "وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ" کَیْفَ هُوَ فَرَاٰهُ مَیِّتًا وَّعِظَامُهٗ بِیضٌ تَلُوحُ "وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً" عَلَی الْبَعْثِ "لِلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ" مِنْ حِمَارِكَ "کَیْفَ نُنْشِزُهَا" نُحْیِیهَا بِضَمِّ النُّونِ وَقُرِئَ بِفَتْحِهَا مِنْ اَنْشَزَ وَنَشَزَ - لُغَتَانِ - وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّهَا وَالزَّایِ - نُحَرِّکُهَا وَنَرْفَعُهَا "ثُمَّ نَکْسُوهَا لَحْمًا" فَنَظَرَ اِلَیْهِ وَقَدْ تَرَکَّبَتْ وَکُسِیَتْ لَحْمًا وَّنُفِخَ فِیْهِ الرُّوحُ وَنَهَقَ "فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ" ذٰلِكَ بِالْمُشَاهَدَةِ "قَالَ اَعْلَمُ" عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ "اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ" وَفِیْ قِرَاءَةٍ اعْلَمْ اَمْرٌ مِنَ اللّٰهِ لَهٗ،

یا اس کی طرح جو گزرا۔ یہاں کاف زائدہ ہے۔ایک بستی یعنی پر جو بیت المقدس تھی۔ حضرت عزیر علیہ السلام اپنے گدھے پر سوار ہو کر گزرے آپ کے ساتھ ایک انجیر کی ٹوکری اور ایک انگور کا پیالہ تھا۔اور وہ مسمار ہوئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی کیونکہ اس کو بخت نصر نے خراب کیا تھا' تو آپ نے کہا کہ اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد، یعنی اللہ کی قدرت کو عظیم جانتے ہوئے بہ طور تعجب کہہ دی۔تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس۔ پھر زندہ کر دیا، تا کہ آپ پر زندگی کی کیفیت کو ظاہر کرے۔ فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا، عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم، کیونکہ آپ دن کے اول حصے میں سوئے تو آپ کی روح کو قبض کر لیا گیا اور دن کے آخر حصے یعنی غروب کے وقت آپ کو زندہ کیا گیا تو آپ نے اسی لئے ایک دن کا گمان کیا۔ فرمایا نہیں تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے یعنی انجیر اور پانی یعنی انگور کو دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا یعنی طویل مدت گزرنے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔اور یہاں پر ہاء اصلی ہے یعنی سانھت سے مشتق ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے سانیت سے ہے۔اور ایک قرأت میں حذف ھاء سے بھی آیا ہے۔کہ اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں یعنی وہ تو مردہ ہے لیکن اس کی ہڈیاں سفید چمکدار ہیں۔اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں کہ ہم کس طرح مرنے کے بعد زندہ کرتے ہیں۔اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے یعنی زندہ کرتے ہیں۔ یہاں ننشزھا یہ نون کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور انشز ،نشز میں دو قرأتیں ہیں ایک قرأت نون وزاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ہم اس کو حرکت دیتے ہیں پھر اس کو بلند کرتے ہیں۔ پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں یعنی حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں

پھران پر گوشت آیا اور پھران میں روح کو پھونک دیا گیا تو وہ بولنے لگیں۔ جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا تو حضرت عزیر علیہ السلام نے کہا میں خوب جانتا ہوں یعنی میں اس مشاہدے سے یقینی علم حاصل ہو چکا ہے کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اور ایک قرأت میں اعلم بیامر کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے یعنی حضرت عزیر علیہ السلام کو مشاہدے کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے معجزات کا بیان

اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ واقعہ عُزیر علیہ السلام کا ہے اور بستی سے بیت المقدس مراد ہے جب بخت نصر بادشاہ نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا گرفتار کیا تباہ کر ڈالا پھر حضرت عُزیر علیہ السلام وہاں گزرے آپ کے ساتھ ایک برتن کھجور اور ایک پیالہ انگور کا رس تھا اور آپ ایک دراز گوش پر سوار تھے تمام بستی میں پھرے کسی شخص کو وہاں نہ پایا بستی کی عمارتوں کو منہدم دیکھا تو آپ نے براہ تعجب کہا (اَنّٰی یُحْیِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) اور آپ نے اپنی سواری کے حمار کو وہاں باندھ دیا اور آپ نے آرام فرمایا اسی حالت میں آپ کی روح قبض کر لی گئی اور گدھا بھی مرگیا یہ صبح کے وقت کا واقعہ ہے اس سے ستر برس بعد اللہ تعالیٰ نے شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ کو مسلط کیا اور وہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا اور اس کو پہلے سے بھی بہتر طریقہ پر آباد کیا اور بنی اسرائیل میں سے جو لوگ باقی رہے تھے اللہ تعالیٰ انہیں پھر یہاں لایا اور وہ بیت المقدس اور اس کے نواح میں آباد ہوئے اور ان کی تعداد بڑھتی رہی اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھا اور کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا جب آپ کی وفات کو سو برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کیا پہلے آنکھوں میں جان آئی ابھی تک تمام جسم مردہ تھا وہ آپ کے دیکھتے دیکھتے زندہ کیا گیا یہ واقعہ شام کے وقت غروب آفتاب کے قریب ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم یہاں کتنے دن ٹھہرے آپ نے اندازہ سے عرض کیا کہ ایک دن یا کچھ کم آپ کا خیال یہ ہوا کہ یہ اسی دن کی شام ہے جس کی صبح کو سوئے تھے' فرمایا بلکہ تم سو برس ٹھہرے اپنے کھانے اور پانی یعنی کھجور اور انگور کے رس کو دیکھئے کہ ویسا ہی ہے اس میں بوتک نہ آئی اور اپنے گدھے کو دیکھئے دیکھا تو وہ مرگیا تھا گل گیا' اعضاء بکھر گئے تھے ہڈیاں سفید چمک رہی تھیں آپ کی نگاہ کے سامنے اس کے اعضاء جمع ہوئے اعضاء اپنے اپنے مواقع پر آئے ہڈیوں پر گوشت چڑھا گوشت پر کھال آئی بال نکلے پھر اس میں روح پھونکی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آواز کرنے لگا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کیا اور فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے پھر آپ اپنی اس سواری پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں تشریف لائے سر اقدس اور ریش مبارک کے بال سفید تھے عمر وہی چالیس سال کی تھی کوئی آپ کو نہ پہچانتا تھا۔ اندازے سے اپنے مکان پر پہنچے ایک ضعیف بڑھیا ملی جس کے پاؤں رہ گئے تھے۔ وہ نابینا ہو گئی تھی وہ آپ کے گھر کی باندی تھی اور اس نے آپ کو دیکھا تھا آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ یہ عُزیر کا مکان ہے اس نے کہا ہاں، اور عُزیر کہاں، انہیں مفقود ہوئے سو برس گزر گئے یہ کہہ کر خوب روئی۔

آپ نے فرمایا میں عُزیر ہوں اس نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے سو برس مردہ رکھا پھر

زندہ کیا اس نے کہا حضرت عزیر مستجاب الدعوات تھے جو دعا کرتے قبول ہوتی آپ دعا کیجئے میں بینا ہو جاؤں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھوں آپ نے دعا فرمائی وہ بینا ہوئی آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھ خدا کے حکم سے یہ فرماتے ہی اس کے مارے ہوئے پاؤں درست ہوگئے۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پہچانا اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بیشک حضرت عزیر ہیں وہ آپ کو بنی اسرائیل کے محلہ میں لے گئی وہاں ایک مجلس میں آپ کے فرزند تھے جن کی عمر ایک سو اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی اور آپ کے پوتے بھی تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے بوڑھیا نے مجلس میں پکارا کہ یہ حضرت عزیر تشریف لے آئے اہل مجلس نے اس کو جھٹلایا اس نے کہا مجھے دیکھو آپ کی دعا سے میری یہ حالت ہوگئی لوگ اٹھے اور آپ کے پاس آئے آپ کے فرزند نے کہا کہ میرے والد صاحب کے شانوں کے درمیان سیاہ بالوں کا ایک ہلال تھا جسم مبارک کھول کر دکھایا گیا تو وہ موجود تھا اس زمانہ میں توریت کا کوئی نسخہ نہ رہا تھا کوئی اس کا جاننے والا موجود نہ تھا۔

آپ نے تمام توریت حفظ پڑھ دی ایک شخص نے کہا کہ مجھے اپنے والد سے معلوم ہوا کہ بخت نصر کی ستم انگیزیوں کے بعد گرفتاری کے زمانہ میں میرے دادا نے توریت ایک جگہ دفن کر دی تھی اس کا پتہ مجھے معلوم ہے اس پتہ پر جستجو کر کے توریت کا وہ مدفون نسخہ نکالا گیا اور حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی یاد سے جو توریت لکھائی تھی اس سے مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔

(تفسیر جمل)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠
اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا، چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

مردہ پرندوں کو پکارا تو وہ زندہ ہوتے ہوئے آئے

"وَ" اُذْكُرْ "اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی قَالَ" تَعَالٰی لَهٗ "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" بِقُدْرَتِیْ عَلَی الْاِحْیَاءِ سَاَلَهٗ مَعَ عِلْمِهٖ بِاِیْمَانِهٖ بِذٰلِكَ لِیُجِیْبَهٗ بِمَا سَاَلَ فَیَعْلَمَ السَّامِعُوْنَ غَرَضَهٗ "قَالَ بَلٰی" "بَلٰی اٰمَنْتُ "وَلٰـكِنْ" سَاَلْتُكَ "لِیَطْمَىٕنَّ" یَسْكُنَ "قَلْبِیْ" بِالْمُعَایَنَةِ الْمَضْمُوْمَةِ اِلَی الْاِسْتِدْلَالِ "قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ" بِكَسْرِ الصَّادِ وَضَمِّهَا اَمِلْهُنَّ اِلَیْكَ وَقَطِّعْهُنَّ وَاخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَرِیْشَهُنَّ فَاَخَذَ طَاوُوْسًا وَّنَسْرًا وَّغُرَابًا وَّدِیْكًا وَّفَعَلَ بِهِنَّ مَا ذُكِرَ وَاَمْسَكَ رُءُوْسَهُنَّ عِنْدَهٗ

وَدَعَاهُنَّ فَتَطَايَرَتْ الْأَجْزَاء إِلَى بَعْضهَا حَتَّى تَكَامَلَتْ ثُمَّ أَقْبَلَتْ إِلَى رُءُوسهَا "ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلّ جَبَل" مِنْ جِبَال أَرْضك "منهن جزءا ثم ادْعُهُنَّ" إِلَيْك "يَأْتِينَك سَعْيًا" سَعْيًا سَرِيعًا "وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰه عَزِيز" لَا يُعْجِزهُ شَيْء "حَكِيم" فِي صُنْعه،

اور یاد کریں جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھادے تو کیونکر مردے جلائے گا تو اللہ تعالی نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں۔یعنی میری اس قدرت پر جس سے میں زندہ کرتا ہوں؛ تو اللہ تعالی کا یہ سوال ابراہیم کے ایمان کا علم ہونے کے باوجود کرنا اس لئے تھا تا کہ ان کو جواب دیا جائے۔تا کہ سننے والے مقصد کو سمجھ جائیں۔عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔یعنی اس معائنہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جس استدلال سے ملا ہوا ہے۔فرمایا تو اچھا، چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے۔اور یہاں یہ صیغہ صاد کے کسرہ اور ضمہ کے آیا ہے۔یعنی ان کو اپنی طرف مائل کرو۔اور ان کے ٹکڑوں کو مکس کر دو اور ان کے گوشت اور پروں کو ملا جلا دو، تو آپ نے مور، مرغا، کوا اور گرگس کبوتر کو پکڑا۔اور ان کے ساتھ ایسا ہی کیا۔جس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ان کے سروں سے پکڑ لیا۔اور ان کو پکارا۔تو پرندوں کے اجزاء ان کے سروں کی جانب دوڑے۔پس پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے یعنی زمین کے پہاڑوں پر رکھ دیا۔پھر انہیں اپنے پاس بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے۔یعنی تیز پاؤں سے دوڑتے آئے۔اور جان رکھ کہ اللہ غالب یعنی اس کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۶۰ کے سبب نزول کا بیان

مفسرین نے لکھا ہے کہ سمندر کے کنارے ایک آدمی مرا پڑا تھا جوار بھاٹے میں سمندر کا پانی چڑھتا اترتا رہتا ہے جب پانی چڑھتا تو مچھلیاں اس لاش کو کھاتیں جب اتر جاتا تو جنگل کے درندے کھاتے جب درندے جاتے تو پرند کھاتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ کو شوق ہوا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ مردے کس طرح زندہ کئے جائیں گے آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا یارب مجھے یقین ہے کہ تو مردوں کو زندہ فرمائے گا اور انکے اجزاء دریائی جانوروں اور درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے پوٹوں سے جمع فرمائے گا لیکن میں یہ عجیب منظر دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل کیا ملک الموت حضرت رب العزت سے اذن لے کر آپ کو یہ بشارت سنانے آئے آپ نے بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور ملک الموت سے فرمایا کہ اس خُلت کی علامت کیا ہے انہوں نے عرض کیا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے اور آپ کے سوال پر مردے زندہ کرے تب آپ نے یہ دعا کی۔(خازن)

دلائل کے سبب ایمان کے مضبوط ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں، جب انہوں نے کہا تھا رب اَرِنی کیف تحی الموتی (اے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس

طرح جلائے گا) اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے جو رکن شدید، کا سہارا پکڑنا چاہتے تھے۔ اور اگر میں قید خانے میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں یقیناً بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 270)

مردہ جسموں کا اپنے اعضاء کی پہچان کرنے کا بیان

مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرندے حضرت ابراہیم نے لئے تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے، کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے، کوئی کہتا ہے کبوتر، مرغ، مور اور کوا تھے، پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، حضرت ابن عباس یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا، جب ہل گئے انہیں ذبح کر دیا، پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے، پس آپ نے چار پرند لئے، ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے، پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے، پھر بحکم الٰہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا، آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا، خود اس کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اُڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے مال میں اضافہ ہونے کا بیان

"مَثَلُ" صِفَةُ نَفَقَات "الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اَىْ طَاعَته "كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ" فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتهمْ تَضَاعَفَ سَبْعَ مِائَةِ ضِعْف "وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ" اَكْثَر مِنْ ذٰلِكَ "لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ" فَضْله "عَلِيْمٌ" بِمَنْ يَّسْتَحِقّ الْمُضَاعَفَة۔

جو لوگ اللہ کی راہ یعنی طاعت کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، یعنی اس طرح ان کے خرچ کردہ کو سات سو گنا تک بڑھا دیتے ہیں۔ اور اللہ جس کے

لئے چاہتا ہے، اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ اپنے فضل میں بڑی وسعت والا، کون اضافے کا حقدار اس کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے سبب اجر بڑھ جانے کا بیان

حضرت علی، حضرت ابو درداء حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو امامہ، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت جابر ابن عبداللہ اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد میں روپیہ پیسہ اور سامان واسباب بھیجا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا یعنی جہاد میں خود شریک نہیں ہوا بلکہ روپے پیسے اور سامان سے جہاد میں مدد کی تو اس کو ہر درہم کے بدلے میں سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے بنفس خود جہاد بھی کیا اور جہاد میں روپیہ پیسہ اور مال بھی خرچ کیا یعنی لڑائی میں خود شریک بھی ہوا اور مالی مدد بھی پہنچائی تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی مشقت ودکھ میں مبتلا کیا اور اپنا مال بھی خرچ کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ) یعنی اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے اس کے ثواب میں اور اضافہ کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 971)

آیت تلاوت فرما کر گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف اشارہ کیا کہ یہاں ثواب کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ کوئی آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ چاہے گا تو اس مقدار سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کئے ہوئے کے پیچھے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ اذیت دیتے ہیں
ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسروں پر بھلائی نہ جتلانے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا" مَنًّا عَلَى الْمُنْفَقِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا: قَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْهِ وَجَبَرْتُ حَالَهُ "وَلَا اَذًى" وَلَا اَذًى لَهُ بِذِكْرِ ذٰلِكَ اِلٰى مَنْ لَا يُحِبُّ وُقُوفَهُ عَلَيْهِ وَنَحْوَهُ "لَهُمْ اَجْرُهُمْ" ثَوَابُ اِنْفَاقِهِمْ "عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" فِي الْاٰخِرَةِ،

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کئے ہوئے کے پیچھے نہ احسان جتلاتے ہیں یعنی جس پر انہوں نے خرچ کیا ہے اس پر زبانی طور پر جیسے یہ کہنا کہ میں نے اس کے ساتھ بھلائی کی ہے یا اس کی بری حالت کو سنوارا ہے۔ اور نہ اذیت دیتے ہیں یعنی اس طرح اس کو ذکر کرنا جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔ اور ایسے ہی کسی طرح بھی ذکر

کرنا۔ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۶۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت عثمان غنی وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کے لئے ایک ہزار اونٹ مع سامان پیش کئے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم صدقہ کے بارگاہ رسالت میں حاضر کئے اور عرض کیا کہ میرے پاس کل آٹھ ہزار درہم تھے نصف میں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے اور نصف راہِ خدا میں حاضر ہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم نے دیئے اور جو تم نے رکھے اللہ تعالیٰ دونوں میں برکت فرمائے۔(تفسیر خازن)

سات گنا تک نیکی کے ثواب کے بڑھ جانے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق واخلاص کے مطابق سات سوگنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں جو شخص اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ والتفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں) جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔

جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝
نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد دل آزاری ہو، اور اللہ بے نیاز بڑا حلم والا ہے۔

اچھی بات کا صدقہ سے افضل ہونے کا بیان

"قَوْلٌ مَعْرُوْفٌ" كَلَام حَسَن وَرَدّ عَلَى السَّائِل جَمِيْل "وَمَغْفِرَة" مَغْفِرَة لَهُ فِيْ اِلْحَاحه "خَيْر مِنْ صَدَقَة يَتْبَعهَا اَذًى" بِالْمَنِّ وَتَعْيِير لَهُ بِالسُّؤَالِ "وَاللّٰهُ غَنِيّ" عَنْ صَدَقَة الْعِبَاد "حَلِيْم" بِتَاْخِيْرِ الْعُقُوبَة عَنْ الْمَانّ وَالْمُؤْذِي،

نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا یعنی اچھے کلام سے بات چیت کرنا اور سائل سے بھلائی کرنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد دل آزاری ہو، یعنی احسان جتلا کر یا اس کو سوال پر شرمندگی دلا کر تکلیف دینا۔ اور اللہ بندوں کے صدقہ بے نیاز، احسان جتلانے والے اور تکلیف دینے والے پر بڑا حلم والا ہے۔

اچھے اخلاق اپنانے کی فضیلت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں اور اچھے کاموں کو پورا کروں۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 352)

اخلاق خلق کی جمع ہے جس کی معنی طبعی خصلت اور باطنی صفت کے ہیں اور شمائل "شمال کی جمع ہے جس کے معنی عادت اور خو کے ہیں پس پچھلے باب میں مؤلف کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری شکل وصورت سے متعلق احادیث نقل کیں جس کو صورت اور خلق کہا جاتا ہے اب یہ باب قائم کر کے ان احادیث کو نقل کیا گیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی اوصاف وخصائل ذکر کئے گئے ہیں، جن کو سیرت اور خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باطنی اوصاف یا سیرت وخلق سے مراد مردانگی، شجاعت سخاوت، نرمی مروت محبت تحمل تواضع رحم وکرم اور شرم وحیا وغیرہ ہیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○
اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کر لیا کرو جو مال لوگوں کے دکھانے کے لئے
خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ روزِ قیامت پر، اس کی مثال ایک ایسے چکنے پتھر کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی
ہو پھر اس پر زوردار بارش ہو تو وہ اسے (پھر وہی) سخت اور صاف (پتھر) کر کے ہی چھوڑ دے، سو اپنی کمائی میں سے ان کے ہاتھ
کچھ بھی نہیں آئے گا، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

ریاکاری کیلئے خرچ کرنے والے کی مثال کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ" اَىْ اُجُورهَا "بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى" اِبْطَالًا بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى "كَالَّذِىْ" اَىْ كَاِبْطَالِ نَفَقَة الَّذِىْ "يُنْفِق مَاله رِئَاء النَّاس" مُرَائِيًا لَهُمْ "وَلَا يُؤْمِن بِاللّٰهِ وَالْيَوْم الْاٰخِر" هُوَ الْمُنَافِق "فَمَثَله كَمَثَلِ صَفْوَان" حَجَر اَمْلَس "عَلَيْهِ تُرَاب فَاَصَابَهٗ وَابِل" مَطَر شَدِيْد "فَتَرَكَهٗ صَلْدًا" صُلْبًا اَمْلَس لَا شَىْء عَلَيْهِ "لَا يَقْدِرُوْنَ" اسْتِئْنَاف لِبَيَانِ مَثَل الْمُنَافِق الْمُنْفِق رِئَاء النَّاس

وَجَمعَ الضَّمِيرِ بِاعتِبَارِ مَعنَى الَّذِي "عَلٰى شَيءٍ مِمَّا كَسَبُوا" عَمِلُوا اَيْ لَا يَجِدُونَ لَهُ ثَوَابًا فِي الْاٰخِرَةِ كَمَا لَا يُوجَدُ عَلَى الصَّفْوَانِ شَيءٌ مِنَ التُّرَابِ الَّذِي كَانَ عَلَيهِ لِاِذْهَابِ الْمَطَرِ لَهُ "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ"

اے ایمان والو! اپنے صدقات یعنی ان کے ثواب کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرلیا کرو جو مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے یعنی ریا کاری والے کی طرح نہ کرو۔ اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ روزِ قیامت پر، یعنی وہ منافق ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے چکنے پتھر کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش ہو تو وہ اسے (پھر وہی) سخت اور صاف پتھر کر کے ہی چھوڑ دے، یعنی ایسی ہی چکناہٹ والا جس کوئی چیز نہ ٹھہر سکے۔ سو اپنی کمائی میں سے ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا، یہ نیا جملہ ہے۔ یہ اس مثال کو بیان کرنے والا ہے کہ منافق لوگوں کو دیکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے۔ اور الذی کے معنی کی رعایت کرنے کیلئے "لا یقدرون" کو جمع لایا گیا ہے۔ اور عمل میں سے کچھ نہ پائیں گے یعنی آخرت میں اس کوئی ثواب نہ ملے گا جس طرح صفوان پر کوئی مٹی نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کو بارش لیکر گئی ہے۔ اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

صفوان کے لغوی مفہوم کا بیان

صفوان، جمع ہے اسکا مفرد صفوانہ ہے۔ یعنی صاف پتھر، وابل، موتی بوند والی بارش کو کہتے ہیں۔ صلد کے معنی ہیں صاف پتھر ہیں۔ ایک مضبوط پتھر فرض کریں کہ جس کے اُوپر گردہ خاک کی ہلکی پرت جم گئی ہو۔ اس خاک پر بیج بکھیر دیا جائیں جو ہوا اور سورج کی دھوپ کی زد میں ہیں۔ پھر اس پر موٹی بوند بارش پڑ جائے واضح ہے کہ شدید بارش اس پتھر پر پڑی ہوئی گرد کو بیج سمیت بہالے جائے گی اور سخت پتھر اپنی سختی کے ساتھ آشکار ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آفتاب دھوپ کی کھلی ہوا اور بارش کے پڑنے کا کوئی برا اثر ہے بلکہ بیج نامناسب جگہ بویا گیا تھا۔ جس کا ظاہر تو صیح تھا، باطن بہت سخت تھا۔ وہ قابل نفوذ نہ تھا۔ صرف اس پر گرد جم گئی تھی جبکہ نباتات زمین کی ظاہری سطح کی آمادگی کے علاوہ اسکی باطنی سطح اور گہرائی کی آمادگی بھی چاہتے ہیں تاکہ اس میں ان کی جڑیں اتر جائیں۔ اور وہ اس سے غذا حاصل کریں۔ قرآن نے ریا کارانہ اعمال اور احسان جتانے اور آزار رسانی کے ساتھ دیئے گئے صدقہ کو سخت پتھر پر پڑی ہوئی خاک سے تشبیہ دی ہے۔ جس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا بلکہ اس سے بیج بونے والے اور باغبان کی زحمت میں اضافہ ہوگا۔

قیامت کے دن ریا کار کی مذمت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کے درمیان شہرت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس "ریا کارانہ عمل کو اپنی مخلوق کے کانوں تک پہنچا دے گا۔ (یعنی جو شخص کوئی نیک کام کر کے لوگوں کو یہ سنائے گا کہ اس نے یہ کام کیا ہے، اور اس کے ذریعہ اس کا مقصد شہرت وعزت حاصل کرنا ہوگا

اللہ تعالیٰ اس کی اس ریاکاری کو ظاہر کردے گا اور لوگوں کے کانوں تک یہ بات پہنچادے گا کہ یہ شخص ریاکار اور غیر مخلص ہے نیز (قیامت کے دن) اس کو رسوا کرے گا اور (دنیا وآخرت میں) ذلت وخواری سے دوچار کرے گا۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1249)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○
اوران کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو اس باغ کی سی ہے جو رتیلی زمین پر ہو
اس پر زور کا پانی پڑا تو دُوگنا میوے لایا پھر اگر زور کی بارش اسے نہ پہنچے تو شبنم کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اللہ کی رضا کو طلب کرنے کیلئے خرچ کرنے والے کا بیان

"وَمَثَل" وَمَثَل نَفَقَات "اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالهمْ ابْتِغَاء" طَلَب "مَرْضَاتِ اللّٰه وَتَثْبِيتًا مِنْ اَنْفُسهمْ" اَيْ تَحْقِيقًا لِلثَّوَابِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَهُ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ وَمِنْ ابْتِدَائِيَّة "كَمَثَلِ جَنَّة" بُسْتَان "بِرَبْوَةٍ" بِضَمِّ الرَّاء وَفَتْحهَا مَكَان مُرْتَفِع مُسْتَوٍ "اَصَابَهَا وَابِل فَاٰتَتْ" اَعْطَتْ "اُكُلهَا" بِضَمِّ الْكَاف وَسُكُوْنهَا ثَمَرهَا "ضِعْفَيْنِ" مِثْلَيْ مَا يُثْمِر غَيْرهَا "فَاِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِل فَطَلّ" مَطَر خَفِيف يُصِيْبهَا وَيَكْفِيْهَا لِارْتِفَاعِهَا الْمَعْنٰى: تُثْمِر وَتَزْكُو كَثُرَ الْمَطَر اَمْ قَلَّ فَكَذٰلِكَ نَفَقَات مَنْ ذُكِرَ تَزْكُو عِنْد اللّٰه كَثُرَتْ اَمْ قَلَّتْ "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِير" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ،

اوران کی مثال یعنی جو اپنے اموال کو اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل میں پکے رہتے ہیں۔ یعنی ان کا ثواب یقینی ہے جبکہ منافقین کیلئے کوئی ثواب نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی امید ہی نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ آخرت کے منکر ہیں اور یہاں پر من ابتدائیہ ہے۔ اس باغ کی سی ہے جو رتیلی زمین پر ہو اس پر زور کا پانی پڑا۔ یہاں پر ربوہ آیا ہے جو ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور بلند سیدھی جگہ کو ربوہ کہتے ہیں۔ یعنی اس باغ نے بارش ہونے کی وجہ سے دوسرے باغات کی بہ نسبت دُوگنا پھل لایا پھر اگر زور کی بارش اسے نہ پہنچے تو شبنم کافی ہے۔ یعنی بارش ہلکی سی ہو جائے تو اس کے بلند مقام ہونے کے سبب اس کیلئے وہی کافی ہے۔ یعنی بارش اگرچہ زیادہ ہو یا کم ہو ہر حالت میں اس کے پھل کثیر ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے ایمان والوں کے اخراجات کا حال ہے کہ اگرچہ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں اللہ کے ہاں کے ان کا ثواب زیادہ ہے۔ اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کے ساتھ ثواب عطا فرمائے گا۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۠
کیاتم میں کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا، جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے
لئے، اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے، اور اسے بڑھاپا آیا اور اس کے ناتوان بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی
تو جل گیا ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔

احسان کرکے مال کو ضائع کرنے کا بیان

"اَیَوَدُّ" اَیُحِبُّ "اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ" بُسْتَان "مِنْ نَخِیل وَاَعْنَاب تَجْرِی مِنْ تَحْتهَا الْاَنْهَار لَهٗ فِیهَا" لَهٗ فِیهَا ثَمَر "مِنْ كُلّ الثَّمَرَات وَ" وَقَدْ "اَصَابَهُ الْكِبَر" فَضَعُفَ مِنَ الْكِبَر عَنِ الْكَسْب "وَلَهٗ ذُرِّیَّة ضُعَفَاء" اَوْلَاد صِغَار لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَیْهِ "فَاَصَابَهَا اِعْصَار" رِیح شَدِیْدَة "فِیْهِ نَار فَاحْتَرَقَتْ" فَفَقَدَهَا اَحْوَجَ مَا كَانَ اِلَیْهَا وَبَقِیَ هُوَ وَاَوْلَاده عَجَزَة مُتَحَیِّرِیْنَ لَا حِیلَة لَهُمْ وَهٰذَا تَمْثِیل لِنَفَقَةِ الْمُرَائِی وَالْمَانّ فِی ذَهَابهَا وَعَدَم نَفْعهَا اَحْوَجَ مَا یَكُوْن اِلَیْهَا فِی الْاٰخِرَة وَالْاِسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْی وَعَنِ ابْن عَبَّاس هُوَ الرَّجُل عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بَعَثَ لَهُ الشَّیْطَان فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِی حَتّٰی اَحْرَقَ اَعْمَاله "كَذٰلِكَ" كَمَا بَیَّنَ مَا ذُكِرَ "یُبَیِّن اللّٰه لَكُمُ الْاٰیَات لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" فَتَعْتَبِرُوْنَ،

کیاتم میں کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا، جس میں پھل ہوں۔ جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے، اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے، اور اسے بڑھاپا آیا یعنی بڑھاپے کی وجہ سے کمانے سے عاجز آ گیا اور اس کے کمزور بچے ہیں یعنی چھوٹے ہیں جو کمانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو ہوا کا ایک تیز بگولہ آیا جس میں آگ تھی تو جل گیا اور اس نے اس باغ کو اس وقت کھو دیا جبکہ اس کو اور اس کی اولاد اس کی سخت ضرورت تھی۔ اب وہ اور اس کی اولاد عاجز و بے بس اور حیران رہ گئے ہیں۔ اور ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہی مثال ریاکاری اور احسان جتلا کر مال خرچ کرنے والے کی ہے۔ لہٰذا آخرت میں جب اس کو مال کے نفع کی بہت ضرورت ہوگی وہ محروم رہے گا۔ اور یہاں استفہام بہ معنی نفی کے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بندہ طاعات پر عمل کرتا ہے۔ پھر اس کے پاس شیطان بھیج دیا جاتا ہے تو وہ شیطانی عمل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا وہ عمل جلوا دیتا ہے۔ ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔ یعنی تم اللہ کی آیات سے عقلمندی کے کام کرو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۶۶ کے شان نزول کا بیان

وہ باغ تو اس وقت اس کے رنج وغم اور حسرت ویاس کی کیا انتہا ہے یہی حال اس کا ہے جس نے اعمال حسنہ تو کیے ہوں مگر رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ ریا کی غرض سے اور وہ اس گمان میں ہو کہ میرے پاس نیکیوں کا ذخیرہ ہے مگر جب شدتِ حاجت کا وقت یعنی قیامت کا دن آئے تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو نامقبول کردے اور اس وقت اس کو کتنا رنج اور کتنی حسرت ہوگی ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آپ کے علم میں یہ آیت کس باب میں نازل ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ یہ مثال ہے ایک دولت مند شخص کے لئے جو نیک عمل کرتا ہو پھر شیطان کے اغواء سے گمراہ ہو کر اپنی تمام نیکیوں کو ضائع کردے۔ (مدارک)

خرچ کیے ہوئے مال کے برباد ہوجانے کا بیان

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے ایک دن صحابہ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا، آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں؟ اس کا صاف جواب دو، حضرت ابن عباس نے فرمایا امیر المومنین میرے دِل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو، فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے، پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہوجاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھودیتا ہے، پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں بیان ہورہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء اچھے عمل کیے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کردیا، اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خیال ہاتھ رہ گیا، جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا پھل اتارتا ہو، لیکن جب بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا، اب مدارِ زندگی صرف وہ ایک باغ ہے اتفاقاً آندھی چلی پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا، کافر شخص بھی جب اللہ کے ہاں جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو، اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کردیا، اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا
الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝
اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے، خرچ کیا کرو اور اس میں
سے گندے مال کو خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ
بیشک اللہ بے نیاز لائق ہر حمد ہے۔

بیکار مال خرچ کرنے کا فائدہ نہ ہونے کا بیان

"يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْفِقُوا" اَیْ زَكُّوا "مِنْ طَيِّبَاتِ" جِيَاد "مَا كَسَبْتُمْ" مِنَ الْمَال "وَمِمَّا" وَمِنْ طَيِّبَات "اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ" مِنَ الْحُبُوب وَالثِّمَار "وَلَا تَيَمَّمُوا" تَقْصِدُوْا "الْخَبِيثَ" الرَّدِیء "مِنْهُ" اَیْ مِنَ الْمَذْكُور "تُنْفِقُوْنَ" تُنْفِقُوْنَهُ فِي الزَّكَاة حَال مِنْ ضَمِير تَيَمَّمُوْا "وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيهِ" اَیْ الْخَبِيث لَوْ اَعْطَيْتُمُوْهُ فِیْ حُقُوقكُمْ "اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيهِ" بِالتَّسَاهُلِ وَغَضّ الْبَصَر فَكَيْفَ تُؤَدُّوْنَ مِنْهُ حَقّ اللّٰه "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ" عَنْ نَفَقَاتكُمْ "حَمِيد" مَحْمُود عَلٰى كُلّ حَال،

اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اعلیٰ مال اوراس مال میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے، یعنی غلہ اور پھلوں کو نکالا ہے۔ خرچ کیا کرو یعنی زکوٰۃ دیا کرو۔ اوراس میں سے گندے یعنی بیکار مال کو خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ تم خود اسے ہرگز نہ لو۔ یہاں ''تُنْفِقُوْن'' تیمموا کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی اگر خراب چیز تم کو دے دی جائے تو تم قبول نہ کروگے۔ سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، یعنی نظرانداز کر جاؤ گے تو پھر ایسی چیز کو اللہ کے حق میں کیسے لاتے ہو۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز یعنی تمہارے نفقات سے بے پرواہ ہے۔ ہر حالت میں وہی لائق حمد ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۶۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ یہ آیت ہم گروہ انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ہم کھجوروں والے تھے۔ ہم میں سے ہر کوئی اپنی قلت وکثرت کے موافق کھجوریں لے کر آتا، کوئی ایک خوشہ، کوئی دو خوشے اور انہیں مسجد میں لٹکا دیتا۔ اہل صفہ کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔

ان میں سے جب کوئی آتا تو عصا سے خوشہ کو ضرب لگاتا تو اس سے تر اور خشک کھجوریں گر پڑتیں جنہیں وہ کھالیتا اور جنہیں نیکی کی رغبت نہ ہوتی تھی وہ ایسے خوشے لاتے جن میں ناقص اور ردی کھجوریں ہوتیں اور ٹوٹے پھوٹے خوشے لے کر آتے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ براء کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہر شخص اچھی کھجوریں لاتا۔ (ترمذی، ابواب التفسیر)

اللہ کی رضا کیلئے مال خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! خرچ کر میں تیری ذات پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 323)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکین کے لئے محنت اور مزدوری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 324)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے، محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا
اور اللہ وسعت والا علم والا ہے،

شیطان کا انسان کو محتاجی کی طرف بلانے کا بیان

"الشَّيْطَان يَعِدكُمُ الْفَقْر " يُخَوِّفكُمْ بِهِ اِنْ تَصَدَّقْتُمْ فَتُمْسِكُوا "وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاء " الْبُخْل وَمَنْع الزَّكَاة "وَاللّٰهُ يَعِدكُمْ" عَلَى الْإِنْفَاق "مَغْفِرَة مِنْهُ" لِذُنُوبِكُمْ "وَفَضْلًا" رِزْقًا خَلَفًا مِنْهُ "وَاللّٰهُ وَاسِع" وَاسِع فَضْله "عَلِيم" بِالْمُنْفِقِ،

شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے، محتاجی کا، یعنی تمہیں صدقہ کرنے سے ڈراتا ہے لہٰذا تم رک جاؤ۔ اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا یعنی کنجوسی اور زکوٰۃ نہ دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور خرچ کرنے پر اللہ تم سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرماتا ہے اور اور اس کے بعد فضل یعنی رزق عطا کرنے کا اور اللہ وسیع فضل والا، خرچ کرنے والے کو جاننے والا ہے۔

گناہوں کے سبب رزق میں تنگی ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا لہٰذا جو آدمی (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو آدمی دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآنی آیت پڑھی، شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لیے اکساتا ہے۔ اس روایت کو جامع ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 70)

فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقاو ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی دنیاوی اور آخروی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید، نبوت آخرت اور دوسرے معتقدات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔ نیکی کو بدنما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو

پریشانیاں اٹھاؤ گے، تکلیفیں، برداشت کرو گے، مثلاً توکل وقناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش و راحت اٹھا پاؤ گے، الٹے فقر و محتاجگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قسم ہے اپنی عزت وبزرگی کی جس بندہ کو میں بخشنا چاہتا ہوں۔

اسے میں دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ اس کے بدن کو بیماری میں مبتلا کر کے اور اس کے رزق کی تنگی میں ڈال کر اس کے ہر گناہ کا بدلہ جو اس کے ذمہ ہو نہ دے لوں گا۔ (رزین، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 64)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس بندہ کو میں آخرت کی ابدی سعادت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں بایں طور دے دیتا ہوں کہ کبھی تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہوں کبھی مال ورزق کی تنگی اس پر مسلط کر دیتا ہوں۔ پس وہ بخشا جاتا ہے اور عذاب آخرت سے نجات پاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فقر و بیماری اور بلا و مصیبت گناہوں کو دور کرتی ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○
جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت
حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل ودانش ہیں۔

حکمت ودانائی کی عطاء کا خیر کثیر ہونے کا بیان

"يُؤْتِي الْحِكْمَةَ" اَیْ الْعِلْم النَّافِع الْمُؤَدِّی اِلَی الْعَمَل "مَنْ يَّشَاء وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَة فَقَدْ اُوتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" لِمَصِيرِهِ اِلَی السَّعَادَة الْاَبَدِيَّة "وَمَا يُذَّكَّر" فِيهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الذَّال يَتَّعِظ "اِلَّا اُولُو الْاَلْبَاب" اَصْحَاب الْعُقُول،

جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے، یعنی ایسا علم جو عمل کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور جسے دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی، کیونکہ وہ ہمیشہ کی سعادت کی طرف جانے والا ہے۔ اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل ودانش ہیں۔ یہاں پر "یَذَّکَّر" اصل میں تاء کا ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے۔

اہل حکمت پر رشک کرنے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

کہ حسد صرف دو چیزوں پر جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس کو راہ حق پر خرچ کرنے کی قدرت دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1335)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا اے اللہ! اس کو حکمت عطا فرما اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اس کو کتاب (قرآن) کا علم دے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 962)

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝
اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا تم جو مَنّت بھی مانو تو اللہ اسے یقیناً جانتا ہے، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

نذر کو پورا کرنے کا بیان

"وَمَا اَنۡفَقۡتُمۡ مِنۡ نَفَقَة" اَدَّيۡتُمۡ مِنۡ زَكَاة اَوۡ صَدَقَة "اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِنۡ نَذۡر" فَوَفَّيۡتُمۡ بِهِ "فَاِنَّ اللّٰه يَعۡلَمهُ" فَيُجَازِيكُمۡ عَلَيۡهِ "وَمَا لِلظَّالِمِينَ" بِمَنۡعِ الزَّكَاة وَالنَّذۡر اَوۡ بِوَضۡعِ الۡاِنۡفَاق فِيۡ غَيۡر مَحَلّه مِنۡ مَّعَاصِي اللّٰه "مِنۡ اَنۡصَار" مَانِعِيۡنَ لَهُمۡ مِنۡ عَذَابه،

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یعنی زکوٰۃ یا صدقہ میں سے خرچ کرو۔ یا تم جو مَنّت بھی مانو تو اس کو پورا کرو۔ اللہ اسے یقیناً جانتا ہے، پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔ اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ یعنی زکوٰۃ نہ دینے کے سبب، نذر کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے اور اخراجات کو اس کے غیر کے محل میں رکھنے کے سبب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اور من انصار سے ان کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت شعبی فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے بارے میں اتری۔ حضرت عمر اپنا آدھا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضرت صدیق اکبر جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروق نے جواب دیا اتنا ہی، صدیق کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر چکے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کافی ہے۔ حضرت عمر فاروق یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں۔

منت مان کر اس کو پورا کرنے میں مذاہب اربعہ

یہ زیور ہی اس کا سارا مال اور پونجی ہو، تو اس زیور کا ایک تہائی حصہ صدقہ نکالنا کافی ہوگا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب

ہے. اور کچھ اہل علم نے سارا مال ہی صدقہ کرنا واجب قرار دیا ہے، جن میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالی شامل ہیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:" جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو تو اس کا ایک تہائی حصہ ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا، امام زہری اور امام مالک رحمہما اللہ تعالی کا یہی قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: زکوٰۃ والا مال سارا صدقہ کرے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: وہ اپنا سارا مال صدقہ کرے گا؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" جس نے بھی اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی نذر مانی ہو تو وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے" اور اس لیے بھی کہ وہ اطاعت کی نذر ہے، لہٰذا اسے پورا کرنا لازم ہے، مثلاً نماز اور روزے کی نذر. اور اس کا ایک تہائی حصہ صدقہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جب ابولبابہ رضی اللہ تعالی نے کہا کہ میری توبہ میں ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ تعالی کو فرمایا: تجھے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا ہی کافی ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح حدیث نمبر (3439)

اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا کچھ مال رکھ لو" متفق علیہ. اور ابوداود کی روایت میں ہے: تیرے لیے ایک تہائی حصہ (کا صدقہ کرنا) کافی ہو جائے گا

(المغنی لابن قدامہ المقدسی (11/340)

معنی یہ ہوا کہ: اگر نذر مانی ہوئی معین چیز سارے مال کو اپنے اندر سمو لے تو اس کا حکم اس شخص کا حکم ہوگا جس نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو، تو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

" سنت میں ہے کہ جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہوگا، کیونکہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر ہے۔ (الفتاوی الکبری (6/188)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:" اور جب کوئی شخص اپنے مال میں سے کوئی معین یا مقدار مثلاً ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کی نذر مانے تو امام احمد سے روایت کیا جاتا ہے کہ: اس کا ایک تہائی دینا جائز ہے؛ کیونکہ اس نے مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، تو اسے کے لیے ایک تہائی صدقہ کرنا کفائت کر جائے گا، سارے مال کی طرح ہے۔

اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ سارا ہی صدقہ کرے، کیونکہ اس نے وہ مال نذر مانا ہوا ہے، اور وہ فعل نیک وصالح اور اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے، لہٰذا سب نذر والی اشیاء کی طرح اسے بھی پورا کرنا لازم ہے، اور اللہ تعالی کے مندرجہ ذیل فرمان کے عموم کی بنا پر بھی: وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ (الانسان، 7)

اختلاف تو سارے مال میں ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، اور اس لیے بھی کہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر لاحق ہوتا ہے، الا یہ کہ یہاں اگر نذر سارا مال ہی اپنے اندر سمو لے تو پھر اسی طرح ہوگا۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (11/340)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○
اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے
اور اس میں تمہارے کچھ گناہ کم ہوں گے، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

فرضی صدقہ میں اعلانیہ ہونے کی افضلیت کا بیان

"اِنْ تُبْدُوا" تُظْهِرُوْا "الصَّدَقَات" اَیْ النَّوَافِل "فَنِعِمَّا هِیَ" اَیْ نِعْمَ شَیْئًا اِبْدَاؤُهَا "وَاِنْ تُخْفُوْهَا" تُسِرُّوْهَا، "وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاء فَهُوَ خَيْر لَكُمْ" مِنْ اِبْدَائِهَا وَاِيتَائِهَا الْاَغْنِيَاء اَمَّا صَدَقَة الْفَرْض فَالْاَفْضَل اِظْهَارهَا لِيُقْتَدٰى بِهِ وَلِئَلَّا يُتَّهَم وَاِيتَاؤُهَا الْفُقَرَاء مُتَعَيَّن "وَيُكَفِّر" بِالْيَاءِ وَالنُّوْن مَجْزُوْمًا بِالْعَطْفِ عَلٰى مَحَلّ فَهُوَ وَمَرْفُوْعًا عَلَى الِاسْتِئْنَاف "عَنْكُمْ مِنْ" بَعْض "سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْر" عَالِم بِبَاطِنِهِ كَظَاهِرِهِ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَیْء مِنْهُ،

اگر خیرات اعلانیہ دو، صدقات سے مراد نوافل ہیں تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے یعنی اس کو ظاہر کرنا کتنا اچھا ہے۔ اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔ یعنی اس کا اظہار کرنا اور اغنیاء کو دینا، البتہ فرض صدقہ میں اظہار افضل ہے۔ تاکہ لوگ بھی اس کی اتباع کریں اور یہ بندہ محل تہمت سے بھی بچ جائے۔ جبکہ فقراء کو دینا بھی معین ہے۔ اور اس میں تمہارے کچھ گناہ کم ہوں گے، اور یہاں "وَیُکَفِّر" یاء اور نون کے ساتھ حالت جزمی کے ساتھ آیا ہے اور اس کا عطف ھو پر ہے اور نیا جملہ ہونے کے سبب مرفوع ہے۔ اور تمہارے بعض گناہوں کو دور فرمادے۔ اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اس کو تمہارے باطن کی خبر بھی ایسے ہی ہے جیسے ظاہر کا علم ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

صدقہ میں اظہار واخفاء کے ذکر کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہچکولے کھاتی تھی۔ پھر اللہ نے پہاڑ پیدا کئے اور کہا کہ اسے (زمین کو) تھامے رہو۔ چنانچہ وہ ٹھہر گئی۔ تب فرشتوں کو پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب ہوا اور کہنے لگے '' پروردگار! تیری مخلوق میں سے کوئی چیز پہاڑوں سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں، لوہا ہے۔ فرشتے کہنے لگے، پروردگار کوئی چیز لوہے سے بھی سخت ہے؟' فرمایا' ہاں آگ ہے۔' پھر وہ کہنے لگے: کوئی چیز آگ سے بھی سخت ہے؟' فرمایا: ہاں پانی ہے۔' وہ کہنے لگے، کوئی چیز پانی سے بھی سخت ہے؟' فرمایا ہاں ہوا ہے۔' پھر وہ کہنے لگے:' کوئی چیز ہوا سے بھی سخت ہے؟' فرمایا: ہاں وہ آدمی جو اس طرح صدقہ دے کہ دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں کو خبر تک نہ ہو۔' (ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الناس)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) سات قسم کے آدمیوں کو اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ایک انصاف کرنے والا حاکم۔ دوسرا وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی عبادت میں گزاری، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے لگا رہے۔

چوتھے وہ دو شخص جنہوں نے اللہ کی خاطر محبت کی۔ اللہ کی خاطر ہی مل بیٹھے اور اللہ کی خاطر ہی جدا ہوئے۔ پانچویں وہ مرد جسے کسی مرتبہ والی حسین وجمیل عورت نے (بدکاری کے لیے) بلایا اور اس نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ چھٹے وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں یوں چھپا کر صدقہ دیا کہ داہنے ہاتھ نے جو صدقہ دیا بائیں ہاتھ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ ساتویں وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ (بخاری، کتاب الاذان)

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝
ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے، اور اللہ کی رضا جوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۲ کے شان نزول کا بیان

وَلَمَّا مَنَعَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّصَدُّقِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ لِيُسْلِمُوْا نَزَلَ "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ" اَیْ النَّاس اِلَى الدُّخُول فِي الْاِسْلَام اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغ "وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاء" هِدَايَته اِلَى الدُّخُول فِيْهِ "وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْر" مَال "فَلِاَنْفُسِكُمْ" لِاَنَّ ثَوَابه لَهَا "وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاء وَجْه اللّٰه" اَیْ ثَوَابه لَا غَيْره مِنْ اَعْرَاض الدُّنْيَا خَبَر بِمَعْنَى النَّهْی "وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْر يُوَفَّ اِلَيْكُمْ" جَزَاؤُهُ "وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ" تُنْقَصُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا وَّالْجُمْلَتَانِ تَاْكِيد لِلْاُولٰى،

اور جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین پر صدقہ کرنے سے منع کیا تا کہ وہ اسلام کو قبول کر لیں تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ان کو ہدایت دینا یعنی اسلام میں داخل کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کیلئے صرف حکم کو پہنچا دینا ہے۔ بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، یعنی اسلام میں داخل ہونے کی ہدایت۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے، اور اللہ کی رضا جوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، یعنی دنیاوہ مقاصد واغرض کیلئے خرچ نہ کرنا اور یہاں خبر بہ معنی نہی ہے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی اور یہ دونوں جملے پہلے جملہ کی تاکید کیلئے آئے ہیں۔

صدقہ کسی طرح کے سائل میں کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے، جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمادیا ہر سائل کو دو، گو وہ کسی مذہب کا ہو (ابن ابی حاتم)

حسن بصری فرماتے ہیں ایماندار کا ہر خرچ اللہ ہی کیلئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پئے، عطا خراسانی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے اپنی مرضی سے مولا اور رضائے رب کیلئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی بھی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو، یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے، حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا ہے۔ اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے یا غیر مستحق کے، اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا۔ جبکہ اس نے دیکھ بھال کر لی پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا، لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا، صبح لوگوں میں باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو خیرات دے گیا، اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا، پھر اپنے جی میں کہا آج رات اور صدقہ دوں گا، لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا، صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج شب ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا، اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا، دے آیا، دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا، اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی، مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کو دینے پر بھی، خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے۔ شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۠
ان فقیروں کے لئے جو راہ اللہ میں روکے گئے، زمین میں چل نہیں سکتے، نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب، تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے،

اللہ کی راہ میں محصور فقراء کو صدقہ دینے کا بیان

"لِلْفُقَرَاءِ" خبر مُبْتَدَأ مَحْذُوْف اَیْ الصَّدَقَاتُ "الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اَیْ حَبَسُوْا اَنْفُسَهُمْ

عَلَى الْجِهَادِ نَزَلَتْ فِي اَهْلِ الصُّفَّةِ وَهُمْ اَرْبَعمِائَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اُرْصِدُوْا لِتَعَلُّمِ الْقُرْاٰنِ وَالْخُرُوْجِ مَعَ السَّرَايَا "لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا" "سَفَرًا" "فِي الْاَرْضِ" لِلتِّجَارَةِ وَالْمَعَاشِ لِشُغْلِهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ "يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ" "الْجَاهِلُ بِحَالِهِمْ "اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" اَيْ لِتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْكِهِ "تَعْرِفُهُمْ" يَا مُخَاطَبُ "بِسِيْمَاهُمْ" عَلَامَتِهِمْ مِنَ التَّوَاضُعِ وَاَثَرِ الْجَهْدِ "لَا يَسْاَلُوْنَ النَّاسَ" شَيْئًا فَيُلْحِفُوْنَ "اِلْحَافًا" اَيْ لَا سُؤَالَ لَهُمْ اَصْلًا فَلَا يَقَعُ مِنْهُمْ اِلْحَافٌ وَهُوَ الْاِلْحَاحُ "وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ" فَمُجَازٍ عَلَيْهِ،

یہاں پر للفقراء یہ مبتدائے محذوف صدقات کی خبر ہے۔ان فقیروں کے لئے جوراہ اللہ میں روکے گئے،یعنی انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کیلئے وقف کرر کھا تھا اور یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اوران کی تعداد مہاجرین میں سے چارسوتھی۔ جوقرآن کوسیکھتے تھے اور سرایا میں جایا کرتے تھے۔لہٰذاوہ زمین میں طلب معاش کیلئے نہیں جاسکتے تھے زمین میں چل نہیں سکتے۔جبکہ ان واقف انہیں تونگر سمجھے،یعنی وہ سوال کرنے سے بچتے تھے۔اے مخاطب توان کو چہروں سے پہچان لے گا۔کیونکہ ان کی پیشانیوں میں انکساری اورمحنت کے آثار نمایاں تھے۔توانہیں ان کی صورت سے پہچان لے گالوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے یعنی اصرار و چمٹ کرلوگوں سے سوال کرنے والے نہیں ہیں۔اورتم جوخیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔پس وہ اس پرتم کوثواب دے گا

سورہ بقرہ آیت ۲۷۳ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اہل صفہ کے حق میں نازل ہوئی ان حضرات کی تعداد چارسو کے قریب تھی یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے نہ یہاں ان کا مکان تھا نہ قبیلہ کنبہ نہ ان حضرات نے شادی کی تھی ان کے تمام اوقات عبادت میں صرف ہوتے تھے رات میں قرآن کریم سیکھنا دن میں جہاد کے کام میں رہنا آیت میں ان کے بعض اوصاف کا بیان ہے۔

اصحاب صفہ کی حالت افلاس اور دین کے علم کی اہمیت کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ مفلس لوگ تھے (جن کے خوردونوش کا انتظام تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ جس شخص کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں شخص کو (اصحاب صفہ میں سے لے جائے یا چھٹے شخص کو بھی لے جائے" (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین آدمیوں کو لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانا کھایا اور وہیں (کھانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز ہوگئی تو وہ (نماز کے بعد بھی اپنے گھر نہیں گئے بلکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلے آئے اور اس وقت تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (تنہا یا اپنے مہمانوں کے ساتھ) کھانا نہیں کھالیا۔اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

جب اپنے گھر پہنچے تو رات کا اتنا حصہ کہ جو اللہ نے چاہا گذر چکا تھا۔ اور اس وقت تک نہ صرف ان کے اہل وعیال بلکہ ان کے مہمان بھی گھر میں بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے، گھر میں ان کے داخل ہوتے ہی ان کی بیوی نے کہا: کس چیز نے آپ کو اپنے مہمانوں سے روک رکھا تھا، یعنی آپ نے گھر آنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جب کہ یہاں آپ کے مہمان کھانے کے لئے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے تو کیا تم نے اب تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی بولیں: ان مہمانوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، تا کہ کھانے میں ان کے ساتھ آپ بھی شریک رہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر اپنے گھر والوں پر) سخت غصناک ہوئے کیونکہ ان کو یہ خیال گذرا کہ گھر والوں ہی کی کوتاہی ہے جو انہوں نے اصرار کر کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا چنانچہ انہوں نے (اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے) کہا کہ: خدا کی قسم میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا پھر ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ اس کھانے کو (ہرگز نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس کھانے کو (یا تو مطلق یا تنہا) نہیں کھائیں گے پھر چند ہی لمحوں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرا اس طرح غضبناک ہو جانا اور قسم کھالینا (کوئی موزوں بات نہیں ہے بلکہ) شیطان کے (بہکا دینے کے سبب) سے تھا (جس پر مجھے اب سخت پشیمانی ہو رہی ہے اور میں اپنے اللہ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ یہ کہ) انہوں نے کھانا منگایا اور پھر سب لوگوں نے (یعنی خود انہوں نے ان کے گھر والوں نے اور ان کے مہمانوں نے کھانا کھایا۔ (کھانے کے دوران یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے مہمان (برتن سے منہ کی طرف) جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے اس کی جگہ کھانا اور بڑھ جاتا تھا (یعنی جب وہ لوگ لقمہ اٹھاتے تو برتن میں اس لقمہ کی جگہ کھانا کم ہونے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (یہ حیرت انگیز بات دیکھ کر) اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا: ارے بنو فراس کی بہن! ذرا دیکھنا) یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ بیوی بولیں: اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم (میں خود بھی حیرت سے یہی دیکھے جا رہی ہوں) یہ کھانے کا برتن جتنا پہلے بھرا ہوا تھا اس سے سہ چند زیادہ اب بھرا ہوا ہے، بہر حال سب نے (خوب سیر ہو کر) کھانا کھایا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں سے تناول فرمایا۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 536)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝
جو لوگ اللہ کی راہ میں شب وروز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے
اور (روز قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ آپ نے راہِ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کیے تھے دس ہزار رات میں اور دس ہزار دن میں اور دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار ظاہر، ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ آپ کے پاس فقط چار درہم تھے اور کچھ نہ تھا آپ نے ان چاروں کو خیرات کر دیا۔ ایک رات میں ایک دن میں ایک کو پوشیدہ ایک کو ظاہری طور پر دو۔

صدقہ کرنے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تم میں کون شخص روزہ سے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں روزے سے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے گیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تم میں سے کس شخص نے بیمار کی عیادت کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو! جس شخص میں یہ ساری باتیں جمع ہوتی ہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 391)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر، جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو، اس
لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے، اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود، تو جسے اس کے رب کے پاس سے
نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا کام اللہ کے سپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ
دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

سود کھانے والوں کی حالت کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبَا" اَیْ يَاْخُذُوْنَهُ وَهُوَ الزِّيَادَةُ فِي الْمُعَامَلَةِ بِالنُّقُوْدِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ فِي الْقَدْرِ اَوْ الْاَجَل "لَا يَقُوْمُوْنَ" مِنْ قُبُوْرِهِمْ "اِلَّا" قِيَامًا "كَمَا يَقُوْم الَّذِيْ يَتَخَبَّطهُ" يَصْرَعهُ "الشَّيْطَان مِنْ

الْمَسّ " الْجُنُوْن مُتعَلِّق بيقُومُوْنَ "ذٰلِكَ" الَّذِىْ نَزَلَ بِهِمْ "بِاَنَّهُمْ" بِسَبَبِ اَنَّهُمْ "قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعِ مِثْل الرِّبَا" فِى الْجَوَاز وَهٰذَا مِنْ عَكْس التَّشْبِيه مُبَالَغَة فَقَالَ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ : "وَاَحَلَّ اللّٰه الْبَيْع وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ" بَلَغَهُ "مَوْعِظَة" وَعْظ "مِنْ رَبّه فَانْتَهٰى" عَنْ اَكْله "فَلَهُ مَا سَلَفَ" قَبْل النَّهْى اَىْ لَا يُسْتَرَدّ مِنْهُ "وَاَمْره" فِى الْعَفْو عَنْهُ "اِلَى اللّٰه وَمَنْ عَادَ" اِلٰى اَكْله مُشَبِّهًا لَهُ بِالْبَيْعِ فِى الْحِلّ "فاولئك أصحاب النار هم غيها خالدون"

وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں یعنی نقدی معاملات اور قدری مطعومات میں زیادتی کے سبب یا مدت کی زیادتی کے سبب وصول کرتے ہیں۔قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہ کھڑے ہوں گے مگر، جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو، یعنی شیطان نے انہیں ہواس باختہ کردیا ہے۔اور یہاں مس ''یَقُوْمُوْن'' کے متعلق ہے۔اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے، یعنی سود بھی بیع کی طرح جائز ہے۔اور یہ طور مبالغہ یہ اس تشبیہ کا عکس ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں بیان کی کہ اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود، تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا یعنی رک گیا۔تو اسے کھانا حلال ہے جو پہلے لے چکا، یعنی حکم نہی کے نازل ہونے سے پہلے لیا ہے۔تو اس کی معافی معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔اور جو اب ایسی حرکت کرے گا یعنی جس نے اب سود کی بیع کے مشابہ قرار دیتے ہوئے حلال جانا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷۵ کے سبب نزول کا بیان

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی اور سودی کاروبار اور سودی تجارت کو حرام قرار دیا۔

کفار لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ سود بیع کی طرح ہے تو ان کے رد میں یہ حکم نازل ہوا کہ سود اور بیع میں فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے جبکہ سود کو حرام قرار دیا ہے۔

سود کی لغوی تعریف کا بیان

لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی زیادتی بڑھوتری بلندی کے اتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایسی زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

سود کو عربی زبان میں ربا کہتے ہیں، جس کا لغوی معنی زیادہ ہونا، پروان چڑھنا، اور بلندی کی طرف جانا ہے۔اور شرعی اصطلاح میں ربا (سود) کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا۔مثلاً کسی کو سال یا چھ ماہ کے لیے 100 روپے قرض دئے، تو اس سے یہ شرط کر لی کہ وہ 100 روپے کے 120 روپے لے گا، مہلت کے عوض یہ جو 20 روپے زیادہ لیے گئے ہیں، یہ سود ہے۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں۔ رِبٰوا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں اور شریعت میں اس کا اطلاق رِبَا الفَضل اور ربا النسیئة پر ہوتا ہے۔ ربا الفضل اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیا میں کمی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے ہاتھوں ہاتھ ہو۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کے بجائے ایک نقد اور دوسرا ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں تب بھی سود ہے) ربا النسیئة کا مطلب ہے کسی کو (مثلاً) چھ مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی روپے ہوگی۔ روپے چھ مہینے کی مہلت کے لیے دیے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے "کل قرض جر منفعة فهو ربا ۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۸)

منصوص علیہ اشیاء میں مساوات پر بیع میں مذاہب اربعہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے سونا برابر بیچو اور اسی طرح چاندی کے عوض چاندی، کھجور کے بدلے کھجور، گیہوں کے بدلے گیہوں، نمک کے بدلے نمک، اور جو کے عوض جو برابر فروخت کرو جس نے زیادہ لیا یا دیا اس نے سود کا معاملہ کیا۔ پس سونا چاندی کے عوض، گیہوں کھجور کے عوض اور جو کھجور کے بدلے جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اور بلال رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض راوی یہ حدیث اسی سند سے خالد سے بھی روایت کرتے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں گیہوں کے بدلے جو کہ جس طرح چاہو فروخت کرنا لیکن نقد و نقد ہونا شرط ہے۔ بعض راوی یہ حدیث خالد سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوالاشعث سے وہ عبادہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کرتے ہیں کہ خالد ابوقلابہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ گیہوں جو کے عوض جیسے چاہو فروخت کرو۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ گندم کو گندم کے عوض برابر ہی بیچا جا سکتا ہے اور اسی طرح جو کے عوض جو بھی برابر برابر فروخت کیے جا سکتے ہیں یعنی اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ سودا نقد ہو، اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا یہی قول ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کے عوض گندم جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن شرط یہ ہے کہ نقد و نقد ہو اہل علم کی ایک جماعت نے جو کے بدلے گندم بڑھا کر بیچنے کو مکروہ کہا ہے امام مالک بن انس کا یہی قول ہے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1257)

سود خور کیلئے سخت وعید کا بیان

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا ایک درہم یہ جاننے کے باوجود کھانا کہ یہ سود ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے (احمد دار قطنی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 64)

اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے نیز بیہقی نے اس روایت میں حضرت ابن عباس کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو (یعنی جس شخص کی جسمانی نشو ونما حرام مال مثلاً سود ورشوت وغیرہ سے ہوئی ہو وہ شخص دوزخ ہی کے لائق ہے۔

جس طرح مذکورہ بالا وعید اس شخص کے بارے میں فرمائی گئی ہے جو سود کا مال یہ جاننے کے باوجود کھائے کہ یہ مال سودی ذریعے سے حاصل شدہ ہے اسی طرح اس وعید کا تعلق اس شخص سے بھی ہے جس نے لاعلمی میں سود کا مال کھایا بشرطیکہ اس لاعلمی میں خود اس کی اپنی کوتاہی یا لاپرواہی کا دخل ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ سود کھانے کے گناہ کو زنا کے گناہ سے بھی زیادہ سخت اور بڑا گناہ اس لئے کہا گیا ہے کہ سود کھانے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ نے جتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ فرمائی ہے اتنی سخت اور غضب ناک تنبیہ زنا کی کسی بھی گناہ کے بارے میں نہیں فرمائی ہے چنانچہ سود کھانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں متنبہ کیا ہے۔ آیت (فاذنوا بحرب من اللہ ورسول،

اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا

یہ بات ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ کسی کے خلاف اعلان جنگ کا کیا مطلب ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرے یا جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے برسر جنگ ہو اس کی محرومی شقاوت بدبختی اور دنیا و آخرت کی مکمل تباہی و بربادی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ سود کھانے والے کے حق میں اتنی سخت وعید اور اتنی شدید وغضب ناک تنبیہ کا سبب یہ ہے کہ سود کے بارے میں عملی طور پر ہی گمراہی کا صدور نہیں ہوتا بلکہ سود کی پہچان مشکل ہونے کی وجہ سے عموماً اعتقادی گمراہی میں بھی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ سود کو حرام بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ذہن وفکر اور قلب ودماغ پر گمراہی وکجروی کی اتنی ظلمت چھائی ہوئی ہے کہ وہ سود کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ سود کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کا مرتکب ہونا عملی گمراہی یعنی گناہ کبیرہ ہے جس پر معافی بھی ممکن ہے مگر سود کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھنا بلکہ اس کو حلال سمجھنا اعتقادی گمراہی وکجروی ہے جس کا آخری نتیجہ کفر ہے اور اس کی معافی وبخشش ناممکن ہے جبکہ زنا ایک فعل ہے جس کی حرمت وبرائی سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا جو شخص اس فعل میں مبتلا ہوتا ہے وہ بھی اس کی برائی کا بہر صورت اعتقاد رکھتا ہے یہاں تک کہ اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب وفرقے میں زنا ایک برائی ہی تصور کی جاتی ہے کوئی بھی اسے جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔

اب رہی یہ بات کہ چھتیس کا عدد بطور خاص کیوں ذکر کیا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مقصد محض سود کی حرمت کی اہمیت جتانا ہے یا اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں اور ان میں جو سب سے ادنی درجہ ہے وہ ایسا جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے صحبت کرے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ○

اور اللہ سود کو مٹاتا ہے۔اور صدقات کو بڑھاتا ہے،اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا۔

صدقات کی برکات سے مال میں اضافہ ہونے کا بیان

"يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا" يُنقِصهُ وَيُذهِب بَرَكَته "وَيُرْبِي الصَّدَقَات" يَزِيدهَا وَيُنَمِّيهَا وَيُضَاعِف ثَوَابهَا "وَاللّٰهُ لَا يُحِبّ كُلّ كَفَّار" بِتَحْلِيلِ الرِّبَا "اَثِيم" فَاجِر بِاَكْلِهِ اَیْ يُعَاقِبهُ،

اور اللہ سود کو مٹاتا ہے یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے،اور اس کا ثواب دوگنا کرتا ہے۔اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا۔یعنی جو سود کو حلال جانتا ہے۔اور سود کھانے والے فاجر کو پسند نہیں کرتا۔

سودی نظام آخر کار تباہی کی طرف لے جاتا ہے

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود سے حاصل شدہ مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر آخر کار اس میں کمی یعنی بے برکتی آجاتی ہے۔ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے نیز دوسری روایت کو امام احمد نے بھی نقل کیا ہے۔

سودی ذرائع سے حاصل ہونیوالا مال بظاہر تو بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے مگر چونکہ سودی مال میں خیر و برکت کا کوئی جز نہیں ہوتا اس لئے انجام کار وہ مال اس طرح تباہ و برباد اور ختم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا یہ محض ایک وعیدی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ نظروں کے سامنے آتی رہتی ہے چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔آیت (يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۔اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ انسان جو مال سود کے ذریعے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دیتا ہے مگر انسان اپنی جائز محنت و حلال ذریعہ سے جو مال کما کر اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے گویا اس آیت میں سود اور صدقہ کو ایک ساتھ ذکر کر کے جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد ہے وہیں ان دونوں کے متضاد نتائج کی نشان دہی بھی کی گئی ہے چنانچہ ان دونوں کی حقیقت میں تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں بغیر کسی معاوضے اور بغیر کسی لالچ کے انسان اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کو دیتا ہے جبکہ سود میں بغیر کسی معاوضہ کے انسان محض مال و زر کی ہوس اور دولت کی فراوانی کے جذبے کے تحت دوسرے سے مال حاصل کرتا ہے اس طرح دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بالکل جدا جدا ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لیے اپنے مال کو ختم کرنے یا کم کرنے کا فیصلہ کر کے ایک زبردست ایثار کرتا ہے اور سود لینے والا محض دنیاوی حرص وطمع کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ

وناراضگی سے بالکل بے پرواہ ہوکر اپنے موجودہ مال میں ناجائز زیادتی کا خواہش مند ہوتا ہے یہ تو سود اور صدقہ کی حقیقت کا تضاد تھا دونوں کے نتائج کا تضاد یہ ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر ناجائز طریقے یعنی سود سے حاصل کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے یا اس میں سے برکت اٹھا لیتا ہے اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی وخوشنودی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے بایں طور کہ اس کے موجودہ مال میں خیر و برکت عطاء فرماتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں دونوں کے نتائج میں تضاد کا مطلب مفسرین نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کا تعلق آخرت سے ہے یعنی سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ عذاب ہی کا موجب بنے گا جبکہ صدقہ کرنے والے کا مال آخرت میں اس کے لئے ابدی سعادتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا پھر سود کا مٹایا جانا اور صدقہ کا بڑھایا جانا آخرت سے تو تعلق رکھتا ہی ہے مگر اس کے کچھ آثار دنیا ہی میں مشاہدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات وہ مال اس طرح تباہ و برباد ہو جاتا ہے کہ اس کا وہم وگمان بھی نہیں جیسا کہ سود اور سٹہ کے بازاروں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ ہو جاتے ہیں اگرچہ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع ونقصانات کے احتمال ضرور ہیں اور اسی وجہ سے بعض مرتبہ بے سود کی تجارت کرنے والوں کو بھی کسی تجارت میں نقصان ہو جاتا ہے لیکن ایسا تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کی بھیک کا محتاج ہے یہ صرف سود اور سٹہ کے بازاروں ہی میں نظر آتا ہے۔

بہر کیف جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے سودی مال کا وقتی طور پر بڑھنا اور آخر میں تباہ و برباد ہو جانا محض ایک شرعی وعید کے درجے کی بات نہیں ہے بلکہ اہل تجربہ کے بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ سود کا مال فوری اور وقتی طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً ایسا دیرپا نہیں ہوتا کہ اس کا فائدہ نسلوں تک پہنچے اگر ایسی کوئی نہ کوئی صورت پیش آ جاتی ہے جو سودی مال کو ختم یا کم کر دیتی ہے۔

مہنگائی کرنے کیلئے ذخیرہ کرنے والے کا جذامی ہوکر مرنے کا بیان

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق مسجد سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھ کر پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کیلئے آیا ہے، آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے، لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کیلئے پہلے ہی جمع کر لیا تھا، پوچھا کس نے جمع کیا تھا، لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمان کے مولی ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے، آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب چاہیں بیچیں، ہمیں اختیار ہے، آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گا، یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمر کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی

(کوڑھ) بنا پھرتا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○
بیشک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر (آخرت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

خوف اور غم کے مفہوم کا بیان

کسی واقعہ کے پیش آنے سے پہلے جو اس کی وحشت سے انسان پر حالت طاری ہو۔ اسے خوف کہتے ہیں اور کسی واقعہ کے رونما ہو جانے کے بعد جو غم کی حالت طاری ہو اسے غم کہتے ہیں۔

اسی طرح جب ہم خوف اور غم کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہیں تو اس کا اظہار بھی حواس خمسہ سے محسوس کرتے ہیں اور حواس خمسہ ہی اس کا اظہار کرتے ہیں یا دیگر اعضاء بھی اس کا اظہار کرتے ہیں۔ جہاں تک دنیا کے خوف اور غم کا تعلق ہے اس پر اولیاء کرام کو عطا کردہ خصوصی عطیہ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے تمام کائنات کے خوفوں اور غموں سے وہ بے پرواہ ہوتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ منصور حلاج نے مسکرا کر پھانسی کے رسے کو چومتے ہوئے اور بے خوف ہو کر ہاتھ میں تھام لیا۔ کیا آپ نے نہیں سمجھا کہ کئی اولیاء کرام جن کا دنیاوی مال واسباب سب کچھ لٹ جاتا تو وہ اس پر کچھ غمزدہ نہ ہوتے۔ کیونکہ اس قسم کے خوف اور غم پر ان کے حواس کو غلبہ حاصل تھا۔

اسی طرح آخرت کا خوف بھی انہیں نہ ہوگا کیونکہ اس پر انہیں عطا کردہ قرب الٰہی غالب ہوگا جس کی قوت وشان کی وجہ سے خوف نہ ہو گا۔ اور انہیں غم اس لئے نہ ہوگا کہ دنیا کی کامیاب زندگی بسر کر کے وہ سرخرو ہو چکے ہوں گے۔ عام مومنین کی طرح حسرت نہ ہوگی۔

جب تک ہمارے دل پر کسی کی نگاہ تھی　　　غم تھا بھی کچھ، تو لذتِ غم بے پناہ تھی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر ایمان رکھتے ہو۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷۸ کے شان نزول کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا" اُتْرُكُوا "مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" صَادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِكُمْ فَاِنَّ مِنْ شَاْنِ الْمُؤْمِنِ امْتِثَالَ اَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ النَّهْيِ بِرِبًا كَانَ لَهُمْ مِنْ قَبْلُ،

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم صدقِ دل سے ایمان رکھتے

ہو۔یعنی مؤمن کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی اتباع نہ کرے۔اور یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض صحابہ کرام نے بقیہ سابقہ سود کا مطالبہ حکم نہی کے بعد کیا' تو یہ حکم نازل ہوا۔

یہ آیت قبیلہ ثقیف بن عمرو بن عمیر اور بنومخزوم کے قبیلے بنومغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جاہلیت کے زمانہ میں ان کا سودی کاروبار تھا، اسلام کے بعد بنوعمرہ نے بنومغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے آخر جھگڑا بڑھا حضرت عتاب بن اسید جو مکہ شریف کے نائب تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابلِ وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۷۸، بیروت)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ٥
پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے
تمہارے اصل مال ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

سود خود کیلئے اللہ ورسول کی طرف سے اعلان جنگ کا بیان

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا" مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ "فَاْذَنُوا" اعْلَمُوْا "بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" لَكُمْ فِيْهِ تَهْدِيْد شَدِيْد لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا لَا بُدَّ لَنَا بِحَرْبِهٖ "وَاِنْ تُبْتُمْ" رَجَعْتُمْ عَنْهُ "فَلَكُمْ رُءُوس" اُصُول "اَمْوَالكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ" بِزِيَادَةٍ "وَلَا تُظْلَمُوْنَ" بِنَقْصٍ،

پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی جس ہم نے تم کو حکم دیا ہے۔تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ، یعنی اس حکم میں تمہارے لئے سختی ہے۔اور یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے کہا کہ ہم میں ربا سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔اور اگر تم توبہ کرلو یعنی اپنی بات سے رجوع کرلو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں، نہ تم خود زیادتی کرے ظلم کرو اور نہ تم پر کمی کے باعث ظلم کیا جائے۔

آیت کے آخری الفاظ کی بنا پر ابن عباس، حسن بصری، ابن سیرین اور ربیع بن انس کی رائے یہ ہے کہ جو شخص دارالاسلام میں سُود کھائے اسے توبہ پر مجبور کیا جائے اور اگر باز نہ آئے، تو اسے قتل کر دیا جائے۔دُوسرے فقہا کی رائے میں ایسے شخص کو قید کر دینا کافی ہے۔جب تک وہ سُود خواری چھوڑ دینے کا عہد نہ کرے، اسے نہ چھوڑا جائے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۷۹ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو سود کی حُرمت نازل ہونے سے قبل سودی لین دین کرتے تھے اور ان کی گراں

قدر سودی رقمیں دوسروں کے ذمہ باقی تھیں اس میں حکم دیا گیا کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد سابق کے مطالبہ بھی واجب الترک ہیں اور پہلا مقرر کیا ہوا سود بھی اب لینا جائز نہیں۔

نزول کے اعتبار سے قرآن کی سب سے آخری آیت کا بیان

یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت یہی ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو راتوں تک ظاہری حیات کے ساتھ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ ابن عباس سے ایک روایت میں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے، ابن جریج فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو رات تک ظاہری حیات کے ساتھ رہے۔ ہفتہ کے دن سے ابتداء ہوئی اور پیر والے دن انتقال ہوا۔ الغرض قرآن کریم میں سب سے آخر یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے، اور تمہارا معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو۔

تنگ دست مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت کا بیان

"وَاِنْ كَانَ" وَقَعَ غَرِيم "ذُو عُسْرَة فَنَظِرَة" لَهُ اَىْ عَلَيْكُمْ تَاْخِيره "اِلٰى مَيْسَرَة" بِفَتْحِ السِّين وَضَمّهَا اَىْ وَقْت يُسْر "وَاَنْ تَصَدَّقُوا" بِالتَّشْدِيْدِ عَلٰى اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الصَّاد وَبِالتَّخْفِيفِ عَلٰى حَذْفهَا اَىْ تَتَصَدَّقُوا عَلَى الْمُعْسِر بِالْاِبْرَاءِ "خَيْر لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُ خَيْر فَافْعَلُوْهُ وَفِي الْحَدِيث (مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰه فِيْ ظِلّه يَوْم لَا ظِلّ اِلَّا ظِلّه) رَوَاهُ مُسْلِم،

اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے، یعنی اس کو تاخیر کی اجازت دے دو۔ اور یہاں میسرہ میں سین فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی آسانی کے وقت تک۔ اور تمہارا صدقہ کرنا، یہاں یہ شد کے ساتھ آیا ہے اور اصل میں تاء کا صاد میں ادغام کیا گیا اور تخفیف کی صورت میں تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ یعنی تنگ دست مقروض کو بری کرتے ہوئے معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہو۔ یہی بھلائی ہے۔

امام مسلم علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اللہ اس کو بندے کو اس دن سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مقروض کو مہلت دینے والے کیلئے قیامت کے دن سایہ ہونے کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا باپ علم کے حصول کے لئے قبیلہ حی میں گئے یہ اس قبیلہ کی ہلاکت سے پہلے کی بات ہے تو سب سے پہلے ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوالیسر سے

ہوئی حضرت ابوالیسر کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا جس کے پاس صحیفوں کا ایک بستہ تھا حضرت ابوالیسر ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھے اور حضرت ابوالیسر کے غلام پر بھی ایک چادر تھی اور وہ بھی مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھا فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے ان سے کہا: اے چچا میں آپ کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات دیکھ رہا ہوں انہوں نے فرمایا فلاں بن فلاں حرامی کے اوپر میرا کچھ مال تھا میں اس کے گھر گیا اور میں نے سلام کیا اور میں نے کہا کیا کوئی شخص ہے؟ گھر والوں نے کہا نہیں اسی دوران جفر کا بیٹا باہر نکلا میں نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے اس نے کہا آپ کی آواز سن کر میری ماں کے چھپر کھٹ میں داخل ہوگیا ہے پھر میں نے کہا میری طرف باہر نکل مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ تو کہاں ہے پھر وہ باہر نکلا تو میں نے اس سے کہا تو مجھ سے چھپا کیوں تھا اس نے کہا اللہ کی قسم میں آپ سے بیان کرتا ہوں اور آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گا کہ اللہ کی قسم مجھے آپ سے جھوٹ کہتے ہوئے ڈر لگا اور مجھے آپ سے وعدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خوف معلوم ہوا کیونکہ آپ رسول اللہ کے صحابی ہیں اور اللہ کی قسم میں ایک تنگ دست آدمی ہوں۔

حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کیا تو اللہ کو حاظر وناظر جان کر کہتا ہے اس نے کہا میں اللہ کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں حضرت ابوالیسر نے فرمایا کیا تو اللہ کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہے اس نے کہا میں اللہ کر حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں حضرت ابوالیسر نے پھر فرمایا کیا تو اللہ کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہے اس نے کہا میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں حضرت ابوالیسر نے وہ کاغذ منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے مٹا دیا اور فرمایا اگر تو پائے تو اسے ادا کر دینا ورنہ میں تجھے معاف کرتا ہوں اپنی آنکھوں پر دو انگلیاں رکھ کر فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میری ان آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اس کو یاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو آدمی کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس سے اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 3012)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝
اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ عمل اس نے کیا ہے اس کی پوری پوری
جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

قیامت کے دن حساب کی سختی سے ڈرنے کا بیان

"وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ تُرَدُّونَ وَلِلْفَاعِلِ تَسِيرُوْنَ "فِيْهِ اِلَى اللّٰه" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة "ثُمَّ تُوَفّٰى" فِيْهِ "كُلّ نَفْس" جَزَاء "مَا كَسَبَتْ" عَمِلَتْ مِنْ خَيْر وَشَرّ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" بِنَقْصِ حَسَنَة اَوْ زِيَادَة سَيِّئَة،

اور اس دن سے ڈرو۔ صیغہ مجہول کے ساتھ یعنی تم لوٹائے جاؤ گے اور صیغہ معروف کے ساتھ یعنی تم لوٹو گے۔ وہی قیامت کا دن ہے۔ پھر ہر شخص کو جو کچھ عمل اس نے کیا ہے اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی خواہ اس نے نیک عمل کیا

ہو یا برا عمل کیا ہے۔اور یعنی کسی نیکی میں کمی کر کے یا کسی کی برائی میں اضافہ کر کے ظلم نہیں ہوگا۔

قیامت کے دن بندے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بات نہ کریں اور اس دوران بندے اور رب کے درمیاں کوئی ترجمان نہ ہوگا پھر بندہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے بائیں طرف نظر دوڑائے گا تو اس طرف بھی اس کے کیے ہوئے اعمال ہی ہوں گے پھر جب سامنے کی طرف دیکھے گا تو اسے دوزخ نظر آئے گی پس اگر کسی میں اتنی بھی استطاعت ہو کہ وہ خود کو کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ کی آگ سے بچا سکے تو اسے چاہئے کہ ایسا ہی کرے ابوسائب سے روایات ہے کہ وکیع نے ایک دن یہ حدیث اعمش سے (روایت کرتے ہوئے) ہم سے بیان کی جب وکیع بیان کر چکے گا فرمایا اگر کوئی خراسان کا باشندہ یہاں ہو تو وہ یہ حدیث اہل خراسان کو سنا کر ثواب حاصل کرے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ جہمیہ اس بات کے منکر ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 311)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰٮهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ○

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے، پس وہ لکھ دے (یعنی شرع اور ملکی دستور کے مطابق وثیقہ نویسی کا حق پوری دیانت سے ادا کرے)، اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق

(یعنی قرض) ہو اور اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (زرِ قرض) میں سے (لکھواتے وقت) کچھ بھی کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے نا سمجھ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (یہ) ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو (یعنی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو) تاکہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو جب بھی (گواہی کے لئے) بلایا جائے وہ انکار نہ کریں، اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی میعاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے اور گواہی کے لئے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو سوائے اس کے کہ دست بدست ایسی تجارت ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں، اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہوگی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (معاملات کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

کاروباری لین دین کی قانونی دستاویز میں احکام شرعیہ کا بیان

"يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ" تَعَامَلْتُمْ "بِدَيْنٍ" كَسَلَمٍ وَقَرْض "اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى" مَعْلُوم "فَاكْتُبُوْهُ" فَاكْتُبُوْهُ اسْتِيثَاقًا وَّدَفْعًا لِلنِّزَاعِ "وَلْيَكْتُبْ" كِتَابَ الدَّيْن "بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ" بِالْحَقِّ فِيْ كِتَابَته لَا يَزِيد فِي الْمَال وَالْاَجَل وَلَا يَنْقُص "وَلَا يَاْبَ" يَمْتَنِع "كَاتِبٌ" مِنْ "اَنْ يَّكْتُبَ" اِذْ دُعِيَ اِلَيْهَا "كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰه" اَيْ فَضَّلَهُ بِالْكِتَابَةِ فَلَا يَبْخَل بِهَا وَالْكَاف مُتَعَلِّقَة بِـ"يَاْبَ" "فَلْيَكْتُبْ" تَاْكِيد "وَلْيُمْلِلْ" يُمْلِ الْكَاتِب "الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ" الدَّيْن لِاَنَّهُ الْمَشْهُوْد عَلَيْهِ فَيُقِرّ لِيُعْلَم مَا عَلَيْهِ "وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّه" فِيْ اِمْلَائِهِ "وَلَا يَبْخَسْ" يَنْقُص "مِنْهُ" اَيْ الْحَقّ "شَيْئًا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا" مُبَذِّرًا "اَوْ ضَعِيْفًا" عَنْ الْاِمْلَاء لِصِغَرٍ اَوْ كِبَر "اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ" لِخَرَسٍ اَوْ جَهْل بِاللُّغَةِ اَوْ نَحْو ذٰلِكَ "فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّه" مُتَوَلِّي اَمْره مِنْ وَالِد وَوَصِيّ وَقَيِّم وَمُتَرْجِم "بِالْعَدْلِ"

وَاسْتَشْهِدُوْا" اَشْهِدُوْا عَلَى الدَّيْن "شَهِيْدَيْنِ" شَاهِدَيْنِ "مِنْ رِّجَالِكُمْ" اَيْ بَالِغِي الْمُسْلِمِيْنَ الْاَحْرَار "فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا" اَيْ الشَّهِيْدَانِ "رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ" يَشْهَدُوْنَ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ" لِدِيْنِهِ وَعَدَالَته وَتَعَدُّد النِّسَاء لِاَجْلِ "اَنْ تَضِلَّ" تَنْسَى "اِحْدٰىهُمَا" الشَّهَادَة لِنَقْصِ عَقْلهنَّ وَضَبْطهنَّ "فَتُذَكِّر" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْد "اِحْدٰىهُمَا" الذَّاكِرَة "الْاُخْرٰى" النَّاسِيَة وَجُمْلَة الْاِذْكَار مَحَلّ الْعِلَّة اَيْ لِتُذْكِر اِنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَال لِاَنَّهُ سَبَبه وَفِيْ قِرَاءَة بِكَسْرِ اَنْ

شَرْطِيَّة وَرَفْع تُذَكِّر اسْتِئْنَاف جَوَابه،

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا" زَائِدَة "دُعُوا" دُعُوا إِلَى تَحَمُّل الشَّهَادَة وَأَدَائِهَا "وَلَا تَسْأَمُوا" تَمَلُّوا مِنْ "أَنْ تَكْتُبُوهُ" أَيْ مَا شَهِدْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ لِكَثْرَةِ وُقُوع ذٰلِكَ "صَغِيرًا" كَانَ قَلِيْلًا "أَوْ كَبِيرًا" كَثِيرًا "إِلَى أَجَله" وَقْت حُلُوله حَال مِنَ الْهَاءِ فِيْ تَكْتُبُوهُ "ذٰلِكُمْ" أَيْ الْكُتُب "أَقْسَطُ" أَعْدَلُ "عِنْدَ اللّٰه وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ" أَيْ أَعْوَن عَلَى إِقَامَتهَا لِأَنَّهُ يُذَكِّرهَا "وَأَدْنَى" أَقْرَب إِلَى "أَلَّا" أَنْ لَّا "تَرْتَابُوا" تَشُكُّوا فِيْ قَدْر الْحَقّ وَالْأَجَل،

إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ" تَقَع "تِجَارَة حَاضِرَة" وَفِيْ قِرَاءَة بِالنَّصْبِ فَتَكُوْن نَاقِصَة وَاسْمهَا ضَمِير التِّجَارَة "تُدِيرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ" أَيْ تَقْبِضُونَهَا وَلَا أَجَل فِيهَا "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاح" فِيْ أَنْ "لَا تَكْتُبُوْهَا" وَالْمُرَاد بِهَا الْمُتَجَر فِيْهِ "وَأَشْهِدُوْا إِذَا تَبَايَعْتُمْ" عَلَيْهِ فَإِنَّهُ أَدْفَع لِلِاخْتِلَافِ وَهٰذَا وَمَا قَبْله أَمْر نَدْب،

وَلَا يُضَارّ كَاتِب وَلَا شَهِيد" صَاحِب الْحَقّ وَمَنْ عَلَيْهِ بِتَحْرِيفٍ أَوْ امْتِنَاع مِنَ الشَّهَادَة أَوْ الْكِتَابَة وَلَا يَضُرّهُمَا صَاحِب الْحَقّ بِتَكْلِيفِهِمَا مَا لَا يَلِيق فِي الْكِتَابَة وَالشَّهَادَة "وَإِنْ تَفْعَلُوا" مَا نُهِيتُمْ عَنْهُ "فَإِنَّهُ فُسُوق" خُرُوج عَنِ الطَّاعَة لَاحِق "بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰه" فِيْ أَمْره وَنَهْيه "وَيُعَلِّمكُمْ اللّٰه" مَصَالِح أُمُوركُمْ حَال مُقَدَّرَة أَوْ مُسْتَأْنَف "والله بكل شيء عليم"

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو جس طرح بیع سلم یا مدت معلومہ تک قرض کا معاملہ کرو۔ تو اسے لکھ لیا کرو، تا کہ وثیقہ بن جائے اور جھگڑا ختم ہو جائے۔ اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے۔ یعنی لکھنے میں مال کی زیادتی یا مدت کی زیادتی نہ کرے اور نہ ہی ان میں کوئی کمی کرے۔ اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے۔ یعنی جب اس کو لکھنے کیلئے بلایا جائے۔ جیسا کہ اسے اللہ نے لکھنا سکھایا ہے، یعنی اس کو اللہ نے لکھنے کی فضیلت دی ہے۔ لہٰذا وہ اس میں بخل نہ کرے۔ اور یہاں کاف یأب کے متعلق ہے۔ پس وہ لکھ دے۔ یہ تاکیدی حکم ہے۔ اور مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق یعنی قرض ہو۔ کیونکہ وہی مشہود علیہ ہے لہٰذا وہی اقرار کرے گا۔ اور اسی کو معلوم ہے۔ اور اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے۔ جو اس کا پروردگار ہے۔ یعنی لکھوانے میں کچھ کمی نہ کرے۔ اور اس زر قرض میں سے لکھواتے وقت کچھ بھی کمی نہ کرے۔

پھر اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب ہوا ہے نا سمجھ، بے وقوف، فضول خرچ یا پاگل یا کم عمر ہونے کے سبب یا بوڑھا ہونے کے سبب یا گونگا ہے۔ یا کسی عذر کے سبب لکھوانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یا ناتواں ہو یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے کارندے کو چاہئے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور وہ لکھوانے والا اگرچہ والد یا وصی یا اختیار کردہ ہو یا مترجم ہو۔ اور اپنے لوگوں میں سے دو بالغ مسلمان آزاد مردوں کو گواہ بنا لو، پھر اگر دونوں مرد میسر نہ

ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں جن کو تم ان کے دین اور عادل ہونے کے سبب پسند کرتے ہو۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرتے ہو۔ یعنی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو۔ تا کہ ان دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے، اور یہاں پر "فتذکر" تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ اور اذکار کا جملہ یہاں بہ طور علت آیا ہے۔ یعنی بھول جانے کی صورت میں دوسری اس کو یاد دلائے۔ اور یہاں لام کا داخل ہونے بھول سے بچانے کا سبب بیان کرنے کیلئے آیا ہے۔ ایک قرأت میں ان شرطیہ کسرہ کے ساتھ آیا اور تذکر یہ رفع کے ساتھ آیا ہے' تو اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ اور جواب شرط ہوگا۔

اور گواہوں کو جب بھی گواہی کے لئے بلایا جائے۔ یہاں ما، زائدہ ہے۔ وہ انکار نہ کریں، اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے اپنی میعاد تک لکھ رکھنے میں اکتایا نہ کرو، یعنی جس کے حق میں تم نے گواہی دی ہے اس کے زیادہ آنے جانے کے سبب تمہیں اکتاہٹ محسوس نہ کرنی چاہیے۔ یہ تمہارا دستاویز تیار کر لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے اور گواہی کے لئے مضبوط تر اور یہ اس کے بھی قریب تر ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو سوائے اس کے کہ دست بدست یعنی نقد بہ نقد ہو اور ادھار نہ ہو۔ ایسی تجارت ہو۔ یہاں تجارت نصب کے ساتھ آئی ہے۔ اس صورت میں تکون فعل ناقص ہوگا اور اس کا اسم تجارۃ کی ضمیر ہوگا۔ جس کا لین دین تم آپس میں کرتے رہتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں، اور جب بھی آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو، اور تحریر میں تبدیلی کر کے لکھنے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور گواہ کو گواہی دینے سے روک کر نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لہٰذا صاحب حق ان دونوں کو تکلیف دیکر نقصان نہ پہنچائے۔ کہ وہ ان کو ایسی بات کی طرف مجبور نہ کرے جو کتابت اور شہادت کے قابل نہ ہو۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری حکم شکنی ہوگی، یعنی ممنوعہ کاموں کا ارتکاب ہوگا لہٰذا یہ گناہ ہوگا۔ اور اطاعت سے خروج ہوگا۔ اور احکام شرعیہ میں اوامر و نواہی کے کاموں میں اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں معاملات میں اصلاح کی تعلیم دیتا ہے اور "ویعلمکم" یہ اتقوا کی ضمیر حال مقدرہ ہے یا کلام مستانفہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو باقبضہ رہن رکھ لیا کرو، پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے، اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔

سفر وحضر میں رہن رکھنے کا بیان

"وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ " اَیْ مُسَافِرِیْنَ وَتَدَایَنْتُمْ "وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهَانٌ" تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا وَبَيَّنَتْ السُّنَّةُ جَوَازَ الرَّهْنِ فِی الْحَضَرِ وَوُجُوْدِ الْكَاتِبِ فَالتَّقْيِيْدُ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ التَّوْثِيْقَ فِيْهِ اَشَدُّ وَفِیْ قِرَاءَةٍ فَرُهُنٌ جَمْعُ رَهْنٍ "مَقْبُوْضَةٌ" اَفَادَ قَوْلُهُ مَقْبُوْضَةٌ اشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِی الرَّهْنِ وَالْاِكْتِفَاءَ بِهٖ مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَوَكِيْلِهٖ، "فَإِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا " اَیْ الدَّائِنُ الْمَدِيْنَ عَلٰى حَقِّهٖ فَلَمْ يَرْتَهِنْ "فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ " اَیْ الْمَدِيْنُ "اَمَانَتَهٗ" دَيْنَهٗ "وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ" فِیْ اَدَائِهٖ "وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ" اِذَا دُعِيْتُمْ لِاِقَامَتِهَا "وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ " خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِاَنَّهٗ اِذَا اَثِمَ تَبِعَهٗ غَيْرُهٗ فَيُعَاقَبُ عَلَيْهِ مُعَاقَبَةَ الْاٰثِمِيْنَ "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ" لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ مِنْهُ،

اور اگر تم سفر پر ہو یعنی مسافر لوگ جب معاملہ کریں۔اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ رہن رکھ لیا کرو، تا کہ تم اس سے معاملہ مضبوط ہو جائے۔

کاتب کی موجودگی میں اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز حدیث سے ثابت ہے۔جبکہ ذکر کردہ قید توثیق معاملہ کیلئے ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق فرھان یہ رھن کی جمع ہے۔جس کا افادہ رہن میں شرط قبضہ کا ہونا ہے۔جو مرتہن یا اس کے وکیل کی کفایت پر ہے۔

پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو۔یعنی دائن مدین کو اس کا حق دے گا تو رہن کی وکئی ضرورت نہیں ہے۔تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا۔اسے چاہئے کہ اپنی امانت ادا کر دے۔یعنی جس کو امانت دینی ہے۔اور وہ اس کی ادائیگی میں اللہ سے ڈرتا رہے۔جو اس کا پالنے والا ہے،اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو،یعنی جب تم کو اس کی ادائیگی کیلئے بلایا جائے۔اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے، دل کا ذکر اس لئے خاص کیا ہے۔کیونکہ وہی محل شہادت ہے۔اور جب وہ گناہگار ہو گیا اس کی اتباع میں وہ بھی گناہگار ہو جائے گا۔اور گناہگاروں کی طرح اس کا معاملہ یعنی اس کو سزا ہوگی۔اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔یعنی اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

رہن کے لغوی وشرعی مفہوم کا بیان

اس کے لغوی معنی ثابت اور قائم رہنے کے ہیں اور اصطلاح شرعی میں رہن یہ ہے کہ کسی ایسی شے کو جو شرعاً مالیت کی حامل ہو، حصول قرض کے لیے ضمانت بنایا جائے تا کہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حصول ممکن ہو۔عرف عام میں اسے گروی رکھنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے": اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو رہن بالقبض پر معاملہ کر لو") سورہ بقرہ)۔رہن بالقبض کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔رہن کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ بھی خرید و فروخت کی طرح فعل جائز ہے کیونکہ (چند استثنائی صورتوں کے علاوہ) ہر وہ شے جس کی بیع جائز ہے اس کو رہن رکھنا بھی جائز ہے۔

رہن کا معاملہ کرنا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔اس سلسلہ میں لکھا پڑھی بہتر ہے تاکہ شرطیں سامنے رہیں۔

رہن کے ارکان کا بیان

رہن کے تین ارکان ہیں۔(۱) فریقین یعنی راہن اور مرتہن (شے مرہونہ کے مالک یا رہن کرنے والے کو راہن کہتے ہیں اور مرتہن جو رہن رکھ کر قرض دے)۔

(۲) اشیا معاملہ، اس میں دو چیزیں شامل ہیں۔ایک تو شے مرہونہ رہن رکھی ہوئی چیز اور دوسرے وہ رقم قرض جو رہن کے مقابلہ میں دی گئی۔الفاظ معاملہ (جو لین دین کے لیے استعمال کیے جائیں)۔

(۳) معاملہ رہن کے درست ہونے کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں معاملہ بیع کی اہلیت رکھتے ہوں۔یعنی کوئی مجنون و دیوانہ یا بے شعور نابالغ لڑکا نہ ہو۔ان کا کیا ہوا معاملہ رہن درست نہ ہوگا۔

رہن میں زرہ رکھ کر غلہ لینے کا بیان

صحیح بخاری صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے کھانے کیلئے لئے تھے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ
اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے، وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم
سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

ظاہر و پوشیدہ کے حساب ہونے کا بیان

"لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَات وَمَا فِي الْاَرْض وَاِنْ تُبْدُوا" تُظْهِرُوْا "مَا فِيْ اَنْفُسكُمْ" مِنَ السُّوء وَالْعَزْم عَلَيْهِ "اَوْ تُخْفُوهُ" تُسِرُّوهُ "يُحَاسِبكُمْ" يُخْبِركُمْ "بِهِ اللّٰه" يَوْم الْقِيَامَة "فَيَغْفِر لِمَنْ يَّشَاء" الْمَغْفِرَة لَهُ "وَيُعَذِّب مَنْ يَّشَاء" تَعْذِيبه وَالْفِعْلَانِ بِالْجَزْمِ عَطْف عَلٰى جَوَاب الشَّرْط وَالرَّفْع اَيْ فَهُوَ "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلّ شَيْء قَدِير" وَمِنْهُ مُحَاسَبَتكُمْ وَجَزَاؤُكُمْ،

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے، وہ باتیں ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، یعنی تم کو قیامت کے دن بتا دے گا۔پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور یہاں "فَيَغْفِر اور يُعَذِّب" دونوں افعال جواب شرط ہونے کے وجہ سے مجزوم آئے ہیں۔اور ھو کی تقدیر پر مرفوع ہیں۔اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔اور انہی چیزوں میں سے

تمہارا محاسبہ کرنا اور تم کو جزاء دینا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۸۴ کے شان نزول کا بیان

سدی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی کہ یہ آیت "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ " 2۔البقرة:284)(خواہ تم اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کا حساب لے گا پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا) نازل ہوئی تو اس نے غمگین کر دیا ہم سوچنے لگے کہ اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال کرے اور اس پر حساب ہونے لگا تو ہمیں کیا معلوم کہ اس میں سے کیا معاف کیا جائے گا اور کیا نہیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور اسے منسوخ کر دیا "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ " 2 ۔ البقرة : 286)(اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا ہر ایک کیلئے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے اور ہر ایک پر اپنی برائی کا وبال ہے)۔یعنی خیال پر حساب نہیں ہوگا۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 925)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝
سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے
میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا تیری معافی ہو، اے رب ہمارے اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ پر نازل کردہ پر ایمان لانے کا بیان

"اٰمَنَ" صَدَّقَ "الرَّسُوْلُ" مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ" مِنَ الْقُرْاٰنِ "وَالْمُؤْمِنُوْنَ" عُطِفَ عَلَيْهِ "كُلٌّ" تَنْوِيْنُه عِوَضٌ مِنَ الْمُضَافِ اِلَيْهِ "اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَته وَكُتُبه" بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ "وَرُسُله" يَقُوْلُوْنَ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُله" فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى "وَقَالُوْا سَمِعْنَا" اَيْ مَا اُمِرْنَا بِهٖ سَمَاعَ قَبُوْلٍ " واطعنا غُفْرَانك رَبّنَا" نَسْاَلُكَ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا "وَاِلَيْكَ الْمَصِيرُ" الْمَرْجِعُ بِالْبَعْثِ،

جب رسول مکرم حضرت محمد ﷺ پر جو ان کے رب کی جانب سے قرآن نازل کیا گیا تو سب نے مانا اور اہل ایمان نے مانا اور یہاں پر مؤمنون کا عطف الرسل پر ہے اور یہ تینوں "کل" کی تنوین کے بدلے میں مضاف الیہ ہیں۔یعنی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور کتب یہ کتاب کی جمع اور افراد کے ساتھ ہے۔اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے یعنی ان میں سے کسی ایک درمیان کوئی فرق نہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں۔جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا۔اور عرض کی کہ ہم نے سنا

یعنی جو سنا اس کو قبول کیا ہے۔ اور مانا تیری معافی ہو، یعنی اے اے ہمارے رب ہم تجھ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اور اے رب ہمارے اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔ یعنی دوبارہ زندہ ہو کر ہم نے تیری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۲۸۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت (وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ) 2۔البقرۃ:284)۔ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اتنا خوف بیٹھ گیا کہ کسی اور چیز سے نہیں بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس خوف کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان داخل کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۲۸۵ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا) 2۔البقرۃ:284)۔ (ترجمہ۔ رسول اس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو ان پر ان کے رب کی طرف نازل کی گئی اس طرح مؤمنین بھی یہ سب اللہ، اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے تمام پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور سب نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اسے ثواب بھی اس کا ہوتا ہے جو وہ ارادے کرتا ہے اور گناہ بھی۔ اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہمارا مواخذہ نہ فرما۔ (اس دعا پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میں نے قبول کی (پھر وہ دعا کرتے ہیں) اے ہمارے رب ہم پر سخت حکم نہ بھیج جیسا کہ تو نے پہلی امتوں پر بھیجا تھا۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں نے یہ دعا بھی قبول کی (پھر وہ لوگ دعا کرتے ہیں)۔ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسے سہنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہمیں معاف فرما، ہماری مغفرت فرما، ہم پر رحم فرما اس لئے کہ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ لہٰذا ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے یہ دعا بھی قبول کی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ایک اور سند سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ آدم بن سلیمان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یحییٰ کے والد ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 927)

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی سورت البقرہ کی آخری دو آیتیں رات کے وقت پڑھے گا وہ اسے کافی ہو جائیں گی راوی عبدالرحمن نے کہا میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کے طواف کے دوران ملا میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے یہی حدیث بیان کی۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1874)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٙ وَاغْفِرْ لَنَا ٙ وَارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۠

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق، اس کا فائدہ ہے، جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائے، اے رب ہمارے، ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا جو خطاء ہو جائے اے رب ہمارے، اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا، اے رب ہمارے، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں برداشت نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد عطا کر دے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۶ کے شان نزول کا بیان

وَلَمَّا نَزَلَتْ الْاٰيَةُ الَّتِى قَبْلَهَا شَكَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ الْوَسْوَسَة وَشَقَّ عَلَيْهِمْ الْمُحَاسَبَة بِهَا فَنَزَلَ، "لَا يُكَلِّف اللّٰه نَفْسًا اِلَّا وُسْعهَا" اَیْ مَا تَسعهُ قُدْرَتهَا "لَهَا مَا كَسَبَتْ" كَسَبَتْ مِنْ الْخَيْر اَیْ ثَوَابه "وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" مِنْ الشَّرّ اَیْ وِزْره وَلَا يُؤَاخَذ اَحَد بِذَنْبِ اَحَد وَلَا بِمَا لَمْ يَكْسِبهُ مِمَّا وَسْوَسَتْ بِهِ نَفْسه , قُوْلُوْا "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذنَا" بِالْعِقَابِ "اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا" تَرَكْنَا الصَّوَاب لَا عَنْ عَمْد كَمَا اَخَذْت بِهِ مَنْ قَبْلنَا وَقَدْ رَفَعَ اللّٰه ذٰلِكَ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّة كَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِيث فَسُؤَاله اعْتِرَاف بِنِعْمَةِ اللّٰه "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِل عَلَيْنَا اِصْرًا" اَمْرًا يَثْقُل عَلَيْنَا حَمْله "كَمَا حَمَلْته عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلنَا" اَیْ بَنِیْ اِسْرَائِيل مِنْ قَتْل النَّفْس فِی التَّوْبَة وَاِخْرَاج رُبْع الْمَال فِی الزَّكَاة وَقَرْض مَوْضِع النَّجَاسَة "رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلنَا مَا لَا طَاقَة" قُوَّة "لَنَا بِهِ" مِنْ التَّكَالِيف وَالْبَلَاء "وَاعْفُ عَنَّا" اُمْحُ ذُنُوْبنَا "وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا" فِی الرَّحْمَة زِيَادَة عَلَى الْمَغْفِرَة "اَنْت مَوْلَانَا" سَيِّدنَا وَمُتَوَلِّی اُمُورنَا "فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْم الْكَافِرِيْنَ" بِاِقَامَةِ الْحُجَّة وَالْغَلَبَة فِیْ قِتَالهمْ فَاِنَّ مِنْ شَاْن الْمَوْلٰی اَنْ يَنْصُر مَوَالِيه عَلَى الْاَعْدَاء وَفِی الْحَدِيث : (لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَة فَقَرَاَهَا صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهُ عَقِب كُلّ كَلِمَة قَدْ فَعَلْت،

جب اس سے پہلے والی آیت نازل ہوئی تو اہل ایمان وسوسوں کی شکایت کی کیونکہ ان کو محاسبہ سخت لگا تو ان وساوس کو دور کرنے کیلئے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق، یعنی بوجھ اٹھانے والے کی طاقت کے مطابق بوجھ ڈالا جائے گا۔ اس کا ثواب ہے، جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائے، یعنی وہی اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا۔ اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ بوجھ نہ اٹھائے گا۔ نہ ہی اس کا بوجھ جو اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ اے رب ہمارے، ہمیں نہ پکڑ یعنی ہمیں سزا نہ دے۔ اگر ہم بھولیں یا جو خطاء ہو جائے۔ یعنی ہم درست کو چھوڑ بیٹھیں جبکہ بہ طور ارادہ ایسا نہ کریں۔ جس طرح ہم پہلے لوگوں پر تو نے گرفت فرمائی۔ اور وہ یقیناً اللہ نے اس امت سے اٹھالیا ہے۔ جس طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔ اور معافی کا اعتراف کر لینا اصل میں اللہ کی نعمت کا اعتراف ہے۔ اے رب ہمارے، اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ یعنی وہ حکم جو ہم پر بھاری ہو۔ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا، یعنی جس طرح تو نے بنی اسرائیل کو توبہ کیلئے اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ زکوٰۃ مال سے چوتھائی حصہ نکالنے کا حکم دیا۔ اور محل نجاست کو کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ اے رب ہمارے، اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں برداشت نہ ہو یعنی ایسی تکالیف دہ اور مصائب والے احکام کو بوجھ نہ ڈال۔ اور ہمارے گناہ معاف فرمادے اور اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے بخشش زیادہ کردے۔ اور ہم پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے۔ یعنی ہمارے معاملات کا تو ہی مولی ہے' تو کافروں پر ہمیں مدد عطا کردے۔ تاکہ ہماری حجت قائم ہو جائے اور ان کو قتل کرنے میں ہمیں غلبہ عطا فرما۔ کیونکہ مولیٰ کی شان ہے کہ وہ اپنے موالیوں کی مدد کرتا ہے۔ جبکہ ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کو پڑھا۔ تو ہر آیت کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ہم نے اس کو قبول کیا یعنی ایسا ہی کیا جیسا آپ ﷺ نے تلاوت کیا۔

سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اوپر سے ایک آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دروازہ آسمان کا ہے جسے صرف آج کے دن کھولا گیا اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا پھر اس سے ایک فرشتہ اترا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فرشتہ جو زمین کی طرف اترا ہے یہ آج سے پہلے کبھی نہیں اترا اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوروں کی خوشخبری ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے ایک سورت الفاتحہ اور دوسری سورت البقرہ کی آخری آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مطابق دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1871)

اللہ تعالی کی بے انتہاء بخشش ومغفرت کا بیان

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل استغفار یہ ہے کہ تم یوں دعا مانگو:

اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں میں تیرے عہد پر ہوں۔ یعنی عہد میثاق پر قائم ہوں اور تیرے وعدے پر ہوں یعنی تو نے حشر وغیرہ کے بارے میں جو وعدہ کیا ہے اس پر یقین کامل رکھتا ہوں میں اپنی طاقت کے بقدر اس برائی یعنی گناہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس میں میں مبتلا ہوا۔ میں تیری نعمتوں کو جو تو نے مجھے عنایت فرمائی اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی نہیں بخشتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو دن میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی دن شام سے پہلے مر جائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے اور جو شخص ان کلمات کو رات میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 868)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تجھے بخشوں گا تو نے جو برا کام بھی کیا ہوگا اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی یعنی تو چاہے کتنا ہی بڑا گنہگار ہو تجھے بخشا میرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے بخشش چاہے تو میں تجھ کو بخش دوں گا۔ اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی، اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تیرے ساتھ گناہوں سے بھری ہوئی زمین ہو تو میں تیرے پاس بخشش مغفرت سے بھری ہوئی زمین کو لے کر آؤں گا۔ بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ (یعنی شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو) ترمذی اور احمد و دارمی نے اس روایت کو ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 869)

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کو ہمیشہ گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسم میں ہیں! پروردگار عز وجل نے فرمایا قسم ہے اپنی عزت اور بزرگی کی اور اپنے مرتبہ کی بلندی کی، میرے بندے جب تک مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی ہمیشہ ان کو بخشتا رہوں گا۔ (مسند احمد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 876)

سورت بقرہ کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! سورہ بقرہ کی تفسیر جلالین کے متن و ترجمہ کے ساتھ ساتھ تفسیری وفقہی مسائل کی وضاحت کے ساتھ مکمل ہو چکی ہے۔ ہم نے بڑے اختصار کی کوشش کی ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں فقہی مسائل کی کثرت بھی موجود ہے جن کو جزئیات کے ساتھ اگر تشریح کی جاتی یا مختلف فقہی مذاہب کو دلائل اور ائمہ کے کثیر استدلال کے ساتھ ذکر کیا جاتا تو یہ تفسیر نہایت وسیع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے تفسیر جلالین کی وضاحت کرنے میں غلطیوں سے محفوظ فرمائے۔ مجھ پر حق کو واضح کر دے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور مجھ پر باطل کو واضح کرے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

سورۃ آلِ عمران

یہ قرآن مجید کی سورت آلِ عمران ہے

سورت آلِ عمران کے شانِ نزول کا بیان

امام قرطبی لکھتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وفد نجران رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا یہ ساٹھ سوار تھے اور ان میں چودہ قوم کے بڑے سردار تھے ان چودہ میں سے تین افراد ایسے تھے کہ ان کے تمام معاملات وہی سنبھالتے تھے، عاقب یہ قوم کا امیر تھا اور صاحب مشورہ تھا اس کی رائے کے بغیر یہ لوگ کوئی کام نہ کرتے تھے اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ سید یہ ان کا امام تھا اور سفر کا متولی تھا اس کا نام ایہم تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ ان کا بشپ بڑا عالم اور امام تھا اور ان کی مذہبی تعلیم گاہ کا متولی تھا اسے ان کے ہاں بے حد شرف تھا یہ ان کی مذہبی کتابیں پڑھا کر ان کے دینی علوم میں بہت ماہر ہو چکا تھا روم کے بادشاہوں نے اسے بے حد شرف اور مال سے نواز رکھا تھا اور اس کے لیے اس کے علم و اجتہاد کی وجہ سے کئی کنیسے بنا رکھے تھے۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جب آپ عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو یہ آپ کی مسجد میں داخل ہوئے یہ لوگ یمنی چادر جبے اور کپڑے پہنے ہوئے تھے صحابہ میں سے جس نے انہیں دیکھا کہا ہم نے ان کی طرح کا وفد کبھی نہیں دیکھا ان کی نماز کا وقت قریب آیا تو یہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے رسول اللہ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی سید اور عاقب نے رسول اللہ سے گفتگو شروع کی رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم اسلام لے آؤ انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں آپ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا تمہیں اللہ کے لیے بیٹا پکارنے، صلیب کی عبادت کرنے اور خنزیر کا گوشت کھانے نے اسلام قبول کرنے سے روک دیا انہوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا والد کون ہے؟ ان تمام نے حضور ﷺ سے عیسیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کوئی بھی بیٹا وہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں آپ نے فرمای اکہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز پر نگہبان ہے اور ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا کہ کیا عیسیٰ ان میں سے کسی چیز پر قادر ہیں انہوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ ہمارے رب نے عیسیٰ کو رحم میں جیسی چاہی صورت بخشی اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اسے حدث لاحق ہوتا ہے انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ کو ان کی والدہ نے ایسے اٹھایا جیسے ایک عورت اپنے بچے کو اٹھاتی ہے پھر ایسے ہی جنا جیسے ایک عورت اپنے بچے کو جنتی ہے پھر آپ کو ایسے ہی خوراک دی گئی جیسے ایک بچے کو دی جاتی ہے پھر آپ کھاتے پیتے تھے اور آپ علیہ السلام کو پیشاب اور پاخانہ بھی آتا تھا انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا کہ تم پھر

اس طرح کیسے کہہ سکتے ہو جیسا کہ تم گمان کرتے ہو اس موقع پر اللہ نے سورہ آلِ عمران کے شروع حصے سے تقریباً اسی سے کچھ زائد نازل فرمائیں۔ (قرطبی 4۔4، نیسابوری (80)

(1) الٓمّٓ○ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَان (مَدَنِيَّةٌ وَ اٰيَاتُهَا مِائَتَانِ اَوْ اِلَّا اٰيَةً نَزَلَتْ بَعْدَ الْاَنْفَالِ)

"الم" اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ،

الم یہ حروف مقطعات ہیں۔ اس کا نام آلِ عمران ہے، اور یہ مدنی سورت ہے۔ اس کی دو سو آیات ہیں۔ یا یہ انفال کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور الم سے کیا مراد ہے اللہ ہی اس کو بہتر جاننے والا ہے۔

حروف مقطعات اور ان سے مقصود و مراد؟: سورہ کریمہ کے شروع کے یہ حروف "حروف مقطعات" کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کاٹ کر اور الگ الگ کر کی پڑھا جاتا ہے اور ان سے مقصود و مراد کے بارے میں کتب تفسیر میں مختلف اقوال اور احتمالات پائے جاتے ہیں۔ لیکن راجح قول کے مطابق حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ ان کی صحیح اور حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا ان کے بارے میں مجمل طور پر یہی کہنا چاہیئے کہ " اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ ""ان کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔ اس کی کچھ مزید تفصیل اس سے پہلے سورہ بقرہ کے شروع میں کر دی گئی ہے۔ اس لیے اسی کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ○
اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندہ قائم رہنے والا ہے۔

حی و قیوم کے معانی کا بیان

قیّوم اسے کہتے ہیں جو خود قائم ہو اور دوسری تمام چیزوں کا محافظ اور انہیں قوام بخشنے والا ہو۔ (مفردات راغب)

قیوم اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے پر اعتماد کئے بغیر ثابت اور قائم ہو (روح المعانی) مذکورہ بالا نکتے میں حصر اس لحاظ سے ہے کہ "الحی القیوم" "اللہ" کیلئے خبر ہو۔

دو صفات حیی اور قیّوم عبادت کو خداوند متعال میں منحصر کرنے کی علت بیان کر رہی ہیں یعنی صرف وہ معبود بن سکتا ہے جو زندہ اور قائم بالذات ہو۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ○
اسی نے کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے ان کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے اتری ہیں
اور اسی نے تورات اور انجیل نازل فرمائی ہے۔

قرآن مجید کی حقانیت کا دلیل سے بیان

"نَزَّلَ عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّدُ "الْكِتَابَ" الْقُرْاٰن مُلْتَبِسًا "بِالْحَقِّ" بِالصِّدْقِ فِیْ اَخْبَارِه "مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" قَبْله مِنَ الْكُتُب "وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ" اَیْ قَبْل تَنْزِيله "هُدًى" حَال بِمَعْنٰی هَادِيْنَ مِنَ الضَّلَالَة "لِلنَّاسِ" مِمَّنْ تَبِعَهُمَا وَعَبَّرَ فِيْهِمَا بِاَنْزَلَ وَفِی الْقُرْاٰن بِنَزَّلَ الْمُقْتَضِی لِلتَّكْرِيْرِ لِاَنَّهُمَا اُنْزِلَا دُفْعَةً وَاحِدَةً بِخِلَافِهِ "وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ" بِمَعْنَى الْكُتُب الْفَارِقَة بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَذَكَرَهُ بَعْدَ ذِكْرِ الثَّلَاثَة لِيَعُمَّ مَا عَدَاهَا،

یا محمد ﷺ آپ پر کتاب یعنی قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا، یعنی اس کی صداقت احادیث میں آئی ہے، جو ان کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے، جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ اور اس سے پہلے اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے۔ یعنی اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد، یہاں پر ھدی ھادین کے معنی میں حال ہے۔ یعنی گمراہی سے ہدایت لوگوں کیلئے ہے۔ یعنی جن لوگوں نے ان دونوں کی اتباع کی۔ ان دونوں کو انزل سے بیان کیا ہے جبکہ قرآن کو نزل سے بیان کیا ہے کیونکہ وہ دونوں بہ یک مرتبہ نازل ہوئی ہیں۔ جبکہ قرآن درجہ بہ درجہ نازل ہوا ہے۔ اور فرقان کو نازل کرنے کا معنی یہ ہے کہ جو کتاب حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور تینوں کتابوں کے بعد فرقان کو اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ یہ ان تینوں کے سوا دوسری کتابوں کو بھی شامل ہو جائے۔

قرآن کو صفت حق کے ساتھ بیان کرنے کا مفہوم

پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حق کا جو مفہوم علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے وہ بہت جامع اور لطیف ہے۔ لکھتے ہیں: الحق للفعل والقول: الواقع یحسب ما یحب وقد رما یجب وفی الوقت الذی یجب ۔ یعنی کوئی قول اور فعل اس وقت حق کہلاتا ہے جبکہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہئے اس انداز سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب کہ اس کی ضرورت ہو۔

قرآن کو بالحق کی صفت کے ساتھ متصف کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ قرآن آیا اور ایسی آن بان سے آیا جو اس کی شایان شان تھی۔ اور ایسے دلائل وبراہین سے مزین ہو کر آیا جن کو عقل سلیم ماننے پر مجبور تھی۔ اور عین اس وقت آیا جب کہ ہر طرف گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ اور انسانیت کا کاروان دشت حیرت وضلالت میں بھٹک رہا تھا اور اس وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آیا۔ جب عقل انسانی اپنی طفولیت کی حد عبور کر کے فکر ونظر کی وادی میں قدم رکھ چکی تھی۔ اور انسان کے حواس کو مرعوب کرنے والے معجزات سے کہیں زیادہ عقل وخرد کو مطمئن کرنے والی آیات بینات کی ضرورت تھی۔ سبحان اللہ کیا اعجاز ہے بالحق کے ایک لفظ میں معانی کا سمندر کوزے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ (ضیاء القرآن، سورہ آل عمران، لاہور)

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝
لوگوں کوراہ دکھاتی اور فیصلہ اتارا، بیشک وہ جواللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے۔ان کے لئے سخت عذاب ہے
اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے،

اللہ کے احکام کے منکرین کیلئے سخت عذاب کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰه " الْقُرْاٰن وَغَيْره "لَهُمْ عَذَاب شَدِيْد وَاللّٰهُ عَزِيْز " غَالِب عَلٰى اَمْره فَلَا يَمْنَعهُ شَيْء مِنْ اِنْجَاز وَعْده وَوَعِيده "ذُو انْتِقَام" عُقُوبَة شَدِيْدَة مِمَّنْ عَصَاهُ لَا يَقْدِر عَلٰى مِثْلهَا اَحَد،

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات یعنی قرآن وغیرہ کا انکار کیا تو ان کیلئے سخت عذاب ہے۔اور اللہ تعالی غالب ہے یعنی اپنے حکم میں اور وعدے اور وعید میں غالب ہے کہ اس کو اس سے کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔

فرقان کے ذریعے حق و باطل کو واضح کرنے کا بیان

"الفرقان" سے مقصود و مراد؟: یعنی قرآن حکیم، جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کو پوری طرح واضح کرنے والا ہے اور اس حد تک واضح کرنے والا ہے کہ کسی کیلئے بھی کوئی خفاء وغموض باقی نہیں رہ جاتا۔سوائے ان لوگوں کے، جن کے دل و دماغ مقفل ہیں اور جو عناد و ہٹ دھرمی کے روگی ہیں۔والعیاذ باللہ، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد معجزات ہیں کہ ان سے بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے جبکہ بعض حضرات اہل علم نے کہا کہ اس سے مراد میزان عدل و شریعت ہے، جس سے لوگوں کے حقوق کی تعیین اور ان کی ادائیگی کا انتظام ہوتا ہے

جبکہ بعض حضرات نے کہا کہ اس "فرقان" سے مراد وہ عقل صحیح و سالم ہے جو حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان فرق و تمیز کرتی ہے۔(المراغی)۔سو لفظ "فرقان" اپنے عموم کے لحاظ سے اگرچہ ان سب ہی مفاہیم کو شامل ہے اور یہ سب ہی مطالب اس کے دائرہ میں آتے ہیں لیکن اس کا واضح مصداق قران حکیم ہی ہے، جس میں سب کے حقوق اور ان کے دوائر کو پوری طرح واضح اور متعین کر دیا گیا۔اور باقی تمام احتمالات بھی اس کے ماتحت آتے ہیں، اور اپنی اپنی جگہ وہ سب ہی صحیح اور درست ہیں۔بہر کیف قرآن حکیم وہ فرقان حمید ہے جس سے حق اور باطل پوری طرح واضح ہو کر اور نکھر کر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔اور کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا۔(تفسیر روح البیان، سورہ آل عمران، بیروت لبنان)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝
بے شک اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں۔

زمین وآسمان کی کسی بھی چیز کا علم الٰہی سے پوشیدہ نہ ہونے کا بیان

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ " كَائِن "فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاء "لِعِلْمِهِ بِمَا يَقَع فِي الْعَالَم مِنْ كُلِّيّ وَجُزْئِيّ وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِأَنَّ الْحِسّ لَا يَتَجَاوَزهُمَا،

بے شک اللہ پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں ۔یعنی نہ تو وہ چیز زمین میں ہوئی ہے۔اور نہ آسمان میں ہوئی ہے۔یعنی اس عالم میں وہ چیز کلی اور جزئی طور پر واقع ہوئی ہو اور ان دونوں کو ذکر کے ساتھ خاص اس لئے کیا ہے کہ حس ان دونوں سے بڑھنے والی نہیں ہے۔

دلوں کے احوال کا علم اللہ ہی کو ہونے کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن بکرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی دوسرے آدمی کی تعریف بیان کی تو آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔

کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دہرایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے ساتھی کی تعریف ہی کرنا چاہئے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسے کہے میرا گمان ہے اور اللہ خوب جانتا ہے اور میں اس کے دل کا حال نہیں جانتا انجام کا علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ ایسے ایسے ہے۔(صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 3001)

هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
وہ ذات جس نے تمہاری صورتوں کو رحم میں بنایا جس طرح اس نے چاہا اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی غالب حکمت والا ہے۔

وہ جیسے چاہے صورتیں بنانے والا ہے

"هُوَ الَّذِي يُصَوِّركُمْ فِي الْأَرْحَام كَيْفَ يَشَاء "مِنْ ذُكُورَة وَأُنُوثَة وَبَيَاض وَسَوَاد وَغَيْر ذٰلِكَ "لَا إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه،

وہ ذات جس نے تمہاری صورتوں کو رحم میں بنایا جس طرح اس نے چاہا یعنی مذکر و مؤنث اور سفید وسیاہ وغیرہ۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی غالب اپنے ملک میں، حکمت والا اپنی صنعت میں ہے۔

انسان کی پیدائش سے انتقال تک کی تقدیر کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ صادق ومصدوق تھے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے چالیس دن تک (نطفہ رہتا ہے) پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ گوشت رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ (بھی لکھ دے) کہ وہ بدبخت (جہنمی) ہے یا نیک بخت (جنتی) پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے بیشک تم میں سے

ایک آدمی ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ (تقدیر) غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور (ایک آدمی) ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اتنے میں تقدیر (الٰہی) اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 468)

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

محکم ومتشابہ آیات کا قرآن میں ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُحْكَمَاتٌ" وَاضِحَاتُ الدَّلَالَةِ "هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ" اَصْلُهُ الْمُعْتَمَدُ عَلَیْهِ فِی الْاَحْكَامِ "وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ" لَا تُفْهَمُ مَعَانِیْهَا كَاَوَائِلِ السُّوَرِ وَجَعَلَهُ كُلَّهُ مُحْكَمًا فِیْ قَوْلِهِ "اُحْكِمَتْ اٰیَاتُهُ" بِمَعْنٰی اَنَّهُ لَیْسَ فِیْهِ عَیْبٌ وَمُتَشَابِهًا فِیْ قَوْلِهِ "كِتَابًا مُتَشَابِهًا" بِمَعْنٰی اَنَّهُ یُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِی الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ "فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ" مَیْلٌ عَنِ الْحَقِّ "فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ" طَلَبَ "الْفِتْنَةِ" لِجُهَّالِهِمْ بِوُقُوْعِهِمْ فِی الشُّبُهَاتِ وَاللَّبْسِ "وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهِ" تَفْسِیْرِهِ "وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهُ" تَفْسِیْرَهُ "اِلَّا اللّٰهُ" وَحْدَهُ "وَالرَّاسِخُوْنَ" الثَّابِتُوْنَ الْمُتَمَكِّنُوْنَ "فِی الْعِلْمِ" مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ "یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهِ" اَیْ بِالْمُتَشَابِهِ اَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَلَا نَعْلَمُ مَعْنَاهُ "كُلٌّ" مِنَ الْمُحْكَمِ وَالْمُتَشَابِهِ "مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ" بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ اَیْ یَتَّعِظُ "اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ" اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَیَقُوْلُوْنَ اَیْضًا اِذَا رَاَوْا مَنْ یَتَّبِعُهُ:

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں یعنی جن کی دلالت واضح ہے۔ وہ کتاب کی اصل ہیں یعنی احکام میں جن پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ جن کے معانی کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ جس طرح سورتوں کے شروع میں (حروف مقطعات ہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

"اُحْكِمَتْ اٰيٰتُه" کے مطابق پورے قرآن کو محکم بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں عیب کوئی نہیں ہے۔اوراس قول "كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا" کے مطابق متشابہ ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض آیات بعض کے حسن وصدق میں مشابہ ہیں۔وہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اوراس میں فتنے کا پہلو ڈھونڈتے ہیں۔یعنی اپنے جاہل حامیوں کے شبہات والتباس میں پڑنے کے سبب فتنے تلاش کرتے ہیں۔اوراس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔اور پختہ علم والے یعنی علم میں ثابت اور قرار پکڑنے والے کہتے ہیں، "فِي الْعِلْمِ" مبتداء اور "يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ" اس کی خبر ہے۔ہم اس پر ایمان لائے۔یعنی وہ متشابہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم اس کا معنی نہیں جانتے۔یعنی ہر محکم اور متشابہ، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔اور "يَذَّكَّرُ" میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔یعنی صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔یعنی جب وہ کسی کو متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں تو وہ اس وقت ایسے ہی کہتے ہیں۔

الفاظ کے معانی کے مفہوم کا بیان

محکمت۔اسم مفعول جمع مونث۔محکم۔مفرد۔احکام مصدر (افعال) پختہ۔درست۔جن کے معانی اور الفاظ میں اجمال اور اشتباہ نہ ہو۔لفظ اپنے معانی پر واضح دلالت کرتا ہو اور غیر مراد کا احتمال نہ ہو۔اخر۔اخری کی جمع جو اخر کی تانیث ہے۔

متشابھت۔اسم فال جمع مونث۔متشابھۃ مفرد۔قرآن حکیم میں متشابہات سے کیا مراد ہے اس کے معنی کی تشریح علماء نے مختلف طور پر کی ہے عام فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ظاہر امراد کا علم نہ ہو سکے تو وہ متشابہ ہے۔زیغ۔کجی۔حق سے روگردانی۔زاغ یزیغ کا مصدر ہے۔

ابتغاء۔چاہنا۔تلاش کرنا۔مصدر ہے بغی سے۔باب افتعال۔بغی کی اصل معنی کسی چیز کی طلب میں درمیانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں خواہ وہ تجاوز کر سکے یا نہ کر سکے۔بغی دو قسم پر ہے (۱) محمود یعنی عدل وانصاف کی حد سے آگے نکل کر مرتبہ احسان حاصل کرنا۔فرض کی حد سے تجاوز کر کے نوافل بجالانا۔(۲) مذموم یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا۔ زنا کو بھی بغی کہتے ہیں کہ اس میں حدود عفت سے تجاوز کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اویل۔اول سے بروزن تفعیل مصدر ہے۔جس کے معنی اصل کی طرف لوٹنے کے ہیں اسی لئے مرجع اور جائے بادگشت کو موئل کہتے ہیں۔کسی شے کو خواہ وہ شی علم ہو یا فعل اس کی اصلی مراد کی طرف لوٹانے کے نام تاویل ہے۔علم کی مثال وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔(اوراس کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا) اور فعل کی مثال ھل ینظرون الا تاویلہ 7:53) اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ وہ انجام سامنے آجائے۔تاویل۔تفسیر۔تشریح۔تعبیر۔کل بیٹھنی۔بیان۔حقیقت۔ٹھیک پڑنا۔ انجام کار آیت ہذا میں اللہ پر وقف ہے والرخون سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے۔

ہر چیز کی اصل واساس کو "ام" کہا جاتا ہے۔(مفردات راغب) "ام" عربی زبان میں ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جس کی

طرف کسی دوسری شئے کی بازگشت ہو۔ (روح المعانی، ج ۳، ص ۷۰)

اشتباہ ڈالنے والوں سے پرہیز کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: هو الذی انزل علیك ۔ ترجمہ۔ وہی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب نازل کی جس کا ایک حصہ وہ آیات ہیں جو کہ محکم ہیں (یعنی اشتباہ سے محفوظ ہیں) اور انہی آیات پر کتاب کا اصل مدار ہے۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں ایسی آیات ہیں جو مشتبہ المراد ہیں چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصے کے پیچھے ہو لیتے ہی جو مشتبہ المراد ہے۔ ان کی غرض فتنے کی ہی ہوتی ہے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی۔ حالانکہ اس کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (سورت آل عمران آیت) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو آیات مشتبہات کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے بچو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ایوب اسے ابن ابی ملیکہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 928)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا (فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِه) 3۔ ال عمران: 7)۔ (یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کی اتباع کرتے ہیں ان کی غرض فتنہ پیدا کرنا اور اس کی غلط تفسیر کرنا ہوتا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لینا۔ یزید اپنی روایت میں کہتے کہ جب تم لوگ ان کو دیکھو تو پہچان لو۔ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس طرح کئی حضرات اسے ابن ابی ملیکہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہوئے قاسم بن محمد کا ذکر نہیں کرتے۔ انکا ذکر صرف یزید بن ابراہیم کرتے ہیں۔ ابن ابی ملیکہ کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع ثابت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 929)

متشابہ کا لغوی معنی ومفہوم کا بیان

"متشابہ" کا معنیٰ اور اس سے مراد: "محکم" کی طرح متشابہ کی بھی کی دو صورتیں، اور دو قسمیں ہیں، اور اس کے بھی دو معنیٰ و مطلب بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ "متشابہ" کے معنی ہوں "تشابہ" اور "مشابہت" والی۔ یعنی باہم ایک جیسی اور آپس میں ملتی جلتی۔ سو اس اعتبار سے قرآن حکیم کی سب ہی آیات "متشابہ" ہیں۔ یعنی وہ اپنی عمدگی و تاثیر، صداقت و حقانیت، اعجاز و بلاغت، اور کمال و جامعیت وغیرہ صفات حمیدہ اور خصائص و مزایا، اور کلام الٰہی ہونے کے اعتبار سے باہم دیگر متشابہ اور ایک جیسی ہیں۔ ان میں باہم کوئی فرق واختلاف نہیں۔ سو اسی بناء پر اس پوری کتاب حکیم کو "متشابہ" قرار دیا گیا ہے۔

اور دوسرا معنیٰ "متشابہ" کا یہ ہے کہ یہ "تشابہ" اور "اشتباہ" کے معنی میں ہو۔ یعنی ان کے معانی ومطالب سے متعلق اشتباہ پایا جاتا ہو۔ سو اس اعتبار سے قرآنی آیات دو قسم پر ہیں۔ ایک "محکم" اور دوسری "متشابہ" جیسا کہ یہاں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ سو اس

اعتبار سے "متشابہ" سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی مراد واضح نہ ہوں۔ خواہ اس اعتبار سے کہ ان کی دلالت علی المعنی ہی واضح نہ ہو، جیسا کہ حروف مقطعات ہیں کہ ان کی کسی خاص معنی مرادی پر کوئی دلالت ہی واضح نہیں۔

محکمات ومتشابہات کا بیان

حضرت ابن عباس تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال حرام احکام حکم ممنوعات حدیں اور اعمال کا بیان ہو، اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے (آیت قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم،) اور اس کے بعد کے احکامات والی اور (آیت وقضی ربك ان لا تبعدوا) اور اس کے بعد کی تین آیتیں محکمات سے ہیں،

حضرت ابو فاختہ فرماتے ہیں سورتوں کے شروع میں فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیتیں ہیں، سعید بن جبیر کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں، حضرت مقاتل کہتے ہیں اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں، متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے اور بعد کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئیں ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کیلئے وہ احکام نہیں،

حضرت ابن عباس کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں، جیسے اور جگہ ہے آیت (کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ) 39۔ الزمر:23) اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے جنت دوزخ کی صفت، نیکوں اور بدوں کا حال وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور حضرت محمد بن اسحاق بن یسار کا یہی فرمان ہے، فرماتے ہیں یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے، جھگڑوں کا فیصلہ ہے، باطل کا خاتمہ ہے، انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے۔ متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں ان میں تصرف و تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے، انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیرنا چاہیے۔ پھر فرماتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ٹیڑھ پن گمراہی اور حق سے باطل کی طرف ہی ہے وہ تو متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیتیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان سے اپنے لئے کوئی دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اس سے ان کا مقصد فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تا کہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں، اپنی بدعتوں کی مدافعت کریں جیسا کہ عیسائیوں نے قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے حضرت عیسیٰ کے اللہ کا لڑکا ہونے کی دلیل لی ہے۔ پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ (آیت ان ھو الا عبد الخ، یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کے غلام ہیں، جن پر اللہ کا انعام ہے، اور جگہ ہے آیت (اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ) 3 ۔ آل عمران:59) یعنی حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے

مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا، وہ ہو گیا، چنانچہ اسی طرح کی اور بھی بہت سی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل لے لی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں۔
پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے تا کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو، ایسے ہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں۔ یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے،
ابویعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو، اس کے غلط مطالب بیان کرے گی، پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ ہی جانتا ہے، لفظ اللہ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔
حضرت عبداللہ بن عباس تو فرماتے ہیں تفسیر چار قسم کی ہے، ایک وہ جس کے سمجھنے میں کسی کو مشکل نہیں، ایک وہ جسے عرب اپنے لغت سے سمجھتے ہیں، ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذاتِ الٰہی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے، حضرت عائشہ کا بھی یہی قول ہے، معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے۔ مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس کی لڑائی شروع ہوگی، دوسرا یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کا سلسلہ شروع ہوگا حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ ہی جانتا ہے اور اہل علم والے کہیں گے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے بیپرواہی سے ضائع کر دیں گے، یہ حدیث بالکل غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کی مخالف ہو، جس کا تمہیں علم ہو اور اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ)
ابن عباس حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انس سے بھی یہی مروی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے یہی کہتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ ہی کو ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ ابی بن کعب بھی یہی فرماتے ہیں،
امام ابن جریر بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں، یہ تو تھی وہ جماعت جو الا اللہ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملہ کو اس سے الگ کرتی تھی، کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے اور فی العلم پر وقف کرتے ہیں، اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں، ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے اس بات کا ٹھیک نہیں، حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں، مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں، حضرت محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیتوں کی تفسیر محکمات کی روشنی کرتے ہیں جن میں کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، قرآن کے مضامین ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتے ہیں دلیل واضح ہوتی ہے، عذر ظاہر ہو جاتا ہے، باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کیلئے دعا کی کہ اے اللہ

انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم تھے، بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے، قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے، ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے،

حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا، قرآن میں جھگڑنا کفر ہے، قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے، جو جانو اس پر عمل کرو، جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف سونپ دو۔ (مسند ابویعلی)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝
اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے
اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

دلوں کو ٹیڑھے پن سے بچانے کی دعا کا بیان

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا" تَمِلْهَا عَنِ الْحَقِّ بِابْتِغَاءِ تَاْوِيلِهِ الَّذِىْ لَا يَلِيقُ بِنَا كَمَا اَزَغْتَ قُلُوْبَ اُولٰئِكَ "بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا" اَرْشَدْتَنَا اِلَيْهِ "وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ" مِنْ عِنْدِكَ "رَحْمَةً" تَثْبِيتًا "إنك أنت الوهاب"

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر، یعنی ایسی تاویل کی تلاش سے بچا جو ہمیں حق سے دور کرنے والی ہے۔ جس طرح وہ لوگ ہیں جن کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت پر ثابت قدمی عطا فرما، بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝
اے رب ہمارے۔ بیشک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شبہ نہیں بیشک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا۔

قیامت کے دن سب کے جمع ہونے کا بیان

يَا "رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ" تَجْمَعُهُمْ "لِيَوْمٍ" اَىْ فِىْ يَوْمٍ "لَا رَيْبَ" لَا شَكَّ "فِيْهِ" هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ فَتُجَازِيهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ كَمَا وَعَدْتَ بِذٰلِكَ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" مَوْعِدَهُ بِالْبَعْثِ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِهِ تَعَالٰى وَالْغَرَضُ مِنَ الدُّعَاءِ بِذٰلِكَ بَيَانُ اَنَّ هَمَّهُمْ اَمْرُ الْاٰخِرَةِ وَلِذٰلِكَ سَاَلُوا الثَّبَاتَ عَلَى الْهِدَايَةِ لِيَنَالُوْا ثَوَابَهَا رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : (تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ اِلٰى اٰخِرِهَا وَقَالَ : فَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ) وَرَوَى الطَّبَرَانِىُّ فِى الْكَبِيْرِ عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : (مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ اِلَّا ثَلَاثَ خِلَالٍ وَذَكَرَ مِنْهَا اَنْ يُفْتَحَ لَهُمُ الْكِتَابُ فَيَاْخُذَهُ

الْمُؤْمِن يَبْتَغِي تَأْوِيله وَلَيْسَ يَعْلَم تَأْوِيله إِلَّا اللّٰه وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْم يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِه كُلّ مِنْ عِنْد رَبّنَا وَمَا يَذَّكَّر إِلَّا أُولُو الْأَلْبَاب) الْحَدِيث،

اے ہمارے رب۔ بیشک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اس دن کے لئے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ قیامت کا دن ہے۔ پس تو ان کو ان کے اعمال کی جزاء دے گا۔ جس طرح تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا۔ یعنی جو دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔ اور میں غیب کی جانب توجہ کیلئے خطاب ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ کا کلام ہو اور اس سے مقصد دعا ہو۔ کیونکہ ان کیلئے آخرت کا معاملہ اہم معاملات میں سے ہے۔ اور اسی لئے اس پر ثابت قدمی کا سوال کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا ثواب حاصل کیا جائے۔

امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی " هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَاب مِنْهُ اٰيَات مُحْكَمَات " اور اس کے بعد فرمایا پس جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے یہ نام رکھا ہے پس ان سے بچو۔

امام طبرانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ نے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا اندیشہ ہے اور اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان کیلئے کتاب کھول دی جائے گی پس مؤمن اس کو پکڑے گا اور اس میں سے تأویل کو تلاش کرے گا حالانکہ تاویل کا علم صرف اللہ جانتا ہے۔ اور جو علم میں راسخ ہیں۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـئًا ؕ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝
بیشک وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ سے انہیں کچھ نہ بچا سکیں گے اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں،

کفار کے اموال و اولاد آگ سے نہ بچائیں گے

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ "تَدْفَع "عَنْهُمْ اَمْوَالهمْ وَلَا اَوْلَادهمْ مِنْ اللّٰه " اَيْ عَذَابه "شَيْئًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْد النَّار" بِفَتْحِ الْوَاو مَا تُوقَد بِهِ،

بیشک وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ سے انہیں کچھ نہ بچا سکیں گے یعنی ان سے عذاب کو دور نہ کر سکیں گے اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں۔ یہاں وقود فتح کے ساتھ آیا ہے یعنی جس کے سبب سے آگ جلائی جاتی ہے۔

لن تغنی عنہم۔ نفی تاکید بلن۔ مضارع واحد مؤنث غائب۔ الغنی۔ تونگری، بے نیازی۔ غنی۔ مالدار۔ بے نیاز۔ اغنی عنہ شیئا۔ اس کو کسی حد تک بے نیاز کر دینا۔ هذا ما يغني عنك شيئا لی تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ تمہارے لئے کسی فائدہ کی نہ ہوگی۔

تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ ما اغنی عنہ مالہ (111:2) اس کا مال اس کے کام نہ آیا۔ لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کی جانب سے کسی حد تک بھی بے نیاز نہ کر سکیں گی یعنی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گ۔ وقود۔ وقد یقد (ضرب) (آگ کا بھڑکنا) سے ایندھن۔ نیز وقاد وقید بمعنی ایندھن۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

قومِ فرعون اور ان سے پہلی قوموں جیسا طریقہ ہے، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

سابقہ قوموں کی طرح احکام کو جھٹلانے والوں کا بیان

دَاْبُهُم "كَدَاْبِ" كَعَادَةِ "اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" مِنَ الْاُمَمِ كَعَادٍ وَثَمُود "كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ" اَهْلَكَهُمْ "بِذُنُوْبِهِمْ" وَالْجُمْلَةُ مُفَسِّرَةٌ لِمَا قَبْلَهَا "وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"

قومِ فرعون اور ان سے پہلی قوموں جیسا طریقہ ہے، یعنی پہلی امتوں کی طرح جس طرح قوم عاد اور ثمود تھیں۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا، یعنی ان کو ہلاک کر دیا، یہ جملہ ماقبل کی تفسیر کر رہا ہے، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

کداب۔ ک حرف تشبیہ یا تمثیل۔ داب کے معنی مسلسل چلنے کے ہیں۔ مسلسل روش۔ عادۃ مستمرہ۔ ایسی عادت جس پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے۔ کداب ال فرعون میں اگر اس کو نیا جملہ تصور کیا جائے تو اس صورت میں داْبھم محذوف تصور ہوگا۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آیۃ ماقبل میں جن کفار کا ذکر ہوا ہے ان کا طریقہ بھی وہی تھا جو کہ آل فرعون کا اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا تعلق آیہ سابقہ میں مذکور کفار کے مال واولاد سے ہے اور عبارت کچھ یوں ہوگی۔ لن تغنی عنھم اموالھم واولادھم من اللہ شیئا کداب ال فرعون یعنی جس طرح آل فرعون کو اس کا مال اور اس کی اولاد اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی ان (کفار) کو بھی ان کا مال اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کا تعلق وقود النار سے ہے۔ اور عبارت کچھ اس طرح ہے۔ اولئک ھم وقود النار کداب ال فرعون یعنی آل فرعون کی طرح یہ بھی جہنم کی آگ کا ایندھن ہونگے جمہور علماء نے سب سے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے

عقاب۔ مار، سزا، ایذاء، عذاب، عقوبت، سزا دینا، عاقب یعاقب کا مصدر ہے۔ عقاب عقوبۃ معاقبۃ۔ عذاب کے لئے

مخصوص ہیں۔ عقاب کے اصل معنی پیچھے ہو لینے کے ہیں (جیسے تعاقب پیچھا کرنے کو کہتے ہیں) چنانچہ بولتے ہیں عقب الثانی الاول دوسرا پہلے کے پیچھے ہولیا۔ اس اعتبار سے عقاب وہ سزا ہوئی جو ارتکاب جرم کے پیچھے دی جاتی ہے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝
کافروں سے فرمادیں۔ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْیَهُوْدَ بِالْاِسْلَامِ بَعْدَ مَرْجِعِهٖ مِنْ بَدْرٍ فَقَالُوْا لَا یَغُرَّنَّكَ اَنْ قَتَلْتَ نَفَرًا مِنْ قُرَیْشٍ اَغْمَارًا لَّا یَعْرِفُوْنَ الْقِتَالَ، "قُلْ" یَا مُحَمَّدُ "لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا" مِنَ الْیَهُوْدِ "سَتُغْلَبُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ فِی الدُّنْیَا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَضَرْبِ الْجِزْیَةِ وَقَدْ وَقَعَ ذٰلِكَ "وَتُحْشَرُوْنَ" بِالْوَجْهَیْنِ فِی الْاٰخِرَةِ "اِلٰى جَهَنَّمَ" فَتَدْخُلُوْنَهَا "وَبِئْسَ الْمِهَادُ" الْفِرَاشُ هِیَ،

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۲ کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب غزوہ بدر سے یہود لوٹ کر آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام لانے کا حکم دیا، تو انہوں نے کہا کہ چند غیر تجربہ کار قریشیوں کو قتل کر دینا کہیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ وہ قتال کو جانتے ہی نہیں تھے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی،

یا محمد ﷺ آپ کافروں یعنی یہود سے فرمادیں۔ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے یہاں پر ''سَتُغْلَبُوْن'' تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا کہ دن ان کا قتل ہونا، قید ہونا اور جزیہ دینا ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہوا، اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، "وَتُحْشَرُوْن یعنی آخرت کیلئے دونوں طرح سے ہے، تم اس جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یعنی کتنا برا بچھونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب بدر میں کفار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکست دے کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے تو حضور نے یہود کو جمع کر کے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس سے پہلے اسلام لاؤ کہ تم پر ایسی مصیبت نازل ہو جیسی بدر میں قریش پر ہوئی تم جان چکے ہو میں نبی مرسل ہوں تم اپنی کتاب میں یہ لکھا پاتے ہو اس پر انہوں نے کہا کہ قریش تو فنون حرب سے ناآشنا ہیں اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں خبر دی گئی کہ وہ مغلوب ہوں گے اور قتل کئے جائیں گے گرفتار کئے جائیں گے ان پر جزیہ مقرر ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز میں چھ سو کی تعداد کو قتل فرمایا اور بہتوں کو گرفتار کیا اور اہل خیبر پر جزیہ مقرر فرمایا۔

جنگ بدر کے بعد یہود کو دعوت اسلام دینے کا بیان

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظفر و منصور واپس ہوئے تو بنو قینقاع کے بازار میں

یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا! اس سے پہلے کہ قریش کی طرح تمہیں بھی ذلت وپستی دیکھنا پڑے اسلام قبول کرلو، تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنونِ جنگ سے نا آشنا تھے، آپ نے انہیں ہرالیا اور دماغ میں غرور سما گیا، اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتادیں گے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں، آپ کو ابھی تک ہم سے پالا ہی نہیں پڑا۔ اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا فتح بدر نے ظاہر کردیا ہے کہ اللہ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں کو عزت وحرمت عطا فرمانے والا ہے، وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی اطاعت گزار امت کا خود مددگار ہے۔ وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔ دو جماعتیں لڑائی میں گھتم گتھا ہوگئی تھیں، ایک صحابہ کرام کی اور دوسری مشرکین قریش کی،

یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے، اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ نے اپنے بندوں کی اس طرح مدد کی گو مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکوں کو اپنے سے دُگنے نظر آتے تھے، مشرکوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی جاسوسی کیلئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آکر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں، کچھ کم یا زائد ہوں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے۔ ایک معنی تو یہ ہیں، دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں، پھر بھی اللہ عزوجل نے انہی کی مدد کی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے۔ لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک بیان کی گئی ہے، ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ کا قرآن کے الفاظ سے یہ استدلال ہو کہ ابن الحجاج قبلیہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا اس سے جب حضور نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں، آپ نے پھر پوچھا اچھا روز کتنے اونٹ کٹتے ہیں، اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس، آپ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنے تھے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ
مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝
بیشک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر کہ انہیں آنکھوں
دیکھا اپنے سے دونا سمجھیں، اور اللہ اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے،

اہل عقل کیلئے حصول عبرت کی دلیل کا بیان

"قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ" عِبْرَة وَذَكَّرَ الْفِعْل لِلْفَصْلِ "فِيْ فِئَتَيْنِ" فِرْقَتَيْنِ "الْتَقَتَا" يَوْم بَدْر لِلْقِتَالِ "فِئَة تُقَاتِل فِيْ سَبِيْل اللّٰه" أَيْ طَاعَته وَهُمْ النَّبِيّ وَأَصْحَابه وَكَانُوْا ثَلَاثمِائَةٍ وَثَلَاثَة عَشَر رَجُلًا مَعَهُمْ فَرَسَانِ وَسِتّ أَدْرُع وَثَمَانِيَة سُيُوف وَأَكْثَرهمْ رَجَّالَة "وَأُخْرٰى كَافِرَة يَرَوْنَهُمْ" أَيْ الْكُفَّار

"مِثْلَیْهِمْ" اَیْ الْمُسْلِمِیْنَ اَیْ اَکْثَرھُمْ مِنْهُمْ وَکَانُوْا نَحْوَ اَلْف "رَاْیَ الْعَیْنِ" اَیْ رُؤْیَۃً ظَاھِرَۃً مُعَایَنَۃً وَقَدْ نَصَرَھُمُ اللّٰہُ مَعَ قِلَّتِھِمْ "وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ" یُقَوِّیْ "بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ" الْمَذْکُوْر "لَعِبْرَۃً لِاُوْلِی الْاَبْصَارِ" لِذَوِی الْبَصَائِرِ اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ بِذٰلِکَ فَتُؤْمِنُوْنَ.

بیشک تمہارے لئے نشانی یعنی عبرت تھی۔ اور یہاں فعل کو فاصلہ کرنے کیلئے ذکر کیا ہے۔ دو گروہوں میں جو آپس میں بدر کے دن قتال کرتے ہوئے بھڑ پڑے ایک گروہ اللہ کی راہ یعنی اس کی طاعت میں لڑتا۔ اور وہ نبی مکرم حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جن کے پاس دو گھوڑے، سات زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور اکثر پیادہ تھے۔ اور دوسرا گروہ کافر کہ انہیں آنکھوں نے دیکھا اپنے سے دوگنا سمجھا۔ یعنی ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اور رویئت سے مراد آنکھوں سے ظاہری معائنہ کرنا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلیل ہونے کے باوجود مدد کی۔ اور اللہ اپنی مدد سے زور دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیشک ان ذکردہ امور میں عقلندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔ یعنی دیکھنے والے کیوں نہیں اس سے عبرت پکڑتے تا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

غزوہ بدر میں اہل ایمان اور مشرکوں کی تعداد کا بیان

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں لگے، ہم نے غور سے دیکھا پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے ان کی گنتی زیادہ نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے، اس نے کہا نہیں نہیں سو ہوں گے، جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی، اس نے کہا ایک ہزار ہیں۔ اب جبکہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ پر پورا بھروسہ کرلیں اور تمام تر توجہ اللہ کی جانب پھیر لیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں، ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دوگنی معلوم ہونے لگی تا کہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے، پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تا کہ ایک دِل کھول کر حوصلہ نکالے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے، ایمانِ وکفر وطغیان پر غالب آ جائے۔ مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے، جیسے اور جگہ ہے آیت (وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ) 3۔ آل عمران:123) یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقتور بنا دے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ○
لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت آراستہ کردی گئی ہے۔عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور
نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی، یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے،اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے۔

دنیا کی زندگی میں کثرت شہوات کا بیان

"زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَات " مَا تَشْتَهِيهِ النَّفْس وَتَدْعُو إِلَيْهِ زَيَّنَهَا اللّٰه ابْتِلَاء أَوْ الشَّيْطَان "مِنَ النِّسَاء وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْر " الْأَمْوَال الْكَثِيْرَة "الْمُقَنْطَرَة" الْمُجَمَّعَة "مِنَ الذَّهَب وَالْفِضَّة وَالْخَيْل الْمُسَوَّمَة " الْحِسَان "وَالْأَنْعَام" أَيْ الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم "وَالْحَرْث" الزَّرْع "ذٰلِكَ" الْمَذْكُور "مَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا" يَتَمَتَّع بِهِ فِيْهَا ثُمَّ يَفْنٰى "وَاللّٰهُ عِنْده حُسْن الْمَآب" الْمَرْجِع وَهُوَ الْجَنَّة فَيَنْبَغِي الرَّغْبَة فِيْهِ دُوْن غَيْره،

لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت آراستہ کردی گئی ہے یعنی جن کی طرف دل مائل ہو جاتا ہے۔اللہ نے مزین کردیا ہے آزمائش کیلئے یا شیطان ان کی طرف ورغلاتا ہے۔اگرچہ وہ عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے کثیر خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی شامل ہیں، یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے، جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔پھر یہ ختم ہو جاتی ہیں۔اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے۔یعنی اسی جانب لوٹنا ہے اور وہ ٹھکانہ جنت ہے لہٰذا اسی طرف جانب رغبت رکھنی چاہئے جبکہ اس کے سوا کی ضرورت نہیں ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

زین۔تزئین سے ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔وہ سنوارا گیا۔مزین کیا گیا۔اچھا دکھایا گیا۔قناطیر۔قنطار کی جمع۔ڈھیر۔انبار۔کثیر مال۔پل۔قنطار کی لفظی ساخت بلندی کے مفہوم کو چاہتی ہے اسی لئے اونچی عمارت کو قنطرۃ کہتے ہیں۔مقنطرۃ۔ڈھیر کیا ہوا۔قنطرۃ مصدر باب فعللۃ رباعی مجرد۔

المسومۃ۔اسم مفعول۔واحد مونث۔تسویم مصدر سومۃ سے باب تفعیل نشان زدہ ممتاز۔سیمۃ سومۃ۔سیما علامت،نشان۔سوم کے معنی کسی چیز کی طلب میں جانا۔اس مفہوم کے دو اجزاء ہیں۔جانا اور طلب۔کبھی صرف دوسرا جز ملحوظ ہوتا ہے جیسے یسومونکم سوء العذاب (3:4) تمہیں سخت تکلیفیں دینے کی تلاش میں رہتے تھے۔

چرانے کو بھیجنے کے لئے بھی آتا ہے سمت (باب نصر) اسمت (باب افعال) سومت (باب تفعیل) میں نے چرانے کے لئے

بھیجا۔ قرآن حکیم میں ہے۔ شجر فیہ تسیمون، درختوں میں تم اونٹوں کو چراتے ہو یا چرانے کے لئے بھیجتے ہو۔ سائمۃ۔ چرانے والے جانور۔

ماب۔ ماب مصدر بھی ہے اور اسم زمان ومکان بھی۔ لوٹنا۔ لوٹنے کی جگہ۔ لوٹنے کا وقت اوب اور ایاب مصدر ہیں۔ ان الینا ایابھم، تحقیق ان کا لوٹنا ہماری طرف ہے۔

قنطار کی مقدار میں مفسرین کے اختلافی اقوال کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ قنطار کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے، ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں، جیسے حضرت ضحاک کا قول ہے، اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں، ایک ہزار دینار، بارہ ہزار چالیس ہزار ساٹھ ہزار، ستر ہزار، اسی ہزار وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے، ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین وآسمان سے، غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا۔

اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے، اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں، ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں سو اوقیہ آئے ہیں۔

ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سو آیتیں پڑھ لے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا، اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے، مستدرک حاکم میں ہی اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو ہزار اوقیہ، امام حاکم اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں۔ بخاری مسلم نے اسے نقل نہیں کیا، طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار، حضرت حسن بصری سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار، حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے، ضحاک فرماتے ہیں بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں، بعض بارہ ہزار کا، حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران، ۱۴، بیروت لبنان)

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝
تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں
رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیبیاں اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

دنیا کی زندگی سے بہتر زندگی کی طرف دعوت کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ "اَؤُنَبِّئُكُمْ" اُخْبِرُكُمْ "بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ" الْمَذْكُورِ مِنَ الشَّهَوَاتِ اسْتِفْهَامُ

تقریر "لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا" الشِّرْكَ "عِنْدَ رَبِّهِمْ" خبر مبتدؤہ "جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ" ای مُقَدَّرِیْنَ الْخُلُود "فِیْهَا" اِذَا دَخَلُوْهَا "وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ" مِنَ الْحَیْضِ وَغَیْرِهٖ مِمَّا یُسْتَقْذَرُ "وَرِضْوَانٌ" بِکَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ لُغَتَانِ اَیْ رِضًا کَثِیْرٌ "مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ" عَالِمٌ "بِالْعِبَادِ" فَیُجَازِیْ کُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهٖ،

یا محمد ﷺ تم اپنی قوم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں۔ یعنی شہوت یافتہ چیزوں کا بیان ہوا اور یہ استفہام تقریری ہے پرہیزگاروں کے لئے، یعنی جو شرک سے بچنے والے ہیں۔ اور عندربھم یہ مبتداء کی خبر ہے۔ ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور جب اس میں داخل ہوں گے تو ان کیلئے حیض وغیرہ اور ہر قسم کی نجاست سے صاف ستھری بیبیاں ہوں گی۔ اور رضوان یہ پہلے حرف کی کسرہ کے ساتھ آیا ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی آتا ہے جس میں دو لغات ہیں یعنی کثیر رضا ہے۔ اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ پس وہ ان میں سے سب کو ان کے عمل کی جزاء دے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

انبئکم۔ استفہامیہ نہیں بلکہ تقریر اور ثبوت کے لئے ہے انبی مضارع واحد متکلم تنبئۃ (باب تفعیل) سے بمعنی خبر دینا۔ بتانا۔ کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ کیا میں تم کو بتاؤں، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ خیر۔ افعل التفضیل کا صیغہ۔ بہتر۔ زیادہ اچھی، عمدہ تر، ذلک سے مراد وہ چیزیں اور نعمتیں جو دنیاوی ہیں اور اوپر مذکور ہوتی ہیں۔ (وہ بہتر چیز کونسی ہے وہ یہ کہ متقیوں کے لئے ان کے رب کے ہاں جنتیں ہیں جن میں نہریں جاری ہیں)۔ ازواج اور رضوان کا عطف جنت پر ہے۔ اور ان کے لئے ہوں گی پاک بیبیاں اور خدا کی خوشنودی۔

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۴، ۱۵ کے شانِ نزول کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت یعنی ۱۴ نمبر نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ جبکہ تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے بہترین چیزیں بتاتا ہوں، یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں وہ صرف دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والی ہیں، سنو اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں، کہیں شہد کی، کہیں دودھ کی، کہیں پاک شراب کی، کہیں نفیس پانی کی، اور وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گزرا ہو، ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالآباد رہیں گے نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں کم ہوں گی نہ فنا ہوں گی، پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے خباثت اور برائی سے حیض اور نفاس سے گندگی اور پلیدی سے پاک ہیں، ہر طرح ستھری اور پاکیزہ، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں

حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں، اسی لئے سورۃ برات کی آیت میں فرمایا ورضوان من اللہ اکبر، اللہ کی تھوڑی سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے، یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہم یقیناً ایمان لے آئے ہیں سو ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

گناہوں سے مغفرت کیلئے دعا میں وسیلہ لانے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ" نَعت اَوْ بَدَل مِنَ الَّذِيْنَ قَبله "يَقُوْلُوْنَ" يَا "رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا" صَدَّقْنَا بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ "فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار"

الذین یہ ماقبل سے نعت ہے یا پھر بدل ہے۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم یقیناً ایمان لے آئے ہیں یعنی ہم نے تیری اور تیرے رسول ﷺ کی تصدیق کی۔ لہٰذا تو ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

متقیوں کے تعارف کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات اور تیری شریعت پر ہے تو ہمارے گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے، یہ متقی لوگ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں، صبر کے سہارے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں، کل اچھے اعمال بجالاتے ہیں خواہ وہ ان کے نفس کو کتنے بھاری پڑیں، اطاعت اور خشوع خضوع والے ہیں، اپنے مال اللہ کی راہ میں جہاں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں، صلہ رحمی میں رشتہ داری کا پاس رکھنے میں برائیوں کے روکنے آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار افضل ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے بھی فرمایا تھا کہ آیت (سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ) 12۔ یوسف:98) رب میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا، اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے، اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا،

بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ کے باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے؟ جسے میں دوں، کوئی دعا

مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں،

بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھے ہیں، سب سے آخری وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافع سے پوچھتے کیا سحر ہوگئی، جب وہ کہتے ہاں تو آپ صبح صادق کے نکلنے کی دعا استغفار میں مشغول رہتے، حضرت حاطب فرماتے ہیں سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ تو نے مجھے حکم کیا میں بجالایا، یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم جب تہجد کی نماز پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں اللہ سے بخشش کی دعا کریں۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ٥
صبر کرنے والے ہیں اور قول وعمل میں سچائی والے ہیں اور ادب واطاعت میں جھکنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے
ہیں اور رات کے پچھلے پہر اللہ سے معافی مانگنے والے ہیں۔

"الصَّابِرِیْنَ" عَلَی الطَّاعَۃ وَعَنْ الْمَعْصِیَۃ نَعْت "وَالصَّادِقِیْنَ" فِی الْاِیْمَان "وَالْقَانِتِیْنَ" الْمُطِیْعِیْنَ لِلّٰہِ "وَالْمُنْفِقِیْنَ" الْمُتَصَدِّقِیْنَ " والمستغفرین " اللّٰہ بِاَنْ یَّقُوْلُوا اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا "بِالْاَسْحَارِ" اَوَاخِر اللَّیْل خُصَّتْ بِالذِّکْرِ لِاَنَّھَا وَقْت الْغَفْلَۃ وَلَذَّۃ النَّوْم،

صبر کرنے والے ہیں یعنی طاعت پر صبر کرنے والے اور نافرمانی سے بچ کر صبر کرنے والے لائق تعریف ہیں۔ اور قول یعنی ایمان میں سچے اور وعمل میں سچائی والے ہیں اور ادب واطاعت میں جھکنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے پچھلے پہر اللہ سے معافی مانگنے والے ہیں۔ رات کے پچھلے پہر کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ وقت غفلت اور نیند کی لذت کا ہوتا ہے۔

نیک لوگوں کی پانچ صفات کا بیان

اس آیت میں ایسے متقی لوگوں کی پانچ صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی صفت صبر ہے۔ صبر ایک جامع اصطلاح ہے جس کا اطلاق عموماً دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کسی مصیبت کے پیش آنے پر جزع وفزع سے پرہیز کیا جائے اور اسے اللہ کی رضا کی خاطر خوشدلی سے برداشت کیا جائے اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالی جائے یا ایسی حرکت نہ کی جائے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہو۔ اور دوسرے یہ کہ دین کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات ومصائب کو خوشدلی سے برداشت کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے جسے دوسرے لفظوں میں استقامت بھی کہتے ہیں اور یہ بھی صبر ہی کی قسم ہے۔ دوسری صفت صادق ہونا ہے۔ صادق کے لفظ کا اطلاق صرف اس شخص پر ہی نہیں ہوتا جو سچ بولنے کا عادی ہو بلکہ اس پر بھی ہوتا ہے جو اپنے تمام معاملات میں راست باز ہو۔ بدعہدیوں اور فریب کاریوں سے بچنے والا ہو۔ تیسری صفت شریعت کے اوامر ونواہی کے آگے سر تسلیم خم کرنا۔ چوتھی

صفت اللہ کے عطا کردہ مال و دولت میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور پانچویں صفت مذکورہ اعمال کو بجالانے پر پھول جانے کی بجائے اللہ سے استغفار کرنا ہے، جس کا بہترین وقت رات کا آخری حصہ ہوتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ کون مجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں؟"

(بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف اللیل)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ
لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ
اور اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر
اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں عزت والا حکمت والا،

معبود حقیقی کی پہچان کیلئے دلائل و آیات کا بیان

"شَهِدَ اللّٰهُ" بَيَّنَ لِخَلْقِهِ بِالدَّلَائِلِ وَالْاٰيَاتِ "اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ" اَیْ لَا مَعْبُوْدَ فِی الْوُجُوْدِ بِحَقٍّ "اِلَّا هُوَ" "شَهِدَ بِذٰلِكَ "وَالْمَلَائِكَةُ" بِالْاِقْرَارِ "وَاُولُوا الْعِلْمِ" مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِعْتِقَادِ وَاللَّفْظِ "قَآئِمًا" بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلِ فِيْهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ اَیْ تَفَرَّدَ "بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ" كَرَّرَهٗ تَاْكِيْدًا "الْعَزِيْزُ" فِیْ مُلْكِهٖ "الْحَكِيْمُ" فِیْ صُنْعِهٖ،

اور اللہ نے گواہی دی یعنی اس نے مخلوق کیلئے دلائل و آیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی معبود برحق نہیں ہے۔ اور فرشتوں نے اقرار کے ساتھ اور عالموں یعنی انبیاء اور اہل ایمان نے عقیدے کے ساتھ انصاف سے قائم ہو کر اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں۔ اور قائما کا لفظ یہ تدبیر مصنوعات کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اس میں عامل معنی جملہ ہے یعنی تفرد کہ وہ عدل کرنے والا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یہ بہ طور تاکید مکرر ہے۔ وہ غالب اپنے ملک میں، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۸ کے شان نزول کا تفسیری بیان

امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ احبار شام میں سے دو شخص سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب انہوں نے مدینہ طیبہ دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی یہی صفت ہے، جو اس شہر میں پائی جاتی ہے جب آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکل و شمائل توریت کے مطابق دیکھ کر حضور کو پہچان لیا اور عرض کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، پھر عرض کیا کہ آپ احمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا ہاں، عرض کیا ہم ایک سوال کرتے

ہیں اگر آپ نے ٹھیک جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے فرمایا سوال کرو انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس کو سن کر وہ دونوں حبر مسلمان ہو گئے حضرت سعید بن جُبَیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب مدینہ طیبہ میں یہ آیت نازل ہوئی تو کعبہ کے اندر وہ سب سجدہ میں گر گئے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ آل عمران، بیروت لبنان)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○
بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور پھوٹ میں نہ پڑے کتابی مگر اس کے کہ انہیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے
اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے،

اللہ کے نزدیک اسلام کے دین ہونے کا بیان

"اِنَّ الدِّيْنَ" "الْمَرْضِىّ" "عِنْدَ اللّٰه" "هُوَ" "الْاِسْلَامُ" اَىْ الشَّرْعِ الْمَبْعُوثِ بِهِ الرُّسُلِ الْمَبْنِىّ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اَنَّ بَدَلٍ مِنْ اَنَّهُ اِلَخْ بَدَلَ اشْتِمَال "وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَاب" الْيَهُوْد وَالنَّصَارٰى فِى الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْض وَكَفَرَ بَعْض "اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْم" بِالتَّوْحِيْدِ "بَغْيًا" مِنَ الْكَافِرِيْنَ "بينهم ومن يكفر بآيات الله" "فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعِ الْحِسَاب" اَىْ الْمُجَازَاةِ لَهُ.

بیشک اللہ کے نزدیک پسندیدی دین اسلام ہی ہے یعنی ایسی شریعت جس کے ساتھ رسولان عظام کی بعثت ہوئی۔ جو توحید کی بنیاد پر ہے۔ اور ایک قرأت میں "ان" فتح کے ساتھ یعنی انہ سے بدل اشتمال ہے۔ اور پھوٹ میں نہ پڑے کتابی یعنی یہود و نصاریٰ دین میں کہ بعض نے توحید کو مانا اور بعض نے نہ مانا۔ مگر اس کے کہ انہیں توحید کا علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے، یعنی اس کی جزاء دینے والا ہے۔

جنت میں لے جانی والی آیت کا بیان

امام طبرانی کی طبرانی میں ہے حضرت غالب قطان فرماتے ہیں میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمش کے قریب ٹھہرا، رات کو حضرت اعمش تہجد کیلئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور آیت (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) 3۔ آل عمران:19) پڑھا تو فرمایا وانا اشهد بما شهد الله به واستودع الله هذه الشهادة وهى لى عند الله ديعته یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یہ میری امانت اللہ کے پاس ہے، پھر کئی دفعہ آیت (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) 3۔ آل عمران:19) پڑھا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی، صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمد کیا بات تھی جو آپ اس

آیت کو بار بار پڑھتے رہے؟ کہا کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی، کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا، اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال کامل گزر چکا تو میں نے کہا: اے ابو محمد سال گزر چکا ہے، سُن مجھ سے ابووائل نے حدیث بیان کی، اس نے عبداللہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے افضل واعلیٰ ہوں، میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے، اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے، اور سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی نبوت کے بعد نبوت کے سب راستے بند ہو گئے اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ کے نزدیک وہ صاحب ایمان نہیں جیسے اور جگہ ہے آیت (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ) 3۔آل عمران:85) جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار اسلام میں کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس کی قرأت میں (آیت شھد اللہ انہ) ہے اور ان الاسلام ہے، تو معنی یہ ہوں گے، خود اللہ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں اور ذی علم انسانوں کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے، جمہور کی قرأت میں ان زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں، لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے

دین اور اسلام کے معانی و بہ طور اصطلاح کا بیان

عربی زبان میں لفظ دین کے چند معنی ہیں، جس میں ایک معنی ہیں طریقہ اور روش، قرآن کریم کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول واحکام کے لئے بولا جاتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء میں مشترک ہیں، اور لفظ "شریعت" یا "منہاج" یا بعد کی اصطلاحات میں لفظ "مذہب" فروعی احکام کے لئے بولے جاتے ہیں، جو مختلف زمانوں اور مختلف امتوں میں مختلف ہوتے چلے آئے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: (شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا ۔ ۴۲:) "یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین جاری فرمایا جس کی وصیت تم سے پہلے نوح علیہ السلام کو اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی"

اس سے معلوم ہوا کہ دین سب انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کا لائق عبادت نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار، روز قیامت اور اس میں حساب کتاب اور جزا وسزا اور جنت ودوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا، اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی ورسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر اسی طرح ایمان لانا۔ اور لفظ "اسلام" کے اصلی معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا، اور اس کے تابع

فرمان ہونا، اس کے معنی کے اعتبار سے ہر نبی ورسول کے زمانہ میں جولوگ ان پر ایمان لائے اوران کے لائے ہوئے احکام میں ان کی فرمانبرداری کی وہ سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق تھے، اوران کا دین دین اسلام تھا، اسی معنی کے لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: (وامرت ان اکون من المسلمین (سورۃ یونس:) اوراسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کواوراپنی امت کوامت مسلمہ فرمایا(ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك . (بقرہ) اورحضرت عیسی علیہ السلام کے حواریین نے اسی معنی کے اعتبار سے کہاتھا(واشهد بانا مسلمون .(آل عمران:)

اور بعض اوقات یہ لفظ خصوصیت سے اس دین وشریعت کے لئے بولا جاتا ہے جوسب سے آخرت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لے کرآئے، اور جس نے پچھلی تمام شرائع کو منسوخ کردیا اور جو قیامت تک باقی رہے گا، اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ صرف دین محمدی اور امت محمدیہ کے لئے مخصوص ہوجاتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کی ایک حدیث جوتمام کتب حدیث میں مشہور ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی یہی خاص تفسیر بیان فرمائی ہے، آیت مذکورہ کے لفظ "الاسلام" میں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے۔ پہلے معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف دین اسلام ہے، یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنانا اور ہر زمانہ میں جو رسول آئے اور وہ جو کچھ احکام لائے اس پر ایمان لانا اوراس کی تعمیل کرنا اس میں دین محمدی کی اگرچہ تخصیص نہیں، لیکن عام قاعدہ کے ماتحت حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد ان پر اوران کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان وعمل بھی اس میں داخل ہوجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ دین مقبول وہ تھا جو نوح علیہ السلام لائے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں وہ جو ابراہیم علیہ السلام لے کرآئے، اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ کا اسلام وہ تھا جو الواح توراۃ اور موسوی تعلیمات کی صورت میں آیا۔ اور عیسی علیہ السلام کے زمانہ کا اسلام وہ جو انجیل اور عیسوی ارشادات کے رنگ میں نازل ہوا اور آخرت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا اسلام وہ ہوگا جو قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے نقشہ پر مرتب ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر نبی کے زمانہ میں ان کا لایا ہوا دین ہی دین اسلام اور عنداللہ مقبول تھا، جو بعد میں یکے بعد دیگرے منسوخ ہوتا چلا آیا، آخر میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دین اسلام کہلایا، جو قیامت تک باقی رہے گا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اگر وہ تم سے حجت کریں تو فرمادو میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیرو ہوئے اور کتابیوں اوراَن پڑھوں سے فرماؤ کیا تم نے گردن رکھی پس اگر وہ گردن رکھیں جب تو راہ پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو تم پر تو یہی حکم پہنچادینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے،

بارگاہ الوہیت میں جھک جانے کا بیان

"فَاِنْ حَاجُّوكَ" خَاصَمَكَ الْكُفَّار يَا مُحَمَّدُ فِي الدِّيْن "فَقُلْ" لَهُمْ "اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ" انْقَدْت لَهُ اَنَا "وَمَنْ اتَّبَعَنِ" وَخَصَّ الْوَجْه بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهِ فَغَيْرِهِ اَوْلٰى "وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتَاب" الْيَهُوْد وَالنَّصَارٰى "وَالْاُمِّيِّيْنَ" مُشْرِكِي الْعَرَب "اَاَسْلَمْتُمْ" اَيْ اَسْلِمُوْا "فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدْ اهْتَدَوْا" مِنْ الضَّلَال "وَاِنْ تَوَلَّوْا" عَنْ الْاِسْلَام "فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغ" اَيْ التَّبْلِيغ لِلرِّسَالَةِ "وَاللّٰهُ بَصِير بِالْعِبَادِ" فَيُجَازِيهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَهٰذَا قَبْل الْاَمْر بِالْقِتَالِ،

اگر وہ تم سے حجت کریں یعنی یا محمد ﷺ اگر کفار آپ سے دین میں جھگڑا کریں۔ تو فرما دو میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیروکار ہوئے اور یہاں چہرے کا ذکر اس لئے خاص طور پر کیا ہے وہ معزز ہوتا ہے لہٰذا دوسروں افضل ہے۔ اور کتابیوں یعنی یہود ونصاریٰ سے اور اَن پڑھوں یعنی مشرکین عرب سے فرماؤ کیا تم نے گردن رکھی پس اگر وہ گردن رکھیں جب تو گمراہی سے راہ پا گئے اور اگر اسلام سے منہ پھیریں تو تم پر تو یہی حکم پہنچا دینا ہے یعنی حکم رسالت کو پہنچانا ہے۔ اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے، پس وہ ان کے اعمال کی جزاء دے گا۔ اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ومن اتبعن۔ اتبعن اصل میں اتبعنی تھا۔ اور وہ جنہوں نے میری پیروی کی۔ الامیین۔ مشرکین عرب جو اہل یہود اور نصاریٰ کے علاوہ تھے۔ امی کے معنی اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ لکھ سکے نہ پڑھ سکے۔ اس زمانہ میں عرب کی یہ مخصوص صفت تھی کہ وہ اکثر وبیشتر بے پڑھے لکھے تھے اور اس صفت میں دوسری قوموں سے ممتاز تھے۔

تولوا۔ ماضی جمع مذکر غائب تولی سے۔ اگر تولی کا لفظ متعدی بنفسہٖ ہو تو معنی ولایت (دوستی) اور قریب ترین مواضع سے اس کے حصول کو چاہتا ہے۔ جیسے ولیت سمعی کذا۔ میں نے اپنے کان کو فلاں چیز پر لگایا۔ یا جیسے قرآن حکیم میں ہے ومن یتولی اللہ ورسولہ 5):56) اور جو شخص خدا اور اس کے رسول سے دوستی کرے گا۔

اور جب تعدیہ بذریعہ عن ہو خواہ عن لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر تو اس کے معنی اعراض اور روگردانی اور دور ہونے کے ہیں جیسے آیت ہذا میں۔ یہاں عن مقدر ہے پس فان تولوا کا معنی ہوگا اگر وہ روگردانی کریں۔

نبی کریم ﷺ کی برکت سے اسلام قبول کرنے کا والے نوجوان کا بیان

بخاری ومسلم وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب وعجم کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے اطراف کے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں اہل کتاب

ہوں مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے فرض کو تمام وکمال تک پہنچادیا۔

مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے جس کے کان میں میری نسبت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو مگر مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا تو قطعاً جہنمی ہوگا، مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ وسیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، ایک اور حدیث میں ہے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا اور میں تمام انسانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

مسند احمد میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور نعلین مبارک لا کر رکھ دیتا تھا، بیمار پڑ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے، اس وقت اس کا باپ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں لا الہ الا اللہ کہہ، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپ کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ یہی فرمایا اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا ابوالقاسم کی مان لے (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس بچے نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ، وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچالیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝
وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں
انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی،

اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ" وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُقَاتِلُوْنَ "النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ "مِنَ النَّاسِ" وَهُمُ الْيَهُوْدُ رُوِيَ اَنَّهُمْ قَتَلُوْا ثَلَاثَةً وَاَرْبَعِيْنَ نَبِيًّا فَنَهَاهُمْ مِائَةٌ وَسَبْعُوْنَ مِنْ عِبَادِهِمْ فَقَتَلُوْهُمْ مِنْ يَوْمِهِمْ "فَبَشِّرْهُمْ" اَعْلِمْهُمْ "بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" مُؤْلِمٍ وَذِكْرُ الْبِشَارَةِ تَهَكُّمٌ بِهِمْ وَدَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ خَبَرِ اِنَّ لِشَبَهِ اسْمِهَا الْمَوْصُوْلِ بِالشَّرْطِ،

وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور ایک قرأت میں 'يُقَاتِلُوْنَ' اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو دوسروں کو عدل وانصاف کا حکم دیتے ہیں اور یہ وہی یہود ہیں جنہوں نے ۴۳ انبیائے کرام کو شہید کیا۔ جبکہ انہیں ایک سو ستر عابدوں نے قتل انبیاء سے روکا تو انہوں نے ان

عابدوں کو بھی قتل کر دیا۔انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی،یعنی تکلیف دینے والے عذاب کی بشارت دو۔ یہاں بشارت کا ذکران سے بہ طور مذاق ہے اور خبر پر فاء کا داخل ہونا اس لئے ہے کیونکہ ان کا اسم موصول بہ شرط کے مشابہ ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا، یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نیکی کی تعلیم دیتا اور برائی سے روکتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ نیز ارشاد فرمایا "ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں اور صبح کے ایک وقت میں تینتالیس انبیائے کرام کو قتل کیا۔اس پر بنی اسرائیل کے ایک سو ستر علماء وصلحاء نے ان بدبختوں کو نصیحت فرمائی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو انہوں نے اسی شام کو ان سب کو بھی قتل کر دیا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ آل عمران، بیروت لبنان)

ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو دن کے شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے، پس ان لوگوں کی اس سرکشی تکبر اور خود پسندی نے ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی رسوا کن بدترین عذاب ان کے لئے تیار ہیں، اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذاب کی خبر پہنچا دو، ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝
یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

کفار کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط کر لیے جائیں گے

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ" بَطَلَتْ "اَعْمَالهمْ" مَا عَمِلُوْا مِنْ خَيْر كَصَدَقَةٍ وَصِلَة رَحِم "فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة" فَلَا اعْتِدَاد بِهَا لِعَدَمِ شَرْطهَا "وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ" مَانِعِيْنَ مِنْ الْعَذَاب،

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے یعنی جو بھی انہوں نے بھلائی جیسے صدقہ وصلہ رحمی کی ہے۔پس شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے کچھ بھی شمار نہ ہوگی۔اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔یعنی عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝
کیا تم نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے
پھر ان میں کا ایک گروہ اس سے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔

"اَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا" حَظًّا "مِنَ الْكِتَابِ" التَّوْرَاة "يُدْعَوْنَ" حَال "اِلٰى كِتَابِ اللّٰه لِيَحْكُم بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ" عَنْ قَبُوْل حُكْمه،

یا تم نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب یعنی تورات کا ایک حصہ ملا کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ یہاں یدعون الذین سے حال ہے۔ کہ وہ ان کا فیصلہ کرے پھر ان میں کا ایک گروہ حکم کو قبول کرنے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۲۳ کے شان نزول کا بیان

اس آیت کے شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المِدراس میں تشریف لے گئے اور وہاں یہود کو اسلام کی دعوت دی نُعَیم ابن عمرو اور حارث ابن زید نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس دین پر ہیں فرمایا، ملّتِ ابراہیمی پر وہ کہنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توریت لاؤ ابھی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اس پر نہ جمے اور منکر ہو گئے اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اس تقدیر پر آیت میں کتاب اللہ سے توریت مراد ہے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ یہود خیبر میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا تھا اور توریت میں ایسے گناہ کی سزا پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا ہے لیکن چونکہ یہ لوگ یہودیوں میں اونچے خاندان کے تھے اس لئے انہوں نے ان کا سنگسار کرنا گوارہ نہ کیا اور اس معاملہ کو بایں امید سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے کہ شاید آپ سنگسار کرنے کا حکم نہ دیں مگر حضور نے ان دونوں کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اس پر یہود طیش میں آئے اور کہنے لگے کہ اس گناہ کی یہ سزا نہیں آپ نے ظلم کیا، حضور نے فرمایا کہ فیصلہ توریت پر رکھو کہنے لگے یہ انصاف کی بات ہے توریت منگائی گئی اور عبداللہ بن صوریا یہود کے بڑے عالم نے اس کو پڑھا اس میں آیت رجم آئی جس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا عبداللہ نے اس پر ہاتھ رکھ لیا اور اس کو چھوڑ گیا حضرت عبداللہ بن سلام نے اس کا ہاتھ ہٹا کر آیت پڑھ دی یہودی ذلیل ہوئے اور وہ یہودی مرد و عورت جنہوں نے زنا کیا تھا حضور کے حکم سے سنگسار کئے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝
یہ جرأت انہیں اس لئے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دنوں اور ان کے دین میں انہیں فریب دیا
اس جھوٹ نے جو باندھتے تھے۔

تورات سے احکام شرعیہ کو چھپانے والے یہود کا بیان

نَزَلَتْ فِي الْيَهُوْدِ زَنٰى مِنْهُمْ اثْنَانِ فَتَحَاكَمُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَكَمَ عَلَيْهِمَا بِالرَّجْمِ فَاَبَوْا فَجِيْءَ بِالتَّوْرَاةِ فَوَجَدَ فِيْهَا فَرُجِمَا فَغَضِبُوْا، "ذٰلِكَ" التَّوَلِّيْ وَالْاِعْرَاض "بِاَنَّهُمْ قَالُوْا" اَيْ بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ "لَنْ تَمَسَّنَا النَّار اِلَّا اَيَّامًا مَعْدُوْدَات" اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْل ثُمَّ

نَزَّوْلَ عَنْهُمْ "وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ" مُتَعَلِّق بِقَوْلِهٖ "مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ" مِنْ قَوْلِهِمْ ذٰلِكَ،

یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب ان میں سے دو بندوں نے زنا کیا اور وہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لائے تو آپ ﷺ نے ان دونوں پر رجم کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کیا پس تورات کو لایا گیا تو اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ تو ان دونوں کو رجم کیا گیا تو یہود اس پر غضب ناک ہوئے۔ یہ اعراض یعنی جرأت انہیں اس لئے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دنوں یعنی چالیس جن میں ان کے اباؤ اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ پھر ان سے عذاب ٹل جائے گا۔ اور ان کے دین میں انہیں فریب دیا یعنی ان کے قول سے متعلق ہے۔ جس قول سے وہ جھوٹ نے جو باندھتے تھے۔

یہودیوں کا یہ سمجھنا کہ انہیں معمولی سا عذاب ہوگا "لن تمسنا" میں "نا" کے قرینہ سے یہ احتمال دیا جاسکتا ہے کہ ان کا یہ سمجھنا اپنے آپ کو برتر نسل سمجھنے کی وجہ سے تھا۔

سورج کی روشنی کے سبب لوگوں کے پگھل جانے کا بیان

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سورج بندوں سے صرف ایک یا دو میل کے فاصلے پر رہ جائے گا سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کون سا میل مراد لیا زمین کی مسافت یا وہ سلائی جس سے سرمہ لگایا جاتا ہے پھر فرمایا کہ سورج لوگوں کو پگھلانا شروع کر دے گا چنانچہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے کوئی ٹخنوں تک کوئی گھٹنوں تک کوئی کمر تک اور کوئی منہ تک ڈوبا ہوگا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گویا کہ اسے لگام ڈال دی گئی ہو اس باب میں حضرت ابوسعید اور ابن عمر سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 317)

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○
پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جس میں کوئی شک نہیں جمع کریں گے، اور جس جان نے جو کچھ بھی کمایا ہوگا
اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے سب کے جمع ہونے کا بیان

"فَكَيْفَ" حَالُهُمْ "اِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ" اَیْ فِیْ يَوْم "لَا رَيْبَ" لَا شَكَّ "فِيْهِ" هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَة "وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْس" مِنْ اَهْلِ الْكِتَاب وَغَيْرِهِمْ جَزَاء "مَا كَسَبَتْ" عَمِلَتْ مِنْ خَيْر وَشَرّ "وَهُمْ" اَیِ النَّاس "لَا يُظْلَمُوْنَ" بِنَقْصِ حَسَنَة اَوْ زِيَادَة سَيِّئَة،

پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جس میں کوئی شک نہیں جمع کریں گے، وہ قیامت کا دن ہے۔ اور جس جان نے

جو کچھ بھی کمایا ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا یعنی اہل کتاب وغیرہ کو جزاء دی جائے گی۔ یعنی جو بھی انہوں نے بھلائی یا برائی کی ہوگی۔ اور ان لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی نیکی کی کمی کے باعث اور برائی کی زیادتی کے باعث ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ (بارگاہ الٰہی) میں حاضر کیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے سننے اور دیکھنے کی قوت نہ دی کیا میں نے تجھے مال اولاد نہ دیئے کیا میں نے تیرے لئے جانور اور کھیتیاں مسخر نہ کئے کیا میں نے تجھے اس حالت میں نہ چھوڑا کہ تو سردار بنایا گیا اور تو لوگوں سے چوتھائی مال لینے لگا کیا تیرا خیال تھا کہ آج کے دن تو مجھ سے ملاقات کرے گا اور کہے گا نہیں اے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر میں بھی تجھے آج اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے اس قول کہ میں تجھے چھوڑ دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے عذاب میں ڈالوں گا بعض علماء نے اس آیت (فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ) 7۔الاعراف:91) کا مطلب یہی بیان کیا ہے اہل علم فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 326)

قیامت کے دن نیکیاں مظلوم کو بھی دی جائیں گیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کریں جس نے اپنے کسی بھائی کی عزت یا مال میں کوئی ظلم کیا ہو اور پھر وہ آخرت میں حساب وکتاب سے پہلے اس کے پاس آ کر اپنے ظلم کو معاف کرا لے کیونکہ اس دن نہ تو درہم ہوگا اور نہ دینار اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس سے لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس ظلم کے بدلے میں مظلوموں کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت مالک بن انس بھی اسے سعید مقبری سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 315)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل حقوق کو ان کے حقوق پورے پورے ادا کرنا ہوں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ کی بکری کا سینگ والی بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا اس باب میں حضرت ابوذر اور عبداللہ بن انیس سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 316)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥
یوں عرض کر، اے اللہ! ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے، اور جسے چاہے عزت دے
اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے، بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

اللہ ہی عزت وذلت دینے والا ہے

وَنَزَلَتْ لَمَّا وَعَدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّته مَلِك فَارِس وَالرُّوم فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ هَيْهَاتَ : "قُلْ اللّٰهُمَّ" يَا اللّٰه "مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي" تُعْطِي "الْمُلْكَ مَنْ تَشَاء " مِنْ خَلْقك "وَتَنْزِع الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاء وَتُعِزّ مَنْ تَشَاء " بِإِيتَائِهِ "وَتُذِلّ مَنْ تَشَاء " بِنَزْعِهِ مِنْهُ "بِيَدِك" بِقُدْرَتِك "الْخَيْر" اَیْ وَالشَّرّ "إنَّك عَلَى كُلّ شَيْء قَدِير"

اور جب نبی کریم ﷺ اپنی امت سے ملک فارس وروم کے بارے میں وعدہ کیا تو منافقین نے کہا کہ کتنی دور کی بات ہے۔ یوں عرض کر، اے اللہ! یہاں پر اللھم بہ معنی یا اللہ ہے۔ ملک کے مالک تو جسے اپنی مخلوق میں سے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے اپنی نشانیوں سے چھین لے، اور جسے چاہے عزت یعنی بھلائی دے دے اور جسے چاہے ذلت دے، یعنی خیر دور کر کے۔ ساری بھلائی وسختی تیرے ہی ہاتھ ہے، بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۲۶ کے سببِ نزول کا بیان

کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف سے اسے اس کے والد نے اپنے والد سے روایت کر کے خبر دی کہ جنگ خندق کے دن رسول اللہ نے ایک خط کھینچا پھر دس آدمیوں پر چالیس ہاتھ کھدائی مقرر کی عمرو بن عوف نے کہا میں سلیمان، حذیفہ نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری چالیس ہاتھ کھودنے پر مقرر ہوئے ہم کھودتے گئے تا آنکہ ہم ذوناب کے نیچے تک پہنچ گئے اللہ نے خندق کی تہ میں سے ایک چٹان نمودار کی جس نے ہمارے کدالوں کو کند کر دیا اور ہمارے لیے اس کا توڑنا مشکل ہو گیا ہم نے کہا کہ اے سلمان تم اوپر چڑھو اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس چٹان کے بارے میں اطلاع دو یا تو ہم اس خط سے مڑ جائیں یا آپ ہمیں کوئی اور حکم دیں ہم آپ کے مقرر کیے ہوئے خط سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے راوی نے کہا کہ سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ کی طرف گئے آپ اس وقت ایک ترکی قبہ یعنی سائبان تانے ہوئے تھے سلمان نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ خندق کے اندر سے ایک سفید چٹان نمودار ہوئی ہے جس نے ہمارے کدال کند کر دیے اور اسے توڑنا ہمارے لیے سخت مشکل ہو گیا حتی کہ اس میں سے تھوڑا بہت کچھ نہیں ٹوٹ سکا اس بارے میں ہمیں اپنا حکم دیجیے ہم آپ کے مقرر کیے ہوئے خط سے تجاوز نہیں کرنا چاہتے۔ راوی کا کہنا ہے کہ پھر رسول اللہ سلمان کے ساتھ خندق میں اترے اور نو آدمی خندق کے دہانے پر تھے رسول اللہ ﷺ نے سلمان سے کدال لے لیا اور خندق پر چوٹ لگائی جس سے خندق میں شگاف پڑ گیا اس سے ایک چمک پیدا ہوئی جس سے خندق کے کنارے روشن ہو گئے یعنی مدینہ روشن ہو گیا یوں لگا جیسے کسی تاریک گھر کے چراغ روشن ہوا ہو رسول اللہ ﷺ نے فتح کی تکبیر بلند کی اور مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا آپ سلمان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھے سلمان نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے ایک ایسی چیز دیکھی ہے جو میں نے اس سے پہلے قطعاً نہیں دیکھی رسول اللہ ﷺ قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ سلمان کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ میں نے پہلی ضرب لگائی تو چمک پیدا ہوئی جب کہ تم

نے دیکھا کہ اس روشنی میں میرے لیے حیرہ کے محلات اور کسریٰ یوں ظاہر ہوگئے گویا وہ کتے کی کچلیاں ہوں جبریل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان محلات اور شہروں پر قبضہ کرے گی پھر میں نے دوسری ضرب لگائی تو دوبارہ چمک پیدا ہوئی جب کہ تم نے دیکھ لیا اس بار میرے لیے روم کے سرخ محلات یوں نمودار ہوئے گویا وہ کتوں کی کچلیاں ہوں جبریل نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان پر قابض ہوگی پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو چمک پیدا ہوئی جسے تم نے دیکھ لیا تو اس بار میرے سامنے صنعا کے محلات ظاہر ہوئے گویا وہ کتوں کی کچلیاں ہوں اور جبریل نے مجھے یہ بتایا کہ میری امت اس پر قابض ہوگی لہٰذا تمہیں خوش خبری ہو مسلمانوں کو اس سے خوش ہوئی انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے یہ سچا وعدہ ہے اللہ نے خندق کھودنے کے بعد فتح کا وعدہ کیا اس پر منافقوں نے کہا کہ کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ وہ یعنی نبی تمہیں غلط اور باطل امیدیں دلاتا ہے اور تم کو بتاتا ہے کہ وہ یثرب میں بیٹھے بٹھائے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے مدائن کو دیکھتا ہے اور یہ کہ یہ جگہیں تمہارے لیے فتح ہوں گی تم تو ڈر کے مارے بچاؤ کے لیے خندق کھود رہے ہو اور کھلے ظاہر تک نہیں ہو سکتے۔ راوی کا کہنا ہے واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم الخ۔ اس قصے سے متعلق اللہ نے قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ کی آیت نازل کی۔ (اسباب نزول)

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ
وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ٥
تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے
نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے بہرہ اندوز کرتا ہے۔

دن کو رات اور رات کو دن میں داخل کرنے کا بیان

"تُوْلِجُ" تُدْخِلُ "اللَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ" "تُدْخِلُہٗ "فِی اللَّیْلِ" فَیَزِیْدُ کُلٌّ مِنْھُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ "وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ" کَالْاِنْسَانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَۃِ وَالْبَیْضَۃِ "وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ" کَالنُّطْفَۃِ وَالْبَیْضَۃِ "مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" اَیْ رِزْقًا وَّاسِعًا،

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ لہٰذا تو ان میں سے ہر ایک زیادہ کرتا ہے دوسرے کو کم کرتے ہوئے۔ اور تو ہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے جس طرح انسان اور پرندے ہیں جو نطفہ اور انڈے سے بنے ہیں۔ اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے جس طرح نطفہ اور انڈہ ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے بہرہ اندوز کرتا ہے۔ یعنی وسیع رزق عطا کرتا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"تولج النہار" کے معنی دن کو رات میں داخل کرنا اور رات کو دن میں داخل کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے کم ہونے

سے دوسرے میں اضافہ ہو جاتا ہے اور "تولج" فعل مضارع ہے جو اس معنی کے استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے۔

ابتدائی مخلوق کی تخلیق کا بیان

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی اونٹنی کو دروازہ پر باندھ کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا بشارت قبول کرو اے بنوتمیم! انہوں نے دو مرتبہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بشارت تو دی ہے اب کچھ عطا بھی تو فرمایئے پھر یمن کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اہل یمن بشارت قبول کرو کیونکہ بنی تمیم نے تو اسے رد کر دیا ہے انہوں نے کہا: یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے قبول کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امر (دین) کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ابتداء میں) اللہ تعالیٰ کا وجود تھا اور کوئی چیز موجود نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر ہونے ولی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا اور اس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اتنی ہی بات سنی) کہ ایک منادی نے آواز دی کہ اے ابن حصین! تیری اونٹنی بھاگ گئی میں (اٹھ کر) چلا تو وہ اتنی دور چلی گئی تھی کہ سراب بیچ میں حائل ہو گیا بس اللہ کی قسم! میں نے تمنا کی کہ میں اسے چھوڑ دیتا عیسیٰ، رقبہ، قیس بن مسلم، طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کی بابت ہمیں بتلایا حتیٰ کہ (یہ بھی بتلایا کہ) جنتی اپنی منزلوں اور دوزخی اپنی جگہوں میں داخل ہو گئے اس بات کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ صادق و مصدوق تھے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے چالیس دن تک (نطفہ رہتا ہے) پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ گوشت رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ (بھی لکھ دے) کہ وہ بد بخت (جہنمی) ہے یا نیک بخت (جنتی) پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے بیشک تم میں سے ایک آدمی ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ (تقدیر) غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور (ایک آدمی) ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اتنے میں تقدیر (الٰہی) اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 468)

اہل جنت کے سب سے پہلے کھانے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں

جن کا علم نبی کے علاوہ کسی اور کو نہیں قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟ اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا؟ اور کس وجہ سے بچہ اپنے باپ یا ننہال کے مشابہ ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ابھی یہ باتیں بتائی ہیں عبداللہ نے کہا کہ یہ تو تمام فرشتوں میں یہودیوں کے دشمن ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی سب سے پہلی علامت وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور اہل جنت کے کھانے کے لئے سب سے پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی نوک ہوگی رہی بچہ کی مشابہت، مرد جب اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے اور اسے پہلے انزال ہو جاتا ہے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کو پہلے انزال ہو جاتا ہے تو بچہ اس کی صورت پر ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی بہت ہی بہتان توڑنے والی قوم ہے (اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری بابت ان سے پوچھنے سے پہلے میرے اسلام لانے سے واقف ہو گئے) تو مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ پھر یہودی آئے اور عبداللہ گھر میں چھپ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سب سے بڑے عالم اور بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔

اور ہم میں سب سے بہتر اور بہتر آدمی کے بیٹے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا بتاؤ تو سہی اگر عبداللہ اسلام لے آئیں (تو کیا تم بھی اسلام لے آؤ گے) انہوں نے کہا اللہ انہیں اس سے بچائے فوراً وہ ان کے سامنے آ گئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائی کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو وہ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے بدتر اور بدتر آدمی کے بیٹے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 584)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ
اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝
مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے
کچھ ڈرو اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے،

کفار کو دوست بنانے کی ممانعت کا بیان

"لَا يَتَّخِذ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاء" يُوَالُوْنَهُمْ "مِنْ دُوْن" اَیْ غَیْر "الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَل ذٰلِكَ" اَیْ يُوَالِيهِمْ "فَلَيْسَ مِنْ" دِيْن "اللّٰه فِيْ شَيْء اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاة" مَصْدَر تَقَيْته اَیْ تَخَافُوْا مَخَافَة فَلَكُمْ مُوَالَاتهمْ بِاللِّسَانِ دُوْن الْقَلْب وَهٰذَا قَبْل عِزَّة الْاِسْلَام وَيَجْرِیْ فِيْمَنْ هُوَ فِيْ بَلَد لَيْسَ قَوِيًّا فِيْهَا "وَيُحَذِّركُمْ" يُخَوِّفكُمْ "اللّٰه نَفْسه" اَنْ يَّغْضَب عَلَيْكُمْ اِنْ وَالَيْتُمُوْهُمْ "وَاِلَى اللّٰه الْمَصِير"

الْمَرْجِعُ فَيُجَازِيكُمْ،

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں اور جس نے مسلمانوں کے سوا کسی سے دوستی کی اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا یعنی وہ اللہ کے دین میں کچھ شمار نہ کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو۔ اس کا مصدر تقیہ ہے یعنی جب تمہیں کوئی خوف ہو تو زبانی کلامی دوستی کرو جبکہ دلی دوستی نہ کرنا۔ اور یہ حکم اسلام کے غالب آنے سے پہلے کا ہے۔ اور یہ حکم ان لوگوں پر جاری ہوگا جو ایسے شہروں میں ہیں جہاں اسلام طاقت ور نہیں ہے۔ اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے یعنی اگر تم نے ان سے دوستی کی تو تم پر غضب ہوگا۔ اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے، پس وہی تمہیں جزاء دے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فلیس من الله فی شیء (الخازن) تو اس کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی دوستی نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے دشمنوں کے دوست ہیں تو اللہ ان کو کیسے دوست رکھے گا۔ کیونکہ موالاۃ اللہ و موالاۃ الکفار ضدان لا یجتمعان۔ کہ خدا کی دوستی اور کفار کی دوستی باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جو کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ فلیس له نصر او ولایة من الله فی ای امر۔ تو کسی امر میں بھی اس کو اللہ کی دوستی یا مدد نصیب نہ ہوگی۔ الا ان تتقوا منهم تقة۔ تتقوا۔ مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اصل میں تتقون تھا۔ نون اعرابی بوجہ عامل ان کے گر گیا۔ تقۃ مصدر ہے تقۃ اصل میں وقاۃ تھا۔ واو کو تا سے بدل دیا گیا۔ وق ی۔ حروف مادہ ہیں۔ وقی۔ یقی۔ اتقی۔ یتقی۔ بچنا۔ پرہیز کرنا۔ حفاظت کرنا۔ یحذرکم۔ یحذر۔ مضارع واحد مذکر غائب۔ کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ (اور اللہ) تم کو ڈراتا ہے۔ خبردار کرتا ہے اپنی ذات سے۔ یعنی اپنے غضب۔ اپنی ناراضگی سے۔ المصیر۔ اسم ظرف مکان۔ صار یصیر کا مصدر بھی ہے۔ لوٹنے کی جگہ۔ قرار گاہ۔ ٹھکانہ۔ لوٹنا۔ مائل ہونا۔ کاٹنا۔ جمع ہونا۔

سورہ آلِ عمران آیت ۲۸ کے شان نزول کا تفسیری بیان

حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ الحجاج بن عمرو کہمس بن ابی الحقیق اور قیس بن زید یہ لوگ یہود تھے یہ انصار کے کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر انکے دین سے ورغلاتے تھے چنانچہ رفاعہ بن منذر عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خیثمہ نے ان لوگوں سے کہا کہ ان یہودیوں سے دور رہو ان کے ساتھ میل ملاپ اور خفیہ ملاقاتوں سے پرہیز کرو وہ تمہیں کہیں تمہارے دین سے فتنے میں نہ مبتلا کر دیں ان لوگوں نے ان یہود کے ساتھ میل ملاپ اور خفیہ طور پر ملنا جلنا ترک کرنے سے انکار کر دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

الکلبی کا قول ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے ابرے میں نازل ہوئی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھ ان لوگوں کی یہود اور مشرکین سے دوستی تھی یہ انہیں اطلاعات اور معلومات فراہم کرتے تھے اور اس بات کے خواہش مند رہتے تھے کہ ان لوگوں کو رسول اللہ پر فتح ہو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی اور مومنوں کو ان جیسے کام کرنے سے منع فرمادیا۔

جو یبر نے الضحاک سے اس نے ابن عباس سے روایت کیا کہ یہ آیت عبادہ بن صامت انصاری کے بارے میں نازل ہوئی

یہ بدری سردار تھے ان کے حلیف کچھ یہودی تھے جس روز نبی غزوہ احزاب کے لیے نکلے تو عبادہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میرے ساتھ پانچ سو یہودیوں جوانمرد ہیں میرے رائے ہے کہ وہ میرے ساتھ چلیں اور شریک جہاد ہوں تو میں دشمن پر غلبہ پالوں گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

دین کے دشمنوں سے دور رہنے کا بیان

بخاری میں ہے حضرت حسن فرماتے ہیں یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ پھر فرمایا اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔ یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذاب سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے۔ پھر فرمایا اللہ کی طرف لوٹنا ہے ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہوگا یا جہنم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت میں بھی ہرگز نہ دے، یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
تم فرمادو کہ اگر تمہارے دل میں جو بات چھپا دیا ظاہر کرو اللہ کو سب معلوم ہے، اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے
اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے،

ظاہر و پوشیدہ محبت کو اللہ جاننے والا ہے

"قُلْ" لَهُمْ "اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ" قُلُوْبِكُمْ مِنْ مُوَالَاتِهِمْ "اَوْ تُبْدُوْهُ" تُظْهِرُوْهُ "يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَم" وَهُوَ يَعْلَم "مَا فِي السَّمٰوَات وَالْاَرْض وَاللّٰهُ عَلٰى كُلّ شَيْء قَدِير" وَمِنْهُ تَعْذِيب مَنْ وَالَاهُمْ،

تم فرمادو کہ اگر تمہارے دل میں یعنی دلوں میں ان کی محبت، جو بات چھپا دیا ظاہر کرو اللہ کو سب معلوم ہے، اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔ اور انہی کافروں سے دوستی کرنے والوں کیلئے عذاب ہے۔

یہ آیت دراصل پچھلی آیت ہی کی تفسیر ہے۔یعنی اے مسلمانو! اگر تم کفر کی محبت کو دل میں جگہ دو گے یا کافروں سے محبت کا برتاؤ رکھو گے تو تمہارے یہ باطنی اور ظاہری اعمال اللہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔لہٰذا تم اللہ کی دی ہوئی رعایت سے اسی قدر فائدہ اٹھاؤ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آ رہا ہو۔ورنہ یاد رکھو کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے۔وہ تمہیں دنیا میں بھی سزا دے سکتا ہے اور ذلیل ورسوا کر سکتا ہے اور آخرت کے عذاب سے بھی بچ نہ سکو گے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ
اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝
جس دن ہر جان ہر اس نیکی کو بھی حاضر پالے گی جو اس نے کی تھی اور ہر برائی کو بھی جو اس نے کی تھی،تو وہ آرزو کرے گی،کاش!
میرے اور اس برائی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا،اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے،اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

ہر شخص کیلئے اس کے اعمال کی جزاء ہونے کا بیان

اُذْكُرْ "يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ" هُ "مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ" هُ "مِنْ سُوْءٍ" مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ "تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا بَعِيْدًا" غَايَةً فِيْ نِهَايَةِ الْبُعْدِ فَلَا يَصِلُ اِلَيْهَا "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ" كُرِّرَ لِلتَّاْكِيْدِ "وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ"

جس دن ہر جان ہر اس نیکی کو بھی حاضر پالے گی جو اس نے کی تھی اور ہر برائی کو بھی جو اس نے کی تھی،اور یہاں "وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ" مبتداء کی خبر ہے۔تو وہ آرزو کرے گی،کاش! میرے اور اس برائی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا،یعنی اتنا دور ہوتا کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکتا۔اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے،اس کو تاکیدی طور پر مکرر بیان کیا گیا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

دائیں یا بائیں جانب اعمال دیکھائے جانے کا بیان

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بات نہ کریں اور اس دوران بندے اور رب کے درمیاں کوئی ترجمان نہ ہوگا پھر بندہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے بائیں طرف نظر دوڑائے گا تو اس طرف بھی اس کے کئے ہوئے اعمال ہی ہوں گے پھر جب سامنے کی طرف دیکھے گا تو اسے دوزخ نظر آئے گی پس اگر کسی میں اتنی بھی استطاعت ہو کہ وہ خود کو کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ کی آگ سے بچا سکے تو اسے چاہئے کہ ایسا ہی کرے ابوسائب سے روایات ہے کہ وکیع نے ایک دن یہ حدیث اعمش سے (روایت کرتے ہوئے) ہم سے بیان کی جب وکیع بیان کر چکے گا فرمایا اگر کوئی خراسان کا باشندہ یہاں ہو تو وہ یہ حدیث اہل خراسان کو سنا کر ثواب حاصل کرے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ جہمیہ اس بات کے منکر ہیں یہ حدیث حسن صحیح

ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 311)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○
اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا
اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اللہ کے تقرب کیلئے بھی بتوں کی پوجا کرنے کی ممانعت کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا مَا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَیْهِ "قُلْ" لَهُمْ یَا مُحَمَّدُ "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" بِمَعْنٰی یُثِیْبُكُمْ "وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْر" لِمَنْ اتَّبَعَنِیْ مَا سَلَفَ مِنْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ "رَحِیْم" بِهٖ،

اور جب مشرکین نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

یا محمد ﷺ تم ان سے فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا یعنی تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ یعنی جس نے میری اتباع کی، البتہ جو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

کسی عمل کے انجام دینے کی تشویق کیلئے جو کچھ اجر کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو اسکی تشویق دلائی جا رہی ہے وہ اسکی خواہش بھی رکھتے ہوں۔ فعل کی حجیت "اتبعونی" سے مستفاد ہوتی ہے اس بنا پر کہ اتباع سے مراد عملی اتباع ہو "اطیعوا" کے قرینہ سے کہ جس سے مراد کلام میں اتباع کرنا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۳۱ کے شان نزول کا تفسیری بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے جنہوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کئے تھے اور انہیں سجا سجا کر ان کو سجدہ کر رہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا اے گروہ قریش خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے دین کے خلاف ہو گئے قریش نے کہا ہم ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کریں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبت الٰہی کا دعویٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع و فرماں برداری کے بغیر قابلِ قبول نہیں جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے حضور ﷺ کی غلامی کرے اور حضور ﷺ نے بت پرستی کو منع فرمایا تو بت پرستی کرنے والا حضور ﷺ کا نافرمان اور محبت الٰہی کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

الحسن اور ابن جریج کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں

چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ ہم کو اپنے رب سے محبت ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

جو یبر نے الضحاک سے اس نے ابن عباس سے نقل کیا اس نے کہا کہ نبی کریم قریش کے پاس ٹھہرے قریش اس وقت خانہ کعبہ میں تھے انہوں نے بت نصب کیے ہوئے تھے ان بتوں کے گلے میں شتر مرغ کے انڈے آویزاں کیے ہوئے تھے اور ان کانوں میں بالیاں لٹکائی ہوئی تھیں اور یہ قریش ان بتوں کے آگے سجدے کرتے تھے نبی نے ان سے کہا: اے معشر قریش تم نے اپنے آباء واجداد ابراہیم اور اسماعیل کی ملت یعنی دین کی مخالفت کی ہے وہ دونوں اسلام پر تھے قریش نے جواب دیا کہ اے محمد ہم تو ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تا کہ یہ بت ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ۔ اور تم اس لیے ان بتوں کی پوجا کرتے ہو کہ وہ تمہیں اللہ کا قرب دلا دیں۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی تم میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا۔ پس میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اور اس کا رسول ہوں اور تم پر اس کی حجت ہوں میں تمہارے ان بتوں کے مقابلے میں تمہاری تعظیم کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہوں۔

الکلبی کی روایت ہے جو انہوں نے ابوصالح اور ابن عباس سے روایت کی کہ جب یہود نے کہا نحن ابناء اللہ یعنی ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے چہیتے ہیں تو اللہ نے یہ آیت نازل کی جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے یہود کے سامنے پیش کیا یہود نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے محمد بن جعفر بن الزبیر سے روایت کی اس نے کہا کہ آیت نجران کے انصاری کے بارے میں نازل ہوئی یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم صرف اللہ کی محبت اور اس کی تعظیم کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس پر اللہ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل کی۔

اللہ کی محبت حاصل ہونے والے کیلئے انعام کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو آواز دے کر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل آسمان سے اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور زمین والوں میں اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2351)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ○
آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم

"قُلْ" لَهُمْ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ التَّوْحِيْدِ "فَاِنْ تَوَلَّوْا" اَعْرَضُوْا عَنِ الطَّاعَةِ

"فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ" فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اَیْ لَا يُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ،

آپ ﷺ ان سے فرمادیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو توحید میں سے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں یعنی اطاعت سے اعراض کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں پر اسم ظاہر کو ضمیر کے مقام پر لایا گیا ہے۔ یعنی وہ ان سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا۔

نبی کریم ﷺ کی سنت سے محبت کرنے والے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر فرمایا، اے میرے بیٹے! یہی میری سنت ہے لہٰذا جس آدمی نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 170)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پسند کرنے پر یہ خوشخبری ہے تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت وخوش بختی کی بات ہوگی۔ ذرا غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پسند کرنے والوں کا کتنا بڑا مرتبہ ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیت کا شرف حاصل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہان کی تمام نعمتیں اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف یہ نعمت ہو تو یقیناً سعادت وخوشی کے اعتبار سے یہ نعمت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنت کو محبوب رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ (آمین)۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
بیشک اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سب جہان والوں پر منتخب فرمالیا۔

اللہ اپنے نیک بندوں کو چن لیتا ہے

"اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى" اخْتَارَ "اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ" بِمَعْنٰى اَنْفُسِهِمَا "عَلَى الْعَالَمِيْنَ" بِجَعْلِ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِمْ،

بیشک اللہ نے آدم علیہ السلام کو اور نوح علیہ السلام کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران یعنی ان دونوں کو سب جہان والوں پر فضیلت دی۔ یعنی ان کے نسب سے انبیاء کرام مبعوث کیے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۳۳ کے سبب نزول کا بیان

یہود نے کہا تھا کہ ہم حضرت ابراہیم واسحٰق و یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں اور انہیں کے دین پر ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اسلام کے ساتھ برگزیدہ کیا تھا اور تم اے یہود اسلام پر نہیں ہو تو تمہارا یہ دعوٰی غلط ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو تمام جہان پر فضیلت عنایت فرمائی، حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اپنی روح ان میں پھونکی ہر چیز کے نام انہیں بتلائے، جنت میں انہیں بسایا پھر اپنی حکمت کے اظہار کے لئے زمین پر اتارا، جب زمین پر بت پرستی قائم ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا، حضرت نوح نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے ایک نہ سنی تو نوح علیہ السلام کے فرماں برداروں کے سوا باقی سب کو پانی کے عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا۔ خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی عنایت فرمائی اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا، عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں، ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحاق یہ ہے، عمران بن ہاشم بن میثا بن خرقیا بن اسیث بن ایاز بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام، پس عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
یہ ایک ہی نسل ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

"ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ" وَلَدِ "بَعْضٍ" مِنْهُمْ،

یہ ایک ہی نسل ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ذریت کے معانی واشتقاق کا بیان

ذریۃ۔ اولاد۔ اصل میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو ذریۃ کہتے ہیں۔ مگر عرف عام میں چھوٹی بڑی سب والا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ یا تو ذرء سے مشتق ہے جس کے معنی پیدا کرنے اور پھیلانے کے ہیں۔ اور اس کا ہمزہ متروک ہو گیا ہے۔ جیسے ردیۃ اور بریۃ۔ یا اس کی اصل ذرویۃ ہے۔ یا ذر سے بمعنی بکھیرنا۔ فعلیۃ کے وزن پر جیسے قمریۃ ہے۔ اس کی جمع ذرائی اور ذریات ہے۔

ذریۃ بعضھا من بعض ایک نسل جس کے بعض بعض کی اولاد تھے۔ بعضھا من بعض۔ ذریۃ کی صفت ہے۔

نسبی شرف کی اہمیت کا بیان

- ہشام بن عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی ہجو بیان کرنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نسب کا کیا کرو گے (یعنی مشرکین میں بعض کا ہم سے نسبی تعلق ہے اگر ان کی ہجو کرو گے تو میری بھی ہجو ہوگی) حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کو اس سے اس طرح نکال دوں گا جس طرح بال آٹے سے نکالا جاتا ہے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے نقل کیا انہوں نے کہا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہو اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیتے تھے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1090)

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج
اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ○
اور جب عمران کی بیوی نے عرض کیا: اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے آزاد کر کے خالص تیری نذر کرتی ہوں
لہٰذا تو میری طرف سے قبول فرمالے، بیشک تو خوب سننے خوب جاننے والا ہے۔

زوجہ عمرانؑ کا منت ماننے کا بیان

اُذْکُرْ "اِذْ قَالَتْ امْرَاَۃ عِمْرَان " حَنَّۃ لَمَّا اَسَنَّتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتْ اللّٰہ وَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ یَا "رَبّ اِنِّیْ نَذَرْت" اَنْ اَجْعَل "لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا" عَتِیقًا خَالِصًا مِنْ شَوَاغِل الدُّنْیَا لِخِدْمَۃِ بَیْتک الْمُقَدَّس "فَتَقَبَّلْ مِنِّی اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْع" لِلدُّعَاءِ "الْعَلِیْم" بِالنِّیَّاتِ وَهَلَکَ عِمْرَان وَهِیَ حَامِل،

اور یاد کریں جب عمران کی بیوی نے عرض کیا، جو حنہ تھیں جب وہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور ان کو بچے کی خواہش ہوئی اور اللہ سے دعا کی اور حمل کو محسوس کیا۔ اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے آزاد کر کے خالص تیری نذر کرتی ہوں یعنی دنیاوی مصروفیات سے آزاد کر کے صرف بیت المقدس کی خدمت میں دوں گی۔ سو تو میری طرف سے قبول فرمالے، بیشک تو دعا خوب سننے والا، نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور عمران کا انتقال ہو گیا جبکہ وہ ابھی حاملہ تھیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۳۵ کے مضمون نزول کا بیان

ایک روز حنّہ نے ایک درخت کے سایہ میں ایک چڑیا دیکھی جو اپنے بچہ کو بھرا رہی تھی یہ دیکھ کر آپ کی دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یارب اگر تو مجھے بچہ دے تو میں اس کو بیت المقدس کا خادم بناؤں اور اس خدمت کے لئے حاضر کر دوں جب وہ حاملہ ہوئیں اور انہوں نے یہ نذر مان لی تو ان کے شوہر نے فرمایا: کہ یہ تم نے کیا کیا اگر لڑکی ہوگی تو وہ اس قابل کہاں ہے اس زمانہ میں لڑکوں کو خدمت بیت المقدس کے لئے دیا جاتا تھا اور لڑکیاں عوارض نسائی اور زنانہ کمزوریوں اور مردوں کے ساتھ نہ رہ سکنے کی وجہ سے اس قابل نہیں سمجھی جاتی تھیں اس لئے ان صاحبوں کو شدید فکر لاحق ہوئی اور حنّہ کے وضع حمل سے قبل

عمران کا انتقال ہو گیا۔

مریم بنت عمران

حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حسنہ بنت فاقوذ تھا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حضرت محمد اسحاق فرماتے ہیں انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کردوں گی، پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے، اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہو گا یا لڑکی جب پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ
كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝
پھر جب اس نے لڑکی جنم دیا تو عرض کرنے لگی، مولا! میں نے تو اس لڑکی کو جنم ہے، حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ اسے خوب
جانتا تھا، اور لڑکا، ہرگز اس لڑکی جیسا نہیں تھا، اور میں نے اس کا نام ہی مریم رکھ دیا ہے اور بیشک میں اس کو اور اس کی اولاد کو
شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

بچی کے ذریعے نذر کو پورا کرنے کا بیان

"فَلَمَّا وَضَعَتْهَا" وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وَكَانَتْ تَرْجُو اَنْ يَّكُوْنَ غُلَامًا اِذْ لَمْ يَكُنْ يُّحَرَّرُ اِلَّا الْغِلْمَان "قَالَتْ" مُعْتَذِرَةً يَا "رَبِّ اِنِّي وَضَعْتُهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" اَيْ عَالِم "بِمَا وَضَعَتْ" جُمْلَةُ اعْتِرَاض مِنْ كَلَامه تَعَالٰى وَفِيْ قِرَاءَة بِضَمِّ التَّاء "وَلَيْسَ الذَّكَر" الَّذِيْ طَلَبَتْ "كَالْاُنْثٰى" الَّتِيْ وَهَبَتْ لِاَنَّهُ يُقْصَد لِلْخِدْمَةِ وَهِيَ لَا تَصْلُح لِضَعْفِهَا وَعَوْرَتهَا وَمَا يَعْتَرِيهَا مِنْ الْحَيْض وَنَحْوه "وَاِنِّي سَمَّيْتهَا مَرْيَم وَاِنِّي اُعِيذهَا بِكَ وَذُرِّيَّتهَا" اَوْلَادهَا "مِنْ الشَّيْطَان الرَّجِيم" الْمَطْرُود فِي الْحَدِيث (مَا مِنْ مَوْلُود يُوْلَد اِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَان حِيْن يُوْلَد فَيَسْتَهِلّ صَارِخًا اِلَّا مَرْيَم وَابْنهَا) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ.

پھر جب اس نے لڑکی جنم دیا جبکہ ان کو لڑکے کی امید تھی کیونکہ لڑکوں کو آزاد کیا جاتا تھا۔ تو معذرت کے ساتھ عرض کرنے لگی، مولا! میں نے تو یہ لڑکی جنم دی ہے، کلام الٰہی میں جملہ معترضہ ہے اور ایک قرأت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ

آیا ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ اسے خوب جانتا تھا، اور لڑکا، ہرگز اس لڑکی جیسا نہیں تھا، یعنی بیت المقدس کی خدمت کیلئے، کیونکہ بچی کمزوری اور حیض وغیرہ جیسے عوارض کے سبب خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور میں نے اس کا نام ہی مریم رکھ دیا ہے اور بیشک میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ جس طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو شیطان مس کر لیتا ہے جس وہ چیختا ہے۔ جبکہ مریم اور ان کے بیٹے کو شیطان نے مس نہیں کیا۔ اس کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

واللہ اعلم بما وضعت و لیس الذکر کالانثی

یہ اس صورت میں ہے کہ "الانثی" میں الف لام عہد حضوری کا ہو یعنی جو بیٹا تم چاہتی تھیں اس بیٹی کی طرح نہیں ہو سکتا جو ہم نے تم کو دی ہے۔ اس قسم کا انداز حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عظیم شخصیت پر دلالت کرتا ہے۔

بما وضعت بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حسنہ کا تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور "تا" کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے، اور فرماتی ہے کہ مرد وعورت برابر نہیں، میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا،

حضرت مریم کی پیدائش کا مس شیطان سے محفوظ ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی آدم میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے پس وہ چیخ کر آواز بلند کرتا ہے شیطان کے چھونے کی وجہ سے مگر مریم اور ان کے لڑکے (پر شیطان کا یہ اثر نہیں ہو سکا) پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ اس کی وجہ مریم کی والدہ کی یہ دعا ہے) کہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 693)

بچے کا نام رکھنے اور عقیقہ کرنے کا بیان

اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر ابراہیم رکھا ملاحظہ ہو بخاری مسلم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو جبکہ وہ تولد ہوئے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا، یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھو (بخاری)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سید رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ حاضر خدمت نبوی ہوئے تا کہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا۔ حضرت ابو اسید نے بچے کو واپس گھر بھیج

دیا جب آپ فارغ ہوئے بچے کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا اس کا نام منذر رکھو (یعنی ڈرادینے والا)

مسند احمد اور سنن میں ایک اور حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ میں گروی ہے ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے، اور بچہ کا سر منڈوائے، ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے واللہ اعلم. لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے اور یہ تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی۔ حضرت مریم علیہا السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ط كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا
زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ج قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ط
اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ o
پس اس کے رب نے اس (مریم) کو اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمالیا اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور اس کی
نگہبانی زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کردی، جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے
پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لئے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا:
یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کرامات کا بیان

"فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا" اَیْ قَبِلَ مَرْيَمَ مِنْ اُمِّهَا "بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا" اَنْشَاَهَا بِخُلُقٍ حَسَنٍ فَكَانَتْ تَنْبُتُ فِي الْيَوْمِ كَمَا يَنْبُتُ الْمَوْلُودُ فِي الْعَامِ وَاَتَتْ بِهَا اُمُّهَا الْاَحْبَارَ سَدَنَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَتْ : دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيرَةَ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا لِاَنَّهَا بِنْتُ اِمَامِهِمْ فَقَالَ زَكَرِيَّا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِي فَقَالُوْا لَا حَتّٰى نَقْتَرِعَ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ اِلٰى نَهْرِ الْاُرْدُنِّ وَاَلْقَوْا اَقْلَامَهُمْ عَلٰى اَنَّ مَنْ ثَبَتَ قَلَمُهُ فِي الْمَاءِ وَصَعِدَ اَوْلٰى بِهَا فَثَبَتَ قَلَمُ زَكَرِيَّا فَاَخَذَهَا وَبَنٰى لَهَا غُرْفَةً فِي الْمَسْجِدِ بِسُلَّمٍ لَا يَصْعَدُ اِلَيْهَا غَيْرُهُ وَكَانَ يَاْتِيهَا بِاَكْلِهَا وَشُرْبِهَا وَدُهْنِهَا فَيَجِدُ عِنْدَهَا فَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ وَفَاكِهَةَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى "وَكَفَلَهَا زَكَرِيَّاءُ" ضَمَّهَا اِلَيْهِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالتَّشْدِيدِ وَنَصْبِ زَكَرِيَّا مَمْدُوْدًا وَّمَقْصُوْرًا وَّالْفَاعِلُ اللّٰهُ "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ" الْغُرْفَةَ وَهِيَ اَشْرَفُ الْمَجَالِسِ "وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى" مِنْ اَيْنَ "لَكِ هٰذَا قَالَتْ" وَهِيَ

صَغِيرَة "هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ " يَأْتِيْنِيْ بِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ "اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" رِزْقًا وَّاسِعًا بِلَا تَبِعَةٍ،

پس اس کے رب نے اس مریم کو ان کی والدی سے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمالیا اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا۔ یعنی وہ ایک دن میں اتنی بڑی ہو جاتی تھیں عام بچہ جتنا سال میں بڑا ہوتا ہے۔ تو ان والدہ احبار کے پاس ان کو لے کر آئیں تا کہ بیت المقدس کی خدمت کریں تو آپ کی والدہ نے کہا اس نذر والی بچی کو لے لو تو انہوں نے اس میں رغبت کی۔ کیونکہ وہ ان کے امام کی بیٹی تھی۔ جبکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ اس کی خالہ ان کے ہاں تھی۔ تو ان احبار نے کہا کہ قرعہ اندازی کرنی پڑے گی۔ تو یہ ۲۹ افراد نہر اردن کی طرف چلے۔ اور یہ طے کرتے ہوئے اپنی قلموں کو اس میں ڈال دیا کہ جس کی قلم ثابت رہ گئی یعنی پانی کی سطح پر آئی تو بچی کو کفالت کیلئے اسی کے سپرد کیا جائے گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ثابت رہا لہٰذا کفالت کیلئے انہوں نے لے لیا۔ اور مسجد میں ایک کمرہ بنایا جس میں صرف حضرت زکریا علیہ السلام ہی جاتے تھے۔ اور ان کیلئے کھانا پینا اور تیل دینے آتے تھے۔ تو آپ ان کے پاس موسم گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں پاتے۔ جس طرح اللہ نے بیان کیا ہے۔ لہٰذا آپ نے کفالت کی۔ ایک قرأت میں کفل تشدید کے ساتھ اور زکریا مد کے ساتھ مقصورہ آیا ہے اور لفظ اللہ فاعل ہے۔ اور اس کی نگہبانی زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کر دی، جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ کے کمرے میں داخل ہوتے اور وہی اچھی جگہ تھی۔ تو وہ اس کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لئے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا حالانکہ وہ کم سن تھیں، یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔ یعنی بغیر محنت کے وسیع رزق عطا فرماتا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی واشتقاق کا بیان

انبتھا ۔ انبات (افعال) مصدر بمعنی اگانا۔ بڑھانا۔ اس نے اس کو بڑھایا (جاندار کے لئے) اس نے اس کو اگایا۔ (نباتات کے لئے) ای ربھا الرب تربیۃ حسنۃ فی عبادۃ وطاعۃ لربھا (روح المعانی)

کفلھا زکریا ۔ اس نے (اللہ نے) اس کو (مریم کو) زکریا کی کفالت میں دیدیا۔ کفل ماضی واحد مذکر غائب۔ تکفیل (تفعیل) مصدر ھا ضمیر مفعول واحد مونث غائب۔ کفل کا فاعل اللہ۔ یعنی اللہ نے زکریا کو مریم کا کفیل بنا دیا۔ اس صورت میں ھا ضمیر مفعول اول اور زکریا مفعول دوم ہوگا۔ لیکن تکفیل کے معنی کسی کو اپنی کفالت (ذمہ داری) میں لے لینا بھی ہے۔ اس لئے زکریا فاعل بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی زکریا نے مریم کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا۔ کفل (باب نصر) بمعنی کسی کو اپنی ذمہ داری میں لے لینا۔ کفیل ذمہ دار۔

یہ،اذ قالت" آیت 35 کے "اذ قالت" پر عطف ہے اور" اصطفی آلِ عمران" کے لیئے ظرف ہے یعنی اس وقت حضرت عمران کے خاندان کو چن لیا گیا جب حضرت مریم کو اللہ نے پاکیزہ کیا اور برگزیدہ کرلیا۔

سورہ آلِ عمران آیت ۳۷ کے مضمون نزول کا بیان

اور نذر میں لڑکے کی جگہ حضرت مریم کو قبول فرمایا حَنَّہ نے ولادت کے بعد حضرت مریم کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیتُ المقدِس میں احبار کے سامنے رکھ دیا یہ احبار حضرت ہارون کی اولاد میں تھے اور بیتُ المقدِس میں ان کا منصب ایسا تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں حجبہ کا چونکہ حضرت مریم ان کے امام اور ان کے صاحب قربان کی دختر تھیں اور ان کا خاندان بنی اسرائیل میں بہت اعلیٰ اور اہل علم کا خاندان تھا اسلیئے ان سب نے جن کی تعداد ستائیس تھی حضرت مریم کو لینے اور ان کا تکفل کرنے کی رغبت کی حضرت زکریا نے فرمایا کہ میں ان کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں معاملہ اس پر ختم ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے قرعہ حضرت زکریا ہی کے نام پر نکلا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا تعارف

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حفصہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمالیا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی، ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں، حضرت زکریا کو ان کا کفیل بنادیا ابن اسحاق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم ہوگئی تھیں، لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، ہوسکتا ہے کہ دونوں وجوہات اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں،

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے، اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بیموسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے۔

اولیائے کرام کی کرامت کے برحق ہونے کا بیان

حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابو الشعثاء، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ضحاک، حضرت قتادہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت عطیہ عوفی، حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں، حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے، اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے، وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے،

برکت اور خیر کثیر اللہ کی طرف سے ہونے کا بیان

مسند حافظ ابو یعلی میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہ میں کھالوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں، اللہ کے نبی ﷺ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے، میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذار دیں گے اور اللہ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دوں گی، پھر حضرت حسن یا حسین کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے ہی میں ملے اور ساتھ ہو لئے، آپ آئے تو کہنے لگیں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے، آپ نے فرمایا میری پیاری بچی لے آؤ، اب جو طشت کھولا تو دیکھتی ہے کہ روٹی سالن سے ابل رہا ہے دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے، اللہ کا شکر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے، آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا، انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ نے حضرت علی نے اور حضرت فاطمہ نے اور حضرت حسین نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝
اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما،
بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

نیک بیٹے کی دعا مانگنے کا بیان

"هُنَالِكَ" اَیْ لَمَّا رَاٰی زَكَرِيَّا ذٰلِكَ وَعَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْاِتْيَانِ بِالشَّیْءِ فِیْ غَيْرِ حِيْنِهٖ قَادِرٌ عَلَى الْاِتْيَانِ بِالْوَلَدِ عَلَى الْكِبَرِ وَكَانَ اَهْلُ بَيْتِهٖ انْقَرَضُوْا "دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ" لَمَّا دَخَلَ الْمِحْرَابَ لِلصَّلَاةِ جَوْفَ اللَّيْلِ "قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ" مِنْ عِنْدِكَ "ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً" وَلَدًا صَالِحًا "اِنَّكَ سَمِيْعُ

مُجیب "الدعاء"

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اسی جگہ پر دیکھا اور سمجھ لیا کہ قدرت والا اگر چاہے تو وہ بڑھاپے میں اولاد عطا فرما دیتا ہے حالانکہ ان کے گھر والے انتقال کر گئے تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: جب وہ رات کے پچھلے پہر میں محراب میں داخل ہوئے، میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، یعنی نیک بیٹا عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ یعنی دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اولاد انس کیلئے کرنے کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا جو انہوں نے اپنے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو دی تھی (صحیح بخاری: 2334)

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ نے میری اولاد اور مال میں بہت برکت عطا فرمائی حتی کہ میری اولاد آج ایک سو تک پہنچ چکی ہے۔ (صحیح مسلم: 2481)

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝
تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے۔ یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے
ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے ہے۔

فرشتوں نے مسجد میں آکر بیٹے کی خوشخبری سنائی

"فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ" اَیْ جِبْرِيل "وَهُوَ قَائِم يُصَلِّي فِي الْمِحْرَاب" اَیْ الْمَسْجِد "اَنَّ" اَیْ بِاَنَّ وَفِي قِرَاءَة بِالْكَسْرِ بِتَقْدِيرِ الْقَوْل "اللّٰه يُبَشِّرك" مُثَقَّلًا وَّمُخَفَّفًا "بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ" كَائِنَة "مِنَ اللّٰه" اَیْ بِعِيسَى اَنَّهُ رُوح اللّٰه وَسُمِّيَ كَلِمَة لِاَنَّهُ خُلِقَ بِكَلِمَةِ كُنْ "وَسَيِّدًا" مَتْبُوعًا "وَحَصُورًا" مَمْنُوعًا مِنَ النِّسَاء "وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ" رُوِيَ اَنَّهُ لَمْ يَعْمَل خَطِيئَة وَلَمْ يَهُمّ بِهَا.

تو فرشتوں یعنی جبریل نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ یعنی مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں پر ''ان'' ''بان ہے اور ایک قرأت میں کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی تقدیری قول کے ساتھ، بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے۔ اور یہاں ''یُبَشِّرُكَ'' ثقل وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا یعنی عیسیٰ علیہ السلام جو روح اللہ ہیں اور نام کلمہ رکھا جاتا ہے کیونکہ ان کی تخلیق کلمہ کن سے ہوئی ہے۔ اور سردار یعنی کس اتباع کی جائے گی اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے ہے۔ یعنی وہ غلطی والا عمل نہ کرے گا اور نہ اس کا اہتمام کرے گا۔

لفظ "حصور" کا معنی ومطلب؟: یہ لفظ یعنی "حصور" حصر سے ماخوذ ہے جس کے معنی لغت میں حبس اور منع، یعنی روکنے کے آتے ہیں۔ یعنی وہ اس قدر پاکیزہ بچہ ہوگا کہ ناجائز امور تو درکنار، وہ اپنے نفس کو جائز شہوات وخواہشات سے بھی پاک، صاف اور دور رہے گا اور وہ خالص اللہ کا بندہ اور آخرت کیلئے ہو کر رہے گا۔

رسالت وکلمہ ہونے کی بشارت سنانے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر مردوں میں تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی ابن وہب یونس ابن شہاب سعید بن مسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قریش کی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والی تمام عورتوں (یعنی عرب عورتوں) سے بہتر ہیں سب سے زیادہ بچہ سے محبت رکھنے والی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی ہیں اس کے بعد ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ اس کے متابع حدیث زہری کے بھتیجے۔

اور اسحاق کلبی نے زہری سے روایت کی ہے اور قول الٰہی اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ کی شان میں غلط بات نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول اور اس کے ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اس کی طرف سے ایک جان ہیں سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین اللہ ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہے ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ کلمتہ سے مراد (اللہ کا یہ فرمانا ہے کہ) کن بس وہ کام ہو جاتا ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ روح منہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے انہیں زندہ کیا اور روح دی اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 695)

بطن مادر میں رہ کر سجدہ کرنے کی عجیب عبادت کا بیان

حضرت زکریا علیہ السلام عالم کبیر تھے۔ قربانیاں بارگاہ الٰہی میں آپ ہی پیش کیا کرتے تھے اور مسجد شریف میں بغیر آپ کے اذن کے کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا جس وقت محراب میں آپ نماز میں مشغول تھے اور باہر آدمی دخول کی اجازت کا انتظار کر رہے تھے دروازہ بند تھا اچانک آپ نے ایک سفید پوش جوان دیکھا وہ حضرت جبریل تھے انہوں نے آپ کو فرزند کی بشارت دی جو "اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ" میں بیان فرمائی گئی۔

کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے کن فرما کر بغیر باپ کے پیدا کیا اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے والے حضرت یحیٰی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے یہ دونوں حضرات خالہ زاد بھائی تھے حضرت یحیٰی کی والدہ اپنی بہن حضرت مریم سے ملیں تو انہیں اپنے حاملہ ہونے پر مطلع کیا حضرت مریم نے

فرمایا میں بھی حاملہ ہوں حضرت یحییٰ کی والدہ نے کہا: اے مریم مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ کا بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ
يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○
عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے،
فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۹۸ سال کی عمر میں اولاد ہونے پر اظہار تعجب کا بیان

"قَالَ رَبِّ اَنّٰى" كَيْفَ "يَكُوْنُ لِىْ غُلَام" وَلَد "وَقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ" اَىْ بَلَغْتُ نِهَايَةَ السِّنِّ مِائَةَ وَعِشْرِيْنَ سَنَةً "وَامْرَاَتِىْ عَاقِر" بَلَغَتْ ثَمَانِيَةً وَتِسْعِيْنَ سَنَةً "قَالَ" الْاَمْر "كَذٰلِكَ" مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ غُلَامًا مِنْكُمَا "اللّٰه يَفْعَل مَا يَشَاء" لَا يُعْجِزُهُ عَنْهُ شَىْء وَلِاِظْهَارِ هٰذِهِ الْقُدْرَة الْعَظِيْمَة اَلْهَمَهُ السُّؤَال لِيُجَابَ بِهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسه اِلٰى سُرْعَة الْمُبَشَّر بِهٖ،

عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے یعنی ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی۔ اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، یعنی ان کی عمر ۹۸ سال ہو چکی تھی۔ فرمایا: اسی طرح یعنی اللہ کی تخلیق سے تمہارے لئے بیٹا ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی چیز اس کو اس طرح اظہار قدرت سے عاجز کرنے والی نہیں ہے۔ اور ان کو سوال کا الہام کیا تا کہ اپنی قدرت کے اظہار کیلئے اس کا جواب دیا جائے۔ اور جب زکریا علیہ السلام کی آرزو خوشخبری کیلئے جلدی کی طرف بڑھنے لگی۔

حضرت زکریا کے تعجب واستعجاب کا ذکر و بیان

ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرت زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے یہاں کوئی لڑکا کس طرح ہوگا جبکہ میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ گیا ہوں۔ یعنی ایسے آخری درجے کا بڑھاپا جس میں عادةً بچہ پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس برس ہو چکی تھی، اور آپ کی بیوی کی اٹھانوے برس۔ (مفوۃ)

اور اس عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ایسی صورت حال میں بچہ پیدا ہونے کی شکل کیا ہوگی، جبکہ بظاہر یہ چیز بہت بعید از امکان نظر آتی ہے۔ سو اس سوال کے جواب سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے انتہا درجے کے بڑھاپے میں بھی نعمت اولاد سے سرفراز فرما سکتا ہے کہ اس کی شان (عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْر) کی شان ہے وہ جو چاہے اور جب اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لیے وہاں پر نہ کسی تعجب کی گنجائش ہے نہ کسی اچنبھے کی۔

بیوی کے بانجھ پن کے عذرو مانع کا ذکر

حضرت زکریا نے اپنے تعجب واستعجاب کے بارے میں عذر مزید کے طور پر کہا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ سو وہ بانجھ ہونے کے باعث پہلے سے ہی بچہ جننے کے قابل نہیں، تو "یک نہ شد دو شد" والا معاملہ ہو گیا کہ ایک تو بڑھاپا اس قدر آ گیا ہے، جس میں عادۃً بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا، اور دوسرا بیوی کا بانجھ پن اس پر مزید رکاوٹ ہے۔ تو اس طرح بچے اور اولاد سے سرفرازی کے عادی اسباب مفقود ہیں تو پھر بچے سے سرفرازی کی یہ سعادت کس طرح حاصل ہو سکے گی؟ سو اس سوال سے حضرت زکریا نے نہایت حسین وبلیغ انداز میں اس بشارت کی تصدیق کی طلب ودرخواست پیش کر دی۔ ان کے سامنے اس بشارت کے وقوع وظہور میں جو رکاوٹیں تھیں وہ انہوں نے بیان کر دیں اور اس طرح چاہا کہ اس کی تصدیق حاصل کر لیں کہ ان رکاوٹوں کے باوجود اس بشارت کے ظاہر ہونے کی شکل کیا ہو گی؟ تا کہ اس طرح وہ بشارت کے حصول کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔

قدرت خداوندی سلسلہ اسباب کی پابند نہیں

حضرت زکریا کے اس تعجب واستعجاب کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہی ہو گا۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قادرِ مطلق کی قدرت مطلقہ اسباب ومسببات کے ظاہری سلسلہ کی پابند نہیں۔ کہ وہ قادر مطلق ہے جو چاہے اور جیسے چاہے کرے، اس کی قدرت ومشیت اسباب کی پابند نہیں ہے بلکہ تمام اسباب اس کی قدرت کے محتاج ہیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۠
عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما، فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے
سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے، اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو۔

تین دن رات تک کلام نہ کرنے کا بیان

"قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً" اَيْ عَلَامَةً عَلٰى حَمْلِ امْرَاَتِي "قَالَ آيَتُكَ" عَلَيْهِ "اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ" اَيْ تَمْتَنِعَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى "ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ" اَيْ بِلَيَالِيْهَا "اِلَّا رَمْزًا" اِشَارَةً "وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ" صَلِّ "بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ" اَوَاخِرَ النَّهَارِ وَاَوَائِلَهُ،

عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما، یعنی جو میری عورت کے حاملہ ہونے پر نشانی ہو۔ فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن رات تک اللہ کے ذکر کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے، البتہ اشارے سے کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو۔ یعنی دن کے شروع اور اس کے آخر میں اسی کی تسبیح کو بیان کرو۔

زبان کا معجزانہ طور پر کلام کرنے سے رک جانے کا بیان

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آدمیوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے زبان مبارک تین روز تک بند رہی اور تسبیح وذکر پر آپ قادر رہے اور یہ ایک عظیم معجزہ ہے کہ جس میں جوارح صحیح وسالم ہوں اور زبان سے تسبیح وتقدیس کے کلمات ادا ہوتے رہیں مگر لوگوں کے ساتھ گفتگو نہ ہو سکے اور یہ علامت اس لئے مقرر کی گئی کہ اس نعمتِ عظیمہ کے ادائے حق میں زبان ذکر وشکر کے سوا اور کسی بات میں مشغول نہ ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ آل عمران، ضیاء القرآن لاہور)

تین دن کے عدد سے ہماری شریعت سے مطابقت کا بیان

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے وہ دونوں ملیں تو یہ اس طرف منہ پھیر لے اور وہ (اس طرف) منہ پھیر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر دوسرے بھائی کو اس کے بات نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو صرف سلام سے قطع تعلق ختم نہیں ہوگا بلکہ پہلے جیسے تعلقات بحال کرنے سے ختم ہوگا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ٥
اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم، بیشک اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طہارت کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اِذْ قَالَتْ الْمَلَائِكَة" اَیْ جِبْرِیل "یَا مَرْیَم اِنَّ اللّٰه اصْطَفَاك" اخْتَارَك "وَطَهَّرَك" مِنْ مَسِیس الرِّجَال "وَاصْطَفَاك عَلٰی نِسَاء الْعَالَمِیْنَ" اَیْ اَهْل زَمَانك،

اور یاد کریں جب فرشتوں یعنی جبریل نے کہا، اے مریم، بیشک اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے۔ یعنی مردوں کے مس کرنے سے پاک کر دیا ہے۔ اور اس زمانے کی تمام عورتوں پر مرتبہ دیا ہے۔

جنتی خواتین کی فضیلت کا بیان

صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اور اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں، حضرت مریم بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئی،

بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت

حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں (رضی اللہ عنہما) ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ فرعون کی بیوی ہیں (رضی اللہ عنہما) اور حدیث میں ہے یہ چاروں عورتیں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں اور حدیث میں ہے مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں، مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝
اے مریم! تم اپنے رب کی بڑی عاجزی سے بندگی بجالاتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی اطاعت الٰہی کا بیان

"يَا مَرْيَمُ اُقْنُتِى لِرَبِّكِ" اَطِيعِيهِ "وَاسْجُدِى وَارْكَعِى مَعَ الرَّاكِعِينَ" اَىْ صَلِّى مَعَ الْمُصَلِّينَ،

اے مریم! تم اپنے رب کی بڑی عاجزی سے بندگی بجالاتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

حضرت مریم علیہا السلام کے طویل قیام ورکوع کا بیان

حضرت اوزاعی فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم آجاتا تھا قنوت سے مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ
مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۝
یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ
مریم کس کی پرورش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

حضرت مریم وزکریا علیہا السلام کا واقعہ علم غیب تھا

"ذٰلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ اَمْر زَكَرِيَّا وَمَرْيَم "مِنْ اَنْبَاء الْغَيْب" اَخْبَار مَا غَابَ عَنْك "نُوحِيهِ اِلَيْك" يَا

مُحَمَّدُ "وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ" فِي الْمَاءِ يَقْتَرِعُوْنَ لِيَظْهَرَ لَهُمْ "أَيُّهُمْ يَكْفُلُ" يُرَبِّي "مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ" فِي كَفَالَتِهَا فَتَعْرِفَ ذٰلِكَ فَتُخْبِرَ بِهِ وَإِنَّمَا عَرَفْتَهُ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ،

یہ یعنی حضرت زکریا اور حضرت مریم کا ذکر غیب کی خبریں ہیں۔ یعنی جو آپ سے پہلے واقعات تھے۔ اے محمد ﷺ کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے پانی میں قرعہ ڈالتے تھے تاکہ وہ قرعہ اندازی ان پر ظاہر کر دے۔ کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ مریم کی کفالت میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ اس واقعہ کو جانتے ہیں لہٰذا آپ اس کی خبر بیان کریں کیونکہ آپ نے اس کو وحی کے ذریعے پہچان لیا ہے۔

انبیائے کرام کو علم غیب کی وحی آنے کا بیان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کا علم غیب بھی ہے۔ اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ علم غیب ذاتی تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں مگر اللہ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی اپنے نبیوں اور رسولوں وغیرہ کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔ یہ علم غیب عطائی کہلاتا ہے قرآن مجید میں ہے کہ

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن، آیت 26، پارہ (29)

(اللہ) عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص

. (سورہ آل عمران، آیت 179، پارہ 4)

اللہ کی شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے شمار غیوب کا علم عطا فرمایا۔ اور آپ نے ہزاروں غیب کی خبریں اپنی امت کو دیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ تو قرآن مجید میں ہے باقی ہزاروں غیب کی خبروں کا ذکر احادیث کی کتابوں اور سیر و تواریخ کے دفتروں میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ (سورہ ہود، آیت 49، پارہ 12)

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ بعض جہلاء سکالری نظریے کے حامل نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے منکر ہیں۔ انہیں یہ آیات اس لئے سمجھ نہیں آتیں کیونکہ وہ گونگے بہرے اور نابینا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ کن لوگوں کے نظریاتی

فسادات کو امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے آمین،

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۝
جب فرشتوں نے مریم سے کہا، اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا
رُودار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا ہے۔

کلمہ مبارکہ کی خوشخبری کا بیان

"اِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ" اَیْ جِبْرِیلُ "يَا مَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ" اَیْ وَلَد "اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ" خَاطَبَهَا بِنِسْبَتِهِ اِلَيْهَا تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّهَا تَلِدُهُ بِلَا اَب اِذْ عَادَةُ الرِّجَالِ نِسْبَتُهُمْ اِلٰى اٰبَائِهِمْ "وَجِيْهًا" ذَا جَاهٍ "فِي الدُّنْيَا" بِالنُّبُوَّةِ "وَالْاٰخِرَةِ" بِالشَّفَاعَةِ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلَا "وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ" عِنْدَ اللّٰهِ،

جب فرشتوں یعنی جبریل نے مریم سے کہا، اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ یعنی بیٹے کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا رُودار ہوگا جن کو ان کی والدہ کی نسبت سے یاد کیا جائے گا کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ جبکہ لوگوں میں عرف یہ ہے کہ وہ اپنے باپ سے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دنیا میں نبوت کے ساتھ عزت والا ہوگا اور آخرت میں شفاعت اور بلند درجات والا ہوگا اور اللہ کے نزدیک قرب والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

امام رازی فرماتے ہیں کہ انہ خلق (عیسی) بکلمة اللہ وھو قولہ کن فیکون۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنے قول کن سے پیدا کیا۔ یہاں کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے

المسیح۔ بعض علماء کے نزدیک مسیح کا لفظ عبرانی لفظ مشوح سے معرب ہے۔ جس کے معنی معرب کے ہیں۔ اکثر علماء کے مطابق یہ لفظ مشتق ہے اور یہ لفظ فعیل کے وزن پر بمعنی فاعل استعمال ہوا ہے یعنی مسح کرنے والا۔ کیونکہ آپ جس بیمار پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیتے تھے وہ صحت یاب ہو جاتا تھا۔ یا مسیح بمعنی مساحت کرنے والا۔ زمین کی پیائش کرنے والا۔ یا زمین پر مسافت پیادہ کرنے والا۔ کیونکہ آپ نے ساری عمر تبلیغ دین کے لئے مسافت میں گزار دی اور کہیں مستقل رہائش اختیار نہ کی۔ اور مسیح اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے چہرے کا ایک رخ صاف ہو یعنی نہ آنکھ ہو نہ بھویں۔ اسی بناء پر دجال کو دجال مسیح کہتے ہیں۔

عیسیٰ۔ عبرانی لفظ الیشوع کا معرب ہے بمعنی سید۔ سردار۔ وجیھا۔ صیغہ صفت۔ وجاھة۔ مصدر (باب کرم) وجاہت والا۔ قدر و منزلت والا۔ باعزت۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ الٰہی ہونے کی فضیلت کا بیان

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے اور رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم رضی اللہ عنہا کو پہنچایا تھا اور اس کی طرف سے ایک جان ہیں اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا جیسے بھی عمل کرتا ہو ولید نے ابن جابر عمیر جنادہ کے واسطہ سے یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے وہ چاہے (اللہ داخل جنت کرے گا)۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 696)

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝
اور وہ لوگوں سے گہوارے میں پختہ عمر والی گفتگو کرے گا اور وہ نیکوکار بندوں میں سے ہوگا۔

گہوارے میں کلام کرنے کا بیان

"وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ" اَیْ طِفْلًا قَبْلَ وَقْتِ الْكَلَامِ "وكهلا ومن الصالحين"

اور وہ لوگوں سے گہوارے میں یعنی بچہ ہے کلام کے وقت سے پہلے گفتگو کرے گا اور وہ نیکوکار بندوں میں سے ہوگا۔

مہد میں تین بچوں کے کلام کرنے کا بیان

محمد بن سیرین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گہوارے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے عیسیٰ اور بنواسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام جریج تھا وہ نماز پڑھ رہا تھا تو اس کی ماں نے آ کر آواز دی اس نے (اپنے دل میں) کہا آیا میں جواب دوں یا نماز پڑھتا رہوں اس کی ماں نے بددعا کی اے اللہ جب تک یہ زانیہ عورتوں کی صورت نہ دیکھ لے اسے موت نہ آئے جریج اپنے عبادت خانہ میں رہتے تھے (ایک دن) ایک عورت ان کے پاس آئی اور کچھ گفتگو کی مگر انہوں نے (اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار) کر دیا پھر وہ ایک چرواہے کے پاس پہنچی اور اسے اپنے اوپر قابو دے دیا پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے کہا یہ لڑکا جریج کا ہے لوگ جریج کے پاس آئے اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا اور انہیں نیچے اتار کر گالیاں دیں جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی اور اس بچہ کے پاس آ کر کہا: اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا چرواہا (اب) لوگوں نے کہا ہم تمہارا عبادت خانہ سونے کا بنائے دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں مٹی کا ہی بنا دو۔

اور بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی تھی کہ اس کے پاس سے ایک خوبصورت سوار گزرا عورت نے کہا: اے اللہ میرے بچہ کو اس طرح کرنا بچہ اپنی ماں کا پستان چھوڑ کر سوار کی طرف متوجہ ہو کر بولا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ کرنا پھر وہ پستان کی طرف متوجہ ہو کر چوسنے لگا ابوہریرہ فرماتے ہیں گویا میں اب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی چوس

کر) اس بچہ کے دودھ پینے کی حالت بتا رہے تھے۔ پھر اس عورت کے پاس سے ایک باندی گزری تو اس نے کہا: اے اللہ میرے بچہ کو اس باندی جیسا نہ کرنا بچہ نے پستان چھوڑ کر کہا: اے اللہ مجھے اس جیسا کرنا۔ ماں نے پوچھا یہ کیوں بچہ نے کہا وہ سوار تو ظالموں میں سے ایک ظالم تھا اور اس باندی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ تو نے چوری کی۔ تو نے زنا کیا، حالانکہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 697)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ
اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا، ارشاد ہوا: اسی طرح اللہ جو چاہتا
ہے پیدا فرماتا ہے، جب کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس سے فقط اتنا فرماتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔

بیٹے کی ولادت پر تعجب کے اظہار کا بیان

"قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى" كَيْفَ "يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ" بِتَزَوُّجٍ وَلَا غَيْرِهٖ "قَالَ" الْاَمْرُ "كَذٰلِكِ" مِنْ خَلْقِ وَلَدٍ مِنْكِ بِلَا اَبٍ "اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا" اَرَادَ خَلْقَهٗ "فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" اَىْ فَهُوَ يَكُوْنُ،

عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا، یعنی شادی نہیں ہوئی۔ ارشاد ہوا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے بغیر باپ کے بیٹا پیدا فرماتا ہے، جب کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس سے فقط اتنا فرماتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اس نے تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ فرماتا ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی اسی طرح ہو جائے گا

لفظ قضیٰ کے لغوی معانی کا بیان

قضیٰ۔ ماضی واحد مذکر غائب۔ قضاء مصدر۔ قضاء فعلی ہو یا قولی۔ بشری ہو یا الٰہی۔ بہر حال فیصلہ کر دینا یا کر لینا۔ کسی بات کے متعلق آخری ارادہ یا حکم یا عمل کو ختم کر دینا۔ ضرور مفہوم قضا کے اندر ماخوذ ہے۔ صلات کے اختلاف اور سیاق کی مناسبت سے مختلف معانی مراد ہوتے ہیں۔

بنانا۔ پورا کرنا۔ عزم کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ حکم جاری کرنا۔ حکم دینا۔ مقدر کرنا۔ قطعی وحی بھیج کر اطلاع دینا۔ مقرر کرنا۔ حاجت پوری کر کے قطع تعلق کر لینا۔ فارغ ہونا۔ مر جانا۔ مار ڈالنا۔

ان سب معانی کے لئے اس کا استعمال قرآن حکیم میں ہوا ہے۔ یہاں مراد فیصلہ کرنا ہے۔ اذا قضیٰ امرا۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○

اور اللہ سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کتاب وحکمت لوگوں کو سکھانے کا بیان

"وَيُعَلِّمُهُ" بِالنُّوْنِ وَالْيَاء "الْكِتَاب" الْخَط "والحكمة والتوراة والإنجيل"

یہاں پر "وَيُعَلِّمُهُ" نون اور یاء کے ساتھ آیا ہے۔ اور کتاب یعنی خط، اور اللہ کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہبی علوم کا بیان

روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ جب کچھ بڑے ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ ان کو استاد کے پاس پڑھانے کیلئے لے گئیں، تو استاد نے حسب معمول جب آپ سے کہا پڑھو بچے الف، آپ نے کہا الف۔ استاد نے کہا پڑھو با، تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ جناب پہلے الف کا معنی تو بیان کیجئے۔ استاد نے کہا کہ یہ تو حروف ہجا میں سے ہے، جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جب آپ نے پہلا لفظ ہی بے معنی پڑھایا تو پھر آپ آگے مجھے کیا پڑھائیں گے؟ اور میں آپ سے کیا پڑھونگا؟ استاد نے کہا کیا تم اس کے معنی جانتے ہو؟ تو آپ نے کہا جی ہاں، پھر آپ نے اپنے وہ وہبی علوم بیان فرمانا شروع کر دیئے، جو حضرت حق جل مجدہ۔ کی طرف سے آپ کو عطا ہوئے تھے۔ تب استاد نے حیرت زدہ ہو کر کہا "كَيْفَ اُعَلِّمُ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنِّيْ؟" کہ میں اس کو کیسے اور کیا پڑھاؤں جو مجھ سے بھی کہیں زیادہ اور بڑھ کر علم رکھتا ہے۔ یہ اس بارے مختلف روایات کا خلاصہ ہے۔

(تفسیر در منثور، بحوالہ حاشیہ جامع البیان، بیروت)

ایسی روایات سند کے اعتبار سے خواہ کمزور ہی کیوں نہ ہوں، لیکن معنی کے اعتبار سے من حیث المجموع یہ معنی ومطلب بہر حال درست ہے۔ اور جو مضمون ان روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ بہر حال صحیح ہے، کہ پیغمبر کبھی کسی انسان سے کچھ پڑھتا سیکھتا نہیں بلکہ ان کا علم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے، اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ

کردیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

مردوں کو زندہ کرنے وغیرہ معجزات کا بیان

"و" يَجْعَلُهُ "رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْ اِسْرَائِيل" فِي الصِّبَا اَوْ بَعْدَ الْبُلُوغ فَنَفَخَ جِبْرِيل فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ وَكَانَ مِنْ اَمْرِهَا مَا ذُكِرَ فِيْ سُوْرَةِ مَرْيَم فَلَمَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰى بَنِیْ اِسْرَائِيل قَالَ لَهُمْ : اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ "اَنِّي" اَیْ بِاَنِّي "قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ" عَلَامَةً عَلٰى صِدْقِي "مِنْ رَبِّكُمْ" هِيَ "اَنِّي" وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا "اَخْلُقُ" اُصَوِّرُ "لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ" مِثْلَ صُوْرَتِهِ فَالْكَافُ اسْمُ مَفْعُوْلٍ "فَاَنْفُخُ فِيْهِ" الضَّمِيرُ لِلْكَافِ "فَيَكُوْنُ طَيْرًا" وَفِي قِرَاءَةٍ طَائِرًا "بِاِذْنِ اللّٰهِ" بِاِرَادَتِهِ فَخَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاش لِاَنَّهُ اَكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيرُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَهُ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا "وَاُبْرِئُ" اُشْفِي "الْاَكْمَهَ" الَّذِیْ وُلِدَ اَعْمٰى "وَالْاَبْرَصَ" وَخُصَّا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمَا دَاءَا اِعْيَاءٍ وَكَانَ بَعْثُهُ فِيْ زَمَنِ الطِّبِّ فَاَبْرَاَ فِيْ يَوْمٍ خَمْسِينَ اَلْفًا بِالدُّعَاءِ بِشَرْطِ الْاِيْمَانِ "وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ" كَرَّرَهُ لِنَفْيِ تَوَهُّمِ الْاُلُوْهِيَّةِ فِيْهِ فَاَحْيَا عَازِرَ صَدِيقًا لَهُ وَابْنَ الْعَجُوزِ وَابْنَةَ الْعَاشِرِ فَعَاشُوا وَوُلِدَ لَهُمْ وَسَامَ بْنَ نُوحٍ وَمَاتَ فِي الْحَالِ "وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ" تَخْبَئُوْنَ "فِيْ بُيُوْتِكُمْ" مِمَّا لَمْ اُعَايِنْهُ فَكَانَ يُخْبِرُ الشَّخْصَ بِمَا اَكَلَ وَبِمَا يَاْكُلُ بَعْدُ "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ" الْمَذْكُوْر "لَاٰيَةً لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ"

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا یعنی بچپن میں یا بالغ ہونے کے بعد ہم اس کو بھیجیں گے۔ پس حضرت جبرائیل امین نے ان کے چاک گریبان میں پھونک دیا جس سے حمل ٹھہر گیا۔ اور اس کی مزید تفصیل سورہ مریم میں آئی ہے۔ پس جب اللہ نے ان کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ جو میری صداقت کی دلیل ہے۔ اور ایک قرأت میں ''انی'' کسرہ کے ساتھ نئے جملے کے طور پر آیا ہے۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا ایک پتلا بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے، اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کردیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چار بندوں کو زندہ کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا ایک عازر جس کو آپ کے ساتھ اخلاص تھا جب اس کی حالت نازک ہوئی تو اس کی بہن نے آپ کو اطلاع دی مگر وہ آپ سے تین روز کی مسافت کے فاصلہ پر تھا جب آپ تین روز میں وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کے انتقال کو تین روز ہو چکے آپ نے اس کی بہن سے فرمایا ہمیں اس کی قبر پر لے چل وہ لے گئی آپ نے اللہ تعالٰے سے دعا فرمائی عازر باذن الٰہی زندہ ہو کر قبر سے باہر آیا اور مدت تک زندہ رہا اور اس کے اولاد ہوئی ایک بڑھیا کا لڑکا جس کا جنازہ حضرت کے سامنے جا رہا تھا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی وہ زندہ ہو کر نعش برداروں کے کندھوں سے اتر پڑا کپڑے پہنے گھر آیا زندہ رہا اولاد ہوئی ایک عاشر کی لڑکی شام کو مری اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اس کو زندہ کیا ایک سام بن نوح جن کی وفات کو ہزاروں برس گزر چکے تھے لوگوں نے خواہش کی کہ آپ ان کو زندہ کریں آپ ان کی نشاندہی سے قبر پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی سام نے سنا کوئی کہنے والا کہتا ہے اَجِبْ رُوْحَ اللہ یہ سنتے ہی وہ مرعوب اور خوف زدہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گمان ہوا کہ قیامت قائم ہوگئی اس ہول سے ان کا نصف سر سفید ہو گیا، پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ دوبارہ انہیں سکرات موت کی تکلیف نہ ہو بغیر اس کے واپس کیا جائے چنانچہ اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا اور باذنِ اللہ فرمانے میں رد ہے نصاریٰ کا جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندوں کو بنا کر زندہ کرنے کا بیان

جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعوٰی کیا اور معجزات دکھائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ایک چمگادڑ پیدا کریں آپ نے مٹی سے چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی چمگادڑ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اڑنے والے جانوروں میں بہت اکمل اور عجیب تر ہے اور قدرت پر دلالت کرنے میں اوروں سے ابلغ کیونکہ وہ بغیر پروں کے تو اُڑتی ہے اور دانت رکھتی ہے اور ہنستی ہے اور اس کی مادہ کے چھاتی ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے باوجودیکہ اُڑنے والے جانوروں میں یہ باتیں نہیں ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو شفاء دینے کا بیان

جس کا برص عام ہو گیا ہو اور اطبا اس کے علاج سے عاجز ہوں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طب انتہائے عروج پر تھی اور اس کے ماہرین امر علاج میں ید طولے رکھتے تھے اس لئے ان کو اسی قسم کے معجزے دکھائے گئے تا کہ معلوم ہو کہ طب کے طریقہ سے جس کا علاج ممکن نہیں ہے اس کو تندرست کر دینا یقیناً معجزہ اور نبی کے صدق نبوت کی دلیل ہے وہب کا قول ہے کہ اکثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریضوں کا اجتماع ہو جاتا تھا ان میں جو چل سکتا تھا وہ حاضر خدمت ہوتا تھا اور جسے چلنے کی طاقت نہ ہوتی اس کے پاس خود حضرت تشریف لے جاتے اور دعا فرما کر اس کو تندرست

کرتے اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی شرط کر لیتے۔

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ
بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○
اور میں اپنے سے پہلے اتری ہوئی تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور یہ اس لئے کہ تمہاری خاطر بعض ایسی چیزیں حلال کردوں
جو تم پر حرام کردی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور
میری اطاعت اختیار کرلو۔

اہل کتاب کی تورات کی تصدیق کرنے کا بیان

"و" جِئْتُكُمْ "مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ" قَبْلِي "مِنَ التَّوْرَاة وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ" فِيهَا فَاَحَلَّ لَهُمْ مِنَ السَّمَك وَالطَّيْر مَا لَا صِيصَة لَهُ وَقِيلَ اَحَلَّ الْجَمِيع فَبَعْض بِمَعْنَى كُلّ "وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" كَرَّرَهُ تَاْكِيدًا وَلِيَبْنِيَ عَلَيْهِ "فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ" فِيمَا اٰمُرُكُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِيد اللّٰه وَطَاعَته،

اور میں اپنے سے پہلے اتری ہوئی یعنی جو تورات تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور یہ اس لئے کہ تمہاری خاطر بعض ایسی چیزیں حلال کردوں، جو تم پر حرام کردی گئی تھیں، لہٰذا ان کیلئے مچھلی اور ایسا پرندہ ہے جس پر خار نہ ہوں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے سب کچھ حلال کیا گیا ہے اور اب بعض کل کے معنی میں ہوگا۔ اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، اس جملہ کو تاکید کیلئے مکرر لایا گیا ہے۔ تاکہ آئندہ جملے کی بناء اس ہو جائے۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرلو۔ یعنی توحید اور اس کی طاعت میں جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔

سابقہ کتب کی تصدیق کے سبب دلیل صداقت کا بیان

میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں، میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کی گئی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کیئے ہیں، گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے، لیکن درست بات یہی ہے کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تورات کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان فرمادی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کردی، جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا و لا بین لکم بعض الذی تختلفون فیہ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کردونگا۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ۝
بیشک میرا تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

ہم سب کا رب اللہ ہونے کا بیان

"اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ھٰذَا " اَلَّذِیۡ اٰمُرُکُمۡ بِہٖ "صِرَاطٌ" طَرِیۡق "مُسۡتَقِیۡمٌ" فَکَذَّبُوۡہُ وَلَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖ،

بیشک میرا تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کی عبادت کرو یعنی وہ عبادت جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا اور وہ ایمان نہ لائے۔

پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی اللہ جل شانہ کی دلیلیں موجود ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو، جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡھُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ
نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَاشۡھَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝
پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں
ہم اللہ پر ایمان لائے، اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کا بیان

"فَلَمَّاۤ اَحَسَّ " عَلِمَ "عِیۡسٰی مِنۡھُمُ الۡکُفۡرَ " وَاَرَادُوۡا قَتۡلہ "قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡ " اَعۡوَانِیۡ ذَاھِبًا "اِلَی اللّٰہِ" لِاَنۡصُر دِیۡنہ "قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَار اللّٰہ " اَعۡوَان دِیۡنہ وَھُمۡ اَصۡفِیَاء عِیۡسٰی اَوَّل مَنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَکَانُوۡا اثۡنَیۡ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الۡحُور وَھُوَ الۡبَیَاض الۡخَالِص وَقِیۡلَ کَانُوۡا قَصَّارِیۡنَ یَحُوۡرُوۡنَ الثِّیَاب اَیۡ یُبَیِّضُوۡنَھَا "اٰمَنَّا" صَدَّقۡنَا "بِاللّٰہِ وَاشۡھَدۡ" یَا عِیۡسٰی "بأنا مسلمون"

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر کو جان لیا یعنی آپ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، یعنی اس کے دین کیلئے، حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں۔ یعنی ہم آپ کے دین مددگار ہیں اور وہ پہلے چنے ہوئے لوگوں کا گروہ تھا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور ان کی تعداد بارہ تھی۔ اور حواری یہ حور سے مشتق ہے جس کا معنی خاص سفید ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو سفید کرتے تھے۔ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور آپ یعنی عیسیٰ علیہ السلام گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حواری کے لغوی مفہوم کا بیان

حواریون۔حواری کی جمع۔حواری حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سپیدی کے ہیں۔یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کا خطاب ہے۔حواری اصل میں دھوبی کو کہتے ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے پہلے دو شخص جوان کے تابع ہوئے دھوبی تھے۔حضرت عیسیٰ نے ان کا کہا تھا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو میں تم کو دل دھونے سکھا دوں وہ ان کے ساتھ ہوئے اس طرح سب کو یہ خطاب ٹھہر گیا۔

بعض کہتے ہیں یہ شکاری تھے، صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو، جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیر تیار ہو گئے آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر بھی حضرت زبیر نے ہی قدم اٹھایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔

باقی تمام یہودی اپنے کفر پر جمے رہے یہاں تک کہ جوشِ عداوت میں ان یہودیوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنالیا اور ایک شخص کو یہودیوں نے جس کا نام "ططیانوس" تھا آپ کے مکان میں آپ کو قتل کر دینے کے لئے بھیجا۔اتنے میں اچانک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک بدلی کے ساتھ بھیجا اور اس بدلی نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔آپ کی والدہ جوشِ محبت میں آپ کے ساتھ چمٹ گئیں تو آپ نے فرمایا کہ اماں جان! اب قیامت کے دن ہماری اور آپ کی ملاقات ہوگی اور بدلی نے آپ کو آسمان پر پہنچا دیا۔یہ واقعہ بیت المقدس میں شب قدر کی مبارک رات میں وقوع پذیر ہوا۔اس وقت آپ کی عمر شریف بقول علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ برس کی تھی اور بقول علامہ زرقانی شارح مواہب، اس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی آخر میں اسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے۔(تفسیر جمل علی الجلالین)

حواریانِ عیسیٰ علیہ السلام کیلئے خشوع سے پہلے نیند آنے کا واقعہ

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی کر دیا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی، کھانا تیار کیا اور سب سے کہدیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا، مجھے ایک ضروری کام ہے۔جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے، جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا "اس رات میں جو کچھ کر رہا ہوں، اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔

چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو! تمہارے نزدیک میں تم سب سے

بڑے مرتبے والا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے، یہ اس لئے کہ تم میری اس سنت کے عامل بن جاؤ، خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے، بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے، جس طرح خود میں نے تمہاری خدمت کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ "تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو مؤخر کردے۔

چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا، آپ نے انہیں بیدار کی کوشش میں ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا تمہیں کیا ہوگا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے، جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے، آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے، دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا! اچھا پھر چرواہا رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی، غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے، پھر فرمایا "دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝
اے ہمارے رب، ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا، اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

رسول مکرم علیہ السلام کی اتباع کا بیان

"رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ" مِنَ الْاِنْجِيل "وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ" عِيسَى "فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ" لَكَ بالوحدانية وَلِرَسُوْلِكَ بِالصِّدْقِ،

اے ہمارے رب، ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا یعنی انجیل، اور رسول یعنی عیسٰی علیہ السلام کے تابع ہوئے۔ تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے، یعنی آپ کی توحید اور آپ رسول کی تصدیق کیلئے ہمیں گواہ رکھ لے۔

"واشهد" کے قرینہ سے "الشاهدين" سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام ہیں۔

(54) وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۝

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔

کفار کے مکر کے بدلے میں خفیہ تدبیر کا بیان

قال تعالى "وَمَكَرُوْا" اَىْ كُفَّار بَنِىْ اِسْرَائِيل بِعِيسَى اِذْ وَكَلُوْا بِهٖ مَنْ يَّقْتُلُهُ غِيلَة "وَمَكَرَ اللّٰهُ" بِهِمْ بِاَنْ اَلْقَى شَبَه عِيسَى عَلٰى مَنْ قَصَدَ قَتْله فَقَتَلُوْهُ وَرَفَعَ عِيسَى اِلَى السَّمَاء "وَاللّٰهُ خَيْر الْمَاكِرِيْنَ"

أَعْلَمِهِمْ بِهٖ،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مکر کیا۔ یعنی جب انہوں نے اچانک قتل کرنا چاہا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ان پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی، لہٰذا انہوں نے مشابہ شخص کو قتل کردیا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کو ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتانے والے بدبخت عیسائی کا واقعہ

اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے ادھر ادھر چلے گئے، یہود جو اپنی جستجو میں تھے، انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے، مگر شمعون نے کہا" غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا، وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتادوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم، چانچہ اس نے وہ رقم لے لی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتادیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے، اب انہوں نے گرفتار کرلیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کرتے تھے، جنات کو بھگا دیا کرتے تھی، مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اب کیا بات ہے کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے، تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بیدردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینا تھی اور ارادہ کیا کہ سولی پر چڑھادیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھالیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا سولی پر چڑھادیا۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰٓى إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے نجات دلانے والا ہوں اور تمہارے پیروکاروں کو کافروں پر قیامت تک برتری دینے والا ہوں، پھر تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے لہٰذا جن باتوں میں تم جھگڑتے تھے میں تمہارے درمیان ان کا فیصلہ کردوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا

اُذْكُرْ "إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰى إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ" قَابِضُكَ "وَرَافِعُكَ إِلَىَّ" مِنَ الدُّنْيَا مِنْ غَيْرِ مَوْتٍ

"وَمُطَهِّرُكَ" مُبْعِدُكَ "مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ" صَدَّقُوْا بِنُبُوَّتِكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالنَّصَارٰى "فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" بِكَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ يَعْلُوْنَهُمْ بِالْحُجَّةِ وَالسَّيْفِ "اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ" مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ،

تم یاد کرو جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھانے والا ہوں یعنی دنیا سے بغیر وصال کے اٹھانے والا ہوں۔ اور تمہیں کافروں سے نجات دلانے والا ہوں اور تمہارے پیروکاروں یعنی مسلمانوں اور نصاریٰ میں جنہوں نے تیری نبوت کی تصدیق کی، ان کو کافروں یعنی یہود پر قیامت تک برتری دینے والا ہوں، یعنی وہ یہود پر دلیل وتلوار کے ذریعے غالب رہیں گے۔ پھر تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے لہٰذا جن باتوں میں تم جھگڑتے تھے میں تمہارے درمیان دین کے معاملے میں ان کا فیصلہ کر دوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا

بل رفعہ اللہ کی ضمیر اسی طرف راجع ہے جس طرف کہ ما قتلوہ اور ما صلبوہ کی ضمیریں راجع ہیں اور ظاہر ہے کہ ما قتلوہ اور ما صلبوہ کی ضمیریں حضرت عیسیٰ کے جسم وجسد اطہر کی طرف راجع ہیں۔ روح بلا جسم کی طرف راجع نہیں ہیں۔ اس لیے کہ قتل کرنا اور صلیب چڑھانا جسم کا ہی ممکن ہے روح کا قطعاً ناممکن ہے۔ لہٰذا بل رفعہ کی ضمیر اسی جسم کی طرف راجع ہوگی جس جسم کی طرف ماقتلوہ اور ماصلبوہ کی ضمیریں راجع ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہ یہود روح کے قتل کے مدعی نہ تھے بلکہ جسم کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور بل رفعہ اللہ میں اس کی تردید کی گئی لہٰذا بل رفعہ سے مراد جسم (مع روح) ہی ہوگا نہ کہ صرف روح ہے۔

اگر رفع سے رفع روح بمعنی موت مراد ہے تو قتل وصلب کی نفی سے کیا فائدہ؟ کیوں کہ قتل وصلب سے غرض موت ہی ہوتی ہے اور یہاں "بل" کے بعد بصیغہ ماضی "رفعہ" کو لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے قتل وصلب سے پہلے ہی ان کو ہم نے اپنی طرف اٹھالیا۔ یہی بات ہے کہ جملہ ائمہ ومفسرین اس بات پر بالکل متفق ہیں آپ کوئی بھی مستند تفسیر اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ کہ حضرت عیسیٰ کا یہ رفع ان کی زندگی کی حالت میں ان کے جسد عنصری کے ساتھ ہوا۔

علامہ ابن جریر طبری تفسیر جامع البیان میں اس آیت کے تحت سدی سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ نیز حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں سیدنا عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھالیا۔ (جامع البیان)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
پھر جو لوگ کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

کافروں کیلئے دنیا وآخرت میں سخت عذاب ہونے کا بیان

"فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا" بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ وَالْجِزْيَةِ "وَالْاٰخِرَةِ" بِالنَّارِ

"وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ" مَانِعِيْنَ مِنْهُ،

پھر جولوگ کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت سخت عذاب دوں گا یعنی دنیا میں قتل، قید اور جزیہ کی سزا دوں گا۔ جبکہ آخرت میں جہنم کی آگ ہوگی۔ اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یعنی ان کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا۔

جس کے دونوں پاؤں پر دو چنگاریاں رکھی ہوں گی اور ان دونوں کے سبب سے اس کا دماغ اس طرح جوش کھائے گا جس طرح ہانڈی یا گھڑا جوش کھاتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1489)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ٥
اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو (اللہ) انہیں ان کا بھرپور اجر دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فَيُوَفِّيْهِمْ" بِالْيَاءِ وَالنُّوْن "اُجُورهمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبّ الظَّالِمِيْنَ" اَیْ يُعَاقِبهُمْ رُوِیَ اَنَّ اللّٰه تَعَالٰی اَرْسَلَ اِلَيْهِ سَحَابَة فَرَفَعَتْهُ فَتَعَلَّقَتْ بِهِ اُمّه وَبَكَتْ فَقَالَ لَهَا اِنَّ الْقِيَامَة تَجْمَعنَا وَكَانَ ذٰلِكَ لَيْلَة الْقَدْر بِبَيْتِ الْمَقْدِس وَلَهُ ثَلَاث وَثَلَاثُوْنَ سَنَة وَعَاشَتْ اُمّه بَعْده سِتّ سِنِيْنَ وَرَوَى الشَّيْخَانِ حَدِيْث (اَنَّهُ يَنْزِل قُرْب السَّاعَة وَيَحْكُم بِشَرِيْعَةِ نَبِيّنَا وَيَقْتُل الدَّجَّال وَالْخِنْزِير وَيَكْسِر الصَّلِيب وَيَضَع الْجِزْيَة) وَفِيْ حَدِيْث مُسْلِم اَنَّهُ يَمْكُث سَبْع سِنِيْنَ وَفِيْ حَدِيْث عَنْ اَبِیْ دَاوُد الطَّيَالِسِیّ اَرْبَعِيْنَ سَنَة وَيُتَوَفّٰی وَيُصَلّٰی عَلَيْهِ فَيَحْتَمِل اَنَّ الْمُرَاد مَجْمُوع لُبْثه فِی الْاَرْض قَبْل الرَّفْع وَبَعْده،

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو (اللہ) انہیں ان کا بھرپور اجر دے گا، یہاں پر "فَيُوَفِّيْهِمْ" یاء اور نون کے ساتھ آیا ہے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک بادل کو بھیجا جس نے آپ کو اٹھالیا تو آپ کی والدہ نے آپ کو پکڑلیا اور رونے شروع کردیا تو آپ نے اپنی والدہ سے کہا کہ بے شک قیامت دن ہم کو جمع کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ بیت المقدس میں قدر والی رات کا ہے۔ اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ جبکہ اس کے بعد آپ کی والدہ چھ سال زندہ رہیں۔

امام بخاری و امام مسلم علیہما الرحمہ نے ایک حدیث کو روایت کیا ہے کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے اور ہمارے نبی مکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ اور جزیہ رکھیں گے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ سات سال ٹھہریں گے۔

امام ابوداؤد طیالسی کی روایت ہے کہ آپ چالیس سال ٹھہریں گے۔ اور پھر آپ کا وصال ہوگا اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی

جائے گی۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد اٹھائے جانے سے پہلے یا بعد میں ٹھہرنا مراد ہو۔

دجال سے متعلق بعض احوال کا بیان

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے سنا اور ان کے پاس ایک آدمی نے آکر عرض کیا یہ حدیث کیسے ہے جسے آپ روایت کرتے ہیں کہ قیامت اس اس طرح قائم ہوگی انہوں نے کہا سُبْحَانَ اللّٰہِ یالَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا کہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ میں کسی سے بھی کبھی کوئی حدیث روایت نہ کروں گا میں نے تو یہ کہا تھا: عنقریب تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک بہت بڑا حادثہ دیکھو گے جو گھر کو جلادے گا اور جو ہونا ہے وہ ضرور ہوگا پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال میری امت میں خروج کرے گا اور ان میں چالیس دن ٹھہرے گا اور میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں تو وہ تلاش کر کے دجال کو قتل کردیں گے پھر لوگ سات سال اسی طرح گزاریں گے کہ کسی بھی دو اشخاص کے درمیان کوئی عداوت نہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے زمین پر کوئی بھی ایسا آدمی باقی نہیں رہے گا کہ اس کی روح قبض کرلی جائے گی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی پہاڑ کے اندر داخل ہوگیا تو وہ اس میں اس تک پہنچ کر اسے قبض کر کے ہی چھوڑے گی اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا پھر برے لوگ ہی باقی رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح جلد باز اور بے عقل درندہ صفت ہوں گے وہ کسی نیکی کو نہ پہچانیں گے اور نہ برائی کو برائی تصور کریں گے ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا تو وہ کہے گا کیا تم میری بات نہیں مانتے تو وہ کہیں گے کہ تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے تو شیطان انہیں بتوں کی پوجا کرنے کا حکم دے گا اور وہ اسی بت پرستی میں ڈوبے ہوئے ہوں گے ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش وعشرت کی ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا جو بھی اس کی آواز سنے گا وہ اپنی گردن کو ایک مرتبہ ایک طرف جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا اور جو شخص سب سے پہلے صور کی آواز سنے گا وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا وہ بے ہوش ہوجائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہوجائیں گے پھر اللہ بھیجے گا یا اللہ شبنم کی طرح بارش نازل کرے گا جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے پھر صور میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہوجائیں گے اور دیکھتے ہوں گے پھر کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ اور ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا پھر کہا جائے گا دوزخ کے لئے ایک جماعت نکالو تو کہا جائے گا کتنے لوگوں کی جماعت کہا جائے گا ہر ہزار سے نوسو ننانوے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور اس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔

(صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 2881)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُصبہانَ کے ستر ہزار یہودی دجال کے پیروکار ہوجائیں گے جن پر سبز رنگ کی چادریں ہوں گی۔ (صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 2892)

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ○

یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہی نشانیاں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔

آیات وذکر حکیم کے ذریعے وعظ ونصیحت کا بیان

"ذٰلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ اَمْرِ عِيسَى "نَتْلُوْهُ" نَقُصّهُ "عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّدٍ "مِنَ الْآيَات" حَال مِنَ الْهَاء فِي نَتْلُوْهُ وَعَامِله مَا فِي ذٰلِكَ مِنْ مَعْنَى الْإِشَارَة "وَالذِّكْر الْحَكِيْم" الْمُحْكَم اَیِ الْقُرْاٰن،

یہ یعنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔یہی نشانیاں ہیں۔یہاں آیات یہ تلوہ کی ھاء سے حال ہے۔اور یہاں اسم اشارہ بہ معنی اشیر ہے۔اور حکمت والی نصیحت ہے۔اور محکم سے مراد قرآن مجید ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے وصیت کی کہ اس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا لہٰذا جب وہ مرجائے تو اس کو جلا ڈالو اور نصف حصہ خشکی میں اور نصف حصہ سمندر میں بکھیر ڈالو، خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر قدرت پائی تو اس کو ایسا عذاب دے گا کہ دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے اس حصہ کو جو اس میں تھا یکجا کر دیا اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی اس حصہ کو جو اس میں تھا، یکجا کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا کہ تیرے ڈر سے ایسا کیا اور تو اس کو خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2372)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو جتنے لوگ اس قوم میں ہوتے ہیں وہ سب ہی اس عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جاتے ہیں۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1996)

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○

عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے،

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہونے کا بیان

"اِنَّ مَثَل عِيسَى" شَأْنه الْغَرِيْبُ "عِنْد اللّٰه كَمَثَلِ اٰدَم" كَشَأْنِهِ فِي خَلْقه مِنْ غَيْر اَب وَهُوَ مِنْ تَشْبِيه الْغَرِيْبُ بِالْاَغْرَبِ لِيَكُوْنَ اَقْطَع لِلْخَصْمِ وَاَوْقَع فِي النَّفْس "خَلَقَهُ مِنْ تُرَاب ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ" بَشَرًا "فَيَكُوْن" اَيْ فَكَانَ وَكَذٰلِكَ عِيسَى قَالَ لَهُ كُنْ مِنْ غَيْر اَب فَكَانَ،

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا

اسی طرح عجیب ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا ماں باپ کے بغیر تخلیق ہونا ہے۔ یا یہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ تاکہ جھگڑالو کیلئے دلیل قاطع اور واقع میں حقیقت ہو۔ اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یعنی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کیلئے کن کہا گیا تو باپ کے بغیر ان کی پیدائش ہوئی۔

مختلف انبیائے کرام کے مختلف القاب کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جب ان کے قریب پہنچے تو انہیں کچھ گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ اُن میں سے بعض نے کہا، کیا خوب! اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے سے زیادہ بڑی بات تو نہیں۔ ایک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہارِ تعجب سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ بیشک وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں۔ بیشک وہ اسی طرح ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ واقعی وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ وہ بھی یقیناً ایسے ہی (شرف والے) ہیں۔ سن لو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا بھی میں ہی ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا بھی میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل فرمائے گا۔ میرے ساتھ فقیر و غریب مومن ہوں گے اور مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں۔ میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں لیکن مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں۔ (جامع ترمذی رقم ۳۶۱۶)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور مٹی کو اٹھانے کا واقعہ

جنات کئی ہزار سال پہلے حضرت آدم کی پیدائش سے قبل دنیا پر آباد تھے۔ پروردگار عالم جلالہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو حضرت جبرائیل کو فرمایا کہ روئے زمین سے ہر رنگ کی مٹی سفید سرخ سیاہ شور شیریں نرم سخت میں سے ایک مشت حال اُٹھا کر لا کہ میں ایک مخلوق پیدا کرتا ہوں۔ جب حضرت جبرائیل زمین کے پاس گئے اور چاہا کہ ایک مشت خاک اُٹھائے تو زمین نے پوچھا کس واسطے اتنی کم کرتا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ اس سے ایک مخلوق پیدا کرے گا جو زمین پر رہیں گے نیک اور بد بھی ہونگے۔ عذاب اور ثواب اُن کے واسطے ہوگا۔ پھر زمین نے عرض کیا کہ میں اللہ کی عزت کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے مٹی نہ اُٹھا کیونکہ لوگ نافرمانی کی وجہ سے جہنم میں جلیں گے۔ حضرت جبرائیل زمین کی فریاد سن کر واپس چلے گئے اور عرض کی الٰہی زمین تیری عزت کی پناہ

چاہتی ہے۔ میں تیرے نام کی عزت سے مٹی کو اُٹھا نہ سکا۔

پھر حق تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت میکائیل کو بھیجا وہ بھی واپس آ گئے۔ پھر پروردگارِ عالم نے اسرافیل علیہ السلام کو بھیجا وہ بھی اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ پھر پروردگارِ عالم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو عزرائیل علیہ السلام نے زمین کی منت سماجت وزاری نہ سنی اور کہا کہ میں اللہ کے حکم کو تیری منت وزاری پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خدا تعالیٰ کا تابعدار ہوں۔ ملک الموت فرشتہ مٹی لیکر واپس آ گیا پھر اللہ نے روحوں کے قبض کرنے کا کام اسی کے سپرد کیا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ٥
یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حق ہونے کا بیان

"اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ" خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوْف اَىْ اَمْرِ عِيْسٰى "فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ،

یہاں پر "اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ" مبتدائے محذوف "اَىْ اَمْرِ عِيْسٰى" کی خبر ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ کلمہ "الحق" مبتدا محذوف کے لیئے خبر ہے جو کہ "ھو" ہے اور اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ٥
پھر جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو آ ؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے
بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اہل نجران کے مباہلہ کا بیان

"فَمَنْ حَاجَّكَ" جَادَلَكَ مِنَ النَّصَارٰى "فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ" بِاَمْرِهٖ "فَقُلْ" لَهُمْ "تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ" فَنَجْمَعهُمْ "ثُمَّ نَبْتَهِلْ" نَتَضَرَّع فِى الدُّعَاء "فَنَجْعَل لَعْنَة اللّٰه عَلَى الْكَاذِبِيْنَ" بِاَنْ نَقُوْل : اللّٰهُمَّ الْعَنْ الْكَاذِب فِىْ شَاْن عِيْسٰى وَقَدْ دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْد نَجْرَان لِذٰلِكَ لَمَّا حَاجُّوْهُ بِهٖ فَقَالُوْا : حَتّٰى نَنْظُر فِىْ اَمْرنَا ثُمَّ نَاْتِيك فَقَالَ ذُوْ رَاْيهمْ : لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّته وَاَنَّهُ مَا بَاهَلَ قَوْم نَبِيًّا اِلَّا هَلَكُوْا فَوَادَعُوْا الرَّجُل وَانْصَرَفُوْا فَاَتَوْا الرَّسُوْل صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَن وَالْحُسَيْن وَفَاطِمَة وَعَلِيّ وَقَالَ لَهُمْ: اِذَا دَعَوْت فَاَمِّنُوْا فَاَبَوْا اَنْ يُلَاعِنُوْا وَصَالَحُوْهُ عَلَى الْجِزْيَة رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْم وَعَنْ ابْن عَبَّاس : قَالَ : لَوْ

عَرَجَ الَّذِیْنَ یُبَاهِلُوْنَ لَرَجَعُوْا لَا یَجِدُوْنَ مَالًا وَّلَا اَهْلًا وَّرُوِیَ : لَوْ خَرَجُوْا لَاحْتَرَقُوْا،

پھر جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں یعنی نصاریٰ اگر جھگڑا کریں۔ بعد اس کے کہ تمہیں ان کے معاملہ کا علم آ چکا ہے تو ان سے فرما دو آ ؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں اور عاجزی سے دعا مانگیں۔ تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ یعنی اس طرح کہیں کہ اے اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے جو جھوٹا ہے اس پر لعنت ہو۔ تو نبی کریم ﷺ نے نجران کے وفد کو بلایا کیونکہ وہ اس معاملہ میں آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس معاملہ میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے پاس آئیں گے، تو ان میں سے صاحب رائے شخص نے ان سے کہا ہے۔ کہ یقیناً تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو اور کسی بھی قوم نے نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر وہ ہلاک ہو گئے۔ پس انہوں نے اس شخص کو چھوڑا اور وہاں سے آپ ﷺ کی طرف آئے حالانکہ آپ ﷺ امام حسن وحسین اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ مباہلہ کیلئے باہر تشریف لا چکے تھے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا تو انہوں نے انکار کر دیا اور انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اس کو امام ابونعیم نے روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر وہ یہ مباہلہ کرنے والے مباہلہ کرتے اور واپس لوٹتے تو وہ نہ اپنا مال پاتے اور نہ ہی اہل وعیال اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے۔ کہ اگر وہ مباہلہ کیلئے نکلتے تو وہ سب جل جاتے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۶۱ کے شان نزول کا بیان

نصاریٰ نجران کا ایک وفد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور وہ لوگ حضور سے کہنے لگے آپ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں فرمایا ہاں اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے کلمے جو کوانری بتول عذراء کی طرف القاء کیے گئے نصاریٰ یہ سن کر بہت غصہ میں آئے اور کہنے لگے یا محمد ﷺ کیا تم نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بغیر باپ ہی کے ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر مٹی سے پیدا کئے گئے تو جب انہیں اللہ کا مخلوق اور بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا مخلوق و بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔

نصاریٰ کے وفد نجران کی تفصیلی روئیداد کا بیان

نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں، عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا، سید جس کا نام ایہم تھا، ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا، اور اوث بن حارث، زید، قیس، یزید اور اس کے دونوں لڑکے، اور خویلد اور عمرو، خالد، عبداللہ اور محسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص تھے عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو

جاتے تھے اور سید جوان کا لاٹ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر و مدارات اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و شان سے واقف تھا۔

اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفتیں پڑھ چکا تھا دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا، غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے اور خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں صحابہ کہتے ہیں ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا، ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی۔ بعد نماز کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی گفتگو ہوئی ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے حارثہ بن علقمہ عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گوشاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے۔

حضرت مسیح کی نسبت ان کے تینوں خیال تھے یعنی وہ خود اللہ جل شانہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے اللہ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا، تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے، مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا، غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اس سے اللہ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ کی نبوت پر مثبت دلیل ہو جائیں، اللہ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں ہی بولنے لگے تھے، یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں۔

اور تین میں تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ہم نے کیا ہمارا امر ہماری مخلوق ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ پس اگر اللہ اکیلا ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا میرا امر میری مخلوق میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں خود اللہ رب کعبہ اور عیسیٰ اور مریم

اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک و بلند ہے، ان کے تمام عقائد کی تردید قرآن کریم میں نازل ہوئی، جب یہ دونوں پادری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کر چکے تو آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی، آپ نے فرمایا نہیں نہیں تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کر لو وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں فرمایا نہیں تمہارا یہ اسلام مقبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا اچھا پھر یہ تو فرمائے کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس پر خاموش رہے اور سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اوپر تک کی آیتیں ان کے جواب میں نازل ہوئیں۔

ابن اسحاق ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کا نکلو یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر تمہیں اس کا جواب دیں گے اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ کی حقیقت وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی تم سن چکے ہو اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو کہ اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا، پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ، چنانچہ یہ لوگ صلاح مشورہ کر کے پھر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لئے تیار نہیں آپ اپنے دین پر رہئے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم دوپہر کو پھر آنا میں تمہارے ساتھ کسی مضبوط امانت دار کو کر دوں گا۔

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے (رضی اللہ عنہ) مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا۔ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن کچل دوں گا فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے، اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مباہلے کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران ۶۱، بیروت)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
بیشک یہی سچا بیان ہے، اور کوئی بھی اللہ کے سوا لائق عبادت نہیں، اور بیشک اللہ ہی تو بڑا غالب حکمت والا ہے۔

قصہ مباہلہ سے اظہار حق ہو جانے کا بیان

"اِنَّ هٰذَا" الْمَذْکُوْر "لَهُوَ الْقَصَص" الْخَبَر "الْحَقّ" الَّذِیْ لَا شَکَّ فِیْهِ "وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰه وَاِنَّ اللّٰه لَهُوَ الْعَزِیْز" فِیْ مُلْکه "الْحَکِیْم" فِیْ صُنْعه،

بیشک یہی یعنی قصہ ذکر ہوا ہے۔ سچا بیان ہے، اور کوئی بھی اللہ کے سوا لائق عبادت نہیں، اور بیشک اللہ ہی تو بڑا غالب

اپنے ملک میں، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ عاقب اور سید نجران کے دو سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کرنے آئے (مباہلہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر جنگل میں جا کر اللہ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے کاذب ہو اس پر عذاب نازل فرما) تو ایک نے اپنے ساتھی سے کہا مباہلہ مت کرنا اللہ کی قسم! اگر وہ نبی ہوا اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم اور ہمارے بعد ہماری اولاد کبھی فلاح نہیں پا سکتے، تو ان دونوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جو طلب فرمائیں ہم اسے ادا کرتے رہیں گے اور ہمارے ساتھ ایک امین آدمی کو بھیج دیجئے خائن کو نہ بھیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایسے امین کو بھیجوں گا جو پکا اور سچا امین ہے، اصحاب رسول منتظر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوعبیدہ بن جراح تم کھڑے ہو جاؤ جب وہ کھڑے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس امت کے امین ہیں۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1566)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ○
پھر اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

حق ظاہر ہو جانے کے بعد اس سے اعراض کا فساد ہونے کا بیان

"فَاِنْ تَوَلَّوْا" اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِيْمَان "فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ" فَيُجَازِيهِمْ وَفِيهِ وَضْع الظَّاهِر مَوْضِع الْمُضْمَر،

پھر اگر وہ لوگ روگردانی کریں یعنی ایمان سے اعراض کر جائیں۔ تو یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی وہ ان کو جزاء دے گا اور یہاں بھی اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ پر لایا گیا ہے۔

بے شک اللہ مفسدین کو پوری طرح جانتا ہے۔ پس نہ کوئی فسادی اس سے چھپ سکتا ہے، اور نہ اس کا کوئی فساد۔ لہٰذا ہر فسادی اپنے وقت پر اپنے کئے کی سزا بہر حال بھگت کر رہے گا کہ ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر ہو سکتے ہیں اور نہ اس کی گرفت و پکڑ سے کسی طرح نکل سکتے ہیں۔ لہٰذا آج ان کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس سے ان کو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○
آپ فرما دیں، اے اہل کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان ہیں۔

"قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ" الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى "تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ" مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مُسْتَوٍ اَمْرُهَا "بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" هِيَ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" كَمَا اتَّخَذْتُمُ الْاَحْبَارَ وَالرُّهْبَانَ "فَاِنْ تَوَلَّوْا" اَعْرَضُوْا عَنِ التَّوْحِيْدِ "فَقُوْلُوْا" اَنْتُمْ لَهُمْ "اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" مُوَحِّدُوْنَ،

آپ یہود ونصاریٰ سے فرمادیں، اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہاں پر سوا مصدر بہ معنی مستوی ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، جس طرح انہوں نے احبار ورہبان کو بنایا ہوا تھا۔ پھر اگر وہ توحید سے روگردانی کریں تو تم ان سے کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان یعنی موحد ہیں۔

کلمہ سواء کے ذریعے ہرقل کو دعوت اسلام دینے کا بیان

حضرت ابن عباد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی کہ جب ہماری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح تھی اس وقت میں ملک شام میں تھا اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دحیہ الکلبی لے کر ہرقل کے پاس آئے تھے پہلے یہ خط دحیہ نے بصری کے سردار کو دیا اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا ہرقل نے خط پڑھ کر کہا کہ دیکھو یہ جس کا خط ہے اور جو نبوت کا دعویٰ بھی کرتا ہے اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے، لوگوں نے کہا ہاں! اس کی قوم کے لوگ یہاں موجود ہیں ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں اور میرے چند قریبی ساتھی ہرقل کے دربار میں بلائے گئے تو اس نے ہم کو اپنے سامنے بٹھایا پھر پوچھا کہ تم میں اس (پیغمبر) کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور دوسرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور پھر اپنے ایک آدمی سے کہا کہ تم ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہو کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان سے کچھ دریافت کروں گا اگر یہ غلط بیانی سے کام لے تو تم اس کی تردید کر دینا ابوسفیان نے بیان کیا کہ اگر مجھے اپنے ہمراہیوں کا خوف نہ ہوتا (کہ مجھے جھٹلادیں گے) تو ضرور کچھ غلط باتیں بھی کہتا آخر پر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حسب دریافت کرو انہوں نے پوچھا تو میں نے کہا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سب سے زیادہ عالی حسب ہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ تو میں نے جواب دیا نہیں پھر اس نے دریافت کیا کیا تم نے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ میں نے کہا نہیں، پھر اس نے پوچھا کہ اس کی اطاعت میں امیر لوگ آتے ہیں یا غریب؟ میں نے جواب دیا غریب، پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والے زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ میں نے جواب دیا کہ بڑھتے جا رہے ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ اس کے ماننے والوں میں سے کبھی کوئی اپنے مذہب سے پھر بھی جاتا ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں، پھر اس نے پوچھا کیا تم نے اس سے کبھی جنگ بھی کی ہے اور اس کی کیا صورت رہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ کبھی وہ غالب ہوئے اور کبھی ہم، پھر اس نے پوچھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی وعدہ خلافی کی

ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں، مگر آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہوا ہے معلوم نہیں اس کی کیا صورت ہوتی ہے، ابوسفیان نے بیان کیا کہ مجھ کو سوائے اس آخری بات کے کچھ زیادہ بڑھانے کی گنجائش نہیں ملی پھر اس نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کبھی کسی نے ان کے خاندان سے اس طرح کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں، اس کے بعد ہرقل نے کہا: اے ترجمان! تو ابوسفیان سے کہہ دے کہ تم سے ان کا حسب پوچھا گیا تو تم نے کہا کہ وہ عالی حسب ہے اور پیغمبر ہمیشہ عالی حسب ہوتے ہیں، پھر پوچھا گیا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں ہرقل کا بیان ہے کہ اس سوال کے وقت میں نے سوچا تھا کہ اگر سفیان نے کہا کہ کوئی بادشاہ ہوا ہے تو میں کہہ دوں گا کہ دعویٰ نبوت غلط ہے اپنے ملک کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، میں نے ان کے ماننے والوں کے متعلق پوچھا کہ وہ امیر ہیں یا غریب تو تم نے کہا غریب اور پیغمبروں کے ماننے والے اکثر غریب ہی ہوتے ہیں اور میں نے پوچھا کہ تم نے اس کو کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے تو تم نے کہا نہیں اس لئے میں جان گیا کہ بیشک جو لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ پر وہ کیسے جھوٹ بولے گا اور میں نے تجھ سے سوال کیا کہ اس کے دین سے کوئی بدظن ہو کر پھر بھی گیا ہے تو تم نے کہا نہیں لہٰذا ایمان کی علامت یہی ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتا ہے تو پھر نکلتا نہیں ہے، پھر میں نے پوچھا کہ اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے، پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے تو تم نے کہا ہاں! اور اس میں کبھی وہ کبھی ہم غالب رہے ہیں اور رسولوں کی یہی حالت ہوا کرتی ہے اور آخر وہی فتح پاتے ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں یا نہیں تو تم نے کہا کہ نہیں اور رسول وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتے، پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو تم نے کہا نہیں ہرقل کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ نبی نہیں ہے بلکہ اپنے پہلے والے کی پیروی کر رہا ہے، پھر تم سے میں نے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں اس کے بعد ہرقل نے کہا کہ اگر تو اپنے بیان میں سچا ہے تو بیشک وہ سچے نبی ہیں اور میں جانتا تھا کہ وہ پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں پیدا ہوں گے اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ان سے ضرور ملاقات کرتا اور ان کے دیدار سے مستفیض ہوتا اور ان کے پاؤں دھو کر پیتا اور ان کی حکومت ضرور میرے ان قدموں تک پہنچے گی اس کے بعد ہرقل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو دوبارہ پڑھا مضمون یہ تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے روم کے بادشاہ ہرقل کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو دین حق کی پیروی کرے گا اس پر سلام، میں تم کو کلمہ اسلام کی طرف بلاتا ہوں اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو سلامت رہے گا اور دوگنا ثواب تم کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو تمام رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تیرے ہی سر رہے گا، اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اس کی طرف آ ؤ اور وہ بات یہ ہے کہ ہم تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں آخر آیت تک ابوسفیان نے کہا کہ ہرقل جب خط سے فارغ ہوا تو دربار میں عجیب ہلچل مچ گئی اور پھر ہم کو باہر کر دیا گیا میں نے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ یعنی رسول اللہ کے کام میں بڑی مضبوطی پیدا ہو گئی ہے اور اب اس سے بادشاہ بھی

ڈرنے لگے ہیں میں تو کفر کی حالت میں یقین رکھتا تھا کہ آپ کو ضرور غلبہ ہوگا زہری کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے تمام رؤسا کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ اے اہل روم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ سلامت رہو اور تمہارے ملک تمہارے ہاتھ میں رہیں تو ہدایت اور ہمیشہ کی سلامتی کی طرف آؤ راوی کا بیان ہے کہ لوگ یہ بات سن کر سخت ناراض ہو کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازے بند پائے، ہرقل نے کہا بھاگو نہیں میرے قریب آؤ سب آ گئے تو ہرقل نے کہا میں تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا میں خوش ہوں کہ تم اپنے دین پر قائم اور ثابت ہو اس کے بعد خوش ہو گئے اور ہرقل کو سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1731)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
اے کتاب والو! ابراہیم کے باب میں کیوں جھگڑتے ہو توریت وانجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

یہود ونصاریٰ دونوں گروہوں کا دعویٰ دین ابراہیمی کرنے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْيَهُوْد : اِبْرَاهِيْم يَهُوْدِيّ وَنَحْنُ عَلٰى دِيْنه وَقَالَتْ النَّصَارٰى كَذٰلِكَ "يَا اَهْلَ الْكِتَاب لِمَ تُحَاجُّونَ" تُخَاصِمُوْنَ "فِيْ اِبْرَاهِيْم" بِزَعْمِكُمْ اَنَّهُ عَلٰى دِيْنكُمْ "وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَاة وَالْاِنْجِيل اِلَّا مِنْ بَعْده" بِزَمَنٍ طَوِيل وَبَعْد نُزُولهمَا حَدَثَتْ الْيَهُوْدِيَّة وَالنَّصْرَانِيَّة "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" بُطْلَان قَوْلكُمْ،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں تو نصاریٰ نے بھی اسی طرح کہا' تو یہ حکم نازل ہوا کہ اے کتاب والو! ابراہیم کے باب میں کیوں جھگڑتے ہو یعنی تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ تمہارے دین پر تھے۔ توریت وانجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد طویل مدت کے بعد ان دونوں کا نزول ہوا۔ لہٰذا یہودیوں اور نصرانیوں نے خود اس بات کو بنایا ہے' تو کیا ان کے قول کو باطل کرنے کیلئے تمہیں عقل نہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۶۵ کے شانِ نزول کا بیان

امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ جب نصاریٰ نجران اور یہودی علماء رسول اللہ کے پاس جمع ہوئے اور آپ کے پاس آپس میں جھگڑا کرنے لگے یہودی علماء نے کہا کہ حضرت ابراہیم عیسائی تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قرطبی کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک کے یہ دعویٰ کرنے کی وجہ سے نازل ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے اللہ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ یہودیت اور نصرانیت تو آپ کے بعد آئی ہے۔

یہی اللہ کے اس فرمان میں مذکور ہے (وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ، حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد

اتری اور وہ پہلے ہو چکے ہیں۔ (تفسیر قرطبی 4-107)

یہود و نصاریٰ کے دین حنیف کے بارے میں غلط دعوے کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ یہودی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے اور نصرانی بھی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے کہتے تھے اور آپس میں اس پر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعوے کی تردید کرتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا، ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ ہم میں سے تھے اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانے میں نہ موسیٰ تھے نہ توراۃ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب تورات شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے، اسی طرح اے نصرانیو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی کیا تم اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کی اس بےعلمی کے جھگڑے پر رب دو عالم انہیں ملامت کرتا ہے اگر تم بحث و مباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی تم تو اس بارے میں گفتگو کرتے ہو جس کا دونوں کو مطلق علم ہی نہیں، تمہیں چاہئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اسے اس علیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، اسی لئے فرمایا اللہ جانتا ہے اور تم محض بےخبر ہو۔ دراصل اللہ کے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان کے مالک تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے، یہ آیت اس آیت کی مثل ہے جو سورہ بقرہ میں گزر چکی آیت (وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا) 2۔ البقرۃ:135) یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی بننے میں ہدایت ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○
سن لو! تم وہی لوگ ہو جو ان باتوں میں بھی جھگڑتے رہے ہو جن کا تمہیں علم تھا مگر ان باتوں میں کیوں تکرار کرتے ہو
جن کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے واقعہ میں یہود و نصاریٰ کو انتباہ

"هَا" لِلتَّنْبِيْهِ "اَنْتُمْ" مُبْتَدَأٌ يَا "هٰؤُلَاءِ" وَالْخَبَر "حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْم" مِنْ اَمْرِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَزَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ عَلٰى دِيْنِهِمَا "فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْم" مِنْ شَاْنِ اِبْرَاهِيْم "وَاللّٰهُ يَعْلَم" شَاْنَهٗ "وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"

یہاں پر ھاء انتباہ کیلئے آیا ہے جبکہ انتم مبتداء ہے۔ اور ھؤلاء خبر ہے۔ سن لو! تم وہی لوگ ہو جو ان باتوں میں بھی

جھگڑتے رہے ہو جن کا تمہیں علم تھا یعنی حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان کے دین پر ہو۔ مگران باتوں میں کیوں تکرار کرتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ٥
ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔

قَالَ تَعَالٰی تَبْرِئَةً لِإِبْرَاهِیْمَ، "مَا كَانَ اِبْرَاهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا" مَائِلًا عَنِ الْاَدْیَانِ كُلِّهَا اِلَی الدِّیْنِ الْقَیِّمِ "مُسْلِمًا" مُوَحِّدًا "وما كان من المشركين"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برأت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے مسلمان تھے، یعنی تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے سچے موحد مسلمان تھے۔ اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔

دین حنیف اور عمرو بن نفیل کا واقعہ

سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن عمر ہی نے بیان کیا ہوگا کہ زید بن عمرو بن نفیل دین حق کی تلاش و اتباع میں ملک شام کی طرف گئے تو ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ زید نے ان کے مذہب کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ ممکن ہے میں تمہارا دین اختیار کرلوں لہٰذا مجھے بتاؤ اس نے کہا تم اس وقت تک ہمارے دین پر نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی سے اپنا حصہ نہ لے لو۔ زید نے کہا میں غضب الٰہی سے ہی بھاگتا ہوں اور اس کے غضب کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے تو کیا تم مجھے کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو اس نے کہا میں حنیف کے سوا اور کوئی مذہب (تمہارے لئے) نہیں جانتا زید نے کہا حنیف کیا چیز؟ اس نے کہا دین ابراہیمی نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے لہٰذا زید وہاں سے نکل آئے اور ایک نصرانی عالم سے ملاقات کی اور زید نے اس سے بھی اسی طرح بیان کیا اس نے کہا کہ تم ہمارے دین پر آ ؤگے۔ تو خدا کی لعنت سے اپنا حصہ تمہیں لینا پڑے گا زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگتا ہوں اور اللہ کی لعنت وغضب کو میں بالکل برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں طاقت ہے۔ کیا تم کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ تمہارے لئے حنیف کے سوا اور کوئی مذہب نہیں جانتا انہوں نے کہا حنیف کیا چیز ہے؟ اس نے کہا دین ابراہیم علیہ السلام وہ نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے جب زید نے ان کی گفتگو حضرت ابراہیم کے بارے میں سن لی تو وہاں سے چل دیئے جب باہر آئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔

لیث نے کہا کہ مجھے ہشام نے بواسطہ اپنے والد اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا لکھا اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے اپنی پشت لگائے کھڑا ہوا دیکھا وہ کہہ رہے تھے اے جماعت قریش! میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم

پر نہیں ہے۔اور وہ موودۃ (یعنی وہ نوزائیدہ لڑکی جسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا) کو بھی بچالیتے تھے وہ اس آدمی سے جو اپنی لڑکی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا یہ فرماتے کہ اسے قتل نہ کرو اور میں تمہارے بجائے اس کی خدمت کروں گا تو وہ اسے (پرورش کے لئے) لے جاتے جب وہ بڑی ہوجاتی تو اس کے باپ سے کہتے اگر تم چاہو تو میں یہ لڑکی تمہارے حوالہ کردوں اور تمہارے منشا ہو تو میں ہی اس کی خدمت کرتا رہوں۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1031)

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝
بیشک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم کے قریب تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہی
نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان لانے والے ہیں، اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

"اِنَّ اَوۡلَى النَّاس" اَحَقُّهُمۡ "بِاِبۡرَاهِيۡم لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ" فِیۡ زَمَانه "وَهٰذَا النَّبِیّ" مُحَمَّدٍ لِمُوَافَقَتِهِ لَهٗ فِیۡ اَكۡثَر شَرۡعه "وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا" مِنۡ اُمَّته فَهُمُ الَّذِيۡنَ يَنۡبَغِی اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا نَحۡنُ عَلٰی دِيۡنه لَا اَنۡتُمۡ "وَاللّٰهُ وَلِیّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ" نَاصِرهمۡ وَحَافِظهمۡ،

بیشک سب لوگوں سے بڑھ کر حق میں ابراہیم کے قریب تو وہی لوگ ہیں جنہوں ان کے زمانے میں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہی نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکہ ان کی اکثر شریعت ان کی شریعت کے مطابق ہے۔اور ایمان لانے والے ہیں، یعنی آپ ﷺ کی امت کے لوگوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ کہیں کہ ہم ان کے دین پر ہیں جبکہ تم نہیں ہو۔اور اللہ ایمان والوں کا مددگار یعنی ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ٦٨ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے نبیوں میں سے دوست ہوتے ہیں۔میرے دوست میرے والد اور میرے رب کے دوست ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ 3۔آلِ عمران:68۔ترجمہ۔ ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی تابعداری کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جو اس پر ایمان لائے اور اللہ مؤمنوں کے دوست ہیں (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 930)

وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝
اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ تو خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کرسکیں، مگر وہ فقط اپنے آپ ہی کو گمراہی میں مبتلا
کیے ہوئے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

سورہ آل عمران آیت ۶۹ کے شان نزول کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْیَھُوْدُ مُعَاذًا وَّحُذَیْفَةَ وَعَمَّارًا اِلٰی دِیْنِھِمْ : "وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَھُمْ" لِاَنَّ اِثْمَ اِضْلَالِھِمْ عَلَیْھِمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَا یُطِیْعُوْنَھُمْ فِیْهِ "وَمَا یَشْعُرُوْنَ" بِذٰلِكَ،

جب یہود نے حضرت معاذ، حذیفہ اور عمار رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی طرف بلایا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ تو خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کرسکیں، مگر وہ فقط اپنے آپ ہی کو گمراہی میں مبتلا کیے ہوئے ہیں یعنی ان کو گمراہی ان پر رہے گی ایمان والے ان کی اطاعت نہ کریں گے اور انہیں اس بات کا شعور نہیں۔

یہ آیت حضرت معاذ بن جبل و حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی جن کو یہود اپنے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے اور یہودیت کی دعوت دیتے تھے اس میں بتایا گیا کہ یہ ان کی ہوس خام ہے وہ ان کو گمراہ نہ کرسکیں گے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ٥
اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کررہے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔

"یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ" اَلْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰی نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ" تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ،

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں یعنی اس قرآن کا جو نبی کریم ﷺ کی نعت پر مشتمل ہے اس کا انکار کیوں کررہے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ یعنی تم اس کے حق ہونے کو بھی جانتے ہو۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥
اے اہل کتاب، حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے۔

"یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ" تَخْلِطُوْنَ "اَلْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" بِالتَّحْرِیْفِ وَالتَّزْوِیْرِ "وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ" اَیْ نَعْتَ النَّبِیِّ "وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُ الْحَقُّ،

اے اہل کتاب، تم تحریف و جھوٹ بناتے ہوئے حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی نعت ہے اور تمہیں اس کے حق ہونے کی بھی خبر ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ○

اور اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ تم اس کتاب پر جو مسلمانوں پر نازل کی گئی ہے دن چڑھے ایمان لایا کرو اور شام کو انکار کر دیا کرو تا کہ وہ بھی پھر ہو جائیں۔

یہود کا صبح وشام عقیدہ بدلنے کا بیان

"وَقَالَتْ طَائِفَة مِنْ اَهْلِ الْكِتَاب" اَلْيَهُود لِبَعْضِهِمْ "اٰمِنُوْا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اَیْ الْقُرْاٰن "وَجْه النَّهَار" اَوَّله "وَاكْفُرُوْا" بِهٖ "اٰخِره لَعَلَّهُمْ" اَیْ الْمُؤْمِنِيْنَ "يَرْجِعُوْنَ" عَنْ دِيْنهمْ اِذْ يَقُوْلُوْنَ مَا رَجَعَ هٰؤُلَاءِ عَنْهُ بَعْد دُخُولهمْ فِيْهِ وَهُمْ اُولُو عِلْم اِلَّا لِعِلْمِهِمْ بُطْلَانه،

اور اہل کتاب یعنی ان میں سے بعض یہود کا ایک گروہ کہتا ہے کہ تم اس کتاب یعنی قرآن پر جو مسلمانوں پر نازل کی گئی ہے دن چڑھے ایمان لایا کرو اور شام کو انکار کر دیا کرو تا کہ وہ مسلمان بھی پھر ہو جائیں۔ یعنی جب یہود دین سے پھر جائیں گے تو اسلام میں نئے داخل ہونے والے سمجھیں گے کہ یہود اہل علم ہیں جب ان کو اس دین کے باطل ہونے کا پتہ چل گیا ہے تو لہٰذا یہ دین باطل ہے (یہ یہود کی باطنی خباثت تھی لیکن اللہ نے اہل ایمان کو استقامت عطا فرمائی)۔

سورہ آلِ عمران آیت ۷۲ کے شان نزول کا بیان

یہودیوں نے اسلام کی مخالفت میں رات دن نئے نئے مکر کیا کرتے تھے خیبر کے علماء یہود کے بارہ شخصوں نے باہمی مشورہ سے ایک یہ مکر سوچا کہ ان کی ایک جماعت صبح کو اسلام لے آئے اور شام کو مرتد ہو جائے اور لوگوں سے کہے کہ ہم نے اپنی کتابوں میں جو دیکھا تو ثابت ہوا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نبی موعود نہیں ہیں جن کی ہماری کتابوں میں خبر ہے تا کہ اس حرکت سے مسلمانوں کو دین میں شبہ پیدا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کا یہ راز فاش کر دیا اور ان کا یہ مکر نہ چل سکا اور مسلمان پہلے سے خبردار ہو گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ ۷۲، لاہور)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ○

اور یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیروکار ہو تم فرما دو کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے۔ اس لئے کہ کسی کو ملے جیسا تمہیں ملا یا کوئی تم پر حجت لا سکے تمہارے رب کے پاس تم فرما دو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے،

کتاب وحکمت اور فضائل کا بیان

وقالوا أيضا "وَلَا تُؤْمِنُوا" تُصَدِّقُوا "إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ" وَافَقَ "دِينَكُمْ" قَالَ تَعَالٰى : "قُلْ" لَهُمْ يَا مُحَمَّد "إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰه" الَّذِيْ هُوَ الْإِسْلَام وَمَا عَدَاهُ ضَلَال وَالْجُمْلَة اعْتِرَاض "أَنْ" أَيْ بِأَنْ "يُؤْتَى أَحَد مِثْل مَا أُوتِيتُمْ" مِنَ الْكِتَاب وَالْحِكْمَة وَالْفَضَائِل وَأَنْ مَفْعُول تُؤْمِنُوا وَالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ أَحَد قُدِّمَ عَلَيْهِ الْمُسْتَثْنَى الْمَعْنَى : لَا تُقِرُّوا بِأَنَّ أَحَدًا يُؤْتَى ذٰلِكَ إِلَّا لِمَنْ اتَّبَعَ دِينَكُمْ "أَوْ" بِأَنْ "يُحَاجُّوكُمْ" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ يَغْلِبُوكُمْ "عِنْد رَبّكُمْ" يَوْم الْقِيَامَة لِأَنَّكُمْ أَصَحّ دِينًا وَفِي قِرَاءَة : آنْ بِهَمْزَةِ التَّوْبِيخ أَيْ إِيتَاء أَحَد مِثْله تُقِرُّونَ بِهِ "قُلْ إِنَّ الْفَضْل بِيَدِ اللّٰه يُؤْتِيه مَنْ يَشَاء" فَمِنْ أَيْنَ لَكُمْ أَنَّهُ لَا يُؤْتَى أَحَد مِثْل مَا أُوتِيتُمْ "وَاللّٰهُ وَاسِع" كَثِيْر الْفَضْل "عَلِيْم" بِمَنْ هُوَ أَهْله،

اورانہوں نے اس طرح بھی کہا کہ تم یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کے مطابق ہو تو اللہ تعالی نے فرمایا یا محمد ﷺ تم ان سے فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے۔ وہ اسلام ہے اور اس کے سوا گمراہی ہے۔ اور ان یعنی بان یہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ اس کی عطاء ہے جس طرح اس نے تمہیں بھی عطا کیا تھا یعنی جو تم کت کتاب، حکمت اور فضیلت بخشی ہے۔ تا کہ تم پر کوئی تم پر حجت لا سکے یعنی اہل ایمان تم کو مغلوب کر دیں گے۔ جو قیامت کے دن تمہارے رب کے پاس یعنی تمہارا دین صحیح ہے۔ ایک قرأت میں یہاں ہمزہ توبیخ کیلئے آیا ہے۔ یعنی اس کی مثل دینا جس کا تم اقرار کرتے ہو؟ تم فرمادو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے، اس کے باوجود تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تمہارے جیسا فضل کسی کو نہ دے گا۔ اور اللہ زیادہ فضل والا، وسعت والا علم والا ہے، جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

مفسرین نے اس کو مشکل ترین آیت شمار کیا ہے (ضیاء القرآن) وقال الواحدی ان هذه الاية من مشكلات القران واصعبه تفسيرا .

اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اہل یہود کے طائفہ کا قول جو آیہ ماقبل 3):72) میں دیا گیا ہے اس آیۃ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اور ولا تو منوا سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو جاتا ہے۔

يحتمل ان يكون الخبر عن اليهود قد تم عند قوله لعلهم يرجعون . وقوله ولا تومنوا من كلام الله تعالىٰ ثبت به قلوب المومنين لئلا ليشكوا عند تلبيس اليهود وتزويرهم فى دينهم يقول الله عزوجل لا تصرقوا يا معشر المومنين الامن تبع دينكم ولا تصدقوا ان يوتى احد مثل ما اوتيتم من الدين والفضل ولا لصدقوا ان يحاجوكم عند ربكم او يقدروا على ذلك فان الهدى هدى الله وان الفضل بيد الله يوتيه من يشاء والله واسع عليم . فتكون الاية كلها خطا باللمومنين عند تلبيس اليهود لئلا يرتابوا ولا يشكوا .

احتمال ہے کہ اہل یہود کے متعلق بات لعلھم یرجعون پر ختم ہوگئی۔ اور ولا تومنوا الخ کلام اللہ ہے (یہ اس لئے کہ) مومنین کے دل نہ ڈگمگائیں اور اہل یہود کی اپنے دین میں تزویر و تلبیس باعث شک نہ بنے۔ سو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے مومنو! سوائے اپنے مذہب کے پیروکار کے کسی پر اعتبار نہ کرو۔ اور نہ ہی یہ باور کرو کہ جو عنایات تم پر ہوئی ہیں کسی اور پر بھی ہو سکتی ہیں اور نہ ہی اس امر کو دل میں جگہ دو کہ وہ تم پر خدا کے حضور دلیل میں غالب آجائیں گے کیونکہ ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا ہے اور علیم ہے۔

س میں قل ان الھدی ھدی اللہ جملہ معترضہ ہے اور دوسرے سب جملوں کا تعلق لا تومنوا سے ہے۔ یعنی لا تومنوا الا لمن تبع دینکم ولا تومنوا ان یوتی احد مثل ما اوتیتم ولا تصدقوا ان یحاجوکم عند ربکم

(ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

مت مانو کسی کی بات ماسوائے ان لوگوں کے جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں اور مت یقین کرو کہ جو انعام و فضل تم پر کیا گیا ہے وہ کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے اور مت مانو یہ بات کہ وہ تمہارے رب کے نزدیک تم پر دلیل سے غالب آسکتے ہیں۔

تفسیر الخازن میں ہے ثم اختلفوا فیہ فمنھم من قال ھذا کلام معترض بین کلامین وما بعدہ متصل بالکلام الاول ای لا تومنوا الا لمن تبع دینکم ولا تومنوا ان یوتی احد مثل ما اوتیتم، ولا تومنوا ان یحاجوکم عند ربکم۔

طائفۃ من اھل الکتاب کا کلام لمن تبع دینکم پر ختم ہو جاتا ہے اور قل ان الھدی سے آیۃ کے اخیر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو کہہ کہ ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے کہ جس طرح وہ ہدایت تمہیں عطا ہوئی تھی اسی طرح وہ اسے کسی اور کو بھی عطا کر دے۔ یا وہ تمہارے رب کی عطائیگی کے بارے میں حجت بازی کریں تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کہ ان الفضل بید اللہ الخ یہاں عند ربکم کا مطلب عند فعل ربکم ہوگا۔

وہ ایک دوسرے کو اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ خبردار اپنے دین پر پکے رہنا، دوسرے کسی مذہب والے کی پیروی نہ کرنا، تم مسلمانوں کی باتیں سنو مگر قبول وہی کرو جو تمہارے اپنے مذہب کے مطابق ہوں۔ اور خبردار! انہیں تورات کی کوئی ایسی بات بھی نہ بتلانا جو تمہارے اپنے خلاف جاتی ہو۔ ورنہ وہ قیامت کو اللہ کے حضور یہ کہہ دیں گے کہ ان باتوں کا تو یہ یہود خود بھی اقرار کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں اپنے پیارے پیغمبر سے فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم جو ہدایت کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہو تو یہ تو بتلاؤ کہ یہ ہدایت تمہیں ملی کہاں سے ہے؟ اور اگر اللہ ہی کی طرف سے ملی ہے تو کیا دوسروں کو ایسی ہی ہدایت کے احکام نہیں بتلا سکتا۔ بالخصوص اس صورت میں کہ تم اللہ کے احکام کے علی الرغم ہر قسم کی بددیانتی پر اتر آئے ہو؟

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ جسے چاہے رحمت کیلئے خاص کر لیتا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ میں) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود و نصاریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصہ کام کرنے کی اجرت کے طور پر) ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے) یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دونگا چنانچہ یہود کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے لوگوں نے یعنی) انصاری نے دوپہر سے عصر کے وقت ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا (اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دوگنے اجر کے قرار پائے ہو) یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اس میں کچھ کمی کی ہے، یہود و نصاریٰ نے کہا نہیں (ہمارے حق میں تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟) پروردگار نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل و احسان ہے میں جس کو چاہوں زیادہ دوں۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 980)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

اور اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ اس کے پاس مال کا ڈھیر امانت رکھ دیں تو وہ آپ کو لوٹا دے گا اور انہی میں ایسے بھی ہیں کہ اگر اس کے پاس ایک دینار امانت رکھ دیں تو آپ کو وہ بھی نہیں لوٹائے گا سوائے اس کے کہ آپ اس کے سر پر کھڑے رہیں، یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور انہیں خود معلوم ہے۔

امانات میں بددیانتی کرنے والے یہود کا بیان

"وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ " اَیْ بِمَالٍ كَثِیْرٍ "یُؤَدِّهٖ اِلَیْكَ" لِاَمَانَتِهٖ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَوْدَعَهٗ رَجُلٌ اَلْفًا وَّمِائَتَیْ اُوْقِیَّةٍ ذَهَبًا فَاَدَّاهَا اِلَیْهِ "وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَا یُؤَدِّهٖ اِلَیْكَ " لِخِیَانَتِهٖ "اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا" لَا تُفَارِقُهٗ فَمَتٰی فَارَقْتَهٗ اَنْكَرَهٗ كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ اسْتَوْدَعَهٗ قُرَشِیٌّ دِیْنَارًا فَجَحَدَهٗ "ذٰلِكَ" اَیْ تَرْكُ الْاَدَاءِ "بِاَنَّهُمْ قَالُوْا " بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ "لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ" اَیْ الْعَرَبِ "سَبِیْلٌ" اَیْ اِثْمٌ لِاسْتِحْلَالِهِمْ ظُلْمَ مَنْ خَالَفَ دِیْنَهُمْ وَنَسَبُوْهُ اِلَیْهِ تَعَالٰی "وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ" فِیْ نِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَیْهِ "وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ،

اور اہلِ کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ اس کے پاس مال کا ڈھیر یعنی کثیر امانت رکھ دیں تو وہ آپ کو لوٹا دے گا جس طرح عبداللہ بن سلام ہیں کہ جب ایک شخص نے ان کے پاس ۱۲۰۰ اوقیہ سونا رکھا تو انہوں نے اس کو واپس کر دیا۔ اور انہی میں ایسے بھی ہیں کہ اگر اس کے پاس ایک دینار امانت رکھ دیں تو خیانت کرتے ہوئے آپ کو وہ بھی نہیں لوٹائے گا سوائے اس کے کہ آپ اس کے سر پر کھڑے رہیں، یعنی اس سے جدا نہ ہوں اور جیسے ہی جدا ہوں گے تو وہ انکار کر دے گا جس طرح کعب بن اشرف ہے کہ ایک قرشی نے اس کے پاس ایک دینار رکھا تو اس نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اَن پڑھ اہل عرب کے معاملہ میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، یعنی جو بھی ان کے دین کے خلاف ہوتا وہ اس پر ظلم کو حلال جانتے اور اس عقیدے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے۔ اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یعنی ایسی جھوٹی نسبت کرتے ہوئے۔ اور انہیں خود معلوم ہے۔ کہ وہی جھوٹے ہیں

سورہ آلِ عمران آیت ۷۵ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی اور اس میں ظاہر فرمایا گیا کہ ان میں دو قسم کے لوگ ہیں امین وخائن بعض تو ایسے ہیں کہ کثیر مال ان کے پاس امانت رکھا جائے تو بے کم وکاست وقت پر ادا کر دیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جن کے پاس ایک قریشی نے بارہ سو اَوقیہ سونا امانت رکھا تھا آپ نے اس کو ویسا ہی ادا کیا، اور بعض اہل کتاب میں اتنے بددیانت ہیں کہ تھوڑے پر بھی ان کی نیت بگڑ جاتی ہے جیسے کہ فنحاص بن عازوراء جس کے پاس کسی نے ایک اشرفی امانت رکھی تھی مانگتے وقت اس سے مُکر گیا۔ (خزائن العرفان)

خلوص نیت سے مال کی واپسی کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ کہا اللہ کی گواہی کافی ہے اس نے کہا ضامن لاؤ اس نے کہا ضمانت بھی اللہ ہی دیتا ہوں وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت معین مقرر کر کے رقم دے دی وہ اپنے دریائی سفر میں نکل گیا جب کام کاج سے نپٹ گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا

تا کہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا: اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دے دیئے اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دے دوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چلا آیا لکڑی پانی میں ڈوب گئی، یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے ادھر قرض خواہ شخص دریا کے کنارے یا کہ شاید مقروض کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کوئی کشتی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کو جو کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ جلانے کے کام آئے گی گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکلا کچھ دنوں بعد قرض دینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے ہر چند کوشش کی کہ کوئی سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گذرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ نے مجھے پہنچا دی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا، یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے۔

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ٥
ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیز گاری کی اور بیشک پرہیز گاروں کو اللہ پسند کرتا ہے،

عہد کو پورا اور تقویٰ اختیار کرنے والے کا بیان

"بَلٰی" عَلَیْهِمْ فِیْ سَبِیْلٍ "مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ" الَّذِیْ عَاهَدَ عَلَیْهِ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِلَیْهِ مِنْ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَغَیْرِهٖ "وَاتَّقٰی" اللّٰهَ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ وَعَمِلَ الطَّاعَاتِ "فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ" فِیْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اَیْ یُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰی یُثِیْبُهُمْ،

ہاں کیوں نہیں، بلکہ ان پر مؤاخذہ ہے۔ جس نے اپنا عہد پورا کیا یعنی جس پر عہد کیا گیا یا جس سے امانت کی ادائیگی وغیرہ میں اللہ کا عہد لیا گیا۔ اور جس نے پرہیز گاری کی یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے گناہ چھوڑ دیا اور نیک عمل کیا۔ اور بیشک پرہیز گاروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ یہاں پر بھی اسم ظاہر کی جگہ پر اسم ضمیر کو لایا گیا ہے۔ یعنی وہ ان سے محبت کرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔

کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس آدمی میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔" (شعب الایمان)

امانت و دیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان و مومن میں ہونا ضروری ہے ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث ۔ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے یا خطبہ دیا کرتے تھے، تو امانت و دیانت اور ایفائے عہد کے بارہ میں ضرور تاکید فرمایا کرتے تھے اس لئے مومن کی فطرت ہی امانت و دیانت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔اس کے اندران اوصاف کے جوہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایفاء عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ جس آدمی کے اندر یہ اوصاف ہوں گے وہ دین و ایمان کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، تاہم اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت و عظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکیدا اس طرح فرمایا گیا تاکہ ان کی اہمیت دلوں میں بیٹھ جائے۔(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 31)

عہد کو توڑنے والے کی مذمت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی)

(بخاری، (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 204)

اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد و معاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت و انسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد و معاہدہ کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لئے جو شخص اللہ ۔ ام پر کئے ہوئے عہد و معاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب الٰہی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جیسے ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنا دے اور اس کی خرید و فروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس کا مول کھانے کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہوگا اور اس وعید میں داخل ہوگا۔تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفریں

فعل ہے کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جسے حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرائی مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

عہد توڑنے والے کیلئے قیامت کے دن رسوائی کا بیان

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن عہد شکن کی فضیحت و رسوائی کے لئے ایک نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔" بخاری و مسلم اور حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان مقرر ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کی رسوائی و فضیحت کی تشہیر کے لئے اس کے مقعد کے قریب ایک نشان ہوگا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ" قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا۔ یعنی اس کی جتنی زیادہ عہد شکنی ہوگی اسی قدر وہ نشان اور اس کی تشہیر زیادہ ہوگی خبردار! کوئی عہد شکن عہد شکنی کے اعتبار سے امام عام یعنی حکمران وقت سے بڑا نہیں یعنی حکمران کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 855)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ
وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝
بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کا تھوڑی سی قیمت کے عوض سودا کر دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی
حصہ نہیں اور نہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نگاہ فرمائے گا اور نہ انہیں پاکیزگی دے گا
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

اللہ کو ناراض کر کے ملاقات کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے ایسی جھوٹی قسم کھائی جس سے وہ کسی مسلمان کا مال دبانا چاہتا ہے وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غصہ ہوں گے۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے متعلق ہے۔ میرے اور ایک یہودی کے درمیان کچھ مشترک زمین تھی۔ اس نے میری شراکت کا انکار کر دیا تو میں اسے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے گواہ لا

کیلئے کہا تو میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی گواہ نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو حکم دیا کہ قسم کھاؤ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو قسم کھا کر میرا مال لے جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا) 3۔ آلِ عمران: 77) (یعنی جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلے میں تھوڑا سا معاوضہ لے لیتے ہیں آخرت میں ان لوگوں کیلئے کوئی حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کریں گے نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا) یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں ابن ابی اوفیٰ سے بھی روایت منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 932)

سورہ آلِ عمران آیت ۷۷ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص کسی چیز پر مقید ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔" چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ) 3۔ آلِ عمران: 77)۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 885)

پوری آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ (اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)۔ 3۔ آلِ عمران: 77)" یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ اپنی قسموں کے، ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہیں ملے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت سے دیکھیں گے۔ اور نہ (ان کے گناہوں کو معاف کر کے) ان کو پاک کریں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔" حدیث کی عبارت من حلف علی یمین "صبر" کے لغوی معنی ہیں "حبس، روکنا، لزوم" اور "یمین صبر" سے مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت میں کسی شخص پر قسم کھانا لازم ہے گویا علی یمین صبر میں "علی" حرف با کے معنی میں ہے اور اس سے مراد محلوف علیہ ہے! بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "یمین صبر" یہ ہے کہ کسی چیز پر قسم کھانے والا اس مقصد سے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا مال تلف کر دے یا اس کو ہڑپ کر لے، چنانچہ (وھو فیہا فاجر) اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو، کے الفاظ سے اس مفہوم کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امامہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا حق غصب کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کر دیا۔" ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم سے عرض کیا اگرچہ وہ حق کوئی معمولی سی چیز ہو۔" آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ پیلو کے درخت کا

ایک ٹکڑا (یعنی مسواک) ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا" اس جملہ کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہوگا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر دے! اسی طرح " بہشت کو اس پر حرام کر دیا۔ " کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول وہلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم قرار دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہڑپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی ذمی کا حق مارے۔

یہودیوں کی عہد شکنیوں کا بیان

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا اسی کے بارے میں (دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی شاعر حضرت حسان ابن ثابت انصاری نے یہ شعر کہا۔ "وهان علی سراة بنی لؤی حریق بالبریرة مستطیر یعنی بنی لوئی کے سرداروں کے لئے پھیلے ہوئے بویرہ کو جلا ڈالنا آسان ہو گیا۔ نیز اسی کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: (مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ) 59. الحشر: 5) . " تم نے کھجور کے درخت پر سے جو کچھ کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑ پر کھڑا ہوا چھوڑ دیا (یعنی جو کچھ نہیں کاٹا) یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1051)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا، اس وقت مدینہ میں ان (یہودیوں) کے تین قبائل آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باہمی معاہدہ کیا جس کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت اہم سماجی اور معاشرتی معاملات سے متعلق اور آپس میں میل ملاپ سے رہنے کے بارے میں کچھ دفعات طے ہوئیں جن میں یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات دے کر "پورے حقوق شہریت" عطا کیے گئے اور ان کو مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا رویہ برتا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان پر عمل بھی کیا گیا، مگر یہودیوں کی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی یہاں تک کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی طرف سے اس حد تک عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا کہ ان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش بھی تیار کر لی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ناپاک سازش پر مطلع کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں کو مدینہ سے جلا وطن کر کے خیبر بھگا دیا گیا، ان کے کھجوروں کے باغات جلا ڈالے گئے اور ان کے مکانات کو تہس نہس کر دیا گیا۔ لؤی لام کے پیش اور ہمزہ کے زبر اور یاء کے تشدید کے ساتھ، نضر ابن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ اور بنی لوی سے مراد قریش کے اشراف ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ "بویرہ" ایک جگہ کا نام تھا جہاں بنونضیر کے یہودیوں کے باغات تھے اور جن کو صحابہ نے جلا ڈالا تھا۔ منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کا کاٹنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ "محمد ﷺ آپ تو زمین پر فساد برپا کرنے سے منع کرتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے کھجوروں کے ان درختوں کو کیوں کٹوایا اور جلوا ڈالا؟" چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کی توثیق کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ ان یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہے وہ حکم الٰہی کے مطابق ہے اور اسلام دشمن لوگوں کے درختوں کا کاٹنا اور جلانا جائز ہے

سورہ آل عمران آیت ۷۷ کے شان نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ لَمَّا بَدَّلُوْا نَعْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَهْدَ اللّٰهِ إِلَيْهِمْ فِي التَّوْرَاةِ وَفِيْمَنْ حَلَفَ كَاذِبًا فِيْ دَعْوَى أَوْ فِيْ بَيْعِ سِلْعَةٍ "إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ" يَسْتَبْدِلُوْنَ "بِعَهْدِ اللّٰهِ" إِلَيْهِمْ فِي الْإِيْمَانِ بِالنَّبِيِّ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ "وَأَيْمَانِهِمْ" حَلِفِهِمْ بِهِ تَعَالَى كَاذِبِيْنَ "ثَمَنًا قَلِيْلًا" مِنَ الدُّنْيَا "أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ" نَصِيْبَ "لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ" غَضَبًا "وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ" يَرْحَمُهُمْ "يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ" يُطَهِّرُهُمْ "وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ" مُؤْلِمٌ،

یہ آیت مبارکہ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نعت کو تبدیل کر دیا اور اسی طرح اللہ نے ان سے تورات میں عہد لیا تھا اور جو شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹی قسم اٹھائے یا بیع کے نفع میں جھوٹی قسم اٹھائے۔

ان تمام عہدوں کو انہوں بدل ڈالا تو تب یہ آیت نازل ہوئی:

بیشک جو لوگ اللہ کے عہد یعنی جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور امانتوں کی ادائیگی کا تھا اور اپنی قسموں یعنی اللہ کی جھوٹی قسموں کو اٹھاتے تھے، کا دنیا میں تھوڑی سی قیمت کے عوض سودا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نگاہ فرمائے گا یعنی قیامت کے دن ان پر رحم نہ فرمائے گا اور نہ انہیں پاکیزگی دے گا اور ان کے لئے تکلیف دینے والا دردناک عذاب ہوگا۔

جھوٹی قسم اٹھا کر مال کھانے والے کا بیان

حضرت ابو وائل عبداللہ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال (یا فرمایا کہ بھائی کا مال) ہضم کرے تو اللہ اس سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر اللہ کا غضب ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ 3۔ آل عمران: 77)، یعنی جو لوگ اللہ کے عہد کے ساتھ خریدتے ہیں، سلیمان نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ اشعث بن قیس گزرے تو پوچھا کہ تم سے عبداللہ کیا بیان کرتے ہیں لوگوں نے ان کو بتایا تو اشعث نے کہا کہ یہ آیت تو میرے اور میرے ایک ساتھی کے متعلق نازل ہوئی، ہمارے درمیان ایک کنویں کے بارے میں تنازع تھا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1579)

عہد والے شخص کے قتل کی سخت مذمت وگناہ کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 623)

معاہد یعنی عہد والا اس کافر کو کہتے ہیں جس نے امام وقت (سربراہ مملکت اسلامی) سے جنگ وجدل نہ کرنے کا عہد کر لیا ہو خواہ وہ ذمی ہو یا غیر ذمی۔ اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔" جب کہ ایک روایت میں ستر برس" ایک روایت میں "سو برس" مؤطا میں "پانچ سو برس" اور فردوس میں "ہزار برس" کے الفاظ ہیں 'بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان رواتوں میں یہ فرق واختلاف دراصل اشخاص واعمال کے مختلف ہونے اور درجات کے تفاوت کی بناء ہے چنانچہ (میدان حشر میں) بعض لوگوں کو جنت کی بو ہزار برس کی راہ سے بعض لوگوں کو پانچ سو برس کی راہ سے آئے گی، اسی طرح بعض لوگ جنت کی اس بو کو ایک سو برس اور بعض لوگ ستر برس اور چالیس برس کی مسافت آتی ہوئی محسوس کریں گے بہر کیف ان تمام مذکورہ اعداد سے تحدید مراد نہیں ہے بلکہ طول مسافت مراد ہے۔ نیز جنت کی بو نہ پانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں جب مقربین اور علماء جنت کی بو پائیں گے۔ وہ شخص اس وقت جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد معاہد کو قتل کرنے کی سخت مذمت بیان کرنا اور قتل کرنے والے کے خلافت سخت الفاظ میں تنبیہ وتہدید کا اظہار کرنا ہے۔

عہد کو پورا کرنے پر بیعت لینے کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے روبروان امور کا عہد کیا کہ " ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے) سنیں گے (اور ہر قسم کے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی) اطاعت کریں. گے تنگی اور سخت حالات میں بھی اور آسان وخوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں، ہم پر ترجیح دی جائے گی۔ (تو ہم صبر کریں گے۔ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے ہم (جب زبان سے کوئی بات کہیں کے تو) حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں (یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو جگہ سے نہیں نکالیں گے۔ (چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو) ہاں اگر تم صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں دلیل ہو (اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 806)

ہم پر ترجیح دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہوگا یعنی بخشش وانعام اور اعزاز مناصب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح وتفصیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ صبر کرنا" چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نباہتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے صبر وتحمل کی راہ کو اختیار کیا۔" ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت وحکومت کی طلب وخواہش نہیں کریں گے ہم پر جس شخص کو امیر وحاکم بنا دیا جائے گا ہم اس کو معزول نہیں کریں گے اور اپنے امیر وحاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر وحاکم کے قول وفعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا واجب ہوگا۔

حضرت اشعث ابن قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "ایک زمین میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترک تھی لیکن یہودی نے (اس زمین پر) میرے حصے (کو تسلیم کرنے) سے انکار کر دیا، چنانچہ میں اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور اپنا معاملہ پیش کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا" نہیں " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے فرمایا کہ " تم قسم کھاؤ" میں نے یہ (سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! یہ اس وقت قسم کھا لے گا اور میرا مال ہڑپ کر لے گا۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح کے ایک قضیہ کے سلسلے میں جس کا ذکر حضرت ابن مسعود کی روایت میں گزر چکا ہے) یہ آیت نازل فرمائی: (اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰ ىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ) 3۔ آلِ عمران: 77) یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے الخ اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 900)

حدیث میں جو آیت نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس قضیہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جو حضرت ابن مسعود کی روایت (نمبر۲) میں بیان ہوا ہے، چونکہ اس روایت میں جو قضیہ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اس قضیہ کی مانند ہے اس لئے یہاں اسی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔پوری روایت حضرت ابن مسعود کی روایت کی تشریح میں نقل کی جا چکی ہے۔حضرت اشعث کا نقطہ اعتراض یہ تھا کہ اس یہودی کو قسم کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بطور خاص مالی معاملات میں یہودیوں کی فطرت کیا ہے، اس یہودی کے لئے اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ میرا مال ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھا لے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی قسم پر فیصلہ کا انحصار نہ رکھا جائے۔حضرت اشعث کے اس نقطہ اعتراض کے جواب میں صرف اس آیت کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں نازل ہوئی تھی، لہٰذا اس آیت کو ذکر کرنا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے کہ شریعت نے اس

صورت میں کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ مدعا علیہ سے قسم لی جائے اور چونکہ اس طرح کے قضیہ میں قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے اس لئے کسی نقطہ اعتراض کی بنا پر مدعا علیہ کو اس حق سے محروم کرنا اس مقررہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرنا ہے جو ہمارے لئے غیر موزوں بات ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی مدعا علیہ اپنے حق سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس مقصد سے جھوٹی قسم کھاتا ہے کہ مدعی کا مال ہڑپ کرے تو اس کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ اس کی اس جھوٹی قسم کا وبال اس کی گردن پر ہوگا اور جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان کیا ہے۔ اس شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ○
اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل (ملاوٹ) کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں،
اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

زبانوں کو پھیر کر مفہوم کو بدلنے والے یہود کا بیان

"وَاِنَّ مِنْهُمْ" اَیْ اَهْلِ الْكِتَاب "لَفَرِيْقًا" طَائِفَة كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَف "يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَاب" اَیْ يَعْطِفُوْنَهَا بِقِرَاءَتِهِ عَنِ الْمُنَزَّل اِلٰى مَا حَرَّفُوْهُ مِنْ نَعْت النَّبِیّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْوه "لِتَحْسَبُوْهُ" اَیْ الْمُحَرَّف "مِنَ الْكِتَاب" الَّذِیْ اَنْزَلَهُ اللّٰه "وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَاب وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْد اللّٰه وَمَا هُوَ مِنْ عِنْد اللّٰه وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰه الْكَذِب وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ،

اور ان میں یعنی اہل کتاب میں کچھ وہ ہیں یعنی جس طرح کعب بن اشرف ہے۔ جو زبان پھیر کر کتاب میں میل و ملاوٹ کرتے ہیں۔ یعنی اس کی قرأت کو نازل کردہ مقام سے کسی اور جانب پھیر کر اس میں موجود نبی کریم ﷺ کی تعریف کو بدل دیتے ہیں کہ تم سمجھو کہ یہ بدلہ ہوا حصہ بھی کتاب میں ہے یعنی اس کو بھی اللہ نے نازل کیا حالانکہ وہ کتاب میں نہیں، اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۷۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توریت وانجیل کی تحریف کی اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے جو چاہا ملایا۔

تورات وانجیل میں بیان کردہ احکام میں تحریف کا بیان

حضرت ابن عباس سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف اور ازالہ کر دیتے تھے مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو کسی اللہ کی کتاب کا لفظ بدل دے مگر یہ لوگ تحریف اور بیجا تاویل کرتے تھے، وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ توراۃ وانجیل اسی طرح

ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتا ری ایک حرف بھی ان میں سے اللہ نے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف اور تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لی ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں اللہ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت وہب کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو عربی زبان میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں کہیں مضمون کو کم کر دیا گیا ہے کہیں بڑھا دیا گیا ہے اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں اور اگر حضرت وہب کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت اللہ کی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و سالم ہے اس میں کمی زیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝
کسی بشر کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے
بندے بن جاؤ بلکہ تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔

سورہ آلِ عمران آیت ۷۹ کے شانِ نزول کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ نَصَارٰی نَجْرَانَ اِنَّ عِيسَى اَمَرَهُمْ اَنْ يَّتَّخِذُوهُ رَبًّا وَّلَمَّا طَلَبَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ السُّجُودَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَا كَانَ" يَنْبَغِي "لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ" اَيِ الْفَهْمَ لِلشَّرِيعَةِ "وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ" يَقُولُ "كُوْنُوْا رَبَّانِيِّينَ" عُلَمَاءَ عَامِلِينَ مَنْسُوبِينَ اِلَى الرَّبِّ بِزِيَادَةِ اَلِفٍ وَنُونٍ تَفْخِيمًا "بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ "الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ" اَيْ بِسَبَبِ ذٰلِكَ فَاِنَّ فَائِدَتَهُ اَنْ تَعْمَلُوا،

یہ آیت مبارکہ نجران کے ان عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رب ماننے کا حکم ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے دیا ہے۔ یا اس کا سبب نزول یہ ہے کہ جب بعض مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ کسی بشر کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت تا کہ وہ شریعت کو سمجھ لیں اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ تم اللہ والے بن جاؤ یعنی باعمل علماء بن جاؤ۔ یہاں ربانیین یہ رب کی جانب منسوب ہے اور الف نون کی زیادتی کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس سبب سے کہ تم

کتاب سکھاتے ہو یعنی تعلمون یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ تم خود اس کتاب کو پڑھتے بھی ہو۔ یقیناً اس کا فائدہ یہ ہے کہ تم اس پر عمل کرو۔

کسی بھی مخلوق کا کیلئے حق عبادت ثابت نہ ہونے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہودیوں اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو ابورافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے "آئیس" کہا جاتا تھا یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی خواہش ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ نہ ہم خود اللہ وحدہ لاشریک کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ حاکم اعلیٰ کا یہ حکم، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، کہ کسی انسان کو کتاب وحکمت اور نبوت ورسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے، جب انبیائے کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی فضیلت اور مرتبے والے ہیں یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے، اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران، ۷۹، بیروت)

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
اور وہ پیغمبر تمہیں یہ حکم کبھی نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو، کیا وہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد
تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

تعلیمات نبوت کا شرک سے پاک ہونے کا بیان

"وَلَا يَأْمُرُكُمْ" بِالرَّفْعِ اسْتِئْنَافًا أَيْ اللّٰه وَالنَّصْب عَطْفًا عَلٰى يَقُوْل أَيْ الْبَشَر "أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَة وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا" كَمَا اتَّخَذَتْ الصَّابِئَة الْمَلَائِكَة وَالْيَهُوْد عُزَيْرًا وَالنَّصَارٰى عِيسَى "أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" لَا يَنْبَغِي لَهُ هٰذَا،

یہاں پر "وَلَا یَاْمُرَکُمْ" نیا جملہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور ان یقول پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور وہ پیغمبر تمہیں یہ حکم کبھی نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو، جس طرح صابیہ نے فرشتوں کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو جبکہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب خدا بنالیا۔ کیا وہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا۔ یعنی یہ مناسب نہیں ہے

سورہ آل عمران آیت ۸۰ کے شان نزول کا بیان

نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم دیا ہے کہ ہم انہیں رب مانیں اس آیت میں اللہ

تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب کی اور بتایا کہ انبیاء کی شان سے ایسا کہنا ممکن ہی نہیں اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ ابورافع یہودی اور سید نصرانی نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا محمد ﷺ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو رب مانیں حضور نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم کروں نہ مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا نہ مجھے اس لئے بھیجا۔(خزائن العرفان)

رسول اللہ ﷺ کیلئے بہ طور درختوں و پتھروں کے سجدہ کرنے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطالب تجارت کے لئے شام کی طرف گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ چل دیئے۔قریش کے شیوخ بھی ساتھ تھے۔جب وہ لوگ راہب کے پاس پہنچے تو ابوطالب اترے،لوگوں نے بھی اپنے کجاوے کھول دیئے۔راہب ان کے پاس آیا۔یہ لوگ ہمیشہ وہاں سے گزرا کرتے تھے لیکن وہ نہ ان لوگوں کے پاس آیا اور نہ ہی انکی طرف متوجہ ہوا۔حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ لوگ ابھی کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ راہب ان کے درمیان گھس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ تمام جہانوں کے سردار ہیں۔یہ تمام جہانوں کے مالک رسول ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجیں گے۔قریش کے مشائخ کہنے لگے کہ تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا؟ کہنے لگا کہ جب تم لوگ اس ٹیلے پر سے اترے تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہیں رہا جو سجدہ میں نہ گر گیا ہو اور یہ نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔میں انہیں نبوت کی مہر سے بھی پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی اوپر والی ہڈی پر سیب کی طرح ثبت ہے۔پھر واپس گیا اور انکے لئے کھانا تیار کیا جب وہ کھانا لے کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے کیلئے گئے ہوئے تھے۔راہب کہنے لگا کہ کسی کو بھیج کر انہیں بلاؤ۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو بدلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کئے ہوئے ساتھ چل رہی تھی۔لوگ درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھے تو درخت جھک گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ ہو گیا۔راہب کہنے لگا دیکھو درخت بھی انکی طرف جھک گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ ہو گیا ہے۔راہب کہنے لگا دیکھو درخت بھی انکی طرف جھک گیا ہے۔راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ وہیں کھڑا انہیں قسم دے کر کہنے لگا کہ انہیں روم نہ لے جاؤ۔وہاں کے لوگ انہیں دیکھ کر ان کے اوصاف سے پہچان لیں گے اور قتل کر دیں گے۔پھر راہب متوجہ ہوا تو دیکھا کہ سات رومی آئے ہیں اور ان سے پوچھنے لگے کہ کیوں آئے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ یہ نبی اس مہینے میں (گھر سے) باہر نکلنے والے ہیں۔لہٰذا ہر راستے پر کچھ لوگ بٹھائے گئے ہیں جب ہمیں تمہارا پتہ چلا تو ہمیں اس طرف بھیج دیا گیا۔راہب نے پوچھا کہ کیا تمہارے پیچھے بھی کوئی ہے جو تم سے بہتر ہو۔کہنے لگے کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ (نبی) تمہارے راستے میں ہے۔راہب کہنے لگا دیکھو اگر اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لیں تو یا کوئی شخص انہیں روک سکتا ہے؟ کہنے لگا نہیں۔راہب نے کہا کہ پھر ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور ان کے ساتھ رہو۔پھر وہ (راہب) اہل مکہ سے مخاطب ہوا اور قسم دے کر پوچھا کہ ان کا سرپرست کون ہے۔انہوں نے کہا ابوطالب۔وہ انہیں قسمیں دیتا رہا یہاں تک کہ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیج دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس راہب کے پاس بھیجا اور راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زادِ راہ کے طور پر زیتون اور روٹیاں دیں۔یہ حدیث حسن

غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1586)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ○
اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ
تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس
پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور
میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں،

نبی آخر الزماں ﷺ کیلئے میثاق انبیاء کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "إِذْ" حِيْنَ "اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ" عَهْدَهُمْ "لَمَا" بِفَتْحِ اللَّامِ لِلْاِبْتِدَاءِ وَتَوْكِيْدِ مَعْنَى الْقَسَمِ الَّذِيْ فِيْ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَيْ لَلَّذِيْ "اٰتَيْتُكُمْ" اِيَّاهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اٰتَيْنَاكُمْ "مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ" مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ" جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ "قَالَ" تَعَالٰى لَهُمْ "ءَاَقْرَرْتُمْ" بِذٰلِكَ "وَاَخَذْتُمْ" قَبِلْتُمْ "عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ" عَهْدِيْ "قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا" عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَاَتْبَاعِكُمْ بِذٰلِكَ "وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ" عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ،

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا یہاں پر لما لام کے فتح کے ساتھ ہے اور یہ لام ابتدائیہ ہے اور معنی قسم میں تاکید کیلئے ہے جس میں عہد لیا گیا ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے جب یہ اخذ کے متعلق ہو۔ اور ما یہ دونوں صورتوں میں موصولہ ہے۔ ایک قرأت میں الذی اور دوسری قرأت کے مطابق "اٰتَیْنَاکُمْ" جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں اور حکمت کی تصدیق فرمائے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ کا میلاد آجائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، یہ جواب قسم ہے۔ یعنی اگر تم ان کا زمانہ پاؤ یا ان کی اتباع کرنے والی امت کا زمانہ پاؤ، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ یعنی میں تمہاری اور ان کی شہادت میں تمہارے ساتھ ہوں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۸۱ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عہد لیا اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ آل عمران، لاہور)

ساری انسانیت کی ارواح کو اجسام میں منتقل کرنے کا بیان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت "جب آپ کے رب نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود اپنے اوپر گواہ بنایا" کی تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو جمع کر کے انہیں ارواح میں منتقل کیا پھر انہیں شکلیں عطاء کیں اور انہیں قوت گویائی بخشی اور وہ بولنے لگے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و پیمان لے کر ان سے ان ہی کے متعلق یہ گواہی دلوائی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اور فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور میں تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں تھا یاد رکھو! میرے علاوہ کوئی معبود نہیں میرے علاوہ کوئی رب نہیں لہٰذا تم کسی کو بھی میرے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور میں تمہارے پاس اپنے پیغمبروں کو بھیجتا رہوں گا جو تمہیں مجھ سے کیا ہوا عہد و پیمان یاد دلاتے رہیں گے اور میں تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور ہمارے معبود ہیں آپ کے علاوہ ہمارا کوئی رب نہیں اور آپ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود نہیں اس طرح انہوں نے اس کا اقرار کر لیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر بلند کیا گیا تاکہ وہ سب کو دیکھ لیں انہوں نے دیکھا کہ ان کی اولاد میں مالدار بھی ہیں اور فقیر بھی خوب صورت بھی ہیں اور بد صورت بھی تو عرض کیا کہ پروردگار! نے تو اپنے بندوں کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے درمیان انبیاء کرام علیہم السلام کو چراغ کی طرح روشن دیکھا جن پر نور چمک رہا تھا جن سے خصوصیت کے ساتھ منصب رسالت و نبوت کے حوالے سے ایک اور عہد و پیمان بھی لیا گیا تھا اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "واذ اخذنا من النبیین میثاقھم" یہ سب عالم ارواح میں ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں شامل تھے اور ان کی روح منہ کے راستے سے حضرت مریم علیہا السلام میں داخل ہوئی تھی۔ (مسند احمد: جلد نہم: حدیث نمبر 1357)

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
پھر جس نے اس کے بعد روگردانی کی پس وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

عہد سے اعراض کرنے کی ممانعت کا بیان

"فَمَنْ تَوَلّٰى" اَعْرَض "بَعْدَ ذٰلِكَ" الْمِيْثَاق "فاولئك هم الفاسقون"

پھر جس نے اس کے بعد یعنی عہد کے بعد روگردانی کی یعنی اعراض کیا پس وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

اہل ایمان کا عہد کو پورا کرنے کا بیان

حضرت سلیم ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہ اور رومیوں کی درمیان (یہ) معاہدہ ہوا تھا کہ (اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے) اور حضرت معاویہ (اس معاہدہ کے زمانہ میں) رومیوں کے شہروں میں گشت (کر کے حالات کا اندازہ) لگایا کرتے تھے تاکہ جب معاہدہ کی مدت گذر جائے تو وہ ان (رومیوں) پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں (اور ان کے ٹھکانوں کو تخت وتاراج کر دیں جب کہ اگر وہ گشت کے ذریعہ ان کے حالات اور ٹھکانوں کا جائزہ لینے کی بجائے اطمینان کے ساتھ اپنے کیمپ میں پڑے رہتے اور پھر معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر حملہ کرتے تو ان رومیوں کے چوکنا ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ جنگی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا پھر (انہی دنوں میں جب کہ امیر معاویہ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے)

ایک شخص عربی یا تر کی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفا کو ملحوظ رکھو نہ کہ بدعہدی کو! یعنی تم پر معاہدہ کو پورا کرنا لازم ہے نہ کہ تم معاہدہ کی خلاف ورزی کرو (گویا انہوں نے یہ واضح کیا کہ تم لوگ معاہدہ کے زمانے میں دشمنوں کے شہروں میں گشت لگاتے ہو تو یہ اپنے عہد کی پاسداری کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کے حکم میں داخل ہے)۔ جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک صحابی حضرت عمرو ابن عبسہ ہیں، حضرت امیر معاویہ نے ان سے اس بات کو پوچھا (کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرنا، عہد شکنی کے مرادف کے سے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، آنکہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے (یعنی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ توڑنا ضروری ہو گیا ہو اور فریق مخالف کو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ہم اس کو توڑتے ہیں،

اب ہم اور تم دونوں برابر ہیں کہ جس کی (جو مرضی ہو کرے) حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ! حضرت ابن عبسہ کی یہ بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن کر " اپنے لوگوں کے ساتھ (رومیوں کے شہر سے اپنے کیمپ میں) واپس چلے آئے۔" (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1083)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَـهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝
کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس نے خوشی سے
یا لاچاری سے اسی کی فرمانبرداری اختیار کی ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ کے دین کے سوا کوئی دین قابل قبول نہ ہونے کا بیان

"اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء اَیْ الْمُتَوَلُّوْنَ "وَلَهٗ اَسْلَمَ" انْقَادَ "مَنْ فِي السَّمٰوَات وَالْاَرْض

طَوْعًا" بِلَا اِبَاء "وَكَرْهًا" بِمُعَايَنَةِ مَا يُلْجِئُ اِلَيْهِ "وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَالْهَمْزَةُ فِيْ اَوَّلِ الْاٰيَةِ لِلْاِنْكَارِ،

کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں یہاں پر "یَبْغُوْنَ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے یعنی وہ پھرنے والے ہیں اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس نے خوشی سے یعنی انکار کیے یا لاچاری سے یعنی طاقت وغیر سے مجبور کیے اسی کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یہاں پر "تُرْجَعُوْنَ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے اور آیت کے شروع میں ہمزہ انکاری ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۸۳ سبب نزول کا بیان

حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اہل کتابین یعنی یہود اور نصاری جو تورات اور انجیل کے حامل ہیں، دین ابراہیمی کے بارے میں اپنے باہمی اختلاف کا معاملہ نبی کریم کے پاس لے گئے، ہر فرقے کا خیال تھا کہ وہی حضرت ابراہیم کے دین کا زیادہ دعویدار اور حق دار ہے، نبی کریم نے فرمایا کہ دونوں فریق دین ابراہیمی (کی قربت) سے بری ہیں، اس پر وہ ناراض ہوگئے، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم آپ کے فیصلے پر رضامند نہیں ہیں اور نہ ہی ہم آپ کا دین قبول کریں گے، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ نازل کی۔

کمزور ایمان والوں کی تالیف کیلئے ان کی مدد کرنے کا بیان

حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں عطا فرمایا اور انہی میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک آدمی کو چھوڑ دیا یعنی کچھ نہ دیا حالانکہ اس کو دینا میرے نزدیک ان سب سے اچھا تھا تو میں نے کھڑے ہوکر چپکے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو کیوں نہ دیا حالانکہ میری نظر میں وہ مومن یا مسلمان ہے۔ پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا اس کے حالات کی واقفیت کی وجہ سے مجھ پر غلبہ ہوا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں شخص کو کیوں نہ دیا اللہ کی قسم میں تو اس کو مومن یا مسلمان گمان کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر اس کے حالات کی واقفیت مجھ پر غالب ہوئی تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو کیوں نہ دیا اللہ کی قسم میں تو اسے مومن یا مسلمان تصور کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض آدمی مجھے محبوب ہوتے ہیں لیکن ان کو چھوڑ کر میں دوسروں کو صرف اس ڈر اور خوف کی وجہ سے دیتا ہو کہ اگر اسے نہ دوں تو یہ اوندھے منہ دوزخ میں جائے گا اور حلوانی کی روایت میں حضرت سعد کے قول کا تکرار دو مرتبہ ہے۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2428)

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے، ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں۔

ایمان کے اصولوں کا شرائع میں متفق ہونے کا بیان

"قُلْ" لَھُمْ یَا مُحَمَّدُ "اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ" اَوْلَادِہٖ "وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْھُمْ" بِالتَّصْدِیْقِ وَالتَّکْذِیْبِ "وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ" مُخْلِصُوْنَ فِی الْعِبَادَۃِ وَنَزَلَ فِیْمَنْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْکُفَّارِ،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے، ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے یعنی تصدیق و تکذیب سے فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں۔ یعنی عبادت میں اخلاص رکھنے والے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے ارتداد کیا اور کفار سے مل گیا۔

سابقہ کتب سماویہ و شرائع اسلامیہ کی حقانیت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا)۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے۔ (آخر آیت تک)۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 152)

پوری آیت یہ ہے آیت (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ)

(2۔البقرۃ:136)

(مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور

پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ وتفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ وتفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو اور ان کو جھٹلاؤ اس لئے نہیں کہ اگر چہ انہوں نے تورات میں تغیر وتبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب ہے الٰہی ہے اور حق ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝
اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان
اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اسلام کے سوا کسی دین کے قبول نہ ہونے کا بیان

"وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ" لِمَصِیْرِهٖ اِلَی النَّار الْمُؤَبَّدَة عَلَیْهِ،

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ یعنی ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

ہر بچے کا فطرت اسلام پر پیدا ہونے کا بیان

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہر وفات پانے والے بچے پر نماز پڑھی جائے گی اگر چہ وہ زانیہ کا ہی ہو۔ اس لئے کہ بچہ فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین یا صرف اس کا باپ مسلمان ہونے کا دعوی کرے اور اگر اس کی ماں اسلام پر نہ ہو تو وہ چلا کر روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور جو چلا کر نہ روئے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ وہ ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنالیتے ہیں۔

جس طرح جانور صحیح سالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت آخر تک تلاوت کرتے اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1283)

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○
اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے
اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

مرتد ہو جانے کے بعد ہدایت سے محروم رہ جانے کا بیان

"كَيْفَ" اَىْ لَا "يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوا" اَىْ شَهَادَتهم "اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ" وَقَدْ "جَاءَهُمُ الْبَيِّنَات" الْحُجَج الظَّاهِرَات عَلٰى صِدْق النَّبِىّ "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِين" اَىْ الْكَافِرِيْنَ،

اللہ ان لوگوں کو کیوں ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے یعنی انہوں نے رسول ﷺ کے حق ہونے کی گواہی بھی دی۔ اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، یعنی نبی کریم ﷺ کی صداقت پر ظاہری دلائل آ چکے تھے۔ اور اللہ ظالم قوم یعنی کافر قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

سورہ آلِ عمران آیت ۸۶ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کہ یہود حضور کی بعثت سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور آپ کی نبوت کے مُقِر تھے اور آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے جب حضور کی تشریف آوری ہوئی تو حسداً آپ کا انکار کرنے لگے اور کافر ہو گئے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے توفیق ایمان دے کہ جو جان پہچان کر اور مان کر منکر ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک انصار مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیتیں اتریں اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ آلِ عمران، ۸۶، بیروت)

اس کی قوم نے یہ آیت اس کے پاس بھیجی جب اس نے یہ آیت پڑھی تو کہا کہ اللہ قسم نہ تو میری قوم نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھا اور نہ ہی رسول اللہ نے اللہ پر اور اللہ تینوں میں سب سے زیادہ سچا ہے اور وہ واپس لوٹ آیا اور اس نے اسلام قبول فرمایا اور اسے چھوڑ دیا۔ (مستدرک 2۔142، طبری 3۔(240)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور پھر اس نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ رسول اللہ سے میرا سوال کریں کیا میری توبہ قبول ہے؟ میں اپنے کیے پر نادم ہوں تو یہ آیت نازل فرمائی

مجاہد سے روایت ہے کہ حارث بن سوید اسلام لے آیا اور رسول اللہ کے ساتھ شامل ہو گیا پھر اپنی قوم سے مل گیا اور کافر ہو گیا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ) ۔ ایک شخص یہ آیت کریمہ اس کے پاس لایا اور اس پر اس آیت کی تلاوت کی تو حارث نے کہا اللہ کی قسم میرے علم میں تو یقیناً بہت سچا ہے اور رسول اللہ تجھ سے بھی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تینوں میں سب سے زیادہ سچا ہے پھر یہ لوٹ آیا اور اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلام اچھا ہوا۔ (نیسابوری 96، سیوطی 54)

ارتداد کی سزا قتل ہونے کا بیان

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ زندیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا ڈالا پھر جب اس بات کی خبر حضرت ابن عباس کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کو ایسے عذاب میں مبتلا نہ کرو۔

جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ہو جیسے کسی کو آگ میں جلانا بلکہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 693)

اصل میں "زندیق" مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زردشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب زند کے پیروکار ہیں لیکن اصطلاح عام میں ہر ملحد فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی زندیق سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جن لوگوں کو زندیق کہا گیا ہے وہ دراصل عبداللہ ابن سبا کی قوم میں سے کچھ لوگ تھے جو حدود اسلام میں فتنہ وفساد برپا کرنے اور امت کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حضرت علی کے بارے میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی نے ان کے اس عظیم فتنہ کا سر کچلنے کے لئے ان سب کو پکڑوا بلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سب توبہ کریں اور یہ فتنہ پھیلانے سے باز رہیں لیکن جب انہوں نے اس سے انکار کر دیا تو حضرت علی نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ کے اس گڑھے میں ڈلوا دیا۔ منقول ہے کہ جب حضرت ابن عباس کا مذکورہ قول حضرت علی تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک ابن عباس نے سچ کہا اُس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس مصلحت کے پیش نظر ان سب کو جلوا دیا کہ یہی لوگ نہیں بلکہ ان کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس قسم کی مفسدہ پردازی سے باز رہیں۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝
ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

مؤمن مستحق رحمت جبکہ منافق وکافر مستحق لعنت ہے

حضرت صفوان بن محرز مازنی روایت کرتے ہیں، کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک بار ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا جا

رہا تھا، کہ ایک شخص سامنے آیا اور کہا کہ تم نے سرگوشی کرنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح سنا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ مومن کو قریب بلائے گا، اور اس پر اپنا پردہ ڈال کر اسے چھپائے گا، پھر فرمائے گا، کیا تمہیں فلاں فلاں گناہ معلوم ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے میرے پروردگار! یہاں تک کہ وہ جب اس سے گناہوں کا اقرار کرالے گا، تو وہ مومن اپنے دل میں سمجھے گا، کہ وہ تو اب تباہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ پر پردہ ڈالا، آج میں تیرے گناہ کو بخش دیتا ہوں، پھر نیکیوں کی کتاب اسے دی جائے گی، لیکن کافر اور منافق تو ان کے متعلق گواہی دیں گے کہ یہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا سن لو کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2297)

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝
ہمیشہ اس میں رہیں، نہ ان سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے کا بیان

"خَالِدِیْنَ فِیْهَا" اَیْ اللَّعْنَة اَوْ النَّار الْمَدْلُول بِهَا عَلَیْهَا "لَا یُخَفَّف عَنْهُمْ الْعَذَاب وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ" یُمْهَلُوْنَ،

ہمیشہ اس میں رہیں، یعنی لعنت میں یا آگ میں جو اس کا مدلول ہے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ کافر اس پر ستر سال میں چڑھے گا اور پھر اتنی ہی مدت میں گرتا رہے گا۔ اور ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف ابن لہیعہ کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 480)

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ کے سبب بخشش ہو جانے کا بیان

"اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوا مِنْ بَعْد ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوا" عَمَلهمْ "فَاِنَّ اللّٰه غَفُور" لَهُمْ "رَحِیْم" بِهِمْ،

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، تو بیشک اللہ ان کو بڑا بخشنے والا، ان کے ساتھ مہربان ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۸۹ کے شان نزول کا بیان

حارث ابن سوید انصاری کو کفار کے ساتھ جا ملنے کے بعد ندامت ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس پیام بھیجا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے انکے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تب وہ مدینہ منورہ میں تائب ہو کر حاضر ہوئے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے خوش ہوتا ہے

حضرت حارث بن سوید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ کے پاس ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا اور وہ بیمار تھے تو انہوں نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں ایک حدیث اپنی طرف سے اور ایک حدیث رسول اللہ سے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک سنسان اور ہلاکت خیز میدان میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی سواری وہ جس پر اس کا کھانا پینا ہو اور پھر وہ سو جائے۔

جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری جا چکی ہے وہ اس کی تلاش میں نکلے۔ یہاں تک کہ اسے سخت پیاس لگے پھر وہ کہے میں اپنی جگہ پر سو جاؤں گا یہاں تک کہ مر جاؤں پس اس نے اپنے سر کو اپنی کلائی پر مرنے کے لئے رکھا پھر بیدار ہوا تو اس کی سواری اس کے پاس ہی کھڑی ہو اور اس پر اس کا زادہ راہ اور کھانا پینا ہو تو اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی کی سواری اور زاد راہ ملنے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2455)

عذاب کے خوف کی وجہ سے مغفرت ہو جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ایک آدمی نے ایک نیکی بھی نہ کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے جلا کر میرا آدھا حصہ سمندر میں جبکہ آدھا حصہ فضا میں اڑا دینا اللہ کی قسم اگر اللہ اسے عذاب دے گا تو ایسا سخت عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ ہوا ہو گا پس جب وہ آدمی مر گیا تو اس کے گھر والوں نے وہی کیا جو انہیں حکم دیا گیا تھا پس اللہ نے فضا کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات کو جمع کر دیا اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی اپنے موجود سب کو جمع کر دیا پھر فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا: اے میرے رب تیرے خوف و ڈر کی وجہ سے تو بہتر جانتا ہے پس اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2480)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ٥
بیشک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔

حالت نزاع کے وقت توبہ کے قبول نہ ہونے کا بیان

وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" بِعِيْسَى "بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ" بِمُوْسَى "ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا" بِمُحَمَّدٍ

"لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ" اِذَا غَرْغَرُوْا اَوْ مَاتُوْا كُفَّارًا "وأولئك هم الالضالون"
یہ آیت مبارکہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بیشک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر یعنی نبی کریم ﷺ پر کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گے، جب وہ حالت نزاع میں پہنچ جائیں یا وہ حالت کفر میں مر جائیں۔ اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۹۰ کے سبب نزول کا بیان

حسن، قتادہ اور عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے حضرت عیسیٰ اور انجیل کا انکار کر کے کفر کیا اور پھر محمد اور قرآن کا انکار کر کے اپنے کفر میں مزید بڑھ گئے

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی صفت اور نعت پر ایمان کے بعد آپ کا انکار کر کے کفر کیا اور پھر کفر پر ڈٹ کر اپنے کفر میں مزید بڑھ گئے (اسباب النزول للسیوطی 54)

وقت نزاع توبہ کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ غرغرہ کی کیفیت نہ شروع ہو جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 875)

غرغرہ، انسانی زندگی کا وہ آخری درجہ ہے جب جسم وروح کا تعلق اپنے انقطاع کے انتہائی نقطہ کے بالکل قریب ہوتا ہے جان پورے بدن سے کھنچ کر حلق میں آ جاتی ہے سانس اکھڑ کر صرف غرغر کی سی آواز میں تبدیل ہو جاتا ہے اور زندگی کی بالکل آخری امید بھی یاس و ناامیدی کے درجہ یقین پر پہنچ جاتی ہے۔

لہٰذا اس ارشاد گرامی میں "جب تک کہ غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو جائے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک موت کا یقین نہیں ہوتا اس وقت تک تو توبہ قبولیت سے نوازی جاتی ہے مگر جب موت کا بالکل یقین ہو جائے یعنی مذکورہ بالا کیفیت شروع ہو جائے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اس حدیث کے ظاہری اور واضح مفہوم سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے وقت مطلقاً توبہ صحیح نہیں ہوتی خواہ کفر سے توبہ ہو یا گناہوں سے یعنی اس وقت نہ تو کافر کا ایمان لانا صحیح و درست ہوگا اور نہ مسلمان کی گناہوں سے توبہ صحیح ہوگی چنانچہ قرآن کریم کی آیت (وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا) 4۔ النساء:18) سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے لیکن بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ گناہوں سے توبہ تو صحیح ہوگی لیکن کفر سے توبہ صحیح نہیں ہوگی گویا ان حضرات کے نزدیک یاس و ناامید کا ایمان غیر مقبول ہے اور یاس کی توبہ مقبول ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ بالا کے تحت جو حکم بیان کیا گیا ہے۔اس کا تعلق گناہوں سے توبہ کرنے سے ہے کہ حالت غرغرہ میں توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن ایسی حالت میں اگر کسی سے اس کا کوئی حق معاف کرایا جائے اور وہ صاحب حق معاف کر دے یہ صحیح ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝
بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور حالتِ کفر میں ہی مر گئے سو ان میں سے کوئی شخص اگر زمین بھر سونا بھی معاوضہ میں دینا چاہے
تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، انہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکے گا۔

قیامت کے دن کفار کیلئے روئے زمین کے برابر سونا بھی فدیہ نہ بن سکے گا

"اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّار فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدهمْ مِلْءُ الْاَرْض" مِقْدَار مَا یَمْلَؤُهَا "ذَهَبًا وَّلَوْ افْتَدٰى بِهٖ" اَدْخَلَ الْفَاءَ فِیْ خَبَر اِنَّ لِشَبَهِ الَّذِیْنَ بِالشَّرْطِ وَاِیْذَانًا بِتَسَبُّبِ عَدَم الْقَبُول عَنْ الْمَوْت عَلَى الْكُفْر "اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَاب اَلِیْم" مُؤْلِم "وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِیْنَ" مَانِعِیْنَ مِنْهُ،

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور حالتِ کفر میں ہی مر گئے سو ان میں سے کوئی شخص اگر زمین بھر سونا بھی معاوضہ میں دینا چاہے یعنی اتنی مقدار جس سے زمین بھر جائے۔تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، یہاں پر خبر میں فاء کو الذین کے مشابہ شرط ہونے کی وجہ دے داخل کیا گیا ہے۔اور توبہ کی قبولیت اس لئے نہ ہوگی کہ وہ حالت کفر میں مرے ہیں۔انہی لوگوں کے لئے تکلیف پہنچانے والا دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکے گا۔یعنی ان کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۹۱ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کیا پھر کفر میں اور بڑھے اور سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ کفر کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تو اپنی کتابوں میں آپ کی نعت و صفت دیکھ کر آپ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں اور شدید ہو گئے۔یہاں تک وہ اسی کفر کے حالت میں مر گئے۔تو ان کی توبہ کو بھی قبول نہ کیا جائے گا۔اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا کوئی فدیہ لیا جائے گا کہ وہ کہیں کوئی فدیہ دے کر اپنی نجات کا راستہ بنا لیں۔

قیامت کے دن مہلت مانگنے والے کفار کا دوزخ میں جانے کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیے میں دے ڈالے گا۔ وہ کہے گا ہاں تو جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھ سے یہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا، میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدم کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شرک نہ بنانا لیکن تو شرک کئے بغیر نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے،

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ایسے جنتی کو لایا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اور کچھ مانگنا ہو تو مانگو دل میں جو تمنا ہو کہو تو یہ کہے گا باری تعالیٰ میری صرف یہی تمنا ہے اور میرا یہی ایک سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید کیا جاؤں دس مرتبہ ایسا ہی ہو کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہوگا اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم تو نے اپنی جگہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے باری تعالیٰ اس وقت جناب باری تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا، پس یہاں فرمایا ان کے لئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور ایسا نہیں جو ان عذابوں سے اپنے آپ کو چھڑا سکے یا کوئی ان کی کس طرح مدد کر سکے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے نجات دے۔ آمین۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران، ۹۱، بیروت)

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ (بارگاہ الٰہی) میں حاضر کیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے سننے اور دیکھنے کی قوت نہ دی کیا میں نے تجھے مال اولاد نہ دیئے کیا میں نے تیرے لئے جانور اور کھیتیاں مسخر نہ کئے کیا میں نے تجھے اس حالت میں نہ چھوڑا کہ تو سردار بنایا گیا اور تو لوگوں سے چوتھائی مال لینے لگا کیا تیرا خیال تھا کہ آج کے دن تو مجھ سے ملاقات کرے گا۔

اور کہے گا نہیں اے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر میں بھی تجھے آج اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا یہ حدیث صحیح غریب ہے اس قول کہ میں تجھے چھوڑ دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے عذاب میں ڈالوں گا بعض علماء نے اس آیت (فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ) 7۔ الاعراف: 91) کا مطلب یہی بیان کیا ہے اہل علم فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 326)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○
وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○
تم ہرگز نیکی کونہیں پہنچ سکو گے جب تک تم اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اورتم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو
بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرنے کا بیان

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ" اَیْ ثَوَابَه وَهُوَ الْجَنَّة "حَتّٰى تُنْفِقُوا" تَصَدَّقُوا "مِمَّا تُحِبُّوْنَ" مِنْ اَمْوَالِكُمْ "وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ" فَیُجَازِی عَلَیْهِ

تم ہرگز نیکی کونہیں پہنچ سکو گے یعنی ثواب یعنی جنت کو نہ پاس کو گے۔ جب تک تم اپنے اموال میں سے اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اورتم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔ پس وہ اس پر جزاء دے گا۔

حضرت ابوطلحہ کا اللہ کی راہ میں اپنا باغ دینے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور بیرحاء سب سے زیادہ ان کو پیارا تھا، اسکا رخ مسجد کی طرف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جاتے اور اس کا عمدہ پانی پیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ) 3۔العمران:92) یعنی تم نیکی کو کبھی نہ پاؤ گے، یہاں تک کہ تم اپنی محبوب ترین چیز میں سے خرچ کرو، ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ تم نیکی نہ پاؤ گے جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو، اور مجھ کو سب سے زیادہ پیارا بیرحاء ہے اور وہ اللہ کے لئے خیرات کرتا ہوں میں اس کی نیکی اور اس کے ثواب کا اللہ کے پاس امیدوار ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جہاں چاہیں خرچ کریں، آپ نے فرمایا خوب یہ مال تو چلا جانے والا ہے یہ مال تو چلا جانے والا ہے جو تم نے کہا وہ میں نے سن لیا اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تو اس کو رشتہ داروں میں تقسیم کردے،

حضرت ابوطلحہ نے کہا ایسا ہی کروں گا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، چنانچہ ابوطلحہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا اسماعیل نے مالک سے اس کے متابع حدیث روایت کی اور روح نے مالک نے رابح کے بجائے رائح (فائدہ پہنچانے والا) کا لفظ بیان کیا۔

(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2185)

سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا توریت اترنے سے پہلے تم فرماؤ توریت لاکر پڑھو اگر سچے ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذات پر اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دیا

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْيَهُوْدُ اِنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّكَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَكَانَ لَا يَاْكُلُ لُحُوْمَ الْاِبِلِ وَاَلْبَانَهَا "كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا" حَلَالًا ، "لِبَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَائِيْلُ" يَعْقُوْبُ "عَلٰى نَفْسِهٖ" وَهُوَ الْاِبِلُ لَمَّا حَصَلَ لَهٗ عِرْقُ النَّسَا بِالْفَتْحِ وَالْقَصْرِ فَنَذَرَ اِنْ شُفِيَ لَا يَاْكُلُهَا فَحُرِّمَ عَلَيْهِ "مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ" وَذٰلِكَ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلٰى عَهْدِهٖ حَرَامًا كَمَا زَعَمُوْا "قُلْ" لَهُمْ "فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا" لِيَتَبَيَّنَ صِدْقُ قَوْلِكُمْ "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِيْهِ فَبُهِتُوْا وَلَمْ يَاْتُوْا بِهَا،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ ملت ابراہیمی پر ہو حالانکہ وہ اونٹوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور نہ ان کا دودھ پیتے تھے۔سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور وہ اونٹ تھا کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق نساء کا مرض لاحق ہوا تو اب انہوں نے اپنے اوپر حرام کیا۔اور یہ نساء فتح اور کسرہ دونوں طرح آیا ہے۔یعنی انہوں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر مجھے شفاء ہوئی تو میں اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں گا اور یہ واقعہ نزول تورات سے پہلے کا ہے۔جبکہ یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا لہٰذا آپ کے عہد میں حرام نہ تھا جس طرح انہوں نے گمان کیا ہوا ہے۔توریت اترنے سے پہلے تم فرماؤ توریت لاکر پڑھو تا کہ تمہارے قول کی صداقت واضح ہو اگر تم سچے ہو۔اس پر وہ حیران ہو گئے اور تورات کو لیکر نہ آئے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۹۳ کے شان نزول کا بیان

ابوروق اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی نے فرمایا ملت ابراہیم پر ہوں تو انہوں نے کہا کہ آپ ملت ابراہیمی پر کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ تو اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور دودھ پیتے ہیں نبی نے فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم کے لیے حلال تھا اس لیے ہم بھی اس کو حلال سمجھتے ہیں تو اس پر یہود نے کہا کہ جو چیز بھی آج ہم حرام سمجھتے ہیں وہ نوح اور ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھی اور اسی طرح یہ بات ہمیں پہنچی ہے۔اس موقع پر اللہ نے ان کی تکذیب کی اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔بنی اسرائیل کے لیے (تورات کے نازل ہونے سے) پہلے کھانے کی سب چیزیں حلال تھیں ،بجز ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں ۔(نیشاپوری 98)

بارگاہ رسالت ﷺ میں یہود کے وفد کے آنے کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم آپ سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں جن کے جواب نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں آپ نے فرمایا پوچھو لیکن پہلے تم لوگ وعدہ کرو اگر میں صحیح صحیح جواب دے دوں تو تمہیں میری نبوت کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا کہ اگر آپ نے سچے جواب دے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے ساتھ ہی انہوں نے بڑی بڑی قسمیں بھی کھائیں پھر پوچھا کہ بتایئے۔ حضرت اسرائیل نے کیا چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ اور نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب حضرت اسرائیل سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گا تو میں سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا جب شفایاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا، مرد کا پانی سفید رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے دونوں سے جو اوپر آ جائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے، اور شکل و شباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاء کے پاس بھی آتا رہا یعنی جبرائیل علیہ السلام، بس اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے کوئی اور فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ (مسند احمد بن حنبل)

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○
تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہی ظالم ہیں۔

اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھنے کی ممانعت کا بیان

"فَمَنْ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِب مِنْ بَعْد ذٰلِكَ" اَیْ ظُهُور الْحُجَّة بِاَنَّ التَّحْرِیم اِنَّمَا كَانَ مِنْ جِهَة یَعْقُوب لَا عَلٰی عَهْد اِبْرَاهِیم "فَاُولٰٓئِكَ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ" اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَقّ اِلَی الْبَاطِل،

تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یعنی جب یہ دلیل ظاہر ہو چکی ہے کہ حرمت حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی جانب سے تھی جبکہ وہ عہد ابراہیم سے نہ تھی۔ تو وہی ظالم ہیں۔ یعنی حق سے باطل کی طرف بڑھنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کر لے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 877)

اللہ و رسول ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے کوئی بات (یعنی حدیث) اس وقت تک نقل نہ کرو جب تک تمہیں یقین نہ ہو کہ یہ میرا قول ہے۔

اور جو شخص میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کرے گا وہ اور ایسا شخص جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے گا دونوں اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 878)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥
فرمادیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، سوتم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ
کے ہوگئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

دین اسلام کے برحق ہونے کا بیان

"قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ" فِيْ هٰذَا كَجَمِيْعِ مَا اَخْبَرَ بِهٖ "فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْم" الَّتِيْ اَنَا عَلَيْهَا "حَنِيْفًا" مَائِلًا عَنْ كُلِّ دِيْنٍ اِلَى الْاِسْلَام "وما كان من المشركين"

فرمادیں کہ اللہ نے دوسری خبر کی طرح اس کو سچ فرمایا ہے، لہٰذا تم ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرو۔ وہ جس پر میں ہوں۔ جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہوگئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

دین اسلام سے کمال محبت کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لیے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان واسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو"۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لیے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔

ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری و نفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

اسی لیے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝
بیشک سب سے پہلا گھر جولوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا ہے اور سارے
جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔

دنیا میں عبادت کا پہلا گھر مکہ میں ہونے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا قِبْلَتُنَا قَبْلَ قِبْلَتِكُمْ "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ" مُتَعَبَّدًا , "لِلنَّاسِ" فِي الْاَرْض "لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ" بِالْبَاءِ لُغَة فِيْ مَكَّة سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا تَبُكّ اَعْنَاق الْجَبَابِرَة اَيْ تَدُقّهَا بَنَاهُ الْمَلَائِكَة قَبْل خَلْق اٰدَم وَوُضِعَ بَعْده الْاَقْصٰى وَبَيْنهمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَة كَمَا فِيْ حَدِيث الصَّحِيحَيْنِ وَفِيْ حَدِيث (اَنَّهُ اَوَّل مَا ظَهَرَ عَلٰى وَجْه الْمَاء عِنْد خَلْق السَّمَاوَات وَالْاَرْض زُبْدَة بَيْضَاء فَدُحِيَتْ الْاَرْض مِنْ تَحْته) "مُبَارَكًا" حَال مِنْ الَّذِيْ اَيْ ذَا بَرَكَة "وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ" لِاَنَّهُ قِبْلَتهمْ،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے کہا کہ ہماری قبلہ قدیمی ہے۔ بیشک سب سے پہلا گھر جولوگوں کے لئے بہ طور عبادت بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، ایک لغت میں مکہ باء کے ساتھ ہے جس معنی توڑنا ہے اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں پر بڑے بڑوں کی گردنیں ٹوٹتی ہیں۔اس کو فرشتوں نے تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے بنایا اور اس کے بعد مسجد اقصی کو بنایا گیا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ جس طرح صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق کے وقت پانی کی سطح پر جھاگ کی طرح جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی کعبہ تھی۔اس کے بعد زمین کو اس کے نیچے سے پھیلایا۔ یہاں پر مبارکا یہ الذی سے حال ہے۔ یعنی برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔ یعنی ان کا قبلہ ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۹۶ کے شان نزول کا بیان

یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے کعبہ سے افضل اور اس سے پہلا ہے انبیاء کا مقام ہجرت وقبلہ عبادت ہے مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ افضل ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ سب سے پہلا مکان جس کو اللہ تعالیٰ نے طاعت وعبادت کے لئے مقرر کیا نماز کا قبلہ حج اور طواف کا موضع بنایا جس میں نیکیوں کے ثواب زیادہ ہوتے ہیں وہ کعبہ معظمہ ہے جو شہر مکہ معظمہ میں واقع ہے حدیث شریف میں ہے کہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے چالیس سال قبل بنایا گیا۔(تفسیر خازن، آل عمران، ۹۶، بیروت)

مسجد حرام اور مسجد اقصی کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہونے کا بیان

حضرت ابراہیم بن یزید تیمی سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کو مسجد سے باہر سائبان میں قرآن سنایا کرتا تھا۔ جب میں سجدہ

کی آیت پڑھتا تھا تو وہ سجدہ کر لیتے میں نے اپنے والد سے کہا: اے ابا جان کیا آپ راستہ ہی میں سجدہ کر لیتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا زمین میں سب سے پہلی کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام، میں نے عرض کیا پھر کونسی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد اقصی، میں نے عرض کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس سال کا، پھر ساری زمین تیرے لئے مسجد ہے جہاں تو نماز کا وقت پائے تو نماز پڑھ لے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1157)

دنیا کا پہلا انسان اور پہلے گھر کا بیان

حدیث جو امام بیہقی نے روایت کی ہے جس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا نے بحکم الہ بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں، ممکن ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو پورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو۔ "مکہ" مکہ شریف کا مشہور نام ہے چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا، اس لئے اسے مکہ کہا گیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مرد ان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "فج" سے "تنعیم" تک مکہ ہے بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے، بیت اللہ اور اس آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے، اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق، بیت الحرام، بلد الامین، بلد المامون، ام رحم، ام القری، صلاح، عرش، قادس، مقدس، ناسبہ، ناسسہ، حاطمہ، راس، کوثا البلدہ البینۃ العکبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت کی دلیل ہیں۔

فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم (علیہ السلام) کی جائے قیام ہے، اور جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا، اور اللہ کے لئے لوگوں پر
اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو منکر ہو تو بیشک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔

حرم کی برکتوں کا بیان

"فِيْهِ اٰيَات بَيِّنَات" "مِنْهَا" "مَقَام اِبْرَاهِيْم" "اَیْ الْحَجَر الَّذِیْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْد بِنَاء الْبَيْت فَاَثَّرَ قَدَمَاهُ فِيْهِ وَبَقِيَ اِلَى الْاٰن مَعَ تَطَاوُل الزَّمَان وَتَدَاوُل الْاَيْدِیْ عَلَيْهِ وَمِنْهَا تَضْعِيف الْحَسَنَات فِيْهِ وَاَنَّ الطَّيْر لَا

يَعْلُوْهُ "وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا" لَا يُتَعَرَّضُ اِلَيْهِ بِقَتْلٍ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ" وَاجِبٌ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَفَتْحِهَا لُغَتَانِ فِيْ مَصْدَرِ حَجَّ قَصَدَ وَيُبْدَلُ مِنَ النَّاسِ "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" طَرِيْقًا فَسَّرَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَيْرُهُ "وَمَنْ كَفَرَ" بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فَرَضَهُ مِنَ الْحَجِّ "فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ" الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ،

اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم علیہ السلام کی جائے قیام ہے، یعنی وہ پتھر جس پر آپ نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کو تعمیر کیا پس آپ کے مبارک قدموں کے نشان باقی ہیں حالانکہ طویل زمانے گزر جانے کے باوجود آج تک باقی ہیں۔ اور طویل مدتوں سے اس پر ہاتھ بھی رکھے جاتے ہیں۔ اور اس میں احسانات کا اضافہ ہے۔ یعنی کوئی پرندہ پرواز کر کے اس کے اوپر سے نہیں گزرتا۔ اور جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا، یعنی اس سے قتل اور ظلم وغیرہ کیلئے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے، لفظ حج کے بارے میں دو لغات ہیں یہ حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح آتا ہے حج مصدر ہے جس کا معنی ارادہ ہے۔ اور یہ الناس سے بدل ہے۔ جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے زادِ راہ اور سواری سے کی ہے۔ جس کو امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور جو اللہ یا حج کی فرضیت کا منکر ہوا، تو بیشک اللہ سب جہانوں یعنی انسانوں، جنات اور فرشتوں اور ان کی عبادات سے بے نیاز ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۹۷ شان نزول کا بیان

عکرمہ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین پسند کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو تو وہ صاف انکار بیٹھے جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے،

استطاعت کی تفسیر زادِ راہ اور سواری ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا حاجی اچھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا سر گرد آلود ہو اور کپڑے میلے کچیلے ہوں۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا حج افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں بلند آواز سے لبیک کہا جائے اور زیادہ قربانیاں کی جائیں پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور پوچھا کہ (آیت) وللہ علی الناس۔ میں سبیل سے کیا مراد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا سفر خرچ اور سواری۔ اس حدیث کو ہم صرف ابراہیم بن یزید خوزی مکی کی روایت سے جانتے ہیں بعض اہل علم نے ان کے حافظے پر اعتراض

کیا ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 934)

آیات بینات سے مراد مقام ابراہیم وغیرہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے باقی اور بھی ہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہیں، کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مکہ امن والا رہا باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے ابن عباس فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے۔

حج کی فرضیت میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے محکم ہے۔قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے جو اس کی اس راہ کی طاقت رکھتا ہو" اس آیت میں کلمہ "علیٰ" جو ایجاب کیلئے آیا ہے۔لہٰذا حج فرض ہے۔

جبکہ احادیث میں اس کی فرضیت میں کثیر احادیث موجود ہیں۔جس طرح یہ حدیث ہے۔حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات پر کہ اللہ کو ایک مانا جائے، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ کی ادائیگی پر، رمضان کے روزوں پر اور حج پر۔ایک آدمی نے پوچھا: حج اور رمضان کے روزے؟ انھوں نے کہا: نہیں، رمضان کے روزے اور حج۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔" (صحیح مسلم، رقم، ۱۶)

(شرح الوقایہ، ج۱، ص۴۵۰، بیروت)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔قرآن سے اس طرح ثابت ہے کہ "لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے" حدیث کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جن میں حج کو بیان کیا گیا ہے۔اور اسی طرح کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

(المغنی، ج۳، ص۱۶۳، بیروت)

علامہ شرف الدین نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ حج ارکان اسلام میں سے رکن ہے اور اس کے فرائض میں سے فرض ہے۔اور اس آیت "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" میں واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے اس سے حج کے رکن ہونے کا استدلال کیا ہے۔اور احادیث سے جو استدلال ہے اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حج فرض ہے۔

(المجموع، ج۴، ص۷، بیروت)

علامہ شہاب الدین قرافی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" اس آیت میں حکم کا وصفیت کے طریقے پر بیان ہونا اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا حج فرض ہے اور باقی دلائل اسی طرح ہیں جس طرح پہلے فقہاء مذاہب ثلاثہ کے ہیں۔(ذخیرہ، ج۳، ص۱۶۷، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا ہوں تو یقیناً حج ہر سال کے لئے فرض ہو جاتا اور تم ہر سال حج کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جو کچھ میں نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے (جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں منقول ہے) لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔

(مسلم، ترمذی، حاکم، ابن ماجہ)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝
فرمادیں، اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ تمہارے کاموں کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

اہل کتاب قرآن کا انکار کیوں کرتے ہیں

"قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ" اَلْقُرْاٰن "وَاللّٰهُ شَهِيد عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ" فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ،

فرمادیں، اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ تمہارے کاموں کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ پس وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

اہل کتاب کے برے انجام کا بیان

اہل کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے دشمنی کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے دوسرے لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسول کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا اگلے انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی سید الولد آدم خاتم الانبیاء رسول رب ارض وسماء صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکران کتابوں میں موجود تھا پھر بھی اپنی بے ایمانی پر بضد تھے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیاء کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا اس دن پکڑوں گا جس دن تمہیں کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

فرمادیں، اے اہل کتاب، جو شخص ایمان لے آیا ہے تم اسے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو؟ تم ان کی راہ میں بھی کجی چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

اہل کتاب کا دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا بیان

"قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّوْنَ" تَصْرِفُوْنَ "عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه" اَیْ دِيْنِه "مَنْ اٰمَنَ" بِتَكْذِيْبِكُمْ النَّبِيّ وَكَتْم نِعْمَته "تَبْغُوْنَهَا" اَیْ تَطْلُبُوْنَ السَّبِيْل "عِوَجًا" مَصْدَر بِمَعْنٰی مُعْوَجَّة اَیْ مَائِلَة عَنْ الْحَق "وَاَنْتُمْ شُهَدَاء" عَالِمُوْنَ بِاَنَّ الدِّيْن الْمَرْضِيّ الْقَيِّم هُوَ دِيْن الْاِسْلَام كَمَا فِيْ كِتَابكُمْ "وَمَا اللّٰه بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" مِنْ الْكُفْر وَالتَّكْذِيْب وَاِنَّمَا يُؤَخِّركُمْ اِلٰی وَقْتكُمْ لِيُجَازِيَكُمْ،

فرمادیں، اے اہل کتاب، جو شخص ایمان لے آیا ہے تم اسے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو؟ تم ان کی راہ میں بھی کجی چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

فطرت پر پیدا ہونے والے بچے کو والدین کا یہودی ونصرانی وغیرہ بنانے کا بیان

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہر وفات پانے والے بچے پر نماز پڑھی جائے گی اگر چہ وہ زانیہ کا ہی ہو۔ اس لئے کہ بچہ فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین یا صرف اس کا باپ مسلمان ہونے کا دعوی کرے اور اگر اس کی ماں اسلام پر نہ ہو تو وہ چلا کر روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

اور جو چلا کر نہ روئے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ وہ ساقط ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور صحیح سالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت آخر تک تلاوت کرتے اللہ تعالی کی فطرت وہ ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1283)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد کافر کر چھوڑیں گے۔

اوس وخزرج کی باہمی عدوات کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ بَعْض الْيَهُوْد عَلَی الْاَوْس وَالْخَزْرَج وَغَاظَهُمْ تَاَلُّفهمْ فَذَكَّرُوْهُمْ بِمَا كَانَ بَيْنهمْ فِي الْجَاهِلِيَّة مِنْ الْفِتَن فَتَشَاجَرُوْا وَكَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِنْ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَ"

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض یہود کا گزر اوس وخزرج پر ہوا تو وہ آپس میں غضب ناک ہوئے۔تو انہوں نے اپنے درمیان دور جاہلیت والے فتنوں کو چھیڑ دیا جس کی وجہ سے وہ بھڑک اٹھے۔قریب تھا کہ قتل وغارت ہو جاتی۔اے ایمان والو!اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے۔تو وہ تمہارے ایمان کے بعد کافر کر چھوڑیں گے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۰۰ کے شانِ نزول کا بیان

اَوس وخزرج کے قبیلوں میں پہلے بڑی عداوت تھی اور مدتوں ان کے درمیان جنگ جاری رہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ان قبیلوں کے لوگ اسلام لاکر باہم شیر وشکر ہوئے ایک روز وہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے انس ومحبت کی باتیں کررہے تھے شاس بن قیس یہودی جو بڑا دشمن اسلام تھا اس طرف سے گزرا اوران کے باہمی روابط دیکھ کر جل گیا اور کہنے لگا کہ جب یہ لوگ آپس میں مل گئے تو ہمارا کیا ٹھکانا ہے ایک جوان کو مقرر کیا کہ انکی مجلس میں بیٹھ کران کی پچھلی لڑائیوں کا ذکر چھیڑے اوراس زمانہ میں ہر ایک قبیلہ جو اپنی مدح اور دوسروں کی حقارت کے اشعار لکھتا تھا پڑھے چنانچہ اس یہودی نے ایسا ہی کیا اوراس کی شر انگیزی سے دونوں قبیلوں کے لوگ طیش میں آ گئے اور ہتھیار اٹھالئے قریب تھا کہ خونریزی ہوجائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر پا کر مہاجرین کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے جماعت اہل اسلام یہ کیا جاہلیت کے حرکات ہیں میں تمہارے درمیان ہوں اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کی عزت دی جاہلیت کی بلا سے نجات دی تمہارے درمیان الفت ومحبت ڈالی تم پھر زمانہ کفر کی حالت کی طرف لوٹتے ہو حضور ﷺ کے ارشاد نے ان کے دلوں پر اثر کیا اور انہوں نے سمجھا کہ یہ شیطان کا فریب اور دشمن کا مکر تھا انہوں نے ہاتھوں سے ہتھیار پھینک دیئے اور روتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرمانبردارانہ چلے آئے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر خازن،سورہ آل عمران،بیروت)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
اور تم کیوں کر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو
ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

اللہ کی آیات ورسول مکرم ﷺ ہونے کے باوجود ایمان سے انکار کیسے؟

"وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ" اسْتِفْهَام تَعَجُّب وَتَوْبِيخ "وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَات اللّٰه وَفِيكُمْ رَسُوْله وَمَنْ يَّعْتَصِم" يَتَمَسَّك "بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاط مُسْتَقِيم"

اور تم کیوں کر کفر کرو گے۔ یہ استفہام تعجب و توبیخ کیلئے۔ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

عجیب ایمان والے لوگوں کی شان کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے اصحاب سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے آپ نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے براہ راست تعلق ہے، صحابہ نے کہا پھر ہم، فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں صحابہ نے کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ارشاد فرمائیں فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔ (مستدرک حاکم، ج۴)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ٥
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو۔

تقویٰ اس طرح اختیار کرو جس طرح اس کا حق ہے

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِه" بِاَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّقْوٰى عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" "وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" مُوَحِّدُوْنَ،

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے یہ کہ اس کی اطاعت کی جائے جبکہ نافرمانی نہ کی جائے اس کا شکر ادا کیا جائے جبکہ اس کا کفر نہ کیا جائے اس کو یاد کیا جائے جبکہ اس کو بھلایا نہ جائے۔ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اسی پر کون طاقت رکھتا ہے؟ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" سے منسوخ ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان موحد ہو۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۰۲ کے مضمون نزول کا بیان

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت (فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) 64۔ التغابن:16) کی آیت سے منسوخ ہے اس دوسری آیت میں فرمادیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو عدل پر جم جاؤ یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل و انصاف برتا کرو۔

زیادہ سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال دریافت کریں، جب ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال بتلایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم خیال کر کے آپس میں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہم کیا چیز ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا، اب میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، اور میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، ان میں آپس میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا، تم لوگوں نے ایسا ویسا کہا ہے، خبردار! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں (لیکن اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں میں (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہی میرا طریقہ ہے لہٰذا) جو آدمی میرے طریقہ سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری جماعت سے خارج ہے)۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 142)

اسلام پر آنے والی قابل رشک موت کا بیان

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑا۔ تو اس کے پاس نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ اس کے سر کے پاس بیٹھے اور فرمایا اسلام لے آ! اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑا تھا۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا مان اور وہ اسلام لے آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو آگ سے نجات دی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1281)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○
اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اس نے
تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے
کنارے پر تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے
تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینے کا بیان

"وَاعْتَصِمُوا" تَمَسَّكُوا "بِحَبْلِ اللّٰه " اَیْ دِیْنِه "جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا" بَعْدَ الْإِسْلَام "وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰه "، اِنْعَامه "عَلَیْكُمْ" یَا مَعْشَر الْاَوْس وَالْخَزْرَج "اِذْ كُنْتُمْ" قَبْلَ الْإِسْلَام "اَعْدَاء فَاَلَّفَ" جَمَعَ "بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ" بِالْإِسْلَامِ "فَاَصْبَحْتُمْ" فَصِرْتُمْ "بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا" فِی الدِّیْنِ وَالْوِلَایَة "وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا" طَرَف "حُفْرَةٍ مِّنَ النَّار" لَیْسَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الْوُقُوع فِیْهَا اِلَّا اَنْ تَمُوْتُوْا كُفَّارًا "فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" بِالْإِیْمَانِ "كَذٰلِكَ" كَمَا بَیَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ "یبین اللّٰه لكم ایاته لعلكم تهتدون"

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی یعنی اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لو اور اسلام کے بعد تفرقہ مت ڈالو، اور اے اوس اور خزرج کے گروہ! اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم اسلام سے پہلے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی یعنی اسلام کے ساتھ ان کو اکٹھا کر دیا۔ اور تم اس کی نعمت کے باعث دین اور ولایت میں آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یعنی اس میں گرنے اور تمہارے درمیان کوئی فاصلہ تھا۔ تو اس نے تمہیں ایمان دیکر بچا لیا۔ یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے کیلئے جنت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت جنت میں داخل ہو گی مگر وہ آدمی جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا، پھر پوچھا گیا" وہ کون آدمی ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس آدمی نے میری اطاعت و فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 140)

صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام و فرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہو گا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر اللہ کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

خیر سے مراد اسلام ہونے کا بیان

"وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ" الإسلام "وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ" الدَّاعُونَ الْآمِرُونَ النَّاهُونَ "هُمُ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ وَمِنْ لِلتَّبْعِيضِ لِأَنَّ مَا ذُكِرَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْأُمَّةِ وَلَا يَلِيقُ بِكُلِّ أَحَدٍ كَالْجَاهِلِ،

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی یعنی اسلام کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی یعنی نیکی طرف بلانے والے اور برائی سے روکنے والے لوگ مراد کو پہنچے یعنی کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہاں پر من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ جو حکم ذکر کیا گیا ہے یہ فرض کفایہ ہے لہٰذا امت کے ہر فرد پر لازم نہیں ہے۔ نہ ہی ہر فرد اس سے ملا ہوا ہے جس طرح جاہل ہوتا ہے۔

نیکی کا حکم اور برائی سے پرہیز کرنے کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمادے گا پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کردے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے یہ ضعیف ایمان ہے، ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں،

وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط
وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں مین بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں اس کے بعد بھی
اختلاف کرنے لگے، اور انہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔

اصل دین کو چھوڑ کر فرقہ بندیوں میں یہود ونصاریٰ کی تقسیم کا بیان

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا" عَنْ دِينهمْ "وَاخْتَلَفُوا" فِيهِ "مِنْ بَعْد مَا جَاءَهُمْ الْبَيِّنَات" وَهُمْ الْيَهُود وَالنَّصَارَى "وأولئك لهم عذاب عظيم"

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے دین سے ہٹ کر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے، یعنی وہ یہود ونصاریٰ تھے۔ اور انہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔

یہود و نصاریٰ کی طرح فرقہ بندی کی ممانعت کا بیان

مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کیلئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے خواہشات نفسانی اور خوش فہمی میں ہوں گے بلکہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں نفسانی خواہشیں اس طرح گھس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے اے عرب کے لوگو اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔

امت مسلمہ کا فرقہ بندی میں تقسیم ہو جانے کا بیان

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے باقی ستر دوزخی ہیں اور نصرانی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

پس ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ ۷۲ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: وہ جماعت ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

یاد رہے کہ فرقوں کا تعین تو حدیث مبارکہ میں ہو چکا ہے۔ جب خود حدیث سے واضح ہو گیا کہ 72 فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ جو اہل سنت و جماعت وہ جنتی جماعت ہے۔ تو پھر کیونکر آدمی اس جماعت کے نام کو متعارف نہ کرائے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو فخر سے اہل سنت و جماعت کہے اور لکھے۔ اللہ کا شکر ہے مجھے یعنی راقم الحروف کو سنی ہونے پر فخر ہے۔

اہل سنت و جماعت کی اتباع کرنے کا بیان

اس سے پہلی حدیث میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے اور یہ حدیث اہل سنت و جماعت والوں کیلئے معیار عظمت ہے نیز اس حدیث سے اہل سنت و جماعت مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی بہتر فرقے اکٹھے کر لئے جائیں تو وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔ امام المحدثین امام جلال الدین علیہ الرحمہ ''اتمام الدرایہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہم اور تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ عقائد اور دوسرے مسائل میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ اہل سنت کے امام ہیں اور طریقت میں سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ امام ہیں۔ (انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۲۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

صلوٰۃ وسلام اہل سنت وجماعت کی علامت کا بیان

امام سخاوی علیہ الرحمہ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے (یعنی سُنی ہونے کی)۔ (مسند ابویعلی) (فضائل اعمال، ص ۷۶۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ قف
اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○
جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے، کیا تم نے ایمان لانے کے بعد
کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے سو اس کے عذاب کو چکھ لو۔

قیامت کے دن اہل ایمان کے چہرے چمکتے ہوں گے

"يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوه وَتَسْوَدُّ وُجُوه" اَىْ يَوْم الْقِيَامَة "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوههمْ" وَهُمْ الْكَافِرُوْنَ فَيُلْقَوْنَ فِي النَّار وَيُقَال لَهُمْ تَوْبِيخًا "اَكَفَرْتُمْ بَعْد اِيْمَانكُمْ" يَوْم اَخْذ الْمِيثَاق، فَذُوقُوا الْعَذَاب بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ،

جس دن یعنی قیامت کے دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے، یعنی وہ کفار ہوں گے جن کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس نے یہ توبیخ کے کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد یعنی پکا میثاق کے دن کے بعد کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے۔ سو اس کے عذاب کو چکھ لو۔

خوارج کو جہنمی کتے کہنے کا بیان

ابو غالب کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ نے (خارجیوں کے) کچھ سروں کو دمشق کی سیڑھی پر لٹکے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین مقتول ہیں۔ اور بہترین مقتول وہ ہیں جوان (خارجیوں) کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ پھر یہ آیت پڑھی (يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ) 3۔ آل عمران: 106)۔ (جس دن کچھ سیاہ اور کچھ چہرے سفید ہوں گے) راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا۔

آپ نے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تو فرمایا اگر میں نے ایک دو یا تین یا چار یہاں تک کہ سات مرتبہ نہ سنا ہوتا تو ہرگز تم لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتا۔ یعنی کئی مرتبہ سنا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ابو غالب کا نام حزور ہے جبکہ ابوامامہ باہلی کا نام صدی بن عجلان ہے وہ قبیلہ باہلہ کے سردار ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 936)

خوارج ظاہری توحید کے پردے میں اسلام اور انبیائے کرام کی توہین کرتے ہیں

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ حروریہ کے خروج کے وقت وہ حضرت علی کے ساتھ تھا خوارج نے کہا اللہ کے

سوا کسی کا حکم نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کا حال بیان کیا تھا میں ان میں ان لوگوں کی نشانیاں پہچان رہا ہوں یہ زبان سے تو حق کہتے ہیں مگر وہ زبان سے تجاوز نہیں کرتا اور حلق کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے ہاں یہی ہیں ان میں سے ایک سیاہ آدمی ہے اس کا ہاتھ بکری کے تھن یا پستان کے سر کی طرح ہے پھر جب ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تو فرمایا کہ دیکھو لوگوں نے دیکھا تو وہ نہ ملا پھر کہا دوبارہ جاؤ اللہ کی قسم میں نے جھوٹ بولا نہ مجھے جھوٹ کہا گیا دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا پھر انہوں نے اس کو ایک کھنڈر میں پایا تو اس کو لائے یہاں تک کہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا حضرت عبید اللہ کہتے ہیں میں اس جگہ موجود تھا جب انہوں نے یہ کام کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں یہ فرمایا یونس نے اپنی روایت میں یہ زیادہ کیا ہے کہ مجھے بکیر نے کہا مجھے ایک شخص نے ابن حنین سے روایت بیان کیا کہ اس نے کہا کہ میں نے اس اسود کو دیکھا۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2461)

بد بخت خارجی کا شان رسالت ﷺ سے تقاضہ انصاف کرنے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس ذوالخویصرہ جو بنی تمیم میں سے ایک ہے اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! انصاف کر۔ تو رسول اللہ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو کون ہے جو انصاف کرے گا اور تو بدنصیب اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا اگر میں نے عدل نہ کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے ساتھی ایسے ہوں گے کہ تمہارا ایک آدمی اپنی نماز کو ان کی نماز سے حقیر تصور کرے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے سے قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے کہ تیر انداز اس کے بھالہ کو دیکھتا ہے تو اس میں کوئی چیز نہیں پاتا پھر اس کے کنارے کو دیکھتا ہے تو اس میں کوئی چیز نہیں پاتا۔ پھر اس کی لکڑی کو دیکھتا ہے تو کچھ نہیں پاتا حالانکہ تیر پیٹ کی گندگی اور خون سے نکل چکا ہوتا ہے ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں سے ایک آدمی ایسا سیاہ ہے کہ اس کا ایک شانہ عورت کے پستان یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گا جو تھرتھراتا ہو گا۔ یہ اس وقت نکلیں گے جب لوگوں میں پھوٹ ہو گی ابو سعید کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں آپ کے ساتھ تھا تو آپ نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا وہ ملا تو اسے علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے ویسا ہی پایا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2449)

آج بھی کئی بد بخت لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کو محض بشر یا عام انسانوں کی طرح سمجھ کر اور دوسروں کو سمجھا کر شان رسالت ﷺ کو کم کرنے کی ملعون کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ آنے والی نسلوں میں نبی کریم ﷺ کو محض ایک شخصیت کے طور پر
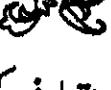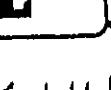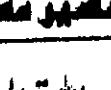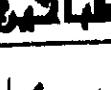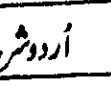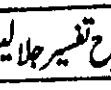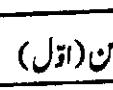
متعارف کرایا جائے۔اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ایسے شیطانوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کا اللہ کی رحمت میں ہونے کا بیان

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهمْ" وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ "فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰه" اَیْ جَنَّته،هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ،
اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہی ایمان والے ہوں گے۔تو وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خوف خدا رکھنے والے کو اللہ کی رحمت نے ڈھانپ لیا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ایک شخص تم سے پہلے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت مال عطا کیا تھا جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا میں تمہارا کس قسم کا باپ تھا انہوں نے کہا تو (ہمارا) اچھا باپ تھا پھر اس نے کہا (تو اچھا میری وصیت پر عمل کرنا) میں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی ہے تو جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور جلا کر پیس ڈالنا اس کے بعد مجھے تیز ہوا چلنے والے دن دریا میں ڈال دینا چنانچہ اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے موافق اسی طرح کیا۔

خدائے بزرگ و برتر نے اس کے ذرات کو جمع کر کے دریافت کیا کہ تجھے اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا اس نے عرض کیا تیرے خوف نے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت میں لے لیا۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 706)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○
یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں،اور اللہ جہاں والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم نہیں کرتا

"تِلْكَ" اَیْ هٰذِهِ الْاٰيَات "اٰيَات اللّٰه نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّد "بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰه يُرِيْد ظُلْمًا لِلْعَالَمِيْنَ" بِاَنْ يَّاْخُذهُمْ بِغَيْرِ جُرْم،
یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں،اور اللہ جہاں والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔یعنی بغیر جرم ان کا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

لفظ ظلم بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے اور اس کی ضد عدل ہے اور اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ظالم نہیں۔اس لئے اس سے ایسے افعال کا صدور ممکن ہی نہیں جس میں ظلم کا شائبہ تک پایا جاتا ہو۔مثلاً وہ کسی مستحق رحمت کو سزا دے دے،یا زیادہ اجر کے مستحق کو تھوڑا اجر دے

یا کم سزا کے مستحق کو زیادہ سزا دے دے وغیرہ وغیرہ، ایسی سب باتیں اس کی صفت عدل کے منافی ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔

تمام امور کا اللہ کی طرف لوٹنے کا بیان

"وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْاَرْض" مُلْکًا وَّخَلْقًا وَّعَبِیدًا "وَاِلَی اللّٰه تَرْجِع" تَصِیر،

اور اللہ ہی کا ہے جو بادشاہت مخلوق اور غلام آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔یعنی لوٹنا ہے۔

زمین وآسمان وغیرہ میں اللہ تعالی کی بادشاہت کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، اور زمین کو ایک انگلی پر اور پہاڑ ایک انگلی پر، درخت اور نہروں کو ایک انگلی پر، اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ 6۔الانعام:91)، (ان لوگوں نے خدا کی قدر نہ کی جس قدر کرنی چاہئے تھی) پڑھی۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2317)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ
وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
تم بہتر ہوان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،
اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر ہیں۔

امت محمدیہ کا تمام امتوں سے افضل ہونے کا بیان

"كُنْتُمْ" يَا اُمَّة مُحَمَّدٍ فِیْ عِلْم اللّٰه تَعَالٰی "خَيْر اُمَّة اُخْرِجَتْ" اُظْهِرَتْ "لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَر وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْل الْكِتَاب لَكَانَ " الْاِيمَان "خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ" كَعَبْدِ اللّٰه بْن سَلَام رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ وَاَصْحَابه "وَاَكْثَرهمْ الْفَاسِقُوْنَ" الْكَافِرُوْنَ،

اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے علم میں تم بہتر ہوان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں جس طرح

حضرت عبداللہ بن سلام اوران کے ساتھی ہیں۔اور زیادہ کافر ہیں۔

سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) 3۔آل عمران: 110) کہ تم لوگ ستر امتوں کو پورا کرنے والے ہو۔اور ان سب میں بہتر اور معزز ہو۔یہ حدیث حسن ہے اسے کئی راوی بہز بن حکیم سے اس کی مانند نقل کرتے ہیں لیکن اس میں اس آیت کا ذکر نہیں کرتے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 937)

یہودیوں میں سے مالک بن صیف اور وہب بن یہودا نے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ترمذی کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے جو جماعت سے جدا ہوا دوزخ میں گیا۔

امت مسلمہ کا ہمیشہ حق پر قائم رہنے کا بیان

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا اور ان کو جھٹلانے اور مخالفت کرنے والے نقصان نہیں پہنچائیں گے، یہاں تک کہ خدا کا حکم آجائے گا (یعنی قیامت آجائے گی) اور وہ لوگ اسی حال میں ہوں گے، مالک بن یخامر نے کہا کہ میں نے معاذ کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ لوگ شام میں ہوں گے، معاویہ نے کہا کہ مالک بیان کرتا ہے کہ میں نے معاذ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ لوگ شام میں ہوں گے۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2326)

امت مسلمہ سے ستر افراد کا بغیر حساب جنت میں جانے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے سب یک رنگ ہونگے، میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آجائیں گے۔(مسند احمد بن حنبل)

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○
یہ لوگ ستانے کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے پیٹھ پھیر جائیں گے،
پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گے۔

گالی وگلوچ کے ذریعے یہود کا مسلمانوں کو ایذاء دینے کا بیان

"لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ" اَیْ الْيَهُوْد يَا مَعْشَر الْمُسْلِمِيْنَ بِشَيْءٍ "اِلَّا اَذًى" بِاللِّسَانِ مِنْ سَبّ وَوَعِيد "وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَار" مُنْهَزِمِيْنَ "ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ" عَلَيْكُمْ بَلْ لَكُمْ النَّصْر عَلَيْهِمْ.

اے مسلمانوں کے گروہ یہ یہود ستانے کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، مگر یہ کہ زبانی گالی ووعید کریں اور اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے پیٹھ پھیر جائیں گے، یعنی شکست کھا جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گے۔ جبکہ ان کے خلاف تمہاری مدد کی جائے گی۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۱۱ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ان یہود کے بارے میں ہے۔ جولوگ اسلام لائے تھے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ہمراہی رؤساء یہود ان کے دشمن ہوگئے اور انہیں ایذا دینے کی فکر میں رہنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو مطمئن کر دیا کہ زبانی قیل وقال کے سواوہ مسلمانوں کو کوئی آزار نہ پہنچا سکیں گے غلبہ مسلمانوں ہی کو رہے گا اور یہود کا انجام ذلت ورسوائی ہے۔

یہود ونصاریٰ کی ذلت ورسوائی کا بیان

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا اللہ تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل ورسوا کیا، اسی طرح شام کے نصرانی صحابہ کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حق پر قائم رہے گی، حضرت عیسیٰ آ کر ملت اسلام اور شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق حکم کریں گے صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہ کریں گے صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○

وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے سوائے اس کے کہ انہیں کہیں اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے اور وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے ہیں اور ان پر محتاجی مسلط کی گئی ہے، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، کیونکہ وہ نافرمان ہوگئے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔

انبیائے کرام کو بغیر وجہ شہید کرنے والوں کا بیان

"ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْا" حَيْثُمَا وُجِدُوْا فَلَا عِزَّ لَهُمْ وَلَا اعْتِصَام "إِلَّا" كَائِنِيْنَ "بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاس" الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ عَهْدهمْ إِلَيْهِمْ بِالْأَمَانِ عَلَى أَدَاء الْجِزْيَة أَيْ لَا عِصْمَة لَهُمْ غَيْر ذٰلِكَ "وَبَاءُوْا" رَجَعُوا "بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَة ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ" أَيْ بِسَبَبِ أَنَّهُمْ "كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَاء بِغَيْرِ حَقّ ذٰلِكَ" "كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰه وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَاء بِغَيْرِ حَقّ ذٰلِكَ" تَأْكِيد "بِمَا عَصَوْا" أَمْر اللّٰه "وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ" يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَلَال إِلَى الْحَرَام،

وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت مسلط کردی گئی ہے یعنی ان کیلئے کوئی عزت نہیں ہے۔سوائے اس کے کہ انہیں کہیں اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے یعنی وہ اہل ایمان سے جوان کا جزیہ پر امان لینے کا عہد ہے پس اس کے سوا ان کی کوئی عصمت نہیں ہے۔اور وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے ہیں اور ان پر محتاجی مسلط کی گئی ہے، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یعنی قتل انبیاء وکفران آیات کا حکم تاکیدی طور پر مکرر ہے۔ کیونکہ وہ نافرمان ہوگئے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔یعنی حلال کو حرام کی بڑھا دیتے ہیں۔

یہود تین تین سو انبیائے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ حبل سے مراد ہے جو غضب کے مستحق ہوئے اور مسکینی چپکا دی گئی، ان کے کفر اور انبیاء کے تکبر، حسد، سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے۔اسی باعث ان پر ذلت پستی اور مسکینی ہمیشہ کیلئے ڈال دی گئی ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے العیاذ باللہ، ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کرڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ٥
یہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر قائم ہیں وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں
اور سربسجود رہتے ہیں۔

اہل کتاب اور اہل ایمان کا برابر نہ ہونے کا بیان

"لَيْسُوا" أَيْ أَهْل الْكِتَاب "سَوَاء" مُسْتَوِيْنَ "مِنْ أَهْل الْكِتَاب أُمَّة قَائِمَة" مُسْتَقِيْمَة ثَابِتَة عَلَى الْحَقّ كَعَبْدِ اللّٰه بْن سَلَام رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ وَأَصْحَابه "يَتْلُوْنَ آيَات اللّٰه آنَاء اللَّيْل" أَيْ فِي سَاعَاته "وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ" يُصَلُّوْنَ حَال،

یہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر قائم ہیں۔ جس طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سر بسجود رہتے ہیں۔ اور یہ حال ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۱۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس اور مقاتل کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعدنہ، اسید بن سعنہ، اسد بن عبید اور کچھ دوسرے حضرت یہود میں سے اسلام لے آئے تو یہودی علماء کہنے لگے کہ محمد پر ہم میں سے برے لوگوں کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا اگر یہ ہمارے اچھے لوگ ہوتے تو کبھی بھی اپنے آباء کا دین نہ چھوڑتے انہوں نے ان حضرات یہ بھی کہا کہ تم نے اپنے دین کو دوسرے دین سے بدل کر خیانت کی ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَيْسُوْا سَوَآءً الٰی آخرہ

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ صلوۃ عتمہ (عشاء کی نماز) کے بارے میں نازل ہوئی جسے مسلمان تو پڑھتے تھے اور ان کے سوا اہل کتاب نہ پڑھتے تھے۔ (اسباب النزول سیوطی(56)

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○
وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں
تیزی سے بڑھتے ہیں، اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

نیکیوں میں دوسروں سے بڑھ جانے کا بیان

"يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَات وَاُولٰٓئِكَ" الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذَكَرَ اللّٰه "مِنَ الصَّالِحِيْنَ" وَمِنْهُمْ مَنْ لَيْسُوْا كَذٰلِكَ وَلَيْسُوْا مِنَ الصَّالِحِيْنَ،

وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں، اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ کے ذکر میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے جو ان کی طرح نہیں ہے وہ صالحین میں سے بھی نہیں ہیں۔

معروف ومنکر کے لغوی مفہوم کا بیان

معروف اصل میں "معرفت" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پہچاننا، حقیقت کو پالینا اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کو شریعت کے ذریعہ پہچانا گیا ہے اور جن کو اختیار کرنے کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ معروف کے مقابلہ پر منکر ہے یعنی وہ چیزیں جن کا شریعت سے کوئی واسطہ نہ ہو اور ان کو اختیار کرنے سے شریعت نے باز رکھا ہو۔ واضح رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، تعلیمات اسلامی کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دینا، اور برائیوں سے روکنا۔

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنے میں ایمان کے امتحان کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے جو شخص کسی خلاف شرع امر کو دیکھے (یعنی جس چیز کو شریعت کے خلاف جانے) تو اس کو چاہئے کہ اس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بدل ڈالے۔ اور اگر وہ خلاف شرع امر کے مرتکب کے زیادہ قوی ہونے کی وجہ سے ہاتھوں کے ذریعہ اس امر کو انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دے (یعنی خلاف شرع امور کے بارے میں وعید کی آیتیں اور احادیث کو انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دے (یعنی اس کو دل سے برا جانے قلبی کڑھن رکھے اور عزم وارادہ پر قائم رہے کہ جب بھی ہاتھ یا زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دینے کی طاقت حاصل ہوگی تو اپنی ذمہ داری کو ضرور پورا کرے گا، نیز اس خلاف شرع امر کے مرتکب کو بھی برا جانے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرے۔) اور یہ (آخری درجہ) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1062)

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝
اور یہ لوگ جو نیک کام بھی کریں اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔

نیک لوگوں کو نیکی کا ثواب دیا جائے گا

"وَمَا تَفْعَلُوا" بِالتَّاءِ اَيَّتُهَا الْاُمَّةُ وَالْيَاءِ اَيِ الْاُمَّةُ الْقَائِمَةُ "مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ" بِالْوَجْهَيْنِ اَيْ تَعْدَمُوْا ثَوَابَه بَلْ تُجَازَوْنَ عَلَيْهِ،وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ،

اے امت، اور یہ لوگ جو نیک کام بھی کریں، یہاں پر "وَمَا تَفْعَلُوا" تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی یعنی دونوں طرح یعنی ان کا ثواب ضائع نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو جزاء دی جائے گی۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔

عمل صالح پر اجر مل کر رہنے کا بیان

ابن عبداللہ نے بیان کیا کہ عبادہ بن صامت جو جنگ بدر میں شریک تھے اور شب عقبہ میں ایک نقیب تھے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ایسا بہتان (کسی پر) باندھنا جس کو تم (دیدہ ودانستہ) بناؤ اور کسی اچھی بات میں خدا اور رسول کی نافرمانی نہ کرنا پس جو کوئی تم میں سے (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی میں بتلا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور جو ان (بری) باتوں میں سے کسی میں بتلا ہو جائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ

کے حوالے ہے، اگر چاہے تو اس سے درگذر کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے (عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ) سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر (بیعت کرلی)۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 17)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور اولا دان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

اولاد و اموال کا عذاب الٰہی سے نہ بچا سکنے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي" تَدْفَع "عَنْهُمْ أَمْوَالهمْ وَلَا أَوْلَادهمْ مِنْ اللّٰه شَيْئًا" أَيْ مِنْ عَذَابه وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِأَنَّ الْإِنْسَان يَدْفَع عَنْ نَفْسه تَارَة بِفِدَاءِ الْمَال وَتَارَة بِالِاسْتِعَانَةِ بِالْأَوْلَادِ، وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ،

بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے مال اور اولا دان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے یعنی اس کے عذاب سے اور ان دونوں چیز کو ذکر اس لئے خاص طور پر کیا ہے کہ انسان کبھی مال سے اپنی جان کا فدیہ دیتا ہے اور کبھی اولاد کی مدد حاصل کرتا ہے۔ اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۱۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت بنی قُریظہ ونضیر کے حق میں نازل ہوئی یہود کے روساء نے تحصیلِ ریاست و مال کی غرض سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ ان کے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے وہ رسول کی دشمنی میں ناحق اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین قریش کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ ابو جہل کو اپنی دولت و مال پر بڑا فخر تھا اور ابو سفیان نے بدر و اُحد میں مشرکین پر بہت کثیر مال خرچ کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت تمام کفار کے حق میں عام ہے ان سب کو بتایا گیا کہ مال و اولاد میں سے کوئی بھی کام آنے والا اور عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (تفسیر خازن، آل عمران، بیروت)

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ
ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝
مثال اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی سی ہے۔ جس میں پالا ہو وہ ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مارگئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کفر کے سبب نیکیوں کے مٹ جانے کا بیان

"مَثَل" صِفَة "مَا يُنْفِقُوْنَ" اَیْ الْكُفَّار "فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاة الدُّنْيَا" فِيْ عَدَاوَة النَّبِيّ مِنْ صَدَقَة وَنَحْوهَا "كَمَثَلِ رِيح فِيهَا صِرّ" حَرّ اَوْ بَرْد شَدِيْد "اَصَابَتْ حَرْث" زَرْع "قَوْم ظَلَمُوْا اَنْفُسهمْ" بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَة "فَاَهْلَكَتْهُ" فَلَمْ يَنْتَفِعُوا بِهِ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتهمْ ذَاهِبَة لَا يَنْتَفِعُوْنَ بِهَا "وَمَا ظَلَمَهُمْ اللّٰه" بِضَيَاعِ نَفَقَاتهمْ "وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ" بِالْكُفْرِ الْمُوجِب لِضَيَاعِهَا،

مثال اس کی جو کافر اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں یعنی جو صدقہ نبی کریم ﷺ کی عداوت وغیرہ میں کرتے ہیں۔ اس ہوا کی سی ہے۔ جس میں سردی یا سخت ٹھنڈک ہو وہ ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی جو کفر اور نافرمانی سے اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی۔ لہٰذا وہ اس جس طرح فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اسی طرح وہ اپنے صدقات سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے اور اللہ نے نفقات کو ضائع کر کے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ یعنی ان کو کفران کی صدقات کو مٹانے والا ہے۔

دنیاوی غرض سے کی جانے والی نیکی پر اجر نہ ہونے کا بیان

مفسرین کا قول ہے کہ اس سے یہود کا وہ خرچ مراد ہے جو اپنے علماء اور رؤساء پر کرتے تھے ایک قول یہ ہے کہ کفار کے تمام نفقات وصدقات مراد ہیں ایک قول یہ ہے کہ ریا کار کا خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ ان سب لوگوں کا خرچ کرنا یا نفع دنیوی کے لئے ہوگا یا نفع اُخروی کے لئے اگر محض نفع دنیوی کے لئے ہو تو آخرت میں اس سے کیا فائدہ اور ریا کار کو تو آخرت اور رضائے الٰہی مقصود ہی نہیں ہوتی اس کا عمل دکھاوے اور نمود کے لئے ہوتا ہے ایسے عمل کا آخرت میں کیا نفع اور کافر کے تمام عمل اکارت ہیں وہ اگر آخرت کی نیت سے بھی خرچ کرے تو نفع نہیں پا سکتا ان لوگوں کے لئے وہ مثال بالکل مطابق ہے جو آیت میں ذکر فرمائی جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ ان کی آرزو ہے، جتنی ایذا پہنچے بیر ان کی باتوں
سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے، ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔

یہود ونصاریٰ اور منافقین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَة" اَصْفِيَاء تُطْلِعُوْنَهُمْ عَلٰى سِرّكُمْ "مِنْ دُوْنِكُمْ" اَیْ غَيْركُمْ مِنْ الْيَهُوْد وَالنَّصَارٰی وَالْمُنَافِقِيْنَ "لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِض اَیْ لَا يُقَصِّرُوْنَ لَكُمْ فِي الْفَسَاد "وَدُّوْا" تَمَنَّوْا "مَا عَنِتُّمْ" اَیْ عَنَتَكُمْ وَهُوَ شِدَّة الضَّرَر "قَدْ بَدَتْ" ظَهَرَتْ "الْبَغْضَاء"

الْعَدَاوَةَ لَكُمْ "مِنْ أَفْوَاهِهِمْ" بِالْوَقِيعَةِ فِيكُمْ وَاطِّلَاعِ الْمُشْرِكِينَ عَلَى سِرِّكُمْ "وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ" مِنَ الْعَدَاوَةِ "أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ" عَلَى عَدَاوَتِهِمْ "إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ" ذَلِكَ فَلَا تُوَالُوهُمْ،

اے ایمان والو! غیروں یعنی یہود ونصاریٰ اور منافقین کو اپنا راز دار نہ بناؤ یعنی جو تمہارے پوشیدہ راز جانتے ہوں، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ یہاں خبالا یہ حذف جار کے سبب منصوب ہے یعنی وہ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے، ان کی آرزو ہے، جتنی ایذا پہنچے یعنی سخت تکلیف، عداوت ان کی باتوں سے جھلک اٹھا یعنی جوان میں واقع ہوئی ہیں اور مشرکین کو تمہارے رازوں پر مطلع ہونے کی وجہ سے اور وہ عداوت جو سینے میں چھپائے ہیں اور زیادہ بڑی ہے، ہم نے نشانیاں یعنی ان کی عداوت کی تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔ یعنی ان سے گہری دوستی نہ رکھو۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۱۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت مومنین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ لوگ منافقین سے میل جول اور بعض یہود سے تعلق رکھتے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے درمیان آپس میں قرابت داری، دوستی، معاہدے، پڑوس اور رضاعت کا تعلق تھا اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی اور ان مسلمانوں کو ان منافقین اور یہود سے خوف فتنہ کی وجہ سے پوشیدہ دوستی رکھنے سے منع فرمایا۔ (زاد المسیر 1۔446)

کاتب وحی بن جانے کے بعد مرتد ہونے والے شخص کو قبر نے قبول نہ کیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نصرانی اسلام لایا اور اس نے سورت بقرہ اور سورت آلِ عمران پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی مقرر ہو گیا اس کے بعد پھر وہ نصرانی ہو گیا اور مشرکوں سے جاملا وہ کہا کرتا کہ محمد صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں نے ان کو لکھ دیا ہے پھر اس کو خدا تعالیٰ نے موت دی تو لوگوں نے اس کو دفن کر دیا جب صبح کو دیکھا گیا تو زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا تھا لوگوں نے کہا یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے چونکہ ان کے ہاں سے بھاگ آیا تھا اس لئے انہوں نے اس کی قبر کھود ڈالی چنانچہ ان لوگوں نے اس کو دوبارہ حتی الامکان بہت گہرائی میں دفن کیا۔ دوسری صبح بھی اس کی لاش کو جب زمین نے باہر پھینک دیا تو لوگوں نے کہا یہ محمد اور ان کے اصحاب کا فعل ہے کیونکہ وہ بھاگ آیا تھا پھر انہوں نے جتنا گہرا کھود سکتے تھے کھود کر اس کی لاش کو دفن کر دیا لیکن تیسری صبح بھی جب زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا تب لوگوں نے سمجھا کہ یہ بات آدمیوں کی طرف سے نہیں تب انہوں نے یوں ہی پڑا رہنے دیا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 838)

هَاَنْتُمْ اُولَاۤءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

آگاہ ہو جاؤ! تم وہ لوگ ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں، کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں، فرما دیں، مرجاؤ اپنی گھٹن میں، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اہل ایمان کی محبت سے کفار کے حسد کا بیان

"هَا" لِلتَّنْبِيْهِ "اَنْتُمْ" يَا "اُولَاءِ" الْمُؤْمِنِيْنَ "تُحِبُّوْنَهُمْ" لِقَرَابَتِهِمْ مِنْكُمْ وَصَدَاقَتِهِمْ "وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ" لِمُخَالَفَتِهِمْ لَكُمْ فِي الدِّيْنِ "وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّه" اَيْ بِالْكُتُبِ كُلِّهَا وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِكِتَابِكُمْ "وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلِ" اَطْرَاف الْاَصَابِع "مِنَ الْغَيْظ" شِدَّة الْغَضَب لِمَا يَرَوْنَ مِنَ ائْتِلَافِكُمْ وَيُعَبَّر عَنْ شِدَّة الْغَضَب بِعَضِّ الْاَنَامِل مَجَازًا وَّاِنْ لَّمْ يَكُنْ ثَمَّ عَضّ "قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ" اَيْ ابْقَوْا عَلَيْهِ اِلَى الْمَوْت فَلَنْ تَرَوْا مَا يَسُرّكُمْ "اِنَّ اللّٰه عَلِيْم بِذَاتِ الصُّدُوْر" بِمَا فِي الْقُلُوْب وَمِنْهُ مَا يُضْمِرهُ هٰؤُلَاءِ،

یہاں پر ھاء یہ انتباہ کیلئے آیا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ تم ایمان والے لوگ ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو یعنی تم میں بعض تمہارے قریبی ہیں اور بعض سے صدقات کا تعلق ہے۔ اور تمہاری ان سے دین میں مخالفت کی وجہ سے وہ تمہیں پسند نہیں کرتے حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، جبکہ وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے اور جب وہ تم سے ملتے ہیں، کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں یعنی انگلیوں کے کنارے چباتے ہیں، یعنی جب وہ تمہاری محبت کو دیکھتے ہیں تو سخت غصے کے سبب انگلیاں کاٹ مرتے ہیں۔ یہاں انگلیوں کو کاٹنا یہ مجازی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرما دیں، مرجاؤ اپنی گھٹن میں، یعنی موت تک اسی غصے میں رہو۔ اور تم کبھی بھی خوشی نہ دیکھ سکو۔ بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ دلوں میں ہے۔ اور اسی سے ہے جو هؤلاء ضمیر کو لایا گیا ہے۔

اپنے غیظ وغضب میں یہود و نصاریٰ کے جل جانے کا بیان

دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تمہیں نہ چاہیں، تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں ان کی کتاب کو تم تو مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں تو چاہئے تو یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمانداری کی داستان بیان کرنے بیٹھ

جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ وغضب سے جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر داری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے یہ چاہے جلتے بھنتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا رہے گا مسلمان دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مرجائیں۔ اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہوسکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دوگنی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت حاصل کرتے دیکھیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے،

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۟
اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور تمہیں کوئی رنج پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کئے رکھو تو ان کا فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، جو کچھ وہ کررہے ہیں بیشک اللہ اس پر احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

کفار ایمان والوں سے دشمنی کی انتہاء کرنے والے ہیں

"اِنْ تَمْسَسْكُمْ" تُصِبْكُمْ "حَسَنَةٌ" نِعْمَةٌ كَنَصْرٍ وَغَنِيمَةٍ "تَسُؤْهُمْ" تُحْزِنهُمْ "وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ" كَهَزِيمَةٍ وَجَدْب "يَفْرَحُوا بِهَا" وَجُمْلَة الشَّرْط مُتَّصِلَة بِالشَّرْطِ قَبْل وَمَا بَيْنهمَا اعْتِرَاض وَالْمَعْنَى اَنَّهُمْ مُتَنَاهُونَ فِي عَدَاوَتكُمْ فَلِمَ تُوَالُوهُمْ فَاجْتَنِبُوهُمْ "وَاِنْ تَصْبِرُوْا" عَلَى اَذَاهُمْ "وَتَتَّقُوا" اللّٰه فِي مُوَالَاتهمْ وَغَيْرهَا "لَا يَضُرّكُمْ" بِكَسْرِ الضَّاد وَسُكُون الرَّاء وَضَمّهَا وَتَشْدِيدهَا "كَيْدهمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰه بِمَا يَعْمَلُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مُحِيط" عَالِم فَيُجَازِيهِمْ بِهِ،

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے یعنی جس طرح نعمت اور غنیمت ہے۔ تو انہیں بری لگتی ہے اور تمہیں کوئی رنج پہنچے جس طرح شکست وقحط سالی ہے۔ تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، یہ جملہ ماقبل سے متصل شرط ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے دشمنی میں انتہاء کرنے والے ہیں۔ لہٰذا تم ان کو دوست نہ بناء بلکہ ان سے بچو۔ اور اگر تم تکلیف پر صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کئے رکھو یعنی ان کی محبت وغیرہ میں اللہ سے ڈرو تو ان کا فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں پر "لَا يَضُرّكُمْ" ضاد کے کسرہ اور راء کے سکون اور ضمہ اور تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ جو کچھ وہ کررہے ہیں بیشک اللہ اس پر احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ یعملون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ لہٰذا وہ اس پر ان کو جزاء دینے والا ہے۔

مسلمانوں کے نقصان پر کافر خوش ہوتے ہیں

ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تمہیں کوئی نفع پہنچتا ہے یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر (اللہ نہ کرے) تمہیں

کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔ اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو اللہ عزوجل خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اور جب آپ صبح سویرے اپنے درِ دولت سے روانہ ہو کر مسلمانوں کو جنگ کے لئے مورچوں پر ٹھہرا رہے تھے، اور اللہ خوب سننے والا
جاننے والا ہے۔

اہل ایمان کا غزوہ احد کیلئے صبح سویرے خروج کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ "اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ" مِنَ الْمَدِيْنَةِ "تُبَوِّءُ" تُنْزِل "الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِد" مَرَاكِز يَقِفُوْنَ فِيْهَا "لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْع" لِاَقْوَالِكُمْ "عَلِيْم" بِاَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْم اُحُد خَرَجَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفٍ اَوْ اِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَّالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَة اٰلَاف وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْم السَّبْت سَابِع شَوَّال سَنَة ثَلَاث مِنْ الْهِجْرَة وَجَعَلَ ظَهْره وَعَسْكَره اِلٰى اُحُد وَسَوّٰى صُفُوفهمْ وَاَجْلَسَ جَيْشًا مِنْ الرُّمَاة وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْد اللّٰه بْن جُبَيْر بِسَفْحِ الْجَبَل وَقَالَ : انْضَحُوا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَاْتُوْا مِنْ وَرَائِنَا وَلَا تَبْرَحُوا غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا،

اور یا محمد ﷺ آپ یاد کریں، جب صبح سویرے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر مسلمانوں کو جنگ کے لئے مورچوں پر ٹھہرا رہے تھے، اور اللہ تمہارے اقوال کو خوب سننے والا تمہارے احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

اور وہ احد کا دن تھا کہ جب نبی کریم ﷺ ایک ہزار یا ۵۰ کم ہزار افراد کو لیکر تشریف لائے۔ جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی اور آپ ﷺ نے ۳ ہجری سات شوال ہفتہ کے دن گھاٹی شعب میں نزول فرمایا اور احد کی طرف اپنے لشکر کی پشت کی اور ان کی صفوں کو درست کیا اور ایک تیر اندازوں کا دستہ بٹھایا اور ان پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا اور ان کو حکم دیا کہ تم تیر اندازی کر کے دشمنوں کو انتشار کرنا تا کہ وہ ہمارے پیچھے نہ آ سکیں اور غالب و مغلوب ہونے تک یہ جگہ نہ چھوڑنا۔

غزوہ احد کی اجمالی روئیداد کا بیان

جمہور مُفسّرینِ کا قول ہے کہ یہ بیان جنگ اُحد کا ہے جس کا اجمالی واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں شکست کھانے سے کفار کو بڑا رنج تھا اس لئے انہوں نے بقصد انتقام لشکرِ گراں مرتب کر کے فوج کشی کی، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ لشکر کفار اُحد میں اترا ہے تو آپ نے اصحاب سے مشورہ فرمایا اس مشورہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول کو بھی بلایا گیا جو اس سے قبل کبھی کسی مشورت کے لئے بلایا نہ گیا تھا اکثر انصار کی اور اس عبداللہ کی یہ رائے ہوئی کہ حضور مدینہ طیبہ میں ہی قائم رہیں اور جب کفار یہاں آئیں تب ان سے مقابلہ کیا جائے یہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی تھی لیکن بعض اصحاب کی رائے یہ ہوئی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے اور اسی پر انہوں نے اصرار کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دولت سرائے اقدس میں تشریف لے گئے اور اسلحہ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے اب حضور کو دیکھ کر ان اصحاب کو ندامت ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور کو رائے دینا اور اس پر اصرار کرنا ہماری غلطی تھی اس کو معاف فرمایئے اور جو مرضی ءمبارک ہو وہی کیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ ہتھیار پہن کر قبل جنگ اتار دے مشرکین اُحد میں چہار شنبہ پنج شنبہ کو پہنچے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ ایک انصاری کی نماز جنازہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور پندرہ شوال ۳ھ روز یک شنبہ اُحد میں پہنچے یہاں نزول فرمایا اور پہاڑ کا ایک درّہ جو لشکرِ اسلام کے پیچھے تھا اس طرف سے اندیشہ تھا کہ کسی وقت دشمن پشت پر سے آکر حملہ کرے اس لئے حضور نے عبداللہ بن زُبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ وہاں مامور فرمایا کہ اگر دشمن اس طرف سے حملہ آور ہو تو تیر باری کر کے اس کو دفع کر دیا جائے اور حکم دیا کہ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا اور اس جگہ کو نہ چھوڑنا خواہ فتح ہو یا شکست ہو عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جس نے مدینہ طیبہ میں رہ کر جنگ کرنے کی رائے دی تھی اپنی رائے کے خلاف کئے جانے کی وجہ سے برہم ہوا اور کہنے لگا کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو عمر لڑکوں کا کہنا تو مانا اور میری بات کی پروانہ کی اس عبداللہ بن اُبَیّ کے ساتھ تین سو منافق تھے ان سے اس نے کہا کہ جب دشمن لشکرِ اسلام کے مقابل آجائے اس وقت بھاگ پڑو تا کہ لشکرِ اسلام میں ابتری ہو جائے اور تمہیں دیکھ کر اور لوگ بھی بھاگ نکلیں۔ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد معہ ان منافقین کے ہزار تھی اور مشرکین تین ہزار، مقابلہ ہوتے ہی عبداللہ بن اُبَیّ منافق اپنے تین سو منافقوں کو لے کر بھاگ نکلا اور حضور کے سات سو اصحاب حضور کے ساتھ رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت رکھا یہاں تک کہ مشرکین کو ہزیمت ہوئی اب صحابہ بھاگتے ہوئے مشرکین کے پیچھے پڑ گئے اور حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں قائم رہنے کے لئے فرمایا تھا وہاں قائم نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ دکھا دیا کہ بدر میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی برکت سے فتح ہوئی تھی یہاں حضور کے حکم کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں سے رعب و ہیبت دور فرمائی اور وہ پلٹ پڑے اور مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت رہی جس میں حضرت ابو بکر و علی و عباس و طلحہ و سعد تھے اسی جنگ میں دندان اقدس شہید ہوا اور چہرہ اقدس پر زخم آیا اسی کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی کر جائیں، حالانکہ اللہ ان دونوں کا مددگار تھا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے ثابت قدم رہنے کا بیان

"اِذْ" بَدَل مِنْ اِذْ قَبْلَه "هَمَّتْ" بَنُو سَلَمَة وَبَنُو حَارِثَة جَنَاحَا الْعَسْكَر "طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا" تَجْبُنَا عَنْ الْقِتَال وَتَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْد اللّٰه بْن اُبَيّ الْمُنَافِق وَاَصْحَابه وَقَالَ : عَلَامَ نَقْتُل اَنْفُسنَا وَاَوْلَادنَا وَقَالَ لِاَبِي جَابِر السُّلَمِيّ الْقَائِل لَهُ اَنْشُدكُمْ اللّٰه فِي نَبِيّكُمْ وَاَنْفُسكُمْ لَوْ نَعْلَم قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰه وَلَمْ يَنْصَرِفَا "وَاللّٰهُ وَلِيّهمَا" نَاصِرهمَا "وَعَلَى اللّٰه فَلْيَتَوَكَّلْ الْمُؤْمِنُوْنَ" لِيَثِقُوا بِهٖ دُوْن غَيْره،

یہ اذ ماقبل اذ سے بدل ہے۔ یعنی بنوسلمہ اور بنوحارثہ یہ دونوں لشکر کے دست وبازو تھے۔ جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی کر جائیں، یعنی قتال سے لوٹ جائیں کیونکہ جب عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی لوٹے تو اس نے کہا کہ ہم کیوں اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو قتل کرائیں اور اس نے ابو جابر سلمی سے کہا کہ میں تمہیں تمہاری اور تمہارے نبی کے بارے میں حفاظت کی قسم دیتا ہوں کہ اگر ہم اس کو قتال جانتے تو ضرور تمہاری اتباع کرتے لہٰذا اللہ نے ان دونوں کو ثابت قدم رکھا لہٰذا وہ ہٹ کر نہ گئے۔ حالانکہ اللہ ان دونوں کا مددگار تھا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسی توکل کرنا چاہیے جبکہ کسی دوسرے پر نہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۲۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ قرآن کی یہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل کی گئی تھیں کیونکہ ہمارے ہی دو گروہ تھے۔ ایک بنی سلمہ، ایک بنی حارثہ ہم اس آیت کے نزول کو اچھا خیال کرتے ہیں اگرچہ اس میں ہماری کمزوری کا ذکر ہے مگر واللہ ولیھما کی وجہ سے ہم خوش ہیں اور ابوسفیان کا بیان ہے کہ ہم کو اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ اللہ ہمارا محافظ اور مددگار ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1702)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بالکل بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

غزوہ بدر میں اہل ایمان کی مدد کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰه "وَلَقَدْ نَصَرَكُمْ اللّٰه بِبَدْرٍ" مَوْضِع بَيْن مَكَّة وَالْمَدِيْنَة "وَاَنْتُمْ اَذِلَّة" بِقِلَّةِ الْعَدَد وَالسِّلَاح "فَاتَّقُوا اللّٰه لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" نِعَمه،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب ظاہری طور پر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو ان کو اللہ کی نعمت یاد دلائی۔ اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان کی جگہ ہے۔ حالانکہ تم بالکل بے سروسامان تھے یعنی تعداد واسلحہ کم تھا۔ پس اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم اس کی نعمت کے شکرگزار بن جاؤ۔

غزوہ بدر میں فرشتوں کی مدد کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا تو اس نے اچانک ایک غیبی آواز سنی جیسے کوئی زبردست سوار اپنے گھوڑے کو آگے بڑھنے کا حکم دے رہا ہو کہ اے حیزوم آگے بڑھ! پھر کوڑے کی آواز سنی۔ اسی لمحے مجاہد کے وار سے پہلے ہی وہ کافر بری طرح گر گیا، اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا، ناک پچک گئی، کوڑے کی ضرب سے سر پھٹ گیا۔ وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان کے فرشتوں کی مدد تھی۔ (مسلم 2:93)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے احد کے دن دو شخصوں کو سفید لباس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دیکھا میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد دیکھا وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔
(بخاری، کتاب المغازی)

غرضیکہ یہ فرشتے نظام کائنات کے کارکن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے چلا رہے ہیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں مختلف خدمات انجام دینے پر مامور فرمایا ہوا ہے اور طرح طرح کی ذمہ داریاں سونپی ہوئی ہیں۔ زندگی، پیدائش، موت وحیات، راحت و مصیبت، تندرستی و بیماری، خوشی وغم، عزت و ذلت، اقتدار وافلاس اور جو تغیر بھی وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ان کارکن فرشتوں کے ہاتھوں وقوع میں آتا ہے اور جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝
جب اے محبوب ﷺ تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اتار کر،

تین ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کا بیان

"اِذْ" ظَرْف لِنَصْرِكُمْ "تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ" تُوعِدُهُمْ تَطْمِينًا "اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ" يُعِينُكُمْ "رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَاف مِنَ الْمَلَائِكَة مُنْزَلِينَ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد،

یہاں پر اذ ظرف کیلئے ہے۔ تا کہ ہم تمہاری مدد کریں۔ جب اے محبوب ﷺ تم مسلمانوں کو اطمینان کا وعدے سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اتار کر، یہاں منزلین یہ تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لشکر کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سو اور چند آدمی تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور

ہاتھ پھیلا کر اپنے رب کو پکارنے لگے اے اللہ! اگر تو مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کندھوں سے گر گئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور چادر اٹھا کر کندھوں پر ڈال دی پھر پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! اپنے رب سے کافی مناجات ہو چکی۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّکُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُرۡدِفِیۡنَ) 8۔الانفال:9) (جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اس نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ الانفال، آیت) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فرشتوں سے مدد کی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عکرمہ بن عمار کی ابوزمیل سے روایت سے جانتے ہیں۔ ابوزمیل کا نام سماک حنفی ہے۔ یہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1022)

بَلٰٓی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ھٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ۝
ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

فرشتوں کے وسیلے سے اہل ایمان کی مدد کا بیان

"بَلٰی" یَکۡفِیۡکُمۡ ذٰلِکَ وَفِی الۡاَنۡفَال بِاَلۡفٍ لِاَنَّہٗ اَمَدَّھُمۡ اَوَّلًا بِھَا ثُمَّ صَارَتۡ ثَلَاثَۃً ثُمَّ صَارَتۡ خَمۡسَۃً کَمَا قَالَ تَعَالٰی "اِنۡ تَصۡبِرُوۡا" عَلٰی لِقَاء الۡعَدُوّ "وَتَتَّقُوۡا" اللّٰہ فِی الۡمُخَالَفَۃ "وَیَاۡتُوۡکُمۡ" اَیۡ الۡمُشۡرِکُوۡنَ "مِنۡ فَوۡرِھِمۡ" وَقۡتھمۡ "ھٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلَاف مِنَ الۡمَلَائِکَۃ مُسَوِّمِیۡنَ" بِکَسۡرِ الۡوَاو وَفَتۡحھَا اَیۡ مُعَلَّمِیۡنَ وَقَدۡ صَبَرُوۡا وَاَنۡجَزَ اللّٰہ وَعۡده بِاَنۡ قَاتَلَتۡ مَعَھُمۡ الۡمَلَائِکَۃ عَلٰی خَیۡل بُلۡق عَلَیۡھِمۡ عَمَائِم صُفۡر اَوۡ بِیۡض اَرۡسَلُوۡھَا بَیۡنَ اَکۡتَافھمۡ،

ہاں کیوں نہیں۔ وہ تمہارے لئے کافی ہے اور سورہ انفال میں ہے کہ پہلے ایک ہزار سے ان کی مدد کی پھر تین ہزار سے اور اس کے بعد پانچ ہزار سے مدد کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم دشمن کی ملاقات پر صبر کرو اور ان کی مخالفت پر اللہ سے ڈرو اور مشرکین اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔ یہاں مسومین واؤ کے کسرہ اور فتح دونوں طرح آیا ہے یعنی معلمین ہے۔ اور یقیناً انہوں نے صبر کیا اور اللہ نے وعدہ پورا کیا کہ ان کے ساتھ فرشتوں نے ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر قتال کیا اور ان پر زرد یا سفید عمامہ شریف تھے۔ جن کے شملے ان کے کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝
اور اللہ نے اس مدد کو محض تمہارے لئے خوشخبری بنایا اور اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، اور مدد تو
صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑا غالب حکمت والا ہے۔

غلبہ کو تمہارے لئے خوشخبری بنانے کا بیان

"وَمَا جَعَلَهُ اللّٰه" اَیْ الْإِمْدَاد "إِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ" بِالنَّصْرِ "وَلِتَطْمَئِنَّ" تَسْكُن "قُلُوبُكُمْ بِهِ" فَلَا تَجْزَع مِنْ كَثْرَة الْعَدُوّ وَقِلَّتكُمْ "وَمَا النَّصْر إِلَّا مِنْ عِنْد اللّٰه الْعَزِيز الْحَكِيم" يُؤْتِيه مَنْ يَشَاء وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْد،

اور اللہ نے اس مدد کو محض تمہارے لئے خوشخبری بنایا اور اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن یعنی سکون پا جائیں، لہٰذا وہ دشمن کی کثرت اور تمہاری کمی کے سبب نہ ڈریں اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑا غالب حکمت والا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ جبکہ اس کی عطاء کیلئے کثرت لشکر کا ہونا لازم نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کی قتل گاہوں کا علم پہلے سے بیان کر دیا

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا جب ابوسفیان کے آنے کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی تو اس سے اعراض کیا پھر عمر نے گفتگو کی تو اس سے اعراض کیا پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہم سے ہے اے اللہ کے رسول اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم انہیں ڈال دیں گے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کے سینے برک الغماد سے ٹکرا دینے کا حکم دیں تو ہم کر گزریں گے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلایا اور چلے یہاں تک کہ مقام بدر پر جا کر اترے اور ان پر قریش کے پانی پلانے والے گزرے اور ان میں بنو حجاج کا سیاہ فام غلام بھی تھا صحابہ نے اسے پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھنے لگے تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کے بارے میں معلوم نہیں لیکن ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف یہ سامنے ہیں جب اس نے یہ کہا تو صحابہ نے اسے مارا تو اس نے کہا ہاں میں تمہیں ابوسفیان کی خبر دیتا ہوں کہ ابوسفیان یہ ہے صحابہ نے اسے چھوڑ دیا پھر پوچھا تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کے بارے میں معلوم نہیں بلکہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف یہاں لوگوں میں ہیں اس نے جب یہ کہا تو صحابی نے اسے پھر مارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیفیت دیکھی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب یہ سچ کہتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اور جب تم سے جھوٹ

کہتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں کی قتل گاہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اس اس جگہ اپنا ہاتھ مبارک رکھتے تھے انس کہتے ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے ادھر ادھر متجاوز نہ ہوا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 124)

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ٥
اس لئے کہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں ذلیل کر دے تا کہ وہ نا کام ہو کر واپس پلٹ جائیں۔

کافروں کی ہلاکت وذلت کا بیان

"لِيَقْطَعَ" مُتَعَلِّق بنصرکُمْ اَیْ لِيُهْلِكَ "طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ "اَوْ يَكْبِتَهُمْ" يُذِلَّهُمْ بِالْهَزِيمَةِ "فَيَنْقَلِبُوا" يَرْجِعُوا "خَائِبِينَ" لَمْ يَنَالُوا مَا رَامُوهُ،

یہاں پر "لِيَقْطَعَ" یہ "بِنَصْرِكُمْ" کے متعلق ہے۔ اس لئے کہ کافروں کے ایک گروہ کو قتل وقید سے ہلاک کر دے یا انہیں شکست سے ذلیل کر دے تا کہ وہ نا کام ہو کر واپس پلٹ جائیں۔ یعنی وہ اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکیں۔

شیطان کا کفار کے پاس آنے کا بیان

جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں ممثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریل ومیکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں متشکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو) تم مظلوم وضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی وانسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت وقدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی اور اگر فرشتوں

ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے یہاں تو عالم تکلیف واسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ٥
یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

وَنَزَلَتْ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَّته صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشُجَّ وَجْهه يَوْم اُحُد وَقَالَ: (كَيْفَ يُفْلِح قَوْم خَضَّبُوا وَجْه نَبِيّهمْ بِالدَّمِ) "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْر شَيْء" بَلْ الْاَمْر لِلّٰهِ فَاصْبِرْ "اَوْ" بِمَعْنَى اِلَى اَنْ "يَتُوْب عَلَيْهِمْ" بِالْاِسْلَامِ "اَوْ يُعَذِّبهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ" بِالْكُفْرِ،

اور یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی کہ جب نبی کریم ﷺ کے رباعی مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ احد کے دن زخمی کرو۔ تو فرمایا کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔ یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ یعنی اسلام کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے۔ یہاں پر او بہ معنی الی ہے۔ کیونکہ وہ ظالم یعنی کافر ہیں۔

سورہ آل عمران آیت ۱۲۸ کے سبب نزول کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ سر میں زخم آیا اور پیشانی بھی زخمی ہوئی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خون بہنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کچھ کیا اور وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ 3۔ آل عمران:128 آپ کیلئے مناسب نہیں اللہ چاہے تو انہیں معاف کر دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 938)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے بخش دے

"وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْاَرْض" مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا "يَغْفِر لِمَنْ يَّشَاء" الْمَغْفِرَة لَهُ "وَيُعَذِّب مَنْ يَّشَاء" تَعْذِيبه "وَاللّٰهُ غَفُوْر" لِاَوْلِيَائِهِ "رَحِيْم" بِاَهْلِ طَاعَته،

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ بادشاہت مخلوق اور غلام ہیں۔ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے اپنا عذاب کرے، اور اللہ اپنے اولیاء کو بخشنے والا، اہل طاعت کے ساتھ مہربان ہے۔

اعمال انسانی پر تقدیر کے غالب آجانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق و مصدوق ہیں، فرمایا کہ تم میں ہر ایک کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن اور چالیس رات جمع رہتا ہے پھر اسی طرح خون بستہ ہو جاتا ہے پھر اسی طرح خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اس کے پاس فرشتہ بھیجا جاتا ہے جس کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے چنانچہ وہ اس کی روزی، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھتا ہے، پھر اس میں روح پھونکتا ہے، پس تم میں سے ایک جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس پر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے، چنانچہ وہ دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے، اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2320)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
اے ایمان والو! دو گنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

سود کھانے کی مانعت کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَة" بِالْأَلِفِ وَدُوْنِهَا بِاَنْ تَزِيْدُوْا فِي الْمَال عِنْد حُلُوْل الْاَجَل وَتُؤَخِّرُوا الطَّلَب "وَاتَّقُوا اللّٰه" بِتَرْكِهِ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" تَفُوْزُوْنَ،

اے ایمان والو! دو گنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، یہاں پر مضاعف یہ الف اور بغیر الف دونوں طرح آیا ہے یعنی مدت کے حلول اور طلب کی تاخیر کر کے زیادہ ہونے کا مطالبہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ یعنی تمام کامیاب ہو جاؤ گے

سود کھانے وسودی کاروبار کرنے والوں پر لعنت ہونے کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سود لینے والے سود دینے والے سود کا تمسک لکھنے والے سود کا حساب کتاب لکھنے والے اور صدقہ سے منع کرنے والے پر لعنت فرماتے تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوحہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 69)

صدقہ سے منع کرنے والے سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کو صدقہ وخیرات کرنے سے منع کرے اور روکے چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے یا پھر اس سے وہ شخص مراد ہے جو واجب صدقہ یعنی زکوۃ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو۔ کسی مردہ شخص کے اوصاف بیان کر کے اور چلا چلا کر رونا نوحہ کہلاتا ہے چونکہ یہ ایک انتہائی نازیبا اور خلاف وقار و دانش فعل ہے اس لئے شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ○
اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔

اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

"وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ" اَنْ تُعَذَّبُوا بِهَا،

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ یعنی ان کو اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عدی بن حاتم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی سے اس کا رب اس طرح کلام فرمائے گا کہ اس کے درمیان اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو اپنے اعمال کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو اس کو اپنے ہی نظر آئیں گے۔

اور اپنے آگے دیکھے گا تو جہنم نظر آئے گی، پس دوزخ سے بچو اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے عوض کیوں نہ ہو اعمش نے بیان کیا کہ مجھ سے عمرو بن مرہ نے خثیمہ کے واسطہ سے اسی طرح نقل کیا اور اس میں اتنا زیادہ ہے، اگر چہ اچھی بات ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2378)

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○
اور اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا باعث رحمت ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے کہا، ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لیے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تا کہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو

سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 141)

اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لیے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آ جاتے ہیں،
جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اللہ کی مغفرت کی طرف بڑھنے کا بیان

"وَسَارِعُوا" بِوَاوٍ وَدُوْنِهَا "اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ " اَیْ كَعَرْضِهِمَا لَوْ وُصِلَتْ اِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰی وَالْعَرْضُ السِّعَةُ "اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ" اللّٰه بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِی،

یہاں پر وسارعوا، واؤ اور بغیر واؤ دونوں طرح آیا ہے۔ اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آ جاتے ہیں، یعنی ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے ملائے، اور عرض کا معنی وسعت ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یعنی اللہ کی فرمانبرداری اور ترک معصیت کی وجہ سے اہل تقویٰ کو حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو پیدا کیا تو اس دن اس کے سو حصے کیے۔ ننانوے حصے تو اپنے پاس رکھے۔ اور اپنی ساری مخلوق میں ایک حصہ بھیج دیا اگر کافر کل رحمت کا جان لیتے، جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تو جنت سے مایوس نہ ہوتے اور اگر ایماندار اللہ تعالیٰ کے ہاں کے پوری عذاب کی خبر جان لیں، تو جہنم سے (کبھی بھی) بے خوف نہ ہوں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1399)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۞
وہ جواللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے
اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنے والوں کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ" فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ "فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ " اَلْيُسْرِ وَالْعُسْرِ "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ" الْكَافِيْنَ عَنْ اِمْضَائِهٖ مَعَ الْقُدْرَةِ "وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ " مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ اَیْ التَّارِكِيْنَ عُقُوْبَتَهُمْ "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" بِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ اَیْ يُثِيْبُهُمْ،

وہ جواللہ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے یعنی اپنی قدرت کے ساتھ کافی ہیں۔اور لوگوں سے درگزر کرنے والے،یعنی ان کے ظلم کے سبب یعنی ان کے انتقام کو چھوڑنے والے ہیں اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔یعنی ان افعال کے ساتھ یعنی وہ ان کو ثواب دے گا۔

دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد (رشک) دو آدمیوں کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں،ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کا علم دیا اور وہ اسے دن رات تلاوت کرتا ہے،(اور سننے والا) کہتا ہے، کاش مجھے بھی اسی طرح ملتا،جس طرح اسے ملا ہے،تو میں بھی ویسا ہی کرتا جیسا وہ کرتا ہے،دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے(دیکھنے والا) کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی ملتا جیسا کہ اسے ملا میں بھی اسی طرح خرچ کرتا،ہم سے قتیبہ نے بواسطہ جریر یہ حدیث بیان کی ہے۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2111)

غصہ کرنے سے ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیں،آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر واس نے کئی بار عرض کیا تو آپ ﷺ یہی فرماتے رہے کہ غصہ نہ کرو۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1056)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور غصے میں صبر کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصن کے ہاں اترے،اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر اپنے قریب رکھتے تھے،اور قراء خواہ وہ

بوڑھے ہوں یا جوان عمر کی مجلس کے مشیر ہوتے تھے، عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے کیا امیر المومنین کے یہاں تیری رسائی ہے، تو میرے لئے اجازت لے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ عنقریب تمہارے لئے اجازت لوں گا، ابن عباس کا بیان ہے، انہوں نے عیینہ کے لئے اجازت لی، جب وہ اندر آئے تو کہا کہ اے ابن خطاب خدا کی قسم تم ہمیں نہ تو زیادہ مال دیتے ہو اور نہ ہمارے ساتھ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو، حضرت عمر کو ان پر غصہ آ گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ الجھ پڑیں، تو حر نے کہا امیر المومنین اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ معافی کو قبول کریں اور نیکیوں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے درگزر کیجئے، یہ شخص جاہلوں میں سے ہے، خدا کی قسم، جونہی یہ آیت حضرت عمر کے پاس پڑھی انہوں نے اس آیت کے خلاف نہیں کیا، اور کتاب اللہ کے پاس بہت زیادہ رکنے والے تھے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2162)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝
اور ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی
مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا ہے، اور پھر جو گناہ وہ کر بیٹھے تھے ان پر جان بوجھ کر اصرار بھی نہیں کرتے۔

اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہوں کو چھوڑ دینے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً" ذَنْبًا قَبِيْحًا كَالزِّنَا "اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" بِمَا دُوْنَه كَالْقُبْلَةِ "ذَكَرُوا اللّٰه" اَيْ وَعِيْده "فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ" اَيْ لَا "يَغْفِر الذُّنُوْب اِلَّا اللّٰه وَلَمْ يُصِرُّوْا "يُدَاوِمُوْا "عَلٰى مَا فَعَلُوْا" بَلْ اَقْلَعُوْا عَنْهُ "وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" اَنَّ الَّذِيْ اَتَوْهُ مَعْصِيَة،

اور ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یعنی برا گناہ جیسے زنا ہے یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں یعنی زنا کے سوا جس طرح بوسہ ہے۔ تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں یعنی اس کی وعید کو یاد کرتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا ہے، اور پھر جو گناہ وہ کر بیٹھے تھے ان کو بار بار نہیں کرتے، ان پر جان بوجھ کر اصرار بھی نہیں کرتے۔ یعنی وہ ان کی سزا کو بھی جانتے ہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۳۵ کے شان نزول کا بیان

تیہان خرما فروش کے پاس ایک حسین عورت خرمے خریدنے آئی اس نے کہا یہ خرمے تو اچھے نہیں ہیں عمدہ خرمے مکان کے اندر ہیں اس حیلے سے اس کو مکان میں لے گیا اور پکڑ کر لپٹا لیا اور منہ چوم لیا عورت نے کہا خدا سے ڈر یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا اور شرمندہ ہوا اور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حال عرض کیا اس پر یہ آیت (وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

یَعۡلَمُوۡنَ ۱۳۵) -3آل عمران:135) نازل ہوئی ایک قول یہ ہے کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی دونوں میں محبت تھی اور ہر ایک نے ایک دوسرے کو بھائی بنایا تھا ثقفی جہاد میں گیا تھا اور اپنے مکان کی نگرانی اپنے بھائی انصاری کے سپرد کر گیا تھا ایک روز انصاری گوشت لایا جب ثقفی کی عورت نے گوشت لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انصاری نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور چومتے ہی اس کو سخت ندامت وشرمندگی ہوئی اور وہ جنگل میں نکل گیا اپنے سر پر خاک ڈالی اور منہ پر طمانچے مارے جب ثقفی جہاد سے واپس آیا تو اس نے اپنی بی بی سے انصاری کا حال دریافت کیا اس نے کہا خدا ایسے بھائی نہ بڑھائے اور واقعہ بیان کیا انصاری پہاڑوں میں روتا استغفار وتوبہ کرتا پھرتا تھا ثقفی اس کو تلاش کر کے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اس کے حق میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

نیک اعمال کا گناہوں کیلئے کفارہ بننے کا بیان

حضرت اسماء بن حکم فزاری کہتے ہیں کی میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنتا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق مجھے اس سے فائدہ پہنچتا اور اگر کوئی صحابی سے کوئی حدیث بیان کرتا تو میں اسے قسم دیتا۔ اگر وہ قسم کھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا اور وہ سچے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد طہارت حاصل کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ کریں۔ پھر یہ آیت پڑھی (وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ) 3۔آل عمران:135) (اور وہ لوگ جو اگر کبھی کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر لیتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ کون گناہ بخشتا ہے اور اپنے کئے پر جانتے بوجھتے ہوئے اصرار نہ کریں)۔ اس حدیث کو شعبہ اور کئی لوگوں نے عثمان بن مغیرہ سے غیر مرفوع روایت کیا ہے۔ اور ہم اسماء کی صرف یہی حدیث جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 942)

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ
وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ؕ
یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں
ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا صلہ ہے۔

اہل ایمان کیلئے جنت کی نہروں کی بشارت کا بیان

"اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمۡ مَغۡفِرَة مِنۡ رَبّهمۡ وَجَنَّات تَجۡرِي مِنۡ تَحۡتهَا الۡاَنۡهَار خَالِدِيۡنَ فِيۡهَا" حَال مُقَدَّرَة اَيۡ مُقَدَّرِيۡنَ الۡخُلُود فِيۡهَا اِذَا دَخَلُوۡهَا "وَنِعۡمَ اَجۡر الۡعَامِلِيۡنَ" بِالطَّاعَةِ هٰذَا الۡاَجۡر،

یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، خالدین یہ حال مقدر ہے یعنی جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو ہمیشہ رہیں گے۔ اور نیک عمل کرنے والوں کا اس طاعت کے سبب کیا ہی اچھا صلہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا خواہ وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے یا جس سرزمین میں پیدا ہوا ہو وہیں جمار ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگوں میں اس بات کی بشارت نہ سنا دیں آپ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کیلئے مقرر کئے ہیں دونوں درجوں کے درمیان اتنا فصل ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان پس جب تم اللہ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے مجھے خیال ہے کہ حضور نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر صرف رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 58)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○
وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ○
تم سے پہلے بہت سے قوانین گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چلا پھرا کرو اور دیکھا کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۳۷ کے سبب نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ هَزِيمَةِ اُحُد "قَدْ خَلَتْ" مَضَتْ، "مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَن" طَرَائِق فِي الْكُفَّار بِاِمْهَالِهِمْ ثُمَّ اَخْذهمْ "فَسِيْرُوْا" اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ "فِي الْاَرْض فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الْمُكَذِّبِيْنَ" الرُّسُل اَيْ اٰخِر اَمْرهمْ مِنَ الْهَلَاك فَلَا تَحْزَنُوْا لِغَلَبَتِهِمْ فَاَنَا اُمْهِلهُمْ لِوَقْتِهِمْ،

یہ آیت مبارکہ احد میں نقصان ہو جانے کے بعد نازل ہوئی، تم سے پہلے بہت سے قوانین یعنی کفار کو مہلت دینے اور ان کا دنیا میں مؤاخذہ کرنے کے حالات گزر چکے ہیں، اے ایمان والو! تم زمین میں چلا پھرا کرو اور دیکھا کرو کہ رسولانِ عظام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یعنی کی ہلاکت کو دیکھو اور تم ان کے وقتی طور پر غلبہ کی وجہ سے پریشان نہ ہونا کیونکہ میں ان کو ایک مدت تک مہلت دینے والا ہوں۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○
یہ قرآن لوگوں کے لئے واضح بیان ہے اور ہدایت ہے اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

"هٰذَا" الْقُرْاٰن "بَيَان لِلنَّاسِ" كُلّهمْ "وَهُدًى" مِنَ الضَّلَالَة "وَمَوْعِظَة لِلْمُتَّقِيْنَ" مِنْهُمْ،

یہ قرآن سب لوگوں کے لئے واضح بیان ہےاور گمراہی سے ہدایت ہےاوران میں سے پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝
اور نہ سستی کرواور نہ غم کھاؤ۔تم ہی غالب آ ؤ گے۔اگر ایمان رکھتے ہو۔

جہاد کو جاری رکھنے کے سبب اہل اسلام کے غلبہ کا بیان

"وَلَا تَهِنُوا" تَضْعُفُوْا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّار "وَلَا تَحْزَنُوا" عَلٰى مَا اَصَابَكُمْ بِاُحُدٍ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" بِالْغَلَبَةِ عَلَيْهِمْ "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" حَقًّا وَّجَوَابه دَلَّ عَلَيْهِ مَجْمُوع مَا قَبْله،

اور نہ سستی کرو یعنی کافروں سے لڑنے میں کمزوری نہ دیکھاؤاور جو احد میں نقصان پہنچا اس پر نہ غم کھاؤ۔تم ہی ان پر قوی ہوکر غالب آ ؤ گے۔اگر ایمان رکھتے ہو۔یہ جملہ اس سارے مضمون کا جواب ہے جس اس سے مضمون پر دلالت کرنے والا ہے۔

ترک جہاد کے سبب ذلت ورسوائی کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،اور اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت مسلط کردے گا اور اس وقت تک یہ حالت ختم نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آ ؤ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عزت کی زندگی گزارنے کے لیے مشقتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں اور اس کو جہاد کہتے ہیں۔امت اس وقت عزت دار کہلانے کی مستحق ہوگی جب وہ دشمن کا مقابلہ کرے گی اور مشقتیں برداشت کرنے میں ثابت قدمی دکھائے گی۔جب لوگ مجموعی طور پر جہاد کو ترک کر دیتے ہیں اور دنیا کی لذتوں میں کھو جاتے ہیں تو عذاب الٰہی پوری قوم کو گھیر لیتا ہے۔ظالم،مظلوم،نیک وبدکار،سب لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝
اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے ہیں اور اس
لئے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

غزوہ احد میں پہنچنے والی تکلیف کا باعث امتحان ہونے کا بیان

"اِنْ يَّمْسَسْكُمْ" يُصِبْكُمْ بِاُحُدٍ "قَرْح" بِفَتْحِ الْقَاف وَضَمّهَا جَهْد مِنْ جُرْح وَنَحْوه "فَقَدْ مَسَّ الْقَوْم" الْكُفَّار "قَرْح مِثْله" بِبَدْرٍ "وَتِلْكَ الْاَيَّام نُدَاوِلهَا" نُصَرِّفهَا "بَيْنَ النَّاس" يَوْمًا لِفِرْقَةٍ وَيَوْمًا

لِاُخْرٰی لِیَتَّعِظُوا "وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ" عِلْمَ ظُھُوْرٍ "الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" اَخْلَصُوا فِیْ اِیْمَانِھِمْ مِنْ غَیْرِھِمْ "وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَاءَ" یُکْرِمُھُمْ بِالشَّھَادَۃِ "وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ" الْکَافِرِیْنَ اَیْ یُعَاقِبُھُمْ وَمَا یُنْعِمُ بِہٖ عَلَیْھِمْ اسْتِدْرَاجٌ،

اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی یہاں پر قرح یہ قاف کے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی سخت تکلیف وغیرہ پہنچی۔ تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں یعنی کافروں کو بھی تو بدر والے دن ایسی تکلیف پہنچی تھی۔ اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے ہیں اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرا دے۔ ایمان والوں کی یعنی جو اپنے ایمان میں مخلص ہیں۔ اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے یعنی ان کو شہادت کی عزت عطا کرتا ہے۔ اور اللہ ظالموں یعنی کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی وہ ان کو سزا دے گا اور جو ان کو نعمتیں دی گئی ہیں۔ یہ ان پر مہلت ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۴۰ کے شان نزول کا بیان

امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راشد بن سعد کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ یوم احد میں غمگین اور پریشان واپس لوٹے تو ایک عورت اپنے مقتول خاوند اور بیٹے کے پاس اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے عرض کی کیا تیرے رسول کے ساتھ اس طرح کیا جائے گا۔ تو اللہ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ،

(اسباب نزول، آلِ عمران، ۱۴۰، بیروت)

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ٥
اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کا نکھار کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔

اللہ کافروں مٹاتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بڑھاتا ہے

"وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" یُطَھِّرُھُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا یُصِیْبُھُمْ "وَیَمْحَقَ" یُھْلِكَ "الْکَافِرِیْنَ،

اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کا نکھار کر دے یعنی ان کو ان گناہوں سے پاک کر دے گا جو انہیں پہنچے ہیں۔ اور کافروں کو مٹا دے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پتھر پر چڑھنے لگے تو نہ چڑھ سکے۔ پھر طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا اور اس طرح اس پتھر پر چڑھ کر سیدھے ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کیلئے اس عمل کی وجہ سے (شفاعت یا جنت) واجب ہو گئی۔ اس باب میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بھی روایات منقول ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1761)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ٥

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہی نہیں ہے اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو جانچا ہے۔

"اَمْ" بَلْ "حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا" وَلَمْ "يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ" عِلْم ظُهُور "وَيَعْلَم الصَّابِرِيْنَ" فِي الشَّدَائِد،

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہی نہیں ہے اور نہ ہی مصائب پر صبر کرنے والوں کو جانچا ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ٥

اور تم تو اس کا سامنا کرنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، لہٰذا اب تم نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ہے۔

کفار سے ملاقات کرنے سے پہلے شہادت کی تمنا کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ" فِيهِ حَذْف اِحْدَى التَّاءَيْنِ فِي الْاَصْل "الْمَوْت مِنْ قَبْل اَنْ تَلْقَوْهُ" حَيْثُ قُلْتُمْ لَيْتَ لَنَا يَوْمًا كَيَوْمِ بَدْر لِنَنَالَ مَا نَالَ شُهَدَاؤُهُ "فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ" اَيْ سَبَبه الْحَرْب "وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ" اَيْ بُصَرَاء تَتَاَمَّلُوْنَ الْحَال كَيْفَ هِيَ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ ؟

یہاں پر تمنون میں اصل میں دونوں تاء میں سے ایک کو حذف کیا گیا ہے۔ اور تم تو اس کا سامنا کرنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، یعنی جس طرح شہدائے بدر نے مقام حاصل کیا ایسے ہی ہم حاصل کرتے۔ لہٰذا اب تم نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے سبب حرب کو دیکھ لیا ہے۔ یعنی ان کی حالت کیسی ہے۔ یعنی دیکھنا یہ تاملون سے حال ہے۔ یعنی ان کو کیونکر ہزیمت ہوئی۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۴۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کہا کرتے تھے کاش اصحاب بدر کی طرح ہم بھی شہید کر دیے جاتے یا ہمارے لیے بھی یوم بدر کی طرح کوئی دن ہوتا جس میں ہم مشرکین سے لڑتے اور انجام کار اچھے ثابت ہوتے یا ہم شہادت اور جنت یا زندگی اور رزق تلاش کرتے تو اللہ نے احد کا موقع عطا فرمایا لیکن چند ایک کے سوا جن کو اللہ نے چاہا کوئی ثابت قدم نہ رہے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اسباب نزول، سیوطی 59، زاد المسیر 1-468)

دشمن سے ملنے کی تمنا کرنے کی ممانعت کا بیان

ابو اسحاق فزاری موسیٰ بن عقبہ سالم ابو النضر سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمر بن عبید اللہ کا منشی تھا اور عبد اللہ بن ابی اوفی نے

انہیں ایک خط بھیجا جبکہ وہ حروریہ کے مقابلہ پر جا رہا تھا میں نے وہ خط پڑھا اس میں تحریر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ان سفروں میں جن میں دشمن سے آمنا سامنا ہوتا اس وقت تک انتظار کرتے جب تک سورج ڈھل نہ جاتا پھر لوگوں میں کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! دشمن سے ملنے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت طلب کرو۔ اگر تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور یہ جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ پھر فرماتے اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر غالب فرما۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 281)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝
اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤں گے اور
جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر پھیلانے کا بیان

وَنَزَلَ فِىْ هَزِيْمَتِهِمْ لَمَّا اُشِيعَ اَنَّ النَّبِىَّ قُتِلَ وَقَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنْ كَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوا اِلٰى دِيْنِكُمْ، "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ" كَغَيْرِهٖ "انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ" رَجَعْتُمْ اِلَى الْكُفْرِ وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِىِّ اَىْ مَا كَانَ مَعْبُوْدًا فَتَرْجِعُوا "وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا" وَاِنَّمَا يَضُرُّ نَفْسَهٗ "وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ" نِعَمَهٗ بِالثَّبَاتِ،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہ مشہور کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تو منافقین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا لہٰذا اب تم اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ آؤ۔ اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤں گے، یعنی کفر کی طرف پھر جاؤ گے؟ یہاں پر آخری جملہ استفہام انکاری کی جگہ پر ہے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا۔ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ نعمتوں کو ثابت رکھ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

سورہ آل عمران آیت ۱۴۴ کے شان نزول کا بیان

جنگ اُحد میں جب کافروں نے پکارا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور شیطان نے یہ جھوٹی افواہ مشہور کی تو صحابہ کو بہت اضطراب ہوا اور ان میں سے کچھ لوگ بھاگ نکلے پھر جب ندا کی گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں تو صحابہ کی ایک جماعت واپس آئی حضور نے انہیں ہزیمت پر ملامت کی انہوں نے عرض کیا ہمارے ماں اور باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی شہادت کی خبر

سُن کر ہمارے دِل ٹوٹ گئے اور ہم سے ٹھہرا نہ گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ انبیاء کے بعد بھی اُنھوں پر ان کے دین کا اتباع لازم رہتا ہے تو اگر ایسا ہوتا بھی تو حضور کے دین کا اتباع اور اس کی حمایت لازم رہتی۔ (تفسیر قرطبی، آل عمران، ۱۴۴، بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر کے مشہور ہونے کا بیان

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے مسجد میں تشریف لے گئے لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ کے گھر پر آئے یہاں حضور علیہ السلام پر حبرہ کی چادر اوڑھادی گئی تھی آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔ اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمر خطبہ سنا رہے ہیں ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ انہیں چپ کرا کر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمر کے تو گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی، انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی کو چھوڑ کر چل بسے، حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر مرتد ہوں، نہ آپ کی شہادت پر اللہ کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مرمٹیں جس پر پر شہید ہوئے اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں مجھ سے زیادہ حقدار آپ کا اور کون ہوگا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○
اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مرسکتا، وقت لکھا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کا انعام چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے
ہیں، اور جو آخرت کا انعام چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں، اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو صلہ دیں گے۔

موت کا وقت مقررہ پر آنے کا بیان

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" بِقَضَائِهِ "كِتَابًا" مَصْدَرٌ اَیْ : كَتَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ "مُؤَجَّلًا" مُؤَقَّتًا لَا يَتَقَدَّمُ وَلَا يَتَاَخَّرُ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ ! وَالْهَزِيمَةُ لَا تَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالثَّبَاتُ لَا يَقْطَعُ الْحَيَاةَ "وَمَنْ

يُّرِدْ" بِعَمَلِهِ "ثَوَابَ الدُّنْيَا" اَىْ جَزَاءَهُ مِنْهَا "نُؤْتِهٖ مِنْهَا" مَا قُسِمَ لَهُ وَلَا حَظَّ لَهُ فِى الْاٰخِرَةِ "وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا" اَىْ مِنْ ثَوَابِهَا، وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ،

اور کوئی شخص اللہ کے حکم یعنی اس کے فیصلے کے بغیر نہیں مر سکتا، وقت لکھا ہوا ہے، یعنی کتابا مصدر ہے یعنی اللہ نے اس کو لکھ دیا یعنی مؤجلا کا معنی مقرر ہے یعنی اس سے لحہ بھی تقدم وتاخر نہ ہوگا۔ لہٰذا تم نے کیوں سستی کی کیونکہ یہ سستی موت کو دور کرنے والی نہیں ہے اور ثابت قدمی زندگی کو ختم نہیں کر سکتی۔ اور جو شخص دنیا کا انعام چاہتا ہے یعنی جو اس کی قسمت میں ہے اور آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں، اور جو آخرت کا انعام چاہتا ہے ہم اسے اس میں یعنی آخرت میں عطا کریں گے۔ اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو صلہ دیں گے۔

حجر بن عدی کے عزم جہاد نے کافروں کو دوڑ لگوا دی

حجر بن عدی جب دشمنان دین کے مقابلے میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھہر کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو، یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے گھوڑوں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران، ۱۴۵، بیروت)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عزرائیل کے حاضر ہونے کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ملک الموت آدمی کی صورت بن کر حاضر ہوا۔ ایک وزیر حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ ملک الموت نے کئی بار وزیر کو دیکھا۔ جب ملک الموت چلے گئے۔ وزیر نے پوچھا۔ حضرت یہ کون تھا؟ فرمایا۔ عزرائیل۔ وزیر نے کہا۔ اس کے بار بار دیکھنے سے خوف پیدا ہوا۔ ابھی ہوا کو حکم دو کہ مجھے اپنے وطن بوماس جزیرہ میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا آن کی آن میں خدا کی شان وزیر باتدبیر وطن پہنچا۔ ابھی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ ملک الموت نے جان قبض کر لی۔ دوسری ملاقات میں سلیمانؑ کے دریافت فرمانے پر ملک الموت نے جواب دیا: میں حیران تھا کہ مجھے حکم ہوا کہ اس وزیر کی جان جزیرہ بوماس میں قبض کرنی ہے اور یہ یہاں آپ کے پاس تھا۔ مگر حکم پورا ہو گیا۔ مثل مشہور ہے۔ پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝
اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے، تو نہ سست پڑے۔ ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انہیں
پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔

اصحاب انبیاء کا ثابت قدمی سے جہاد کرنے کا بیان

"وَكَاَيِّنْ" كَمْ "مِنْ نَبِيّ قُتِلَ" وَفِي قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِل ضَمِيره "مَعَهُ" خَبَر مُبْتَدَؤُهُ "رِبِّيُّونَ كَثِير" جُمُوع كَثِيرَة "فَمَا وَهَنُوا" جَبُنُوا "لِمَا اَصَابَهُمْ فِي سَبِيْل اللّٰه" مِنْ الْجِرَاح وَقَتْل اَنْبِيَائِهِمْ وَاَصْحَابهمْ "وَمَا ضَعُفُوا" عَنْ الْجِهَاد "وَمَا اسْتَكَانُوا" خَضَعُوا لِعَدُوِّهِمْ كَمَا فَعَلْتُمْ حِين قِيلَ قُتِلَ النَّبِيّ "وَاللّٰهُ يُحِبّ الصَّابِرِيْنَ" عَلَى الْبَلَاء اَيْ يُثِيبهُمْ،

اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا اور ایک قرأت میں قاتل ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے۔ اور یہاں پر معہ خبر ہے جبکہ ربیون کثیر اس کا مبتداء ہے۔ ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے، تو نہ سست پڑے۔ ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انہیں پہنچیں یعنی انبیائے کرام کا شہید ہو جانا اور ان کے اصحاب کا شہید ہونا اور زخموں کے سبب جو ان کو مصائب پہنچے۔ اور وہ جہاد نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے یعنی اپنے دشمن کے رعب میں نہ آئے جس طرح تم نے اس وقت کیا جب یہ مشہور کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کیا گیا ہے۔ اور مصیبت پر صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔ یعنی وہ ان کو ثابت قدم رکھتا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۴۶ کے شان نزول کا بیان

ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گرا پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے اس نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنا کام کر گئے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر سے تم سب بھی قربان ہو جاؤ، اسی کے بارے میں یہ آیت اتری۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○
اور ان کا کہنا کچھ نہ تھا سوائے اس التجا کے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہم سے ہونے والی زیادتیوں سے درگزر فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

کافروں کے خلاف ثابت قدمی کی دعا کا بیان

"وَمَا كَانَ قَوْلهمْ" عِنْد قَتْل نَبِيّهمْ مَعَ ثَبَاتهمْ وَصَبْرهمْ "اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبنَا وَاِسْرَافنَا" تَجَاوُزنَا الْحَدّ "فِي اَمْرنَا" اِيذَانًا بِاَنَّ مَا اَصَابَهُمْ لِسُوءِ فِعْلهمْ وَهَضْمًا لِاَنْفُسِهِمْ "وَثَبِّتْ اَقْدَامنَا" بِالْقُوَّةِ عَلَى الْجِهَاد، وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ،

یعنی ان کے نبی مکرم ﷺ کے شہید ہونے کے وقت ان کی ثابت قدمی اور ان کے صبر کے وقت ان کا کہنا کچھ نہ تھا سوائے اس التجا کے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہم سے ہونے والی زیادتیوں سے درگزر فرما یعنی جو تکلیف ان کی سرزنش یا کسر نفسی کے سبب پریشانی پہنچی۔ اور جہاد کی طاقت کے ذریعے ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

دعا کے ذریعے ایمان تازہ ہونے کا بیان

حضرت فضیل بن عیاض کہتے ہیں تمہارے دل ایمان کی حلاوت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک تم دنیا سے بے رغبتی اختیار نہیں کر لیتے۔ مزید کہتے ہیں، اگر تمہیں رات کو اٹھ کر عبادت کرنے اور دن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو پھر جان لو کہ تم بھلائیوں سے محروم ہو۔ سچے مومن کا دل دہکتے انگارے کی طرح ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دل میں ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہوتا ہے، تم اللہ سے سوال کرتے رہو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کو تازہ کرتا رہے۔

(مستدرک، معجم الطبرانی)

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
پس اللہ نے انہیں دنیا کا بھی انعام عطا فرمایا اور آخرت کے بھی عمدہ اجر سے نوازا، اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

دنیا و آخرت کی بھلائی عطا ہونے کا بیان

"فَاٰتَاهُمُ اللّٰه ثَوَاب الدُّنْيَا" النَّصر وَالْغَنِيمَة "وَحُسْن ثَوَاب الْاٰخِرَة" اَیْ الْجَنَّة وَحُسْنه : التَّفَضُّل فَوْق الِاسْتِحْقَاق،وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ،

پس اللہ نے انہیں دنیا کا بھی انعام یعنی مدد اور غنیمت عطا فرمائی۔ اور آخرت کے بھی عمدہ اجر سے نوازا، یعنی وہ جنت اور اس کا حسن ہے۔ کیونکہ فضیلت حقدار ہونے پر بلند ہوتی ہے۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مال غنیمت کے ساتھ مدد کرنے کا بیان

مسور بن مخرمہ سے روایت کرتے ہیں ان دونوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ہواز کا وفد مسلمان ہو کر آیا اور ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو ان کے مال اور قیدی واپس کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں تم دیکھ رہے ہو اور میرے نزدیک سچی بات سب سے زیادہ اچھی ہے اس لیے تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو یا تو قیدی یا مال لو اور اسی لیے میں نے تمہارا انتظار کیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سے زائد رات تک ان لوگوں کا انتظار کر کے طائف سے واپس ہوئے جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں سے صرف ایک ہی واپس کریں گے تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے قیدی واپس لینا چاہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے درمیان

کھڑے ہوئے اور خدا کی تعریف بیان کی جو اس کے شایانِ شان ہے پھر فرمایا امابعد تمہارے یہ بھائی تمہارے پاس تائب ہو کر آئے آئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو شخص برضا و رغبت کرنا چاہے تو ایسا کرے اور جو شخص اپنے حصے پر قائم رہنا چاہے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مال غنیمت جو ہمیں عطا کرے اس میں سے ہم ان کو دیں تو ایسا ہی کرے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم برضا و رغبت ایسا کرتے ہیں (یعنی ان کے قیدی واپس کر دیتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے اجازت نہ دی اس لیے تم واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارے سردار ہمارے پاس تمہارا معاملہ بیان کریں لوگ واپس گئے ان سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس ہوئے اور آپ سے بیان کیا کہ لوگ بخوشی ایسا کرنے کو (قیدی واپس کرنے کو) تیار ہیں ہوازن کے قیدیوں کا حال ہم تک اس طرح پہنچا ہے یہ آخری قول یعنی فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا زہری کا قول ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2454)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝
اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر تم نقصان اٹھاتے ہوئے پلٹو گے۔

کفار کی اطاعت کفر کی طرف لے جاتی ہے

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" فِيْمَا يَأْمُرُوْنَكُمْ بِهٖ "يَرُدُّوْكُمْ" اِلَى الْكُفْرِ، عَلٰى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِيْنَ،

اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کا کہا مانا یعنی جس چیز کا وہ تمہیں حکم دیتے ہیں۔ تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے یعنی کفر کی طرف پھیر دیں گے۔ پھر تم نقصان اٹھاتے ہوئے پلٹو گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝
بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

"بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ" نَاصِرُكُمْ "وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِيْنَ" فَاَطِيْعُوْهُ دُوْنَهُمْ،

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ یعنی تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تم اسی کی اطاعت کرو جبکہ اس کے سوا کی اطاعت نہ کرو۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ
وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جس کے لئے
اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔

کفار کے دلوں میں رعب ڈال دینے کا بیان

"سَنُلْقِي فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْب" بِسُكُوْنِ الْعِيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْف وَقَدْ عَزَمُوْا بَعْد ارْتِحَالهمْ مِنْ أُحُد عَلَى الْعَوْد وَاسْتِئْصَال الْمُسْلِمِينَ فَرَعَبُوا وَلَمْ يَرْجِعُوا "بِمَا أَشْرَكُوا" بِسَبَبِ إِشْرَاكهمْ "بِاَللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّل بِهِ سُلْطَانًا" حُجَّة عَلَى عِبَادَته وَهُوَ الْأَصْنَام "وَمَأْوَاهُمْ النَّار وَبِئْسَ مَثْوَى" مَأْوَى "الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِيْنَ هِيَ،

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ یہاں پر رعب عین سکون اور اس کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی خوف ڈال دیں گے۔ اور انہوں نے احد کے نقصان پر یہ ارادہ کرلیا کہ وہ دوبارہ واپس لوٹ کر آئیں گے اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں گے لیکن وہ گھبرا گئے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جس کے لئے اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ جس پر ان کی عبادت یعنی بتوں کی عبادت کرنا دلیل ہے۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔ وہی کافروں کا ٹھکانہ ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۱ کے شانِ نزول کا بیان

جنگِ اُحد سے واپس ہوکر جب ابوسفیان وغیرہ اپنے لشکریوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں اس پر افسوس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں کو بالکل ختم کیوں نہ کرڈالا آپس میں مشورہ کرکے اس پر آمادہ ہوئے کہ چل کر انہیں ختم کردیں جب یہ قصد پختہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور انہیں خوف شدید پیدا ہوا اور وہ مکہ مکرمہ ہی کی طرف واپس ہوگئے اگرچہ سبب تو خاص تھا لیکن رعب تمام کفار کے دلوں میں ڈال دیا گیا کہ دنیا کے سارے کفار مسلمانوں سے ڈرتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے عطائی رعب ہونے کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسے کو نہ دی گئی تھیں، مجھے ایک مہینہ کی راہ سے رعب کے ذریعہ مدد دی گئی، زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنادی گئی، لہٰذا میری امت میں جس شخص پر نماز کا وقت (جہاں) آجائے، اسے چاہئے کہ (وہیں زمین پر) نماز پڑھ لے، میرے لئے مال غنیمت حلال کردیئے گئے،
حالانکہ مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لئے حلال نہ کئے گئے تھے، مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی، ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف

مبعوث ہوتا تھا، اور میں تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 328)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور بیشک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم نے بزدلی کی اور (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے) حکم کے بارے میں جھگڑنے لگے اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جب کہ اللہ نے تمہیں وہ کامیابی دکھادی تھی جو تم چاہتے تھے، تم میں سے کوئی دنیا کا خواہش مند تھا اور تم میں سے کوئی آخرت کا طلب گار تھا، پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے، اس نے تمہیں معاف کر دیا، اور اللہ اہلِ ایمان پر بڑے فضل والا ہے۔

غزوہ احد میں بعض حضرات سے لغزش ہو جانے کا بیان

"وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَه" اِيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ "اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ" تَقْتُلُوْنَهُمْ "بِاِذْنِهٖ" بِاِرَادَتِهٖ "حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ" جَبُنْتُمْ عَنِ الْقِتَالِ وَجَوَاب اِذَا دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْله اَیْ مَنَعَكُمْ نَصْره "وَتَنَازَعْتُمْ" اخْتَلَفْتُمْ "فِي الْاَمْر" اَیْ اَمْر النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُقَامِ فِيْ سَفْح الْجَبَل لِلرَّمْيِ فَقَالَ بَعْضكُمْ: نَذْهَب فَقَدْ نُصِرَ اَصْحَابنَا وَبَعْضكُمْ: لَا نُخَالِف اَمْر النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَعَصَيْتُمْ" اَمْره فَتَرَكْتُمْ الْمَرْكَز لِطَلَبِ الْغَنِيمَة "مِنْ بَعْد مَا اَرَاكُمْ" اللّٰه "مَا تُحِبُّوْنَ" مِنَ النَّصْر "مِنْكُمْ مَنْ يُرِيد الدُّنْيَا" فَتَرَكَ الْمَرْكَز لِلْغَنِيمَةِ "وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيد الْاٰخِرَة" فَثَبَتَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ كَعَبْدِ اللّٰه بْن جُبَيْر وَاَصْحَابه "ثُمَّ صَرَفَكُمْ" عَطْف عَلٰى جَوَاب اِذَا الْمُقَدَّر رَدَّكُمْ لِلْهَزِيمَةِ "عَنْهُمْ" اَیْ الْكُفَّار "لِيَبْتَلِيَكُمْ" لِيَمْتَحِنكُمْ فَيَظْهَر الْمُخْلِص مِنْ غَيْره "وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ" مَا ارْتَكَبْتُمُوْهُ "وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْل عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" بِالْعَفْوِ۔

اور بیشک اللہ نے تمہاری مدد فرما کر تمہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم نے بزدلی کی یعنی قتل کرنے سے ہاتھ روک لیا اور یہی ماقبل مدد کی دلالت پر جواب ہے۔ اور (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے) حکم کے بارے میں جھگڑنے لگے یعنی رسول اللہ ﷺ کا وہ حکم جو آپ ﷺ نے ان کو پہاڑ کی گھاٹی پر رہ کر تیراندازی کرنے کا دیا تھا۔ پس تم میں سے بعض نے کہا کہ ہم چلتے ہیں کیونکہ ہمارے اصحاب نے کامیابی حاصل کر لی ہے اور بعض نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت نہیں کرنی تو تم سے لغزش ہوگئی۔ پس نے طلب غنیمت کیلئے مرکز چھوڑ دیا۔ اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جب کہ اللہ نے تمہیں وہ کامیابی دکھادی تھی جو تم چاہتے تھے، تم

میں سے کوئی دنیا کا خواہش مند تھا اور تم میں سے کوئی آخرت کا طلب گار تھا، جس طرح حضرت عبداللہ بن جبیر اوران کے ساتھی تھے۔ پھر اس نے تمہیں ان سے (مغلوب کر کے) پھیر دیا۔ یہاں پر اس جملہ کا عطف اذا مقدرہ پر ہے۔یعنی ہزیمت کیلئے ان سے تمہیں پھیر دیا۔ تا کہ وہ تمہیں آزمائے، یعنی تم میں سے مخلص وغیر مخلص کون ہے۔ اس نے تمہیں معاف کر دیا، جو تم سے سرزنش ہوئی تھی۔ اور اللہ اہلِ ایمان بخشش کے ساتھ پر بڑے فضل والا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۲ کے مضمون نزول کا بیان

کفار کی ہزیمت کے بعد حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ جو تیر انداز تھے وہ آپس میں کہنے لگے کہ مشرکین کو ہزیمت ہو چکی اب یہاں ٹھہر کر کیا کریں چلو کچھ مال غنیمت حاصل کرنے کی کوشش کریں بعض نے کہا مرکز مت چھوڑو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاکید حکم فرمایا ہے کہ تم اپنی جگہ قائم رہنا کسی حال میں مرکز نہ چھوڑنا جب تک میرا حکم نہ آئے مگر لوگ غنیمت کے لئے چل پڑے اور حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ دس سے کم اصحاب رہ گئے۔

بعض اصحاب کی لغزش کے سبب نقصان ہونے کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ احد کے دن جب مشرکوں کے مقابلہ پر گئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کی ایک جماعت پر عبداللہ بن جبیر کو سردار مقرر فرما کر ان سے فرمایا تم کو اس جگہ سے کسی حال میں نہ سرکنا چاہئے تم ہم کو غالب دیکھو یا مغلوب اور ہماری مدد کے لئے بھی نہ آنا غرض جب ہماری اور کافروں کی ٹکر ہوئی تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیاں کھولے اور پائنچے چڑھائی پہاڑ پر بھاگ رہی ہیں اور ان کی پازیبیں چمک رہی ہیں۔ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے کہا دوڑو اور مال غنیمت لوٹو، عبداللہ نے منع کیا کہ دیکھو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے کہ کسی حال میں اپنی جگہ مت چھوڑنا مگر کسی نے نہ مانا آخر مسلمانوں کے منہ پھر گئے اور ستر 70 مسلمان شہید ہو گئے ابوسفیان نے ایک بلند جگہ پر چڑھ کر پکارا اے مسلمانو! کیا محمد زندہ ہیں! حضور نے فرمایا خاموش رہو جواب نہ دو پھر کہنے لگا اچھا ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر زندہ ہیں آپ نے فرمایا چپ رہو جواب مت دو پھر کہا اچھا خطاب کے بیٹے عمر زندہ ہیں پھر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور کہنے لگے او دشمن خدا! تو جھوٹا ہے اللہ نے تجھے ذلیل کرنے کے لئے ان کو قائم رکھا ہے ابوسفیان نے نعرہ لگایا اے ہبل! تو بلند اور اونچا ہے ہماری مدد کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی جواب دو پوچھا کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہو خدا بلند و بالا اور بزرگ ہے، ابوسفیان نے کہا ہمارا مددگار عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو جواب دو پوچھا کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا مددگار کوئی نہیں ابوسفیان نے کہا بدر کا بدلہ ہو گیا لڑائی ڈول کی طرح ہے ہار جیت رہتی ہے کہا تم کو میدان میں بہت سی لاشیں ملیں گی جن کے ناک کان کٹے ہوں گے میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1236)

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ
لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ○
جب تم بھاگے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جماعت میں (کھڑے) جو تمہارے
پیچھے رہی تھی تمہیں پکار رہے تھے پھر اس نے تمہیں غم پر غم دیا، تا کہ تم اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس مصیبت پر جو تم پر آن
پڑی رنج نہ کرو، اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

ہزیمت کے سبب اہل ایمان کے نقصان کا بیان

"اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ" اِذۡ تَبۡعُدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ هَارِبِیۡنَ "وَلَا تَلۡوٗنَ" تَعۡرُجُوۡنَ "عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ" اَیۡ مِنۡ وَرَائِکُمۡ یَقُوۡلُ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ "فَاَثَابَكُمۡ" فَجَازَاكُمۡ "غَمًّا" بِالۡهَزِیۡمَةِ "بِغَمٍّ" بِسَبَبِ غَمِّكُمۡ لِلرَّسُوۡلِ بِالۡمُخَالَفَةِ وَقِیۡلَ الۡبَاءُ بِمَعۡنٰی عَلٰی اَیۡ مُضَاعَفًا عَلٰی غَمِّ فَوۡتِ الۡغَنِیۡمَةِ "لِّكَيۡلَا" مُتَعَلِّقٌ بِ عَفَا اَوۡ بِاَثَابَكُمۡ فَلَا زَائِدَةٌ "تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ" مِنَ الۡغَنِیۡمَةِ "وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ" مِنَ الۡقَتۡلِ وَالۡهَزِیۡمَةِ، وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ،

جب تم بھاگے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جماعت میں (کھڑے) جو تمہارے پیچھے رہی تھی تمہیں پکار رہے تھے یعنی تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ پھر اس نے تمہیں غم پر غم دیا، یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم میں سستی کرنے کے سبب اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں پر باء یہ علی کے معنی میں ہے۔ یعنی غنیمت کے جانے سے دوگنا غم پہنچا۔ اور یہاں پر لکیلا کا تعلق عفا سے ہے یا اثابکم سے ہے تو اس صورت میں لا زائدہ ہوگا۔ تا کہ تم اس پر جو تمہارے ہاتھ سے غنیمت وغیرہ کا نقصان جاتا رہا اور قتل ونقصان کے مصیبت پر جو تم پر آن پڑی رنج نہ کرو، اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۵۳ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن پیدل لشکر کا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا چنانچہ تمام لشکر مدینہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پکار رہے تھے چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی (يَدۡعُوۡهُمُ الرَّسُوۡلُ فِىۡۤ اُخۡرٰهُمۡ،
(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1259)

غزوہ احد کے موقع پر حضرت ابوطلحہ کی محبت رسول ﷺ کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب احد کا دن آیا تو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے مگر

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنی ڈھال لگائے کھڑے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بڑے تیر انداز اور کماندار تھے انہوں نے اس دن دو تین کمانیں توڑ ڈالیں جو مسلمان تیروں کا ترکش لے کر گزرتا تو حضور اکرم اس سے فرماتے یہ تیر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سر اٹھا کر کافروں کو دیکھتے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان ہوں اپنا سر نہ اٹھائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگ جائے اگر میرے گلا پر لگ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ میرا گلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے پر قربان ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اپنی ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ کپڑے اٹھائے ہوئے پانی کی مشکیں بھر بھر کر لا رہی تھیں اور مردوں کو پلا رہی تھیں وہ پھر لوٹ کر جاتیں اور مشکیں بھر کر لاتیں اور لوگوں کے منہ میں ڈالتیں ان کے پاؤں کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں اور پھر ایسا ہوا کہ حضرت ابوطلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم۔ حدیث نمبر 1256)

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ
اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ‌ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ قُلۡ اِنَّ
الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا
قُتِلۡنَا هٰهُنَا ‌ؕ قُلْ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ ۚ وَ
لِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ‏ ۝
پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان
کرتے تھے۔ جاہلیت کے سے گمان، کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں
میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں، ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں
میں ہوتے۔ جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے اور اس لئے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے
اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

مسلمانوں پر نیند کے طاری ہوجانے کا بیان

"ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْنَا مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً" اَمْنًا "نُعَاسًا" بَدَل "يَغْشٰى" بِالْيَاءِ وَالتَّاء "طَائِفَةً مِنْكُمْ" وَهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ فَكَانُوْا يَمِيدُوْنَ تَحْتَ الحجف وَتَسْقُط السُّيُوف مِنْهُمْ "وَطَائِفَة قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسهمْ" اَیْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى الْهَمّ فَلَا رَغْبَة لَهُمْ اِلَّا نَجَاتهَا دُوْنَ النَّبِيّ وَاَصْحَابه فَلَمْ يَنَامُوْا وَهُمْ الْمُنَافِقُوْنَ "يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ" ظَنًّا "غَيْر" الظَّنّ "الْحَقّ ظَنَّ" اَیْ كَظَنِّ "الْجَاهِلِيَّة" حَيْثُ اعْتَقَدُوْا اَنَّ النَّبِيّ قُتِلَ اَوْ لَا

يُنصَر "يَقُوْلُوْنَ هَلْ" مَا "لَنَا مِنَ الْاَمْرِ" اَیْ النَّصرِ الَّذِیْ وُعِدْنَاهُ "مِنْ شَیْءٍ قُلْ" لَهُمْ "اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّه" بِالنَّصْبِ تَوْكِيدًا وَّالرَّفع مُبْتَدَا وَخَبره "لِلّٰهِ" اَیْ الْقَضَاء لَهُ يَفعَل مَا يَشَاء "يُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ" يُظْهِرُوْنَ "لَكَ يَقُوْلُوْنَ" بَيَان لِمَا قَبْلَه "لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا" اَیْ لَوْ كَانَ الاِخْتِيَار اِلَيْنَا لَمْ نَخرُج فَلَمْ نُقْتَل لٰكِنْ اُخْرِجنَا كَرْهًا "قُلْ" لَهُمْ "لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُيُوْتِكُمْ" وَفِيكُمْ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْقَتْل "لَبَرَزَ" خَرَجَ "الَّذِيْنَ كُتِبَ" قُضِیَ "عَلَيْهِمُ الْقَتْل" مِنْكُمْ "اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ" مَصَارِعِهِمْ فَيُقْتَلُوْا وَلَمْ يُنْجِهِمْ قُعُوْدهم لِاَنَّ قَضَاءَهُ تَعَالٰی كَائِن لَا مَحَالَة "وَ" فَعَلَ مَا فَعَلَ بِاُحُدٍ "لِيَبْتَلِیَ" يَخْتَبِر "اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ" قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْاِخْلَاص وَالنِّفَاق "وَلِيُمَحِّص" يُمَيِّز "مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" بِمَا فِی الْقُلُوْب لَا يَخْفٰی عَلَيْهِ شَیْءٌ وَاِنَّمَا يَبْتَلِی لِيُظْهِر لِلنَّاسِ،

پھر تم پر غم کے بعد چین کی نینداتاری یہاں نعاسا یہ امنہ سے بدل ہے۔اور یغشی یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی اور وہ مؤمن تھے جن کو ڈھالوں کے نیچے نیند کے جھونکے آرہے تھے۔اوران سے تلواریں گر رہی تھیں۔اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی، یعنی وہ غم میں مبتلا تھے اوران کو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو خیال بھی نہ رہا۔اوران کو نیند بھی نہ آئی یہ لوگ منافق تھے۔اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے۔جاہلیت کے گمان کی طرح کہ نبی کریم ﷺ شہید ہو گئے یا وہ مدد نہ کیے گئے۔کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے یعنی وہ مدد جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا۔اس سے بھی کچھ ہے، تم ان سے فرمادو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے، یہاں کلہ یہ تاکید ہونے کے سبب منصوب ہے اور مبتداء ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے اور اس کی خبر لفظ للہ'' ہے۔یعنی اس کا فیصلہ ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔کرتا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں، یقولون ماقبل کا بیان ہے۔ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے، یعنی اگر ہمارے پاس کوئی اختیار ہوتا تو ہم گھروں سے نکلتے ہی نہ اور نہ ہی یہاں آکر قتل کیے جاتے، مگر ہم کو تو زبردستی یہاں لایا گیا ہے۔تم ان سے فرمادو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے۔جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا۔وہ ضرور نکل آتے اور اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے اور وہ ضرور قتل ہوتے اس لئے کہ اللہ کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے۔اور جو احد میں کرنا تھا سو وہی کیا۔کہ اللہ تمہارے سینوں میں اخلاص ونفاق کی بات آزمائے۔اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے یعنی فرق کردے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔یقیناً وہ لوگوں پر ظاہر کرنے کیلئے آزماتا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۴ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس روزان میں

سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اونگھ کی وجہ سے نیچے کو نہ جھکا جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہی اونگھ مراد ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُعَاسًا۔ (پھر تم لوگوں پر تنگی (غم) کے بعد اونگھ نازل کی گئی جو تم میں سے ایک جماعت کو گھیر رہی تھی اور دوسری جماعت کو صرف اپنی فکر تھی) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 943)

حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کو احد کے دن اونگھ نے دبالیا تھا مجھ کو ایسی اونگھ آئی کہ کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے میری تلوار گر پڑی وہ گرتی تھی اور میں اٹھاتا تھا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1260)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ
مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝
بیشک وہ جو تم میں سے پھر گئے۔ جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے باعث
اور بیشک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا، بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل احد کی لغزش کو معاف کر دیا

"اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ" عَنِ الْقِتَال "يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ" جَمْع الْمُسْلِمِينَ وَجَمْع الْكُفَّار بِاُحُدٍ وَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا "اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمْ" اَزَلَّهُمْ "الشَّيْطَان" بِوَسْوَسَتِهِ "بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا" مِنَ الذُّنُوب وَهُوَ مُخَالَفَة اَمْر النَّبِيّ "وَلَقَدْ عَفَا اللّٰه عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰه غَفُور" لِلْمُؤْمِنِيْنَ "حَلِيْم" لَا يُعَجِّل عَلَى الْعُصَاة،

بیشک وہ جو تم میں قتال کرنے سے پھر گئے۔ جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ یعنی جب مسلمان اور کفار احد میں جمع ہوئے اور بارہ افراد کے سوا سے لغزش ہوئی انہیں شیطان ہی نے لغزش دی۔ یعنی شیطان نے ان کو وسوسہ سے پھسلایا۔ یعنی ان سے نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف عمل کرایا۔ ان کے بعض اعمال کے باعث اور بیشک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا، بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ یعنی وہ مؤاخذہ کرنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قتل لغزش کے سبب ہوا

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکین کو پہلی مرتبہ شکست ہوئی تو شیطان نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندو! تمہارے عقب سے ایک جماعت آ رہی ہے اس سے بچو! یہ سن کو لوگ پلٹ پڑے اتنے میں دیکھا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان کو مسلمان مارے ڈال رہے ہیں، چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا کہ اے اللہ کے بندو! یہ تو میرے والد ہیں عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی

ہیں خدا کی قسم! وہ نہ مانے یہاں تک کہ یمان کو مار ڈالا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا خدا تم کو بخش دے، عروہ کہتے ہیں بخدا حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے آخر وقت تک ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے امام بخاری کہتے ہیں بصرت، بصیرت سے ہے یعنی میں نے جانا اور البصرت کے معنی آنکھ سے دیکھا بعض نے کہا کہ بصرت اور بصیرت کے ایک ہی معنی ہیں۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1257)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں جو سفر پر گئے ہوں یا جہاد کر رہے ہوں۔ کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے، تا کہ اللہ اس (گمان) کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے، اور اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال خوب دیکھ رہا ہے۔

ایمان والوں کو منافقین کی طرح ہونے سے منع کرنے کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اَیْ الْمُنَافِقِيْنَ "وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ" اَیْ فِيْ شَأْنِهِمْ "اِذَا ضَرَبُوْا" سَافَرُوْا "فِي الْاَرْضِ" فَمَاتُوْا "اَوْ كَانُوْا غُزًّى" جَمْع غَازٍ فَقُتِلُوْا "لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا" اَیْ لَا تَقُوْلُوْا كَقَوْلِهِمْ "لِيَجْعَلَ اللّٰه ذٰلِكَ" الْقَوْل فِيْ عَاقِبَة اَمْرهمْ "حَسْرَة فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيت" فَلَا يَمْنَع عَنْ الْمَوْت قُعُوْد "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "بَصِير" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ،

اے ایمان والو! تم ان کافروں یعنی منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جو اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں جو زمین میں سفر پر گئے ہوں یا جہاد کر رہے ہوں۔ یہاں غزی یہ غاز کی جمع ہے۔ کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے، تا کہ اللہ اس گمان کو ان کے انجام کے طور پر ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے، اور اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے، لہٰذا گھروں میں بیٹھ رہنا بھی ان کو موت سے بچانے والا نہیں ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال خوب دیکھ رہا ہے۔ یعملوں یہ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝
اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ یا تمہیں موت آ جائے تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو۔

مغفرت کا گناہوں کو مٹا دینے کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام قَسم "قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه" اَیِ الْجِهَاد "اَوْ مُتُّمْ" بِضَمِّ الْمِيم وَكَسْرهَا مِنْ مَاتَ يَمُوت اَیْ اَتَاكُمُ الْمَوْت فِيْهِ "لَمَغْفِرَة" كَائِنَة "مِنَ اللّٰه" لِذُنُوْبِكُمْ "وَرَحْمَة" مِنْهُ لَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَاللَّام وَمَدْخُولهَا جَوَاب الْقَسَم وَهُوَ فِيْ مَوْضِع الْفِعْل مُبْتَدَأ خَبَره "خَيْر مِمَّا يَجْمَعُوْنَ" مِنَ الدُّنْيَا بِالتَّاءِ وَالْيَاء،

اور ولئن میں لام قسم ہے۔اور اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے قتل کر دیئے جاؤ یا تمہیں موت آ جائے۔ یہاں متم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔یعنی جو فوت ہوا یا اس کو موت آ گئی۔تو اللہ کی مغفرت گناہوں کو مٹانے والی اور رحمت اس سے بہت بہتر ہے۔یہاں پر لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے۔اور وہ فعل کی جگہ میں ہے مبتداء کی خبر ہے۔جو تم جمع کرتے ہو۔اور یہاں پر یجمع تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔

شہید ہونے والے کیلئے جنت کا بیان

حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔جو شخص راہ خدا میں جہاد کی غرض سے نکلا اور وہ مر گیا یا مارا گیا تو ہر دو صورت میں وہ شہید ہے یا اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اس کو کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور نے اس کو کاٹ لیا یا اپنے بستر پر (طبعی) موت مرا یا کسی اور طریقہ سے جو اللہ نے چاہا مر گیا تو ہر صورت میں وہ شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔(سنن ابوداؤد، ج ۲، کتاب جہاد، بیروت)

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ الَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ٥
اور اگر تم مر و یا مارے جاؤ تو اللہ کی طرف اٹھنا ہے۔

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "مُتُّمْ" بِالْوَجْهَيْنِ "اَوْ قُتِلْتُمْ" فِي الْجِهَاد وَغَيْره "لَاِلَى اللّٰه" لَا اِلٰى غَيْره "تُحْشَرُوْنَ" فِي الْاٰخِرَة فَيُجَازِيكُمْ،

اور لئن میں لام، دونوں طرح لام قسم ہے۔یا تم جہاد وغیرہ میں مارے جاؤ، جو اللہ کی راہ میں جہاد ہو نہ کسی غیر کی طرف ہو۔تم میں آخرت میں جمع کیے جاؤ گے پس وہ تمہیں جزاء دے گا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ٥

پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُند خُو، سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں اور کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا بیان

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ" يَا مُحَمَّدُ "لَهُمْ" اَیْ سَهَّلْتَ اَخْلَاقَكَ اِذْ خَالَفُوكَ "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا" سَيِّءَ الْخُلُقِ "غَلِيظَ الْقَلْبِ" جَافِيًا فَاَغْلَظْتَ لَهُمْ "لَانْفَضُّوا" تَفَرَّقُوا "مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ" تَجَاوَزْ "عَنْهُمْ" مَا اَتَوْهُ "وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ" ذُنُوبَهُمْ حَتّٰى اَغْفِرَ لَهُمْ "وَشَاوِرْهُمْ" اسْتَخْرِجْ اٰرَاءَهُمْ "فِي الْاَمْرِ" اَیْ شَانِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَيْرِهٖ تَطْيِيبًا لِقُلُوبِهِمْ وَلِيُسْتَنَّ بِكَ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرَ الْمُشَاوَرَةِ لَهُمْ "فَاِذَا عَزَمْتَ" عَلٰی اِمْضَاءِ مَا تُرِيدُ بَعْدَ الْمُشَاوَرَةِ "فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" ثِقْ بِهٖ لَا بِالْمُشَاوَرَةِ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ" عَلَيْهِ۔

یا محمد ﷺ، اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، یعنی آپ ﷺ کے اخلاق اس وقت بھی احسان والے ہوتے ہیں جب وہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اگر آپ تُند خُو، سخت دل ہوتے، یعنی ان پر سختی کرتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، لہٰذا جو بھی آپ پر پریشانی آئے، ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے ان کے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، یعنی ان کی رائے کو بھی دیکھ لیا کریں، یعنی جنگی معاملات وغیرہ میں تاکہ ان کے دل کو پاکیزگی حاصل ہوجائے اور وہ آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہیں۔ پس نبی کریم ﷺ کثرت سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں یعنی مشورہ کرنے کے بعد جس کا ارادہ کریں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، یعنی اللہ کا بھروسہ مضبوط کریں نہ مشورہ کو، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔

آپ ﷺ کے مکارم اخلاق کے سبب اسلام کی اشاعت کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابوذر کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم جاؤ اور مجھے اس شخص (کے حالات وتعلیمات) کے بارے میں بتاؤ جو اپنے نبی ہونے کا اور آسمانی خبروں کے آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور تم اس کی بات سن کر میرے پاس آنا تو (ان کا) بھائی چل کر آنحضرت کے پاس آیا اور آپ کی باتیں سن کر ابوذر کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے انہیں مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہوئے دیکھا اور ان سے ایسا کلام سنا جو شعر نہیں ابوذر نے کہا جو میں نے چاہا تھا اس میں تم سے میری تسلی نہیں ہوئی پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے خود زادراہ لی اور ایک مشک

جس میں پانی تھا ساتھ لے کر چلے حتیٰ کہ مکہ آ گئے پھر وہ مسجد میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے اور ابوذر آنحضرت کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے آپ کے بارے میں پوچھنا بھی پسند نہ کیا حتیٰ کہ رات ہو گئی اور یہ لیٹ رہے پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر ہے۔

جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے ساتھ ہو لئے اور ان میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا حتیٰ کہ صبح ہو گئی پھر یہ اپنا مشکیزہ اور زادِ راہ لے کر مسجد میں آ گئے اور دن بھر رہے (لیکن) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ شام کو پھر یہ اپنی خواب گاہ کی طرف واپس آ گئے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کیا ابھی تک اس آدمی کو اپنے گھر کا پتہ نہیں چلا کہ وہاں قیام کرتا اور انہیں اپنے ساتھ لے گئے ان میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھا حتیٰ کہ تیسرے دن بھی حضرت علی نے ایسا ہی کیا اور انہیں اپنے پاس ٹھہرا لیا پھر ان سے کہا تم اپنے آنے کا سبب مجھے کیوں نہیں بتاتے؟ ابوذر نے کہا اگر تم مجھ سے عہد و پیمان کر لو کہ میری رہبری کرو گے تو میں بھی بتا دوں حضرت علی نے عہد کر لیا تو انہوں نے اپنا قصہ بتایا حضرت نے فرمایا بے شک یہ حق ہے اور آپ اللہ کے (برحق) رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو تم میرے پیچھے چلنا اگر (راستہ میں) مجھے تمہارے حق میں خوف کی کوئی بات نظر آئی تو میں ٹھہر جاؤں گا ایسا ظاہر کروں گا کہ میں پیشاب کر رہا ہوں پھر اگر میں چل پڑوں تو تم بھی میرے پیچھے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہو جاؤں تم بھی داخل ہو جانا پھر حضرت علی چلے اور ابوذر ان کے پیچھے ہو لئے یہاں تک کہ حضرت علی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے پھر ابوذر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی تو اسی جگہ مسلمان ہو گئے ان سے آپ نے فرمایا تم اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں یہ سب کچھ بتا دو حتیٰ کہ تمہیں میرا غلبہ معلوم ہو انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تو سب لوگوں کے سامنے چلا چلا کر اس کلمہ کا اعلان کروں گا پھر وہ باہر نکل کر مسجد میں آئے اور بلند آواز میں پکار کر کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ بس لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں مارا حتیٰ کہ مارتے مارتے لٹا دیا عباس آئے اور ان پر جھک گئے اور کہا تمہارا ناس جائے تمہیں معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور تمہارے تاجروں کے شام جانے کا راستہ اسی طرف ہے تو عباس نے ان کو کفار سے بچایا پھر دوسرے دن بھی ابوذر نے ایسا ہی کیا تو کفار نے انہیں مارا اور ان پر امنڈ آئے پھر عباس ان پر جھک پڑے اور کافروں سے بچایا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1063)

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○
اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ایسا ہے
جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اللہ جس کی مدد کرے اس پر کوئی غالب نہ آئے گا

"اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہ " یُعِنْکُمْ عَلٰی عَدُوِّکُمْ کَیَوْمِ بَدْر "فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ " یَتْرُكْ نَصْرَکُمْ کَیَوْمِ اُحُد "فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ " اَیْ بَعْدَ خِذْلَانِہٖ اَیْ لَا نَاصِرَ لَکُمْ "وَعَلَی اللّٰہِ " لَا غَیْرِہٖ "فَلْیَتَوَکَّلْ" لِیَثِق،

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے یعنی اس نے تمہیں بدر کے دن تمہارے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کی۔ تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، کہ وہ تمہاری مدد کو چھوڑ دے جس طرح احد کے دن ہوا۔ اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے، یعنی اس کی مدد کے بعد تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ جبکہ اس کے غیر پر نہیں۔

وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَاغَلَّ یَوْ مَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی
کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○
اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا
پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

وَنَزَلَتْ لَمَّا فُقِدَتْ قَطِیْفَة حَمْرَاء یَوْم اُحُد فَقَالَ بَعْض النَّاس : لَعَلَّ النَّبِیّ اَخَذَهَا "وَمَا کَانَ" وَمَا یَنْبَغِی ، "لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ" یَخُوْن فِی الْغَنِیْمَة فَلَا تَظُنُّوْا بِهٖ ذٰلِكَ وَفِیْ قِرَاءَة بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَنْ یُّنْسَب اِلَی الْغُلُوْل "وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَة" حَامِلًا لَّهٗ عَلٰی عُنُقِهٖ "ثُمَّ تُوَفّٰی کُلّ نَفْس " الْغَالّ وَغَیْرِہٖ جَزَاء "مَا کَسَبَتْ" عَمِلَتْ "وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ" شَیْئًا،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب احد کے دن سرخ چادر گم ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ شاید نبی کریم ﷺ نے اس کو لے لیا ہو۔ اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ کچھ چھپا رکھے یعنی وہ غنیمت میں خیانت کر دے لہٰذا تم ایسا گمان نہ کرو۔ اور ایک قرأت میں یغل مجہول ہے کہ غلول کی جانب اس کو منسوب کیا گیا ہے۔ اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا یعنی اس کو اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی یعنی خیانت وغیرہ کی جزاء جو کسی نے کسب کیا اس پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت مقسم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ)3۔ آل عمران: 161) (یعنی (مال غنیمت میں) خیانت کرنا نبی کا کام نہیں اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اسے لے کر حاضر ہوگا) یہ آیت ایک

سرخ رونی دار چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر کے موقع پر گم ہوئی تھی تو بعض لوگوں نے کہا کہ شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ عبدالسلام بن حرب بھی خصیف سے اور وہ مقسم سے نقل کرتے ہوئے ابن عباس کا ذکر نہیں کرتے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 946)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
بھلا وہ شخص جو اللہ کی مرضی کے تابع ہو گیا اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا سزاوار ہوا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے،
اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اللہ کی رضا اور نافرمانی کرنے والے کا برابر نہ ہونے کا بیان

"اَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَان اللّٰه" فَاَطَاعَ وَلَمْ يَغُلّ "كَمَنْ بَاءَ" رَجَعَ "بِسَخَطٍ مِّنْ اللّٰه" لِمَعْصِيَتِهِ وَغُلُوله "وَمَاْوَاهُ جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمَصِير" الْمَرْجِع هِيَ،

بھلا وہ شخص جو اللہ کی مرضی کے تابع ہو گیا یعنی جس نے اس کی اطاعت کی اور خیانت نہ کی، اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو نافرمانی اور خیانت کے سبب اللہ کے غضب کا سزاوار ہوا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اسی جگہ لوٹنا ہے۔

جنت و دوزخ میں داخلہ کے سبب کا بیان

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاصر ہو کر عرض کیا کہ جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 270)

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝
وہ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے۔

ثواب و عذاب کے مختلف درجات کا بیان

"هُمْ دَرَجَات" اَيْ اَصْحَاب دَرَجَات "عِنْد اللّٰه" اَيْ مُخْتَلِفُو الْمَنَازِل فَلِمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانه الثَّوَاب وَلِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِهِ الْعِقَاب "وَاللّٰه بَصِير بِمَا يَعْمَلُوْنَ" فَيُجَازِيهِمْ بِهِ،

اللہ کے ہاں ان کے درجات ہیں۔ یعنی مختلف مراتب ہیں یعنی بعض میں سے وہ جس نے اس رضا یعنی ثواب کی اتباع کی یعنی اس کو حاصل کیا اور ان میں سے بعض اس کی ناراضگی لیکر آئے۔ اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے۔ لہٰذا وہ ان کو اس

جنت کے اعلیٰ کمروں کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے کمرے ہوں گے جن کا اندرونی منظر باہر سے اور بیرونی منظر اندر سے نظر آئے گا۔ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور عرض کیا وہ کس کے لیے ہوں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس کے لیے ہیں جس نے اچھی گفتگو کی، کھانا کھلایا ہمیشہ روزہ رکھا اور رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں اللہ کے لیے نماز پڑھی۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 427)

دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری یہ آگ ہے جسے انسان جلاتے ہیں جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جلانے کے لیے تو یہی آگ کافی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آگ اس سے انہتر درجے زیادہ گرم ہے اور ہر درجہ اس کی گرمی کے برابر ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 495)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک
کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰه عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسَهُمْ" اَیْ عَرَبِيًّا مِثْلهمْ لِيَفْهَمُوْا عَنْهُ وَيَشْرُفُوْا بِهٖ لَا مَلَكًا وَّلَا عَجَمِيًّا "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاته" الْقُرْاٰن "وَيُزَكِّيهِمْ" يُطَهِّرهُمْ مِنْ الذُّنُوْب "وَيُعَلِّمهُمْ الْكِتَاب" الْقُرْاٰن "وَالْحِكْمَة" السُّنَّة "وَاِنْ" مُخَفَّفَة اَیْ اِنَّهُمْ "كَانُوْا مِنْ قَبْل" اَیْ قَبْل بَعْثه "لَفِيْ ضَلَال مُبِيْن" بَيِّن،

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔یعنی اہل عرب کی مثل تاکہ وہ آپ ﷺ کو پہچانیں اور انہیں آپ ﷺ کے ذریعے شرف بخشا جبکہ فرشتہ یا اہل عجم سے رسول سے نہ بھیجا۔جو ان پر قرآن کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں گناہوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی سنت سکھاتا ہے اور یہاں پر ان مخففہ بھی آیا ہے۔اور وہ اس سے پہلے یعنی آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

تعلیمات نبوت و برکات نبوت ﷺ کا بیان

جو علوم انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تقسیم فرماتے ہیں، اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں، یا دو طرح کا فیض نصیب ہوتا ہے، ایک حصہ کو

تعلیمات نبوت کہتے ہیں، اور دوسرا حصہ برکات نبوت کہلاتا ہے۔

تعلیمات نبوت ارشادات ظاہری۔ اقوال و افعال و رسول ﷺ کا مرقع ہے، قرآن وحدیث وفقہ سب اسی قبیل سے ہیں۔ تعلیمات نبوت کا یہ پہلو حروف والفاظ کی شکل میں قلم بند ہوا، اور سیکھا سکھایا جاتا ہے۔

انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب قلبی تعلق بنتا ہے تو قلب اطہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیض پانے والے کے قلب پر وہ کفیت آجاتی ہے جو دیکھی نہیں جاسکتی، بیان نہیں کی جاسکتی جس کے لئے کوئی الفاظ نہیں ملتے جو صرف محسوس کی جاسکتی ہے، اس کو برکات نبوت کہتے ہیں۔ دین مبین کا یہ شعبہ تصوف وسلوک، احسان، اسرار شریعت، طریقت وغیرہ کے الفاظ سے بھی گردانا گیا ہے۔ اور ہمارے عرف عام میں اس کو پیری مریدی بھی کہا جاتا ہے۔

"یتلو علیهم آیاته" دعوت الی اللہ ہے، "یزکیهم" برکات نبوت ہے، "و یعلمهم الکتاب و لحکمة" تعلیمات نبوت ہے۔ اب یہ قرآن نے علیحدہ سے یزکیهم کا ذکر کیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ تزکیہ فرماتے تھے، یہ تزکیہ کیا ہے۔ یہی ہمارا موضوع ہے۔ اور اس شعبے کو آج تصوف واحسان یا طریقت وغیرہ کہا جاتا ہے۔

تزکیہ کیا ہے؟ ایک قلبی اور روحانی کفیت کا نام ہے، جس کے طفیل دل میں خلوص اور اطاعت الٰہی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ اور معصیت سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اسکا ثبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیاں ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی اخلاقی حالت عموماً اور اہل عرب کی خصوصاً تباہی کی آخری کنارے پر پہنچ چکی تھی کہ آپ ﷺ کی بعثت نے انسانیت کی حیات نو بخشی اور ان ہی لوگوں کو وہ اخلاقی عظمت اور خلوص للہیت عطا فرمائی کہ تاریخ انسانی اسکی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

آپ ﷺ کی تعلیمات، ارشادات اور اس کے ساتھ فیض صحبت تزکیہ کی اصل ہے تزکیہ کا اصول کثرت ذکر ہے، اور صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی یہ کیفیت تھی، ثم تلین جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله ۔ صرف تعلیمات تو کافر بھی سنتا اور جانتا ہے مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے فیض صحبت سے محروم ہو کر تزکیہ سے محروم رہتا ہے اور مومن ایمان لا کر ان کفیات کو حاصل کرتا ہے، جو آپ ﷺ کی صحبت میں بٹتی ہیں چنانچہ ایک نگاہ پانے والا اصحابیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوا اور یہ نعمت عظمیٰ بٹتی رہی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی صحبت میں آنے والے تابعین کہلائے اور ان سے تبع تابعین مستفید ہوئے پھر اہل اللہ نے اسی نعمت کو ان مقدس سینوں سے حاصل کر اور خلق خدا کے دلوں کو روشن کرتے رہے اور کرتے رہے گے، انشاء اللہ، کہ اسی کی برکت سے کتاب وحکمت یا کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے یہ تزکیہ یا فیض صحبت ہی اصول تعلیم کی اساس ہے، کتاب وحکمت کی وہ تعلیم جو انسان کے لئے راہ عمل آسان کردے جو اسکی عملی زندگی بن جائے ورنہ پھر محض حروف کی شناخت رہ جائے گی، اسے تعلیم کہنا درست نہ ہوگا۔

یہ بھی وضاحت فرمادی کہ کتاب کے ساتھ مفہوم کتاب یا حکمت بھی ہے یعنی حدیث مبارک اور کتاب اللہ کی وہ شرح جو آپ ﷺ نے فرمائی۔ ورنہ قبل ازیں تو لوگ ایسی گمراہی میں مبتلاء تھے، جسے وہ خود بھی جانتے تھے، یعنی اپنے گمراہ ہونے کا خود

انہیں بھی علم تھا۔ اور غالباً آج کے دور کی مصیبت بھی یہی ہے کہ کیفیات باطنی دنیا میں بہت کم نصیب ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ جن کے نہ صرف دل روشن ہوں بلکہ دوسرے دلوں کو روشن کرنے کی ہمت بھی رکھتے ہوں، دنیا میں نظر نہیں آتے ہیں۔ اور جب یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی، تو قوت عمل نصیب نہیں ہوتی۔ لوگ کتاب اللہ پڑھتے بھی ہیں۔ پڑھاتے بھی ہیں، مگر عمل بہت کم نصیب ہوتا ہے، اللہ کریم دلوں کو روشنی نصیب فرمائیں، آمین۔

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ تلاش کیا جائے جو ایک روشن دل رکھتے ہوں۔ آورآپ ﷺ کی عطا کردہ کیفیات کے نہ صرف امین ہوں بلکہ انہیں تقسیم بھی کر سکے اور دوسروں کے دلوں میں بھی وہ روشنی منتقل کر سکے جس کے وہ امین ہوں۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
کیا جب تمہیں ایک مصیبت آ پہنچی حالانکہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ پڑی؟ فرما دیں:
یہ تمہاری اپنی ہی طرف سے ہے بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔

احد میں نقصان ہو جانے کا بیان

"اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ " بِاُحُدٍ بِقَتْلِ سَبْعِينَ مِنكُمْ "قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا" بِبَدْرٍ بِقَتْلِ سَبْعِينَ وَاَسْرِ سَبْعِينَ مِنهُمْ "قُلْتُمْ" مُتَعَجِّبِينَ "اَنّٰى" مِنْ اَيْنَ لَنَا "هٰذَا" الْخِذْلَانِ وَنَحْنُ مُسْلِمُوْنَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ فِينَا وَالْجُمْلَةُ الْاَخِيرَةُ مَحَلُّ الِاسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيِّ "قُلْ" لَهُمْ "هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ " لِاَنَّكُمْ تَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ فَخُذِلْتُمْ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" وَمِنْهُ النَّصْرُ وَمَنْعُهُ وَقَدْ جَازَاكُمْ بِخِلَافِكُمْ،

کیا جب تمہیں ایک مصیبت آ پہنچی یعنی احد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ حالانکہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے تھے یعنی بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ان کے ستر آدمی قتل ہوئے۔ تو تم تعجب سے کہنے لگے کہ یہ کہاں سے پریشانی آ پڑی؟ حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہم موجود ہیں۔ اور یہ دوسرا جملہ یہ استفہام انکاری کی جگہ پر آیا ہے۔ آپ ﷺ ان سے فرما دیں، یہ تمہاری اپنی ہی طرف سے ہے۔ یعنی مرکز کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے تم پریشان ہوئے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔ یعنی مدد کا آنا نہ آنا اسی کی طرف سے ہے۔ پس وہ تمہارے خلاف کو تم پر رخصت دینے والا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○
اور اُس دن جو تکلیف تمہیں پہنچی جب دونوں لشکر باہم مقابل ہو گئے تھے سو وہ اللہ کے حکم سے تھے
اور یہ اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کی پہچان کرا دے۔

اہل ایمان اور منافقین کے درمیان فرق کرنے کا بیان

"وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ" بِاُحُدٍ "فَبِاِذْنِ اللّٰهِ" بِاِرَادَتِهِ "وَلِيَعْلَمَ" عِلْم ظُهُور "الْمُؤْمِنِيْنَ" حَقًّا،

اور اُس دن جو تکلیف تمہیں پہنچی جب احد کے دن دونوں لشکر باہم مقابل ہو گئے تھے سو وہ اللہ کے حکم سے تھے اور یہ اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کے برحق ہونے کی پہچان کرادے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۚ قَالُوْا لَوْ
نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۚ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝
اور اس لئے کہ پہچان کرادے، ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آ ؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی
ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے، اور اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے منہ سے کہتے ہیں
جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔

غزوہ احد میں منافقین کے واپس ہوجانے کا بیان

"وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا" وَالَّذِيْنَ "قِيْلَ لَهُمْ" لَمَّا انْصَرَفُوْا عَنِ الْقِتَالِ وَهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ وَاَصْحَابُه "تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اَعْدَاءَهُ "اَوِ ادْفَعُوْا" عَنَّا الْقَوْمَ بِتَكْثِيْرِ سَوَادِكُمْ اِنْ لَّمْ تُقَاتِلُوْا "قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ" نُحْسِنُ "قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ" قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَّهُمْ "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ" بِمَا اَظْهَرُوْا مِنْ خِذْلَانِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَكَانُوْا قَبْلُ اَقْرَبَ اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ "يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ" وَلَوْ عَلِمُوْا قِتَالًا لَّمْ يَتَّبِعُوْكُمْ "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ" مِنَ النِّفَاقِ،

اور اس لئے کہ پہچان کرادے، ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آ ؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے۔ یا دشمن کو ہٹاؤ یعنی اگر تم لڑ نہیں سکتے تو ہماری تعداد میں اضافہ کرکے کافروں کو ہم سے دور کردو، بولے اگر ہم کو اچھے طریقے سے لڑائی کرنا آتی تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب میں فرمایا، اور اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں، کیونکہ انہوں نے مؤمنین کیلئے اپنی بزدلی دیکھائی حالانکہ اس سے پہلے وہ ظاہری طور پر ایمان کے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یعنی اگر ہم قتال کا پتہ ہوتا تو وہ تمہاری اتباع نہ کرتے۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو منافقت کو چھپا رہے ہیں۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۸۷ کے سبب نزول کا بیان

جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا، اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعوائے اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تا کہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے، یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت وطنی وقومی یا اپنے اموال واولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ط قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
وہی لوگ ہیں جنہوں نے باوجود اس کے کہ خود بیٹھے رہے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے،
فرمادیں، تم اپنے آپ کو موت سے بچالینا اگر تم سچے ہو۔

موت سے بچنے والے کیوں مرتے ہیں

"اَلَّذِيْنَ" بَدَل مِنَ الَّذِيْنَ قَبْله اَوْ نَعت "قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ" فِي الدِّيْن "و" قَدْ "قَعَدُوا" عَنِ الْجِهَاد "لَوْ اَطَاعُوْنَا" اَيْ شُهَدَاء اُحُد اَوْ اِخْوَاننَا فِي الْقُعُوْد قُلْ "لَهُمْ "فَادْرَءُوا" ادْفَعُوا "عَنْ اَنْفُسكُم الْمَوْت اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِي اَنَّ الْقُعُوْد يُنْجِي مِنْهُ،

یہاں پر الذین یہ ماقبل سے بدل ہے یا نعت ہے۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے باوجود اس کے کہ خود جہاد سے بیٹھے رہے اپنے بھائیوں کے دین کی نسبت کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے یعنی شہداء احد یا ہمارے بیٹھے ہوئے بھائی، تو نہ مارے جاتے، تو آپ ان سے فرمادیں، تم اپنے آپ کو موت سے بچالینا اگر تم سچے ہو۔ یعنی اگر یہ بیٹھ جانا تم کو اس سے نجات دلا دے؟

فرماتا ہے ان کے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے، اس کے جواب میں جناب باری جل وعلا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل وموت سے بچ جاتا ہے تو چاہئے کہ تم مرو ہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں بیٹھے ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل بسو گے چاہے تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پس ہم تو تمہیں تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

اور جواللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں۔

شہداء کی شان میں نازل ہونے والی آیت مبارکہ کا بیان

وَنَزَلَ فِي الشُّهَدَاء "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْد "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه" اَيْ لِاَجْلِ دِيْنه "اَمْوَاتًا بَلْ" هُمْ "اَحْيَاء عِنْد رَبّهمْ" اَرْوَاحهمْ فِيْ حَوَاصِل طُيُور خُضْر تَسْرَح فِي الْجَنَّة حَيْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيث "يُرْزَقُوْنَ" يَاْكُلُوْنَ مِنْ ثِمَار الْجَنَّة،

یہ آیت مبارکہ شہداء کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور جواللہ کی راہ یعنی اس کے دین کی وجہ سے مارے گئے یہاں پر قتلو یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ یعنی ان ارواح جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جہاں چاہتی ہیں جنت کی سیر کرتی ہیں۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ روزی پاتے ہیں۔ یعنی وہ جنت کے پھلوں کا رزق کھاتے ہیں۔

شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونے کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کی میری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جابر کیا بات ہے؟۔ میں تمہیں شکستہ حال کیوں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید ہوگئے اور قرض وعیال چھوڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اس چیز کی خوشخبری نہ سناؤں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہارے والد سے ملاقات کی عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے علاوہ ہر شخص سے پردے کے پیچھے سے گفتگو کی لیکن تمہارے والد کو زندہ کر کے ان سے بالمشافہ گفتگو کی اور فرمایا اے میرے بندے تمنا کر۔ تو جس چیز کی تمنا کرے گا میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ مجھے دوبارہ زندہ کردے تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں قتل ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فیصلہ ہو چکا کہ کوئی دنیا میں واپس نہیں جائے گا۔

راوی کہتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ) 3۔ آل عمران: 169) (یعنی تم ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جواللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے الخ۔) یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف موسیٰ بن ابراہیم کی روایت سے جانتے ہیں۔ پھر علی بن عبداللہ مدینی اور کئی راوی اس حدیث کو کبار محدثین سے اسی طرح روایت کرتے ہیں نیز عبداللہ بن محمد بن عقیل بھی جابر سے اس کو کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 947)

شہداء کا ٹھکانہ عرش کی قندیلوں میں ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس آیت (وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ) 3۔ آل عمران:169)۔ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے بھی اس کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی (یعنی شہداء کی) روحیں سبز پرندوں (کی شکل) میں جو جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہاں پھرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانہ عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جھانکا اور پوچھا کیا تم لوگ کچھ اور بھی چاہتے ہو جو میں تمہیں عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ ہم اس سے زیادہ کیا چاہیں گے کہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی طرح کہا تو ان شہداء نے سوچا کہ ہم اس وقت تک نہیں چھوٹیں گے جب تک کوئی فرمائش نہیں کریں گے۔ تو انہوں نے تمنا ظاہر کی کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں تا کہ ہم دنیا میں جائیں اور دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو کر آئیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 948)

جنت سے نکل کر دوبارہ شہید ہونے کی تمنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ تمنا نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹایا جائے یا دنیا کی کوئی چیز دی جائے سوائے شہید کے کہ وہ تمنا کریگا کہ وہ دنیا میں لوٹایا جائے اور دس بار شہید کیا جائے یہ تمنا وہ اپنی (یعنی شہید کی) تعظیم (اور مقام) دیکھنے کی وجہ سے کریگا۔ (بخاری۔ مسلم)

شہداء کے تمام گناہوں کا کفارہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرض کے سوا شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں اللہ کے راستے میں قتل ہو جانا قرض کے سوا ہر گناہ کا کفارہ ہے۔ (مسلم شریف)

لیکن علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ شہید کے لیے قرض کا معاف نہ ہونا ابتداء اسلام میں تھا بعد میں یہ فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا قرضہ اداء کر دے گا۔ (مقدمات ابن رشد)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جو قرضہ جنت میں جانے سے روکتا ہے وہ قرضہ ہے جو کسی نے لیا ہو اور اس کے پاس ادائیگی کی گنجائش بھی ہو مگر نہ وہ اسے اداء کرے اور نہ مرنے کے بعد اداء کرنے کی وصیت کرے یا وہ قرضہ ہے جو بے وقوفی اور اسراف کے کاموں کے لئے لیا ہو اور پھر بغیر اداء کئے مر گیا ہو لیکن اگر کسی نے کوئی حق واجب اداء کرنے کے لئے قرضہ لیا ہو مثلاً فاقے سے بچنے کے لئے یا زیادہ تنگ دستی کی وجہ سے قرضہ لیا اور اس نے ادائیگی کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑا ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قرضہ اس کے لئے جنت سے روکنے کا باعث نہیں بنے گا وہ مقروض شہید ہو یا غیر شہید کیونکہ مسلمانوں کے حاکم کے ذمے اس طرح کے قرضے اجتماعی مال سے اداء کرنا لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے کوئی قرضہ یا حق چھوڑا وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمے ہے اور جس نے کوئی مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لیے ہے۔ (بخاری)

اور اگر مسلمانوں کے حاکم نے یہ قرضے ادا نہ کیے تو اللہ تعالی خود یہ قرضہ قیامت کے دن ادا فرمائے گا اور قرض خواہ کو اس کی طرف سے راضی کر دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے لوگوں سے مال لیا اور وہ ادائیگی کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالی اس کی طرف سے اداء فرما دے گا اور جس نے مال لیا اور وہ اسے ضائع کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالی اسے ضائع کر دے گا۔ (بخاری)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ بھی دلائل لکھے ہیں (التذکرہ للقرطبی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے اس فرمان کی تصدیق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کے واقعے سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جب وہ غزوہ احد کے دن نکلے تھے تو ان پر قرضہ تھا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو پریشان دیکھا تو خوشخبری سنائی کہ تمہارے والد کے ساتھ اللہ تعالی نے آمنے سامنے بغیر پردے کے بات کی ہے۔ اب اگر ہر قرضہ جنت سے روکنے کا باعث ہوتا ہے تو حضرت جابر بن عبداللہ کے مقروض والد کو اتنا بڑا مقام کیسے ملتا اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی گزر چکا ہے کہ انہوں نے شہادت کے وقت بائیس لاکھ کا قرضہ چھوڑا تھا۔

شہید کے پاس دو حوریں ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کا ایک دستہ نکلا تو واپسی پر اپنے ساتھ ایک چرواہے کو لے آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چرواہے سے اللہ نے جو چاہا بیان فرمایا تو وہ چرواہا کہنے لگا میں آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لاتا ہوں اب میں ان بکریوں کا کیا کروں یہ تو میرے پاس امانت ہیں اور ایک ایک دو دو بکریاں مختلف لوگوں کی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے چہروں پر کنکریاں مارو یہ اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی اس نے ایک مٹھی کنکریاں یا مٹی لی اور بکریوں کے منہ پر ماری وہ بکریاں دوڑتی ہوئی اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ پھر وہ چرواہا میدان جہاد میں آیا جہاں اسے تیر لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ اور اس نے اللہ تعالی کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے خیمے میں لے آؤ چنانچہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں لایا گیا آپ اس کے پاس گئے اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا: تمہارے ساتھی کا اسلام بہت خوب رہا ابھی جب میں اس کے پاس گیا تو اس کی دو بیویاں حورعین اس کے پاس تھیں۔ (المستدرک صحیح الاسناد)

اس شہید کا نام یسار تھا اور وہ عامر یہودی کا غلام تھا البتہ ابن اسحٰق نے اس کا نام اسلم بتایا ہے۔

شہداء کی جنت میں باہمی محبت کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جہاد میں تشریف لے گئے۔ مشرکوں کی

طرف سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی ایک مسلمان اس کے مقابلے کے لیے نکلے تو مشرک نے انہیں شہید کر دیا پھر دوسرے مسلمان شخص نکلے مشرک نے انہیں بھی شہید کر دیا پھر وہ مشرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا آپ لوگ کس بات پر قتال کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا دین یہ ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتے ہیں۔ جب تک وہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتے ہیں اس شخص نے کہا بخدا یہ تو بہت اچھی بات ہے میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں پھر وہ مسلمانوں کی طرف ہو گیا اور اس نے مشرکوں پر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گیا شہادت کے بعد اسے اٹھا کر ان دو مسلمانوں کے ساتھ رکھا گیا جن کو اس نے شہید کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تینوں جنت میں سب سے زیادہ آپس میں محبت کرنے والے ہوں گے۔ (مجمع الزوائد)

شہید کے کلام کرنے کا بیان

محمود وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایک کالے رنگ کا مبارک نامی شخص تھا ہم اسے کہتے تھے کہ اے مبارک کیا آپ شادی نہیں کرتے تو وہ کہتے تھے میں اللہ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ حور عین سے میری شادی کر دے۔ محمود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد میں نکلے ہوئے تھے کہ دشمنوں نے ہم پر حملہ کر دیا اس میں مبارک شہید ہو گیا ہم نے اسے دیکھا تو اس کا سر الگ پڑا ہوا تھا اور باقی جسم الگ اور اس کے ہاتھ اس کے سینے کے نیچے تھے۔ ہم اس کے پاس کھڑے ہوئے اور ہم نے کہا: اے مبارک اللہ تعالیٰ نے کتنی حوروں سے آپ کی شادی کرائی ہے انہوں نے اپنا ہاتھ سینے کے نیچے سے نکالا اور تین انگلیاں بلند کر کے اشارہ کیا کہ تین حوروں سے شادری ہوئی ہے۔ (روض الریاحین)

سعید العجمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سمندر میں جہاد کے لیے نکلے ہمارے ساتھ ایک بہت عبادت گزار نوجوان بھی تھا جب سخت لڑائی شروع ہوئی تو وہ بھی لڑتا ہوا شہید ہو گیا اور اس کی گردن کٹ گئی ہم نے دیکھا کہ وہ سر پانی کے اوپر آیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھنے لگا: وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ (قصص۔38، شوق العروس وانس النفوس)

عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملک شام میں اندر (نامی مقام) پر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا اس کا ایک بیٹا شہید ہو چکا تھا ایک بار اس نے دیکھا کہ اس کا وہی بیٹا گھوڑے پر بیٹھ کر آ رہا تھا اس نے اپنی بیوی کو بتایا تو بیوی نے کہا توبہ کرو کیونکہ شیطان تمہیں ورغلا رہا ہے ہمارا بیٹا تو شہید ہو چکا ہے وہ توبہ کرنے لگا مگر اس نے پھر دیکھا کہ واقعی اس کا بیٹا آ رہا ہے اس نے بیوی کو بتایا تو اس نے بھی دیکھ کر کہا بخدا یہ تو ہمارا بیٹا ہے وہ نوجوان جب ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا بیٹا آپ تو شہید ہو چکے تھے اس نے کہا جی ہاں لیکن ابھی ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا ہے اور کچھ شہداء نے اللہ تعالیٰ سے ان کے جنازے میں شرکت کی اجازت لے لی ہے میں بھی ان میں سے ہوں اور میں نے آپ دونوں کو سلام کرنے کی اجازت بھی لے لی تھی پھر اس

نے ان دونوں کے لیے دعاء کی اور لوٹ گیا۔ اسی دن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تھا اور اس بستی والوں کو ان کے انتقال کی خبر اسی بزرگ (یعنی شہید کے والد) نے دی ورنہ انہیں معلوم نہیں تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ علامہ ابوعلی حسین بن یحیٰی بخاری حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "روضۃ العلماء" میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک کوئی نوجوان جہاد میں نکلا پھر اس نے خواب میں اپنا محل اور حوریں دیکھیں پھر رومیوں نے اسے مسجد میں گھس کر شہید کر دیا کچھ عرصے کے بعد اس کے والد نے اسے گھوڑے پر سوار دیکھا تو پوچھا بیٹے آپ تو شہید ہوئے تھے اس نے کہا جی ہاں مگر آج ہم لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ (روضۃ العلماء)

ابوعمران الجونی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا مسلمانوں میں ایک شخص بطال نامی تھا وہ رومیوں کے علاقے میں چلا جاتا اور ان کا حلیہ اپنا لیتا اور اپنے سر پر انہیں کی ٹوپی پہن کر انجیل گلے میں لٹکا لیتا تھا پھر اگر اسے دس سے پچاس تک رومی کہیں مل جاتے تو انہیں قتل کر دیتا تھا اور اگر اس سے زیادہ ہوتے تو انہیں کچھ نہیں کہتا تھا چونکہ رومی اسے اپنا پادری سمجھتے تھے اس لیے انہیں کچھ نہیں کہتے تھے اس طرح سے سالہا سال تک وہ رومیوں کے اندر گھس کر (یہ خفیہ) کاروائیاں کرتا رہا۔ ہارون الرشید کے زمانے میں وہ واپس آیا تو ہارون الرشید نے اسے بلایا اور فرمایا اے بطال رومیوں کے ملک میں جو سب سے عجیب واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہو وہ سناؤ اس نے کہا حاضر اے امیر المؤمنین (لیجیے سنئے)

میں ایک بار کسی سبزہ زار سے گزر رہا تھا کہ ایک نیزہ بردار مسلح شہسوار میرے پاس آیا اور اس نے مجھے سلام کیا میں سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہے میں نے اسے جواب دیا اسے نے مجھے کہا کیا آپ بطال کو جانتے ہیں میں نے کہا میں بطال ہوں تمہیں کیا کام ہے اس نے گھوڑے سے اتر کر مجھے گلے لگایا اور میرے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا میں اس لیے آیا ہوں تا کہ زندگی بھر آپ کا خادم بن کر رہوں میں نے اسے دعاء دی اور ساتھ لے لیا ایک بار ہم جا رہے تھے کہ رومیوں نے ہمیں دور سے ایک قلعے سے دیکھ لیا وہاں سے چار مسلح سپاہی گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہمارے طرف بڑھے اس نوجوان نے کہا: اے بطال مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کا مقابلہ کروں میں نے اجازت دے دی وہ ان کے مقابلے پر نکلا اور تھوڑی دیر بعد شہید ہو گیا وہ چاروں میری طرف حملہ کرنے کے لیے بڑھے اور کہنے لگے تم خود کو بچاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ چھوڑ جاؤ میں نے کہا میرے پاس تو بس ٹوپی اور انجیل ہے اگر تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو مجھے مہلت دو تا کہ میں اپنے ساتھی کا اسلحہ پہن لوں اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو جاؤں انہوں نے کہا ٹھیک ہے تمہیں اجازت ہے میں جب تیار ہو گیا تو وہ پھر آگے بڑھے میں نے کہا یہ کیسا انصاف ہے کہ چاروں مل کر ایک پر حملہ کر رہے ہو تم بھی ایک ایک کر کے میرا مقابلہ کرو۔ انہوں نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو چنانچہ وہ ایک ایک کر کے میرے مقابلے پر آتے رہے میں نے تین کو تو مار گرایا مگر چوتھے کے ساتھ مقابلہ سخت رہا لڑتے لڑتے ہمارے نیزے تلواریں اور ڈھالیں ٹوٹ گئیں پھر دونوں میں کشتی شروع ہو گئی مگر کوئی غالب نہ آسکا میں نے اسے کہا: اے رومی میری نماز قضا ہو رہی ہے اور تمہاری عبادت بھی چھوٹ رہی ہو گی کیوں نہ ہم اپنی اپنی عبادت کو ادا کریں اور رات کو آرام کریں اور کل صبح پھر مقابلہ کریں اس نے کہا یہ ٹھیک ہے وہ خود ایک پادری تھا ہم

نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا میں نے اپنی نمازیں پڑھیں اور وہ کافر بھی کچھ کرتا رہا۔ سوتے وقت اس نے کہا تم عرب لوگ دھوکے باز ہوتے ہو پھر اس نے دو گھنٹیاں نکالیں ایک اپنے کان پر اور ایک میرے کان پر باندھ دی اور کہا تم اپنا سر میرے اوپر اور میں اپنا سر تمہارے اوپر رکھوں گا ہم میں سے جو بھی حرکت کرے گا اس کی گھنٹی بجے گی تو دوسرا متنبہ ہو جائے گا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ صبح میں نے نماز پڑھی اور کافر بھی کچھ کرتا رہا۔ پھر ہم کشتی میں مشغول ہو گئے میں نے اسے پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے کہا اِس بار مجھے چھوڑ دو تا کہ ہم پھر مقابلہ کریں میں نے اسے چھوڑ دیا جب دوبارہ مقابلہ ہوا تو میرا پاؤں پھسل گیا وہ مجھے گرا کر میرے سینے پر بیٹھ گیا اور اس نے خنجر نکال لیا میں نے کہا میں تمہیں ایک بار موقع دے چکا ہوں کیا تم مجھے موقع نہیں دو گے اس نے کہا ٹھیک ہے اور مجھے چھوڑ دیا۔ تیسری بار کی لڑائی میں اس نے مجھے پھر گرا دیا اور میرے کہنے پر مجھے چھوڑ دیا جب چوتھی بار اس نے مجھے گرایا تو کہنے لگا میں تمہیں پہچان چکا ہوں کہ تم بطال ہو اب میں تمہیں لازماً ذبح کروں گا اور زمین کو تجھ سے راحت دوں گا۔ میں نے کہا اگر میرے اللہ نے مجھے بچانا چاہا تو تم نہیں مار سکو گے اس نے کہا تم اپنے رب کو بلاؤ کہ وہ تمہیں مجھ سے بچائے یہ کہہ کر اس نے خنجر بلند کیا تا کہ میری گردن پر وار کرے اے امیر المؤمنین اسی وقت میرا شہید ساتھی اٹھا اور اس نے تلوار مار کر اس رومی کا سر اڑا دیا اور اس نے یہ آیت پڑھی۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ

تم شہیدوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ تو زندہ ہیں۔ پھر وہ دوبارہ گر گیا یہ وہ عجیب ترین واقعہ ہے جو میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے۔ (روضۃ العلماء)

اور اس بطال کا نام عبد اللہ تھا۔ اور ان کی کنیت ابو محمد یا ابو یحییٰ تھی اور وہ تابعی تھے علامہ ابن ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بطال بہادروں اور جانبازوں کے سردار اور شامی امراء میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ رومی ان کے نام سے خوف اور ذلت محسوس کرتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت بطال کی طرف بہت غلط اور جھوٹی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ ان کے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم ایک بستی پر حملہ کرنے کے لیے آئے تو ایک گھر میں چراغ جل رہا تھا اور ایک بچہ رو رہا تھا اس بچے کی ماں نے کہا چپ ہو جاؤ ورنہ تمہیں بطال کو دے دوں گی بچہ پھر بھی روتا رہا تو عورت نے اسے چارپائی سے اٹھا کر کہا: اے بطال اسے لے لو میں اندر داخل ہوا اور میں نے کہا لاؤ دے دو۔

شہداء کی حیات کے مختلف انداز کا بیان

حضرت رافع بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ہشام بن یحییٰ کنانی نے کہا میں تمہیں ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جو میں نے خود دیکھا ہے اور اس واقعے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت نفع پہنچایا ہے اور میں تمہیں اس لیے سنا رہا ہوں تا کہ تمہیں بھی فائدہ پہنچے۔ میں نے کہا ضرور سنائیے انہوں نے کہا ہم نے 38ھ میں جہادِ روم میں حصہ لیا اس وقت ہمارے امیر مسلمہ بن عبد الملک اور عبد اللہ بن ولید تھے یہی وہ جنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طوانہ (نامی مقام) مسلمانوں کے ہاتھوں فتح فرمایا۔ اس جہاد میں ہم اہل بصرہ اور اہل جزیرہ اکھٹے تھے اور ہم نے خدمت، پہرے داری، اور جانوروں کا چارہ لانے کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں ہماری

جماعت میں سعید بن حارث نام کے ایک شخص بھی تھے وہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر سجدوں میں لگے رہتے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ خدمت میں ان کی باری ہلکی رکھیں اور ان کی جگہ ہم خدمت کرلیا کریں تو وہ اس بات کو نہیں مانتے تھے۔ بس صبح شام رات دن ہو محنت ہی محنت میں لگے رہتے تھے۔ رات کو سعید بن حارث کے پہرے کی باری تھی انہوں نے اس رات عبادت اور پہرے میں اتنی مشقت اور صبر کا مظاہرہ کیا کہ میں خود کو ان کے سامنے حقیر سمجھنے لگا۔ میں نے رات گزرنے کے بعد کہا: اے سعید! آپ کے نفس اور آپ کی آنکھوں کا بھی آپ پر حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اتنا عمل کیا کرو جتنے کی تم طاقت رکھتے ہو میں نیہ اور اسی طرح کی کئی احادیث انہیں سنائیں۔ انہوں نے فرمایا اے میرے بھائی ہمارے پاس چند گنے چنے سانس، فنا ہونے والی عمر اور گزر جانے والے دنوں کے علاوہ اور کیا ہے۔ میں تو موت کے انتظار میں ہوں۔ یہ سن کر میں رونے لگا اور میں نے انہیں ثابت قدمی کی دعاء دی پھر ان سے کہا آپ تھوڑی دیر آرام کر لیجئے تاکہ اگر دشمنوں سے لڑائی ہو تو آپ اس کے لیے تیار ہوں وہ خیمے کے ایک کونے میں سو گئے۔ باقی تمام ساتھی مختلف کاموں میں بکھر گئے اور میں کھانا تیار کرنے لگ گیا۔ اچانک مجھے خیمے میں باتیں کرنے کی آواز آئی میں حیران ہوا اور جلدی سے اندر گیا تو وہاں سعید سو رہے تھے۔ وہی نیند میں باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے انہوں نے نیند ہی میں اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پھر آرام سے واپس کھینچ لیا۔ اور پھر کہا رات تو ہی رات ہو گی پھر وہ اوچھل کر جاگ گئے اور وہ کانپ رہے تھے میں نے انہیں سینے سے لگا لیا وہ برابر تڑپتے رہے پھر آہستہ آہستہ ان کا ذہن واپس آ گیا اور وہ ذکر کرنے لگ گئے۔ میں نے کہا کیا ہوا۔ انہوں نے کہا سب ٹھیک ہے۔ میں نے نیند کے دوران ان کے باتیں کرنے اور ہنسنے کا تذکرہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا آپ مجھے معاف رکھئے اور کچھ نہ پوچھئے۔ مگر جب میں نے زیادہ اصرار کیا اور اپنی دوستی کا حق بتلایا تو وہ کہنے لگے جب میں سو گیا تو میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے لوگ قبروں سے نکل کر محشر میں جمع ہے اچانک دو خوبصورت ترین شخص میرے پاس آئے اور کہنے لگے خوش ہو جاؤ اے سعید اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے اور تمہاری محنت کی قدر فرمائی ہے اور تمہارے اعمال اور دعاؤں کو قبول کرلیا ہے اور تمہیں زندگی ہی میں بشارت دے دی ہے آؤ ہم تمہیں وہ نعمتیں دیکھائیں جو اللہ تعالی نے تمہارے لیے تیار فرمائی ہیں وہ مجھے تمام لوگوں سے الگ کر کے دائیں جانب لے گئے جہاں پر ایک گھوڑا موجود تھا جو ہمارے گھوڑوں جیسا نہیں تھا وہ تو بجلی کی چمک کر طرح تیز رفتار تھا وہ ہمیں لے کر ہوا کی طرح تیز اڑتا ہوا ایک ایسے بڑے محل کے پاس لے آیا جس کے اول آخر اور بلندی کی انتہا پر نظر نہیں پڑتی تھی وہ محل گویا کہ شفاف چاندی کا تھا اور نور کی طرح چمک دمک رہا تھا ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ خود بخود کھل گیا اور ہم نے اس میں داخل ہو کر وہ چیزیں دیکھی جن کی تعریف کوئی بیان نہیں کر سکتا اور نہ ان کا کھٹکا آدمی کے دل پر گزر سکتا ہے ہم نے اس محل میں ستاروں کی تعداد میں ایسے خدمتگار بچے دیکھے جو موتیوں کی طرح تھے جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو خوبصورت آواز میں پکارنے لگے یہ اللہ کا ولی ہے اللہ کا ولی آ گیا خوش آمدید اے اللہ کے ولی پھر ہم آگے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سونے کے پلنگ بچھے ہوئے تھے ان موتیوں سے جڑے پلنگوں پر ایسی لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کی شان مخلوق میں سے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ ان کے درمیان میں ایک بلند پلنگ پر ان میں سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ کمالات والی

لڑکی تھی۔ان دونوں آدمیوں نے مجھے کہا یہ تیرا گھر ہے یہ لڑکی تیری بیوی ہے یہی تیرا ٹھکانہ اور منزل ہے یہ کہہ کر وہ دونوں آدمی چلے گئے اور لڑکیاں بے تابی کے ساتھ بڑھیں اور مجھے خوش آمدید کہنے لگیں اور اس طرح استقبال کرنے لگیں جس طرح گھر والے اپنے کسی سفر سے واپس آنے والے کا کرتے ہیں پھر انہوں نے مجھے درمیان والے پلنگ پر اس لڑکی کے پہلو میں بٹھا دیا اور کہنے لگیں یہ تیری بیوی ہے اور اس جیسی ایک بیوی اور بھی ہے اور ہم بہت عرصے سے تیرے انتظار میں تھے۔پھر میں اس لڑکی سے باتیں کرتا رہا وہ بھی میرے ساتھ باتیں کرتی رہی اس نے بتایا کہ میں تیری ہمیشہ رہنے والی بیوی ہوں تو ایک دن میرے پاس رہے گا اور دوسرے دن دوسرے محل میں دوسری بیوی کے پاس۔پھر میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے نرمی سے میرا ہاتھ واپس کر دیا اور کہنے لگی آج نہیں آج تو تمہیں دنیا میں واپس جانا ہے میں نے کہا میں واپس نہیں جانا چاہتا اس نے کہا ابھی تو آپ کو جانا ہے اور تین دن وہاں رہ کر آپ نے تیسری رات ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنا ہے ان شاء اللہ۔

میں نے کہا رات تو وہی رات ہوگی اس کے بعد میں جاگ گیا۔

ہشام کہتے ہیں میں نے کہا تم اللہ کا شکر کرو جس نے تمہیں آخرت کا بدلہ جیتے جی دکھا دیا انہوں نے کہا میری زندگی میں آپ یہ بات کسی کو نہ بتائیے گا میں نے کہا ٹھیک ہے۔انہوں نے پوچھا ساتھی کہاں ہیں؟ میں نے کہا بعض جنگ کرنے گئے ہیں اور بعض دوسرے کاموں کے لیے گئے ہوئے ہیں یہ سنکر وہ اٹھے، انہوں نے غسل کیا خوشبو لگائی اور اسلحہ اٹھا کر میدان جنگ میں چلے گئے وہ روزے کی حالت میں تھے سارا دن وہ لڑتے رہے اور شام کو واپس آگئے واپسی پر ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ آج انہوں نے (یعنی سعید نے) وہ کام کیا جو ہم نے کبھی نہیں دیکھا انہوں نے آگے بڑھ کر حملے کئے اپنے آپ کو دشمنوں کے تیروں اور پتھروں کے درمیان ڈالا مگر انہیں کوئی تیر یا پتھر نہیں لگ رہا تھا میں نے دل میں کہا اگر تمہیں اصل بات معلوم ہو جائے تو تم بھی اسی کی طرح آگے بڑھو گے اس کے بعد سعید نے کسی چیز سے روزہ افطار کیا اور رات بھر مصلے پر کھڑے رہے اور صبح پھر روزہ رکھا اور پچھلے دن کی طرح جہاد کیا تیسرے دن میں بھی ان کے ساتھ نکلا تا کہ ان کا پورا معاملہ دیکھ سکوں وہ سارا دن بہادری کے ساتھ لڑتے رہے مگر دشمن کا کوئی ہتھیار اور کوئی تدبیر ان پر کارگر نہیں ہو رہی تھی یہاں تک کہ سورج کے غروب کا وقت قریب آگیا اور وہ پہلے سے زیادہ چست نظر آنے لگے۔اس وقت قلعے کے اوپر سے ایک کافر نے تاک کر انہیں تیر مارا جوان کی گردن میں لگا اور وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ساتھیوں نے جلدی بڑھ کر اٹھایا اور پیچھے لے آئے اس وقت ان کے جسم میں کچھ جان تھی میں نے انہیں کہا مبارک ہو اس چیز کی جو آپ کو افطار کے وقت ملنے والی ہے کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔انہوں نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے سے آنکھ سے اشارہ کیا اور ہنس پڑے گویا کہ مجھے واقعہ خفیہ رکھنے کا وعدہ یاد دلایا۔میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں وعدہ خلافی سے بچ گیا پھر ان کی روح پرواز کر گئی اس کے بعد میں نے بلند آواز سے پکار کر کہا: اے لوگو! ہمیں بھی اسی طرح عمل کرنا چاہئے آؤ میں تمہیں تمہارے اس بھائی کا واقعہ سناؤں۔لوگ جمع ہو گئے میں نے انہیں پورا واقعہ سنایا تو لوگ رونے لگے میں نے اس دن سے زیادہ کبھی لوگوں کو روتے نہیں دیکھا پھر انہوں نے تکبیر و رسالت ﷺ کا نعرہ بلند کیا جس سے میدان گونج اٹھا دیکھتے ہی دیکھتے یہ خبر

ہر طرف پھیل گئی اور ہمارے امیر مسلمہ بن عبدالمالک تک بھی پہنچ گئی ہم نے ان سے کہا آپ کا انتظار ہے آیئے جنازہ پڑھایئے انہوں نے کہا ان کا جنازہ وہی شخص پڑھائے گا جس کو اس واقعے کا علم ہوا ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے جنازہ پڑھایا اور اسی جگہ ان کو دفن کر کے ان کی قبر کے نشان کو مٹا دیا۔ رات کے وقت سارے لوگ انہیں کی باتیں کرتے رہے اور ایک دوسرے کو جہاد پر ابھارتے رہے اور صبح کے وقت سب نے ایک نئے عزم اور اللہ سے ملاقات کے والہانہ جذبے کے ساتھ قلعے پر حملہ کر دیا اور سورج چڑھتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے قلعہ فتح فرما دیا ان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں۔ (کتاب الجہاد لابی الحسن علی بن الخضر السلمی)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
وہ ان (نعمتوں) پر خوش رہتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی جو ان سے نہیں
مل سکے خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اللہ کے فضل پر خوش ہونے والوں کا بیان

"فَرِحِيْنَ" حَال مِنْ ضَمِير يُرْزَقُوْنَ "بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه" "وَ" هُمْ "يَسْتَبْشِرُوْنَ" يَفْرَحُوْنَ "بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ" مِنْ اِخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُبْدَل مِنَ الَّذِيْنَ "اَنْ" اَيْ بِاَنْ "لَا خَوْف عَلَيْهِمْ" اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ "وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" فِي الْاٰخِرَة الْمَعْنٰى يَفْرَحُوْنَ بِاَمْنِهِمْ وَفَرَحهمْ،

یہاں پر فرحین "یُرْزَقُوْنَ" کی ضمیر سے حال ہے۔ وہ ان نعمتوں پر خوش رہتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی جو ان سے نہیں مل سکے خوش ہوتے ہیں یعنی ان کے مؤمن بھائی بھی خوش ہیں، اور یہاں پر لاخوف یہ الذین سے بدل ہے۔ کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ یعنی وہ آخرت میں ان کے امن وخوشی کے سبب خوش ہوتے ہیں۔

شہداء کا اپنے گھر والوں میں سے ستر کی شفاعت کرنے کا بیان

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر کی شفاعت کرے گا۔ (ابوداؤد، بیہقی)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سات انعامات ہیں (1) خون کے پہلے قطرے کے ساتھ اس کی بخشش کر دی جاتی ہے اور اسے جنت میں اس کا مقام دکھا

دیا جاتا ہے (2) اور اسے ایمان کا جوڑا پہنایا جاتا ہے (3) عذاب قبر سے اسے بچا دیا جاتا ہے (4) قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے اسے امن دے دیا جاتا ہے (5) اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ (6) بہتر حورعین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے (7) اور اپنے اقارب میں ستر آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (مسند احمد)

خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخشش اور جنت کا مقام آنکھوں کے سامنے

اس بارے میں کئی روایات پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں مزید روایات ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ کے راستے میں قتل کیا جاتا ہے تو زمین پر اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش کر دی جاتی ہے پھر اس کی طرف جنت کا رومال بھیجا جاتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال کر ایک جنتی جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے پھر وہ فرشتوں کے ساتھ اس طرح اوپر چڑھتا ہے گویا کہ وہ پیدا ہوتے وقت سے فرشتوں کے ساتھ رہتا ہو پھر اسے آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے وہ آسمانوں کے جس دروازے سے گزرتا ہے وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جس فرشتے کے پاس سے گزرتا ہے وہ فرشتہ اس کے لیے رحمت کی دعاء اور استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جاتا ہے جہاں پہنچ کر وہ فرشتوں سے پہلے سجدہ کرتا ہے پھر اس کے بعد فرشتے سجدہ کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بخشش اور پاکی عطاء فرمائی جاتی ہے پھر اسے دوسرے شہداء کے پاس لایا جاتا ہے وہ ان شہداء کو ہرے بھرے باغات میں سبز کپڑے پہنے ہوئے دیکھتا ہے ان شہداء کے پاس ایک بیل اور مچھلی ہوتی ہے جس سے وہ کھیل رہے ہوتے ہیں اور انہیں ہر دن کھیلنے کے لیے نئی چیزیں دی جاتی ہیں دن کو مچھلی جنت کے نہروں میں تیرتی رہتی ہے شام کے وقت بیل اسے سینگ مار کر کاٹ دیتا ہے اور شہداء اس مچھلی کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کے گوشت میں جنت کی تمام نہروں کا مزہ پاتے ہیں اور بیل رات کو جنت میں چرتا رہتا ہے اور وہاں کے پھل کھاتا ہے جب صبح ہوتی ہے تو مچھلی اسے اپنی دم سے ذبح کر دیتی ہے شہداء اس کا گوشت کھاتے ہیں اور جنت کے سب پھلوں کا مزہ اس میں پاتے ہیں وہ اپنے مقامات کو دیکھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قیامت قائم کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ (الطبرانی۔ مجمع الزوائد)

خون خشک ہونے سے پہلے حورعین کی زیارت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہداء کا تذکرہ کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین پر شہید کا خون خشک نہیں ہوا ہوتا کہ اس کی دونوں بیویاں یعنی حوریں اس طرح اس کی طرف دوڑتی ہیں جس طرح دودھ پلانے والی اونٹنیاں کھلے میدان میں اپنے بچے کی طرف دوڑتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایسا جوڑا ہوتا ہے جو دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہوتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ ابن ماجہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہو اور اپنے مالک کے ہاں پسندیدہ ہو۔ میں نے عرض کیا سب سے

افضل جہاد کون سا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں مجاہد کا گھوڑا بھی مارا جائے اور خود اس کا خون بھی بہہ جائے یعنی وہ شہید ہو جائے۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص سے پوچھا گیا کہ آپ افضل ہیں یا حضرت ہشام ابن العاص؟ انہوں نے فرمایا ہم دونوں بھائی غزوہ یرموک میں شریک تھے رات کو میں بھی شہادت کی دعاء مانگتا رہا اور وہ بھی جب صبح ہوئی تو انہیں شہادت نصیب ہوگئی جبکہ میں محروم رہ گیا۔ پس اسی سے تمہیں ان کی فضیلت معلوم ہو جانی چاہئے۔ (کتاب الجہاد لابن المبارک)

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○
وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش رہتے ہیں اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اللہ ایمان والوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا

"يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ" ثَوَاب "مِنَ اللّٰهِ وَفَضْل" زِيَادَة عَلَيْهِ "وَاَنَّ" بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلٰى نِعْمَة وَبِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا "اللّٰه لَا يُضِيع اَجْر الْمُؤْمِنِيْنَ" بَلْ يَاْجُرهُمْ،

وہ اللہ کی نعمت یعنی ثواب اور فضل یعنی اس پر زیادہ نعمت کے ثواب پر خوش رہتے ہیں اور یہاں ان فتحہ کے ساتھ آیا ہے جب اس کا عطف نعمت پر ہو اور کسرہ کے ساتھ ہوگا جب یہ مستاً نفہ ہو اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ بلکہ وہ ان کو اجر دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○
وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا۔ ان کے نیکو کاروں اور پرہیزگاروں
کے لئے بڑا ثواب ہے۔

زخموں کی تاب نہ رکھنے کے باوجود جذبہ ایمانی کا بیان

"اَلَّذِيْنَ" مُبْتَدَأ "اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْل" دُعَاءَهُ بِالْخُرُوْجِ لِلْقِتَالِ لَمَّا اَرَادَ اَبُو سُفْيَان وَاَصْحَابه الْعَوْد تَوَاعَدُوْا مَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوق بَدْر الْعَام الْمُقْبِل مِنْ يَوْم اُحُد "مِنْ بَعْد مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْح" بِاُحُدٍ وَخَبَر الْمُبْتَدَأ "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ" بِطَاعَتِهِ "وَاتَّقَوْا" مُخَالَفَته "اَجْر عَظِيْم" هُوَ الْجَنَّة،

الذین مبتداء ہے۔ وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے، یعنی جب دوبارہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے لوٹ آنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے بازار میں احد کے سال ان کو مقابلے کا چیلنج کر دیا۔ بعد اس کے کہ

انہیں احد میں زخم پہنچ چکا تھا۔ یہاں پر الذین مبتداء ہے اور احسنوا منھم یہ خبر ہے۔ ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب یعنی جنت ہے۔

غزوہ حمراء الاسد اور آلِ عمران آیت ۱۷۲ کے شان نزول کا بیان

جنگ احد سے فارغ ہونے کے بعد جب ابوسفیان مع اپنے ہمراہیوں کے مقام روحاء میں پہنچے تو انہیں افسوس ہوا کہ وہ واپس کیوں آگئے مسلمانوں کا بالکل خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا یہ خیال کر کے انہوں نے پھر واپس ہونے کا ارادہ کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تعاقب کے لئے روانگی کا اعلان فرما دیا صحابہ کی ایک جماعت جن کی تعداد ستر تھی اور جو جنگ احد کے زخموں سے چور ہو رہے تھے حضور کے اعلان پر حاضر ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کو لے کر ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے جب حضور مقام حَمراء الاسد پر پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل ہے تو وہاں معلوم ہوا کہ مشرکین مرعوب و خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ آلِ عمران ۱۷۲، بیروت)

الَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا ﷺ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝
وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو، تو ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔

نعیم بن مسعود اشجعی کے واقعہ کا بیان

"اَلَّذِیْنَ" بَدَل مِنَ "الَّذِیْنَ" قَبْله اَوْ نَعْت "قَالَ لَهُمُ النَّاس" اَیْ نَعِیم بْن مَسْعُوْد الْاَشْجَعِیّ "اِنَّ النَّاس" اَبَا سُفْیَان وَاَصْحَابه "قَدْ جَمَعُوا لَکُمْ" الْجُمُوع لیستأصلوکم "فَاخْشَوْهُمْ" وَلَا تَأْتُوهُمْ "فَزَادَهُمْ" ذٰلِكَ الْقَوْل "اِیمَانًا" تَصْدِیْقًا بِاللّٰهِ وَیَقِیْنًا "وَقَالُوْا حَسْبنَا اللّٰه" کَافِینَا اَمْرهمْ "وَنِعْمَ الْوَکِیل" الْمُفَوَّض اِلَیْهِ الْاَمْر هُوَ وَخَرَجُوْا مَعَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَوَافَوْا سُوق بَدْر وَاَلْقَی اللّٰه الرُّعْب فِیْ قَلْب اَبِیْ سُفْیَان وَاَصْحَابه فَلَمْ یَأْتُوْا وَکَانَ مَعَهُمْ تِجَارَات فَبَاعُوْا وَرَبِحُوْا،

یہاں پر الذین ماقبل سے بدل ہے یا نعت ہے۔ وہ لوگ جن سے لوگوں یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا کہ مخالف لوگ یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی تمہارے مقابلے کے لئے جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو، یعنی مقابلے کیلئے نہ آؤ، تو اس بات نے ان کے ایمان باللہ اور تصدیق کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے، ہمیں اللہ کافی ہے یہ معاملہ اسی کے سپرد ہے۔ اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔ پھر جب وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے اور میدان بدر میں جمع ہوئے تو اللہ نے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کیلئے نہ آسکے، اور مسلمانوں کے پاس مال

تجارت تھالہٰذاانہوں نے تجارت کی اور خوب نفع کمایا۔

کفار کی بزدلی اور آلِ عمران آیت ۱۷۳ کے شان نزول کا بیان

جنگ اُحد سے واپس ہوتے ہوئے ابوسفیان نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پکار کر کہہ دیا تھا کہ اگلے سال ہماری آپ کی مقام بدر میں جنگ ہوگی۔ حضور نے انکے جواب میں فرمایا انشاء اللہ جب وہ وقت آیا اور ابوسفیان اہل مکہ کو لے کر جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں خوف ڈالا اور انہوں نے واپس ہوجانے کا ارادہ کیا اس موقع پر ابوسفیان کی نُعَیم بن مسعود اشجعی سے ملاقات ہوئی جو عمرہ کرنے آیا تھا ابوسفیان نے اس سے کہا کہ اے نعیم اس زمانہ میں میری لڑائی مقام بدر میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طے ہو چکی ہے اور اس وقت مجھے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں جنگ میں نہ جاؤں واپس جاؤں تو مدینہ جا اور تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کو میدان جنگ میں جانے سے روک دے اس کے عوض میں تجھ کو دس اونٹ دوں گا نعیم نے مدینہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جنگ کی تیاری کر رہے ہیں ان سے کہنے لگا کہ تم جنگ کے لئے جانا چاہتے ہو اہل مکہ نے تمہارے لئے بڑے لشکر جمع کئے ہیں خدا کی قسم تم میں سے ایک بھی پھر کر نہ آئے گا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں ضرور جاؤں گا چاہے میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہو پس حضور ستر سواروں کو ہمراہ لے کر "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ" پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے بدر میں پہنچے وہاں آٹھ شب قیام کیا مال تجارت ساتھ تھا اس کو فروخت کیا خوب نفع ہوا اور سالم غانم مدینہ طیبہ واپس ہوئے جنگ نہیں ہوئی چونکہ ابوسفیان اور اہل مکہ خوف زدہ ہو کر مکہ شریف کو واپس ہو گئے تھے اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیر سے فرمایا: (اے میرے بھانجے تیرے والد اور تمہارے نانا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے، جب احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ پہنچنا تھا، پہنچ چکا اور مشرکین (مکہ کو) لوٹ گئے تو آپ کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں واپس آ کر پھر نہ حملہ آور ہوں۔ لہٰذا آپ نے فرمایا کہ کون ان کافروں کا تعاقب کرتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر ستر آدمی تعاقب کے لیے تیار ہو گئے جن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور زبیر بھی تھے۔

(بخاری، کتاب المغازی)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○
پس وہ لوٹ کر آئے اللہ کے احسان اور فضل سے کیونکہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی رضا کی اتباع کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

بدر صغریٰ میں تجارتی منافع کا بیان

"فَانْقَلَبُوْا" رَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ "بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ" بِسَلَامَةٍ وَرِبْحٍ "لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْء" مِنْ قَتْلٍ اَوْ جُرْحٍ "وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ" بِطَاعَتِهٖ وَطَاعَةِ رَسُوْلِهٖ فِي الْخُرُوْجِ "وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ" عَلٰى اَهْلِ

طاعتہ،

پس وہ بدر سے لوٹ کر آئے اللہ کے احسان اور فضل سے یعنی سلامتی اور نفع کے ساتھ آئے۔ کیونکہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی یعنی کوئی قتل وزخم نہ پہنچا۔ اور اللہ کی رضا کی اتباع کی۔ یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کیلئے نکلے تھے۔ اور اللہ اہل طاعت پر بڑے فضل والا ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اب وعدے کی جگہ بدر ہے آپ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ وہاں پہنچے تو یہ ڈرپوک آیا ہی نہیں وہاں بازار کا دن تھا مال خرید لیا جو نفع سے بکا اسی کا نام غزوہ بدر صغریٰ ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
بیشک یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے دھمکاتا ہے، پس ان سے مت ڈرا کرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔

اہل ایمان کو میدان بدر کی محض دھمکی لگانے والے کفار کا بیان

"اِنَّمَا ذٰلِكُمْ" اَیْ الْقَائِلُ لَكُمْ اِنَّ النَّاسَ اِلَخ "الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ" الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُكُمْ "اَوْلِيَآءَهٗ" الْكُفَّار "فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِی" فِیْ تَرْكِ اَمْرِی "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" حَقًّا،

بیشک یعنی اسک بات کا قائل یہی شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں یعنی کافروں کے ذریعے دھمکاتا ہے، پس ان سے مت ڈرا کرو اور میرا حکم چھوڑنے میں مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم سچے مومن ہو۔

احد کے میدان سے جاتے ہوئے دشمن کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال بدر میں فیصلہ کن مقابلہ ہوگا مگر جب وعدے کا وقت قریب آیا تو ان کی ہمت نے جواب دے دیا لیکن مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے آدمی پروپیگنڈا کرنے کے لئے چھوڑ دیئے جنہوں نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ خبر پھیلانی شروع کردی کہ اب کے سال قریش نے اتنی زبردست تیاریاں کی ہیں اور ایسا بھاری لشکر جمع کیا ہے کہ اگر مسلمان مقابلے پر نکلے تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اس پروپیگنڈے نے بجائے پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوش ایمانی اور تیز کردیا۔ چنانچہ پندرہ سو فدائین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر پہنچ گئے لیکن دشمن مقابلے پر نہ آیا۔ مسلمانوں نے آٹھ روز تک بدر میں ٹھہر کر تجارتی کاروبار سے خوب نفع حاصل کیا۔ ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○
اور اے محبوب! تم ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ بگاڑیں گے اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں
ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

کفار کیلئے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہونے کا بیان

"وَلَا یَحْزُنْكَ" بِضَمِّ الْیَاء ، وَكَسْرِ الزَّای وَبِفَتْحِهَا وَضَمِّ الزَّای مِنْ : اَحْزَنَهُ "الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ" یَقَعُوْنَ فِیْهِ سَرِیْعًا بِنُصْرَتِهٖ وَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ اَوِ الْمُنَافِقُوْنَ اَیْ لَا تَهْتَمَّ لِكُفْرِهِمْ "اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا" بِفِعْلِهِمْ وَاِنَّمَا یَضُرُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ "یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا" نَصِیْبًا "فِی الْاٰخِرَةِ" اَیِ الْجَنَّةِ فَلِذٰلِكَ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ "وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" فِی النَّارِ،

یہاں پر ''وَلَا یَحْزُنْكَ'' یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ اور یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور حزن یہ ایک قرأت کے مطابق احزنہ ہے۔ اور اے محبوب! تم ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں یعنی اہل مکہ اور منافقین کفر کی جانب دوڑ پڑے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے بلکہ اپنی عادات کے سبب اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے یعنی جنت ان کیلئے نہ ہو اور ان کے لئے آگ کا بڑا عذاب ہے۔

کفار اسلام کو کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے

اس دور میں مسلمانوں کے علاوہ جتنی بھی اقوام تھیں۔ سب ہی اسلام دشمن اور اسے مٹانے کے درپے تھیں خواہ وہ مشرکین مکہ ہوں یا یہود مدینہ، منافقین ہوں یا دیگر قبائل عرب اور یہ سب لوگ اسلام کو کچلنے کے لیے حتیٰ المقدور کوششیں بھی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا یا اسلام کا کچھ بھی بگاڑنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بس اپنی ہی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسری بات جو آپ کو فی الواقعہ غمزدہ بنا رہی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کی انتہائی کوششوں کے باوجود یہ لوگ اسلام کو سمجھنے اور اس کے قریب آنے یا اسے قبول کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے تھے اور اس بات سے آپ سخت پریشان ہو جاتے تھے اور اس بات کا قرآن میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔ جس کے جواب میں اللہ نے اپنے پیارے نبی کو یہی کہہ کر تسلی دی کہ تمہارا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا اور لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اب اگر یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو اس کا وبال انہیں پر ہوگا اور نہ ہی میرا پیغام پہنچا دینے سے آگے آپ کی کوئی ذمہ داری ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥
بیشک جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا ہے وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ایمان کے بدلے میں کفر خریدنے کا بیان

"اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ" اَیْ اَخَذُوْهُ بَدَلَهُ "لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ" بِكُفْرِهِمْ "شَیْئًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" مُؤْلِمٌ،

بیشک جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا ہے یعنی اس کا بدلہ لیا، وہ اپنے کفر کے سبب اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے اوران کے لئے تکلیف پہنچانے والا دردناک عذاب ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ
لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○
اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لئے بھلا ہے، ہم تو اسی لئے انہیں
ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اوران کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

کفار کیلئے دنیا میں مہلت ہونے کا بیان

"وَلَا يَحْسَبَنَّ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ" اَيْ اِمْلَاءَنَا "لَهُمْ" بِتَطْوِيلِ الْاَعْمَار وَتَاْخِيرِهِمْ "خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ" وَاَنَّ وَمَعْمُولَاهَا سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُولَيْنِ فِيْ قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَمَسَدَّ الثَّانِيْ فِي الْاُخْرٰى "اِنَّمَا نُمْلِيْ" نُمْهِل "لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا" بِكَثْرَةِ الْمَعَاصِي "وَلَهُمْ عَذَاب مُهِين" ذُو اِهَانَة فِي الْاٰخِرَة،

یہاں پر "وَلَا يَحْسَبَنَّ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں یعنی ان کی عمریں لمبی کرتے ہیں، کہ اس تاخیر کے سبب کچھ ان کے لئے بھلا ہے، ہم تو اسی لئے انہیں ڈھیل دیتے ہیں یہاں "يَحْسَبَنَّ" تاء کہ صورت میں مفعول ثانی کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ کہ اور گناہ میں بڑھیں تا کہ گناہوں کے بڑھنے کی وجہ سے عذاب زیادہ ہو اوران کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔

ظالموں پر مہلت کے بعد پکڑ ہونے میں سخت عذاب کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے مگر جب ان کی گرفت فرماتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا ہے اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ۔) 11۔ہود:102) یعنی اس طرح تیرا رب ظالموں کی بستیوں کو پکڑتا ہے اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1829)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

اور اللہ مسلمانوں کو ہرگز اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو جب تک وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمادے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

رسولان عظام کو غیب کا علم عطا کرنے کا بیان

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ" لِيَتْرُكَ "الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ" اَيُّهَا النَّاس "عَلَيْهِ" مِنْ اخْتِلَاط الْمُخْلِص بِغَيْرِهِ "حَتّٰى يَمِيز" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْد يَفْصِل "الْخَبِيث" الْمُنَافِق "مِنَ الطَّيِّب" الْمُؤْمِن بِالتَّكَالِيفِ الشَّاقَّة الْمُبَيِّنَة لِذٰلِكَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ يَوْم اُحُد "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعكُمْ عَلَى الْغَيْب" فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِق مِنْ غَيْرِهِ قَبْل التَّمْيِيز "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي" يَخْتَار "مِنْ رُسُله مَنْ يَّشَاء" فَيُطْلِعهُ عَلٰى غَيْبه كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَال الْمُنَافِقِيْنَ "فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُله وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا" النِّفَاق "فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ"۔

اے لوگو! اللہ مسلمانوں کو ہرگز اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو یعنی مخلص وغیر مخلص کے اختلاط پر، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے، یہاں پر یمیز تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے یعنی خبیث یعنی منافق کو اور طیب یعنی مؤمن کو مشکل تکالیف کے ذریعے الگ کر دے۔ جس طرح اس نے احد کے دن کیا۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمادے۔ کہ تم فرق سے پہلے ہی منافق وغیر منافق کی پہچان کرو۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے غیب کے علم کے لئے اختیار کر لیتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی علم غیب عطا فرمایا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے منافقین کی حالت پر مطلع ہوئے۔ لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو یعنی نفاق سے بچو، تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

حتی یمیز، کے قرینے سے جملہ "علی ما انتم علیہ" سے مراد اچھے اور بُرے لوگوں کا مشخص نہ ہونا ہے۔ مندرجہ بالا مطلب اس بنا پر ہے کہ جب "من" "تبعیض کیلئے اور "یجتبی" کے متعلق ہو چونکہ جملہ "ولکن اللہ"، "ما کان اللہ" سے استدراک کیلئے ہے لہٰذا آیت کا معنی یوں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ امتوں اور قوموں کو غیب سے آگاہ نہیں کرتا، لیکن بعض انبیاء کو غیب سے آگاہ کرنے کیلئے منتخب کر لیتا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۷۹ کے شان نزول کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلقت وآفرینش سے قبل جب کہ میری امت مٹی کی شکل میں تھی اسی وقت وہ میرے سامنے اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم پر پیش کی گئی اور مجھے علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا کون کفر کرے گا۔ یہ خبر جب منافقین کو پہنچی تو انہوں نے براہِ استہزاء کہا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جو لوگ ابھی پیدا

بھی نہیں ہوئے ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا کون کفر کرے گا باوجودیکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور وہ ہمیں نہیں پہچانتے اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں اس کی خبر نہ دے دوں۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر کہا میرا باپ کون ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا حذافہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ ہم اللہ کی ربوبیت پر راضی ہوئے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوئے قرآن کے امام ہونے پر راضی ہوئے آپ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں حضور نے فرمایا کیا تم باز آؤ گے کیا تم باز آؤ گے پھر منبر سے اتر آئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کی تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ اور حضور کے علم غیب میں طعن کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ آل عمران، لاہور)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ
مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞
اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی۔ ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا
ہے، عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا
اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

بخل اختیار کرنے والوں کے گلے میں قیامت کے دن طوق ہونے کا بیان

"وَلَا يَحْسَبَنَّ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ "الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه" أَيْ بِزَكَاتِهِ "هُوَ" أَيْ بُخْلهمْ "خَيْرًا لَّهُمْ" مَفْعُول ثَانٍ وَالضَّمِير لِلْفَصْلِ وَالْأَوَّل بُخْلهمْ مُقَدَّرًا قَبْل الْمَوْصُول عَلَى الْفَوْقَانِيَّة وَقَبْل الضَّمِير عَلَى التَّحْتَانِيَّة "بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ" أَيْ بِزَكَاتِهِ مِنَ الْمَال "يَوْم الْقِيَامَة" بِأَنْ يُجْعَل حَيَّة فِيْ عُنُقه تَنْهَشهُ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْث "وَلِلّٰهِ مِيرَاث السَّمَاوَات وَالْأَرْض" يَرِثهُمَا بَعْد فَنَاء أَهْلهمَا "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "خَبِيْر" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ

یہاں پر "وَلَا يَحْسَبَنَّ" یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل یعنی اس کی زکوٰۃ کے سبب سے دی۔ ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں، یہاں پر "خَيْرًا" مفعول ثانی ہے اور ھو ضمیر فصل کیلئے ہے اور وہ "بُخْلهمْ" مقدر سے پہلے موصول ہونے کے سبب ہے اور پہلے ہونا تحتانیہ کی صورت میں ہے۔ بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا، یعنی مال سے زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے، قیامت کے

دن ان کے گلے کا طوق ہو گا گویا کہ ان کا مال ان کے گلوں میں سانپ بنا کر ڈال دیا جائے گا جو ان کو ڈنگ مارتا رہے گا جس طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔ اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا، یعنی ان دونوں کے اہل کے ختم ہو جانے کے بعد اس کا وارث وہی ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یہاں پر "تَعْمَلُوْنَ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

مال کا قیامت کے دن اژدھا بن کر آنے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں ایک اژدھا بنا دیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق آیت پڑھی (وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه) 3۔ آل عمران: 180) (ترجمہ۔ جو لوگ اللہ کی اپنے فضل سے دی ہوئی چیزوں کو خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کی لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے کیونکہ عنقریب قیامت کے دن جس چیز سے انہوں نے بخل کیا تھا وہ ان کی گردن میں طوق بنا کر لٹکائی جائے گی) پھر راوی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مصداق میں یہ آیت پڑھی (سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ 3۔ آل عمران: 180) (عنقریب وہ چیز جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن وہ ان کی گردن میں طوق بنا کر لٹکائی جائے گی) اور فرمایا جس نے کسی مسلمان بھائی کا جھوٹی قسم کھا کر حق لے لیا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس سے ناراض ہو گا۔ پھر اس کے مصداق میں یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ (بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور شجاع اقرع سے مراد سانپ ہے جو گنجا ہو گا۔ شدت زہر کی وجہ سے اس کے سر کے بال ختم ہو گئے ہوں گے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 950)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا
وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝
بیشک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اب ہم ان کی ساری باتیں اور ان کا انبیاء کو
ناحق قتل کرنا لکھ رکھیں گے، اور فرمائیں گے کہ جلا ڈالنے والے عذاب کا مزہ چکھو۔

یہود کا اللہ کو فقیر کہنے کا بیان

"لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْر وَنَحْنُ اَغْنِيَاء " وَهُمْ الْيَهُوْد قَالُوْهُ لَمَّا نَزَلَ "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِض اللّٰه قَرْضًا حَسَنًا " وَقَالُوْا كَانَ غَنِيًّا مَا اسْتَقْرَضَنَاهُ "سَنَكْتُبُ" نَأْمُر بِكَتْبِ "مَا قَالُوْا" [illegible] وْا عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَة بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ "و" نَكْتُب "قَتْلهمْ" بِالنَّصْبِ

وَالرَّفع "الْاَنْبِيَاء بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُوْل " بِالنُّوْنِ وَالْيَاء اَىْ اللّٰه لَهُمْ فِي الْاٰخِرَة عَلٰى لِسَان الْمَلَائِكَة "ذُوْقُوا عَذَاب الْحَرِيْق " النَّار وَيُقَال لَهُمْ إِذَا أُلْقُوا فِيْهَا.

بیشک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اور وہ یہود تھے انہوں نے اس وقت یہ بات کہی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ غنی ہوتا تو وہ ہم سے قرض طلب نہ کرتا۔ لہٰذا اب ہم ان کی ساری باتیں جن کا ہم نے کتابوں کے ذریعے ان کو حکم دیا پس انہی کی کہی ہوئی باتیں ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ اور ایک قرأت میں یکتب یاء کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے۔ اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا لکھ رکھیں گے، اور قتلھم یہ رفع اور نصب دونوں طرح آیا ہے۔ اور نقول یہ نون اور یاء کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کی زبان میں ان سے فرمائے گا۔ کہ جلا ڈالنے والے آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اور یہ اس وقت ان سے کہا جائے گا جب ان کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔

الفاظ لغوی معانی کا بیان

اس بنا پر ہے کہ جب "ان اللہ" ایک محذوف مبتدا کی خبر ہو (الامرو الشان ان اللہ لیس) یوں "قدمت ایدیکم" کے قرینہ سے اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں ظلم نہیں کرتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جذبہ اور آل عمران ۱۸۱ کے شان نزول کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے یہاں کا بڑا معلم فخاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا لوگوں کا مجمع تھا اور وہ ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے آپ نے فرمایا فخاص اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا اللہ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں ان کی صفتیں توراۃ و انجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فخاص نے جواب میں کہا ابوبکر سن اللہ کی قسم اللہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں۔ ہم غنی اور تونگر ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا، اس پر حضرت صدیق اکبر کو سخت غصہ آیا اور فخاص کے منہ پر زور سے مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا جاؤ بدنصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو۔ فخاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کی آپ نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیق نے واقعہ بیان کیا لیکن فخاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔ اس بارے میں یہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ آل عمران، ۱۸۱، بیروت)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○

یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ خود آگے بھیج چکے ہیں اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

انسان کی سزا اس کے اپنے اعمال کے سبب ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" الْعَذَاب "بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ" عَبَّرَ بِهَا عَنِ الْاِنْسَانِ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهَا "وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ" اَیْ بِذِیْ ظُلْمٍ "لِلْعَبِيْدِ" فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ،

یہ عذاب ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ خود آگے بھیج چکے ہیں ہاتھوں سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ انسان اکثر کاموں کو ہاتھوں سے سرانجام دیتا ہے اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ظلم کے سبب بغیر کسی گناہ کے ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے۔

اللہ اپنی مخلوق پر ظلم کرنے والا نہیں ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جنت اور دوزخ دونوں نے اپنے رب کے پاس جھگڑا کیا، جنت نے عرض کیا اے پروردگار اس کا (جنت) کیا حال ہے کہ اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور اور غریب ہوں گے، اور دوزخ نے عرض کیا کہ مجھے تکبر کرنے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعہ اس کو عذاب دوں گا جس کو چاہوں گا، اور تم دونوں میں سے ہر ایک بھر دی جائیں گی، آپ نے فرمایا کہ جنت کو تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لئے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا اور وہ اس میں ڈال دیئے جائیں گے، دوزخ تین بار کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم ڈال دے گا تو وہ دوزخ بھر جائے گی، اور اس کے بعض حصے بعض حصوں سے مل جائیں گے اور وہ دوزخ کہے گی بس! بس! بس!

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2315)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے۔ جس کو آگ کھائے۔ تم فرما دو مجھ سے پہلے بہت رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے۔ جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو۔

صدقے کو آسمانی آگ کے کھانے کا مطالبہ کرنے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ" نَعْت لِلَّذِيْنَ قَبْله "قَالُوا" لِمُحَمَّدٍ "اِنَّ اللّٰهَ" قَدْ "عَهِدَ اِلَيْنَا" فِي التَّوْرَاة "اَلَّا نُؤْمِن لِرَسُوْلٍ"

نُصَدِّقَهُ "حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُهُ النَّار" فَلَا نُؤْمِن لَكَ حَتّٰی تَاْتِیَنَا بِهٖ وَهُوَ مَا یُتَقَرَّب بِهٖ اِلَی اللّٰهِ مِنْ نِعَم وَغَیْرِهَا فَاِنْ قُبِلَ جَاءَ تْ نَار بَیْضَاء مِنَ السَّمَاء فَاَحْرَقَتْهُ وَاِلَّا بَقِیَ مَکَانه وَعَهِدَ اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیل ذٰلِكَ اِلَّا فِی الْمَسِیح وَمُحَمَّدٍ "قُلْ" لَهُمْ تَوْبِیخًا "قَدْ جَاءَ کُمْ رُسُل مِنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ "وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ" کَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی فَقَتَلْتُمُوهُمْ وَالْخِطَاب لِمَنْ فِیْ زَمَن نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَانَ الْفِعْل لِاَجْدَادِهِمْ لِرِضَاهُمْ بِهٖ "فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" فِیْ اَنَّکُمْ تُؤْمِنُوْنَ عِنْد الْاِتْیَان بِهٖ،

یہاں پرالذین یہ ماقبل للذین کی نعت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اللہ نے ہم سے تورات میں عہد یعنی اقرار کرلیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے۔ جس کو آگ کھائے۔ یعنی ہم آپ کے ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ایسی قربانی نہ کرلیں جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہو جائے اور وہ قربانی جانور وغیرہ کی ہو لہٰذا اگر وہ مقبول ہوئی تو آسمان سے آگ ظاہر ہو اس کو جلا دے گی ورنہ وہ اپنی جگہ پر ہی رہ جائے گی۔ جبکہ بنی اسرائیل کا یہ عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے سوا میں دیا گیا تھا۔ تم ان سے بہ طور توبیخ فرما دو مجھ سے پہلے بہت رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور یہ حکم لے کر آئے۔ جو تم کہتے ہو، جس طرح حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام ہیں۔ تو ان کو تم نے شہید کر دیا اور یہ خطاب ان کو ہے جس ہمارے نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں ہیں۔ اگرچہ وہ کام ان کے باپ دادوں کا تھا لیکن یہ لوگ اس پر راضی تھے۔ پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو۔ یعنی اگر تم ایمان لانے میں سچے ہو۔

سورہ آل عمران آیت ۱۸۳ کے شان نزول کا بیان

یہود کی ایک جماعت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم سے توریت میں عہد لیا گیا ہے کہ جو مدعیٔ رسالت ایسی قربانی نہ لائے جس کو آسمان سے سفید آگ اتر کر کھائے اس پر ہم ہرگز ایمان نہ لائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انکے اس کذب محض اور افتراء خالص کا ابطال کیا گیا کیونکہ اس شرط کا توریت میں نام ونشان بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کی تصدیق کے لئے معجزہ کافی ہے کوئی معجزہ ہو جب نبی نے کوئی معجزہ دکھایا اس کے صدق پر دلیل قائم ہوگئی اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی نبوت کو ماننا لازم ہوگیا اب کسی خاص معجزہ کا اصرار حجت قائم ہونے کے بعد نبی کی تصدیق کا انکار ہے۔

فَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝
پھر بھی اگر آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

معجزات کو نہ ماننے والے لوگوں کا بیان

"فَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُل مِنْ قَبْلك جَاءُوْا بِالْبَیِّنَاتِ" الْمُعْجِزَات "وَالزُّبُر وَالْکِتَاب"

كَصُحُفِ اِبْرَاهِيْم وَفِىْ قِرَاءَ ةٍ بِاِثْبَاتِ الْبَاء فِيْهِمَا "اَلْمُنِيْر" الْوَاضِح هُوَ التَّوْرَاة وَالْاِنْجِيل فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا،

پھر بھی اگر آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو واضح نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صحیفہ ہے۔اور ایک قرأت میں زبر اور کتاب یہ دونوں اثبات باء کے ساتھ آیا ہے۔اور منیر سے مراد واضح یعنی تورات اور انجیل ہے۔پس آپ صبر کریں جس طرح انہوں نے صبر کیا۔

دین کی تبلیغ میں سخت باتیں بھی سننا پڑتی ہیں

جو لوگ آج آپ کو جھٹلا رہے ہیں اے پیغمبر! تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔بلکہ پہلے سے ہی ایسے ہوتا چلا آیا ہے۔ظالموں نے اللہ والوں کو ہمیشہ اسی طرح جھٹلایا، اور ان کے خلاف طرح طرح کی دکھ دہ اور دل آزار باتیں کہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا (مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ) 41۔فصلت:43) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح صبر و برداشت سے کام لیں جس طرح کہ آپ سے پہلے کے ان اولوالعزم رسولوں نے صبر سے کام لیا۔جیسا کہ دوسرے مقام پر اس ہدایت کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ)46۔الاحقاف:35) سوان آیات کریمات میں حضرت امام الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر داعی حق کیلئے تسکین و تسلی کا سامان ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝
ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور تمہارے اجر پورے کے پورے تو قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے، پس جو کوئی دوزخ
سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ واقعۃً کامیاب ہوگیا، اور دنیا کی زندگی دھوکے کے مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ہر جان کیلئے موت نے آنا ہے

"كُلّ نَفْس ذَائِقَة الْمَوْت وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوركُمْ " جَزَاء اَعْمَالكُمْ "يَوْم الْقِيَامَة فَمَنْ زُحْزِحَ " بُعِدَ "عَنْ النَّار وَاُدْخِلَ الْجَنَّة فَقَدْ فَازَ " نَالَ غَايَة مَطْلُوبه "وَمَا الْحَيَاة الدُّنْيَا " اَيْ الْعَيْش فِيْهَا "اِلَّا مَتَاع الْغُرُوْر" الْبَاطِل يَتَمَتَّع بِهِ قَلِيْلًا ثُمَّ يَفْنَى،

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور قیامت کے دن تمہارے اجر پورے کے پورے اعمال کی جزاء دی جائے گی، پس جو کوئی دوزخ کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ واقعۃً کامیاب ہوگیا، یعنی اس نے مقصد

حاصل کر لیا۔ اور دنیا کی زندگی یعنی عیش و آرام دھوکے کے مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔ غرور سے مراد باطل یعنی جس سے تھوڑا نفع حاصل کیا جاتا ہے اس کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۸۵ میں کلمہ انما کے حصر کا بیان

کلمہ "انما" پوری پوری جزا یا سزا کے دریافت کرنے کو، روز قیامت میں منحصر کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض سزا و جزا قیامت کے علاوہ کسی اور وقت بھی دی جاتی ہیں اور اس غیر قیامت سے مراد ہو سکتا ہے دنیا ہو یا عالم برزخ یا دونوں ہوں

موت کی حقیقت سے کسی کو فرار نہ ہونے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے ہمیں پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا اس نے آ کر کہا: اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا۔ ہر مصیبت کی تلافی اللہ کے پاس ہے، ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا اپنی گم شدہ چیز کو پالینا ہے اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ آل عمران، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا (لاٹھی) رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی چیزوں سے بہتر ہے۔ لہٰذا اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو اِنْ شِئْتُمْ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (یعنی پھر جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سودا ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 951)

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا، اور تمہیں بہر صورت ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے
کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سے اذیت ناک (طعنے) سننے ہوں گے، اور اگر تم صبر کرتے رہو
اور تقویٰ اختیار کیے رکھو تو یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔

اموال اور جانوں سے آزمائش ہونے کا بیان

"لَتُبْلَوُنَّ" حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ لَتُخْتَبَرُنَّ "فِيْ اَمْوَالِكُمْ" بِالْفَرَائِضِ فِيْهَا وَالْحَوَائِجِ "وَاَنْفُسِكُمْ" بِالْعِبَادَاتِ وَالْبَلَاءِ "وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ" الْيَهُوْد وَالنَّصَارٰى "وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا " مِنَ الْعَرَبِ "اَذًى كَثِيْرًا" مِنَ السَّبِّ وَالطَّعْنِ وَالتَّشْبِيْبِ بِنِسَائِكُمْ "وَاِنْ تَصْبِرُوْا" عَلٰى ذٰلِكَ "وَتَتَّقُوْا" بِالْفَرَائِضِ "فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" اَیْ : مِنْ مَّعْزُوْمَاتِهَا الَّتِیْ يَعْزِمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا،

یہاں پر "لَتُبْلَوُنَّ" ، مسلسل نونات کے سبب نون کا حذف کر دیا گیا ہے۔اور واؤ ضمیر کو بھی اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال یعنی جن میں تمہاری ضروریات و واجبات ہیں اور تمہاری جانوں یعنی عبادات و مصائب میں آزمایا جائے گا، اور تمہیں بہرصورت ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی یعنی یہود و نصاریٰ اور اہل عرب میں سے جو لوگ مشرک ہیں بہت سے اذیت ناک طعنے جس طرح گالی گلوچ اور عورتوں کے بارے میں اشعار سننے ہوں گے، اور اگر تم اس بات پر صبر کرتے رہو اور فرائض کے ساتھ تقویٰ اختیار کئے رکھو تو یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔ یعنی ان مقاصد میں ہوگا جن کا تم نے ارادہ کیا ہوا ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۸۶ میں کلمہ عزم کے مفہوم کا بیان

کلمہ "عزم" مصدر اور مفعول کے معنی میں ہے۔اور "عزم الامور" میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے یعنی "الامور المعزومة" اور معزوم، بلند و نیک ہدف و مقصد کو کہتے ہیں کہ جس کی طرف حرکت کرنا لازم ہے۔ لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوگا، صبر و تقویٰ ایک ایسا امر ہے جس کے کمال و شرف کی خاطر اسکی طرف حرکت کرنا ضروری ہے۔اور یہ کہ مفرد اسم اشارہ "ذلک" صبر و تقویٰ کی طرف اشارے کیلئے استعمال ہوا ہے، اس سے ان صبر و تقویٰ کے ایک ساتھ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

تکالیف پر صبر کرنے کا بیان

حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگذر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کرلیا کرتے تھے اور رب کریم کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں، صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عباد کی عیادت کے لئے بنو حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی تھی۔ مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے گرد و غبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاس پہنچ ہی چکے تھے سواری سے اتر آئے سلام کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں تو عبداللہ بول پڑا سنئے صاحب آپ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں آپ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذاء [illegible] کے پاس آئے اسے سنایئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم بیشک آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے اب ان کی آپس میں خوب جھڑپ ہوئی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگا اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے بجھانے سے آخر امن و امان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعد کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعد سے فرمایا کہ ابو حباب عبداللہ بن ابی سلول نے آج تو اس طرح کیا حضرت سعد نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانے دیجئے معاف کیجئے اور درگذر کیجئے قسم اللہ کی جس نے آپ پر قرآن اتارا اسے آپ سے اس لئے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اسے چودراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا فیصلہ ہو چکا تھا ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا لوگوں نے آپ کو نبی مانا اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپولے پھوڑ رہا ہے جو کہہ دیا کہہ دیا آپ اسے اہمیت نہ دیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کرلیا اور یہی آپ کی عادت تھی اور آپ کے اصحاب کی بھی، یہودیوں سے مشرکوں سے درگذر فرماتے سنی ان سنی کر دیا کرتے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○
اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا فرمائی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے
اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کی، تو کتنی بری خریداری ہے۔

تورات میں کیے گئے عہد کو پس پشت ڈالنے کا بیان

"و" اُذْكُرْ "إِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَاب" اَىِ الْعَهْد عَلَيْهِمْ فِى التَّوْرَاة "لَيُبَيِّنُنَّهٗ" اَىِ الْكِتَاب "لِلنَّاسِ وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ" اَىِ الْكِتَاب بِالْيَاءِ وَالتَّاء بِالْفِعْلَيْنِ "فَنَبَذُوْهُ" طَرَحُوا الْمِيْثَاق "وَرَاء ظُهُوْرهمْ" فَلَمْ يَعْمَلُوْا بِهٖ "وَاشْتَرَوْا بِهٖ" اَخَذُوا بَدَله "ثَمَنًا قَلِيْلًا" مِنَ الدُّنْيَا مِنْ سَفَلَتهمْ بِرِيَاسَتِهِمْ فِى الْعِلْم فَكَتَمُوْهُ خَوْف فَوْته عَلَيْهِمْ "فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ" شِرَاؤُهُمْ هٰذَا،

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا فرمائی یعنی تورات میں ان سے عہد لیا کہ تم ضرور اس کتاب کو لوگوں سے بیان کر دینا اور اس کتاب کو نہ چھپانا، یہاں پر ''وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ'' یاء اور تاء دونوں طرح آیا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا یعنی اس عہد کو اڑا دیا۔ یعنی انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کی، یعنی اپنے علم کی سرپرستی میں اس دنیا میں معمولی سے قیمت لیتے ہیں اور وہ عہد چھپا دیتے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں وہ معمولی قیمت ان کے ہاتھ لگنے سے رہ نہ جائے۔ تو کتنی بری خریداری ہے۔ یعنی ان کی یہ خریداری کتنی بری ہے۔

اہل کتاب کا حق باتوں کو چھپا لینے کا بیان

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ مروان بن حکم نے اپنے محافظ کو حکم دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور کہو کہ جو لوگ اپنی بات پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کام پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا۔ اگر انہیں عذاب دیا گیا تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم لوگوں کو اس آیت سے کیا مطلب یہ آیت تو اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ) (3۔آل عمران:187) (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب (یعنی یہودیوں) سے اقرار لیا کہ اسے لوگوں کے لئے بیان کرو اور چھپاؤ مت لیکن انہوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس کے مقابلے میں تھوڑا سا معاوضہ لے لیا۔ یہ کتنی بری خریداری کرتے ہیں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور کسی کام کے کیے بغیر اپنی تعریف چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق یہ نہ سوچئے کہ انہیں عذاب سے نجات مل جائے گی۔ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات بتائی۔

اور یہ ظاہر کیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ہم نے بتا دیا اور اس پر اپنی تعریف کے طلبگار ہوئے۔ اپنی کتاب اور پوچھی گئی بات پر خوش ہوئے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 952)

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
ہرگز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں کہ بغیر کچھ کیے ان کی تعریف ہو ایسے لوگوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ سمجھنا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہود کا بلا وجہ اپنی تعریفات کروانے کا بیان

"لَا تَحْسَبَنَّ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا" فَعَلُوْا فِيْ اِضْلَال النَّاس "وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا" مِنَ التَّمَسُّك بِالْحَقِّ وَهُمْ عَلٰى ضَلَال "فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ" فِي الْوَجْهَيْنِ تَاْكِيد "بِمَفَازَةٍ" بِمَكَانٍ يَنْجُوْنَ فِيْهِ "مِنَ الْعَذَاب" مِنَ الْاٰخِرَة بَلْ هُمْ فِيْ مَكَان يُعَذَّبُوْنَ فِيْهِ وَهُوَ جَهَنَّم "وَلَهُمْ عَذَاب اَلِيْم" مُؤْلِم فِيْهَا وَمَفْعُولَا يَحْسَب الْاُولٰى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُولَا الثَّانِيَة عَلٰى قِرَاءَة التَّحْتَانِيَّة وَعَلَى الْفَوْقَانِيَّة حُذِفَ الثَّانِيْ فَقَطْ،

یہاں پر "لَا تَحْسَبَنَّ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ ہرگز نہ سمجھنا انہیں جوخوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر یعنی لوگوں کو گمراہ کر کے اور چاہتے ہیں کہ بغیر حق میں کچھ کئے ان کی تعریف ہو، حالانکہ وہ گمراہی پر ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ سمجھنا، یہ "مَتَحْسَبَنَّهُمْ" دونوں صورتوں میں تاکید کیلئے آیا ہے۔ یعنی کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی جوان کو عذاب سے نجات دلائے۔ بلکہ وہ آخرت میں ایسی جگہ میں ہوں گے جہاں عذاب گا اور وہ جہنم ہے۔ اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یعنی اس میں تکلیف ہے یہاں پر پہلا "لَا تَحْسَبَنَّ" مفعول ہے جس کی دلالت قرأت تحتانی کے مطابق مفعول ثانی پر ہے۔ جبکہ قرأت فوقانی کے کے دوسرا کوصرف حذف کیا گیا ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۸۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی جولوگوں کو دھوکا دینے اور گمراہ کرنے پر خوش ہوتے اور باوجود نادان ہونے کے یہ پسند کرتے کہ انہیں عالم کہا جائے۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گزرا کہ حضرت ابن عباس سے پچھوایا تو حضرت ابوسعید نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منافقوں کو قرار دیا جوغزوہ کے وقت بیٹھ جاتے اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح ونصرت کی خوشی کا اظہار کرتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ نے یہود کو بلا بھیجا اوران سے دین کی کوئی بات پوچھی۔ انہوں نے حق چھپایا اور غلط بات بتلادی۔ پھر سمجھے کہ ہم (نے کمال کیا) آپ کے نزدیک قابل تعریف ٹھہرے یعنی آپ کو بتلایا بھی اور حق بات چھپا بھی لی۔ پھر یہی آیت پڑھی۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

مروان نے اپنے دربان رافع کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ اس آیت کا مطلب پوچھ کے آؤ، کیونکہ اس آیت کی رو سے ہر شخص عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو جونعمت ملی، یا وہ جوکرتا ہے۔ اس پرخوش ہوتا ہے اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے ناکردہ کام پر اس کی تعریف کی جائے۔ چنانچہ رافع ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم مسلمانوں کا اس سے کیا تعلق؟ پھر انہوں نے اس سے پہلی آیت ساتھ ملا کر پڑھی اور کہا کہ یہ ان یہودیوں کے حق میں ہے۔ جنہیں آپ نے بلا کر ان سے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے حق بات تو چھپادی اور کوئی غلط بات بتلادی پھر یہ سمجھے کہ وہ ان کے نزدیک قابل تعریف ٹھہرے (یعنی آپ کو بتلا بھی دیا اور حق بھی چھپالیا) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔
(بخاری۔ کتاب التفسیر)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں چند ایسے منافق تھے کہ جب آپ جہاد پر جاتے تو وہ پیچھے رہ جاتے اور خوش ہوتے۔ پھر جب آپ واپس آتے تو قسمیں کھا کر طرح طرح کے بہانے بناتے اور یہ بات انہیں اچھی لگتی تھی کہ ان کے

نا کردہ کاموں پر ان کی تعریف ہو۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَات وَالْاَرْض " خَزَائِن الْمَطَر وَالرِّزْق وَالنَّبَات وَغَيْرهَا "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلّ شَيْء قَدِير" وَمِنْهُ تَعْذِيب الْكَافِرِيْنَ وَاِنْجَاء الْمُؤْمِنِيْنَ،

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے یعنی جو بارش، رزق اور نباتات وغیرہ کے خزانے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی کافروں کیلئے عذاب ہے اور اہل ایمان کیلئے نجات ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ○
بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

زمین و آسمان کی تخلیق میں عجائب ہونے کا بیان

" اِنَّ فِي خَلْق السَّمَاوَات وَالْاَرْض " وَمَا فِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِب "وَاخْتِلَاف اللَّيْل وَالنَّهَار " بِالْمَجِيْء وَالذَّهَاب وَالزِّيَادَة وَالنُّقْصَان "لَآيَات" دَلَالَات عَلٰى قُدْرَته تَعَالٰى "لِاُولِي الْاَلْبَاب" لِذَوِي الْعُقُوْل،

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں یعنی ان دونوں میں جو عجائب ہیں اور شب و روز یعنی دن رات کا جانا اور آنا اور ان کا کم ہونا اور زیادہ ہونا، عقلِ سلیم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی ان کی دلالت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۹۰ کے سبب نزول کا بیان

امام طبرانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے انہوں نے کہا اژدھا بن جانے والی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ، پھر نصرانیوں کے پاس گئے ان سے کہا تمہارے پاس حضرت عیسیٰ (علیہ اسلام) کیا نشانیاں لائے تھے جواب ملا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب یہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے آپ نے دعا کی جس پر یہ آیت۔ (اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ) 2۔ البقرۃ:164) اتری یعنی نشان قدرت دیکھنے والوں کیلئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں یہ اسی میں غور و فکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔

بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر رات گزاری یہ ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپ حضرت میمونہ سے باتیں

کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے آیت (ان فی خلق السموات) سے آخر سورت تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے مسواک کی وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی حضرت بلال کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اٹھتے بیٹھے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا بیان

"اَلَّذِیْنَ" نَعتَ لِمَا قَبْله اَوْ بَدَل "یَذْكُرُوْنَ اللّٰه قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِم" مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ كُلّ حَال وَعَنْ ابْن عَبَّاس یُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْب الطَّاقَة "وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْق السَّمَاوَات وَالْاَرْض" لِیَسْتَدِلُّوا بِهٖ عَلٰی قُدْرَة صَانِعهمَا یَقُوْلُوْنَ "رَبَّنَا مَا خَلَقْت هٰذَا" الْخَلْق الَّذِیْ نَرَاهُ "بَاطِلًا" حَال عَبَثًا بَلْ دَلِیْلًا عَلٰی كَمَالِ قُدْرَتك "سُبْحَانك" تَنْزِیهًا لَّكَ عَنْ الْعَبَث،

یہاں پر الذین ماقبل کیلئے نعت ہے یا بدل ہے۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یعنی ہر حالت میں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں تا کہ ان دونوں کے خالق پر قدرت پر استدلال کریں۔ وہ کہتے ہیں، اے ہمارے رب، تو نے یہ بیکار نہ بنایا، یعنی جس مخلوق کو ہم دیکھتے ہیں۔ باطلا، عبثا سے حال ہے یعنی تیری قدرت کے کمال پر دلیل کیلئے۔ پاکی ہے تجھے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یعنی بیکار سے پاک ہونا تیرے لئے ہیں۔

اللہ کا ذکر کرنے والے لوگوں کے قابل فخر ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیا اللہ کی قسم اللہ کے ذکر کے لیے ہی بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا اللہ قسم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو میں نے کسی الزام یا تہمت کے پیش نظر تم سے قسم نہیں لی اور تم لوگ تو جانتے ہو کہ میں شدت احتیاط کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کم احادیث نقل کرتا ہوں۔ آپ ایک مرتبہ صحابہ کے حلقے کی طرف تشریف لائے اور ان سے بیٹھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ اللہ کا ذکر اور اسکی تعریف

کر رہے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں اس دولت سے نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم کیا تم اسی لیے بیٹھے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں جھوٹ کے گمان کی وجہ سے قسم نہیں دی۔ جان لو کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سامنے تم پر فخر کر رہا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1331)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○
اے ہمارے رب! بیشک تو جسے دوزخ میں ڈال دے تو تُو نے اسے واقعۃً رسوا کر دیا، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔

"رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّار " لِلْخُلُودِ فِيهَا "فَقَدْ اَخْزَيْتَه" اَهَنْتَه "وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اِشْعَارًا بِتَخْصِيصِ الْخِزْىِ بِهِمْ "مِنْ اَنْصَار" يَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَاب اللّٰه تَعَالَى،

اے ہمارے رب! بیشک تو جسے دوزخ میں ڈال دے وہ اس میں ہمیشہ کیلئے ہے' تو تُو نے اسے یقیناً رسوا کر دیا، اور ظالموں یعنی کافروں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔ یہاں پر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے کہ ان کی رسوائی ان کے ساتھ خاص ہے۔ اور من انصار سے مراد کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○
اے ہمارے رب! ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔
اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے سے محو فرما دے اور ہمیں نیک لوگوں کی معیت میں موت دے۔

"رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ " يَدْعُو النَّاس "لِلْاِيْمَانِ" اَیْ اِلَيْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوْ الْقُرْاٰن "اَنْ" اَیْ بِاَنْ " اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا " بِهٖ "رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ" حُطَّ "عَنَّا سَيِّاٰتِنَا" فَلَا تُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَيْهَا "وَتَوَفَّنَا" اقْبِضْ اَرْوَاحَنَا "مَعَ" فِیْ جُمْلَة "الْاَبْرَار" الْاَنْبِيَاء الصَّالِحِيْنَ،

اے ہمارے رب! ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو لوگوں کو ایمان کیلئے ندا دے رہا تھا یعنی وہ حضرت محمد ﷺ ہیں یا قرآن ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے سے محو فرما دے لہٰذا تو ان کو سزا کے ساتھ ظاہر نہ فرما، اور ہمیں نیک لوگوں کی معیت میں موت دے۔ یعنی ہماری ارواح کو ان کے ساتھ قبض کرنا۔ اور ابرار سے مراد انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگان دین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے کا بیان

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کھڑے ہوتے تو فرماتے وجہت وجھی التوب الیک (یعنی میں نے اپنے چہرے کو اسی کی طرف متوجہ کرلیا۔ جو آسمانوں اور زمین کا پالنے والا ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سے ہوں۔

اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو میرا رب ہے۔ اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے پس تو میرے تمام گناہ معاف فرمادے۔ اس لیے کہ گناہوں کا بخشنے والا صرف تو ہی ہو سکتا ہے۔ مجھ سے گناہوں کو دور کردے اور گناہوں کو صرف تو ہی دور کرسکتا ہے۔ میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1374)

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝
اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں
قیامت کے دن رسوا نہ کر، بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

"رَبَّنَا وَ اٰتِنَا " اَعْطِنَا "مَا وَعَدْتَنَا " بِهِ "عَلٰی " اَلْسِنَة "رُسُلِكَ" مِنَ الرَّحْمَة وَالْفَضْل وَسُؤَالهمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْده تَعَالٰی لَا يُخْلِف سُؤَال اَنْ يَّجْعَلهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّيهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَيَقَّنُوْا اسْتِحْقَاقهمْ لَهُ وَتَكْرِير رَبَّنَا مُبَالَغَة فِي التَّضَرُّع "وَلَا تُخْزِنَا يَوْم الْقِيَامَة اِنَّكَ لَا تُخْلِف الْمِيْعَاد" الْوَعْد بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاء،

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ یعنی سنت عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے جس رحمت اور فضل کا وعدہ فرمایا ہے ان کا سوال اسی لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا وعدہ فرماتا ہے وہ اس کا خلاف نہیں کرتا۔ لہٰذا وہی ان کو اس کا حقدار بنائے کیونکہ انہیں کما حقہ اس کا حقدار ہونے کا یقین نہیں ہے۔ اور یہ تکرار خشوع میں مبالغہ کیلئے ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ یعنی بعث وجزاء کا وعدہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلمہ اتنا" کا جملہ "فامنا ربنا فاغفرلنا" میں، "اغفرلنا" پر عطف ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبان عقل اپنی دعا و مناجات کے پورا ہونے کو ربوبیت الٰہی کے ایمان پر مترتب سمجھتے ہیں۔

جملہ "ولاتخزنا" کے بعد جملہ "انّك دلالت کرتا ہے کہ عدم ذلت و رسوائی اہل عقل مؤمنین کیلئے الٰہی وعدہ ہے۔ لہٰذا "اٰتنا ما

وعدتنا"پر "لاتخزنا" کا عطف، عام پر خاص کا عطف ہے اور معطوف (لاتخزنا) کی بہت زیادہ اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مختلف الفاظ کے ساتھ دعائیں مانگنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اگر کوئی سونے لگے تو یہ کلمات کہے۔اے اللہ، اے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار، اے ہمارے رب، اے ہر چیز کے رب، اے دانے اور گٹھلی کو چیر نے والے اور اے تورات، انجیل اور قرآن نازل کرنے والے، میں تجھ سے ہر شر پہنچانے والی چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں تو اسے اس کے بالوں سے پکڑنے والا ہے تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔تو سب سے اوپر ہے تجھ سے اوپر کچھ نہیں اور تو ہی باطن میں ہے تجھ سے مخفی کوئی چیز نہیں۔(اے اللہ) میرا قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز (غنی) کر دے۔) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1352)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝
تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں سے کام والے کی محنت ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو وہ
جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب
گناہ اتار دوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔اللہ کے پاس کا ثواب ہے، اور اللہ ہی
کے پاس اچھا ثواب ہے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۹۵ کے شانِ نزول کا بیان

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ" دُعَاءَهُمْ "اَنِّیْ" اَیْ بِاَنِّیْ "لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ" كَائِنٌ "مِنْ بَعْضٍ" اَیْ الذُّكُورُ مِنَ الْاِنَاثِ وَبِالْعَكْسِ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا اَیْ هُمْ سَوَاءٌ فِی الْمُجَازَاةِ بِالْاَعْمَالِ وَتَرْكِ تَضْیِیعِهَا نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَا اَسْمَعُ ذِكْرَ النِّسَاءِ فِی الْهِجْرَةِ بِشَیْءٍ. "فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا" مِنْ مَكَّةَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ "وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ" دِیْنِیْ "وَقَاتَلُوْا" الْكُفَّارَ "وَقُتِلُوْا" بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِیْمِهِ "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ" اَسْتُرُهَا بِالْمَغْفِرَةِ "وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا" مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنٰی لَاُكَفِّرَنَّ مُؤَكِّدٌ لَهُ "مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" فِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ التَّكَلُّمِ "وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ

الثَّوَاب" الْجَزَاء،

تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں سے کام والے کی محنت ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو یعنی مذکر و مؤنث یا اس کے برعکس اور یہ جملہ ماقبل کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ یعنی وہ اعمال کی جزاء میں برابر ہیں۔ اور ثواب کے ضائع نہ ہونے میں بھی برابر ہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کہ میں ہجرت میں عورتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں سنا' تو وہ جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ یعنی میرے دین کی راہ میں ستائے گئے اور وہ کفار سے لڑے اور مارے گئے، یہاں قتلوا یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ اور ایک قرأت میں تقدیم کے ساتھ آیا ہے۔ میں ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا یعنی بخشش کے ساتھ پوشیدہ رکھوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ثواب مصدر ہے جو لاکفرن کے معنی میں تاکید کیلئے ہے۔ اللہ کے پاس کا ثواب ہے، اس میں کلام میں توجہ کی غرض ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب یعنی جزاء ہے۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کیلئے ثواب کا بیان

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اسامہ بن زید نے بیان کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مکہ میں اپنے گھر میں کہاں اتریں گے؟ آپ نے فرمایا عقیل نے جائیداد یا گھر کہاں چھوڑا ہے؟ اور عقیل اور طالب ابوطالب کے وارث ہوئے۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی چیز کے بھی وارث نہ ہوئے، اس لئے کہ وہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل اور طالب کافر تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس لئے کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہ ہوگا۔

ابن شہاب نے کہا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرتے تھے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی، ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں، آخر آیت تک۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1504)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ٥
کافروں کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۹۶ کے سبب نزول کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ : اَعْدَاءُ اللّٰهِ فِيْمَا نَرٰى مِنَ الْخَيْرِ وَنَحْنُ فِي الْجَهْدِ : "لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" تَصَرُّفُهُمْ، "فِي الْبِلَادِ" بِالتِّجَارَةِ وَالْكَسْبِ،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے کہا کہ اللہ کے دشمنوں میں ہم بھلائی دیکھتے ہیں حالانکہ ہم جہاد کرنے میں ہے تو یہ حکم نازل ہوا کہ کافروں کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے۔

مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا کہ کفار و مشرکین اللہ کے دشمن تو عیش و آرام میں ہیں اور ہم تنگی و مشقت میں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ کفار کا یہ عیش متاع قلیل ہے اور انجام خراب ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
یہ تھوڑا سا نفع ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

دنیا کا سامان معمولی فائدے کے بعد ختم ہو جاتا ہے

هُوَ "مَتَاع قَلِيْل " يَتَمَتَّعُوْنَ بِهِ يَسِيرًا فِي الدُّنْيَا وَيَفْنٰى "ثُمَّ مَاْوَاهُمْ جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمِهَاد " الْفِرَاش هِيَ،

یہ تھوڑا سا نفع ہے، جس وہ دنیا میں معمولی نفع اٹھاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یعنی ان کے رہنے کی جگہ کتنی ہی بری ہے۔

دنیا سے آخرت کے زیادہ اہم ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ پڑھا، تو فرمایا کہ یقین سمجھو کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندہ کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا، (چاہے جس کو پسند کرے) اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا، جو اللہ کے ہاں ہے، ابو بکر (یہ سن کر) رونے لگے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی کیا چیز ہے، جو اس بوڑھے کو رلا رہی ہے، اگر اللہ نے کسی بندہ کو دنیا کے اور اس عالم کے درمیان میں، جو اللہ کے ہاں ہے، اختیار دیا اور اس نے اس عالم کے اختیار کر لیا، جو اللہ کے ہاں ہے، (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے، مگر آخر میں معلوم ہوا کہ) وہ بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور ابو بکر ہم سب میں زیادہ علم رکھتے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابو بکر تم نہ رو و کیونکہ یہ بات یقینی ہے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اپنی صحبت میں اور اپنے مال میں ابو بکر ہیں میں اپنی امت میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابو بکر ہوتے لیکن اسلام کی محبت مسجد میں ابو بکر کے دروازہ کے سوا کسی کے دروازہ کو بے بند نہ چھوڑا جائے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 452)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝
لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے

ہیں، اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے اور جو کچھ بھی اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔

نیک لوگوں کیلئے اعلیٰ باغات ہونے کا بیان

"لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰت تَجْرِى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَار خَالِدِيْنَ " اَىْ مُقَدَّرِيْنَ بِالْخُلُودِ "فِيْهَا نُزُلًا" وَهُوَ مَا يُعَدّ لِلضَّيْفِ وَنَصبه عَلَى الْحَال مِنْ جَنّٰت وَالْعَامِل فِيْهَا مَعْنَى الظَّرْف "مِنْ عِنْد اللّٰه وَمَا عِنْد اللّٰه" مِنَ الثَّوَاب "خَيْر لِلْاَبْرَارِ" مِنْ مَّتَاع الدُّنْيَا،

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یعنی ہمیشگی کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے یعنی نزل وہ چیز جو مہمان کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ اور نزلا یہ جنات سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور عامل اس میں ظرفیت کا معنی ہونا ہے۔ اور جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے پاس ثواب ہے۔ وہ نیک لوگوں کے لئے دنیا کا نفع بہت ہی اچھا ہے۔

دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرنے کا بیان

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سرائے اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ سلطان کونین ایک بوریے پر آرام فرما ہیں چمڑہ کا تکیہ جس میں ناریل کے ریشے بھرے ہوئے ہیں زیر سر مبارک ہے جسم اقدس میں بوریے کے نقش ہو گئے ہیں یہ حال دیکھ کر حضرت فاروق رو پڑے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب گریہ دریافت کیا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ تو عیش و راحت میں ہوں اور آپ رسول خدا ہو کر اس حالت میں۔ فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا
يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ٥
اور بیشک کچھ اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی
طرف نازل کی گئی اور ان کے دل اللہ کے حضور جھکے رہتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے عوض قلیل دام وصول نہیں کرتے، یہ وہ لوگ ہیں
جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بیشک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے۔

اہل کتاب میں سے لوگوں کے ایمان لانے کا بیان

"وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَاب لَمَنْ يُّؤْمِن بِاللّٰهِ" كَعَبْدِ اللّٰه بْن سَلَام وَاَصْحَابه وَالنَّجَاشِىّ "وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ" اَىْ الْقُرْاٰن "وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ" اَىْ التَّوْرَاة وَالْاِنْجِيل "خَاشِعِيْنَ" حَال مِنْ ضَمِير يُؤْمِن

مُرَاعىٰ فِيهِ مَعْنٰى مَنْ اَىْ : مُتَوَاضِعِيْنَ "لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِ اٰيَاتِ اللّٰهِ" الَّتِىْ عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ مِنْ بَعْثِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ثَمَنًا قَلِيْلًا" مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ يَّكْتُمُوْهَا خَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ كَفِعْلِ غَيْرِهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ "اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ" ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ "عِنْدَ رَبِّهِمْ" يُؤْتَوْنَهُ مَرَّتَيْنِ كَمَا فِى الْقَصَصِ "اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ" يُحَاسِبُ الْخَلْقَ فِىْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا،

اور بیشک کچھ اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور بادشاہ نجاشی ہے۔ اور اس کتاب یعنی قرآن پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی یعنی تورات وانجیل اور خاشعین یہ یؤمن کی ضمیر سے حال ہے اس میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے یعنی تواضع کرنے والے ہیں۔ اور ان کے دل اللہ کے حضور جھکے رہتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے عوض قلیل دام وصول نہیں کرتے، یعنی ان کے پاس جو تورات وانجیل میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا بیان ہے وہ اس کے بدلے میں دنیا کی تھوڑی قیمت اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ اس معمولی نفع سے رہ نہ جائیں جس طرح یہود وغیرہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے، وہ ان کو دو مرتبہ عطا فرمائے گا جس طرح سورہ قصص میں ہے۔ بیشک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے۔ یعنی وہ مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے آدھے دن کی مقدار ہی میں لینے والا ہے۔

نجاشی کا جنازہ اور آیت ۱۹۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت نجاشی بادشاہ حبشہ کے باب میں نازل ہوئی ان کی وفات کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو اور اپنے بھائی کی نماز پڑھو جس نے دوسرے ملک میں وفات پائی ہے حضور بقیع شریف میں تشریف لے گئے اور زمین حبشہ آپ کے سامنے کی گئی اور نجاشی بادشاہ کا جنازہ پیش نظر ہوا اس پر آپ نے چار تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کے لئے استغفار فرمایا۔ سبحان اللہ۔ کیا نظر ہے کیا شان ہے سرزمین حبشہ حجاز میں سامنے پیش کر دی جاتی ہے منافقین نے اس پر طعن کیا اور کہا دیکھو حبشہ کے نصرانی پر نماز پڑھتے ہیں جس کو آپ نے کبھی دیکھا بھی نہیں اور وہ آپ کے دین پر بھی نہ تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بادشاہ حبشہ نجاشی کا اسلام کی صداقت کا نعرہ بلند کرنے کا بیان

علامہ ابن اثیر جذری لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، بدکاری کرتے تھے، اپنے سے کمزور کو نیچا دکھاتے تھے۔ ان حالات میں خدا نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت، پاکبازی اور دیانت داری سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا اور بتوں کی پرستش سے منع کیا، سچ بولنے کی تلقین کی، امانت داری کی تعلیم دی، ہم نے ان کی تعلیمات کو قبول کیا جو ان کے نزدیک ہمارا جرم ہے اور اس جرم میں ہمارے دشمن ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی چند آیات سنائیں جنہیں سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا اور قریش کے آدمیوں کو واپس کر دیا۔ یہ قریش کی سخت بے عزتی تھی۔ اس سے ان کے وقار کو ٹھیس پہنچی کہ ایک غیر ملک کے بادشاہ کے دربار سے ناکام لوٹے تھے۔ اپنی انا کی تسکین کے لیے وہ دوسرے دن پھر دربار پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ ان لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنا عقیدہ معلوم کریں۔ اس سے قریش مسلمانوں کو نجاشی کی نظروں میں گرانا چاہتے تھے کیونکہ قرآن نے عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کی سخت مخالفت کی۔ لیکن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے، اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں اور سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ نجاشی یہ سن کر بے اختیار پکار اٹھا کہ "بے شک تم درست کہتے ہو"۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا جواب قریش کی توقعات کے خلاف تھا اب بھی ان کو ناکامی ہوئی اور وہ نامراد واپس لوٹ گئے۔ قریش کی واپسی کے بعد مسلمان کچھ عرصے تک سکون میں رہے لیکن چند دنوں بعد مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ اسلام لے آئے ہیں جو مسلمانوں کے لیے ایک بڑی خوشخبری تھی۔ فوراً حبشہ سے مکہ کی طرف چل پڑے لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر اس غلط خبر کی تردید ہوگئی جس پر کچھ حبشہ واپس چلے گئے اور کچھ مکہ آ گئے۔ ادھر قریش حبشہ میں ناکامی کے بعد پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ یہ ناکامی ان کے لیے باعث ندامت تھی جس سے ان کا تمام تر غصہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ظاہر ہونے لگا اور ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے 83 مرد اور 20 عورتیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئیں۔ یہ حبشہ کی دوسری ہجرت تھی۔ (اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۱۱، بیروت)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو
اس امید پر کہ کامیاب ہو۔

طاعات اور مصائب پر صبر اختیار کرنے کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا" عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْمَصَائِبِ وَعَنِ الْمَعَاصِي "وَصَابِرُوْا" الْكُفَّار فَلَا يَكُوْنُوْا اَشَدَّ صَبْرًا مِنْكُمْ "وَرَابِطُوا" اَقِيْمُوْا عَلَى الْجِهَاد "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" تَفُوْزُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَتَنْجُوْنَ مِنَ النَّار،

اے ایمان والو! صبر کرو اور طاعات اور مصائب پر صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور معصیت سے بچنے میں صبر کرو۔ اور کفار نے بھی صبر کیا لہٰذا وہ صبر کرنے میں تم سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو یعنی جہاد پر قائم رہو اور تمام حالات میں اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔ تاکہ تم جنت کے ساتھ کامیابی حاصل کرو اور جہنم سے نجات پاؤ۔

الفاظ کے لغوی مفہوم کا بیان

صابروا" باب مفاعلہ سے ہے جو طرفین کی مقاومت پر دلالت کرتا ہے اور اکثر یہ معنی دو دشمنوں کے درمیان تصور کیا جا

ہے۔ہوسکتا ہے "صابروا" کا یہ معنی ہو کہ مؤمنین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے درمیان پیدا ہونے والی مشکلات کو تحمل کریں اور ایک دوسرے کی نسبت صبر و بردباری سے کام لیں۔ بظاہر "صابروا" میں الف مفاعلہ "صبر" کو متعدی کرنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔لہٰذا "صابروا" یعنی دوسروں کو صبر کی ترغیب دلانا۔

"صابروا" پر "اصبروا" کا مقدم ہونا ہوسکتا ہے اس معنی کی حکایت کر رہا ہو کہ جب تک انفرادی مشکلات کے مقابلے میں صبر نہیں کروگے۔اس وقت تک دین کے دشمنوں کے سامنے بھی استقامت نہیں کرسکوگے۔

سورہ آلِ عمران آیت ۲۰۰ کے مضمون نزول کا بیان

ابن مردویہ میں ہے کہ ابوسلمہ سے ایک دن حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا سنو اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتی تھی اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے پھر اللہ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں بسیرا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔یہی اعمال موجب ایمان ہیں، ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں ناپسندیدگی کے وقت کامل وضو کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے اور حدیث میں زیادہ قدم رکھ کر چل کر مسجد میں آنا بھی ہے، اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں۔

صبر کی تعریف

صبر کا لغوی معنی، کسی خوشی، مُصیبت، غم اور پریشانی وغیرہ کے وقت میں خود کو قابو میں رکھنا۔

صبر کا شرعی مفہوم

کسی خوشی، مُصیبت، غم اور پریشانی وغیرہ کے وقت میں خود کو قابو میں رکھتے ہوئے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود میں رہنا۔

صبر کی فضیلت

صبر ایک ایسا عظیم اور اعلیٰ فضیلت والا عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں علیہم الصلاۃ والسلام کی صفات میں تعریف کرتے ہوئے بیان فرمایا وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ، اور اسماعیل اور ادریس اور ذاالکفل سب ہی صبر کرنے والوں میں سے تھے۔

اور اس صبر کو ایک نیک عمل قرار فرماتے ہوئے اُس کا پھل یہ بتایا وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ ، اور ہم نے (اُن کے صبر کرنے کے نتیجے میں) اُن سب کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا کہ وہ (یہ) نیک عمل کرنے والے تھے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ یہ عظیم کام بہت بُلند حوصلہ رسولوں کی صفات میں رہا ہے اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کام کا حکم فرمایا، فَاصبِر کَمَا صَبَرَ اُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُلِ،
اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی اُسی طرح صبر فرمایئے جس طرح (آپ سے پہلے) حوصلہ مند رسولوں نے فرمایا۔

حقیقی صبر کے مفہوم کا بیان

حقیقی صبر وہ ہے جو کسی صدمے کی ابتداء میں ہی اختیار کیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر میرا سب کچھ قربان ہو، ہمیں یہ عظیم حقیقت بھی بتائی کہ اِنَّمَا الصَّبر عِندَ الصَدمۃ الاُولیٰ، بے شک صبر تو وہ ہے جو کسی صدمے کی ابتداء میں کیا جائے۔

صبر کی اہمیت اور عظمت

صبر کی اُہمیت، عظمت اور دُنیا اور آخرت کے فوائد کا اندازہ اس بات سے خوب اچھی طرح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قُرآن کریم میں ہمیں بہت دفعہ، اور ہماری زندگیوں کے مختلف حالات میں صبر اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے

صبر کے عمومی حکم کا بیان

وَاصبِر وَمَا صَبرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحزَن عَلَیھِم وَلَا تَکُ فِی ضَیقٍ مِّمَّا یَمکُرُونَ،
اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر سوائے اللہ کی (دی ہوئی) توفیق کے ہو نہیں سکتا اور آپ ان لوگوں (کے کفر وعناد کی وجہ سے ان) کے لیے غمزدہ مت ہوں اور نہ ان لوگوں کی مکاریوں کی وجہ سے تنگی میں ہوں۔

جہاد پر قائم رہنے کی فضیلت میں احادیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑ کی لگام تھامے اس کی پشت پر اللہ کے راستہ میں اڑا جا رہا ہو جب وہ دشمن کی آواز سنے یا خوف محسوس کرے تو اسی طرح اڑ جائے قتل اور موت کو تلاش کرتے ہوئے۔

اور یا پھر اس شخص کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی ان چوٹیوں میں سے کسی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں رہتا ہو نماز قائم کرتا ہوں زکوۃ ادا کرتا ہو اور اپنے رب کی عبادت کرتا ہو یہاں تک کہ اسے اسی حال میں موت آجائے اور سوائے خیر کے لوگوں کے کسی معاملہ میں نہ پڑتا ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 392)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان لانا افضل الاعمال ہیں ایک آدمی نے کھڑا ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں تو میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ہاں اگر تو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے اور تو صبر کرنے والا، ثواب کی نیت رکھنے والا اور پیٹھ پھیرے بغیر

دشمن کی طرف متوجہ رہنے والا ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا تھا اس نے کہا میں نے کہا تھا کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور ہو جائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس صورت میں کہ تو صبر کرنے والا ثواب کی نیت رکھنے والا اور پیٹھ پھیرے بغیر دشمن کی طرف متوجہ رہنے والا ہو تو سوائے قرض کے کیونکہ جبرائیل نے مجھے یہی کہا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 383)

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے سالم ابوالنضر سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عمر بن عبیداللہ کا کاتب تھا کہ عبداللہ بن ابی اوفی کا خط آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور ابو عامر نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن ابوالزناد اور اعرج کے ذریعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اگر ملاقات ہو جائے تو صبر کرو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 282)

تفسیر مصباحین جلد اول کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالی کے احسان اور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ عظیمہ سے تفسیر مصباحین کی پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لیکر سورہ آل عمران سمیت یعنی تین سورتوں کے ساتھ آج بہ روز پیر ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۴۳۵ھ بہ مطابق ۱۳ جنوری ۲۰۱۴ء کو پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ مجھے حق وصواب کی ہدایت دے اور باطل اور باطل کے ہر ذریعے سے محفوظ فرمائے۔ یا اللہ میں تجھ سے رحمت کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا یعنی جس شخص کو پورے آداب وشرائط کے ساتھ بہت دعا مانگنے کی توفیق عطا کی گئی تو سمجھو کہ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے کیونکہ اس کی دعا کے نتیجے میں کبھی تو اس کی مانگی ہوئی چیز ملتی ہے اور کبھی مانگی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے شر و برائی کو دور کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی جاتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب بات یہ ہے کہ اس سے عافیت مانگی جائے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر ۷۶۱)

حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے والے کو بہت پسند کرتا ہے۔ عافیت کے معنی ہیں دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں تمام آفات و مصائب تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی و حفاظت۔ لہٰذا عافیت، دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے جس نے عافیت مانگی اس نے گویا دنیا و آخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق

﴿۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ﴾

چک سنتیکا بہاولنگر